

امداد الفتاویٰ

حکیم الامت مجدد امت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

بترتیب جدید

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

بانی جامعہ دارالعلوم کراچی و مفتی اعظم پاکستان

مکتبہ اذاعہ دارالعلوم کراچی

فَاسْتَأْذِنُوا أَهْلَ الدِّمَارِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

میسوب

امکلا لفتاویٰ

جلد چہارم

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

تبویب جدید

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۲

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ جولائی ۲۰۱۰ء
فون : 5049455 - 5042280
" " mdukhi@gmail.com

ملنے کے پتے

- مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ناشر﴾
- ✽ ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ✽ مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ✽ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- ✽ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- ✽ بیت الکتاب گلش اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

فہرست مضامین امداد الفتاویٰ محبوب جلد چہارم

کتاب الحظر والاباحۃ یعنی

جائز و ناجائز اور مکروہ و مستحب کاموں کا بیان

نماز، تسبیح، ذکر، دعا وغیرہ کے احکام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۶	جلد پر سونے کے نقش و نگار میں تفصیل	۱۸	شب براءۃ کے اعمال و احکام
۵۸	عام مجالس میں رو بقبلہ بیٹھنا ثواب ہے	۲۰	مکاتیب حضرت مولانا صدیق احمد کاندھلوی
۵۸	قرآن مجید سے قال لینا درست نہیں	۳۵	مشتمل بر تحقیق بعض احادیث متعلقہ بسم اللہ
۵۹	قرآن میں مور کا پیر رکھنا جائز ہے۔	۳۵	بسم اللہ گو یا نیدن اطفال را
۵۹	جو جمع سننے کی طرف متوجہ نہ ہو اس میں تلاوت قرآن	۳۵	جہاں کے وقت استغفار پڑھنا
	مختلف قسم ہے	۳۶	بجہ تلال کہکمر دعا مانگنا
۵۹	قرآن سننے کے لئے اپنے وظیفہ کو ترک نہ کرے		”قرآن مجید قبلہ اور دیگر قابل تعلیم اشیاء کے احکام“
۵۹	خارج نماز کوئی تلاوت قرآن کرے تو اس کا سناوا جائی نہیں	۳۶	قرآن مجید کی کتابت خون یا کسی دوسری نجاست سے
۶۰	قرآن مجید اور اس کے ترجمہ کو دوا کا لم میں لکھنا مناسب نہیں۔	۳۹	ننگے سر قرآن مجید کی تلاوت
۶۰	قرآن کی بے ادبی ہو جائے تو اس کو بوسہ دینا ضروری		قرآن مجید کا صرف ترجمہ ہندی یا انگریزی وغیرہ
	نہیں۔	۳۹	بغیر عبادت قرآن لکھنا اور شائع کرنا جائز نہیں
۶۱	پڑانے قرآن مجید جو ناقابل تلاوت ہوں ان کو کیا کیا جائے	۳۹	ترجمہ قرآن بغیر متن قرآن شائع کرنا جائز نہیں۔
۶۲	قرآن مجید کی آیہ کو مونو گرام میں لکھنا مکروہ ہے	۴۲	ہندی زبان میں ترجمہ قرآن کے لئے خاص مشورہ
	قرآن مجید کو بقصد برکت آئینہ میں لگا کر رکھنا درست	۴۴	قرآن کو ناگری خط میں لکھنے کا حکم
۶۳	ہے بقصد زینت بے ادبی ہے۔	۵۱	ترجمہ قرآن مجید نظم میں
		۵۵	روسی کا غذا کا استعمال
			جن کا غذا میں آیات قرآنی ہوں ان کو جلا نا جائز ہے
			مگر احتیاط ترک میں ہے۔
۶۳	ہندوستان میں سوائے ابو حنیفہ کے دوسرے ائمہ	۵۵	قرآن مجید کا غلاف ریشمی جائز ہے۔
	کی تقلید عملاً دشوار ہے۔	۵۶	مومنہ مبارک کا اگر اصلی ہونا ثابت ہو تو اس کی تعلیم و
۶۳	عوام مسلمانوں کو انجیل کی تعلیم درست نہیں		تکلیف موجب ثواب ہے
۶۵	مدارس اسلامیہ کے متعارف جلسوں کے احکام	۵۶	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۹	عمل تسخیر یا تعویذ کا حکم	۷۰	اختیار خریدنے اور دیکھنے کے احکام اور اعانت
۸۹	لی خستہ اطفی بہا کا تعویذ ناجائز ہے		مالی چاہیے۔
	النجاست والطہارت	۷۱	ایضاً " " "
۹۰	حکم استعمال مابین ولایتی	۷۲	سنکرت سیکھنا
۹۰	نجس چیز سے انتقال کے متعلق چند عبارات میں تطبیق	۷۳	یونیورسٹی میں چندہ دینے کا حکم
۹۱	خنزیر وغیرہ کے خشک پاخانہ سے مٹی کا برتن !	۷۳	تحقیق و حکم مسمریزم
۹۲	حکم کوکین ؟	۷۴	ایضاً
۹۲	اقسام و احکام رنگ لایتی پڑیہ مع اسپرٹ	۷۴	تحقیق جواز علم منطق
۹۳	اقسام رنگ و پڑیہ ؟	۷۸	رمز صلوة میں صلعم یا صیا صحابہ کے نام پر رخصہ لکھنا
۹۳	پڑیہ کے رنگ کا حکم ؟	۷۸	کتاب یوسف و زلیخا پڑھنا جائز ہے۔
۹۵	وجہ فرق جواز استعمال پڑیا برائے زنان	۷۹	علم رمل کا حرام ہونا۔
۹۵	عدم جواز برائے مردان	۷۹ تا ۸۵	مدارس دینیہ میں سرکاری امداد کا حکم
۹۵	پڑیہ کی طہارت و نجاست کا حکم ؟	۸۵	شرائط جواز تعلیم ترجمہ قرآن مجید مع اقوال علماء مستند ہند
۹۶	ولایتی رنگ کی گہنائش استعمال		جواز خواندن کتب دینیہ در مدارس سرکاری
	کھانے پینے کی حلال و حرام۔ مکروہ و مباح		تعویذات و اعمال
	چیزوں کا بیان	۸۵	آٹے میں تعویذ کی گولیاں بنا کر مچھلیوں کو کھلانا
۹۷	پرندوں کی غذا کے لئے گوبر و مذبح سے کیرٹے لینا	۸۶	برتن میں پانی کی حرکت اور اس سے وقائع معلوم کرنا
	جو پانی بتوں کے نام پر چڑھایا جائے اس کا پینا	۸۶	عدم جواز تعویذ تسخیر و عشق
	اور حقہ پینا۔	۸۶	شوہر کو اشیا محرمہ کھلانا اور تسخیر کے لئے سحر وغیرہ کرنا
۹۹	غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا حکم	۸۷	تحقیق جواز و عدم جواز رقم دستک۔
۱۰۰	غیر اللہ کے نام زد کئے ہوئے جانور فروخت کرنے کے بعد	۸۸	افضلیت ترک رقیہ۔
۱۰۰	کافر کے گھر کا پکا ہوا گوشت	۸۸	چوری برآمد کرنے کے لئے عملیات
۱۰۱	بچھو کی راکھ حلال ہے۔	۸۸	تعویذ کے ذریعہ جنات کو جلانا
۱۰۲	اشیا خوردنی میں کیرٹے پڑ جانے کا حکم	۸۹	کسی عورت کے لئے تعویذ کرنا تاکہ وہ نکاح پر راضی
۱۰۳	جو مچھلی شدت حرارت سے مر جائے اس کا حکم		ہو جائے۔
۱۰۳	کسی گلاس پانی پینے کی صورت میں ہر گلاس کو تین	۸۹	قرآن کو بطور عمل پڑھنا جائز ہے
		۸۹	تحقیق حکم یا بدوح

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۹	نقروی و طلائی تعویذ کا حکم۔	۱۲۸	سونے چاندی پتیل لوہے وغیرہ کا استعمال
۱۳۹	کسب جائز و ناجائز و مکروہ	۱۲۸	تانبہ پتیل وغیرہ کے برتنوں کا سیان
۱۳۹	بارود و سنگ بنانا	۱۲۸	استعمال ظروف بدری
۱۳۹	زمیندار کو مزدوروں اور چمڑہ نکالنے والوں کے ٹیکس لینا	۱۲۹	استعمال سام آہن و چاندی وغیرہ
۱۳۹	تصویر بنانے کی نوکری کا حکم	۱۲۹	لوہے کے جوتے کا استعمال
۱۳۹	مباح الاصل چیز جو تانبہ بالغ کے احراز سے اس کی ملک	۱۲۹	سونے چاندی کے بٹن پہننا
۱۳۹	میں ہے اس کا حکم	۱۲۹	سونے چاندی کے بٹن
۱۳۹	سرکاری افسران ماتحت ملازمین کی تنخواہ سے بچا لیں حکم	۱۳۰	تفصیل حکم جرس
۱۳۹	تحقیق نوکری بلینڈ باجہ؟	۱۳۰	چاندی کا پلنگ استعمال کرنا حرام ہے
۱۳۹	جس زمین کی آبپاشی بڈن اجازت سرکار و بدوں معاہدہ	۱۳۱	چاندی کے کیس کی گھڑی کا استعمال کرنا
۱۳۹	کی پیداوار کا حکم؟	۱۳۱	چاندی کے گلاس کا حکم
۱۳۹	حکیم جو کچھ عطاروں سے لیتے ہیں یہ رشوت ہے	۱۳۱	ناک میں لونگ پہننے کا حکم
۱۳۹	خلاف درزی معاہدہ کی سورت میں بالغ سے جرمانہ وصول کرنا	۱۳۱	جرمنی سلور کا استعمال
۱۳۹	نا جائز ملازمت کا حکم	۱۳۱	روپے کو بطور زیور ہار بنا کر گلے میں ڈالنا
۱۳۹	جن لوگوں کو سرکاری کام کے لئے پاس ملا ہوا اس سے	۱۳۱	پتیل، رائنگ، تانبہ، گلت کا استعمال
۱۳۹	ذاتی ضرورت کا سفر	۱۳۱	جائز مع الدلائل
۱۳۹	مال حرام و مشتبہ کے احکام	۱۳۱	دوات کا ڈھکنا جو چاندی کا ہو اس کا استعمال
۱۳۹	حکم مال حرام بعد توبہ	۱۳۱	جائز نہیں
۱۳۹	کافر زانیہ مسلمان ہو جائے تو اس کا مال حرام جائز نہ ہوگا۔	۱۳۱	قلم جن کا تانبہ سونے کا ہو اس کا استعمال جائز نہیں۔
۱۳۹	جو برتن مال حرام سے خریدا گیا ہو اس کا استعمال گناہ ہے۔	۱۳۱	جہیز میں سونے چاندی کے برتن دینا۔
۱۳۹	حکم مال حرام جو کہ میراث میں مل جائے	۱۳۱	زیورہ باجہ کی حرمت کی تفصیل
۱۳۹	جو مال بطور میراث کے دریا جاتے مگر خوشدلی سے اس کا حکم	۱۳۱	طلائی دانتوں کا حکم
۱۳۹	سوختہ حرام سے آگ لینا۔	۱۳۱	جس بٹن پر چاندی کا حلقہ چڑھا ہوا ہو۔
۱۳۹	فاحشہ عورت یا کفار کے بنوائے ہوئے کنویں سے پانی پینا	۱۳۱	پتیل کے برتنوں کا حکم
۱۳۹	رہیوے ملازم کیلئے ٹھیکیدار فروخت اشیاء سے رعایتی قبہ	۱۳۱	
۱۳۹	پر چیزیں خریدنا۔	۱۳۱	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۸	ہندہ نام رکھنا۔	۱۴۶	سرکاری کام سے بچی ہوئی چیزیں مثلاً قلم وغیرہ کا حکم
۱۵۸	عدم صحت قیاس بنام قربان علی بر علی بخش	۱۴۶	" " " " " "
۱۵۸	کوئی متبرک لباس پہنکر نماز پڑھنا۔	۱۴۶	مال مخلوط از حلال و حرام جائز ہے جب تک حرام غالب نہ ہو۔
۱۵۹	حکم سیاحت لندن وغیرہ	۱۴۶	حلت مکان مائل شدہ بآمدنی غالب حلال
۱۵۹	ہدایات برائے سفر لندن	۱۴۶	نا جائز سوختہ سے بچی ہوئی اینٹ یا گرم ہو پانی کا استعمال
۱۵۹	اپنی لڑکی کو ماں یا لڑکے کو باپ کہہ دینے کا حکم	۱۴۶	دارث کے لئے رشوت کے مال کا حکم۔
۱۶۰	جواب مشورہ ترک رسم بیعت بسبب وقوع۔	۱۴۸	اہل رشوت کے ساتھ خلط کر کے کھانا کھانا۔
	مفاسد کثیرہ		" " " " " "
۱۶۰	رسالہ اخبار بینی کے دو قول میں فیصلہ	جائز و ناجائز مکروہ افعال استعمال	
۱۶۵	جب روپیہ بدولن نالٹل کے وصول ہو جائے تو زبرد		
	خرچہ مقدمہ کی واپسی لازمی ہے۔	۱۴۹	دودھ حکام کے نقصان کی تلافی کی ایک صورت
۱۶۵	حکم زیر پائے	"	گھر کی نالی کو قدیم سے زیادہ بڑھا لیتا۔
۱۶۵	دفعہ شبہ عدم جواز خروج از طاعت مزیدہ	۱۵۰	سواری پاکی۔
۱۶۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے	۱۵۰	ضرر کے خوف سے رشوت دینا۔
	کی توبہ۔	۱۵۰	افسروں کو ہیئت متعارفہ کے موافق سلام کرنا۔
۱۶۶	جس تسبیح میں چھوٹا سا فوٹو لگا ہوتا ہے اس کا استعمال	۱۵۱	اہل باطل کے رسائل کی کتابت
۱۶۶	مردہ بیوی کے تصور کے احکام	۱۵۱	کھانے کی تواضع متعارف بشرط صدق نیت جائز ہے۔
۱۷۰	بعض شرکار چندہ کا بذریعہ قرعہ لینے حق سے زائد لینا	۱۵۱	دھوکا دینا اور سودے میں میل کرنا۔
۱۷۱	گمارڈ کی اجازت سے ریل کا سفر بلا کہا یہ کرنا۔	۱۵۱	کسی دوسرے شخص کا مارکہ بنالینا۔
۱۷۱	غیر جنس میں سے اپنا حق کسی حیلہ سے حاصل کرنا۔	۱۵۲	ٹیکس شخص کرنے والے سے اپنا مال چھپانا
۱۷۱	بڑے تالاب یا خطیرہ کا پانی روکنا جس میں مملوک وغیرہ	۱۵۲	عدم جواز ٹیکس
	مملوک پھلیاں ہوں۔	۱۵۳	حکم حیلہ
۱۷۱	کسی خاص بستی کے تالاب سے دوسرے علاقہ کے لوگوں کا	۱۵۳	جس جانور کا بچہ مر جائے اس کا دودھ نکالنے کے لئے
	پھلیاں پکڑنا۔		مصنوعی بچہ بنا کر رکھنا۔
۱۷۱	حکم دعا برائے زانی	۱۵۳	نبی بخش نام رکھنا جائز نہیں
۱۷۱	حکم ہجرت از ہندوستان	۱۵۵	بیمہ جان بشرط معائنہ ڈاکٹری
۱۷۲	بچہ کے مرنے کے بعد اس کی آدن تال کاٹنا۔	۱۵۶	" " " "
۱۷۲	تحقیق وجوب و عدم وجوب مہمانداری۔	۱۵۷	پیر بخش نام رکھنا۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰۰	کتواری لڑکیوں کو عورتوں سے پردہ کرنا خلافت حدیث نہیں۔	۱۷۳	ظالم گرفتار مقدمہ کی امداد کا حکم
۲۰۱	بوڑھی عورت کے لئے سفر بلا محرم کے جواز	۱۷۳	مداراتِ فساق کا حکم
	زنا اور اس کے متعلقات	۱۷۴	حکم تعلیم حساب سود
۲۰۱	زانیہ عورت کو بلا معاوضہ زنا کوئی ہدیہ دینا۔	۱۷۴	بجائے کفار کا جواز
۲۰۱	کسی آلہ کے ذریعہ اخراج منی	۱۷۶	بابود وغیرہ کو رشوت دینا
۲۰۲	حرمت دیوثی و تفسیق مرتکب آن		نکاح اور سنگنی وغیرہ
۲۰۲	اجنبی عورت سے بدنِ ذیوانا	۱۷۶	بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکنا
	احکام متعلقہ علاج و دوا وغیرہ	۱۷۷	بیوہ عورت کو کسی دوا وغیرہ سے باکرمہ بنا نا دھوکا دینے کے لئے۔
۲۰۲	اسقاطِ حمل		عورتوں کے پیرے اور نظروں وغیرہ کے احکام
۲۰۳	" "	۱۷۷	حکم پردہ زنان
۲۰۴	" "	۱۸۰	" "
۲۰۵	کافر کے لئے حرام دوا تجویز کرنا	۱۸۱	تفصیل حکم پردہ و اقتدا جس کی عورت بے پردہ ہو۔
۲۰۵	حرام دوا کا استعمال	۱۸۱	رسالہ القادسکینہ فی تحقیق ابدار الزینتہ
۲۰۵	مصنوعی دانت بنانا	۱۸۱	حکم پردہ زنان
۲۰۶	بچہ نکالنے کے لئے حاملہ کا پیٹ چاک کرنا۔	۱۹۴	" "
۲۰۶	افیون کا استعمال بوقتِ اضطراب	۱۹۶	فاسق عورتوں کو گھر میں آنے سے روکنا
۲۰۶	دوا میں افیون	۱۹۶	عورتوں کو بازار میں جانا۔
۲۰۶	افیون وغیرہ در دوا	۱۹۷	برقعہ سے ڈولے کا سفر بہتر ہے۔
۲۰۷	ٹیکہ چپک	۱۹۷	چہرہ کھولنا یا آواز سننا وغیرہ
۲۰۸	دوا میں سانپ کا پتہ استعمال کرنا۔	۱۹۸	جومات مقام پر عورت کو زور پھینکا مشہور ہے۔
۲۰۸	بخیالِ ملخ در سر مرہ	۱۹۹	عورتوں کو اخبار وغیرہ میں اپنا نام ظاہر کرنا۔
۲۰۸	ہومیو پیتھک دوا کا استعمال	۱۹۹	مرز دوری پیشہ عورتوں کو سراور کہنیوں تک ہاتھ کھولنا
۲۰۹	گیس کے چولہے میں اسپرٹ کا استعمال	۲۰۰	دندان ساز کو عورت کو مس کرنا
۲۰۹	اسپرٹ کا استعمال	۲۰۰	خوشدامن کا اپنے داماد سے پردہ
۲۰۹	" "	۲۰۰	عورتوں کی قرأتِ اجنبی مردوں کو بلا ضرورت سُنتا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۰	رفع اشکال برسنون گفتن حلق تمام سر	۲۰۹	مصنوعی آنکھ بنانا
۲۳۱	ڈاڑھی کا فلسفہ اور اس کے رکھنے کا حکم	۲۱۰	بال اڑانے والا صابن استعمال کرنا
۲۳۲	یونیو فارم کی سیاسی حیثیت	۲۱۰	عرقیات ڈاکٹری کا استعمال
۲۳۳	ترک شعار کے نتائج؟	۲۱۰	جُند بید ستر کا حکم؟
۲۳۵	ترقی اقوام و ملل کا راز؟	۲۱۰	نوشادر پاک ہے
۲۳۶	ڈاڑھی اسلام کا شعار ہے	۲۱۱	مرض فمق کے علاج پر شبہ اور اس کا جواب
۲۳۸	نومسلم کی ختنہ کا حکم	۲۱۱	انگریزی دواؤں کا استعمال
۲۳۹	ختنہ کا اعلان بہتر ہے یا اخفاء؟	۲۱۲	" " "
۲۳۹	آدمی بڑا ہو جائے اور ختنہ کا تحمل نہ ہو تو ترک ختنہ کا حکم		
۲۴۰	ختان بعد البلوغ		
	غنا و مزامیر اور لہو و لب تصادیر کے احکام		
۲۴۰	شطرنج کا حکم	۲۱۳	خضاب
۲۴۲	بزرگوں کی تصویر رکھنا	۲۱۴	مسائل خضاب
۲۴۳	حکم فوٹو گراف	۲۱۵	حکم خضاب سیاہ
۲۴۳	" "	۲۱۵	حکم خضاب
۲۴۴	فوٹو گراف و تحقیق مس بلا و ضو پلٹ	۲۱۸	" "
۲۴۴	خالی قرآن را۔	۲۲۰	ڈاڑھی اور مونچھوں کے کاٹنے اور منڈوانے کے احکام
۲۴۵	حکم سماع قرآن از گراموفون	۲۲۳	ڈاڑھی مونچھوں اور چوٹی وغیرہ کے احکام
۲۴۶	حکم سماع گراموفون	۲۲۳	ڈاڑھی کا حکم اور مقدار
۲۵۲	تعلیمی تاش ؟	۲۲۳	سر کا بعض حصہ منڈوانا۔
۲۵۲	نصف دھڑ کی تصویر	۲۲۳	پیشانی اور گدی اور سینے کے بال صاف کرنا۔
۲۵۲	حکم تصویر نہ تمام	۲۲۴	سر کے بال کٹوانا
۲۵۳	فوٹو کو آئینہ پر قیاس کرنا غلط ہے۔	۲۲۴	" "
۲۵۴	کپڑے کے تھان پر جو تصویر کارخانہ کی علامت ہو	۲۲۴	عورتوں کے بال کٹوانا
۲۵۴	جواز روپیہ تصویر	۲۲۸	" " "
۲۵۴	حکم تصاویر در کتب طبیہ	۲۲۹	سر پر بال رکھنا۔
		۲۲۹	حجامت اور ناخن نبوانا جمع سے پہلے یا بعد میں۔
		۲۳۰	مونے زیر لب کا حلق اور قصر برابری ہے۔
		۲۳۰	مونے زیر لب کے حلق کا حکم؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱۹	بجمل اور ہذا ذات (سادگی) میں مشافہات نہیں۔	۲۸۱	بادشاہ کو محی الملہ والدین کا خطاب دینا
۳۱۹	تحقیق معنی استسار فعال در حدیث۔		مسائل متعلقہ طاعون و وبا
۳۲۰	حضرت غوث اعظمؒ کی بعض کرامات اور ان کی تصدیق کی شرط۔	۲۸۱	طاعون سے بھاگنے کی ممانعت
۳۲۰	رفع اشکال و ما علناہ الشعر	۲۸۳	حدیث فلا تخرجوا فرامنا پر چند شبہات کا جواب
۳۲۲	اعانت علی المعصیت کی چند چیز نیات	۲۸۳	حفظ ماتقدم کے لئے دفع طاعون کی دو اکڑنا۔
	کتاب الوصایا	۲۸۳	نیک طاعون کی تحقیق
۳۲۳	رد موصی و وصیت رابا رجوع موصی از	۲۸۳	ایام طاعون میں ایک گھر سے دوسرے گھر یا ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں چلے جانے کا جواز
۳۲۵	وصیت للوارث	۲۸۵	طاعون سے بھاگنے کی ممانعت منصوص ہے قیاس کی ضرورت نہیں۔
۳۲۵	وصیت للاجنبی وللوارث	۲۸۵	طاعون عمواس میں حضرت عمرؓ کے حکم نقل از بلدہ کے فرار پر استدلال درست نہیں۔
۳۲۶	تعلیق و اضافت وصیت	۲۸۵	فرار عن الطاعون کو سبب نجات سمجھنے والا کافر نہیں ہے ہاں سخت قاسق ہے۔
۳۲۹	وصیت برائے دفن در مکان معین	۲۸۶	بلا عقیدہ مذکورہ بالا بھاگنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔
۳۲۹	وصیت برائے وارث واجنبی و اجازت وارث بعد رد	۲۸۶	بغرض تبدیل آب و ہوا بھی فرار جائز نہیں
۳۳۰	بعد معافی مہر کسی جائیداد کی نسبت یہ لکھنا کہ بعوض مہر کے ہے۔	۲۹۰	تقریر دافع اشکال متعلق از دخول مقام طاعون حکم تمنائے طاعون و علاج آں۔
۳۳۱	عدم بطلان وصیت برد موصی لہ در حیات موصی	۲۹۰	مسائل متعلقہ طاعون
۳۳۲	بطلان وصیت للوارث و لغو شدن شرط وصیت	۳۱۶	جواز دفع طاعون کے لئے دعا
۳۳۳	بطلان وصیت " " "		مسائل متفرقہ
۳۳۴	عدم جریان میراث در وصایا۔	۳۱۴	ادھار سود اگر ان بیچنا۔
۳۳۴	صورت جواز خیرات از ترکہ مشترکہ میان بالغ و نابالغ جواز خرچ کردن مادر از مال پسران تا بالغ خود بقدر حاجت ضروری۔	۳۱۴	وعدہ میں لفظ انشاء اللہ کہنے سے وعدہ باطل نہیں ہوتا
۳۳۵	کم برآمدن مال و وصیت نزد وصی از بیان موصی و اعتبار ثلث از مجموعہ مودعہ باقی بعد الفقدان	۳۱۸	کفار کا نام لکھنا اگرچہ ان میں معبودات باطلہ کی تعظیم ہو بضرورت جائز ہے۔
۳۳۶	تفصیح بعض تدابیر آں از مودث	۳۱۸	تحقیق حدیث ممانعت کتابت للنساء

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۵۴	قبل ادائے دین وارث ترکہ کا مالک ہے یا نہیں	۳۳۷	تحقیق معنی مرغن الموت
۳۵۴	زمین عاریت کی بیع باطل ہونا۔ اور وصیت کا ثلث میں جاری ہونا۔	۳۳۷	مصرف خیر میں صرف کرنے کی وصیت یعنی کسی مقروض کا قرض ادا کرنا یا یونیورسٹی میں دینا۔
۳۵۵	تقدیم خال علاقائی برابن الخال عینی	۳۳۸	وصیت کے لئے ایک مخصوص صورت حکم۔
۳۵۵	توارث سنی و شیعہ		
۳۵۵	بودن امور خیر بجائے بیت المال و رد علی زوجین		
۳۵۵	اشتراط الرد علی الزوجین بعدم ذوی الارحام		
۳۵۶	عدم تملک پسر تمام جائداد مورث را وقت حیات دختران	۳۳۹	جریان میراث در اسباب خرید کردہ میت برائے غرض خاص و قول ذی الید وقت اختلاف
۳۵۷	سورة مسؤلہ میں اخت ذوی الفروض میں ہے۔	۳۴۰	وارث شدن ابن الزنا از مادر خود
۳۵۷	تقسیم ترکہ عدم جواز ادائے قرضہ بر میت مر	۳۴۰	تقسیم بدون امتیاز و تسلیم حصص
۳۵۸	آیس را از امانت او۔	۳۴۱	توارث اخت من الزنا
۳۵۸	تحقیق برات مورث جائداد با صلاح وارث۔	۳۴۱	عدم جریان میراث در وظیفہ سرکاری تخواہ
۳۵۸	حکم میراث پدے کے پیدا ہو جائے نکاح دختر سے، با پدر خود بسبب لاعلمی۔	۳۴۲	اعتبار جہتیں در میراث
۳۶۰	خارج نبودن مال وراثت از ملک وارث بسبب انکار او و تدبیر خروج مسئلہ وراثت	۳۴۲	نہی شدن عصوبت با دلایم الجہد۔
۳۶۰	حکم مفقود	۳۴۲	وضع ترکہ در بیت المال و مصارف آن
۳۶۳	جواب شبہ بر ملک بودن ترکہ مشغولہ بالدين	۳۴۵	صورۃ تقسیم میراث و استحقاق و مطالبہ دین در میان ورثہ مختلفین اشتراکاً و انفراداً
۳۶۳	جواب شبہ بر تقدیم اولاد اخت عینیہ بر اولاد ابنۃ النعم در میراث۔	۳۴۶	تقسیم حق مرتہن بر مہر و غیرہ در ترکہ
۳۶۴	لفظ "چلی جا" کہنے سے عورت کا گھر سے نکل جانا	۳۴۶	جریان میراث در مہر
۳۶۴	اور بعد موت خاوند کے آنے سے وہ مستحق میراث ہوگی یا نہیں۔	۳۴۷	حکم عطائے سرکار کسے راجد مئے برائے مدد و معاش
۳۶۴	عاق کردن پسر	۳۵۰	اول حدیث متعلقہ ترکہ نبویہ۔
		۳۵۰	حکم کسب حرام برائے ورثہ۔
		۳۵۰	تحقیق تقسیم صنف ثالث ذوی الارحام مختلف الوصول
		۳۵۱	امانت شدن متاع زوج مفوضہ زوجہ
		۳۵۲	وصیت برائے وارث یا اجنبی و اجازت وارث بعد رد
		۳۵۴	کسی کے نام جائداد خریدنے سے اس کی ملک نہ ہونا
		۳۵۴	اور مرنے کے بعد مثل دوسرے ترکہ کے تقسیم ہونا
		۳۵۴	توریت برادرزادہ ثانی

مسائل شتہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۶۳	مدرسہ کی مہر مثل نقشہ نعل مبارک کے بنانا	۳۶۵	گالی کے بدلہ گالی دینا جائز نہیں
۳۶۴	حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کہنے کی وجہ ؟	۳۶۶	قرضہ جنگ میں دوسرے سے روپیہ چل کرانے کی ایک صورت ۔
۳۶۴	پیر افضل ہے یا باپ ؟	۳۶۶	رسالہ جمع الدعاء والرضا بالقضار
۳۶۴	اصلاح معاملہ با تمثال نعل شریف	۳۶۸	بعض خاص دعاؤں کی تاثیر جو عدم اجابت سور آئی ہے اس کے معنی مع جواب شبہ
۳۶۹	ایک جدید مضمون کے کارڈ کا سلسلہ جاری رکھنے کی تحقیق	۳۶۹	معنی حدیث من لم یعرف امام زمانہ مات میتہ جاہلیہ
۳۸۰	چندہ ہلال احمر کی ضرورت کا اثبات	۳۶۹	تنقید دربارہ رسالہ سوانح عمری حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ مرتبہ سردھی پرکاش دیوجی ۔
۳۸۰	چندہ گرفتار از طوائف	۳۷۰	کسی امر جائز میں تعارض امر والدین میں کسی کی اطاعت کرے ۔
۳۸۱	حل اشکال بر تعلق وعید بخل مروۃ	۳۷۰	پند نامہ شیخ فرید الدین عطار میں جو رات کو آئینہ دیکھنے اور جھاڑو دینے اور دیواروں کو کپڑے سے صاف کرنے سے ممانعت ہے اس کی کیا اصل ہے ۔
۳۸۱	مفسد بعض مدارس	۳۷۰	صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا ۔
۳۸۲	سفر بخیاں حصول زیر لبیب وعظ	۳۷۱	گھوڑے کے اندر عیب شرعی ہونے کے کیا معنی ہیں ؟
۳۸۲	کشف تلبیس بعض غیر مقلدین در نقل عبارت صاحب فتاویٰ بتائید خویش	۳۷۱	ذاکرین کے مجمع میں جہر سے قرآن مجید پڑھنا ۔
۳۸۲	جواب شبہ تنافی در حدیث شش عید و قول امام ۔	۳۷۱	زانی کو شوہر مزنیہ سے معاف کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟
۳۸۵	بیعت غائبانہ	۳۷۲	بزرگوں کے توسل سے یا اسماء الہیہ کے ساتھ دعا مانگنا ۔
۳۸۵	فہم حج کا حکم	۳۷۲	جولہ اپنے کو شیخ لکھنا !
۳۸۶	جواب شبہ بر قول فقہاء کرام کہ ازید کل مراد گرفتہ نمی شود ۔	۳۷۲	گناہ پر جرمانہ مقرر کرنا ۔
۳۸۶	نذرانہ یعوض غو کر کتنا نیدن ۔	۳۷۲	مصرع : ہر شب شب قدر است کا قرآن کے خلاف نہ ہونا ۔
۳۸۶	احکام از جہل اسلام	۳۷۲	معنی شعر آدم ز حسن رونے تو گریہ ہر دہشتی الخ
۳۸۸	تحقیق وجوب اقطاب در ہر قریہ	۳۷۲	
۳۸۸	دعا و جواب شبہات متعلقہ آن	۳۷۲	
۳۸۹	تحقیق تفاضل در تلاوت قرآن و تعلم احکام ۔	۳۷۲	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۸۹	اثبات کرامات از اولیاء الشریعہ مات	۳۸۹	تحقیق حکم تدار با سہ سلی ات عیدہ وسلم
۳۹۰	رفع شبہہ در شہادت امام حسین ؑ	۳۹۰	تحقیق تبرک شدن طعام کہ بر روضہ بزرگان رسانیدہ می شود۔
۳۹۰	رفع شبہہ قاتل بودن امام غزالی عذاب روحانی نہ عذاب جسمانی را	۳۹۰	تحقیق ایمان و کفر فرعون
۳۹۲	موجب ثواب بودن رعایت در قیمت و ابرار	۳۹۲	معنی عدم تکفیر در یک وجہ اسلام و نودہ وجہ کفر
۳۹۳	از قیمت	۳۹۳	ابطال تاویل جد مثالی در معراج
۳۹۳	جواز علاج فاسق و عدم جواز مدح	۳۹۳	عدم تکفیر بقول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام نبود
۳۹۳	طریق معافی حقوق	۳۹۳	تحقیق حکم بعض مغلوبین
۳۹۵	جواب شبہہ بر التزام مالاییزم از استجاب و ام عمل	۳۹۵	عدم کفایت لفظ اسلام در اسلام
۳۹۵	فائدہ فی بعض الدلائل بجواز القراءۃ بالقاریۃ احتمالاً	۳۹۵	ردیہ دنیا بندہ دارث میت کو بغرض اہتمام ایصال ثواب
۳۹۵	تحقیق خواب	۳۹۵	دفع تعارض در میان تخیر بین الموت والحیات و عدم اہمال سلیمان علیہ السلام
۳۹۵	تحقیق سبب وقوع سر یہ عبداللہ بن حذافہ	۳۹۵	دفع شبہات متعلق دست غیب
۳۹۵	جواب اعتراض بر اعتراض بہشتی زیور	۳۹۵	متعلق نفس تار
۳۹۵	محل حسن یک عبارت	۳۹۵	متعلق کفار ہندوستان
۳۹۵	مکفر کبار نبودن دعاء مائورہ بعد شہد در صورت خواندن در درود	۳۹۵	اعدل الاقادیل در باب تلخ ابن العربی
۳۹۵	جہالت بودن تکفیر نا کج غیر سید با سیدہ	۳۹۵	توجیہ زیارت کعبہ حسنا بعض اولیاء
۳۹۵	موضوع بودن قصۃ الہو شکرہ سپر حضرت عمرؓ	۳۹۵	دفع درخواست فاکتہ مرقۃ بحیلہ
۳۹۵	معنی عبارت صراط مستقیم و ہم استاد انبیاء	۳۹۵	بعض عبارات مکتوبات قدوسیہ مدہمہ مقدوریت
۳۹۵	جواب بعض شبہات در بعض مواضع تفسیر بیان القرآن	۳۹۵	ممتنع لذاتہ۔
۳۹۵	الخلافۃ ثلاثون سنۃ	۳۹۵	توضیح بعض عبارات مکتوبات قدوسیہ در بارہ جواز اعراس۔
۳۹۵	مطلع بودن کرام الکاتہین بر ارادۃ مردم	۳۹۵	اعادۃ شبہہ بر جواب سابق متعلق عرس و تحقیق فتویٰ
۳۹۵	تعديل حقوق الوالدین	۳۹۵	منسوب بشاہ صاحب دہلوی
۳۹۵	ماخذ کرامت التزام مالاییزم	۳۹۵	دفع تعارض در میان کلام امام شعرانی و کلام فقہاء
۳۹۵	حکم تعویذ نقری یا طلالی ؟	۳۹۵	در باب انکار علی السائل بغير حق
۳۹۵	جواز شبہ تعارض در عبارت شکر النعمۃ قبلہ ثا	۳۹۵	رسالہ ملاحظۃ البیان فی نصائح القرآن۔
۳۹۵	جواب شبہہ از یک عبارت تفسیر بیان القرآن	۳۹۵	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	تطبیق درمیان حدیث سوال مسکنیت و حدیث	۴۸۷	جواب شبہ از یک عبارت تفسیر بیان القرآن
۵۰۰	استعاذہ ازاں -	۴۸۸	تحقیق معنی واسطہ فی الاثبات
	رفع شبہ در حدیث اللہم احسن خلقی فاحسن خلقی	۴۸۸	رفع تعارض در میان آیت و من قتل مؤمناً خطاً
	اگر آدمی بد صورت پڑھے	۴۸۸	و حدیث ان اللہ تجاوز عن امتی الخطار
۵۰۰	تحقیق ہمزہ و معنی و فن شدن او بامیت	۴۸۹	اثبات لقار و صلح حسن بصری با علی کرم اللہ وجہہ
	بذر لیسہ عمل	۴۹۱	اثبات اخذ سببہ -
۵۰۲	بے اصل بودن عمل برائے آمدن مصحف در عشرہ	۴۹۱	حکم مصافحہ وقت رفتن
	محرم	۴۹۲	” ” ”
۵۰۲	معنی حدیث نیت المؤمن خیر من عملہ	۴۹۲	جائز بودن وظیفہ یا شیخ عبدالقادر شینا باللہ
۵۰۲	حرمت جبر بر چندہ	۴۹۳	جوابات سوالات متعلقہ غیر مقلدین
۵۰۲	تطبیق در میان ماثور بودن تعویذ از بعض امور	۴۹۳	رد استدلال از جواب ام سلمہ رضی اللہ عنہا قتل امام حسینؑ
	و بودن آن موجب فضیلت	۴۹۳	برجوا از خاک بر سر ریختن
۵۰۳	حکم ممانعت کردن از تعلیم اردو	۴۹۴	معنی قول جنید کانا امر اللہ قدر مقتدر او در جواب
۵۱۰	تحقیق حدیث تواجد جناب رسول اللہ صلعم		سوال ایضاً فی العارت -
۵۱۰	علت نہ مری بودن حق تعالیٰ	۴۹۵	معنی قول عارف سے زنا نہیں ہو سکتا -
۵۱۱	رفع تعارض در آیت لا تدركہ الابصار و وجوہ	۴۹۵	طریقہ چشتیہ و قادریہ و غیرہ از دین اسلام
	یومئذ باظرفہ	۴۹۵	حکم ملقب کردن کسے را بلقب و بابی
۵۱۱	رفع شبہ بر سماع صوفیہ	۴۹۶	معنی اطاعت طیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۵۱۲	جواز لفظ خذلے بر حق تعالیٰ	۴۹۶	حکم مرجوح یافتن بعض مسائل مجتہد مقلد محمود
۵۱۳	بیان فرق در میان اختار للخلق و تقبیل ید	۴۹۷	جواب شبہ بر قول کافر غیر ضروری باندلیہ فساد عقیدہ
۵۱۳	جواب شبہ بر قول موسیٰ رب ارنی الخ		عوام ترک کردن بایہ
۵۱۵	” ” ” ”	۴۹۷	تطبیق در میان حدیث ممانعت از سوال مہر و حدیث
۵۱۶	روائے کبریائی مانع از رویت حق نیست	۴۹۷	دعا مہر فرمودن - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
۵۱۶	نہ بودن تعطل صفات بنی تہجد و امثال		طریق عمل آسیب مندرجہ قرأت عند اللہ
۵۱۶	ملکت بیضار کی شیرازہ بندی کی خاطر اپنے	۴۹۸	نہ بودن عدم استجابات دعا دلیل مردودیت
	اختلافات کو مٹانا	۴۹۹	بودن شہد نخل ملوک صاحب مکان
۵۱۷	جواب شبہ تناقض در دو قول ابن ہمام	۴۹۹	ترک نہ کردن دعا بسبب تاخیر قبولیت
۵۱۸	حکم عدم استحضار نبیؐ ثواب و عمل	۵۰۰	تعیین ابتداء رکوع دوم سورہ واقعہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۲۳	صورت متعددہ در ادائے حق	۵۱۸	تحقیق ایفائے وعدہ
۵۲۳	تحقیق معنی تبدیل ملک	۵۱۹	تحقیق متعلق رویت اسم محمد در افق آسمان
۵۲۴	تحقیق محذور شدن حاملہ	۵۲۵	واقعات عجیبہ در تصدیق رسالت نبویہ
۵۲۴	توجیہ بعض مضامین منسوب {	۵۲۶	ثبوت نفخ فی النار بعد تلاوت آیات قرآنہ برائے شفا
۵۲۴	شیخ عبدالقادر جیلانی رح	۵۲۶	جواز واپس گرفتن بیمہ موت بہر طریق کہ ممکن باشد
۵۵۳	تحقیق الشریا حق عبد بودن زنا	۵۲۶	تحقیق بعض عبارات متعلقہ باخبار اسلام مسخرہ
۵۵۳	دخول اجازت در خواندن دلائل الخیرات		زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۵۵۳	تحقیق مالک زمین کہ زمیندار ہے یا گورنمنٹ	۵۲۸	تحقیق بعض حکایات
۵۵۳	تحقیق تفاضل نبی علیہ السلام و قرآن کریم	۵۲۹	تحقیق مضمون تظلیل غمام
۵۵۴	حکم اعمال مستعمل برائے دفع و بار	۵۲۹	تحقیق بعض مقامات الاقتصاد
۵۵۵	تحقیق وصیت نامہ کہ چند بار بنام مجاور	۵۳۱	تحقیق بعض حکایات مندرجہ بعض مواضع منقولہ الامداد
	روضہ شیوع یافتہ		
۵۵۶	دلی بہیہ !.....	۵۳۱	تحقیق بعض مقامات امواج طلب
۵۵۶	تحقیق ایدائے روح خبیثہ	۵۳۱	تصحیح بعض حوالہ جات تفسیر
۵۵۸	تحقیق ارواح خبیثہ	۵۳۱	تحقیق بعض حوالہ جات
۵۵۸	” ” ”	۵۳۲	رفع اشکالے نسب زمانہ حج نبوی و وفات نبوی
۵۵۹	تحقیق دست غیب	۵۳۲	تنقید بعض حکایات مندرجہ ذکر محمود خلاصہ سوال
۵۵۹	تحقیق ہمزاد	۵۳۳	تنبیہ بر اصلاح معاملہ با تمثال نعل شریف مذکورہ
۵۵۹	دفع شبہ قادیانی و تفسیر آیات		زاد السعید
۵۵۹	سوال متعلقہ تعدد آدم	۵۳۶	مزید تحقیق متعلق تسین ابراہیم و
۵۶۱	معاملہ با غیر مقلدان		نسب نامہ ہائے فاروقیہاں
۵۶۲	بجواب دیدن کسے حاملہ مردہ را کہ فرزند	۵۳۹	تحقیق بعض کلمات واقعہ مناجات مقبول
	زائیدہ	۵۳۹	تغایر بنا رجحانہ شرائع سابقہ و بنائے حجۃ حدیث
۵۶۳	در معنی ولیمہ		تقریری متعلق مضمون رغائب الرغائب
۵۶۳	وجوب تقلید	۵۴۱	اصلاح و تبدیل بعض عبارات رسالہ یادیاراں
۵۶۶	فرق در تقلید و بیعت شخصی	۵۴۱	تحقیق حیات خضر علیہ السلام
۵۶۰	مجتہد مقید بودن ابن ہمام را	۵۴۲	جواب تنگی ازدوستی عوام
۵۶۰	فرق در رسم و صورت رسم	۵۴۲	تحقیق معنی مولی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۰۷	خودکشی کرنے والے کے لئے دعا جائز ہے	۵۷۱	دجال کا ذکر قرآن میں ہے یا نہیں؟
۶۰۸	رسالہ البجعل المستی علی حل المعنی	۵۷۱	قواعد شرعیہ برائے جماعت تبلیغ و تنظیم
۶۰۹	رسالہ النعم للمومن بالدر صر	۵۷۷	علامت قبول توبہ مع رفع اثر کمال
۶۱۳	رسالہ متعلقہ کانگریس	۵۷۸	وجہ خوف موسیٰ علیہ السلام
۱۱۸	” ” ” ” ” ”	۵۷۹	معنی حدیث نفع وزعم نار ابراہیمؑ را
۶۲۱	قرآن کے نمبر ۱ تا ۱۰ میں ڈالنا	۵۷۹	شرائط امیر
	بے ادبی نہیں ہے۔	۵۸۰	فرد خستہ پیشین
۶۲۳	کیا جلوت الہی پیر کی شکل میں ہوگا؟	۵۸۰	مجدد اقصیٰ معراج کے وقت میں
۶۲۵	سوال متعلقہ کانگریس و مسلم لیگ؟	۵۸۰	منہدم تھی یا نہیں؟
۶۳۸	حیات عیسیٰ پر شبہ کا جواب	۵۸۲	تحقیق کیمیا!
۶۳۹	” ” ” ” ” ”	۵۸۳	ہجوتے کفار کے جواز کی دلیل
۶۴۰	رجوع موتی پر شبہ کا جواب	۵۸۳	رفع شبہات بر تکفیر شیعہ
۶۴۲	حیات عیسیٰ و ادیس علیہما السلام	۵۸۹	احکام الایقان لا قسام الاطمینان
۶۴۳	جولہ بہ کہتا جائز ہے۔		معنی اطمینان؟
۶۴۴	جھنڈے کی پراگھنا حرام ہے۔	۵۹۳	عدم تکفیر بہرہ و پیہ وغیرہ
	امام اعظمؒ کی والدہ کے نکاح پر اشکال کا جواب۔	۵۹۵	حضرت حسینؑ کو سید الشہداء کا لقب
۶۴۸	جنت آدم علیہ السلام؟	۶۰۲	جائز ہے یا نہیں؟
۶۵۱	تبدیل قوم کا حکم	۶۰۳	تحقیق السعد والنفس
۶۵۲	زبان اردو مع تنقید علماء	۶۰۴	دیگر کتب سماویہ کا حرف منزل ہے یا نہیں
۶۵۵	حکم اظہار معاصی		حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی گرد کے برابر
۶۵۶	رسالہ توحید الحق در عدم بخت غیر مسلم	۶۰۴ کسی ولی کا رتبہ نہیں!
۶۸۹	ضمیمہ رسالہ توحید الحق۔	۶۰۵	دلیل افضلیہ صحابہ از غیر صحابہ
		۶۰۶	ختم خواجگان کے احکام
			تقلید و اتباع میں فرق ہے یا نہیں؟

امداد الفتاویٰ جلد چہارم

کتاب الخطر والاباحۃ

جائز و ناجائز، مکروہ و مستحب کاموں کا بیان
نماز، تسبیح، ذکر و دعا وغیرہ کے احکام

اصل غلط مولانا صدیق احمد صاحب کاندھلوی

شبِ برأت کے اعمال و احکام | سوال (۱) ہمارے قصبہ میں قدیم سے عوام کو یہ بتلایا گیا ہے کہ سوئم، چہلم، ششماہی، برسی، جمورات، عیدین، شبِ برأت میں ایصالِ ثواب کی تخصیص بدعات سے ہے آپ نے اثنائے خطبہ میں ایسی تقریر فرمائی جس سے عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ ایصالِ ثواب شبِ برأت میں مستحب ہے، چنانچہ بہت لوگوں نے اس قسم کا چرچا کیا کہ مولانا نے آتش بازی کو منع فرمایا، ایصالِ ثواب کو منع نہیں فرمایا۔ ہمارے ملک میں یہ ایصال بطور رسم جاری ہے، آپ نے حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے استدلال فرمایا تھا،

عن عائشہؓ قالت فقدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فاذا ہی بالبقیع فقال اکنت تخافین ان یحیف اللہ علیک ورسولہ قلت یا رسول اللہ انی ظننت انک اتیت بعض نساءک فقال ان اللہ تعالیٰ ینزّل لیلۃ النصف من شعبان الم السماء الدنیا فیغفر لا کثر من عدد شعرة غنم کلب رواہ الترمذی وقال سمعت محمداً یعنی البخاری یضعف ہذا الحدیث، انتہی

اس حدیث میں دعائے اموات کی تخصیص نہیں کیونکہ لفظ حدیث یہ ہے کہ خرجت اتبع اثرہ فاذا ساجد بالیقین فاطال السجود حتی ظننت انه قبض فلما سلم التفت الی الخ اس روایت سے نماز پڑھنا یقین میں ثابت ہوا، بلکہ احادیث سے دعائے عام امت مستفاد ہوتی ہے کیونکہ فرمایا ان الله ینزل لیلة النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب یعنی اس وقت نکلنے اور صلوٰۃ و دعا کی یہ وجہ ہوئی کہ اس رات میں نزول رحمت و مغفرت ہے پس اپنے لئے اور اپنی امت کے لئے دعا کرنے آیا ہوں، خروج الی البقیع سے دعائے اموات بالتخصیص ثابت نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ خروج الی البقیع آپ کی عادت مستمرہ تھی۔ خاص اسی رات میں واقع نہیں ہوا۔ صحیح مسلم میں ہے۔

عن عائشة رفا قالت کان رسول الله صلی الله علیہ وسلم کما کان لیلتها من رسول الله صلی الله علیہ وسلم یمخرجه من اخر اللیل الی البقیع فیکول السلام علیکم دار قوم مومنین۔

لما علی فرماتے ہیں ای کان من عادیہ انہ اذا بات عندہا ان یمخرجه، پھر دعا کی حقیقت اور ہے اور ایصال ثواب کی اور، ایصال ثواب اپنے عمل کا ثواب میت کو پہنچانا ہے، اور دعائے میت خدا تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا ہے۔ دعا کے ثبوت سے استحباب ایصال ثواب ثابت نہیں ہو سکتا، اگر یہی استدلال ہے تو حدیث ابو داؤد میں وارد ہے کہ آپ نے بعد دفن جنازہ فرمایا استغفروا لایکم واستلوا الہ التثبیت فانہ الان یسأل تو قبر پر کھانا کھلانا مستحب ہو جاوے، حالانکہ بالاتفاق بدعت ہے، معہذا استحباب از جملہ مامورات شرعیہ ہے اس کے اثبات کے لئے کم از کم حدیث حسن کی ضرورت ہے اور حدیث ترمذی جس کو مستدل بنایا ہے ضعیف ہے، امام بخاری سے اس کی تضعیف سنن ترمذی میں منقول ہے، اگر باینہم تسلیم بھی کر لیا جاوے تب بھی یہ استدلال واجب ترک ہے، کیونکہ جمعرات و شب برات وغیرہ ایصال ثواب ہمارے ملک کی رسوم سے ہے، اور فقہاء نے اپنے زمانہ کے مرسوم ایصالات کو منع فرمایا ہے، برزازیہ میں ہے یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث و بعد الاسبوع انتہی، صاحب برزازیہ کے زمانہ کی رسم و عادت یہی تھی کہ پہلے دن اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کے میت کے لئے ایصال ثواب کرتے تھے اس لئے انھوں نے ان ایام کی تخصیص کر کے ایصال ثواب کو ممنوع بتلایا ہے، اور شارح منہاج نے بھی ایام مخصوصہ کی ضیافت کو مکروہ لکھا ہے اور نیز فقہاء کے کلیہ کے خلاف ہے کہ المطلق مجوی علی اطلاقہ اور تقيید ایام مخصوصہ سے ابطال اطلاق لازم آتا ہے، صاحب برہان قاطبہ

لکھتے ہیں، الغرض استدلال مانع بدعت کا تو اس روایت منہاج سے یہ تھا ایام مخصوصہ کی ضیافت کو بدعت ممنوعہ لکھا ہے سو اگر یہ طعام بوجہ رجم کے ہے تو ایک وجہ بدعت کی رجم ہوئی۔ اور یہ چلم ہمارے ملک میں رجم میں ہوتا ہے، ثواب مقصود نہیں، اور دوسری وجہ اس میں تعیین وقت کی ہے کہ اس کو شارع نے منع کیا ہے تو دوسری وجہ سے بدعت ہوگئی انتہی۔ حاصل یہ ہے کہ تعیین وقت ممنوع ہے۔ شارح منہاج کی عبارت یہ ہے۔

الاجتماع علی المقبرة فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود والطعام فی الایام المخصوصة
کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرين والرابعین والشهر السادس والستة بدعة ممنوعة
الجواب عن المکتوب المذكور۔ قال فی اصلاح الرسوم، شب برات میں حدیث سے اسی قدر ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم حق تعالیٰ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور اموات کے لئے استغفار فرمایا۔ اس سے آگے سب ایجاد ہے، جس میں مقاسد کثیرہ پیدا ہو گئے ہیں، وقال فی موضع آخر منہ، اس زمانہ میں (یعنی زمانہ نصف شعبان میں) تین امر ثابت ہوئے ہیں ان کو بطور مسنون ادا کرتا موجب ثواب و برکات ہے، اول پندرہویں شب کو گورستان میں جا کر اموات کے لئے دعا و استغفار کرنا اور کچھ صدقہ و خیرات دے کر بھی اگر مردوں کو اس کا ثواب بخش دیا جاوے تو وہی دعا و استغفار اس کے لئے اصل نکل سکتی ہے، کہ مقصود دونوں سے نفع رسائی اموات کی ہے، مگر اس میں کسی بات کا پابند نہ ہو، اگر وقت پر کچھ میسر ہو خفیۃً کچھ دے دلا دے، باقی حدود شرعی سے تجاوز نہ کرے۔
فی المنار وارسال من دون هؤلاء کذا عند الکوفی خلافا لابن ابان فی الحاشیة لان العلة التي توجب قبول مراسیل القرون الثلاثة وهی العدالة والضبط تشتمل مائر القرون
اب بقی نقل عبارت بالا معروض ہے کہ میرا مسلک اس مسئلہ میں وہی ہے جو اصلاح الرسوم کی عبارت بالاسے ظاہر ہے۔ زبانی بھی یہی بیان کرتا ہوں، پس اس روز کے بیان میں ممکن ہے کہ جلدی میں کچھ اجمال یا ابہام رہ گیا ہو۔ یا محض سامعین کی غلط فہمی ہو، یا اپنی بدعات کی تائید (خوا مخواہ سہارا ڈھونڈھا ہو، البتہ حدیث ترمذی سے ضروری مدت سے یہ سمجھے ہوئے تھا، جو کہ اصلاح الرسوم کی اخیر عبارت میں مذکور ہے اور چونکہ اصلاح الرسوم حرفاً حرفاً حضرت مولانا گنگوہی کو سنائی گئی ہے اس استدلال پر انکار نہ فرمانے سے مجھ کو بھی کبھی شبہ نہیں ہوا۔ اور اب بھی یہ خیال ہے کہ گواستغفار جمیع مؤمنین کے لئے تھا لیکن بقیع میں جانا ضرور قرینہ اس کا ہے کہ اموات خصوصیت کے ساتھ اس میں مقصود ہیں کیونکہ ظاہراً بقیع جانے میں اور کوئی مصلحت معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح گو یہ خروج مستمر تھا، لیکن آپکا اس روز کے خروج کو اس علت سے معلل فرمانا ان الله ينزل ليلة التصف من شعبان ظاهراً

اس پر دال ہے کہ اس روز کے خروج میں اس لیلہ کا بھی دخل ہے۔ پس اگر کوئی اتباعاً لہذا الحدیث اس روز گورستان میں قصداً جاوے اور جمیع مؤمنین کے ساتھ بالخصوص اموات کے لئے بھی استغفار کرے تو ظاہراً موجب اجر ہوگا، اتنا تو حدیث کا مدلول معلوم ہوتا ہے۔ باقی دوسرے طرق سے اموات کو ایصال ثواب کرنا اس میں میری اصلی رائے یہ ہے کہ صرف دعا پر اکتفا کرنا اثر الی اتباع المنقول ہے، لیکن ان طرق کے فاعلین پر جبکہ اس میں دوسری تخصیصات و تقییدات نہ ہوں نہ التزام و اصرار ہو، نکیر کو دل نہیں چاہتا، بلکہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، چنانچہ عبارت مذکورہ اصلاح الرسوم میں یہ جملہ کچھ صدقہ الی قولہ سے اصل نکل سکتی ہے، اور یہ جملہ، مگر اس میں کسی بات کی پابندی نہ ہو الی قولہ تجاوزه کرے، صاف اس پر دال ہے کہ اس کا ترک افضل ہے لیکن فعل میں ایک گونہ گنجائش ہے، باقی تضعیف بخاری کی تو اولاً ان پر بحث نہیں، جو انقطاع صادر عن الثبوت کو مضر نہیں کہتے جیسے منار مع حاشیہ کی عبارت بالاین بعض احاف کا قول مذکور ہے۔ ثانیاً نفس حکم کلیات سے ثابت ہے، صرف ایک فضیلت خصوصیت کی وہ اس حدیث سے ثابت کیجاتی ہے، تو اس کیلئے ضعف کا تحمل بھی کیا جاسکتا ہے خصوصاً جبکہ ترک النکیر علی الفاعل کے لئے ہو، مع اعتقاد رجحان علی ترک علی الفعل یہ ہے کہ جو اس باب میں میرے علم میں ہے لیکن مجھ کو اس پر اصرار نہیں اگر علمائے وقت دو چار بھی اس کو خطا فرمائیں۔ میں تقلیداً بھی قبول کرنے کو اور بعد قبول اعلان رجوع کو اور مولانا قدس سرہ کے عدم انکار کو عدم التقات پر محمول کرنے کو آمادہ ہوں۔

امید کرتا ہوں کہ اس تحریر میں سے جتنا جزو و عوام کی اصلاح کے لئے کافی معلوم ہوگی ذریعہ سے جمعہ وغیرہ میں میری طرف منسوب کردہ اعلان فرما دیا جاوے، اور اگر استقلالاً رد کی ضرورت ہو واللہ مجھ کو وہ بھی گوارا ہے، ۱۰ اشعبان ۱۳۳۳ھ

اس کے بعد ذیل کا خط آیا !

از صدیق احمد عفی عنہ، بسامی خدمت جناب مولوی صاحب مصدر الطاف و کرم و امت برکاتکم بعد سلام مسنون التماس ہے گرامی نامہ شرف وصول لایا، چونکہ ابھی تک انکشاف تام نہیں ہوا دوبارہ عرض کرنے کی ضرورت ہوئی، لہذا حسب ذیل التماس ہے۔

(قولہ اس زمانہ میں تین امر ثابت ہیں الخ، ثبوت امور ثلثہ صحیح حدیث پر موقوف ہیں، اور حدیث ضعیف ہے۔ اولاً اس میں انقطاع ظاہری ہے، اس کا جواب آپ لکھ رہے ہیں، دوسرے انقطاع باطنی ہے، وہ یہ ہے کہ حجاج بن ارطاة حسب تحریر تقریب کثیر الخطا مدلس ہے، اس نے اس

حدیث میں عنعنہ کیا ہے، تو مرسل غیر ضابط ہوئی، متنازع میں ہے۔

وانما جعل الخبر حجة بشرائط في الراوى وهي اربعة العقل والضبط والعدالة و الاسلام، اور حسب تحریر مندری ان الحجاج لم يحتج به الشيخان في صحيحهما قال ابن حبان تركه ابن المبارك ويحيى القطان وابن مهدى ويحيى بن معين واحمد بن حنبل والله اعلم ورواه الدارقطني الحجاج بن ارطاة لا يحتج به وقال البيهقي دفعه الحجاج بن ارطاة وهو ضعيف نصب الراية، یہ مرسل غیر عدل بن گیا، تو بایںہمہ ان امور کو ثابت اعتقاد نہ کرنا چاہئے۔ عبارة السيوطي في شرح التقريب الثالث ان لا يعتد عند العمل بثبوته بل يعتد الاحتياط، انتهى؛

(قولہ ان کو بطور مسنون ادا کرنا موجب ثواب و برکات ہے) جبکہ حدیث ضعیف میں وارد ہے تو اس پر عمل کو مسنون اعتقاد کرنا تا درست ہے، درمختار میں ہے وان لا يعتد سنية ذلك الحديث اى سنية العمل به، تو اس بنا پر اصلاح الرسوم واجب الاصلاح ہے، (قولہ اور کچھ صدقہ خیرات دے کر بھی اگر مردوں کو اس کا ثواب بخشد یا جاوے تو وہی دعا، واستغفار اس کے لئے اصل نکل سکتی ہے، کہ مقصود دونوں سے نفع رسائی اموات کی ہے) پہلے اصل کو ثابت کرنا چاہئے پھر فرع میں حکم لگانا مناسب ہے، خود اصل ہی غیر ثابت ہے، یعنی شب برات کے دعا و استغفار کو ثابت کرنا چاہئے، کسی چیز کی اصل نکلنے سے اس کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا جب تک دیگر محذورات سے خالی نہ ہو، حالانکہ شب برات کا ایصال ہمارے ملک میں بطور رسم جاری ہے، اس کے تارک پر ملامت کی جاتی ہے، اور ضروری اور مؤکد بھی سمجھا جاتا ہے، اور ایصال ثواب مطلق وارد ہوا اس کی بھی تعیین لازم آتی ہے۔ اور ہمارے ملک کی یہ بھی رسم ہے کہ گورستان میں غلہ اور نقد، مردوں کے ساتھ لیجاتے ہیں، وہ بھی ضروری سمجھتے ہیں، تو چونکہ دعا، واستغفار صلوٰۃ جنازہ میں ثابت ہے، حسب زعم سامی وہاں ایصال بھی ثابت ہے۔ تو اس کی بھی اصل نکل آئی کہ اس وقت مردہ کے لئے دعا، واستغفار کی جاتی ہے لیکن اصل مفید نہیں کہ رسم کا گناہ عارض ہے، اس ایصال کو واجب ضروری سمجھنے کا محذور موجود ہے، اور تعیین مطلق مزید برآں ہے، براہین قاطعہ کی عبارت نقل کرتا ہوں۔ "فقط اصل نکل آنا توجہ از کے لئے کافی نہیں، اس کے سب عوارض بھی رفع ہونے ضروری ہیں، کہ تشبہ اور تعیین مطلق نہ ہو، اور اس کو مؤکد و واجب جاننا نہ ہو، اور فخر و ریا نہ ہو، ورنہ اگر یہی مؤلف کا علم و فہم ہے تو دھوتی کفار کی اصل تہمد ہے، اور من کل الوجوه مشابہت بھی نہیں، حسب زعم مؤلف کے پس سنت ہوا، اور

حضرت عثمانؓ سے منقول ہے کہ ایک طفل کے چہرہ پر سیاہ ٹیکہ نظر بد کے واسطے لگوا یا تھا، تو تلک کی اصل نکل آئی، تو یہ بھی جاری کرے، اور سوت کا بنا کر ثابت ہے تو زنا رسوت کی اصل بھی نکل آئی، پھول سو گھسنے درست ہیں تو پھولوں کے سہرے کی اصل نکل آئی انتہی جنس واحد کے نیچے انواع مختلفہ ہوتے ہیں، ایک نوع کے ثبوت سے دوسری نوع کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہے آہ

رقولہ ان الله ينزل ليلة النصف من شعبان اس علت سے معتل فرمانا ظاہر اس پر دال ہے کہ اس روز کے خروج میں اس لیلہ کا بھی دخل ہے، اس روز کے خروج کو معتل نہیں فرمایا بلکہ نفس خروج کو، اس لئے کہ یہ علت ہر روز موجود تھی، اس لئے ہر روز خروج الی البقیع ہوا کرتا تھا۔

عن ابی ہریرۃ مرفوعاً یقول ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین ینیق ثلاث اللیل الاخری قول من یدعوننی متفق علیہ، اسی واسطے بروایت عائشہؓ ثابت ہے۔ کما کان لیلۃما من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینخرج من اخر اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم الحدیث وفی اخرہ اللهم اعقر لاهل البقیع الغرقد۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ زیارت قبور خاصہ شب برارت کا نہیں، بلکہ ہر رات آپؐ بقیع میں تشریف لجاتے تھے، اور اس رات میں حسب عادت ستمزہ خروج ہوا تھا۔ اور حدیث ترمذی میں وقوع اس کا حسب اتفاق ہوا تھا، جب کہ صدقہ و خیرات شب برارت کا عمل در آمد قرون ثلثہ میں نہیں ہوا۔ تو یہ دوسرا انقطاع باطنی حدیث ترمذی کا جو آپؐ کا مستدل ہے سمجھا جاتا ہے اور جب کہ ایصال شب برارت میں از جملہ رسوم ہے اور مثل ہے تعین مطلق کو تو انکار کرنا اس کے فاعلین پر ضروری ہے، ترک نکیر کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ یہ ترک نکیر از جملہ بداہنہ فی الدین ہے۔

طریقہ محمدیہ میں ہے ثم اعلم ان فعل البدعة اشد ضرراً من ترک السنة بدلیل ان الفقہاء قالوا اذا تردد فی شیء بین کونہ سنة و بدعة فترکہ لازم و اما ترک الواجب هل هو اشد من فعل البدعة او علی العکس ففیہ اشتباہ حیث صرحوا فیمن تردد بین کونہ بدعة او واجباً انه یفعلہ و فی الخلاصۃ مسئلۃ تبدل علی خلافہ انتہی، والسلام مع الکرام۔

الجواب عن المکتوب المذكور

اذا شرف علی عفی عنہ، بخدمت بابرکت مخدومنا مولانا صدیق احمد صاحب دامت برکاتہم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مفادہ عالیہ ۲۸ شعبان کو بلا، چونکہ مجھ کو بھی اب تک کامل یقین نہیں ہوا اس لئے پھر کچھ معروض ہے (قولہم اس میں انقطاع ظاہری ہے، الخ) اقول اس کے جواب کو جناب سامی نے تسلیم فرمایا (قولہم انقطاع باطنی الی قولہم واجب الاصلاح ہے) اقول اس حجاج کے باب میں تہذیب التہذیب میں یہ اقوال بھی ہیں۔

قال ابن عیینہ سمعت ابن ابی بنیحہ یقول ما جاء نامنکم مثله یعنی الحجاج بن اوطاة وفيه قال الثوري عليكم به وفيه قال العجلي الى قوله الا انه صاحب ارسال وكان يرسل عن يحيى بن ابی كثير ومكحول ولم يسمع منهما وانما يعيب الناس منه التدليس وفيه وقال ابو طالب عن احمد كان من الحفاظ قيل فلم ليس هو عند الناس بذاك قال لان في حديثه زيادة على حديث الناس ليس يكاد له حديث الاقيه زيادة وفيه قلت ارخه ابن حبان في الثقات وفيه قال البزار كان حافظاً مدلساً معجباً بنفسه وكان شعبة يثنى عليه وفيه قرأت بخط النبی هذا القول (ای القول بترکہ) فيه مجازفة واكثر ما نقم عليه التدليس اھ

پس یہ مختلف فیہ ہوا تو حدیث کا ضعف بھی مختلف فیہ ہوا، اور مختلف فیہ میں تضیق نہیں کیا جاسکتا۔ اور تدلیس حافظ کی موجب جرح نہیں۔ (قولہم اصل کو ثابت کرنا چاہیے) اقول قد ثبت بما قررت (قولہم جب تک دیگر محذورات سے خالی نہ ہو الخ) اقول مسلم ہے، اور یہ شرط یہاں بھی ہے، چنانچہ اصلاح الرسوم کی عبارتیں جو خط سابق میں منقول ہیں اس شرائط میں صریح ہیں (قولہم بطور رسم جاری ہے) اقول اس کا علاج عدم تقید بطعام دون طعام اور اخفا اور ترک احیاناً ہے۔ وکلہ مذکور فی اصلاح الرسوم (قولہم ایصال ثواب مطلق وارد ہوا ہے الخ) زمانہ کی تعیین میں تو ابھی کلام ہی ہے، دوسری تعینات غیر ثابتہ کو میں بھی بدعت کہتا ہوں، کما صرح بہ فی الاصلاح (قولہم اصل مفید نہیں کہ رسم کا گناہ عارض ہے الخ) اقول مسلم ہے اور محل مجوٹ فیہ میں بھی یہ شرط ہے، کہ بطور رسم نہ ہو، کما ذکر ت سابقاً و بہذا خرج الجواب عن الاستدلال بعبادۃ البراہین، کیونکہ میرا یہ دعویٰ نہیں کہ باوجود محذورات کے صرف اصل نکلنا کافی ہے، کما ذکر ت اقولہم بلکہ نفس خروج کو الخ) اقول اگر اتنا ہی مقصود ہوتا تو لیلة النصف من شعبان نہ فرماتے،

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس لیدہ کو بھی اس خروج خاص میں دخل ہے، گو مطلق خروج میں مطلق نزول کو دخل ہے (قولہم جب کہ صدقہ الی قولہم قرون ثلثہ میں نہیں ہوا) اقول دعا تو خود حدیث میں مصرح بہ ہے، اور جب نقل کر کے اس پر نکیر نہیں کیا گیا اس کا جواز عمل تو اس طرح ہو گیا، باقی صدقہ، یہ بیشک منقول نہیں دیکھا گیا، اور اسی واسطے میرے نزدیک بھی ترک اس کا افضل ہے، لیکن اس کی ایک نظیر کا فقہاء نے اعتبار کیا ہے، اس لئے عدم نکیر کی ضرورت گنجائش سمجھتا ہوں، اور وہ نظیر حدیث تو سعید یوم عاشورہ ہے فقہاء کا یہ فتویٰ ہے جو کہ در مختار میں ہے و فی یوم عاشوراء یکرہ کلہم ولایاس بالمعتاد خلطاً و یوجز، اور رد المحتار میں لکھا،

قوله ولا یاس الخ نقل فی القنیۃ عن الوبری انه لم یرد فیہ اثر قوی ولا یاس بہ و ربما یشاب قال الشارح والذی فی حقی ان یشاب بالتوسعة علی عیالہ المتد و بالیہا فی الحدیث بقولہ من وسع علی عیالہ فی یوم عاشوراء وسع اللہ ساثر سعة فاخذ الناس منه ان وسعوا باستعمال انواع من الحبوب وهو مما یرصد علیہ التوسعة ثم قال بعد السطر والحاصل انه وردت التوسعة فیہ باسائنہ ضعیفہ و صحیح بعضہا یرتقی بہا الحدیث الی الحسن وتعقب ابن الجوزی فی عدہ من الموضوعات ثم فیہ والتوسعة علی من وسع مجربہ نقل ذلک المناوی عن جابر و ابن عیینہ؟ کتاب الحظر والاباحۃ،

اور یہ فرع اس کی ہر طرح نظیر ہے کہ دونوں کی حدیث متکلم فیہ ہے، حتیٰ کہ ابن الجوزی حدیث توسیع کو موضوعات میں لے آئے، دونوں کا متکلم فیہ ہونا مختلف فیہ ہے، پس جس طرح ایک میں تحمل کر لیا گیا کہ باوجود بعض کے کلام کے اس میں یشاب کہہ رہے ہیں، دوسرے میں بھی کر لیا جاوے گا، دونوں میں نفس مدلول حدیث پر نکیر منافی ہے، دونوں میں ایک ایک امر ناکہ استنباط ہوا ہے، عاشوراء میں خلط انواع حبوب کا لیلۃ البرات میں تفع مالی کا پس جب ایک کو گوارا کیا گیا ہے دوسرا بھی اس کا مستحق ہے، بلکہ باوجود تناظر کے میں ایصال ثواب مالی کو لیلۃ البرات میں خلاف اولیٰ سمجھتا ہوں، جیسا کہ معتاد خلطاً کو بھی قواعد سے ایسا ہی سمجھتا ہوں اگرچہ فقہاء نے تفصیل نہیں کی، باقی منع معارض سے مجھ کو بھی انکار نہیں، مگر کلام اس میں ہے جب وہ عوارض نہ ہوں، اس میں البتہ سکوت کی گنجائش سمجھ رہا ہوں، ہذا اما حضری الان ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا بعد اس تحریر کے حضرات علماء محققین کی خدمت میں عرض ہے

کہ مجھ کو اس پر اصرار نہیں ہے، اپنی رائے اور معلومات کو ظاہر کر دیا، اور جانبین کی تحریرات کو پیش کر دیا۔ اب امید کرتا ہوں کہ قواعد شرعیہ سے جو امر صحیح معلوم ہو اس کی تعیین فرمادی جاوے۔ اگر میری رائے غلط ہوئی میں اپنے رجوع کا اعلان کر دوں گا۔ اور بعد فیصلہ فرمادینے علماء کے ان سے دوبارہ مقاولت و مکاتبت نہ کی جاوے گی، اس کو فیصلہ اخیر سمجھ کر تسلیم کر لیا جاوے گا۔ اگر تحقیقاً بھی سمجھ میں نہ آوے گا تقلیداً قبول کر لوں گا، پس بلا تکلف اور بلا رعایت احقر کے اپنی رائے مبارک کا اظہار فرمادیا جاوے۔ کہ اداۃ بھی تحریر فرمائی نہ جاوے۔ والسلام۔

اشرف علی، ۲۹ شعبان ۱۳۳۳ھ

اس کے بعد میری درخواست پر دیو بند سے یہ فیصلہ آیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفاظ حدیث اور تحقیق شراح اس قدر ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رات میں یقیناً کوثر شریف لیجانا اور دعاء فرمانا بعض خصوصیات کی وجہ سے تھا، جن میں سے اموات مسلمین کو بھی عموم رحمت و دعائے مغفرت میں شامل فرمانا تھا اور اگرچہ یہ خروج اور دعاء عادت مستمرہ ہو تب بھی اس خاص رات کا خروج اور دعاء دلیل استحباب و عار لاموات فی لیلة البرات ہے، کیونکہ جیسا اس شب میں نزول رحمت خصوصیت کے ساتھ ہے جیسا کہ وارد ہوا۔

ینزل فیہا لغروب الشمس الحدیث۔ اسی طرح آپ کا خروج بھی دیگر بیالی کے خروج سے ممتاز و خاص تھا، بہر حال اس قدر حدیث سے ضرور ثابت ہے کہ آپ نے اپنے یقین میں کوثر شریف لیجانے اور دعاء میں مشغول ہونے کی یہ وجہ فرمائی ان اللہ تعالیٰ ینزل لیلة النصف من شعبان الحدیث پس اس رات میں خروج الی المقبرۃ و دعاء لاموات بھی حدیث کا مدلول ہوا لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کا التزام اور اس پر اصرار ٹھیک نہیں، اور جو خرابیاں اس پر متفرع ہیں وہ ظاہر ہیں پس ان عوارض کے سبب سے منع کرنا ہی احوط ہے، اور صدقہ و خیرات کے لئے یہ رات چونکہ ایک وقت متبرک و مقبول ہے اس لئے کچھ مضائقہ اس میں نہ تھا، مگر عوام کے زعم تعیین و تخصیص کی وجہ سے اس خصوصیت کو اٹھایا جاوے گا۔

حاصل یہ ہے کہ حکم صدقہ و خیرات کا مطلقاً ہے، جمیع اوقات اس کے لئے محل ہیں، خصوصاً اوقات وازمنہ متبرکہ مقبولہ میں زیادہ تر امید قبولیت ہے، لیکن دوسرے وجوہ سے ان خصوصیت کو منع کیا جاوے گا، دعائے اموات جو اس رات میں ثابت ہے اس پر قیاس کر کے خصوصیت صدقہ و

خیرات ثابت کرنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جو کچھ اس حدیث کی شرح میں ارفام فرمایا ہے اس کا نقل کر دینا مناسب ہے۔

فقال ان الله تعالى ينزل اى من الصفات الجلالية الى النعوت الجمالية زيادة ظهور في هذا التجلي اذ قد ورد في الحديث سبقت رحمتي على غضبي وفي رواية غلبت في ليلة النصف من شعبان وهي ليلة البراءة ولعل وجه تخصيصها لانها ليلة مباركة فيها يفرق كل امر حكيم ويدبر كل خطب عظيم مما يقم في السنة كلها من الاحياء والاماتة وغيرهما حتى يكتب الحجاج وغيرهم الى السماء الدنيا اى واصداً الى السماء القريبة من اهل الدنيا المتلوثين بالمعصية المحتاجين الى انزال الرحمة عليهم واذيال المغفرة وظاهر الحديث ان هذا النزول المكنى به عن التجلي الاعظم ونزول الرحمة الكبرى والمغفرة للعالمين لاسيما اهل البقيع يعم هذه الليلة يمتاز بذلك على سائر الليالي اذ النزول الوارد فيها خاص بثلاث الليل فيغفر لاكثر من عدد شعر غنم كلب، اى قبيلة بنى كلب ونخصهم لانهم اكثر غنما من سائر العرب تقتل الابهرى عن الابرار ان المراد بغفران اكثر عدد الذنوب المغفورة لاعداد اصحابها وهكذا رواه البيهقي اما الحديث الاخر فيغفر لجميع خلقه فالمراد اصحابها والحاصل ان هذا الوقت زمان التجليات الرحمانية والتنزلات الصمدية والتقربات السبعية الشاملة للعام والخاص وان كان الحظ الاول في لارباب الاختصاص فالمناسبات ستبقا من نوم الغفلة والتعرض لنفحات الرحمة انا رئيس المستغفرين وانيس المسترحمين شفيع المذنبين بل ورحمة للعلمين خصوصاً الاموات المسلمين من الانصار والمهاجرين فلا يلقى بي الا ان اكون مهتلاً بين يداى الى اذ ادعوا بالمغفرة لا متى واطلب زيادة الرحمة لذاتي فانه ليس لاحد ان يستغنى عن نعمتي ويستكف عن عبادتي والتعرض لخزائن رحمتي وقد اراد الله لك الخير بالقيام وترك الاشام و متابعة سيد الانام وحصول المغفرة بركة على الصلوة والسلام، انتهى مرقاة شرح مشكوة فقط كتيه عزيز الرحمن عفى عنه، سم ارمضان المبارك ١٣٣٧ھ

احقر اشرف علی عرض رسا ہے کہ اس کے ساتھ ایک پرچہ بھی تھا، اس میں لکھا تھا کہ بندہ نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے بڑے مولانا ربیعنی حضرت مولانا محمود حسن صاحب کو سنایا ہے اھ

اور خلاصہ اس فیصلہ دیوبند کا یہ ہے کہ احقر کے دعوے کے دو جزو تھے، ایک یہ کہ حدیث عائشہؓ دال ہے من وجہ تخصیص لیلۃ البرات بالدار للاموات پر، دوسرا یہ کہ اس دعا پر دوسرے طرق ایصال ثواب کو قیاس کیا جاسکتا ہے، اس فیصلہ میں جزو اول کو ثابت رکھا ہے، مگر عوارض کے سبب خروج الی المقبرہ کے منع کو احوط کہا ہے اور بعض علماء متاخرین کی تصریح بھی اس کی مؤید ہے۔ جیسا کہ دیوبند کے ایک کارڈ مرقومہ ۱۳ رمضان المبارک میں حضرت محب مدوح نے یہ عبارت لکھی ہے، یہ خیال رہا کہ فقہار نے بھی لیلۃ البرات میں کہیں زیارت قبور کا استحباب لکھا ہے یا نہیں تلاش کرنے کی فرصت نہ ہوئی، اور جو کہیں دیکھا گیا تصریح نہ ملی، البتہ مولانا عبدالحلیم لکھنوی نے رسالہ نور الایمان میں ایک غیر معروف کتاب غرائب کے حوالہ سے اس شب میں استحباب زیارت قبور نقل فرمایا ہے، اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اھ اور دوسرے جزو کی نفی کی ہے پس میں اپنے دعوے کے جزو و ثانی سے رجوع کرتا ہوں، اور جزو اول کے ثبوت کے بعد بھی خروج الی المقبرہ کے منع کو احوط سمجھتا ہوں، اور حضرات علماء کے لئے دعا کرتا ہوں جنہوں نے میری رہبری فرمائی۔ ناظرین اصلاح الرسوم بالخصوص اس پر مطلع ہو جاویں، اور اگر اصلاح الرسوم کہیں طبع کی جاوے تو اس مقام پر میرا یہ رجوع بطور حاشیہ کے لکھ دیا جائے فقط ۱۳۳۳ھ



جواب من زیارت قبور شب برات کے استحباب میں، ہنوز اطمینان نہیں ہوا، اس لئے مکرر عرض کرتا ہوں مفتی صاحب کی تقریر میں یہ شبہ ہے۔ قولہم، بہر حال اس قدر حدیث سے ضرور ثابت ہے کہ آپ نے اپنے بقیع میں تشریف لیجانے اور دعا میں مشغول ہونے کی یہ وجہ فرمائی ان اللہ ینزل لیلۃ النصف من شعبان، پس اس رات میں خروج الی المقبرہ و دعا للاموات حدیث کا مدلول ہوا، انتہی۔ اگر نزول مذکور علت خروج الی المقبرہ ہے تو حدیث ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر، متفق علیہ میں علت خروج ہر شب مخصوص ہے اور حدیث مسلم میں موافق علت مذکورہ عمل در آمد موجود ہے، عن عائشہؓ کلما کان لیلۃا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینخرج من آخر

اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم و فی آخرہ اللہم اغفر لاهل البقیع المفرد، بلکہ بعض لیالی میں آپ مامور بامر اللہ ہوئے ہیں، کہ بقیع میں جا کر دعا فرماویں، کما سجدی، اس لئے ہر شب کا خروج حسب روایت صحیح مدلول احادیث بخاری و مسلم ہو گیا، تو استحباب زیارت ہر شب

ثابت ہو گیا، اور حدیث ترمذی والی شب از جملہ لیلیٰ عائشہؓ ہے، تو جیسا دیگر لیلیٰ عائشہؓ میں خروج الی المقبرہ مدلول و مستحب ہے۔ ویسا ہی حدیث ترمذی میں مدلول ہے، تو حدیث ترمذی نے دربارہ زیارت قبور کوئی امر جدید ثابت نہیں کیا، تو شب برات کی زیارت علی التبعین و التخصیص ثابت نہ ہوگی، تو خواص شب برات میں زیارت کو شمار کرنا درست نہ ہوگا۔ اور حق یہ ہوگا کہ نزول مذکور خروج الی المقبرہ کی علت نہیں، بلکہ اوقات قرب الہی کا اعلام ہے، تاکہ طاعت و عبادت میں مشغول ہوں۔

قال القاری والحاصل ان هذا الوقت زمان التجليات الرحمانية فالمناسب الاستيقاظ من نوم الغفلة والتعرض لنفحات الرحمة، یہی وجہ ہے کہ حدیث علیؓ میں صرف قیام و صیام کو نزول مذکور سے محل فرمایا ہے اور خروج الی البقیع سے اصلاً تعرض نہیں کیا۔

اذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا يومها فان الله تعالى ينزل فيها لغروب الشمس الى السماء الدنيا فيقول الا من استغفروا غفر له الا مسترداً فادركه الا مبتلي فاعقبه الا كذا حتى يطلع الفجر،

شاید مفتی صاحب نے اس لئے نزول مذکور کو علت خروج الی البقیع فرمایا کہ حدیث عائشہؓ میں جواب میں واقع ہوا ہے، جناب من، خروج الی البقیع کی علت بتلانا محض فعل عبث بن جائیگا اس لئے کہ بقیع میں جاتا ہر روز معلوم و مشاہد تھا، اس کی وجہ بتلانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی حضرت عائشہؓ کو قبل از وقت معہود جانے سے شبہ ہوا تھا، اس لئے کہ بخروج من اخر الليل خود حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں، قبل از وقت معہود جانے کا عند فرمانا کہ ان الله ينزل ليلة النصف، شب برات میں لیلہ کو ظرف نزول بنایا ہے، اور دیگر لیلیٰ میں حین یبقی ثلث الليل الاخر تاکہ افادۂ استیعاب نزول سے حدیث عائشہؓ میں پیش از وقت معہود جانے کا جواب ہو جاوے۔ یعنی اس شب میں تجلی خاص اول شب سے ہوتی ہے، اس لئے قبل از وقت معہود طاعت و عبادت میں مشغول ہوا تھا، قال القاری ظاہر الحدیث ان هذا النزول بعد هذه الليلة پس معلوم ہوا کہ شب برات کا نزول اول شب سے ہوتا ہے اور دیگر لیلیٰ میں آخر شب میں، یہ امر البتہ خصوصیات شب برات سے ہے۔
قولہم، تب بھی اس خاص رات کا خروج اور دعا، طیل استجاب دعا، لاموات فی لیلہ

البراءت ہے انتہی۔ اول معروض ہو چکا کہ نزاع خصوصیت شب برائت کی زیارت میں ہے اور بلا یقین و تفتیق خود ثابت و مسلم ہے، مفتی صاحب نے کلام طویل ملا علی قاریؒ کو مستدل بنا کر استحباب زیارت علی التبعین حدیث ترمذی سے ثابت فرمایا ہے، لیکن کلام ملا علی قاریؒ اس استدلال کے منافی ہے، کیونکہ علی قاریؒ نے ترمذی کے قول سمعت البخاری یضعف ہذا الحدیث کے بعد ارشاد فرمایا ہے لکن یعمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال باتفاق العلماء، یعنی اگرچہ یہ مسلم کی حدیث ترمذی ضعیف ہے، لیکن نماز و دعا و استغفار اس شب میں بلا اعتقاد استحباب و سنت کچھ مضائقہ نہیں کہ فضائل میں کچھ گنجائش ہے۔ البتہ احکام کا ثبوت حدیث ضعیف سے نہیں ہو سکتا ہے بقول شخصے او خویشتن گم است کو ارہیری کند اس کے لئے کم از کم حسن دادرغیرہ کی ضرورت ہے، با این ہمہ مفتی صاحب نے استحباب زیارت کو کہ از جملہ احکام شرعیہ ہے، حدیث ضعیف سے ثابت کر دیا، نہیں معلوم کہ اس مسئلہ میں علی قاریؒ کا مسلک کس مصاحت کے لئے ترک فرمایا ہے۔ (مولانا اشرف علی صاحب سلمہ کے کلام کا شبہہ)

قولہم، پس یہ حجاج مختلف فیہ ہوا۔ تو حدیث کا ضعف بھی مختلف فیہ ہوا، اور مختلف فیہ میں تفتیق نہیں کیا جاسکتا، انتہی، اقول تحریر میں ہے۔

اذا تعارض الجرح بالمعزون مذهباً تقدیراً بالجرح موالقاً و هو المختار و التفصیل بین تساوی المعدلین والجرحین فکذا لک والتفاوت فیترجم الاکثر۔ اور حسب رائے ابن الہمام مجتہد تو راوی مختلف فیہ من جرح و تعدیل کو ترجیح دے سکتا ہے، لیکن غیر مجتہد کو اکثر کے قول پر عمل کرنا چاہیئے۔

فدار الامر علی اجتہاد العلماء فیہم و کذا فی الشروط حتی ان من اعتبر شرطاً والغاۃ اخر یكون ما رواه الاکثر مما لیس فیہ ذلک الشرط عندہ مکافیا لمعارضہ المشتمل علی ذلک الشرط و کذا فی من ضعف راویا وثقہ الاخر تعذر تسکن نفس غیر المجتہد ومن لم یجز امر الراوی بنفسہ الی ما اجتمع علیہ اکثر، فتم القدیور حجاج بن ارطاة کو اکثر نے ضعیف بتلایا ہے۔ قال الشوکانی و تصحیح الترمذی الی الحدیث جابر فیہ نظر لان الاکثر علی تضعیف الحجاج و اتفقوا علی انه مدلس قال النووی ینبغی ان لا یغترب الترمذی فی تصحیحہ فقد اتفق الحفاظ علی تضعیفہ، پس حجاج حسب تحقیق نووی باتفاق حفاظ ضعیف ہوا، اور اس کی سبب

ضعیف باتفاق حفاظ ہو گئی، اور حجاج کی تضعیف بنا برحق نہیں بلکہ قلت ضبط اور کثرت خطا پر مبنی ہے، آپ کی عبارت جو توثیق حجاج میں مرقوم فرمائی ہے اس کی شاہد ہے۔

قال ابوطالب عن احمد كان من الحفاظ قليل فلم ليس هو عند الناس بذلك قال لان في حديثه زيادة على حديث الناس ليس يكاد له حديث الا فيه زيادة، یعنی کبھی تو حجاج حفاظ سے شمار کیا جاتا تھا، لیکن سور حفظ و عدم ضبط سے اب حفاظ کی نظر سے گر گیا ابن الہمام کی تقریر سے اس کا ضعف بنا بر سور حفظ و قلت ضبط ثابت ہوتا ہے، فرماتے ہیں۔ لا یُنزل حدیثہ عن الحسن مالم یخالف او یتفرد۔ یعنی اس کی حدیث دو شرطوں سے حسن ہو جاتی ہے، ایک یہ کہ دیگر روایات سے مخالفت نہ کرے، دوسرے یہ کہ وہ کسی روایت میں متفرد نہ ہو، اور حدیث عائشہ میں اس کا تفرد ثابت ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا لا نعرف الا من هذا الوجه من حدیث الحجاج یعنی یہ حدیث کسی دوسرے طریق سے وارد نہیں ہوئی۔ اور ظاہر حال ترمذی کا بھی اس کے باب میں یہی معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ حدیث جابرؓ کو جو طریق حجاج سے اپنی سنن میں لائے اس کو بقول اکثر حسن فرمایا ہے، اور بقولے حسن صحیح حالانکہ اس حدیث میں بھی حجاج نے عنعنہ کیا ہے، لیکن حدیث جابرؓ طرق متعدد سے ثابت ہے، چنانچہ ابن الہمام اور امام شوکانی نے ان طرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے وبهذا یعرف ان الحدیث من قسم الحسن لغيره وهو محتج به عند الجمهور اور ابن الہمام کہتے ہیں لان تعدده قرينة على ثبوته في نفس الامر تو اس حدیث میں نہ مخالفت ہے اور نہ تفرد اس لئے ابن الہمام اس کو حسن بتلاتے ہیں، اور ترمذی نے بھی اس کی تحسین اور بقولے تصحیح کی ہے، اور حدیث عائشہؓ متنازع فیہ میں جب کہ احد الشریطین اعمیٰ تفرد موجود ہے، تو بجائے تحسین ترمذی نے یہ فرمایا سمعت البخاری یضعف هذا الحدیث، اس کے کثیر الخطا ہونے کا ایک شاہد یہ بھی ہے کہ یہی قصہ حدیث عائشہؓ کا صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس میں شب برات اور اس کے نزول کا ذکر تک نہیں، حجاج نے خطا زائد کر دیا ہے۔

الا حدثکم عنی وعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا بلی قال قالت لما كانت لیلتی التي كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہا عندی انقلب فوضع رداءہ وخلع تعلیہ فوضعہما عند رجلیہ وبط طرف رداءہ علی راسہ فاضطجع فلم یلبث الا ما ظن ان قدر قدت فاخذ رداءہ رویدا وانتعل رویدا وفتح الباب رویدا فخرج

ثم اجافه رويدا فجعلت درعى فى رأسى واختمرت وتقتعت ازارى ثم انطلقت على اثره حتى جاء البقيع فقام فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات ثم انحرف فانحرفت فاسرع فاسرعت فمهرول فمهرولت فاحضر فاحضرت فسبقتة فدخلت فليس الا ان اضطجعت فدخل مالك يا عائش حشيا رابيته قلت لاشئ قال لتخبرنى او ليخبرنى اللطيف الخبير قالت قلت يا رسول الله باني انت وامى فاخبرته قال فانت السواد الذى رايت اما مى قلت نعم فلهزنى فى صدرى لهدية او جعلتنى ثم قال اظننت ان يحيف الله عليك ورسوله وفى اخره قال فان جبرئيل اتانى فقال ان ربك يا مرث ان تاتى اهل البقيع فتستغفر لهم.

تو معلوم ہوا کہ حجاج نے لیلۃ البرارت اور نزول الہی کا ذکر خطا سے زیادہ کر دیا ہے، صاحب تقصیر کا اس کو کثیر الخطا فرماتا کس قدر انسب معلوم ہوتا ہے۔ تو مرسل غیر ضابط ہونا حدیث کا ثابت ہے۔ قولہم، وفى يوم عاشوراء يكره كلهم وهو كالباس بالمعتاد خلطاً ويوجر، یہ فرع حدیث شب برارت کی ہر طرح نظیر ہے کہ دونوں کی حدیث متکلم فیہ ہے، حتیٰ کہ ابن الجوزی موضوعات میں لائے ہیں، دونوں کا متکلم فیہ ہونا مختلف فیہ ہے جس طرح ایک میں تحمل کیا گیا کہ باوجود بعض کے کلام کے اس میں شباب کہہ رہے ہیں، دوسرے میں بھی کر لیا جاوے گا۔ انتہی۔ مولانا! حدیث توسع عاشوراء میں تحمل مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ حدیث توسع طرق متعددہ سے وارد ہے جن میں سے بعض کی تصحیح بھی کی گئی ہے، اور ابن الہمام کی بات یاد فرمائیے، کہ لان تعددہ قرینۃ علی ثبوتہ فی نفس الامر، لہذا یہ حدیث حسن لغیرہ بن گئی۔ اور حسن سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے، پھر شباب کا محل بن جانا تعجب کی بات نہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔

انه وردت التوسعة فيه باسنانيد ضعيفة صحح بعضها يرتقى بها الحديث الى الحسن۔ اور آپ کی حدیث ترمذی کا کوئی دوسرا طریق نہیں، کیونکہ ترمذی کہتے ہیں، لا نعرفه الا من هذا الوجه من حديث الحجاج، اگر حدیث عائشہ کا حسن اگرچہ تعدد طرق سے ہی ہو ثابت فرمادیں تو ہم بلا عذر استحباب قبور کو بتخصیص شب برارت قبول کرنے کو تیار ہیں۔ والسلام۔

محمد صدیق احمد، از کاندھلہ۔ ۲۵ شوال ۱۳۳۳ھ

جواب جو اس کا یہاں سے گیا

مولانا المکرم دامت برکاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ چوتھ اس باب میں تحقیق حضرات علماء دیوبند کی تقلید کا التزام کر چکا ہوں جب تک اس تحقیق کا خطا صریح ہوتا دل کو نہ لگ جائے اس وقت تک اس کے قبول سے بھی اور باوجود گنجائش کلام کے اس میں کلام سے بھی معذور ہوں البتہ تحریر سامی کو اس غرض سے شائع کر دوں گا کہ ناظرین کو تحقیق کا موقع ملے، اور اگر کسی وقت میرے بھی جی کو لگ گیا تو اس التزام کو ترک کر دوں گا، والسلام مع الاکرام۔
خاکسار اشرف علی، ۲۲ شوال ۱۳۳۳ھ

توضیح قولی فی الجواب المذكور آنفاً گنجائش کلام الخ

مثل الکلام علی قولہم۔ اگر نزول نہ کور علت خروج عن المقبرہ ہے الخ
من ان تخصیص لیسالی القدر باہتمام العبادۃ لاینکر مع کون اللیلۃ وقت العبادۃ فلو
قل بمثل هذا التخصیص فی هذا الخروج فی هذه اللیلۃ فما المحدث علی قولہم، مثل
باتفاق حفاظ ہو گئی الخ من انہ کیف یصح دعوی الاتفاق مع قول بعض الائمة المنقول
من تہذیب التہذیب سابقاً ومع قول الجوہر النقی فان الحجاج روی لہ ابن حبان
فی صحیحہ وسلم مقرون الغیرہ وقال الثوری ما رأیت احفظ منہ وعن حماد بن زید
کان الحجاج عندنا امہر لحدیث من الثوری وقال ابوبکر الخطیب الحجاج احد العلماء
بالحدیث والحفاظہ علی قولہم کبھی تو حجاج الخ من انہ لا نسلم تفسیر کا یہ ہذا
بل الظاہر ان المعنی انہ کان عندی کذا لکن بعض الناس تکلّموا فیہ للزیادۃ وظاہراً
ان زیادۃ الحفاظ مقبولۃ وعلی قولہم تفرد ثابت ہے، من انہ علی تقدیر ثبوتہ غیر
مضر عند من اثبت حفظہ ولس قول الفتح حجتہ علیہ واما قلت علی تقدیر ثبوتہ لان
صاحب کنز العمال اوردہ عن شعب الایمان للبیہقی عن عائشۃؓ ج ۶ ص ۲۱۷ عد ۸۰۹
وہروان ضعفہ ایضاً لکن ان لم یکن فیہ الحجاج فلم یبق التفرد فما لم یطلم علی
سندہ لا یصح الجزم بالحکم بالتفرد فلو لو یثبت التفرد حصل طرق متعدّدۃ ایضاً
وعلی قولہم، کثیر الخطا ہونے کا ایک شاہد الخ من انہ لا دلیل فیہ علی خطائہ فانہ لا استبعاد
فی کون الامر الالہی بالخروج مسبباً عن النزول فی هذه اللیلۃ بل فی نفس حدیث مسلم

ہذا قرینۃ علی ثبوت حدیث الحجاج لوتأمل فانہ لولم یکن لتخصیص ہذا اللیلۃ وجہ
فکیف امر صلی اللہ علیہ وسلم بالخروج فی ہذا اللیلۃ لما کان من عادۃ کل یوم
فیقرب احتمال کون ہذا اللیلۃ لیلۃ النزول ولولم یندع ہذا الدلالۃ فاننا لا نترك
دعوی عدم الدلالۃ علی ضدہ فلا یثبت الخطأ بہ البتۃ وعلی قولہم اس لئے کہ حدیث الحجاج
الی قولہم بقولہ تصحیح کی ہے، من انہ لیس بحجۃ مالم یصح نقلہ والافان صاحب الفتح
قال فی حدیث الدفن باللیل الذی رداہ الترمذی وفیہ الحجاج مانصہ ما نصح وقال
الترمذی حدیث حسن مع ان فیہ الحجاج ابن ارطاة ومنہال بن خلیفۃ وقد اختلفوا
فیہما وذلک یحیط الحدیث عن درجۃ الصحیح لا الحسن وسند کرمۃ فی امر الحجاج بن
ارطاة فی باب القرآن انشاء اللہ تعالیٰ ج ۲ ص ۹۹ وابن الہمام وان شرط فی کون
حدیثہ حسناً مالم یخالف او ینفرد لکن الترمذی حسن حدیثہ بدون ہذا الشرط واما
تضعیف الحدیث عائشۃ فیحتمل ان یکون لعدم السماع کما ہو منہب المحدثین
لا لکون الحجاج ساقطاً حدیثہ عن الحسن لئلا یتعارض قولہ، وعلی قولہم ترمذی نے یہ
فرمایا سمعت البخاری یضعف الخ من ان الترمذی لم یقل ہذا بل قال سمعت
محمد ا یقول یضعف ہذا الحدیث بصیغۃ مام یسرنا علیہ کما صرح بہ السراج
الشارح فی ترجمتہ فیحتمل انہ لم یکن رأی البخاری الذی یجزم بہ بل احالہ علی غیرہ بحیث یحتمل الضعیف
یحییٰ من عروۃ ص ۹۷، وقد غلٹ من مذہب الحنفیۃ من عدم کون عدم سماع
انتقۃ مضراً وعلی قولہم حدیث عائشۃ کا حسن الخ من ثبوت ضعفہ او لا ثم عدم الاتفاق
علی الشراط حسن الحدیث للاستحباب فان صاحب فتم القدیر صرح بان الاستحباب
بثبت بالضعیف غیر الموضوع ج ۲ ص ۹۵ مصریہ واللہ اعلم

تائید فیصلہ علماء دیوبند بروایت فقہیہ

وافضل ايام الزیارة اربعۃ یوم الاثنين والخمیس والجمعة والسبت الزیارة
یوم الجمعة بعد الصلوۃ حسن ویوم السبت الی طلوع الشمس ویوم خمیس فی اول النہار
وقیل فی اخر النہار وکن فی اللیل المتبرکۃ لاسیمما لیلۃ البراءۃ وكذلك فی الا زمنۃ المتبرکۃ
کعشر ذی الحجۃ والعیدین وعاشوراء وسائر المواسم کذا فی الغرائب ج ۲
اس روایت سے استحسان زیارت قبور کا خاص شب برارت میں بھی ثابت ہو گیا، اور یہی

فرمایا تھا مفتی صاحب دیوبند نے، باقی ان کا یہ فرمانا کہ فقہاء کے کلام میں تصریح نہیں ملی الخ اس کی وجہ خود ساتھ ہی لکھ دی ہے کہ تلاش کرنے کی فرصت نہ ہوئی اھ، پس اس روایت کے بعد اب دلیل میں کلام کی حاجت نہیں رہی، لان الفقہاء قد اغنونا عنہ، اور گویہ روایت غرائب ہے جس کو مفتی صاحب نے غیر معروف فرمایا ہے، مگر جب عالمگیریہ میں اس سے نقل کیا گیا جس میں جم غفیر علماء کا شریک تھا، اس لئے اس کے معتبر ہونے میں کوئی دوسوہ نہیں ہو سکتا، فقط ترجیح ثالث ص ۲۰۲

سوال (۲) اکثر لوگ مکتب میں کلمہ توحید و آیت بنی اسرائیل کے علاوہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بالالتزام پڑھاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے، آیا صرف کلمہ توحید و آیت بنی اسرائیل کا پڑھنا ہی سنت ہے یا اول میں بسم اللہ سالم پڑھانا نا بھی؟
الجواب :- بالخصوص تو نظر سے نہیں گذرا، باقی اطلاق آیت اقرأ باسم ربک، اور حدیث کل امرؤی بال الخ سے بسم اللہ کامل پڑھنے کی افضلیت معلوم ہوتی ہے۔
 ۴ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۶۲)

سوال (۳) - بوقت جمائی استغفار اللہ پڑھنا کہیں ثابت ہے یا نہیں، جواب با دلیل و با صواب مرحمت فرمادیں؟

الجواب :- حدیث میں یہ تو آیا ہے فاما التشاؤب فانما هو من الشیطان فاذا تشاؤب احدکم فلیرددہ ما استطاع رواہ البخاری، لیکن استغفار پڑھنا کہیں نہیں دیکھا اور اس کے من الشیطان ہونے سے اس پر استدلال صحیح نہیں، بلکہ نقل کی حاجت ہے، جیسا عطاس میں باوجود اس کے کہ حدیث میں واروہ ان الله يحب العطاس، رواہ البخاری، پھر بھی حضرت ابن عمر رضی سے اس شخص پر انکار منقول ہے۔ جس نے عطاس کے بعد الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا تھا، اس کو آپ نے فرمایا انا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ویس کہذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقول الحمد للہ الی آخرہ رواہ الترمذی، حالانکہ عطاس سے صلوة وسلام کو یہ مناسبت ہو سکتی، کہ وہ نعمت ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ فی النعم ہیں، والسلام

۳ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ اولی الثانیہ)

سوال (۴)۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ دعا مانگنے میں بحق یعنی بحق بنی آخر الزماں وغیرہ کہنا جائز ہے یا نہیں، اس مسئلہ کے جواز میں بعض حضرات نے استدلال بیان فرمایا ہے، کہ خدایا بحق بنی فاطمہ، اور اس کے عدم جواز میں مختصر خزائن میں لکھا ہے۔ ویکرہ ان یقول اعطنی بحق فلاں وکذا بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم لانہ لا حق لاحد علی اللہ

الجواب۔ بحق کہنا باعتبار معنی حقیقی کے ناجائز ہے، اور باعتبار معنی مجازی یعنی توسل کے جائز ہے، اب دلائل میں تعارض نہیں رہا۔ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ (تمہ ثانیہ ص ۳۱)

قرآن مجید قبلہ اور دیگر قابل تعظیم اشیاء کے احکام

سوال (۵) لکھنا قرآن شریف کا ساتھ پیشاب کے؟
الجواب، معاذ اللہ قرآن مجید کا نجاست سے لکھنا اگر بیدون اکراہ واضطرار کے قصد و اختیار سے ہو تو کفر ہے۔

کما لو مسجد لصنم او وضع مصحفاً فی قاذرة فانه یکفروان کان مصداق لان ذلک فی حکم التکذیب کما افادہ فی شرح العقائد ۱ھ رد المحتار جلد ۳ ص ۲۸۴

اور اگر کوئی اکراہ کرے کہ اگر تو نجاست سے نہ لکھے گا تو تجھ کو قتل کر ڈالوں یا ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ ڈالوں گا۔ اور وہ اکراہ کرنے والا تو در بھی ہو اس وقت اس کا ارتکاب جائز ہے لیکن مرتکب نہ ہونا اور صبر کرنا بہتر ہے، کہ اگر مارا گیا شہید ہوگا۔ اور اگر وہ شخص قادر نہ ہو یا سوائے قتل و قطع کے کسی اور امر سے ڈرتا ہو اس وقت ارتکاب جائز نہیں۔

وان اکره علی الکفر یقطع او قتل رخص له ان یظہر ما امر به ویوجر

لو صبر ولم یرخص بغيرهما در مختار جلد ۵ ص ۸۴

اور اگر ضرورت دوا کی ہو یعنی کسی مرض مہلک میں گرفتار ہوا، اور کسی عامل کامل مسلمان نیک بخت تجربہ کار نے کہا کہ اس امر سے تجھ کو شفا ہو جائے گی، اور کوئی دوا یا تدبیر بجز اس کے باقی نہ رہے، اس کا نام حالت اضطرار ہے، اس صورت میں نقہار کا اختلاف ہے، اور یہ اختلاف فرع ہے اختلاف تدویٰ بالمحرم کی، پس ایسی حالت میں جس نے اسکو جائز رکھا اس کو بھی جائز رکھا

جس نے اس کو حرام کہا اس کو بھی حرام کہا۔ اور اختیارات میں اختلاف ہے۔ بعض نے جواز کو اختیار کیا، بعض نے منع کو،

اختلف في التداوى بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر
لكن نقل المصنف ثمة وهما عن الحاوي وقيل يرخص اذا علم فيه الشفاء ولم
يعلم دواءا اخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى. درمختار. وفي الخاتمة في
معنى قوله عليه السلام ان الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم كما رواه البخاري
ان فيه شفاء لا باس به كما يحل الخمر للعطشان في الضرورة، وكذا الاختارة صانها لهما
في التحنيس وقال لو رعت فكتب الفاتحة بالدم على جبهته، وانفد جاز للاستشفاء
وبالبول ايضا ان علم فيه شفاء لا باس به لكن لم يقل رد المحتار وفيه بعد اسطر
ونص ما في الحاوي القدسي اذا سال الدام من انف انسان ولم ينقطع حتى يغشى عليه
الموت وقد علم انه لو كتب فاتحة الكتاب والاحلاص بذلك الدم على جبهته
فلا يرخص له فيه وقيل يرخص كما رخص في الخمر للعطشان واكل الميتة في المخمصة
وعليه الفتوى، رد المحتار جلد ۱ ص ۱۲۰،

یہ عبارت مشعر اختلاف کی ہے، اور اگر نوبت ہلاکی کی نہیں پہنچی یا دوسری دوا یا تدبیر
عمل وغیرہ مباحات میں سے ممکن التفع ہے، یا کوئی کافر یا مسلمان فاسق یا ناجز یہ کار اس کو
نافع کہے اس وقت کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

لہذا مریض الحاوی ولا ینقطع حتی یغشی علیہ الموت وکما ذکر فی الدر المختار او
باخبار طبیب جاذ فی مسلم مستور واقاد فی التہر تبعا للبحر جواز الطیب بالکافر
فیمالیس فیہ ابطال عبادة قلت وفيه كلام جلد ۲ ص ۱۱۶

اور در صورت پائے جانے کل شرائط نہ کور کے ہر چند کہ اس فعل کے جواز و عدم جواز
میں کلام و اختلاف ہو لیکن جواز ترک متفق علیہ ہے، یعنی اگر نہ کیا تو کسی کے نزدیک گنہ گار نہ ہوگا
کیونکہ دوا کرنا واجب نہیں۔ اگر دوائے مباح بھی نہ کرے تب بھی جائز ہے۔

فالحرام بالاولی قولہ دل علیہ اقول فیہ نظر لان اساعة اللقمة بالخمر وشربه
لازاله العطش احياء لنفسه متحقق النفع فلذا ياتى ثم يتولك الاكل مع القدرة عليه حتى
يموت بخلاف التداوى ولو بغير محرم فانه لو تركه حتى مات لا ياتى ثم كما نصوا عليه لانه

مظنون کما قد مناه تأمل رد المحتار جلد ۵ ص ۲۲۹

پس جس حالت میں کہ ترک میں کسی کے نزدیک گناہ نہیں اور فعل میں بعض کے نزدیک گناہ ہے
بہر حال ترک احوط ہوا، لقول اللہ تعالیٰ -

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه - ولقوله علیہ السلام
دع ما یریبک ولقول الفقہاء رحمہم اللہ ما اجمعت الحلال والحرام الا غلب الحرام، وقد امرنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مثل هذا اذا تعارضت الدلائل وتشتت الاقوال
استفت قلبک ولو افتاک المفتون فلما رجعنا الی قلبنا افتانا بالمنع ای المنع لاسیما
والمقام مقام الہیۃ والتعظیم وقد قال اللہ تعالیٰ فی حق هذا الکلام رفیع المقام، فلا
اقسم بمواقع النجوم وانه لقسم لو تعلمون عظیم انه لقرا کریم فی کتاب مکنون لا یمسه
الا المطہرون وقال تعالیٰ کلا انها تذکرۃ فمن شاء ذکرہ فی صرہف مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ
بایدی سفرۃ کرام بررة طوقا ل تعالیٰ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب
والاریب انہ من اعظم الشعائر فتعظیمہ عن تعظیم المتکلم بہ سبحانہ وتعالی شانہ و
قد نهانا الشرع عن قراءتہ وکتابتہ ومسہ وانا جنب وعن الاخیرین وانا محدثون
وامرنا بتعظیمہ وتضخیمہ وتحسینہ وتزیینہ فالادب الادب تنج عن الکرب ونعم
ما قیل بالفاسیۃ ۛ

چیت قرآن لے کلام حق شناس	رو نمائے رب ناس آمد یہ تاس
حرف حرفش راست در بر معینے	معینے در معینے در معینے
لعبت باز یچہ اشں ہمیدہ	با حذف گنجینہ سنجیدہ
این نہ ایمان است نہ دین است الے اصل	اقتدائے کفر و مصحف در بغل
از سر درس ملا ہی باز آ	در دبستان الہی باز آ
بس کن لے نادان بس کن این خروش	آپچہ میگوئی بگو با عقل و ہوش

واللہ اعلم، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ (امداد ص ۱۲۵ جلد ۲)

تنگے سر قرآن مجید کی تلاوت | سوال (۶) بلا ٹوپی تنگے سر قرآن مجید پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے یا نہیں؟

الجواب - نہیں - ۹ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ (تمہ اولی ص ۲۱۰)

عہ لیس المراد انہ داخل فی الاجتہاد بل المراد ان الاحتیاط ہو یعنی ہذہ القاعدۃ ثبتت مقصود یہ الاحتیاط ۱۲ منہ

سوال (۷) مولانا صاحب سندھی نے ترجمہ کلام اللہ سندھی زبان میں کیا ہے یعنی اس طرح کہ کلام اللہ کی عربی عبارت ہیج نہیں ہے، فقط سائے کلام اللہ کو سندھی میں کر دیا ہے اور آیت آیت پر ہندسہ لگا دیا ہے اور ہر سیپارہ کا نام اور سورہ کا نام لکھ دیا ہے، مشہور سندھی کلام اللہ ہوا ہے، پس یہ ترجمہ عند الشرح جائز ہے یا نہیں اور تدریس میں ہم ناواقفوں کو خرید کرنا اور بڑھنا جائز ہے یا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ عنہم کا فقط نام لکھ دیا ہے اور کلام بے تعلیمی جیسا کیا ہے، اور بہت سے نادان خریدنے لگے ہیں۔

الجواب، تصریح حکم کی تو نظر سے نہیں گذری، قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ فی نفسہ تو جائز ہو مگر آئندہ اس میں جن مفاسد کا احتمال ہے ان کے اعتبار سے قابل احتیاط ہے۔

۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۱)

سوال (۸) ایک مولوی صاحب نے ایک کتاب کھلائی جس میں محض ترجمہ تھا، کلام مجید یعنی عربی عبارت کہیں بھی نہ تھی، بلکہ انجیل کے ترجمہ وغیرہ کے مانند ایک گور کھپور کے وکیل نے مختلف تراجم قرآن سے اخذ کر کے لکھا ہے، اس پر مولوی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میں جناب والا کو لکھوں کہ اس مترجم پر جناب والا تکفیر کا فتویٰ لگا دیں، میں نے عرض کیا کہ تکفیر کا فتویٰ لگانا تو کسی مسلمان پر تا وقتیکہ کوئی امر صریح مکفر نہ پایا جائے مناسب نہیں، ہاں اس امر مذموم سے روکنا ضرور ہے، سو جناب والا سے گزارش ہے کہ اس امر کے متعلق کچھ ارشاد اور تحریر فرمادیں۔

الجواب، نصوص صحیحہ صریحہ سے تشبیہ باہل الباطل خصوص غیر مسلم پھر خصوص اہل کتاب کی مذمت اور اس کا محل وعید ہوتا ثابت ہے، من تشبہ بقوم فہو منہم میں وعید کا شدید ہونا ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ تشبیہ کرنے کو کفار میں سے شمار ہونے کا موجب فرمایا گیا، دوسری حدیث لتركبت سنن من كان قبلکم الحدیث میں اس مماثلت کو موقع تشبیح میں ارشاد فرمایا گیا، اور یہ بالکل یقینی ہے کہ اس وقت کتاب الہی کا ترجمہ غیر حامل المتن جداگانہ شائع کرنا اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ ہے، ایسے امر میں جو عرفاً و عادتاً ان کے خصائص میں سے ہے۔ سو اول تو ان کے ساتھ تشبیہ ہی مذموم ہے، پھر خصوص جب وہ تشبیہ امر متعلق بالذین میں ہو کہ تشبیہ فی الامر الدنیوی سے تشبیہ فی الامر الدینی اشد ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے گوشت شتر چھوڑنے پر

آیت یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السَّاحِرِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُو الشَّيْطَانِ نازل ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتل اور ترہیب کا انکار فرمانا اس کی کافی دلیل ہے، مشکوٰۃ کتاب النکاح و کتاب الاعتصام لانتہا دواعی انفسکم الحدیث اور اس میں بھی خاص کر جب کہ ان کو دیکھ کر ان کی تقلید کیجاوے کہ اتفاقی تشبیہ سے یہ اور بھی زیادہ مذموم ہے اور اس وقت اکثر لوگ ایسے کام انہی لوگوں سے اخذ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الانواط کی درخواست پر کیسا زجر فرمایا تھا، یہ تشبیہ مذکور خصوص قیدین مذکورین کے ساتھ تو اس میں مفسدہ حالیہ ہے، اور یہ بھی اس کے منع کے لئے کافی ہے، چہ جائیکہ اس میں اور مفساد مالیہ شدیدہ بھی متحقق ہیں، مثلاً خدا نخواستہ اگر یہ طریق مروج ہو گیا تو مثل تورات و انجیل احتمال قوی اصل قرآن مجید کے ضائع ہو جانے کا ہے اور حفاظت اصل قرآن مجید کی فرض اور اس کا اغلال حرام ہے، اور ترجمہ و تفسیر کا اصل سے مجرور ہونا مقدمہ اور سبب ہے حفاظت کا۔ اور اصل سے مجرور ہونا مقدمہ اور سبب ہے اغلال کا اور فرض کا مقدمہ فرض اور حرام کا مقدمہ حرام ہے، اور یہ تشبیہ نہ کیا جاوے کہ یہ احتمال بعید ہے محققاً دین و مبصران اسلام سے ایسے احتمالات کا اعتبار ثابت ہے، پھر خواہ بعید ہو یا قریب ہم پر بھی واجب ہے کہ اس کا لحاظ کریں، حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض قرار کی شہادت کے وقت بعد سرسری مناظرہ کے محض ضیاع قرآن کے احتمال کا اعتبار کر کے قرآن مجید کے جمع کا اہتمام ضروری قرار دیا تھا، حالانکہ قرآن مجید اس وقت بھی متواتر تھا، اور اس کے ناقل اس کثرت سے موجود تھے کہ اس کے تواتر کا انقطاع احتمال بعید تھا، لیکن پھر بھی اس کا لحاظ کیا گیا، پس جیسا اس وقت عدم کتابت میں احتمال ضیاع کا تھا، اسی طرح صرف ترجمہ کی کتابت میں اس کا احتمال ہے اور اس احتمال کے وقوع کا وہی نتیجہ ہوگا جیسا حدیث میں ہے امتہو کون استہو کما تہوکت الیہود والنصارى (مشکوٰۃ ص ۲۱) اور مثلاً یہ مفسدہ ہوگا کہ حسب تصریح فقہاء اس ترجمہ کو بلا وضوح کرنا جائز نہ ہوگا۔ کما فی العالمگیریہ، لو کانت القرآن مکتوباً بالفارسیۃ لیکرہ لہم مسہ عند ابی حنیفۃ دم و کذا عند ہمدان علی الصحیح حکذا فی الخلاصۃ (ج ۱ ص ۲۴) و قیداً یضاً اذا قرأ آیت السجدة بالفارسیۃ فعلیہ و علی من سمعہا السجدة فہم السامع ام لا اذا اخبر السامع ام لا قرأ آیت السجدة (ص ۸۵ ج ۱) و ہنئذ الجزئیۃ الثانیۃ تویید الاولیٰ حیث وجب سجدة التلاوة بقراءة القرآن بالفارسیۃ فعلم منہم ان الترجمة بالفارسیۃ

عہ دہندہ قضیۃ شرطیۃ فلا تلزم وقوع المقدم حالا ولا جوازہ شرعاً ۱۲۰

لا تخریج القرآن عن کونہ قرانا حکماً فلا یجوز مسد للحدث اور یقینی بات ہے کہ عامہ ناس اس ترجمہ کو ایک کتاب خالی از قرآن سمجھ کر ہرگز اس کے مس کے لئے وضو کا انتظام نہ کریں گے، تو ایسا ترجمہ شائع کرنا سبب ہوگا ایک غیر مشروع کا، اور سبب غیر مشروع کا غیر مشروع ہے، اور مثلاً اس کا احترام بھی زیادہ نہ کریں گے، اور غیر قابل انتفاع ہو جانے کے وقت مثل دیگر معمولی کتب کے اوراق کے اس کے اوراق کا استعمال بھی کریں گے، تو اس سے یہ بھی ایک محذور لازم آوے گا اور محذور کا سبب لا محالہ محذور و محظور ہے۔ اور مثلاً آج تک امت میں کسی نے ایسا نہیں کیا، اور جو کسی نے ایسا کیا تو اس پر انکار کیا گیا، چنانچہ میں نے محمد عبدالرحمن خاں صاحب مرحوم مالک مطبع نظامی سے سنا ہے کہ کسی نے لکھنؤ میں ایسا ہی ایک پارہ چھاپا تھا مگر علماء نے اس کی اشاعت کی اجازت نہیں دی تو اس شخص نے اس کے اوراق کو قرآن مجید کی دفینوں میں چسپاں کر کر پوشیدہ کر دیا، اور چونکہ اس وقت بھی ایسے ترجمے غیر حامل متن پر علماء کو انکار ہے چنانچہ اس جواب لکھنے کے قبل ایک مجمع علماء سے میں نے ذکر کیا تو ایک نے بھی اس میں نرمی نہیں فرمائی، بلکہ سب نے شدید انکار کیا باوجودیکہ دوسری زبان والے مسلمان کو اس قسم کی حاجت بھی واقع ہوئی۔ جس حاجت کی بنا پر اب ایسا کیا گیا ہے، تو باوجود اس کے تمام امت کا انکار کرنا دلیل ہے اجماع کی، اس امر کے مذموم و منکر اتفاقاً و احیاناً واقع ہونے پر علماء امت کا انکار کرنا دلیل ہے اجماع کی اس امر کے مذموم و منکر ہونے پر جس میں یہ احادیث وارد ہیں۔

ان الله لا یجمع امتی علی الضلالۃ و ید الله علی الجباعۃ، ومن شد شد فی النار و اتبعوا السواد الاعظم (مشکوٰۃ)

اور مثلاً اب تو قرآن مجید سے کچھ علات بھی ہے، اگر ترجمہ سے بھی مدد لیتے ہیں تو اصل بھی ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس بہانہ سے کچھ پڑھ بھی لیتے ہیں۔ اور پھر تو قرآن سے بالکل ہی بے تعلق اور اجنبی ہو جاویں گے اور بے ساختہ یہ آیت ان پر صادق آئے لگے گی۔

نبذ فریق من الذین اتوا الکتاب کتب الله وراء ظہور دھم کا نہ ہو کہ یعلمون۔ اور مثلاً اگر ترجموں میں کچھ اختلاف ہے تو اصل بھی سامنے ہے، اس کو سب نسخوں میں متحد پاتے ہیں، تو اختلاف کا خیال اصل تک نہیں پہنچتا، اور جب ترجمے ہی ترجمے رہ جاویں گے اور اصل نظروں سے غائب ہوگی تو اس وقت یہ اختلاف کلام اللہ کی طرف منسوب ہوگا، بعد چند رے یہ گمان ہونے لگے گا کہ اصل حکم ہی مختلف ہے، یہ تو اعتقاد پر اس کا اثر ہوگا، اور عمل پر

یہ اثر ہوگا کہ ترجموں کو لے لے کر آپس میں لڑیں گے، اور مراجعت الی الاصل کی توفیق ہوگی نہیں جو مدار ہو سکتا ہے فیصلہ کا۔ پس اس آیت کا مضمون ظاہر ہو جاوے گا۔

وما اختلف فیہ الا الذین اوتوه من بعد ما جاء ترہم البینت بغیا بینہم
اور مثلاً اب تو ترجمہ کو مستقل کتاب نہیں سمجھتے، قرآن کا تابع سمجھتے ہیں۔ اگر کہیں مطلب نہیں سمجھتے ہیں یا غلط سمجھتے ہیں یا فصاحت و بلاغت سے گرا ہوا پاتے ہیں تو فہم کا یا مترجم کا قصور سمجھتے ہیں، اور مترجم کو مالک دین کا نہیں جانتے۔ نیز کسی مترجم کو بہت تحریف معنوی کی بھی نہیں ہو سکتی، کہ اصل سامنے ہونے سے ہر طالب علم اس پر گرفت کر سکے گا۔ اور ایسا ترجمہ اگر ہوا تو اس کو مستقل کتاب سمجھیں گے، کسی کا تابع نہ سمجھیں گے اور تمام آثار مذکورہ کی امداد واقع ہوں گی، خصوصاً مترجمین ہی کا مطبوع مستقل ہو جانا یہ سب سے بڑھ کر آفت ہوگی۔ اور اہل زیلع کو بہت آسانی سے موقع غلط ترجمہ اور تفسیر کا ملے گا۔ کیونکہ ہر دیکھنے حافط نہیں، اور مراجعت اصل کی طرف ہر وقت آسان نہیں ہوتی۔ کما قال تعالیٰ اتخذوا احبارہم و درہما تھم اذیابا من دون اللہ، اور پھر اسی طرح کے اور بھی بہت سے مفاسد ہیں جن کو انشاء اللہ تعالیٰ علما ظاہر کریں گے، اسی لئے جا بجا لفظ مثلاً لایا گیا ہے، اس وقت دس ہی وجوہ چریں کو عشرۃ کاملہ کہا جاسکتا ہے اکتفا کیا جاسکتا ہے مگر کاملہ کا ختم ہونا لازم نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تعادونوا علی الاشرار والعدوان اور فقہار نے اسی فتاعدہ پر یہاں تک تفریع فرمائی ہے کہ جس شخص کو بھیک مانگنا حرام ہے اس کو بھیک دینا بھی حرام ہے، کیونکہ اگر دینے والے دیں نہیں تو مانگنے والا مانگنا چھوڑ دے، اسی طرح اس ترجمہ کے متعلق یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ایسے ترجمے کو اگر کوئی شخص نہ بقیمت لے اور نہ بلا قیمت تو پھر ایسے تراجم کا سلسلہ بند ہو جاوے اور لینے کی صورت میں سلسلہ جاری رہے گا۔ پس ایسے ترجمہ کا خریدنا یا ہدیہ میں قبول کرنا اعانت ہوگی ایک امر ناجائز کی اس لئے یہ بھی ناجائز ہے۔

۳۲ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (حوادث ادا ۲ ص ۱۵۶)

مشورہ در ترجمہ قرآن مجید ہند زبان ہندی | سوال (۹) آجکل فقہ ارتداد کے سلسلہ میں اس امر کو بڑی سختی کے ساتھ محسوس کیا جا رہا ہے کہ ہمارے پاک مذہب اسلام کے متعلق ہندی زبان میں جو ہمارے کرداروں برادران کی نوشت و خواند اور مذہبی معلومات کی زبان ہے، بہت کم لکچر موجود ہے، علی الخصوص یہ امر کہ اس وقت تک مسلمانوں کی طرف سے قرآن مجید کا کوئی مکمل ہندی ترجمہ

شائع نہیں کیا گیا ہے، جو ایک بڑی غفلت اور تبلیغی کمی تھی، اب خاکسار نے انجمن تبلیغ اسلام نگرام کے حسب ہدایت ہندی زبان میں سیرت نبویؐ مرتب کرنے کے بعد خدا کا نام لیکر کلام پاک کے ہندی ترجمہ کا کام شروع کر دیا ہے، الحمد للہ کہ جناب بالو حاجی عبدالعزیز خاں صاحب تعلقات ہارکوی سلطان پور اودھ نے اپنی حیثیت اسلامی اور عالی ہمتی سے ترجمہ کے تمام مصارف کا بار اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ جزاء اللہ عناد عن سائر المسلمین۔

اب جناب والا سے درخواست ہے کہ اس اہم اور ضروری خدمت کے متعلق اپنے مفید مشوروں سے خاکسار کو مطلع فرمائیں گے، اور مذہبی حیثیت سے اس امر پر روشنی ڈالیں گے کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ متن کلام پاک عربی خط میں رکھا جائے یا ہندی رسم الخط میں لکھا جائے اس لئے کہ اس ترجمہ کے ذریعہ سے صرف ناگری جاننے والے مسلمانوں کو ارتداد کے زہر سے بچانا مقصود ہے، اور غیر مسلم ناگری خواں کو راہ ہدایت دکھانا مقصود ہے جیسا کہ آجکل راجپوتانہ میں ظاہر ہو رہا ہے، امید ہے کہ جناب والا جواب با صواب سے جلد سرفرازی بخشیں گے۔

الجواب بہت ہی نیک کام ہے حق تعالیٰ مدد فرماوے اور مکمل فرماوے، بسنا بر اجازت ذیل کے مشورے پیش کرتا ہوں۔

نمبہ ۱۔ اگر ترجمہ اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ بطور خود مطالعہ کیا کریں گے تو اس طور سے مطالعہ کرنے میں تجربہ سے سخت غلط فہمیوں کا احتمال ہے، اور اگر اس غرض سے ہے کہ کسی عالم سے پڑھ لیا کریں تو بہت مفید ہے۔

نمبہ ۲۔ مترجم اگر جامع اور متدین عالم ہیں تو مستقل ترجمہ کا مصائقہ نہیں، ورنہ تراجم مقبولہ میں سے کسی بزرگ کے ترجمہ کی صرف زبان بدلنا کافی ہے مستقل ترجمہ مناسب نہیں۔

نمبہ ۳۔ متن میں قرآن مجید عربی ہی خط میں رکھنا چاہیے۔ ہندی رسم الخط میں کوئی ضرورت نہیں، بے پڑھائے تو ہندی میں ہونے سے بھی کوئی نہیں پڑھ سکے گا، اور پڑھانے سے عربی حروف کا یاد کر لینا بھی کچھ مشکل نہیں۔ اور جو اصل مقصود ترجمہ کے متعلق ہے یعنی ارتداد سے بچانا اور اسلام کی طرف لانا، اس میں عربی و ناگری رسم الخط داخل نہ ہونے میں برابر ہے، علاوہ اس کے ہندی یا ناگری میں بعض حروف عربیہ کی شکل ہی نہیں، جیسے ق، ض، ط، ظ، ز مثلاً پس جب ان کو دوسری شکل میں لکھا جاوے گا تو ظاہر ہے کہ اصلی حروف پڑھے بھی نہ جاویں گے، تو اس میں عمداً تحریف کا جائز رکھنا ہے، وهو حرام: هذا ما حضر الآن ولعل الله يحدث بعد ذلك

امرا

۳ رمضان ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۲۴)

سوال (۱۰) تمہید سوال و جواب آئندہ، ایک سوال مع ایک
 نمونہ مطبوعہ ترجمہ و تفسیر کے آیا، جس کا ذکر تحریر ذیل کے خطبہ میں ہے، یہاں سے دو جواب ایک
 مجمل ایک مفصل لکھے گئے جو ذیل میں منقول ہیں۔ چونکہ اس کے قبل بھی دوسرے اہل علم کی بعض تحریرات
 نافعہ امداد الفتاویٰ کا جزو بنائی جا چکی ہیں، اسی طریق پر اب بھی ایسا ہی کیا گیا۔

سوال۔ حضرت والا بعد سلام مسنون آنکہ یہ نمونہ ارسال خدمت ہے۔ امید کہ جلد از جلد جناب
 والا دفتر ہذا کو اپنی زرتین رائے سے اطلاع بخشیں گے، کیونکہ آگے کام بڑھانے کے لئے صحیفہ
 کا انتظار ہے۔

جواب مجمل از مولوی ظفر احمد صاحب مقیم خالقہ امدادیہ

الجواب (۱) ناگری ہو یا انگریزی ہر دو خط جس میں رسم خط مصحف عثمانی کی رعایت نہ ہو
 اس میں قرآن کا لکھنا کسی طرح جائز نہیں، کیونکہ کتاب مصحف میں رعایت رسم خط عثمانی واجب ہے
 رہے وہ خط جن میں رعایت رسم خط مذکور ہو سکتی ہے، جیسے فارسی، یا اردو نستعلیق و امثالہ ان میں
 قرآن کا لکھنا مختلف فیہ بین القولین ہے، مگر اقرب اور رائج یہ ہے کہ ایسے خطوط میں بھی پورا مصحف
 لکھنا ناجائز ہے، ایک دو آیت اتفاقاً لکھنے کا مضائقہ نہیں، الغرض الفاظ قرآنی کو صرف
 عربی خط ہی میں لکھنا چاہیے، ترجمہ و تفسیر کسی دوسری زبان میں اور دوسرے خط میں لکھنے کا
 مضائقہ نہیں۔

قال فی الاتقان وقال اشہب سئل مالک هل یکتب المصحف علی ما احدث
 الناس من الہجاء فقال لا الا علی الکتبۃ الاولی رواہ الدانی فی المقنع ثم قال ولا مخالف
 له من علماء الامۃ وقال فی موضع اخر سئل مالک عن الحروف فی القرآن مثل الواو والالف
 اتري ان یغیر من المصحف اذا وجد قیہ کذا قال لا، قال ابو عمر یعنی الواو والالف
 المزید تین فی الرسم المعدوتین فی اللفظ نحو اولوا قال الامام احمد یجوز مخالفتہ خط
 مصحف عثمان فی واو ویا و الف او غیر ذلک ۴ (ص ۲۴۱، ۲) قلت ولا یمن رعایۃ
 ذلک فی خط الہند ولا فی خط الانجلیزی فغایۃ ما یمن فیہما ان یکتب الحروف المتلفظ
 بہا فقط ولا یمن رعایۃ الزوائد اصلا وایضا فی بعض ما یتلفظ من الحروف فی العربی
 لا توجد فی ہذین اللسانین اصلا مثل الفاء والقاف ونحوہما فی عبرتہما بحروف مشترک

بینہا و بین غیرہا ولا یخفف ما فیہ من لزوم التحریف فی القرآن وقال فی الاتقان ایضاً وهل یحوز کتابتہ بقلام غیر العربی قال الزرکشی لو ارفیہ کلاماً لاحد من العلماء قال ویحتمل الجواز لانہ قد یحسنہ من یقرأہ بالعربیۃ والاقرب المنع کما تحرم قرأتہ بغير لسان العرب ولقولہم القلم احد اللسانین والعرب لا تعرف قلماً غیر العربی وقد قال تعالیٰ بلسان عربی مبین آم (ص ۱۴۶، ۲۷۰) واللہ اعلم ۱۲ رجب ۱۳۲۲ھ

جواب مفصل

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ **الجواب**، انسداد فتنہ ارتداد کے سلسلہ میں ناظم صاحب انجمن تبلیغ الاسلام قسبہ نگر ام ضلع لکھنؤ نے قرآن شریف کا ترجمہ بزبان ناگری شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کر کے اس کے متعلق حضرت اقدس حکیم الامت جناب مولانا تمھانوی ادا م اللہ فیوضہم سے مشورہ طلب کیا تھا اور خصوصیت کے ساتھ اس امر کے متعلق سوال کیا تھا کہ مذہبی حیثیت سے ترجمہ کے ساتھ متن کلام پاک عربی لفظ میں لکھا جائے یا ہندی خط میں لکھا جائے۔ چنانچہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو اس کا جواب بالفاظ ذیل دیا جا چکا ہے۔

الجواب، بہت ہی نیک کام ہے، حق تعالیٰ مدد فرمائے اور مکمل فرمائے، بنا بر اجازت ذیل کے مشورے پیش کرتا ہوں۔

نمبر ۱۔ اگر ترجمہ اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ بطور خود مطالعہ کیا کریں تو اس طور سے مطالعہ کرنے میں تجربے سے سخت غلط فہمیوں کا احتمال ہے۔ اور اگر اس غرض سے ہے کہ کسی عالم سے پڑھ لیا کریں تو بہت مفید ہے۔

نمبر ۲۔ مترجم اگر جامع اور متدین ہیں تو مستقل ترجمہ کا مضائقہ نہیں ورنہ تراجم مقبول میں سے کسی بزرگ کے ترجمہ کی طرف زبان بدلنا کافی ہے، مستقل ترجمہ مناسب نہیں،

نمبر ۳۔ متن میں قرآن مجید عربی خط ہی میں رکھنا چاہیے، ہندی رسم الخط میں کوئی ضرورت نہیں ہے، بے پڑھ لکے تو ہندی میں ہونے سے بھی کوئی نہیں پڑھ سکے گا اور پڑھانے سے عربی حروف کا یاد کر لینا بھی کچھ مشکل نہیں، اور جو اصل مقصود ترجمہ کے متعلق ہے، یعنی ارتداد سے بچانا اور اسلام کی طرف لانا، اس میں عربی و ناگری رسم الخط داخل نہ ہونے میں براہرہیں، علاوہ اس کے ہندی یا ناگری میں بعض حروف عربیہ کی شکل ہی نہیں جیسے

ق، ص، ظ، ز مثلاً۔ پس جب ان کو دوسری شکل میں لکھا جائے گا تو ظاہر ہے کہ اصلی حروف پر طے بھی نہ جائیں گے تو اس میں عمداً تحریف کا جائزہ رکھنا ہے، وہو حرام، ہذا ما حضرات الان ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً (ملاحظہ ہو تفسیر خامسہ ص ۲۲۲)

اب اسی انجمن نے مجوزہ ترجمہ و تفسیر کا نمونہ بخط اردو، ہمدیم برقی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر اظہار رائے کے لئے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا ہے جس پر عالمانہ حیثیت سے مولانا مولوی ظفر احمد صاحب مقیم خالقہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون نے بحوالہ تفسیر القرآن مؤلفہ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ ایک مفصل فتویٰ حوالہ قلم فرمایا ہے جو نمونہ آمدہ کے ساتھ شامل ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ترجمہ و تفسیر کسی دوسری زبان اور دوسرے خط میں لکھنے کا مضائقہ نہیں، مگر متن قرآن شریف کا ایسے خط میں لکھنا جس میں خط مصحف عثمانی کی رعایت نہ ہو سکے ممنوع ہے۔ اگرچہ اس مفصل و مدلل فتوے کے بعد کسی اور تحریک کے لکھے جانے کی ضرورت نہ تھی، لیکن راقم الحروف نے جو بوجہ ملازمت ریاست الور، ہندی رسم الخط اور ناگری بھاشا سے واقفیت رکھتا ہے، اور آجکل بحصول رخصت تھانہ بھون آیا ہوا ہے، جب اس نمونہ ترجمہ و تفسیر کو دیکھا تو اس میں بعض امور ایسے نظر آئے جن کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرنا ضروری معلوم ہوا۔ اس لئے حسب ذیل عرض کیا جاتا ہے۔

انجمن موصوف نے ترجمہ و تفسیر کے لئے طرز ذیل اختیار فرمایا ہے۔

- (۱) پہلے اصل قرآن شریف کو بخط عربی لکھا گیا ہے۔
- (۲) پھر اسی کے بالقابل اصل قرآن شریف کو بخط ناگری لکھا گیا ہے۔
- (۳) بعدہ ان دونوں کے نیچے قرآن مجید کا ترجمہ ہر زبان و خط ناگری لکھا گیا ہے۔
- (۴) پھر اس کی تفسیر بخط ناگری ترجمے کے نیچے کی گئی ہے۔

(ملاحظہ ہو صفحہ ۲، نمونہ ترجمہ و تفسیر)

ان میں نمبر بالکل درست ہے۔ اصل قرآن شریف کا عربی خط ہی میں لکھا جانا ضروریات سے ہے۔ مگر نمبر ۲ یعنی اصل قرآن شریف کو بخط ناگری لکھنا لزوم تحریف کی وجہ سے ناجائز ہے، جس کی ایک وجہ تو حضرت اقدس کے جواب مندرجہ بالا کے نمبر ۳ ہیں یہ درج ہو چکی ہے کہ بعض حروف عربیہ مثلاً ق، ص، ظ، ز وغیرہ کی شکل ہندی یا ناگری حظ میں ہے ہی نہیں، اور

ماظرین کے لئے اس کو اس مفصل جواب کے ساتھ شامل کر دیا ہے ۱۲

جب ان کو دوسری شکل میں لکھا جائے گا تو اصلی حروف پر پڑھے بھی نہ جائیں گے۔ اور دوسری وجہ جو نمونہ مرسلہ کے ملاحظہ سے ہر شخص کے سمجھ میں آ سکتی ہے، یہ ہے کہ مثلاً صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم میں سے لفظ اللہ کا الف اور الفاظ الرحمن الرحیم میں سے حروف الف و لام جو عربی خط کے موافق لکھے جانے چاہئیں تھے، کم ہو جائیں گے۔ اور جب صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم میں سے صرف پانچ حروف کی کمی لازم آتی ہے تو سارے کلام مجید میں سے کتنے حروف کی لازم آئے گی، قابل غور ہے اور یہ خط مصحف عثمانی کی صریح مخالفت ہے۔ جس کو ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے حضرت امام مالک و امام احمد رضی اللہ عنہما نے ممنوع و حرام قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر اتقان مؤلف حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ صفحہ ۱۷۲ و ۱۷۳) اور فتویٰ مولانا ظفر احمد صاحب جن کا اوپر ذکر ہے، بہر حال اصل قرآن شریف کا صرف عربی خط ہی میں لکھا جانا ضروری ہے، ناگری خط میں اس کے لکھے جانے کی نہ شرعاً اجازت ہو سکتی ہے، اور نہ بظاہر اس کی ضرورت ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اصل قرآن شریف کے ناگری حروف لکھے جانے کا نتیجہ یہ نظر آئے گا کہ جو مسلمان صرف ہندی حروف جانتے ہیں اور وہ تھوڑی سی کوشش سے قاعدہ بغدادی پر پڑھا دینے کے بعد عربی خط میں لکھے ہوئے قرآن مجید کے پڑھنے پر قادر ہو سکتے ہیں اس طرز جدید کے اجراء کی بدولت اسلامی رسم الخط سے بالکل ہی بے پروا اور محروم ہو جائیں گے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مسلمانوں کو اسلامی رسم الخط کے سیکھنے کی رغبت دلائی جائے لہذا نمبر ۲ طرز مجوزہ یعنی اصل قرآن شریف کا ناگری خط میں لکھا جانا صرف مذہبی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ قومی اور سیاسی لحاظ سے بھی قابل ترک ہے۔

اب رہا مضامین و ہدایات قرآن شریف سے ایسے مسلمانوں کو جو صرف ہندی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں، باخبر کر کے فتنہ ارتداد سے بچانا، یا غیر مسلم برادران وطن کو اپنی طرف بلانا اس کا انحصار اصل قرآن شریف کے ناگری حروف بھی لکھے جانے پر نہیں ہے بلکہ یہ مقصد ترجمہ اور تفسیر کی اشاعت سے حاصل ہو سکتا ہے اور اس کے لئے صرف ناگری خط ہی میں نہیں بلکہ دنیا کی تمام زبانوں اور خطوں میں لکھے جانے اور شائع کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ضرورت ہے، بشرطیکہ ساتھ کے ساتھ اصل قرآن شریف بھی عربی خط میں لکھا جائے، اور اس صورت میں مجوزہ طرز ترجمہ و تفسیر کے نمبر (۱) کی طرح نمبر ۳ و ۴ بھی موزوں و مناسب ہیں، گو یا طرز مذکور یہ

ہونا چاہیے کہ ادل قرآن شریف کی آیتیں عربی خط میں لکھ کر ان کے مقابلہ میں ترجمہ بخط ناگری ہونا چاہیے اور اس کے نیچے تفسیر بخط ناگری درج کی جائے جیسا کہ نمونہ مطبوعہ میں بخط اردو کیا گیا ہے اور الفاظ قرآن کو ناگری حروف میں لکھنے کا خیال بالکل ترک کر دیا جائے جو غیر ضروری ہونے کے علاوہ شرعاً ممنوع اور مصالح وقت کے خلاف ہے۔

اس موقع پر یہ امر بھی ظاہر کر دینا ضروریات سے ہے کہ اس زمانہ میں مخالفین اسلام اردو ہندی کے سوال پر بہت زور دے رہے ہیں اور مسلسل کوششوں کے ذریعہ ہندو ریاستوں میں سے اردو رسم الخط کا رواج بند کرنا اس کی جگہ ناگری بھاشا جاری کر رہے ہیں، جس میں سنسکرت زبان کے غیر مانوس الفاظ کی بھرمار کر کے مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کی جا رہی ہیں، اور یہی کوشش ان کی علاقہ جات برٹش گورنمنٹ میں بھی جاری ہے، ایسی صورت میں بلحاظ حفظ ماتقدم علمائے دین کی جانب سے کوئی بات ایسی نہیں ہونی چاہیے جو عام مسلمانوں کے لئے تشدد اور عداوت کا باعث ہو۔ ہندوستان کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں اردو یا ہندوستانی زبان سمجھی جاسکتی ہو ایسی حالت میں تراجم و تفاسیر مقبولہ میں سے کسی بزرگ کی تالیف لے کر اس میں سے عربی و فارسی کی مشکل الفاظ نکال کر ان کی جگہ عام فہم الفاظ بدل دینا ہی کافی اور قرین مصلحت ہو سکتا ہے، ایسا ترجمہ ناگری حروف میں شائع کرنے سے بمقابلہ اس ترجمہ کے جس میں سنسکرت کے موٹے موٹے الفاظ بھرے ہوئے ہوں زیادہ مفید ہو سکتا ہے اس لئے کہ سنسکرت آمیز بھاشا کو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ عام طور سے شہری ہندو بھی نہیں سمجھ سکتے، دیہاتی لوگ تو اس کو کیا سمجھیں گے، لہذا ترجمہ و تفسیر میں اردو یا ہندوستانی عام فہم زبان اختیار کی جائے۔ اور اس کو ناگری حروف میں لکھ کر شائع کیا جائے، تاکہ مفید عام ہونے کے ساتھ مصالح قومی کے لحاظ سے بھی مناسب اور موزوں ثابت ہو۔ جیسا کہ مسٹر محمد علی صاحب صدر آل انڈیا کانگریس نے بموقع اجلاس اسپیشل کانگریس منعقدہ دہلی، اردو میں تقریر کی، اور بعض بنگالی لوگوں کے اس کہنے پر کہ تقریر کانگریسی میں ہونی چاہیے تھی، جواب دیا کہ یہ زبان ہندوستان کی عام زبان ہے۔ آپ صاحبان کو اسی ہندوستانی زبان کو ترقی دینا چاہیے۔

پس جب کہ ایک عام فہم زبان موجود ہے اور اس میں اسلام کے اصطلاحی الفاظ بھی آسانی کے ساتھ استعمال کئے جاسکتے ہیں تو اس کو چھوڑ کر ایک غیر مانوس زبان اختیار کرنا جس کے لئے جدید اصطلاحی الفاظ وضع کرنے کی ضرورت پیش آئے گی غیر مفید ہونے کے علاوہ وقت طلب

بھی ہے مثلاً حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام کے ساتھ بلکہ اس مبارک نام کی جگہ نمونہ تفسیر میں لفظ سوامی استعمال کیا گیا ہے، لغت کے اعتبار سے لفظ سوامی کا مفہوم خواہ کچھ ہی ہو مگر عرف عام میں بھی یہ لفظ لالہ منشی رام عرف شردھانند بلکہ تمام آریہ اپدیشکوں کے نام کے ساتھ مستعمل ہے، کیا اس سے ان لوگوں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مساوات ہونے کا ایہام پیدا ہو کر جاہلوں کے لئے گمراہی کا سبب پیدا نہیں ہوگا؟

اس کے علاوہ کسی تالیف کے لئے کوئی غیر مانوس زبان اختیار کرنے میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ زبان مذکور پر پورا عبور نہ ہونے کی وجہ سے اکثر الفاظ غلط خلاف محاورہ اور غیر فصیح درج ہو جاتے ہیں، اور یہ نقص اس زبان کے جاننے والوں کے سامنے تالیف مذکور کو قبولیت کا درجہ حاصل کرنے سے مانع ہوتا ہے، اور جو مقصد اس تالیف سے ہوتا ہے قوت ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر فہرست الفاظ کو لیجئے اس میں بعض الفاظ ہندی تصحیح طلب ہیں، مثلاً

(الف) لفظ آگیا الف ممدودہ کے ساتھ ہونا چاہیے، وہ الف مقصورہ کے ذیل میں درج ہوا ہے۔

(ب) لفظ اکثر کو اچھر لکھا ہے۔

(ج) لفظ دست کو لشت لکھا ہے، اسی طرح دایو، ودیا وغیرہ الفاظ کو جوناگری بھاشا میں واؤ سے لکھے جاتے ہیں، بت سے حوالہ قلم فرمایا گیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ترجمہ و تفسیر کے نمونہ میں امور ذیل پر غور مکرر کی ضرورت ہے۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ترجمہ میں بمقابلہ تراجم مقبولہ الفاظ بہت اور نہایت کی کمی رہ گئی ہے۔

(۲) سورہ فاتحہ کے ترجمہ میں مالک یوم الدین کا ترجمہ "جس کے بس میں چکوٹی کا دن ہے" کیا گیا ہے، جو تراجم مقبولہ کے موافق نہیں ہے، الفاظ خداوند روزِ جزا کی مناسبت کا لحاظ رکھنا چاہیے تھا۔

(۳) ٹیکا یعنی تفسیر الفاظ ذیل سے شروع کی گئی ہے۔

قرآن شریف (جس کو مسلمان آکاش بانی مانتے ہیں) اس طرز تحریر سے بادی النظر

میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ خدا نخواستہ صاحب تفسیر مسلمانوں سے الگ کوئی غیر شخص ہیں، اس کی اصلاح ہونی چاہئے۔

(۴) کل امر ذر بال الحدیث کا ترجمہ بھی قابل درستی ہے، الفاظ ذی بال کا مفہوم بالکل ادا نہیں ہوا۔ اور لحدید ابد سحر اللہ کا ترجمہ بھی درستی کا محتاج ہے۔ اسی طرح لفظ ابتر کا ترجمہ بھی صحیح نہیں ہے۔

(۵) آیہ دانی ہدایہ، یا ایہا النبی قل لا ازل و اجل (الآیہ) کے ترجمہ میں لفظ نبی کا ترجمہ سست بیٹھ کیا گیا ہے، ہندی بھاشا میں اس کا استعمال نہیں ہوتا۔ نصاب خسرو یعنی خالق باری میں یہ لفظ ضرور درج ہے۔ مگر جنھوں نے وہ کتاب نہیں پڑھی وہ اس کو نہیں سمجھ سکتے، لہذا لفظ نبی جو اسلام کا اصطلاحی لفظ ہے، ترجمہ میں بدستور رہنا چاہئے۔

(۶) اسی آیہ شریفہ میں لفظ ادنیٰ کا مفہوم ترجمہ میں نہیں آیا۔ اور لفظ اشات اند بڑھا دیا گیا ہے۔ بہر حال یہ سب باتیں ایک غیر مانوس زبان اختیار کرنے کا نتیجہ ہے، مناسب یہی ہے کہ تراجم مقبولہ میں سے کسی ایک بزرگ کا ترجمہ پیش نظر رکھ کر اس میں سے عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ نکال کر ان کی جگہ عام فہم الفاظ تبدیل کر دیئے جائیں، اور اسلامی اصطلاحی الفاظ بدستور قائم رکھ کر بجائے اردو حرف کے ناگری حروف میں ترجمہ شائع کیا جائے اور اسی طرح مناظران اسلام کی تفسیروں اور کتابوں سے مدد لے کر عام فہم زبان میں ایسی تفسیر لکھی جائے جس میں معنی لفین اسلام کے ان تمام اعتراضوں کے جواب موقع بموقع درج کر لئے جائیں جو کلام الہی پر اب تک کئے گئے ہیں۔ اس قسم کا ترجمہ اور ایسی تفسیر عام فہم اردو یا ہندوستانی زبان میں بخط ناگری شائع ہونے سے اخبار دیانند پرکاش دہلی ادم دیگر آریہ اخباروں اور ایدیشیکوں کی کارروائیوں کا سد باب بھی انشاء اللہ تعالیٰ اچھی طرح ہو گیا اور قومی مصالح کو بھی ضرر نہیں پہنچے گا۔ لیکن سنسکرت آمیز بھاشا میں ترجمہ و تفسیر کا شائع کرنا اور اسلامی اصطلاحی الفاظ کا بدلنا ہرگز مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ وما علینا الا البلاغ

محرمہ ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ۔ مقام تھانہ بھون ضلع مظفرنگر۔

خادم الطلبة محمد عبد الواحد، سررشتہ دار کوئٹہ ریاست الور۔

(تمتہ خامہ ص ۲۸۰)

تحقیق ترجمہ قرآن مجید در نظم | سوال ۱۱۱ | بعد الحمد والصلوة، احقر کو آخر ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ میں مظفر نگر جانے کا اتفاق ہوا، تو وہاں ایک صاحب معزز عہدے پر ہیں، نے مجھ کو اول کے چار سیپارے قرآن مجید کے جن میں تحت اللفظ اردو ترجمہ منظوم لاہور کا چھپا ہوا ہے، دکھلا کر اس کے متعلق میری رائے دریافت فرمائی، سفر میں دیکھنے کا وقت نہ ملا، وطن واپس آ کر کہیں کہیں سے دیکھا، اب اپنی رائے عرض کرتا ہوں۔ یہاں دو مقام پر کلام ہے، ایک یہ کہ وہ خود ترجمہ کیسا ہے۔ دوسرے نظم میں ترجمہ قرآن کا کرنا کیسا ہے۔ سو امر اول کی کیفیت اجمالاً تو اس سے ظاہر ہے کہ مترجم نے خطیہ میں یہ شعر لکھا ہے۔

اور وہ ڈبیٹی نذیر احمد کا بھی ترجمہ پیش نظر تھا خوب ہی
نیز آل عمران کے آخر میں رَابِطُوا کے ترجمہ میں جہاں کئی قول نقل کئے ہیں وہاں یہ شعر بھی ہے
اور ہیں یوں لکھتے نذیر احمد اسے کہ رہو تیار دشمن کے لئے

اس سے صاف واضح ہے کہ مترجم صاحب ڈبیٹی صاحب کے معتقد ہیں اور ڈبیٹی صاحب کے ترجمہ و عقیدہ و تحقیق کی کیفیت بندہ کے رسالہ اصلاح ترجمہ دہلویہ سے ظاہر ہے۔ بس جس طرح وہ معتبر نہیں، اسی طرح ان کے معتقد کے ترجمہ کا بھی اعتبار نہیں رہا، کہ غیر معتبر کو معتبر سمجھنا خود دلیل ہے غیر معتبر ہونے کی اور تفصیلاً مقامات متفرقہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے، چنانچہ اس وقت ایک مقام پر جو نمونہ کے لئے کافی ہے میری نظر میں، یہ قول کے تین پاد پر دو آیتیں ہیں۔ اول
وَ اِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلِّغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَسْكُوْهُنَّ اَلَاَیْہِ وَ دَسْرَ اَسٰی کے قریب و اِذَا طَلَقْتُمُ
النِّسَاءَ فَبَلِّغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَلَاَیْہِ، اول آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔

اور جب تم دوسری دید و طلاق عورتوں کو اپنی بہر افراق
اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔

اور جب تم تیسری دید و طلاق عورتوں کو بہر کامل افراق
اہل علم اس بات کو جانتے ہیں کہ آیت اولیٰ میں دوسری کی قید اور آیت ثانیہ میں تیسری کی
قید زیادت علی القرآن ہے جس کی کوئی دلیل نہ قرآن میں ہے سیاقاً اور نہ سیاقاً قواعد شرعیہ
میں ہے۔ آیت اولیٰ کے قبل یہ ہے فان طلقھا فلا تحل لہ الخ یہاں تیسری طلاق مراد ہے
اور اس کے بعد کوئی ذکر پہلی طلاق کا نہیں جس کے قرینہ سے آیت اولیٰ میں دوسری طلاق مراد
لی جائے اور پھر اس کے قرینہ سے آیت ثانیہ میں تیسری طلاق مراد لی جائے، پھر جو حکم ان دونوں آیات

میں مذکور ہیں، یعنی فامسکوہن آیت اولیٰ میں اور لا تعضلوہن آیت ثانیہ میں وہ مخصوص نہیں دوسری اور تیسری کے ساتھ، یعنی لف و نشر مرتب کے طور پر بلکہ حکم اول مثل دوسری طلاق کے پہلی طلاق میں بھی ہے اسی طرح حکم دوم مثل تیسری طلاق کے پہلی اور دوسری میں بھی ہے جبکہ ازواج سے مراد نئے ازواج لئے جائیں۔ اور اگر ازواج سابقین مراد ہوں جیسا کہ بہت مفسرین اسی طرف گئے ہیں، اور اسباب نزول بھی اس کے موافق ہیں تو پھر تو تیسری طلاق سے اس کی تفسیر کرنا محض باطل ہے، کیونکہ تیسری میں یہ حکم ہے ہی نہیں۔ اسی وقت اتفاق سے ایک اور مقام نظر پڑ گیا، اس رکوع سابق کے بعد متصل رکوع میں یہ ارشاد ہے مالتہ تمسوهن او تفرضوا لہن فریضۃ، اس میں تفرضوا کا عطف متمسوق پر ہونے سے تقدیر عبارت کی یہ ہے اولہ تفرضوا لہن اور بالاجماع نفی دونوں کی مراد ہے۔ اور یہی ایک صورت ہے جس میں بجائے قہر کے حکم ہے۔ متعوهن اس کا ترجمہ یوں کیا۔ ہے ۵

کہ نہ مس تم نے کیا کچھ جنھیں یا ہو ٹھہرایا جنھیں کچھ مہر میں
تو اس ترجمہ میں کتنی بڑی غلطی ہے کہ مراد تو یہ ہے کہ نہ ٹھہرایا ہو اور ترجمہ یہ کیلئے کہ ٹھہرایا ہو بالکل ہی تحریف ہے۔ اور علاوہ قواعد عربیہ واجماع کے بعد والی آیت خود اس ترجمہ کی تغلیط کرتی ہے وہ یہ ہے۔ وقد فرضتم لہن فریضۃ۔ چنانچہ اس کا ترجمہ خود بھی یہ کیا ہے ۵
اور حقیقت میں ہو تم ٹھہرا چکے

اور ظاہر ہے کہ یہ صورت مقابل ہے پہلی صورت کے اور ترجمہ مذکورہ سابق پر دونوں صورتیں ایک ہو جاویں گی تو حکم بھی ایک ہونا چاہیے، حالانکہ تصانف مختلف ہے، اور بھی کئی مقام اس وقت نظر میں ہیں مگر تطویل ہوتی ہے۔ جب دور رکوع میں یہ حالت ہے تو قرآن بھر میں کیا ہوگا، اور غلط ترجمہ رکھنے اور پڑھنے کے مقاصد میں کہ احکام غلط سمجھے گا ظاہر ہے، اور یہی ایک اسر کافی ہے۔ ایسے ترجمہ کی خریداری اور تجارت کے ناجائز ہونے کے لئے، پھر علاوہ غلطی ترجمہ کے زبان بھی بہت جگہ غلط ہے جس کا اثر پھر ترجمہ اور مضمون پر پڑتا ہے، چنانچہ تفرضوا کا ترجمہ جو اوپر نقل کیا ہے ۵

یا ہو ٹھہرایا جنھیں کچھ مہر میں

صاف معلوم ہوتا ہے کہ مہر میں ان عورتوں کو ٹھہرایا ہے جیسے کوئی غلام لونڈی جو کہ مال ہے مہر میں ٹھہرائیں حالانکہ مطلب یہ ہو کہ ان کیلئے مہر نہ ٹھہرایا ہو۔ اور نصا و شعریات کا تو تمام ترجمہ میں نام و نشان نہیں

یہ تو مختصر مقام تھا مقام اول کے متعلق، یعنی یہ امر کہ خود یہ ترجمہ کیسا ہے۔ اب رہا دوسرا مقام یعنی یہ کہ نظم میں ترجمہ قرآن کا کرنا کیسا ہے، سو اس میں ایک بڑا مفسدہ تو یہ ہے کہ ترجمہ بعینہ محفوظ نہیں رہ سکتا ضرورت شعر و وزن سے ضرور اس میں کمی بیشی اور اگر کمی نہ ہو تو بیشی تو ضرور ہوگی، پھر جب وہ تحت اللفظ لکھا ہوا ہے، تو دیکھنے والے ہی سمجھیں گے کہ یہ سب ترجمہ ہے حالانکہ اس میں ترجمہ پر زائد الفاظ بھی بہت سے ہیں۔ چنانچہ ترجمہ متکلم فیہا میں اس سے کوئی شعر بھی خالی نہیں، الا نادراً والنادر کالعلم اور اس کے متعلق پارہ اتم کے آخر میں ضروری التماس کے عنوان میں مترجم نے جو عذر کیا ہے ”بظاہر جو کچھ الفاظ کسی جگہ کسی ضرورت سے لئے گئے ہیں وہ خاص اسی مطلب کو ادا کرنے کے لئے ہیں اور وہ بھی خاص الفاظ قرآنی کے الف لام اور تنوینات وغیرہ ہی کے معنی ہیں، یا مقدرات محذوفہ کا اظہار ہے، نہ کہ کوئی زائد عبارات وغیرہ“ یہ کہیں کہیں تو واقع ہے لیکن بکثرت اس کے خلاف واقع ہے، مثلاً یہ آیت ہے۔ **وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ انْكُم ظِلْمَتُمْ انْفِسْكُمْ** **بَاتُوا ذِكْمَ الْعَجَلِ فَتَوَبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا انْفُسَكُمْ ذُلْكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ** **فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ**۔ اس کا جو ترجمہ کیا ہے جس کو میں نے طول کے سبب نقل نہیں کیا، اس میں الفاظ ذیل کس تنوین

یا الف لام وغیرہ کلمات قرآنیہ کا ترجمہ ہے، یا کس مقدر کا اظہار ہے۔ **ع** خود، **ع** بر ملا، **ع** اپنے شرک سے، **ع** باتخاذ کم العجل کے اس ترجمہ کے اکثر الفاظ **ع** چونکہ لے بیٹھے پرستش تم بھی وہ جو اک بچھڑے کے بت کی آپ ہی **ع** جو لازم ہے تمہیں، **ع** جناب پاک، **ع** بحکم ایزدی، **ع** جو، **ع** ارشاد سے ملا کریم۔

اور اگر کوئی یہ عذر کرے کہ ایسے زیادات کو خطوط وحدانیہ میں لکھ دیا گیا ہے، پھر وہ ایہام غیر ترجمہ کے ترجمہ سمجھنے کا نہیں ہوتا۔ سو یہ بھی غلط ہے۔ چنانچہ ان دس نمبروں میں سے صرف **ع** تو خطوط وحدانیہ میں ہے، باقی ایک بھی نہیں۔ اور اگر کوئی شبہ کرے کہ اس کا انتظام تو ہو سکتا، جہاں اصل ترجمہ میں کوئی تغیر نہ ہو صرف زیادات ترجمہ میں آجاویں، اس طرح سے کہ اگر زیادات نکال دی جاویں تو ترجمہ سالم رہ جاوے۔ اس ترجمہ کے زیادات میں ہر جگہ یہ بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ **ع** میں جس کا جی چاہے کر کے دیکھ لے کہ ترجمہ محفوظ نہیں رہا۔ اور ایہام کی قید سے اس صورت سے احتراز ہو گیا جہاں ایہام نہ ہو۔ جیسے بعض جگہ حاصل مضمون کو نظم کر دیا جاتا ہے۔ مگر وہ شکل ترجمہ نہیں ہوتا، اور وہ بھی اتفاق سے کسی موقع کا نہ قصداً واستقلالاً تمام قرآن کا۔ نیز ایک خرابی

اس میں یہ ہے کہ اگر کلمات قرآنیہ کو مقابل الفاظ ترجمہ کے لکھا جاوے جیسا اس ترجمہ منظومہ میں کیا گیا ہے، تب تو فصل بن المصرین کے سبب کلمات قرآنیہ میں بھی فصل کیا جاوے گا۔ چنانچہ اس میں ایسا ہی ہے۔ اور اس میں قرآن مجید کو ترجمہ کے تابع بنانے کے علاوہ جو کہ قلب موضوع ہے تقطیع میں کلمات القرآن فی الکتابہ لازم آتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عادت تلاوت تابع کتابت ہوتی ہے، تو ان کلمات کے درمیان تلاوت میں بھی کسی قدر مظنون ہے اور فصل بے موقع اکثر جگہ مفسد معنی ہوتا ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ اور اگر فصل نہ کیا جاوے تو باوجود امکان مقابلہ کے عدم مقابلہ الفاظ و ترجمہ سے ایک لفظ کی نسبت دوسرے لفظ کے ترجمہ ہونے کا شبہ ہوگا۔ اور دونوں محذور واجب التحذر ہیں۔ اور یہ وہ مفاسد ہیں کہ اگر نظم میں کوئی مصلحت بھی ہوتی تب بھی ان مفاسد کے ہوتے ہوئے اس مصلحت کا اعتبار نہ کیا جاتا، جیسا قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس عمل غیر ضروری میں گو وہ درجہ استحباب تک بھی کیوں نہ ہو، مفاسد ہوتے ہیں اس کو وجوباً ترک کر دیا جاتا ہے اور اس کے محاسن کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ بہت سے فروع فقہیہ اسی اصل پر متفرع ہیں، کما لا یخفی۔ اور اب تو اس میں کوئی مصلحت بھی نہیں، اور بعض مصلح جو دیباچہ والتماس میں لکھے ہیں مثلاً یہ کہ ”مسلمان لوگ اس کو بوجہ موزوں و منظوم ہونے کے نہایت ذوق و شوق سے مطالعہ کریں گے۔ اور خاص کر لپنے بچوں اور بچیوں کو آئندہ بجائے مختلف غزلیات و اشعار پر نشان کے یاد کرایا کریں گے“ تو خود اس مصلحت میں مفاسد کا اقرار ہے کہ انجام اس کا یہ ہوگا کہ غزلوں کی جگہ اس کو گایا کریں گے، کیونکہ بدون تغنی والحنان کے ذوق و شوق نہ ہوگا۔ جو بنائے مطالعہ کی، خصوصاً پیشہ ور و عظیم جن کو ہمیشہ مجلس گرم کرنے کی فکر رہتی ہے، اور بوجہ تعدیہ اثر ان و عظیم کے عوام الناس میں یہ طرز تغنی کا باعتقاد استحسان شائع ہو جائیگا۔ اور گلانے کا حکم ظاہر ہے، خصوصاً ترجمہ کو اس کا آلہ بنانے کا، نیز نظم میں ہیبت اور عظمت نہیں ہوتی۔

وہو السرفی قولہ تعالیٰ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ۔ وَفِي تَرْكِ السَّلَفِ الْخَطِيئَةُ بِالْظُّلْمِ لَكُمْ هَذَا ذِكْرًا، اَمَّا الْقُرْآنُ فَتَالِ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْآنٌ ط وَاَمَّا الْخُطْبَةُ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَاسْعَوْا لِیْ ذِکْرِ اللّٰهِ، هٰذَا مَا لَقِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی رَدْحِیْ فِیْ هٰذَا الْوَقْتُ وَلِلّٰهِ الْحَمْد۔

باقی یاد کی مصلحت سو اگر قواعد عربیہ کا علم ہو تب تو اس کی یاد کی ضرورت نہیں، اور اگر علم نہ ہو تو یاد سے کچھ فائدہ نہیں، اول تو مطلب ہی نہ سمجھیں گے، پھر یہ کیسے یاد رہے گا کہ یہ شعر

فلاں جملہ کا ترجمہ ہے، پھر یاد اور عدم یا دونوں برابر ہوئے۔ پھر اگر ایسی ہی مصلحتیں معتبر ہوں تو کل کو یہ دیکھ کر کہ قرآن کی طرف لوگوں کی رغبت نہیں مہی کوئی شخص قرآن مجید کو نظم کر دے گا اور زیادات شعریہ کو خطوط وحدانیہ میں محاط کر دیگا۔ کیا یہ جائز ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ آج تک باوجود ایسے فواعی کے امت میں سے کسی نے باوجود علم و قدرت سخن کے ایسا نہیں کیا اور یہ اجماع ہے ترک پر جس کی مخالفت ناجائز ہے۔ قرب سلمہ (حوادث خامس ص ۱۲)

تفصیل انتفاع بہ کاغذی | سوال (۱۲) کاغذ کی وہ ردی کہ جس میں خدا اور رسول کے اسم مبارک وغیرہ و نیز ہر قسم کی تحریر ہو دے اور اس کو پھاڑ پھاڑ کر اور پانی میں گلا کر اس میں کھلی یا آٹا وغیرہ ملا کر تسلہ یا ڈلیاں وغیرہ تیار کریں، جیسا کہ مروج ہے، یہ امر جائز ہے کہ نہیں؟

(ع ۲) مذکورہ بالا ردی اگر جلا کر اس میں کپڑا رنگ کر استعمال کیا جائے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار ولا یجوز لیس فی کاغذ فیہ وفی کتب الطب یجوز ولوفیہ اسم اللہ او الرسول فیجوز محو لیس فیہ شیء فی رد المحتار قتال ط وھل اذا طمس الحرف بنحو جرب بعد محو یا محو ردیہ واما العقر بلسانہ وابتلاعه فالظاهر جوازہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جن کاغذات میں دینی احکام لکھے ہوں ان کو ایسے استعمال میں لانا جائز نہیں اور جن کاغذات میں اور مضامین ہوں ان کو ایسے استعمال میں لانا جائز ہے مگر اس میں بھی یہ ضرور ہے کہ جہاں جہاں اللہ و رسول کا نام لکھا ہو اس کو محو کر دے یعنی یا تو اس پر سیاہی پھیر دے یا اس کو زہ بان سے چاٹ کر لعاب نگل جائے۔ یہ دونوں سوالوں کا جواب ہے۔

۲۴ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۸۱ ج ۲)

سوال (۱۳) اکثر اشتہارات قرآن مجید کے ایسے شائع ہوتے ہیں کہ ایک طرف اشتہار ہوتا ہے اور ایک جانب قرآن مجید اور تمام گلی کو چوں میں نہایت بے تعظیمی سے پڑے رہتے ہیں، جن کے پاس پہونچتا ہے وہ بھی کچھ خیال نہیں کرتے۔ الا من شار اللہ ایسے اشتہارات یا ادراک پر دقت وغیرہ کے قسم سے رجوا کثر دہلی کے پارسلوں میں قرآن وحدیث میں آتے ہیں، جلالتے جاویں تو جائز ہے یا نہیں، جلالتے سے انکی راکھ اور راکھ سے چوٹے میں ہے مخلوط ہو جائے گی، پھر وہ واجب التعظیم رہے گی یا نہیں قرآن شریف یا پارہ عم وغیرہ جو لڑکوں کے پڑھنے میں شکست و بیکار ہو جاتے ہیں، ان کا دفن کرنا ممکن ہے، مگر ان روایات کا ہر وقت دفن کرنا غیر ممکن ہے، بالخصوص ایسے شہروں میں جہاں قبرستان

دو میل کے فاصلہ پر ہو، اس باب میں جیسے رائے عالی ہو مطلع فرما کر سرفراز فرمائیے۔

الجواب۔ اس احراق میں اختلاف ہے۔ اس لئے فعل میں بھی گنجائش ہے اور ترک احوط ہے اور تقدیر ترک پر یہ صورت سہل ہے کہ ان روایات کو جمع کرتے رہیں جب معتد بہ ذخیرہ ہو جائے دفن کرادیں۔ اور احراق کی صورت میں اس کی خاکستر بنا بر قاعدہ قلب ماہیت کے واجب الاحترام تو نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کو جدا گانہ کسی ظرف میں جلا کر اس خاکستر کو پانی میں گھول کر دریا میں بہا دیا جاوے تو اور بھی زیادہ اقرب الی الادب ہے۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۶۳)

استعمال غلاف ریشمی بر قرآن | سوال (۱۴) قرآن شریف کی چولی یا جزدان خالص ریشمی کپڑے کا بنا کر اس میں عورتوں اور مردوں کو تلاوت کرنا کیسا ہے؟

الجواب۔ جائز ہے۔ فی رد المحتار حیث عد الاستعمالات المباحات، مالقہ و کذا الکتابۃ فی ورق الحریر و کیس المصحف والدر اھرو وما یغطی بہ الاولاد الخ وما تلتف فیہ الشیاب وھو المسمی بقچہ و نحو ذلک مما فیہ انتفاع بدون لیس او شبہ اللبس۔ ج ۵ ص ۳۴۷، ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۳)

سوال (۱۵) دکن وغیرہ میں کئی جگہ موئے مبارک نبوی صلی اللہ تعظیم ہوئے مبارک کو در بعض جاتے ہا یافتہ می شود علیہ وسلم موجود ہے، اور لوگ اس کو ہر سال میں نکالتے ہیں اور اونچی جگہ رکھتے ہیں اور اس کو پانی میں غوطہ دے کر پانی پیتے ہیں، اور بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ہم لوگ اس کو اب تک موئے مبارک سمجھتے رہے۔ اب بعض لوگ اس میں کچھ شرطیں لگانے لگے کہ موئے مبارک کے لئے ضرور ہے کہ دھوپ میں رکھنے سے سایہ نہ پڑے اور جس گھر میں موجود ہو اس پر برابر سایہ رہے، اور اس کے گھر والوں کو کچھ تکلیف نہ پہنچے پس اب سوال یہ ہے کہ آیا اس کو موئے مبارک سمجھیں یا نہیں اور موئے مبارک کے لئے شرائط مذکورہ کا ہونا ضرور ہے یا نہیں اور اس کی کتنی تعظیم چاہئے؟ فقط

الجواب۔ اگر اس کے موئے مبارک ہونے کی کچھ سند نہیں تو اس کی تعظیم و تکریم لا حاصل اور اگر کوئی سند ہے تو اس کی تعظیم کرنے میں اجر و ثواب ہے، بشرطیکہ حد شرع سے نہ بڑھ جاوے اور پانی میں غوطہ دے کر اس کا پیتا بھی باعث خیر و برکت و شفاء امراض ظاہری و باطنی ہے۔

عن عثمان بن عبد اللہ بن مویہ قال ارسلنی اہلی الی امرسلۃ یقدح من ماء وقبض اسرائیل ثلاث اصابع من فضة فیہ شعر من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان

اذا اصاب الانسان عين او شئ بعث اليها فمخضه فاطلعت في الجحجل فرأيت شعرا
حمرات ۱۲ بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۷۵

اور مونے مبارک کے لئے ضرور نہیں کہ اس کا سایہ نہ پڑے، اور جس گھر میں ہو اس پر ایسا سایہ
رہے، اور کبھی اس گھر والوں پر کوئی تکلیف نہ آئے۔ یہ باتیں خود جناب سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کے لئے ضرور نہ تھیں، آپ کا سایہ بھی تھا آپ پر دھوپ بھی پڑتی تھی، اگر کبھی بطور
معجزہ آپ کا سایہ نہ پڑا اور ایسا فگن ہوا ہو تو کچھ بعید نہیں، لیکن استمرار ثابت نہیں، اور
آپ بیمار بھی ہوتے تھے۔ تو جب کل کے لئے یہ امر ضروری نہیں تو جز کے واسطے کیا ضرور۔ واللہ اعلم

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ (امداد ص ۱۹۱ ج ۲)

سوال (۱۶) سونے کے ورق سے قرآن مجید کی جلد پر پھول وغیرہ
گلکاری جلد بورق طلا
بتائے جاتے ہیں اور وہ بہت عرصہ تک قائم رہتا ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار وحل الشرب من اثناء مفضض ای مزوق بالفضة
والركوب على سرج مفضض والجلوس على كرسى مفضض ولكن بشرط ان يتقى ای
يجتنب موضع الفضة بفم قیل وید و جلوس سرج ونحوه وكذا الاناء المضيب
بذهب او فضة الخ فی ردالمحتار وفسر (ای المفضض) بالمرصع بهار (ط) ويقال لكل
منقش ومزين مزوق قاموس وفيه مفضض وفي حكمه المذهب ص ۳۳۶ ج ۵
وفي الدر المختار اما المطلق فلا بأس به بالاجماع بلا فرق بين لجام وركاب و
غيرهما لان الطلاء مستهلك لا يخلص فلا عبرة لونه عيني وغيره ص ۳۳۶ ج ۵
وفي الدر المختار يحرم لبس الحرير الى قوله الاقدار اربع اصابع كاعلام الثوب ثم الى
قوله وكذا المنسوج بذهب يحل اذا كان هذا المقدار اربع اصابع والا لا ص ۳۳۶ ج ۵
وفي ردالمحتار هل المراد قدر الاصابع طولا وعرضا والمراد عرضها فقط وان زاد
طوله على طولها المتبادر من كلامه الثاني صفحہ و جلد مذکور۔

روایت اولیٰ سے مضیب کا جواز بقید اتقار موضع استعمال، اور روایت ثانیہ سے مطلقاً کا
جواز بلا اس قید کے اور بلا قید مقدار، اور روایت ثالثہ سے علم کا جواز بلا قید اتقار موضع، مگر
بقید مقدار معلوم ہوا۔ پھر مسئلہ عن ظہر آئے اول کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ انفصال کے بعد اس کا کام
نہیں رہتا اور نہ ثانی کے ساتھ کیونکہ انفصال ممکن ہے پس ثالث کے ساتھ ملحق معلوم ہوتا ہے، پس

اگر کوئی پھول یا بیل عرض میں چار انگشت سے زائد نہ ہو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

۱۴ ربيع الاول ۱۳۳۳ھ (حوادث ۳ ص ۱۳۳)

مجلس میں استقبال قبلہ [سوال (۱۴)] بعض آدمی جو پورب کی طرف رخ کر کے نہیں بیٹھتے اگر کوئی ایسا کرے کچھ ثواب ہوگا یا نہیں، سوال کرنے سے وہ شخص جواب دیتا ہے کہ استدباب قبلہ لازم آوے گا، اس واسطے میں اس سے پرہیز کرتا ہوں۔

الجواب:- فی المقاصد الحسنة حدیث اکرم المجالس ما استقبال به القبلة مع ما ورد طرقا ضعيفة قال لحدیث ابن عباس مرفوعاً بلقطن لكل شئ شرفا وان شرف المجالس ما استقبال به القبلة اورده الحاكم في صحيحه حدیث ابن هرون رفعه ان لكل شئ سیداً وسيد المجالس قبالة القبلة وسنده حسن ثم قال قد ترجم البخاري في الادب المفرد استقبال القبلة واورد من حدیث سفیان بن منقذ عن ابيه قال كان اکثر جلوس عبد الله بن عمر وهو مستقبل القبلة ام مختصراً ص ۳۲ ان روایات سے مستقبل قبلہ بیٹھنے کا ندب ثابت ہوتا ہے، بلکہ اگر بعض طرق اعتبار سے ضعف بھی مان لیا جاوے تب بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی کافی ہے۔

۲۵ ربيع الاول ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۲۶)

حکم فال از قرآن مجید [سوال (۱۸)] کچھ دلوں سے میں حیران و پریشان ہوں، انواع و اقسام کے خواب دیکھتا ہوں، انتہایہ ہے کہ تمام خیالات اور خوابوں کی نسبت قرآن سے فال لیتا ہوں اول گیارہ دفعہ درود شریف پڑھ کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو بخشا ہوں ازاں بعد فاتحہ، بار پڑھ کر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک کو اور بعد میں آیۃ الکرسی تین مرتبہ پڑھ کر جملہ مسلمانوں کی روح کو بخشا ہوں، بعد میں اگر صبح کا وقت ہو تو شروع سے، دوپہر کا ہو تو درمیان سے اور دن ڈھلے کے بعد آخری حصہ قرآن کو کھول کر پہلی سطر قرآن مجید سے جو نکل آوے، شگون نیک و بد حاصل کرتا ہوں۔ واجباً عرض ہے کہ آج تک میں نے جس قدر فال دیکھے ہیں وہ بالکل ہی صحیح پائے ہیں اور صحیح بھی ایسے کہ بیان صداقت سے زبان قاصر اور قلم عاجز ہے۔ آپ تحریر فرمادیں کہ یہ طریقہ بُرا تو نہیں ہے۔ بروئے شرع شریف مجھ پر کوئی حرج تو نہیں۔

الجواب:- محققین نے اس کو ناجائز لکھا ہے خصوصاً جبکہ اس کا یقین کیا جاوے

توسب کے نزدیک ناجائز ہے۔ ۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ، ص ۸۹)

قرآن میں مورد کا پر رکھنا | سوال (۱۹) مسائل فقہیہ ذیل کا جواب عنایت ہو۔

پر طاؤس کا مصحف میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب۔ چونکہ کوئی امر مانع نہیں، لہذا جائز ہے۔

۱۳ اشوال ۱۳۳۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۹۶)

ایسے مجمع میں تلاوت قرآن | سوال (۲۰) خواندن قرآن مجید یا از بلند تر و کسانیکہ با طراف خوانند

جوسنے کی طرف متوجہ نہ ہو | نشستہ اند و بجہت امور دینی یا دنیوی گوشش بساعت

تدارند، درست یا نہ؟

ایضاً ۲، بر تقدیر اول تاویل عبارات فقہار چیت، در عالمگیری لایقراً جہراً عند

المشتغلین بالاعمال انتہی و نیز در ان رجل یکتب الفقہ و بجنبہ رجل یقر القرآن لایکسہ

استماع القرآن کان الاثم علی القاری الخ و ہکذا فی الشامی۔

الجواب۔ مختلف فیہ است۔

۲۱ این مبنی یک قول است۔ ۸ ربیعہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولی ص ۲۱۲)

استماع قرآن کے لئے ذکر وظیفہ | سوال (۲۱) در بعضی اوقات ماخدا مان در ذکر اسم ذات یا دوازہ

کو ترک کرے یا نہیں | تسبیح در مسجد مشغول شویم و دیگرے قرآن مجید یا از بلند تلاوت می کنند

آیا ذکر موصوف خفیہ میکنیم یا بدستور عمل؟

الجواب۔ بدستور خوانند بناؤ علی القول الثانی۔ تاریخ مذکورہ بالا (تمتہ اولی ص ۲۱۲)

تحقیق وجوب استماع قرآن مجید | سوال (۲۲) بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ استماع قرآن نماز

در خارج نماز | میں واجب ہے اور خارج نماز کے واجب نہیں، اور بعض کتابوں میں

لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھے اور سامع نہ سنے بوجہ کسی شغل کے عواہ دینی ہو یا دنیوی

توفتاری کو گناہ ہوگا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ آیت عام ہے صلوٰۃ اور خارج صلوٰۃ کو اور

امام صاحب کا کلیہ المطلق یجری علی اطلاق بھی اس کا مؤید معلوم ہوتا ہے۔ آج کل علماء کس پر

فتویٰ دیتے ہیں؟

الجواب۔ سماع قرآن میں دونوں قول ہیں، میں آسانی کے لئے اسی کو اختیار کرتا ہوں

کہ خارج صلوٰۃ مستحب ہے۔ ۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۳)

حکم کتابت قرآن و ترجمہ اردو کالم سوال (۲۳) قرآن شریف جن کے ایک ہی صفحہ میں کلام پاک عربی تحریر میں ہو اور اس کے مقابل ترجمہ انگریزی اردو یا صرف انگریزی ترجمہ۔ اور انگریزی میں تفسیر ہو رکھنا اور بڑھنا اور چھاپنا درست ہے یا نہیں؟

یہاں سے یہ جواب لکھا گیا

عبارت سوال سے صورت اس کی ذہن میں نہیں آئی، اس کا ایک صفحہ نقل کر کے بھیجئے؟۔ پھر سائل نے نمونہ بھیجا، جس کا نقشہ یہ ہے:-

قرآن شریف | ترجمہ انگریزی

تفسیر انگریزی

یہاں سے یہ جواب لکھا گیا۔

الجواب:- اس طرز میں تشبیہ ہے غیر اہل اسلام کے ساتھ کیونکہ یہ انہی کا ایجاد اور انہی میں شائع ہے، اور اہل اسلام میں اس کا ایسا شیوع نہیں ہوا کہ غیر اہل اسلام کے ساتھ اس میں معنی اختصاص کے نہ رہے ہوں اس لئے منع کیا جاوے گا۔ دوسرے اس ہیئت میں صورت معارضہ و تقابل و موازنہ کی سی ہے۔ چنانچہ جن مضامین میں تقابل و توازن دکھلایا جاتا ہے وہ اسی ہیئت میں لکھے جاتے ہیں۔ اور یہ امر مشاہد ہے اور معارضہ قرآن کا جیسا مذموم ہے اس کی صورت موہوم بھی مذموم ہے، باقی ان اجزاء کا جمع کرنا اس ہیئت سے بھی ہو سکتا ہے۔

قرآن شریف:-

ترجمہ:-

تفسیر:-

واللہ اعلم، ۲۵ رجب ۱۳۳۵ھ (حوادث خامہ ص ۸)

سوال (۲۴) عا جب کہ قرآن شریف کسی وجہ سے اونچی جگہ سے گر جائے ہو جانے پر اس کو بوسہ دینا تو اس کے گرجانیسے کچھ دینا ہوتا ہے؟ ۲ اگر گھروں میں عورتوں کو دیکھا ہے کہ قرآن شریف کے ہم وزن انداز سے اناج دیدیا کرتی ہیں ۳ دوسرا اگر تکیہ وغیرہ کے اوپر سے کھسک کر چارپائی وغیرہ پر آجاتا ہے تو اسے ماتھے سے لگا کر ٹچا کرتے ہیں۔ ۴ اسی طرح اگر روٹی وغیرہ گرجاتی ہے تب بھی کہتے ہیں، اس کے واسطے جو حکم ہوا ارشاد فرمادیں۔

الجواب:- ۱ ضروری نہیں ۲ شریعت سے ضروری نہیں، نفس پر جرمانہ ہے اور جائز ہے۔

ضروری نہیں، لیکن ادب و احترام کا طریق ہے اور جائز ہے۔ مگر وہی حکم ہے جو اوپر لکھا گیا۔
یکم جمادی الثانیہ ۱۳۳۵ھ (تمہ رابعہ ص ۳۸)

سوال (۲۵) ہمارے محلہ میں کچھ لڑکے لڑکیاں قرآن مجید پڑھتے ہیں، جب ان کے قرآن کہنے اور آگے پیچھے سے تلف ہو کر ناقابل تلاوت ہو جاتے ہیں تو وہ انہیں مسجد میں رکھ جاتے ہیں تاکہ گھروں میں ان کی بے ادبی نہ ہو، مدت کے بعد جب ایسے مصاحف زیادہ تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں تو امام مسجد پاک پارچہ میں باندھ کر قبرستان کے اندر کسی محفوظ جگہ میں دفن کر دیتا ہے چونکہ وہ مصاحف قابل تلاوت نہیں ہوتے۔ اور نہ مسجد میں رکھنے والوں کا ان کو وقف کرنا مقصود ہوتا ہے، بلکہ عرفاً اور عادتاً ان کے مسجد میں رکھنے سے یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ وہ گھروں کی بے ادبی سے محفوظ رہیں، اور امام مسجد جس طرح مناسب سمجھیں ان کو ٹھکانے لگانے لہذا امام ایک طریق سے ان کو اپنے کام میں آتا ہے، وہ طریق یہ ہے کہ جب وہ اپنے وعظ وغیرہ کیلئے مسودہ لکھتا ہے جن میں قرآن مجید کی بعض آیات و رکوعات درج کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو ان کو خود لکھنے کی بجائے انہی اوراق حصّہ سے قینچی کے ساتھ کتر کتر کر مناسب مقامات پر چسپاں کر لیتا ہے، جس گیت فائدہ ہے، ایک تو وقت بچتا ہے، دوسرے وہ کلمات آیات خوشخط لکھی ہوتی ہیں۔ تیسرے اُن پر نشان اوقاف اور تذکریہ وغیرہ پوری صحت کے ساتھ لکھی ہوتی ہیں۔ اُن کو خود لکھنے میں یہ فوائد متوقع نہیں۔ اور ان اوراق کی باقی کترنوں کو نہایت احتیاط سے ایک صندوقچہ میں جمع کرنا ہوتا ہے، اور پھر کسی وقت بدستور دفن کر دیتا ہے، باوجودیکہ صورت مسئلہ میں وقف کا کوئی نمایاں قرینہ نہیں، اور نہ استعمال اوراق کے مذکورہ صورت میں کوئی بدلتی مضمر ہے، تاہم دو طرح کے خلجان ہمیشہ رہتے ہیں، ایک تو یہ کہ مبادا اس عمل سے تصرف فی الوقف کے گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہے، دوسرے یہ کہ مبادا اس طرح کلام پاک کی بے ادبی ہوتی ہو۔ براہ کرم اس مشکل میں رہنمائی فرمائیں، تاکہ اگر یہ کام ناجائز ہے تو اس سے توبہ کی جائے، اگر جائز ہے تو خلجان رفع ہو جائے۔ فقط۔ تحریر ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ۔

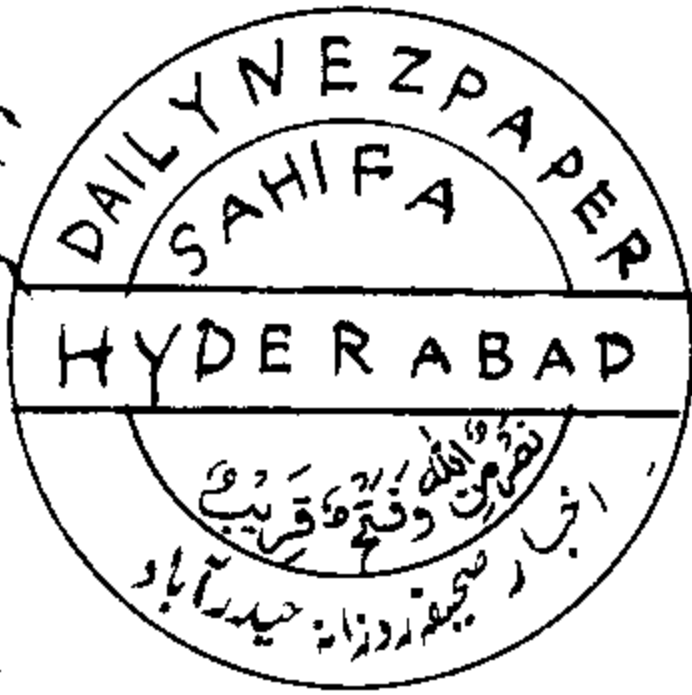
الجواب۔ میرے نزدیک تو یہ عمل ضرور خلاف ادب ہے۔ کلیات شرعیہ سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ کیونکہ اس میں چند محذورات ہیں۔ ایک خود اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کی تزیین اور وہ بھی احترام کے لئے نہیں جیسا دفن احترام کے لئے ہوتا ہے، بلکہ اپنی مصلحت خفت موت کتابت کے لئے جو فی نفسہ قربت بھی نہیں در نہ کتابت قرآن پر اجرت لینا جائز نہ ہوتا، تو اس میں تقدیم ہوئی اپنی مصلحت مباحہ کی قرآن مجید کی مصلحت واجبہ پر۔ دوسرا اس طرح چسپاں

کرنے سے چونکہ اس کا منتفع نہ ہونا باقی ہے، لہذا وہ متقوم اور مال ہے اور بدستور سابق مالک اصلی کی ملک میں داخل اور جب ملک ہے تو اس کے سب لوازم بھی مرتب ہوں گے منجملہ ان کے مالک کی موت کے بعد وارثوں کی ملک میں داخل ہونا ہے، کیا یہ شخص اس پر قادر ہے کہ ہر بطن میں شرکار سے اجازت لیا کرے، پھر کیا یہ ممکن ہے کہ اس شخص کے بعد اس کے ورثہ اس کا التزام رکھیں، اور کیا ایسے مفسدہ کا سبب بننا ناجائز نہ ہوگا منجملہ اُن لوازم کے ہر بطن میں سب شرکار سے بشرائط اذن لینا ہے اس کا بھی اور اس کے ورثہ کا بھی۔

اشرف علی ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (النور شعبان ۱۳۵۲ھ ص ۳۲)

قرآن مجید کی آیت کو | سوال (۲۶) ایک شخص مانو گرام بنانا چاہتا ہے جس کا نقشہ حنیبل ہے

مانو گرام میں لکھنا مکروہ ہے | دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مہر کے



جو تھے درجہ میں ایک آیت قرآنیہ لکھی ہوئی ہے، اس کے

اوپر کے تین درجوں میں انگریزی میں اخبار روزانہ صحیفہ

حیدر آباد کن درج ہے، اس میں کوئی امر آیت قرآنیہ کی

توہین کا تو نہیں ہے، اگر ہے تو کس آیت یا کس حدیث کی

بنار پر ہے۔ اگر انگریزی کے عوض چینی یا جاپانی یا اطالوی

زبان میں خاص ان کے حروف میں کوئی عبارت لکھ کر نیچے آیت قرآنیہ لکھی جائے تو اس

میں کوئی مضائقہ ہے یا نہیں۔ دوسرا امر یہ ہے کہ اس مانو گرام کو اخبار کے بیرونی

طبق اور دوسرے خط و کتابت کے لفافہ جات پر چھپوایا جاسکتا ہے یا نہیں، اس لئے

کہ طبق اور لفافہ جات مثل ملفوفہ کے حفاظت سے نہیں رکھے جاتے ہیں بلکہ

ان کو چاک کر کے ردی میں پھینک دیا جاتا ہے، ایسی صورت میں اگر لفافہ جات طبق وغیرہ پر سے چھپوایا جائے تو کیا حرج شرعی

الجواب :- فی الدر المختار بساطاً وغیرہ کتب علیہ الملک اللہ بیکرہ

بسطه واستعماله لا تعليقه للزينة الى قوله قلت وظاهر انتفاء الكراهة

بمجرد تعظيمه وحفظه علق اولاً زین بہ اولاً وهل ما بکتب علی المرام

وجدد الجوامع کذا یحصر فی رد المحتار قوله قلت وظاهره الخ کذا یوجد

فی بعض النسخ ای ظاهر قوله لا تعليقه للزينة قوله یحصر اقول فی

فتح القدير وتكره كتابة القرآن واسماء الله تعالى علی الدرهم

والمحادیب والجداران وما یفرش ۱۵ ج ۱ ص ۱۸۴

اس روایت میں دلالت ہے اس مانو گرام کی کراہت پورنظاہر ہے کہ آیت لکھنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، جس کو مبیح محظور کہا جائے۔

قریب ۳۳۷ (تمہ خامسہ ص ۷۷)

سوال (۲۷) قرآن شریف کی کسی سورۃ کو مثل تصویر کے رکھنا جائز ہے؟ بقصد زینت جائز نہیں یا نہیں؟ بدینا تو جردا۔

الجواب۔ برکت کے لئے کچھ حرج نہیں اور زینت کے لئے خلاف ادب ہے۔

۵ صفر المنظر ۳۳۷ (تمہ خامسہ ص ۱۰۶)

تعلیم و تعلم اور کتب و مدارس وغیرہ کے احکام

سوال (۲۸) دوسرے ائمہ کے مذہب کی تحقیق | ائمہ اربعہ شریعت میں سے آپ کے نزدیک بدون ان کی تقلید کے نہیں ہو سکتی | باعتبار قوت دلیل کے کس کا مذہب قوی ہے اور باعتبار احتیاط کے کس کا اور باعتبار سہولت کے کس کا؟

الجواب :- یہ سوال جب کیا جاسکتا ہے جب دوسرے مذہب کی تقلید تام ممکن ہو اور ہندوستان میں یہ ممکن نہیں۔

(تمہ اولیٰ ص ۲۰۰)

سوال (۲۹) مسلمانوں کو انجیل کی تعلیم | کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو کہ مدارس و خیرات اور جانب مشن عیسائیوں برائے انجیل خوانی اس دیار میں مقرر ہیں اور اس میں لڑکیاں اہل اسلام کی بھی تعلیم پاتی ہیں اور انجیل پڑھتی ہیں، اور معلم انجیل بھی ان مدارس کے اہل اسلام ہوتے ہیں، اور دیگر مذہب کے لوگ بھی نوکر ہوتے ہیں۔ پس یہ تعلیم جو دختران نابالغہ کو ابتداء ہوگی تو زیادہ مؤثر ہوگی اس صورت میں کہ وہ تعلیم نقش کا بھروسہ ہے۔ پس اہل اسلام کو انجیل پڑھوانا ایسی لڑکیوں کو بالغہ کو بموجب شرع شریف جائز ہے یا نہیں۔ اور نیز بعض معلم جو اہل اسلام سے ہوتے ہیں لڑکیوں کو خفیہ طور پر قرآن شریف پڑھاتے ہیں۔ مگر انجیل پڑھانے کے واسطے نوکر ہوتے ہیں، یہ تعلیم قرآنی بطور خود جن کے نوکر

ہوتے ہیں ان سے خفیہ کرتے ہیں، لہذا ایسا معلم خواہ قرآن مجید پڑھائے یا انجیل و تابل امامت ہے یا نہیں۔ اور یہ پیشہ بموجب شرع شریف کیسا ہے؟

الجواب۔ نہ تو ایسی لڑکیوں کو جو اپنے دین سے محض ناواقف ہیں انجیل جس میں اکثر تحریفات و تکذیبات احکام الہی ہیں پڑھانا جائز ہے، قال اللہ تعالیٰ۔

قال اللہ تعالیٰ ویتعلمون ما یضرونہ و لا یتفعلہم الا یہ، وعن ابی ہریرۃ قال کان اہل الکتاب یقرؤن التورۃ بالعبرانیۃ و یفسرونها بالعربیۃ لاهل الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصدقوا اہل الکتاب، ولا تکن بوہم و قولوا امنا باللہ و ما انزل الینا رواہ البخاری، وعن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اتاہ عمر فقال انا سمع احادیث من یہود تعجینا افتری ان نکتب بعضها فقال امتهو کون انتم کما تمہوکت الیہود والنصارى لقد جئتکم بہا بیضاء نقیۃ ولو کان موسی حیا ما وسعہ الا اتباعی رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان، وعن جابر ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنسخۃ من التورۃ فقال یا رسول اللہ ہذہ نسخۃ من التورۃ فسکت فجعل یقرأ و وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر ثکلت الثواکل ما تری ما بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنظر عمر الی وجہ رسول اللہ علیہ وسلم فقال اعوزیا باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ رضینا باللہ ربنا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و الذی نفس محمد بیدہ لو بد الکمر موسی فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتکم عن سواء السبیل ولو کان حیا و ادرك نبوتی لا تبعنی رواہ الدارمی۔

اور اس کی تعلیم کے لئے کوکری کرنا جائز، کیونکہ اضلال خلق پر اجرت لینا حرام ہے۔

ونزل فی مثل ہؤلا قولہ تعالیٰ فویل للذین یکتبون الکتاب بایدہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمننا قلیلا فویل لہم مما کتبت ایدہم و ویل لہم مما یکسبون الا یہ۔

اور یہ فتاق ہیں، فاسق کی امامت مکروہ ہے، والفاسق لانیہ لایہتم ولا مردینہ ہدایہ۔ اور قرآن مجید پڑھانا ان کا کچھ کام نہ آئیگا، جب تک اس عمل سے تائب نہ ہونگے۔ ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں ایں خیال ست و محال ست و جنوں

ایں چہ ایمان رست دین ست لے نزل
از سر در سر، مسلا ہی باز آ
اقتلے کفر و مصحف در بغل
در دبستان الہی باز آ

(امداد ص ۱۳۰ ج ۲)

تحقیق متعلق جلسہ متعارفہ مدارس | سوال (۳۰) ایک مہتمم مدرسہ نے جلسہ انعام طلبہ میں شرکت کی درخواست کی تھی۔ اس پر یہ تحریر فرمایا۔

محذومی مکرمی دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس سے قبل کے عریضہ میں حاضری جلسہ سے جو مانع طبعی تھا اس کی اطلاع کی تھی، جس کا مشاہدہ مکرمی مولوی۔ صاحب نے بچشم خود فرمایا ہے، اور ممکن ہے کہ وقت جلسہ تک یہ مانع مرتفع ہو جائے، اب بعض موانع شرعیہ کو محض استشارة پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ہر چند کہ علماء کی خدمت میں ایسی جرأت کرنا خالی از سوائے ادب نہیں۔ مگر ایک طرف خیر خواہی کا جزو دین مامور یہ ہونا پیش نظر اور دوسری طرف آپ کی عنایات و لطافت پر اعتماد، پھر اس کے ساتھ ہی اپنی راہ کی غلطی کئے نکل جانے کی امید۔ ان سب امور نے اجازت دی کہ بے تکلف اپنے خیالات کو ظاہر کر دوں، اگر واقعی میری رائے غلط ہے تو میں دل سے خواہاں ہوں کہ اس کی اصلاح فرمادی جائے۔ حاصل ان موانع شرعیہ کا یہ ہے کہ جہاں تک غور کر کے اور تجربہ کی شہادت سے دیکھا جاتا ہے بڑی غرض ان جلسوں کے انعقاد کی ذرا امر معلوم ہوتے ہیں۔ قرآن ہی چندہ اور اپنی کارگزاری کی شہرت۔ یا یوں کہئے کہ مدرسہ کی وقعت و رفعت جس کا حاصل حُب مال اور حُب جاہ نکلتا ہے، جس سے نصوص کثیرہ میں نہی فرمائی گئی ہے، ہر چند کہ مال و جاہ اگر دین کے لئے مقصود ہوں تو مذموم نہیں۔ مگر کلام اسی میں ہے کہ ایسے مواقع پر یہ امور دین کیلئے مقصود ہیں یا دنیا کے لئے، سو گو نفس تاویل کر کے دین ہی کے لئے بتلاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر قصد کے لئے ایک خاص معیار بنایا ہے جس سے صحت یا فساد قصد معلوم ہو جاتا ہے سو ان مواقع میں جہاں تک غور کیا جاتا ہے علامت طلب دنیا کی معلوم ہوتی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر دین مقصود ہوتا تو اس کے اسباب و طرق میں بھی کوئی امر خلاف رضائے حق تعالیٰ اختیار کیا جاتا۔ اور حیب ایسے امور اختیار کئے جاتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مقصود ہے۔ اور ان امور میں سے بعضے بطور نمونہ درج ہیں (۱) چندہ کے حاصل کرنے میں قواعد شرعیہ کی رعایت نہیں کی جاتی، کیونکہ حکم شرعی ہے

(۱) مالا امری الا بطیب نفسہ۔ چندہ میں سوچ سوچ کردہ طریق اختیار کئے جاتے ہیں جس سے مخاطب کے قلب پر اثر پڑے، گودہ اثر دباؤ یا شرم و لحاظ سے کیوں نہ ہو ایسے لوگوں کو واسطہ بنایا جاتا ہے، مجمع میں ان کے رُبر و فہرست بھی پیش کی جاتی ہے، شرکت جلسہ میں اصرار کیا جاتا ہے، اور یقیناً معلوم ہے کہ بڑے آدمیوں کو خالی ہاتھ آنے میں ٹکی و کم تنقی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بقایا کو مشتہر کرتے ہیں جس سے ان کو اپنی بدنامی کا خوف ہوتا ہے، (۲) حکم شرعی ہے کہ ریا حرام ہے اور اکثر ایسے مواقع پر دینے والوں کے دل میں ریا ہوتی ہے اور ریا کا سرب بن جانا بھی معصیت ہے۔

(۳) اکثر اوقات علماء کا امراء کے دروازوں پر جانا اور ان سے تملق کی باتیں کرنا۔ (۴) جن اموال کو حلال نہیں کہتے اگر وہ بھی حاصل ہوں ہرگز انکار نہیں کیا جاتا، ممکن ہے یا واقع ہے کہ کسی غالب سود یا رشوت والے نے کچھ دیا ہو اور اس کو جلوت میں یا خلوت میں واپس کر دیا ہو۔

(۵) اپنے مدرسہ کو اصلی حالت سے اکثر زیادہ ظاہر کیا جاتا ہے، تصریح یا ایہا ما جس کا حاصل کذب و خداع ہے۔

(۶) اگر کوئی شخص مدرسہ پر کسی قسم کا اعتراض کرے اور وہ حق بھی ہو تو ہرگز اس کو قبول نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے درپے ہو کر رد کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ گودل میں اسکو حق سمجھتے ہیں جس کا حاصل بطر حق ہے۔

(۷) اگر اور کوئی مدرسہ مقابلہ میں ہو جائے اور گو اس کی حالت واقع میں اچھی ہو مگر ہمیشہ وہ مثل خار نظر آتا ہے، اور دل سے اس کے انہدام و انعدام کے متمنی رہتے ہیں، ورنہ خوش ہونے کی بات کھلی کہ دین کا کام کئی جگہ ہو رہا ہے، لیکن محض اس وجہ سے کہ اس کی شہرت نہ ہو جائے اس میں چندہ کی بیشی اور اس میں کمی نہ ہو جائے، ناگواری ہوتی ہے۔

(۸) کارروائی میں کارگزاری کا اظہار، اپنی مدح، اپنے مدرسہ کی تہجج، اپنے کام کی خوبی و کثرت دکھانا اور اس کی وجہ سے تعلیم کی کمیت کا کیفیت سے زیادہ اہتمام کرنا، اور کتابیں بلا استعداد گسیٹنا کہ کارروائی دکھلا سکیں خواہ طالب علموں کو آئے یا نہ آئے ان علامات میں سے اول چار حُجُب۔ مال غیر الدین کی علامتیں ہیں اور مؤخر کی چار حُجُب جاہ غیر الدین کی علامت ہیں۔ اور فسادِ منشا کی وجہ سے آثار بھی ایسے ہی مرتبہ ہوتے ہیں۔

(۹) اکثر ایسے جلسوں میں اسراف ہوتا ہے، جن لوگوں کو بلانے کی کوئی ضرورت نہیں ان کے اور ان کے رفقاء و خدام کے کرایہ میں بہت سے روپے جلتے ہیں، بعض اوقات طعام وغیرہ کا بھی مدرسہ سے اہتمام ہوتا ہے جس میں تکلفات ہوتے ہیں اور ساتھ میں غیر اضیاف بھی کھاتے ہیں اور غالباً بلکہ یقیناً روپے والوں سے اذن نہیں لیا جاتا، اور دلالت اذن کا بھی دعویٰ مشکل ہے، کیونکہ اہل عطار خود ایسے مصارف کی مذمت کرتے ہیں۔

(۱۰) بعض جگہ مسجد میں ایسے جلسے ہوتے ہیں، اور مسجد کے ساتھ بیٹھک کا سا برتاؤ ہوتا ہے، شور و شغب، دنیا کے باتیں، اشعار مذمومہ اور بہت سے منکرات جو مشاہدہ سے متعلق ہیں، جب مسجد میں وہ امور مباحہ بھی نا جائز ہیں جن کے لئے مسجد موضوع نہیں تاہم منکرات چہ رسد۔

(۱۱) ایسی کارروائیوں سے بچائے وقعت دعوت مقصودہ۔ کے اہل علم کی ذلت و حقارت اہل دنیا کی نظر میں ہوتی ہے، کیونکہ اصل عزت استغناء ہے۔ اور اس تحقیر کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کے لئے علم دین کو پسند نہیں کرتے کہ یہی انجام ان کا ہو گا۔ گویا یہ حالت مناعت الخیر کا ایک شعبہ ہے۔

(۱۲) تکثیر سوا وطنہ و محصلین کے دکھلانے کو نا اہلوں کو اہل دکھلایا جاتا ہے، وقس علیٰ ہذا، اگر یہ خیالات قابل اصلاح ہوں تو اصلاح فرمادیجئے ورنہ میں عمل اور قبول کرنے پر خبر نہیں کرتا، مگر اقل درجہ میری غیر حاضری کے لئے ان کو وجہ وجیہ قرار دیا جائے اور معاف فرمایا جائے۔ فقط والسلام

جواب از مہتمم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت اقدس کا والا نامہ پہنچا، مضمون سے آگاہی ہو کر بہت بڑا اطمینان ہوا، اور خوشی ہوئی، اللہ کا شکر ہے کہ مدرسہ ہذا کی بنیاد ابتداء سے کچھ ایسی پڑی ہے کہ جو امور آپ تحریر فرماتے ہیں ان سے نفرت ہے۔ بناوٹ کو یہاں کوئی پسند نہیں کرتا، محض توکل کے ادب پر بنیاد ہے، چندہ والوں کی خدمت میں زیادہ اصرار کر کے جبر نہیں کیا جاتا جس کی طبیعت چاہے شریک ہو، جس کا جی چاہے نہ شریک ہو، جو کام خدا واسطے د نظر ہو اس میں ان امور کا خیال ہرگز نہیں ہوتا، خداوند کریم جو چاہے سو کرے، اہل دنیا کی خوشامد کرنی

فضول ہے، یہی وجہ ہے کہ مدرسہ ہذا میں وہی لوگ چند شرکاء چندہ میں جو اخلاص سے دیتے ہیں، اور بار بار ان سے تقاضے کی نوبت نہیں آتی، نہ بندہ کی اس قسم کی عادت ہے، یہ فعل میرے نزدیک معیوب ہے، مدرسہ میں جلسہ کرنے سے صرف غرض میری اتنی ہی ہوتی ہے کہ جو لوگ شریک چندہ ہیں ان کو واقعی کیفیت بلا زیادتی اور کمی کے سنائی جائے اور انعام تقسیم کر کے جو طلبہ قابل ہیں ان کو خوش کرنا مقصود ہوتا ہے، تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو، اور نیز چندہ علماء جمع ہو کر وعظ و نصیحت کریں، تاکہ لوگوں کو ہدایت ہو، اور مخلوق کو فائدہ پہنچے، خاص جلسہ کے واسطے اور علماء کی آمد و رفت کے کرایہ میں صرف کرنے کے واسطے اور جو لوگ شریک جلسہ ہیں جن کو مدرسہ کی طرف سے دعوت ہوتی ہے، اسی غرض سے اسی نام سے اجازت لے کر آج تک کارروائی ہو رہی ہے، مدرسہ کے چندہ اور اس چندہ میں کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات خداوند کریم نے میرے قلب میں اول ہی پیدا کر دی تھی جلسہ میں شریک ہونے کے واسطے کسی کی خوشامد اور رئیس کے پاس ہرگز کوئی نہیں جاتا بلکہ خاص طور پر غریب کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہے کہ امراء لوگ جلسہ میں شریک شرم کی وجہ سے نہیں ہوتے، اس وجہ سے ان کو بلایا بھی نہیں جاتا اور نہ سعی کی جاتی ہے، خود دعوت دیتے ہوئے نفرت معلوم ہوتی ہے، اگر کوئی مدرسہ مقابلہ میں جھگڑے تو اس کی تخریب کے درپے ہونا یہ محض نادانی اور بے وقوفی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہاں کسی مدرسہ میں تقابل نہیں، کسی کی مخالفت سے غرض نہیں، بلکہ اور مدارس جو ہیں ان کی ترقی کے خواہاں ہیں ان کے خلاف کرنا خدا اور رسول کا چور ہونا ہے اور دین کا بدخواہ، چونکہ دستار بندی ایک شیوہ اور فخر ہو گیا ہے، اور اس کو اچھا سمجھ کر اختیار مدارس نے کیا ہے، اس وجہ سے اس امر کو بندہ نے اچھا نہیں سمجھا، اور مدرسہ ہذا میں اس کا سلسلہ موقوف رکھا۔

اس مختصر عرضداشت سے جناب والا معلوم کر سکتے ہیں کہ میری غرض جلسہ کرنے سے کیا ہے، آیا حُب دنیا یا اور کوئی علاوہ اس کے، اور جو کوئی امر خلاف مرضی اللہ اور شرع ہو بلاتامل نصیحت فرمائیں، بخدا میں اس میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں گا اور آپ کو محسن تصور کروں گا، چونکہ مدرسہ ہذا میں جلسہ کے واسطے اور کوئی جگہ نہیں ہے اس واسطے صحن مسجد اختیار کیا ہے۔ مگر حتی الامکان امور منہیہ کی رعایت اپنی طرف سے کی جاتی ہے، اور لوگوں کو تاکید بہت کی جاتی ہے۔ یہ بات صرف مجبوری کی وجہ سے ہے، جلسہ کرنے سے میری یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ چندہ جمع ہو اور رفعت منظور ہو۔ رہا امر خواندگی، سو خدا کے فضل سے یہ بات نہیں بلکہ مدرسوں کو حتی الوسع تاکید ہے کہ طالب علموں کو

خوب اطمینان سے پڑھائیں، اگرچہ کتابیں سال میں کم ہوں اور نیز طلبہ کی کمیت جس قدر ہوتی ہے اسی قدر ظاہر کی جاتی ہے۔ امید کہ جواب یا صواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

جواب الجواب از حضرت مولانا ظلم العالی

مخدومی دامت فیوضہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! اللطاف نامہ نے سرور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مقاصد حسنہ اور اخلاص نیت میں زیادہ برکت فرماویں۔ اور آپ کے مدرسہ کو اور اسی طرح جمیع مدارس اسلامیہ دینیہ کے فیوض و برکات سے ہم محتاجوں کو مستفید فرماویں، آپ کی تحریر سے اطمینان ہو گیا، کہ ما شاء اللہ! آپ کو ایسے امور پر نظر اور اس کا اہتمام ہے، مگر سب کا حال صرف اس قدر ہے کہ جلسہ میں کوئی امر قبیح بالذات نہیں ہوتا۔ لیکن یہ خلیجان باقی ہے اور باقی رہنے والا معلوم ہوتا ہے کہ وجوب ترک کے لئے صرف قبیح بالذات شرط نہیں بلکہ قبیح بالغیر کافی ہے۔ سو یہ امر تو مسلم ہو چکا ہے کہ بہت سے بلکہ کل جلسے مفاسد معروضہ سابقہ سے خالی نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انسداد حتی الامکان ضروری ہے اور ان کی ترویج مباحثہ یا تسبیحاً منہی عنہ، ایسی حالت میں اگر کوئی مہتمم مدرسہ نہایت احتیاط کے ساتھ جلسہ کرے تو مباحثہ مفاسد تو نہ ہوگا۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دوسرے غیر احتیاطی جلسوں کی ترویج کا سبب تو بنے گا، فقہاء نے بہت مواقع میں بعض مباحثات کو محض سدا للذرائع و حسماً لمادة الفساد تاکید سے روکا ہے، چنانچہ علماء محققین اس زمانہ میں رسوم مروجہ مولود و فاقہ داعی کو گوبانی اعتقاداً و عملاً محتاط ہی کیوں نہ ہو، اسی بنا پر رد کرتے ہیں کہ دوسرے بے احتیاطوں کیلئے سند ہوگی۔ اور بے احتیاطوں کیلئے سبب ترویج کا ہوگا۔ اس حکم میں مجالس مدعیہ و مجالس مدرسہ متماثل و متساوی ہیں چنانچہ مشاہدہ کے بعد تامل کرنا کافی ہے۔ اور جو مصلحتیں ان جلسوں میں ارشاد ہوئی ہیں ان کے مصلحت ہونے میں کلام نہیں، مگر مصلح اور مفاسد میں جب تعارض ہوتا ہے، مفاسد کے اثر کو ترجیح ہوتی ہے، جبکہ مصلح حد ضرورت شرعی تک نہ پہنچے ہوں، اور ماخن فیہ میں ظاہر ہے کہ ضرورت شرعی نہیں ہے۔ بلکہ مصلحت بھی اسی صورت میں منحصر نہیں ہے معینین کو بذریعہ رونداد تحریری حالت مدرسہ کی معلوم ہو سکتی ہے اور طلبہ کا ویسے بھی انعام

لہ پس مواقع ضرورت بشرط رعایت احتیاط مستثنیٰ ہوں گے، اور گویہ قلیل ہو مگر معدوم نہیں ۱۲ منہ

پاکر دل خوش ہو سکتا ہے، اور وعظ و ہدایت اول تو ایسے مواقع پر شرکاء جلسہ کو صاف صاف کرنا مشکل ہے، ان کے تکذکر کا خیال ہوتا ہے، پھر اس مقصود کا اہتمام مستقل طور پر بھی ہو سکتا ہے اس لئے اب تک بھی حاضری سے معافی کا خواستگار ہوں، والسلام (امداد ص ۱۴۱ ج ۲)

خلاف شرع لکھنے والے اخبارات سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین و رسائل خریدنے و دیکھنے کا حکم اس مسئلہ میں کہ ذیل کے اقتباسات بقید تاریخ ایک غیر مسلم اخبار سے منقول ہیں۔ جو اخبار مسلمانوں کو اس قسم کی ترغیب دے کیا عام مسلمان والیان ریاست کو اس اخبار کا پڑھنا، خریدنا، اس میں اشتہار دینا یا کسی اور طریقہ سے اسے بالواسطہ یا بلا واسطہ مالی امداد دینا جائز ہے؟

نمبر ۱۔ ۱۳ اگست ۱۹۲۹ء کمیٹی عمر رضا مندی کی رپورٹ شادی صغریٰ کے خاتمہ کی ضرورت پینڈتوں اور مولویوں کو دفن کر دو (خلاصہ خود سرخی سے ظاہر ہے)

نمبر ۲۔ ۹ نومبر ۱۹۲۹ء، مذہب کے نام پر نابالغ لڑکیوں کی شادی (اس میں تاہی طبقہ کو احکام کا گھڑنے والا بتایا ہے)

نمبر ۳۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۹ء، افغانستان سے ملاؤں کا اخراج (اس میں اس اخراج پر مدح کی ہے)

نمبر ۴۔ ۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء، مولوی اور پینڈت خطرہ میں (اس میں مذہبی طبقہ کو فضا کا خراب کرنے والا بتلایا ہے)

نمبر ۵۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء، نیاز فتحپوری اور موجودہ اسلام (اس میں اس شخص کو مصلح قرار دیا ہے اور افساد دین کو اصلاح بتلایا ہے)

نمبر ۶۔ ۱۴ اپریل ۱۹۲۹ء، ٹرکی کا خدا کو جواب (اس میں بد مذہبی پر ٹرکی موجودہ کی مدح کی ہے)

نمبر ۷۔ ۷ اپریل ۱۹۲۹ء، ملکہ افغانستان اور پردہ (اس میں اس ملکہ کی بے پردگی کی مدح اور اس کو ناگوار سمجھنے والوں کی مذمت کی ہے)

نمبر ۸۔ ۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء، افغانستان سے ملازم کا خاتمہ (اس میں قانون شریعت کے ترک پر مدح کی گئی ہے)

نمبر ۹۔ ۷ جولائی ۱۹۲۹ء، ملک افغانستان اور ہندوستانی مسلمانوں کی ناک (مثلاً)

نمبر ۱۰ - ۱۳ مئی ۱۳۲۶ء، ہندو مسلم سکھ فسادات شدھی و تبلیغ کے نتائج (اس میں تبلیغ کے مٹانے کی رائے دی گئی ہے)

نمبر ۱۱ - ۲۷ دسمبر ۱۳۲۶ء، اسیران کٹار پور کورہا کیا جائے (اس میں مفسدان کٹار پور کی سفارش کی ہے، کہ انھوں نے جو کچھ کیا مذہبی جنون میں کیا، لہذا مسلمان ان کی رہائی کی خود کوشش کریں)

نمبر ۱۲ - ۵ جون ۱۳۲۶ء، غیر مالک کورہا و پیر مذہب کے نام (اس میں مسلمانان ہند کو دوسرے مالک کے مسلمانوں کی امداد مالی سے منع کیا ہے)

نمبر ۱۳ - ۳۰ جنوری ۱۳۲۶ء، ریاستوں کے مظالم کا علاج، الور کشمیر کا جواب، بھوپال اور حیدر آباد میں دو ہندوؤں میں زندگی کی ضرورت (اس میں ہندوؤں کو ترغیب دی ہے کہ اسلامی ریاستوں میں فساد کیا جاوے)

نمبر ۱۴ - بلا تاریخ (اس اخبار نے حال میں حضرت آدم علیہ السلام کا برہنہ فوٹو شائع کیا ہے)

نمبر ۱۵ - ۷ مارچ ۱۳۲۶ء، نیم برہنہ باغی فقیر (اس میں گاندھی کو پیغمبر اعظم اور مرتبہ میں دوسرے پیغمبروں کی برابر بتلایا ہے)

نمبر ۱۶ - ۲۱ مارچ ۱۳۲۶ء پیغمبر اسلام اور گاندھی (مثلاً) اس نمبر میں اس اخبار کا نام بھی لکھا ہے "ریاست" اور یہ مضمون بھی لکھا ہے کہ اس اخبار پر متکرر خدا اور مدام علی السجدہ کو برابر حق ہے۔

نمبر ۱۷ - ۳ دسمبر ۱۳۲۶ء تبلیغ کا نفرش کا نزول ریاستوں پر (مثلاً)

الجواب :- جس فعل سے (جس میں کسی اخبار کا خریدنا، پڑھنا، اس میں اشتہار دینا، یا کسی اور طریقہ سے اسے بواسطہ یا بلا واسطہ مالی امداد دینا بھی داخل ہے) کسی معصیت کی ارتکاب ہوتی ہو، اور اس فعل میں کوئی غرض صحیح بھی نہ ہو (جیسے ابطال باطل کے لئے خریدنا یا اپنی حاجت کا سامان خریدنا) وہ فعل بھی معصیت ہوگا، اگرچہ اعانت کا قصد بھی نہ ہو، کما صرح الفقہار فی اعطار السائل الذی یحرم علیہ السؤال وکا استخدام الخفی و نظائرہا الکثیرۃ، پس باستثناء حالت مستثنیہ دیگر حالات میں ایسے اخبار کا خریدنا وغیرہ سب ناجائز ہے۔ و ہذا کلمہ ظاہر،

۲۴ رجب ۱۳۲۶ء، (النور رمضان المبارک ۱۳۲۶ء ص ۱۰)

ایضاً السؤال (۳۲) اگر کوئی اخبار شرعی شروط و حدود و احکام کی پوری رعایت کرتا ہو

جن کا ذکر رسالہ اخبار بیتی میں مکمل طور سے موجود ہے۔ تو یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایسے اخبار کا مطالعہ کرنا جائز ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا جواز سے آگے اس کی امداد تو وسیع اشاعت مستحسن ہوگی؟

الجواب :- یہ بات ظاہر ہے کہ حالات غائبہ کے معلوم ہونے کی بعض دفعہ شرعاً ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ ان کے معلوم ہونے سے انسان بہت سی طاعات بجالا سکتا ہے مثلاً مسلمانوں کی اعانت، مظلوموں کی نصرت خواہ ذات سے ہو یا مال سے یا مشورہ سے، اور ایسا اخبار اس علم کا واسطہ ہوگا۔ اور بواسطہ علم کے ایسی طاعات کا ذریعہ بن سکتا ہے اور جو مفاسد عام اخبارات میں پائے جاتے ہیں ان سے وہ خالی ہے، جیسا سوال میں مذکور ہے، تو ایسے اخبار کی امداد کا مستحسن ہونا یقینی ہے اور اس کی اعانت کو عدم اعانت پر شرعاً ترجیح ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ مورخہ ۶ صفر المظفر ۱۳۵۵ھ (النور، سوال ۳۵۵ ص ۸)

سُنکرت سیکھنا | سوال (۳۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل آریہ مذہب والوں کا زور شور ہے، اور قرآن پاک اور حدیث شریف پر طرح طرح کے اعتراض بے جا کرتے ہیں، اور مسلمانوں کو بہکاتے ہیں، اور علمائے ربانی اگرچہ جوابات تحقیقی ان کو دیتے ہیں، لیکن اس زمانہ میں جواب الزامی زیادہ نافع اور مسکت اہل زمانہ کے نزدیک با وقعت ہوتا ہے۔ اور جواب الزامی تا وقتیکہ ان کے مذہب سے پوری واقفیت نہ ہو ممکن نہیں، اور ان کے مذہب کی کتب وید وغیرہ زبان سنکرت میں ہیں، اس لئے اگر بدیں ضرورت زبان سنکرت کسی ایسے شخص سے جو دیندار اور معتد و معتبر ہوں اور پڑھنے والے بھی علوم دین سے واقف ہوں سیکھی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب۔ اس کی تعلیم و تعلم کافی نفسہ جائز ہونا تو بوجہ عدم مانع جواز کے ظاہر ہے، اور قاعدہ مقررہ ہے کہ جو امر جائز کسی امر مستحسن یا واجب کا مقدمہ و موقوف علیہ ہو وہ مستحسن یا واجب ہوتا ہے۔ اور مصلحت مذکورہ سوال کے استحسان یا ضرورت میں کوئی کلام و خفا نہیں، لہذا اس زبان کی تحصیل ایسی حالت میں بلاشبہ مستحسن یا ضروری ہے علی الکفایہ، اسی بنا پر ہمارے علمائے متکلمین نے یونانی فلسفہ کو حاصل کیا، اور علم کلام بطرز معقول مدون فرمایا۔

بریدۃ مارواہ مسلم عن حذیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان الناس یسألون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخیر وکنت استلذ عن الشر مخافة ان یدرکنی

الحديث قلت وادراك الشر للمسلمين كادراكه لنفسه -

البتة بعض روايات ايسے امور میں بعض ايسے عوارض خارجہ کی وجہ سے جو کہ معلم یا صحبت تائیس یا فساد نیت و سوء استعمال یا احتمال افتنان یا اشتغال بہ لایعنی کی جہت سے ہوں، قبیح لغیرہ محتمل ہو سکتا ہے۔ قیود مصرّحہ سوال سے ان سب کا احتمال مرتفع ہے، لہذا کوئی مفسدہ بھی مصالح مذکورہ کے معارض نہیں۔ پس جواز و استحسان ضرورت بحالہ باقی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ صغیر ۳۲۴ھ (اداد، ج ۲، ص ۱۴۰)

سوال (۳۴) یونیورسٹی میں چندہ دینے کا حکم | یونیورسٹی علی گڑھ میں کسی کا چندہ دینا کیسا ہے اگر کسی صورت میں بھی ناجائز ہوگا تو میں حتی الوسع اس قصبہ میں چندہ نہ دینے کی کوشش بذریعہ وعظ کے کروں گا؟

الجواب :- یونیورسٹی میں درست نہیں۔ مگر میری رائے میں آپ اس زحمت میں نہ پڑیے۔

۷ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۹)

تحقیق و حکم سمریزم | سوال (۳۵) سمریزم ایک علم ہے جس میں طبیعت کی اور نظر کی یکسوئی کی مہارت چند روزہ حاصل کی جاتی ہے، پھر اس سے مراحل تصوف مثلاً وحدۃ الوجود، کشف القبور، سلب الامراض وغیرہ بلا کسی ذکر کے طے کرتے ہیں، اور ان کے علاوہ اور باتیں بھی حاصل ہوتی ہیں، مثلاً کسی کو بزرگ و بزرگ نظر بے ہوش کرنا، اور اس سے پوشیدہ اسرار پوچھنا، غیر مواضع کا جو نظر سے غائب ہیں حال بتانا وغیرہ جیسا کہ حکماء اشراقیین کیا کرتے تھے، اس کا حاصل کرنا درست ہے، کوئی خلاف شرع امر تو نہیں ہے؟

الجواب :- تصوف نہ یکسوئی کا نام ہے نہ مکاشفات کا نہ تصرفات کا نہ واردات کا، بلکہ اس کی حقیقت ہے اصلاح ظاہر و باطن، پس مقاصد اس کے اعمال قالبیہ و قلبیہ ہیں، اور غایت اس کی قرب و رعنائی حق ہے، اور یکسوئی اس کا مقدمہ ہے، جب کہ مقصود مذکور اس پر مرتب ہو، اور واردات مثل وحدۃ الوجود وغیرہ اس کے عوارض و آثار غیر لازمہ سے ہیں اور مکاشفات کو نیہ مثل کشف القبور وغیرہ، اور تصرفات مثل سلب الامراض وغیرہ کو اس سے کوئی مس نہیں ریاضت پر اس کا ترتیب ہو سکتا ہے، چنانچہ کفار بھی اس میں شریک ہیں۔ اور سمریزم میں کل تین چیزیں ہیں، بعض مخفیات کی خبر دینا، کچھ تصرفات کرنا اور اس کی مہارت کے لئے یکسوئی کی مشق کرنا۔ سوا اول تو اس میں مخفیات کی خبر دینا اکثر تابع خیال عامل کے ہوتا ہے، چنانچہ

اگر ایک واقعہ غائبہ کو دو عالموں کے سامنے جدا جدا مختلف طور پر بیان کر کے ہر ایک کو یقین دلایا جائے، اور پھر کوئی شخص جدا جدا مجلسوں میں اس واقعہ کی نسبت عالموں سے دریافت کرے تو وہ دونوں اپنے قواعد و طریق استعمال کرنے کے بعد الگ الگ جواب دیں گے۔ جب چاہے اس کا امتحان کر لیا جائے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ احیاناً انکشاف واقعی بھی ہو جاتا ہے تو کشف کا تصوف سے تعلق نہ ہونا اور پر معلوم ہو چکا ہے۔ اسی طرح تصرفات کا اس سے تعلق نہ ہوتا، اب رہی یکسوئی سو وہ مقدمہ تصوف جب ہی ہے جب تصوف اس پر مرتب ہوا۔ اور جب سمر بزم میں یہ نہیں تو وہ مقدمہ تصوف بھی نہ ہوا۔ پس محقق ہو گیا کہ تصوف سے اس کو اصلاً تعلق نہیں۔ اب رہا اس سے قطع نظر کہ اس کا جواز یا ناجواز تو چونکہ مشاہدہ سے اس پر مفاسد کثیرہ کا ترتیب معلوم ہوا ہے، جیسے انبیاء و اولیاء کے کمالات کو اسی قبیل سے سمجھنا، چنانچہ ایسا ہی تو ہم اس سوال کا منشاء بھی ہوا ہے، یا ان کے ساتھ دعویٰ و زعم، مساوات و مماثلت کا کرنا۔ اور عامل میں عجب پیدا ہو جانا، بعض امور جن کا جس حرام ہے ان پر مطلع ہونے کی کوشش کرنا۔ ان انکشافات پر جو کہ شرعی حجت نہیں ہیں بلا دلیل شرعی بینہ و اقرار و مشاہدہ کے یقین کر لینا، اس پر بنا پر کسی پر چوری وغیرہ کے سوا ظن کو بچتہ کر لینا، بعض اغراض غیر مباحہ میں تصرف سے کام لینا، یا خود اگر مفاسد سے بچ سکے مگر دوسرے عوام کے لئے اس عامل کا موجب افتنان و اضلال ہو جانا وغیرہ لک من المفساد العبدیۃ الشریۃ، اس لئے یہ فن گویا بالذات و بعینہ مقتضی قبح کو نہ ہو مگر بوجہ عوارض و مفاسد مذکورہ کے کہ عادتاً اس کے لوازم میں سے ہیں قبیح لغیرہ کے قسم میں داخل ہو کر منہی عنہ اور حرام ہے چنانچہ ماہر اصول فقہ پر یہ قاعدہ مخفی نہیں۔ فقط۔

۷ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ (امداد ج ۲، ص ۱۶۹)

ایضاً سوال (۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ناصران شرع متین اس مسئلہ میں کہ علوم روحانی مثلاً علم سمر بزم، علم تصور، علم مقناطیسی وغیرہ کی بابت شرع شریف میں کیا حکم ہے، جائز ہیں یا کہ ناجائز۔ اگر جائز ہیں تو جزیوی یا کلتی۔ دلائل بجوانہ حدیث شریف یا آیت مع خلاصہ تفسیر و تشریح کے تحریر فرمادیں۔

الجواب۔ یہ عمل روحانی نہیں ہیں، نہ عملاً نہ اشراً، بلکہ دونوں طرح سے اعمال نفسانی ہیں اور چونکہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ فعل مباح بھی اگر متضمن مفاسد کو ہو تو وہ غیر مباح ہو جاتا ہے

اور یہ اعمال متضمن مفاسد کثیرہ اعتقادیہ و عملیہ کو ہیں، جیسا تجربہ کار پر مخفی نہیں، اس لئے بنا پر قاعدہ مذکورہ ان سے ممانعت کی جاوے گی۔ اگر مفاسد کی تفصیل پر مطلع ہوتا ہو تو زبانی سوال پر ملاحظہ کر کے جاسکتے ہیں۔

۴، ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (حوادث خامسہ ص ۲)

ایضاً سوال (۳۷) یہاں کسی عورت نے لاہور سے مسمریزم کی انگوٹھی منگائی ہے۔ سنیتی ہوں اس میں مرے ہوئے آدمی نظر آتے ہیں، اگر اس کا دیکھنا جائز ہوگا تو میں ضرور منگواؤں گی اگرنا جائز ہوگا تو آپ اس کا رد میں لکھیں ہیں ہرگز نہ دیکھوں گی۔ اسی جہت میں نے آپ سے دریافت کیا؟

جواب۔ اس انگوٹھی کی حقیقت مجھ کو خوب معلوم ہے، اس میں جو نظر آتا ہے وہ واقعی نہیں ہوتا، محض عامل کو خیال ہوتا ہے، اور لوگ اس کو واقعی سمجھ کر اپنا عقیدہ اور عمل خراب کرتے ہیں، اس لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ یکم رجب ۱۳۳۹ھ (حوادث خامسہ ص ۳۸)

ایضاً سوال (۳۸) علم مسمریزم کا واسطے محض نفع رسائی مخلوق خدا کے مثل بیمار وغیرہ کا اس کے ذریعہ سے علاج کرنا یا خواص بوٹیوں وغیرہ کو دریافت کرنا یا کسی کی بُری عادتوں کو چھوڑانا وغیرہ کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جو خواص آپ نے مسمریزم میں لکھے ہیں بعض تو ان میں خلاف واقع ہیں جیسے خواص بوٹیوں کے دریافت کرنا، اس کا مسمریزم سے کچھ تعلق نہیں، اور کسی معمول کے ذریعہ سے جو مخفیات میں سے کچھ معلوم ہو جاتا ہے اور اسی سے یہ دھوکہ ہوا ہے، سودہ بالکل عامل یا کسی حاضر مجلس کے خیال کا تصرف ہوتا ہے، معمول کے متخیلہ میں خواہ وہ خیال صحیح ہو یا غلط ہو چنانچہ جب چاہے امتحان کر لیا جاوے کہ ایک واقعہ ایک عامل کے رد برو ایک خاص طور پر بیان کر دیا جاوے، اور وہی واقعہ دوسرے عامل کے رد برو دوسرے طور پر بیان کیا جاوے پھر دونوں عامل جُدا جُدا مجلس میں مختلف معمولوں پر مختلف حاضرین کی مجلس میں کہ وہ معمول اور حاضرین سب خالی الذہن ہوں اس عمل کو استعمال کریں تو یقیناً دونوں معمول جُدا جُدا جواب دیں گے، اور ظاہر ہے کہ نقیضین کا اجتماع محال ہے، لا محالہ ایک کا جواب خلاف واقع ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ اس عمل کے ذریعہ سے واقعات کا انکشاف نہیں ہوتا، البتہ بعض خواص اکثر اس پر مرتب ہو سکتے ہیں، جیسے سلب مرض اور اصلاح خیالات، مگر ان مصلح سے بڑھ کر اس میں دوسرے مفاسد ہیں گو وہ لازم عقلی نہیں، مگر لازم عادی ہیں، جن کا بیان زبانی ہو سکتا ہے

اور تجربہ کار مشاہدہ کر کے ہیں، اس لئے حسب ارشادِ قُلْ فِیْہِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنْ اَفْعَمُ لِلنَّاسِ دَ اِثْمِہُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَفْعِہِمَا۔ اس کو منع کیا جاوے گا، گو وہ نہیں قبیح لغیرہ کے سبب ہوگی، جیسے فقہار نے کیمیا، کو اسی بنا پر حرام کہا ہے، اس قسم کے کئی فن ہیں سب کا یہی حکم ہے، اور وہ پانچ فن ہیں، کیمیا، لیمیا، ہیمیا، سیمیا، ریمیا۔ ان سب کی شرح میرے رسالہ مائتہ دروس میں ہے ان کا مجموعہ ہے کلمہ سر۔

۵ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ (تمہ خامس، ص ۲۴۲)

ایضاً سوال (۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین در باب اس مسئلہ کہ سمریہ زہم کا سیکھنا اور اس پر عمل کرنا اور یقین کرنا مسلمانوں کے واسطے کیسا ہے، بموجب شرع شریف جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اور ایک میرتین پاؤں کی بچھا کر مردہ روحوں کو بلا کر سوال و جواب کرتے ہیں اور روحوں سے دریافت کر کے بتلاتے ہیں کہ تمہارا کام ہوگا یا نہیں ہوگا اس پر یقین کرنا مسلمانوں کو کیسا ہے؟

الجواب۔ اول سمریہ زہم کی حقیقت سمجھنا چاہیے پھر حکم سمجھنے میں آسانی ہو جاوے گی۔ حقیقت اس عمل کی یہ ہے کہ قوت نفسانیہ کے ذریعہ سے بعض افعال کا صادر کرنا جیسے اکثر افعال قوی بدنہ کے ذریعہ سے صادر کئے جاتے ہیں، پس قوت نفسانیہ بھی مثل قوی بدنہ کے ایک آلہ ہے صدور افعال کا، اور حکم اس کا یہ ہے کہ جو افعال فی نفسہا مباح ہیں ان کا صادر کرنا بھی جائز مثلاً جس شخص پر اپنا قرض واجب ہو، اور وہ وسعت بھی رکھتا ہو۔ اس قوت سے اس کو مجبور کر کے اپنا حق وصول کر لینا جائز ہے۔ اور جس شخص پر جو حق واجب نہ ہو، جیسے چندہ دینا یا کسی عورت کا کسی شخص سے نکاح کر لینا اس کو مغلوب کر کے اپنا مقصود حاصل کر لینا حرام ہے و علیٰ ہذا القیاس سائر افعال، یہ تو اس کا حکم تھا فی نفسہ، اور ایک حکم ہے باعتبار عارض کے کہ اگر اس میں کوئی مفسدہ خارج سے منضم ہو جاوے تو اس مفسدہ کی وجہ سے بھی اس میں منع عارض ہو جاوے گی، مثلاً اس کو ذریعہ کشف واقعات کا عواہ ماضیہ ہوں یا حال مستقبلہ بنانا جس پر کوئی دلیل شرعی نہیں مثلاً چور کا دریافت کرنا یا کہ مردہ کا حال پوچھنا یا کسی کام کا انجام پوچھنا یا اعتقاد حضور ارواح کا کرنا، جیسا سوال میں مذکور ہے، کہ یہ سب محض کذب و زور و تبلیس و غرور پر ہے، جن میں خود اکثر عمل کرنے والے مبتلائے جہل ہیں۔ اور اسی جہل پر ان کی تصنیفات اس فن میں مبنی ہیں، اور بعضے دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں، سمریہ زہم سے ان چیزوں کا کوئی

تعلق نہیں، اور اگر بالفرض ہوتا بھی تب بھی مثل کہانت و عرفات و نجوم کے اس سے کام لینا اور اس پر اعتقاد کرنا حرام ہوتا، چونکہ احقر کو اس عمل کا خود تجربہ ہے، اس لئے تحقیق مذکور میں کچھ تردد نہیں۔

۲۵/ رجب ۱۳۲۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۹، ۶۰)

سوال (۴۰) تعلم علم المتعلق حرامٌ او مباحٌ او فرض او واجب ام حسن واذا كان مباحاً بقدر الاصطلاح فما قدره وهل قراءة سلم العلوم وشرحہ علی قدر الاصطلاح جائز ام لا، رحمنا اللہ وایاکم والعفو من کریمکم مامول،
الجواب۔ العلم المنقول کالغذیة مقصودة والمعقول کالادویة ضروری لمن اشتغل بالكفاية من المنقول ولم یسلم ذهنه عن الخطاء فی الاستدلال بدوتہ ولما کان الضروری یتقدر بقدر الضرورة وقد رها فختلف باختلاف الازہان قباقی مقدار ترفع الضرورة کان الضروری هو ذاك المقدار ومن الضرورة له ولا ضرر کان له مباحاً ومن تصدب کان له مذموماً وقد التضرر یكون الذم من الکراهة والحرمۃ۔

۳۴/ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۹۰)

سوال (۴۱) ایک شخص کا نام "محمد حسن" ہے وہ اپنے نام کے لفظ محمد رمز صلوة میں صلعم یا ص اور صحابہ کے ناموں پر رمز لکھتا ہے۔
پہ "ص" اور "حسن" پر "رمز" لکھتا ہے (اس طرح محمد حسن) کیا اس طرح کرنا شرک نہیں، کیونکہ یہاں پر "محمد" سے وہ پاک ہستی مراد نہیں جس کے نام کے ساتھ "صلعم" لکھا جاتا ہے، اور نہ وہ "حسن" مراد ہے جس کے بعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا ضروری ہے؟
الجواب۔ کاتب کا یہ مقصود نہیں ہوتا کہ اس اسم کا سنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا حسنؓ ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ دونوں جز کے سنی متغائر ہیں تو ایک ہی شخص دو ذات کا مصداق کیسے ہو سکتا ہے، بلکہ چونکہ بنا خود اس تسمیہ کی تبرک یا سمار الذوات المبارک ہے تو ان الفاظ سے ذہن ان اسماء ذوات مبارکہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جو اسماء کے منقول عنہا ہیں، گویا یہ اسماء منقولہ ان منقول عنہا کے مذکور ہیں، ان منقول عنہا کے قصد سے جو بواسطہ ان الفاظ والہ کے گویا حکماً مذکور و مدلول ہیں، ایسے رموز لکھ دیتے ہیں۔ لہذا یہ نہ شرک ہے نہ کفر البتہ اس توجیہ میں بعد ضرور ہے۔ لہذا اس کا حذف اولیٰ ہے۔

۲۰/ شوال ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۵)

کتاب یوسف وزلیخا سوال (۴۲) کتاب یوسف وزلیخا مصنف مولوی عبدالرحمن جامی پڑھنا پڑھنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ مولانا عبدالرحمن جامی نے بی بی صاحبہ کے وصف میں حد سے زیادہ تعریف کی ہے، چنانچہ پستان کی تعریف میں کہا ہے ۵

دو پستان ہر یکے چوں قبۂ نور حبابے ساختہ از عین کا نور
دو تارہ تارہ تر رستہ زیک شاخ کف امید شان ناسودہ گستاخ

اور دیگر جا میں کہا ہے ۵

شکم چوں تختہ قائم کشیدہ بنرے دایہ ناف او بریدہ
سرنیش کوہ اماسیم سادہ جو کوہ کز کمر نہیر اوقاتادہ

و علیٰ ہذا القیاس، جناب من التماس یہ ہے کہ اگر کسی بڑے زمیندار یا کسی حاکم کی بی بی کی تعریف ایسی کی جائے تو وہ کتنا خشناک ہو جائے گا، غور کرنا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کی اتنی قدر ہے، غصہ نہ ہوگا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب۔ ایسی مدح گو خلاف احترام ہے مگر ایسی حالت کے اعتبار سے ہے کہ اس وقت وہ واجب الاحترام نہ تھیں۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنے کے بلکہ اسلام لانے کے بھی قبل، جس حالت کے اعتبار سے خود حق تعالیٰ نے اُن کا قصہ ہادم احترام ذکر فرمایا ہے۔

در اودتہ التي هوني بيتها الخ قالت ما جزاء الخ المستلزم للكذب والكيد ونحوهما۔
سوال (۴۳) یہ سبب یہ عارض تو ہو نہیں سکتا، البتہ اگر ایسے مضامین سے قومی شہو یہ کو ہیجان کا احتمال ہو تو صرف یہ مضمون نہ پڑھاویں۔ فقط (تمہ خامسہ ص ۱۰۴)

علم رمل کا حرام ہونا سوال (۴۳) علم رمل شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ احقر نے ایک رمل کی کتاب کے دیباچہ میں دیکھا ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث شریف ہے کہ جس سے علم رمل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اب حضور تحریر فرمائیں۔ یہ مذکورہ بالا بیان مصنف کا درست ہے یا نہیں، یا کسی اور حدیث شریف کی کتاب میں علم مذکور کے جواز کا حکم ہے یا نہیں؟

الجواب۔ یہ اس مصنف کی غلطی ہے، اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ایک نبی کچھ لکیریں کھینچا کرتے تھے، سو جس شخص کی لکیریں ان کے موافق ہوں جائز ہے، ختم ہوا مضمون حدیث کا سوال تو یہ ثابت ہونا مشکل ہے کہ مراد اس سے رمل ہے گو اس میں بھی لکیریں ہوتی ہیں مگر ممکن ہے

سوال (۴۴) سرکار گورنمنٹ سے اگر دینی مدرسہ کے لئے تائید ملے
سرکاری امداد کا حکم لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- اگر سرکارِ وعدہ کرے کہ ہم اعانت کر کے دخل نہ دیں گے، تب اعانت لینا درست ہے۔ ۹ شعبان ۱۳۳۵ھ (حوادث ۱ و ۲ ص ۱۱۲)

شرائط جواز تعلیم ترجمہ قرآن مجید | سوال (۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نزدیک کہتا ہے کہ عوام مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو خاص کر ان بچوں کو جو تجارت پیشہ اور نوکر پیشہ ہیں تفہیم تعلیم کے زمانہ میں فن معاش کی طرف رجوع لا کر قرآن مجید کی نعمتوں سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتے ہیں، ایسے تمام بچوں کو مدرسوں میں زیر اہتمام علمائے اہل سنت استاد کے ذریعہ ترجمہ علمائے اہل سنت مولانا مولوی رفیع الدین صاحب دہلویؒ یا مولانا مولوی شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ یا مولانا مولوی شاعر اشرف علی صاحب سلمہ ان تینوں تراجم میں سے کسی ایک ترجمہ کو یا اس کے سوا جس کو کہ ہمارے علمائے اہل سنت پسند کریں بغیر تعلیم صرف و نحو کے مدرسوں میں استاد کے ذریعہ الفاظ قرآن مجید اور مختصر اردو کے رسالہ پڑھنے کے بعد یا اردو زبان بے تکلف جاننے کے بعد ضرور بضرور پڑھانا اور سکھانا چاہیے۔ اور اس کے لئے ذیل کے دلائل پیش کرتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات :- اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ اِلٰی مَعَادٍ طِبْع ۱۱
اس آیت سے تعمیل احکام قرآن مجید کا سیکھنا ضروری کیونکہ نہ ہو۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ پ ۱۳ ع ۱۱

جب قرآن مجید کے نزول سے سمجھنے کا حکم ہوا تو سیکھنا کیونکر ضروری نہ ہو۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۚ

قرآن مجید غور کے ساتھ سمجھنا ہوا تو بغیر سیکھنے کے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔؟

كِتَابُ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرُوا أَلْوَالِي الْأَلْبَابِ

رسیدہ، ع ۱۲)

کے ذیل میں تفسیر فتح البیان میں ہے، یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ اللہ پاک نے قرآن شریف کو اسی واسطے نازل کیا ہے کہ اس کے معنی میں تفکر و تدبر کریں، نہ اس لئے کہ بدون تدبر کے فقط اس کی تلاوت کریں۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ، پ ۲۵ ع ۹ ، کے ذیل میں تفسیر ابن کثیر میں ہے، تم سے اس قرآن کی پوچھ ہوگی، اور تم اس پر عمل کرنے میں کیسے تھے، اور اس کے ماننے میں کیونکر تھے۔؟

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَاَلْهَمُوْهُمْ اَعْيُنًا لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَاَلْهَمُوْهُمْ اٰذَانًا لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُوْلٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ ۔ پ ۲۴ ع ۱۲ کے ذیل میں تفسیر موضح القرآن میں ہے، خدا اور رسول کو پہچانتا اور ان کے حکم سیکھنے ہر کسی پر فرض ہیں، نہ کرے تو دوزخ میں جاوے، وقال الرسول يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۙ پ ۱۹ ع ۱ کے ذیل میں تفسیر ابن کثیر میں ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ انہوں نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے قرآن مجید کو پس پشت ڈال دیا ہے، اور یہ اس لئے کہ مشرک قرآن مجید کی طرف کان نہیں رکھتے، اور اس کو نہیں سنتے، اور یہ ہجران میں سے ہے اور اس کے ساتھ ایمان نہ لانا، اس کو سچا نہ جانتا، اور اس میں تدبیر نہ کرنا، اور اس کو نہ سمجھنا، اور اس پر عمل نہ کرنا، اور اس کے امور کو نہ مانتا، اور اس کے زواجر سے پرہیز نہ کرتا، اور اس سے پھر کر شعروں اور قصصوں اور کہانیوں اور سرود وغیرہ کی طرف جانا بھی اس کے ہجران میں سے ہے۔ اور ایسے طریق کی طرف جانا جو رسول سے ماخوذ نہیں ہے یہ بھی قرآن کے ہجران میں سے ہے۔

احادیث شریفہ۔ عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ ، رواہ البخاری ۔

اس حدیث میں رسالتا ب صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین شخص قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے والوں کو ارشاد فرمایا ہے۔

عن عبیدۃ الملیکی وكانت له صحبة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اهل القرآن لا تتوسدوا القرآن واتلوه حق تلاوتہ من اناء اللیل

والنهار و افشوة و تغنوة و تتدبر و اما فيه لعلمكم تفلحون و لا تجعلوا ثوابه فان له ثوابا. رداہ البیہقی۔

اس حدیث میں جناب رسالتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو غور سے سمجھنے کا ارشاد فرمایا ہے بغیر سیکھنے کے غور ممکن نہیں ہے۔

عن حارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذا الناس فحوضون فی الہادیث قد خلت علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاما خبرتہ فقال او قد فعلوها قلت نعم قال اما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا انها ستکون فتنة قلت ما الذی خرج منها یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قال کتاب اللہ فیہ نباء ما قبلکم و خیر ما بعدکم و حکم ما بینکم هو الفصل لیس بالہزل من ترکہ من جبار قصمه اللہ و من ابتغی الہدی فی غیرہ اضلہ اللہ و هو جبل اللہ المتین و هو الذکر الحکیم و الصراط المستقیم هو الذی لا تزغ بہ الاھواء و لا تلبس بہ الالسنہ و لا یشیع منہ العلماء و لا یخلق من کثرة الرد و لا تنقضی عجائبہ و هو الذی لم یثنتہ الجن اذا سمعہ حتی قالوا انا سمعنا قرانا عجبا یرہدی الی الرشدا فاما منہ من قال بہ صدق و من عمل بہ اجر و من حکم بہ عدل و من دعا الیہ ہدی الی صراط مستقیم۔ ہذا التومذی والداری

اس حدیث میں قابل غور یہ ہے کہ خاص کوفتوں کے زمانہ میں جناب رسالتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قرآن مجید مضبوط پکڑنے کا حکم تاکید شدید سے ارشاد فرمایا ہے تو ظاہر ہے کہ ہمارے زمانہ میں خود اسلام میں نئے نئے گمراہ فرقے پیدا ہو کر فتنہ و فساد مچاتے پھرتے ہیں، پھر اہل سنت کے لڑکے و لڑکیوں کو ترجمہ قرآن مجید کی کیونکر ضروری نہ ہو۔

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة اس حدیث سے علم دین کا جاتا ہر ایک پر فرض ہوا۔ تو علم دین میں تعلیم ترجمہ قرآن مجید سب سے مقدم ہے، پھر احادیث و تفاسیر و فقہ و عقائد سکھانا بھی لازماً ہے۔

ہندوستان کے مشہور و مستند علمائے کرام کے اقوال

شیخ الاسلام مولانا مولانا مولوی شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب فتح الرحمن کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

” مرتبہ و این کتاب بعد خواندن متن قرآن در سائل مختصر فارسی است، یا فہم سان فارسی بے تکلف دست دہد و تخصیص صبیان اہل حرف (جمع حرفہ) و سپا ہیان کہ توقع استیفا علوم عربیہ ندارند در اول سن تمیز این کتاب را بایشان تعلیم باید کرد۔ تا اول چیزے کہ در جوت ایشان افتد معنی کتاب اللہ باشد و سلامت فطرت از دست نہ رود، و سخن ملاحدہ کہ بحر قع صوفیہ صافیہ مستتر شدہ عالم را گمراہ می سازند فریفتہ نکنند، و اورا جیف (چیز ہائے دروغ) معقولیان خام و سخن ہنودان بے انتظام لوح سینہ را ملوث نہ سازد، و نیز آنانکہ بعد انقضائے شطر عمر (نیمہ چیزے) توفیق تو بہ یا بندہ تحصیل علوم آلہ (مثل نحو و صرف) نتوانند این کتاب ایشان را باید آموخت، تا در تلاوت قرآن حلاوت یا بندہ و منفعت آن در حق جمہور مسلمانان متوقع است انشاء اللہ العظیم، اما در حق صبیان و مبتدیان خود ظاہر است چنانکہ گفتہ اند“

اس مضمون میں شاہ صاحب نے خصوصیت کے ساتھ پیشہ و تمام مسلمانوں کے لڑکے اور لڑکیوں کو بغیر تعلیم صرف و نحو کے ترجمہ قرآن مجید سکھانے کے لئے صاف لفظوں میں ہدایت کی ہے۔ عیاں را جسہ بیان۔

اور شیخ الاسلام مولانا مولوی شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب موضح القرآن کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

”سنتا چاہئے کہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانیں اور اس کی صفات جانیں اور اس کے حکم معلوم کریں اور خدا کی مرضی و نامرضی کی تحقیق کریں کہ بغیر اس کے بندگی نہیں اور جو بندگی نہ بجالا دے وہ بندہ نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پہچان آدمی سے بتانے سے آدمی محض نادان پیدا ہوتا ہے۔ سب چیز سیکھتا ہے سکھانے سے، اور بتانے سکھانے والے ہر چند تقریر کریں، پھر اس کے برابر نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا۔ اللہ کے کلام میں جو ہدایت ہے وہ دوسرے میں نہیں، ہر کلام پاک اس کا عربی ہے اور ہندوستانی کو اور اس کا محال اس واسطے بندہ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا کہ اب ہندی زبان میں قرآن شریف کو ترجمہ کرے۔

اب کئی باتیں معلوم رکھئے۔ اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظ بلفظ ضرور نہیں، کیونکہ ترکیب ہندی عربی سے بہت بعید ہے، اگر بعینہ وہ ترکیب رہے تو معنی مفہوم نہ ہوں، دوسرے یہ کہ اس زبان میں ریختہ نہیں ہے، بلکہ ہندی متعارف تاکہ عوام کو بے تکلف دریافت ہو۔ تیسرے یہ کہ

ہر چند معنی قرآن اس سے آسان ہوئے لیکن اب بھی استاد سے سنا کر نا لازم ہے، اول معنی قرآن بغیر سند معتبر نہیں، دوسرے ربط کلام ماقبل و مابعد سے پہچاننا اور قطع کلام سے پہچانا بغیر استاد نہیں آتا، چنانچہ قرآن زبان عربی ہے، ہر عرب بھی محتاج استاد تھے، مولانا مولوی سید صدیق حسن خاں صاحب اپنی کتاب ترجمۃ القرآن کے دیباچہ میں فرماتے ہیں، سب امت پر یہ بات لازم ہے کہ جس طرح اول اپنے بچوں کو الفاظ قرآن پڑھاتے ہیں، اسی طرح اس بات کا بھی اہتمام رکھیں کہ جو بچہ حرت شناس ہو کر اردو زبان پڑھنے سمجھنے لگے۔ اس کو اول موضع القرآن کا سبق دیں، تاکہ وہ قرآن شریف کے لفظی معنی سمجھ لے۔

پھر صفحہ چودہ میں فرماتے ہیں، "معلوم ہوا کہ قرآن کا اتارنا، نہ بڑے پڑھنے ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس کو پڑھ کر اس کا مطلب سمجھیں۔ یہ بات ہر پڑھے اور ان پڑھے پر واجب ہے۔ پھر صفحہ ۱۹ میں فرماتے ہیں، "بڑے شرم کی بات۔ ہے کہ بلا قرآن تو حفظ ہو، نوک زبان پر ہو، طوطے کی طرح رات دن اس کو رٹے، مگر معنی اس کے معلوم نہ ہوں" انتہی ان تمام علماء کے اقوال سے بغیر صرف و نحو کے عوام مسلمان لڑکوں کو ترجمہ تعلیم قرآن مجید سکھانا صاف لفظوں میں واضح ہے، بڑے تعجب کی بات ہے کہ ترجمہ قرآن و احادیث تفاسیر کے ترجمے جو عالموں نے تالیف کئے ہیں، اس کو بطور خود بغیر استاد کے پڑھنے میں کسی کو ضرر کا احتمال نہیں ہوتا۔ مگر وہی چیز استاد کے ذریعہ پڑھنے میں ضرر کا اندیشہ کرنا نہایت تعجب انگیز ہے۔ برخلاف اس کے عمر کا یہ قول ہے کہ ترجمہ قرآن شریف بغیر صرف و نحو کے مدرسوں میں استاد کے ذریعے سیکھنے والے دین اسلام سے گمراہ ہو جائیں گے، گو وہ علمائے اہل سنت کے اہتمام سے بھی کیوں نہ سکھائے جائیں۔ اس لئے اب ہم مؤدبانہ علمائے کرام سے گزارش کرتے ہیں کہ ان ہر دو کے اقوال پر نظر غائر ڈال کر مدلل طور سے بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب،۔ ومنہ الصدق والصواب، تعلیم قرآن مجید کا سب کے لئے صغار ہوں یا کبار عوام ہوں یا خواص مطلوب و نامور نہ ہوتا ظاہر ہے، اور اس میں تعلیم ترجمہ بھی داخل ہے، اس لئے کہ عجم کا ترجمہ سے وہی تعلق ہے جو عرب کا اصل سے، اور عوام عرب کو کہیں اس کی تعلیم سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اسلئے عوام عجم کو بھی تعلیم ترجمہ سے مستثنیٰ نہ کیا جا دینگا، اور روایت لا تعلمون سورہ یوسف کی صحت ثابت نہیں ہوئی، البتہ اگر کہیں متعلم کی کچ نہی سے اس میں مفاسد پیدا ہونے لگیں تو خود ان مفاسد کا انسداد کیا جاوے گا۔ اور اس انسداد کی تدابیر امور اجتہاد یہ ہیں، جو مبنی ہیں تجارت پر۔

کہ ان میں مصلحین کی آراء بھی جتنی ہی ہیں، سو اس کے اصول یہ احقر اپنے تجربہ کے موافق لکھتا ہے۔

۱۔ تعلیم کنندہ عالم، کامل و حکیم عاقل ہو کہ ترجمہ کی تقریر اور مضامین تفسیر کے انتخاب میں مخاطب کے فہم کی رعایت رکھے۔ ۲۔ متعلم خوش فہم و منقاد ہو، معجب بالرائی و خود پسند نہ ہو کہ تفسیر سمجھنے میں غلطی نہ کرے اور تفسیر بالرائی کی جرات نہ کرے۔ ۳۔ اگر کوئی مضمون متعلم کے تحمل فہم سے بالاتر ہو، اس میں معلم اس کو دسیت کرے کہ اس مقام کا ترجمہ محض تبرکاً پڑھ لو، یا اجمالاً اس قدر سمجھ لو اور آگے تفصیل میں فکر نہ کرو اور وہ متعلم بھی اس کو قبول کرے، اسی طرح اگر معلم اوصاف مذکورہ ۱ کا جامع میسر نہ ہو تو وہ بھی ایسے مقامات کی بالکل تقریر نہ کرے، صرف ترجمہ کی عبارت پڑھا دے، چنانچہ ہمارے قسبات میں اکثر لڑکیاں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھتی ہیں، مگر اس طرح کہ صرف عبارت پڑھ لی، نہ معلم تفسیر کی تقریر کرتی ہے، نہ متعلم اس کی تحقیق، محض برکت حاصل کرنا اور بے تکلف جتنا اجمالاً سمجھ میں آجائے اس کا سمجھ لینا مقصود ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب یہ بتدی قابل تفسیر سمجھنے کے ہو جاویں، خواہ کچھ کتابیں پڑھنے سے خواہ معلومات کی وسعت سے خواہ علماء کی صحبت سے، اس وقت مگر کسی عالم محقق سے ترجمہ مع حل کے پڑھ لیں۔ ابتدائی پڑھنے پر کفایت نہ کریں۔ اور سوال میں جتنے دلائل اس تعلیم کی مطلوبیت کے لکھے ہیں تو اعد شرعیہ و سب مقید ہیں انہی شرائط کے ساتھ چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے کلام میں بعض شرائط کی باختلاف عنوان تصریح بھی ہے، اسی طرح بے استاد جو تراجم و تقاسیر کا مطالعہ کرتے ہیں ان کے لئے بھی بعض محققین ان ہی شرائط کو سرزدری کہتے ہیں۔ اور جہاں ایسا استاد نہ ملے وہاں یہ رائے دیتے ہیں کہ اول معلومات دینیہ ضروریہ حاصل کر لو تا کہ علوم قرآن سے مناسبت ہو جائے، پھر مطالعہ کے وقت جہاں ذرا بھی شبہ رہے وہاں فکر سے کام نہ لیں، بلکہ نشان بنا کر جیب کوئی محقق عالم بلا کرے اس سے حل کر لیا کریں۔ اور جو حضرات مانعین ہیں ان کا منع فرمانا بتا برائے مفاسد کے ہے جو اس میں مشاہد ہیں، جس کا سبب ان شرائط کی رعایت نہ کیا جانا ہے پس ان سے بھی حسن ظن رکھنا واجب ہے۔ اور ان کا اختلاف محض صورتی اختلاف ہے، اور اس اختلاف موضوع کے سبب، فی الواقع دونوں قولوں میں تناقض نہیں، البتہ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ جس عمل میں مفسد غالب ہوں اگر وہ غیر مطلوب ہو تو نفس عمل سے منع کر دیا جاتا ہے اور اگر مطلوب ہو تو عمل سے منع نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ان مفسد کا انشاء کر دیا جاتا ہے، اس لئے مانعین کی خدمت میں، یہ قاعدہ پیش کیے مشورۃً یہ عرض ہے کہ تعلیم کی تو اجازت دی جاوے، اور مفسد

اسناد کو دیا جاوے۔ اور اگر طریق مذکور اسناد کا کافی نہ ہو تو دوسرا طریق مناسب تجویز فرمایا جاوے۔ واللہ اعلم۔ ۲۵ صفر ۱۳۲۸ھ (تمتہ خامسہ، ص ۱۴۵)

سوال (۴۶) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ گورنمنٹ مدرسہ ہوازدان کتب دینیہ در مدارس سرکاری عالیہ سلیٹ میں علوم دینیہ مثل تفسیر بنیادی و جلالین شریف و مشکوٰۃ شریف و ہدایہ و شرح وقایہ و توضیح تلویح وغیرہ من العلوم الدینیہ والعقلیہ پڑھنا حرام و گناہ کبیرہ ہے یا جائز۔ اور اس مدرسہ کے طلبہ کو جاگیر دینا موجب ثواب ہے یا عذاب۔ بحوالہ کتب فقہیہ کہ ہم مقلدوں کے واسطے وہی دلیل ہے بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے

جواب: فی رد المحتار کل مصرفیہ وال من جہتہم رای الکفار) یجوز لہ اقامۃ الجمع والاعیاد والحد وتقلید القضاۃ الخ ج ۲ ص ۸۲۲۔ وفی رد المحتار کتاب القضاء ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجار و لو کافر اذ کوہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیقوم اہم ان روایات سے معلوم ہوا کہ ولایت و قضا کا کافر سے قبول کرنا جائز ہے، اور عادتاً ان مناصب پر اعانت مالیہ لازم ہے، پس ملزوم کی اجازت لازم کی بھی اجازت ہے اور ان میں اور تدریس دین میں کوئی فرق نہیں۔ پس مدارس مذکورہ سوال میں پڑھنا پڑھانا اور تنخواہ اور وظیفہ لینا سب جائز ہے، اور ایسے مدارس سے پڑھنا ایسا ہے جیسا قاضی متقلد من الکافر کے پاس مقدمات لانا۔ اور جاگیر دینے میں تو کوئی وجہ شبہ کی ہو ہی نہیں سکتی کہ اعانت من المسلم للمسلم ہے۔ البتہ اگر طلبہ یا مدرس کو کسی امر غیر مشروع پر مجبور کیا جائے تو پھر یہ استعانت بھی ناجائز ہے۔ ۵ شعبان ۱۳۲۸ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۹۳)

تعویذات و اعمال

سوال (۴۷) نحتیابی مقدمہ کے لئے اسم ذات کا غذیر لکھ کر آٹے میں گولیاں بنا کر مچھلیوں کو کھلانا یا نہیں؟

الجواب: جب تعویذ کھلانا پلانا آدمی کو جائز ہے اسی طرح حیوان کو بھی اور اگر القاسے شبہ اہانت ہو تو قصداً اہانت نہیں ہے، بلکہ استبراک مقصود ہے، رایہ کہ اس عمل کو مقصود میں کچھ دخل ہے یا نہیں سو مجھ کو اس کی تحقیق نہیں، واللہ اعلم۔

۶ شعبان ۱۳۲۸ھ (ادراج ۲ ص ۱۶۳)

برتن پر کوئی آیت وغیرہ پڑھ کر حرکت میں لانا اور اس سے وقائع معلوم کرنا | سوال (۴۸) زید قرآن شریف کی کوئی آیت پڑھ کر ایک برتن پر دم کرتا ہے، ایک دوسرا شخص اس برتن کو پکڑ لیتا ہے پھر برتن میں ایک قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہے، اگر کسی ساحر نے اس پر سحر کیا ہے تو جہاں سحر ہے وہاں پر چلا جاتا ہے، اور اگر کسی درخت پر کیا ہے تو درخت پر چڑھنا چاہتا ہے، اگر کسی کا مال چوری ہوا ہے تو جہاں مال ہے وہاں پر چلا جاتا ہے۔ یہ زید کا عمل جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اگر حرام ہے تو کس دلیل سے؟

الجواب :- یہ عمل فی نفسہ جائز ہے، اب یہ دیکھنا چاہیے کہ کسی امر ناجائز کی طرف مفنی تو نہیں ہوتا، یا ہوتا ہے، اگر ہوتا ہے تو اس عارض کی وجہ سے بغیر ناجائز ہو جائیگا، مثل اس عمل کے ذریعہ سے کسی شخص کو چور سمجھنا جو کہ خلاف ہے نص دلائق مالیس لکث بہ علحد کے کیونکہ علم سے مراد دلیل شرعی ہے اور ایسے اعمال دلیل شرعی نہیں۔ اور اگر امر ناجائز کی طرف مفنی نہیں ہوتا تو پھر بالکل جائز ہے مثلاً اس امر کے ذریعہ سے مال مل جانا یا سحر باطل ہو جانا۔ خلاصہ یہ کہ فی نفسہ جائز اور اگر مقدمہ حرام کا بن جائے تو ناجائز ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۶۶)

عدم جواز تعویذ تسخیر | سوال (۴۹) ایک صاحب کو کسی لڑکے سے تعلق شدید ہو گیا تھا۔ اب وہ در عشق آمارد لڑکا دطن چلا گیا، اب وہ صاحب نہایت پریشان و مضطرب و بیقرار ہیں، دنیا و دین کے کام سے بیکار ہو رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ خود کشی کر لوں گا۔ اور عجب نہیں کہ ایسا کر بیٹھیں ایسی حالت میں اس کے واپس آ جانے کے لئے دعا و تعویذ و عمل جائز ہے یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں اور معتبر آدمی ہیں کہ میری نہایت پاک و صاف محبت ہے۔

الجواب :- ایسی محبت میں جنت خفی سرور ہوتا ہے، اس لئے اس کی اعانت ناجائز ہے نیز ایک شخص کی مصلحت سے دوسرے شخص کو پریشان کرنا اور گھر سے بے گھر کرنا، اگر محبت پاک بھی مان لی جاوے تب بھی ناجائز ہے، اگر پاک محبت ہے تو محبت کو چاہیے کہ محبوب کے پاس جاوے نہ کہ محبوب کو بلاوے۔ اگر یہ شخص اس بلا سے نجات کی کوشش کریں تو یہ زیادہ ضروری بات ہے، اگر وہ ایسا چاہیں تو مجھ سے خط و کتابت کر لیں۔ ۵ رجب ۱۳۲۳ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۵۴)

شوہر کو اشیا محرمہ کھلانا | سوال (۵۰) زنان اکثر شوہران خود را غلیظات قسم قسم اشیا و اور تسخیر کے لئے سحر وغیرہ کرنا | جانوران خرید کر وہ گوشت آنا ہمراہ طعام و شراب شوہر را می خوراند یقین میکنند کہ شوہر ایشان مطیع و فرمانبردار ایشان شود در هیچ امر خلاف ایشان نکنند مثل خون حیض

دگوشت بوم و گوشت کرس و غیرہ جانوران حرام، دریں باب حکم شرع چسیت و بعضیہ از مسئلایان
بہادوزبان ہندی و غیرہ ہم می کنا نند۔

الجواب۔ اولاً خود این چنین عملیات را گونی نفسہ بطریق مباح باشد لغرض مسخر کردن
شوہر فقہاء ممنوع گفتہ اند، و خصوصاً اگر مباح ہم نباشد مثل خوردن ایندن اشیا و محرّمہ پس
حرام در حرام خواهد بود۔

ومن ثمر لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربوا و موكله رواه مسلم و في
رد المحتار عن الخانية امرأة ارادت ان تصنع تعويذ اليحبها زوجها ذكر في الجامع
الصغير ان ذلك حرام۔ ج ۵ ص ۳۵۸ رتمہ اولی ص ۳۱۸

تحقیق جواز عدم جواز رقم دستک | سوال (۵۱) سرکاری اور ساہوکاری اور جاگیرداروں کے ملازم جو
ان کو وصول رقم کے احکام لکھ دیئے جاتے ہیں جن کو دستک کہتے ہیں، ہر دستک میں خوراک
کے نام سے ۳ یا ۴ روزانہ لکھ دیا کرتے ہیں پس ایسی دستک کے پیسوں کا لینا اور کھانا منتر جائز
ہے کہ نہیں، واضح رہے کہ علاوہ ماہوار مقررہ کے جو نوکر رکھنے والے نوجوانوں کو ماہانہ
دیا کرتے ہیں دستک کے پیسے رعایا و یاتی اداروں سے حسب الحکم نوکر دارندہ جو ان
پیسے وصول کر لیتے ہیں؟

الجواب۔ فی الہدایہ کتاب احیاء الموت فصل بکری الا نھا رفا لا دل رای الھد
غیر المملوک) کریمہ علی السلطان من بیت المال المسلمین الی قولہ فان لم یکن فی بیت
المال شیء قال امام یجب للناس علی کریمہ احیاء لمصلحة العامة اذ هم لا یقیمونہا بانفسہم
وفی مثله قال عمر لو ترکتم لبعتم اولادکم ج ۲ ص ۲۷۱۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو مصارف مصالح عامہ میں سے ہیں ان کے لئے بادشاہ کو
اہل مصالح سے بقدر ضرورت مال وصول کر کے ان کے مصالح میں صرف کرنا جائز ہے، پس
شاہی انتظامات کی اصلی غرض حفاظت مصالح جمہور ہے، ان کے متعلق جو اخراجات ہوتے ہیں ان کی
قدر ان اہل مصالح سے وصول کرنا باصلہ مشروع ہے اور دستک بھی اس میں داخل ہو سکتی ہے کہ سپاہی نے
نیابت وصول کیا، اور بالاذن اجرت میں قبضہ کر لیا۔ یہ تو جواب تھا شاہی رقوم کی دستک کا، باقی ساہوکاروں
اور جاگیرداروں کی رقوم کی دستک وہ اس کلیتہ مذکورہ میں تو داخل نہیں ہے، اب دیکھنا چاہیے کہ
ان ساہوکاروں اور جاگیرداروں کا ان محکومین کس عقد کا معاملہ ہوا ہے، اگر وہ معاملہ معاوضاتی ہے مثلاً جائز

تو اگر شرط یا عری اس رقم دستک کو اس رقم اجاز کا جزو بنانے کا ہو تب تو جائز ہے بشرطیکہ تمام شروط اس عقد مثلاً اجارہ پائے جاویں جنہیں ایک تعیین مقدار بھی ہے، یعنی مثلاً سال بھر میں پانچ روپے ایسی تعیین ہونا چاہئے اور یہ تعیین شرعاً صحیح نہیں کہ جب تک رقم وصول نہ ہو تب تک ۳ یا ۴ روزانہ یہ درست نہیں۔ اور اگر وہ جزو نہ بن سکے مثلاً عقد معاوضہ ہی نہ ہو تب جائز نہیں۔ ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ (تمتہ اربعہ ص ۲۵)

الفضلیت ترک رقبہ | سوال (۵۲) مجھ کو اس میں شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ ناجائز جھاڑ پھونک یا کہ جائز جھاڑ پھونک، جیسا کہ اکثر دستور ہے کہ قرآن شریف کی آیت سے جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور میں مطلق نہیں کرتا تو یہ خیال میرا خراب تو نہیں ہے، اور کلام الہی کو کلام الہی جانتا ہوں۔ اس سبب سے حضور کو تحریک کیا کہ میرا عقیدہ خراب تو نہیں ہے۔

الجواب۔ جائز تو ہے مگر افضل یہی ہے کہ نہ کیا جاوے، آپ کا عقیدہ ٹھیک ہے۔

۲۱ رجب ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامہ ص ۱۸)

چوری برآمد کرنے کیلئے عملیات | سوال (۵۳) شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے دزد کے معلوم کرنے کی ترکیب لکھی ہے، اور یہاں بعض بزرگ یہی ترکیب کرتے ہیں، کہ دزد معلوم کرنے کے لئے ایک آیت بیضہ مرغ پر لکھتے ہیں اور پھر سورہ یٰسین یا کوئی اور سورہ پڑھتے ہیں، اور ایک چھوٹے لٹکے سے بیضہ کو دکھلاتے ہیں، وہ لٹکا اس انڈے میں دیکھ کر بتلاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں چیز لئے ہوئے ہے۔ اس ترکیب سے بعضی چیزیں لوگوں کو مل گئی ہیں، دزد کا چہ لگ گیا ہے ایسی ترکیب کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس ترکیب پر یقین نہ کرے۔ قرائن کا اتباع کیسے کہ یقین کرنا جائز نہیں حالانکہ یقین یا ظن غالب پیدا کرنے کے لئے ایسا ہو رہا ہے۔

الجواب۔ نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ جس کا اس طرح سے پتہ لگے اس کا تفحص بطریق شرعی کریں لیکن عوام اس حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ۲۲ شوال ۱۳۳۵ھ

سوال تہتمہ سوال بالا۔ یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب۔ میرے نزدیک بالکل ناجائز، اس لئے کہ عوام حد تفحص سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

تاریخ بالا (تمتہ خامہ ص ۳۵)

تعویذ کے ذریعہ جنات کو جلانا | سوال (۵۴) اگر بچہ یا عورت پر جن کا شبہ ہوتا ہے تو عامل جن کو جلا دیتے ہیں، آیا جن کو جلا کر مار ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب۔ اگر کسی تدبیر سے پیچھا نہ چھوڑے تو درست ہے۔ بہتر ہے کہ اس تعویذ میں یہ عبارت

لکھیں، کہ اگر نہ جائے تو جل جائے۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۰۵)
 کسی عورت کے لئے تعویذ کرنا | سوال (۵۵) بیوہ عورت کو کوئی عمل پڑھ کر نکاح کی خواہش کرنا جائز
 تاکہ وہ نکاح پر راضی ہو جائے | ہے یا نہیں، کوئی عمل قرآن سے پڑھ کر بیوہ عورت کو کھلانا واسطے
 نکاح کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- عمل باعتبار اثر کے دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم یہ کہ جس پر عمل کیا جاوے وہ
 مسخر اور مغلوب المحبت و مغلوب العقل ہو جاوے ایسا عمل اس مقصود کے لئے جائز نہیں جو
 شرعاً واجب نہ ہو، جیسے نکاح کرنا کسی معین مرد سے کہ شرعاً واجب نہیں اس کے لئے ایسا
 عمل جائز نہیں۔

دوسری قسم یہ کہ صرف معمول کو اس مقصود کی طرف توجہ بلا مغلوبیت ہو جاوے، پھر بصیرت کے
 ساتھ اپنے لئے مصلحت تجویز کر لے، ایسا عمل ایسے مقصود کے لئے جائز ہے اس حکم میں
 قرآن و غیر قرآن مشترک ہیں۔ ۳۰ شعبان ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۲۴)

قرآن کو بطور عمل پڑھنا جائز ہے | سوال (۵۶) قرآن شریف یا صلوات یا ذکر کثرت لاش زرق
 یا قنار حاجت کے لئے قرأت کرنا درست ہے یا نہ؟

الجواب:- درست ہے جیسا حدیث میں سورۃ واقعہ کی یہی خاصیت وارد ہوئی ہے جو
 صریح دلیل ہے جواز کی۔ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۲۴)

تحقیق حکم یا بدع | سوال:- یا بدع کے متعلق بعض سریانی زبان میں باری تعالیٰ کا نام
 بتلاتے ہیں۔ اور بعض مؤکل کا نام کہتے ہیں اور تیا کے ساتھ پڑھانے کو بھی منع کرتے
 ہیں، اس کی تحقیق جو حضرت کو ہو، اس سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب:- مجھ کو کچھ تحقیق نہیں، اور بدون تحقیق اس کے پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتا (تمتہ اربعہ)
 عمل نحر یا تعویذ کا حکم | سوال (۵۸) اگر عورت اپنے مرد کو مسخر کرنے کے واسطے کوئی تدبیر آیات
 قرآنی سے یا کسی دعار سے یا اور کسی طریقہ سے کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- نہیں، البتہ دفع ظلم کے لئے جائز ہے۔ ۲ رجب ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۵)
 "لِيُخَسِّتَ أَطْفُلِي بِهَا" کا تعویذ ناجائز ہے | سوال (۵۹) اشرف الموعظ حصہ دوم وعظ الصبر مطبوعہ
 بلائی پریس ساڈھورہ، عبارت اس کی یہ ہے "البتہ بعض تعویذ بھی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ قابل منع
 کرنے کے ہیں۔ ایک طاعون کا تعویذ مشہور ہے، "لِيُخَسِّتَ" پورا شعر ہے، اس کے بعد یہ مضمون ہے۔

"یہ حضرات بخیل کے نام مبارک ہیں، اگر کچھ تاویل نہ کی جاوے تو اس کا مضمون شرک ہے، اور اگر تاویل کی جاوے تو ان کے تو تسل سے یہ اللہ تعالیٰ سے سوال اور دعا ہے تو دعا کا ادب یہ ہے کہ نشر میں ہو نظم میں کیسی دعا راہ نظم میں دعا خلافت ادب ہے یا نظم میں دعا نہ کرنا چاہیے۔ حضرت صدیقؓ کی دعا عربی شعر میں ہے، اور وہ طغریٰ کی شکل میں چھپی ہوئی بکتی ہے، جو عربی مناجات ہے؟ الجواب۔ اس کے بعد کی بھی عبارت پر مڑھنا چاہیے جس میں اس کا شیعہ کی طرف منسوب ہونا ظناً مذکور ہے، سب کو ملا کر نظر کرنا چاہیے، ایک ایک جز و پیر حکم کا مدار نہ سمجھنا چاہیے۔ نسخہ تو مجموعہ اجزاء کو کہتے ہیں اور وہی مؤثر ہوتا ہے۔ گو ایک جز و زیادہ قوی نہ ہو، اسی طرح مناجات کا نظم ہونا مانع ضعیف ہے جس کی مانعیت حدیث ایاک والسبحم فی الدعاء میں وارد ہے وہ اور اجزاء سے مل کر مؤثر قوی ہو گیا، اور یہ مشہور مناجات حضرت صدیقؓ سے ثابت نہیں۔

۲۹ سوال نمبر ۳۳۷ (النور ص ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ)

نجاست و طہارت

حکم استعمال صابن ولایتی | سوال (۶۰) ولایتی صابن کا استعمال کرنا جس میں سورہ کی چربی کا احتمال ہے، مگر یقین نہیں کیا ہے۔

الجواب۔ احتمال غالب تو معتبر ہے، اس سے تحرر واجب ہے باقی محض شبہ ضعیف معتبر نہیں۔ البتہ احتیاط پھر بھی اولیٰ ہے۔ ۲۷ محرم ۱۳۳۲ھ

بخس چیز سے انتفاع کے | سوال (۶۱) ان عبارتوں کی وجہ تطبیق کیا ہے۔

متعلق چند عبارات کی تطبیق | (۱) اذ اتجنس الخبز والطعام لایجوز ان یطعم الصغیر او المعتوہ
او الحيوان الماکول اللحم، عالمگیری کتاب النکاح (۲) لایجوز لاحد ان یوکل المجنون المیتة بخلاف
الہرة وقال اصحابنا لایجوز الانتفاع بالمیتة علی وجه ولا یطعم الکلاب والجوارح
عالمگیری (۳) لان ما تجنس باختلاط النجاسة به والنجاسة مغلوبة لایباح اكله ویباح
الانتفاع به فیما وراء الاكل۔ شامی فصل البیوت تحت قول صاحب الدر المختار فیطعم للکلاب
پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے حیوان ماکول اللحم کو نہ کھلائے۔ تیسری عبارت عام
معلوم ہوتی ہے، نجاست کے مغلوبہ ہونے کی قید لگائی، اور جگہ یہ قید نہیں لگائی
دوسری عبارت کے شروع سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کو میتہ کھلانا درست ہے

اور آخر عبارت سے معلوم ہوتا ہے نادرست ہے، شامی کی عبارت جو ماستعمل میں ہے اس میں برخلاف اور مقامات کے ایک نئی تفصیل کی ہے، جو ذیل میں درج ہے۔

الماء اذا وقعت فيه نجاسة فان تغير وصفه لم يجز الانتفاع به بحال والاجاز كبل الطين وسقى الدواب، شامی ماستعمل۔

الجواب۔ پانی اور مطعوم میں یہ فرق ہے کہ پانی میں دوسرے ائمہ کے قول پر گنجائش ہے پس وہ نجس متفق علیہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے تصریح کی ہے فان تغير وصفه لم يجز اس لئے کہ اس صورت میں سب کے نزدیک وہ نجس ہو گیا۔ پھر مطعوم کے باب میں تفصیل ہے کہ یا تو وہ عین نجاست ہے جیسا میتہ، یا متنجس ہے، اگر خود نجاست ہے تو حسب عبارت دوم اس سے کسی طرح کا انتفاع درست نہیں حتی لا يطعم الكلاب والجوارح اور بعض نے جو ہرہ کے کھلانے کو جائز کہا ہے یا تو اس کا مبنی اختلاف ہے، تو تطبیق کی حاجت نہیں، اور یا یہ قول مؤل کیا جائے کہ کسی ایسی جگہ ڈال دے کہ خود ہرہ اسی طرح کلب وغیرہ آکر کھا جائے، خود اپنے اہتمام سے لے کے سامنے نہ رکھے۔ اور اگر وہ متنجس ہے پھر یا تو غالب النجاستہ ہے یا مغلوب النجاستہ، اگر غالب النجاستہ ہے تو بقاعدہ لاکثر حکم الكل اس کا حکم بھی مثل عین نجاست کے ہے جیسا کہ عبارت سوم سے معلوم ہوتا ہے اور بعض کا قید نہ لگانا یا بنا پر اختلاف قولین ہوگا، اور یا بناء علی الشهرة اور علم من مواضع آخر تصریح نہیں کی، مگر مراد ہو، اور اگر مغلوب النجاستہ ہے تو خود اپنا اکل تو جائز نہیں، رہا اطعام تو کلاب وغیرہ کو جائز ہے جیسا عبارت سوم سے معلوم ہوتا ہے، اور حیوان ماکول حکم میں آدمی کے ہے، اس لئے اس کے لئے جائز نہیں، جیسا عبارت اول سے معلوم ہوتا ہے۔ پس ماوراء اکل سے مراد بعض ماوراء الاکل لیا جاوے یعنی اطعام غیر آدمی وغیر حیوان ماکول اور اکل کو مختص کہا جائے گا اکل انسان کے ساتھ۔ اب امید ہے کہ سب عبارات اور ان کا تدافع حل ہو گیا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۲ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۴۱)

سوال (۶۲) خنزیر وغیرہ کے خشک پاخانہ سے مٹی کا برتن پکا ہوا سے پکا ہوا مٹی کا برتن! استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ جزیرہ نہیں دیکھا کلیات سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ فقط ۹ صفر ۱۳۲۰ھ

حکم کوکین | سوال (۶۳) کوکین جو پان میں ڈال کر کھاتے ہیں جس سے منہ سن ہو جاتا ہے، اور دودا انگریزی ہوتی ہے، اس کے کھانے والے کا یہ حال ہوتا ہے کہ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور بالکل سوکھ جاتا ہے، اور بے کھانے ایک لمحہ چین نہیں پڑتا۔ یہاں تک نوبت ہے کہ ساری جائداد بیچ کر کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں نشہ نہیں ہوتا، اس کا کھانا حرام ہے یا گناہ؟

الجواب۔ اگر نشہ نہ ہو تو فی نفسہ مباح ہے۔ لیکن بوجہ عوارض مضرت جسمی و مضار مذکور سوال کے ممنوع ہے، اور جہاں یہ عوارض پیش نہ آئیں مباح رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۴۲)

اقسام و حکام رنگ لایتی پڑیہ | سوال (۶۴) فقہاء نے اشیائے نجس کو بہت جگہ استہلاک کی وجہ سے ظاہر سمجھا ہے جیسے صابون اور کپنگل میں اگر مہوسہ سرگیا ہو، اور گوبری، حتیٰ کہ درختار میں تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ پانی اور مٹی میں جو جو چیز ظاہر ہوگی مرکب اسی کے تابع ہوگا۔ اگرچہ صاحب نسخ نے اس کے خلاف کو ترجیح دی ہے۔ لیکن بہر حال مسئلہ قابل گنجائش ہے، پس آجکل ولایتی رنگوں میں کہ علی الاغلب اسپرٹ شامل ہوتا ہے اگر گنجائش نکالی جائے تو کیسا ہے، گوبری سے بڑھ کر اس کی حالت نہیں اور عموم بلوئی اس کو مقتضی ہے کہ ولایتی کپڑے جس قدر آتے ہیں سب انہی رنگوں میں رنگے جاتے ہیں، سب کا دھوکہ استعمال کرنا علی الخصوص جاڑے کی کچھ چھینٹوں کا استعمال مشکل ہے، خصوصاً امام صاحب کے مذہب پر گنجائش بھی ہے، کیونکہ اسپرٹ خمر عربی سے نہیں بنائی جاتی ہے۔ اور امام محمد کا مذہب اگرچہ مفتی بہ ہے لیکن اس وجہ سے اس پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ لوگ پرہیز کریں، اس لئے شراباً تو یہ صحیح ہے، اور استعمالاً محل بحث ہے، احادیث سے بھی حرمت ثابت ہے نہ کہ بخاست، باقی عموم بلوئی کی یہ حالت ہے کہ پرہیز مشکل ہے، حتیٰ کہ چہرہ جو جلدوں میں لگایا جاتا ہے کہ ستر آن مجید تک اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا؟

الجواب فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب حقیقت مطہر ہے، لیکن انقلاب وصف مطہر نہیں، رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۵۔ سو اس کو انقلاب حقیقت کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے بل ہو کالد بس لانه عصیر جمد بالطبع رد المحتار ص مذکور۔ اور اس صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔

ما یستقطر من وردی الخمر و هو المسمی بالعرقی فی دلائل الروم

نجس حرام کساثر اصناف الخمراۃ

اسپرٹ کا حال تو اس سے معلوم ہوا، اب رہا مرکب سودر مختار کے اس جزو میں تو بہت کلام ہے، اور صحیح بخاست ہی ہے۔ رہی ضرورت سو جب ہے کہ تکرر نہ ہو سکے اور یہ مفقود ہے ردالمحتار ص ۳۳۴ میں ہے لو اصابہ بلا قصد الخ یا کوئی ضروری شے بدون اس کے نہ بن گئی ردالمحتار ص ۳۶۱ میں ہے بخلاف السرقین اذا جعل فی الطین اللطین لا ینجس لان فیہ ضرورۃ لانه لا یتہیأ الا بہ حلیہ، البتہ یہ بات کہ یہ اشربہ منہیہ سے نہیں بنتی محل گنجائش ہے، اگر ثابت ہو جاوے تحقیق کیا جاوے۔

یکم ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۱ ص ۱۰)

سوال متعلق جواب مذکور:- اسپرٹ کی نسبت ڈاکٹروں اور ڈاکٹری کتابوں سے جہاں تک تحقیق ہوا یہی ہے کہ گڑ یا جو کی شراب سے بنائی جاتی ہے نیز اس میں عموم بلوی گوبری سے بدرجہا زائد ہے، ادنیٰ امر یہ ہے کہ ہر تعلیم یافتہ کی جیب میں کچھ نہ کچھ کاغذ و خطوط ہوتے ہیں جو عموماً انگریزی روشنائی سے لکھے ہوتے ہیں، اور ڈاکخانہ شہر کا نام لکھتا ہے وہ تو عموماً انگریزی روشنائی ہوتی ہے، بلکہ ویسی روشنائی بھی ولایتی کاجل سے تیار کی جاتی ہے جس کا حال مثل دیگر رنگوں کے ہے۔ کتابیں جو پریس میں چھپتی ہیں اب عموماً ولایتی روشنائی سے چھاپی جاتی ہیں۔ اور اب یہاں تک علم ہے کوئی مطبع والا ویسی روشنائی سے کتاب نہیں چھاپتا۔ ان تمام سے احتیاط نہایت ہی دشوار ہے، یوں تو گوبری سے بھی احتیاط ممکن ہے۔ مکان میں پختہ پلاستریا کچا کر کے اس کی طرف برابر توجہ رکھنا ممکن ہے گوبری کا فائدہ صرف یہ ہے کہ کھگل کے بعد شقاق کو روکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس شقاق میں مٹی بھردی جاوے۔ اس کی نسبت درمختار میں ہے لانه لا یتہیأ الا بہ، اور ظاہر ہے کہ آجکل رنگ بغیر ولایتی پٹریا کے نہیں ہیں۔ غرض کہ اطلاع گوبری سے بدرجہا زائد ہے، اور ضرورت اس کی طرح کم نہیں۔ نجس مجہوسہ کی نسبت فقہار نے تصریح کر دی ہے کہ جب سڑکر کھگل میں مل جائے تو انقلاب حقیقت سمجھا جاوے گا، اس سے اس کی حالت کم نہیں ہے اس پر اگر نظر کیجاوے ممکن ہے، غرضکہ ہر صورت میں اس کی نسبت آسانی معلوم ہوتی ہے۔

الجواب:- انقلاب حقیقت تو اب تک میرے جی کو نہیں لگا، البتہ ضرورت و عموم بلوی واقعی معلوم ہوتا ہے اور اشربہ منہیہ سے نہ بننے کا محل گنجائش نہ ہونا یہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے

واللہ تعالیٰ اعلم، (امداد ج ۱ ص ۱۱)

اقسام رنگ و پڑیہ | سوال (۶۵) آجکل عموماً مختلف رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں اور وہ رنگ

کچھ ہوتے ہیں، اور بالکل سرخ بھی جو پکا ہوتا ہے پہنتا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ رنگ عورتوں کے لئے سب جائز ہیں، کچا اور پکا، البتہ پڑیہ میں مشبہ قوی شراب کا ہے۔ اگر اس قدر دھوئیں کہ پانی صاف آنے لگے پاک ہو جاتا ہے۔ فقط

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد جلد ۲ ص ۱۸۴)

پڑیہ کے رنگ کا حکم | سوال (۶۶) ولایتی رنگ جو بالعموم عورتوں کے کپڑا رنگنے کے کام میں آتا ہے

اس کی نسبت محقق طور پر کوئی شہادت اس بات کی معلوم نہیں کہ اس کے اندر کوئی نجس شے

کی آمیزش ہے۔ البتہ فتاویٰ رشیدیہ سے پتہ چلتا ہے کہ بوجہ اختلاط شراب کے ناجائز ہے

اگر کپڑا رنگنے کے بعد دھو ڈالا جاوے تو پھر سارے کا سارا رنگ ہی نکل جاوے۔ اس کی

نسبت حضرت کا ارشاد کیا ہے، اور کوئی صورت جواز کی بھی ہے یا نہیں؟

الجواب۔ بجز اثر بہ اربعہ مذکور فی کتب الفقہ کے دوسرے اثر بہ شیخین کے نزدیک

نجس نہیں اور پڑیہ میں جن اثر بہ کا اسپرٹ محتمل ہے وہ غالباً اربعہ کا غیر ہے، لہذا شیخین کے نزدیک

گنجائش ہے، اور اگر اسپرٹ کا اختلاط ہی خود مشکوک ہو تو شرع میں شک کا اعتبار نہیں۔ فقط

۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (حوادث ۲ ص ۶۳)

ایضاً | سوال (۶۷) ایک مشہور اور معتبر عالم نے فتویٰ دیا ہے کہ پڑیہ کا رنگ جو کپڑا رنگنے

کے واسطے یورپ سے آتا ہے وہ باوجود اختلاط نجاست وغیرہ کے عموم بلوی کی وجہ سے پاک

ہے۔ اس وجہ سے کہ ولایتی ہر قسم کے ادنیٰ، سوتی، ریشمی کپڑے انہیں رنگوں سے رنگے ہوئے

آتے ہیں، اور ان سے احتیاط سخت مشکل ہے۔ اس مسئلہ میں جناب والا کو جو کچھ تحقیق ہو اس سے

پرچہ ثانی پر شرف اطلاع بختا جائے۔ آیا ہم عوام کو اس فتویٰ پر عمل درست ہے یا نہیں۔

جواب جس قدر جلد عنایت ہوگا باعث ممنونی و شکر گذاری ہے۔ فقط

الجواب۔ چونکہ ضرورت شدید ہے، اس فتویٰ پر عمل درست ہے مگر اسی شخص کو جس

کو ضرورت ہو اور وہ میرے نزدیک عورتیں ہیں، کیونکہ مرد باسانی اس سے بچ سکتے ہیں اور اس پر

عمل کرنے کے جواز کی ایک اور شرط ہے، وہ یہ کہ جس شراب سے وہ اسپرٹ حاصل کی ہے وہ انگور اور

کھجور اور کشمش کی نہ ہو۔ ۹ شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث ۲ ص ۱۱۱)

سوال (۶۸) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جناب والا نے تحریر فرمایا ہے کہ پڑیا کے رنگ کے استعمال کی عورتوں کو ضرورت زیادہ ہے، اس وجہ سے خاص ان کے حق میں عموم بلوی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ عورت اور مرد دونوں کی ایک حالت ہے، پڑیا سے پہلے بھی ہر قسم کے رنگے رنگے جاتے تھے مگر ان میں پڑیا کے برابر صفائی اور خوبصورتی نہ ہوتی تھی، اور اب بھی وہ رنگ سب موجود ہیں اب بھی ان میں عورتیں رنگ سکتی ہیں پڑیا کے ترک میں صرف وہ خوبصورتی اور صفائی حاصل نہ ہونے کا حرج ہے۔ کیا یہ حرج شرعاً موجب تطہیر بوجہ عموم بلوی ہو سکتا ہے، دوسرے یہ کہ عموم بلوی مطہر نجاست غلیظہ ہے، جیسا کہ مثلہ قصہ سے ظاہر ہے، پھر اس شرط کے کیا معنی کہ اسپرٹ جو پڑیا میں پڑتا ہے وہ اشربہ اربعہ میں سے نہ ہو، اگر عموم بلوی کا یہ محل ہے تو اشربہ اربعہ بھی پاک ہونے چاہئیں ورنہ غیر اشربہ اربعہ کی بھی نجاست اتفاتی نہیں ہے۔ بعض علماء صرف عدم تیقن اختلاط نجاست کی وجہ سے پاک کہتے ہیں، عموم بلوی کو نہیں مانتے، حضرت کے نزدیک جو بات ٹھیک ہو وہ مدلل زیب ارتام فرمائی جائے؟

الجواب:- مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ، جن کپڑوں کو خود رنگا جاوے اس میں تو دوسرے رنگ کا استعمال ممکن ہے لیکن جو کپڑے رنگے آتے ہیں ان میں تحرز دشوار، اور ایسے کپڑے عورتیں زیادہ پہنتی ہیں اس لئے ان کے حق میں ابتلا عام سمجھا گیا، اور ابتلائے عام نجاسات مختلف فیہا ذاتاً اور تدرأ میں مؤثر ہے۔ اس لئے غیر اشربہ اربعہ کی قید لگائی، کیونکہ غیر اشربہ اربعہ کی نجاست مختلف فیہا ہے، بخلاف اشربہ اربعہ کے، کہ ہمارے سب علماء ان کی نجاست میں متفق ہیں۔ اور اگر روایات اختلاط کی غیر متیقن و مظنون ہیں تو یہ بھی مبنی طہارت کا ہو سکتا ہے۔

۱۶ سوال ۳۳۳ (حوادث ۲ ص ۱۲۲)

سوال (۶۹) اکثر عورتیں پڑیوں کے رنگے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھتی ہیں، اور سنا جاتا ہے کہ شراب بھی پڑیوں میں داخل ہوتی ہے اس امر سموع کے متعلق جناب والا کی کیا تحقیق ہے، آیا صحیح ہے یا نہیں، اور بر تقدیر صحت بوجہ عموم بلوی حکم جواز صلوٰۃ فرماتے ہیں یا حکم فساد و بطلان؟ فقط۔

الجواب:- بہت مشہور ہے کہ پڑیوں میں شراب پڑتی ہے، غایت شہرت سے مظنون ہوتا ہے کہ یہ امر صحیح ہے، مگر چونکہ تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ وہ شراب جس کو اسپرٹ کہتے ہیں

خلاصہ جن شرابوں کا ہے وہ اشربہ محرمہ مذکورہ فی کتب الفقہیہ کے علاوہ ہیں، جو کہ امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً نجس و حرام ہیں اور شیخین کے نزدیک طاهر اور تدریس کے کم حلال بھی ہیں، اس لئے عموم بلوی کی وجہ سے صلوٰۃ کا حکم دیا کرتا ہوں مگر خلاف احتیاط سمجھتا ہوں فقط

۶ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۱)

سوال (۷۰) ہم لوگوں کو جلسہ دستار بندی میں حضرت نے حکم فرمایا تھا کہ دستار سبز مشتبہ ہے، اس لئے کہ اس میں اسپرٹ جڑو کا شراب ہونا محتمل ہے چنانچہ ایسے کپڑوں سے نماز میں ہمہیز کیا جاتا ہے۔ اب یہ پوچھتا ہوں کہ چھینٹ کے کپڑوں میں حضرت کا کیا حکم ہے، خیال ناقص ہیں اس میں بھی وہی بات ہے، لیکن میں اکثر علماء و دیگر اشخاص کو جاڑوں میں تکلف چھینٹ کا شلوکہ و کوٹ وغیرہ پہن کر نماز پڑھتے دیکھتا ہوں، خود تو پرہیز رکھتا ہوں، مگر حضور کا اس کی بابت کیا عملدرآمد ہے، اور اپنے منتسبین کو کیا حکم ہے؟

الجواب۔ الحمد للہ میں خود بہت احتیاط کرتا ہوں، چھینٹ بھی استعمال نہیں کرتا لیکن اس میں گنجائش ہے، اس لئے کہ اولاً اس میں اسپرٹ کا وجود مشکوک، پھر اسپرٹ کا نجس مشکوک تو شبہہ الشبہہ کا درجہ ہو گیا۔ (الرحب ۳۳۷ھ (تمہ ثالثہ ص ۵۰) ایضاً سوال (۷۱) جب سے پتہ لگا ہے کہ بعض ولایتی رنگوں میں اسپرٹ کا شبہہ ہے اسی وقت سے جب بھی کپڑا پہنتا ہوں تو طبیعت میں شک رہتا ہے، کہ یہ کہیں نا پاک نہ ہو حضرت اقدس ارشاد فرمادیں کہ ولایتی رنگ دار کپڑوں مثلاً رنگین گرم کپڑے، رنگین دھاری دار سرد کپڑے، عورتوں کے لئے پختہ رنگ کی رنگین چھینٹیں وغیرہ بلا دھوئے پہننے اور پہن کر نماز پڑھنے میں حرج تو نہیں ہے؟

۲ حضرت والا یہ بھی ارشاد فرمادیں کہ عورتوں کے لئے ولایتی رنگوں سے دوپٹہ وغیرہ رنگ کا پہننے کا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ اول تو خود ان رنگوں میں جزو نجس شامل ہونے میں سنبہ پھر ان کپڑوں میں ان رنگوں کے شامل ہونے میں شبہہ تو کپڑوں کے نجس ہونے کا شبہہ الشبہہ ہو گیا، اس لئے فتوے سے گنجائش ہے، باقی اگر کوئی دس اختیار کر لے اولیٰ و احسن ہے سہل یہ ہے کہ جس صورت سے بلا حرج تحرز ہو سکے تحرز کیا جاوے، اور جس میں حرج ہو گنجائش پر عمل کیا جاوے۔

مردوں اور عورتوں میں یہی تفصیل قابل عمل ہے، اور عورتیں کچھ رنگوں میں کیتے ڈوٹے رنگنے سے بلا حرج بچ سکتی ہیں، ۸ شعبان ۱۳۵۷ھ (النور ص ۲۵۱ ربيع الاول ۱۳۵۷ھ)

کھانے پینے کی حلال و حرام، مکروہ و مباح چیزوں کا بیان

سوال (۷۲) اگر زید برائے غزلے مرغان خود از سر گیس گاؤ وغیرہ اور منج سے کپڑے لینا یا خون کہ در مذبح وقت ذبح گرفتہ در مقام سناک می گذارند و چند روز در آن کر مہا پیدا می شوند آن کر مہا را غزلے مرغان می کنند حکم آن در شریعت چه خواهد شد بعض مردمان کلام جائے کہ دیک یا مور چہا باشند و راں جا ہا مرغان را می گذارند و مرغان تمام مور چہا و دیک یا را چیدہ می خورند حکم شریعت چیست؟

الجواب۔ فی الہدایہ وجوز اصطیاد ما یوکل لحبہ من الحيوان وما لا یوکل الی قولہ لان صیدہ سبب للانتفاع بجلدہ او شعرہ اوریشہ او لاستدقاع شرک وکل ذلک مشروع ج ۲ ص ۴۹۹، از میں ہویدا شد کہ ہر دو صورت مسئلہ جائز است لانہ من قبیل اصطیاد ما لا یوکل للنتفہ بہ واستفاد الدواب کا متفاد نفسہ کما قال تعالیٰ متاعاً لکم ولا تعالکم رتہ اولی ص ۳۱۳ جو پانی بتوں کے نام پر سوال (۷۳) موسم گرما میں اکثر اہل ہنود جگہ جگہ پانی پلایا کرتے ہیں، چڑھایا جائے اس کا پینا اس کے متعلق ایسا سنا ہے کہ وہ پانی دیوتاؤں کے نام پر پلائے ہیں، تو اس پانی کا مسلمانوں کو پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اگر محقق ہو جاوے کہ دیوتاؤں کے نام کا ہے تو ما اہل بہ لغیر اللہ کے حکم میں ہے لہذا ناجائز ہے۔ ۵ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۸)

سوال (۷۴) حقہ پینا کیسا ہے اور اصل میں وہ کیسا ہے؟

یہ حقہ قریب تین سو برس ہوئے کہ کفار نے نکالا ہے، پھر سب میں شائع ہو گیا اور اصل میں یہ ایک دوا ہے، بعض امراض کو نافع بھی ہے، اور کثرت اس کی مضر ہے، کما یعلم من کتب الطب۔ اب پینے والوں کی مختلف غرضیں ہیں، مختلف مزاج ہیں، مختلف طور ہیں اور مختلف خیال اور مختلف عادتیں ہیں، کوئی مرض کے لئے پیتا ہے، کوئی شوقیہ پیتا ہے، کسی کو کچھ نافع ہے، کسی کو مضر ہے، کوئی پی کر مہ صاف کرتا ہے، کوئی سڑا لیتا ہے، کوئی احتیاط سے پیتا ہے، کوئی بے احتیاطی سے، کوئی برا سمجھ پیتا ہے، کوئی اچھا جان کر پیتا ہے، یہاں تک کہ بعض روزہ میں پیتے ہیں۔

اور کہتے ہیں روزہ نہیں ٹوٹتا، کوئی بہت کثرت سے پیتا ہے، کوئی کبھی کبھی پی لیتا ہے۔ بعض کو اگر ایک گھنٹہ نہ ملے بے چین ہو جاتے ہیں، بعضوں کو کئی کئی روز تک خیال نہیں آتا۔ پھر تمباکو میں بھی بعض اقسام بہت تیز اور مضر ہیں، بعضے کم درجہ میں ہیں۔ کسی میں بونہ زیادہ ہے، کسی میں کم ہے، کسی میں نوبت نشہ یافتہ کی ہے، کسی میں نہیں، کوئی ایسی چیز کے ساتھ مرکب ہے جس سے اس کی خباثت کم ہو جاتی ہے، کوئی نہیں ہے، اسی طرح حقہ اور نیچہ میں بھی بعضے نیچے کے کپڑے پاک ہیں، کسی کے ناپاک کسی کے مشتبہ، کوئی پیچوان ہے اس میں اثر گلیل آتا ہے، کسی میں زیادہ آتا ہے، کوئی جلد جلد تازہ کیا جاتا ہے، کوئی کئی کئی دن تک سڑتا رہتا ہے، کوئی عام ہے سب کا منہ لگتا ہے جیسے تکیوں کے حقے، کوئی خاص ہے، غرض نہ سب پینے والے برابر نہ سب تمباکو ایک طرح کے۔ نہ سب حقہ و نیچہ ایک قسم کے سب متفاوت اور مختلف، ہر ایک کا حکم جدا۔ پس اگر کسی نے ضرورت شدید میں کسی مرض دشوار کے علاج کے لئے احتیاط سے بطور دوا کے کبھی ایک آدھ بار پی لیا، چنداں جرم نہیں، اور جو بعد ازاں بغیر ضرورت شوقیہ پیوے، جیسا آجکل شائع ہے، کہ یہی محفل کی زیب و زینت ہو گئی اور اسی کی خاطر تو واضح رہ گئی۔ اس کے نہ ملنے کی شکایتیں ہوتی ہیں کہ فلا نے حقہ بھی نہ دیا۔ اور زبان سے چاہے برا کہتے ہوں، اور شاید دل میں بھی جانتے ہوں، مگر ظاہر میں بے باکانہ اس کو پیتے ہیں۔ اور ذرا محبوب منقبض نہیں ہوتے، اور آخر میں مضر بھی ہوتا ہے اور منہ میں برابر بد بو آتی ہے، اور ہر منہ میں گھسا رہتا ہے، اور حواس میں بھی کدورت آ جاتی ہے اور تشبہ اہل نار کے ساتھ ہے کہ منہ اور ناک میں سے دھواں نکلتا ہے، اور خود دھواں اور آگ بھی آگ عذاب کا ہے، اس کے ساتھ متلبس رہتے ہیں، اس طور اس کا عادی ہو جانا، بسبب اجتماع ان امور کے بیشک برا اور سخت مکروہ ہے، پھر امور مذکورہ سابق کے تفاوت سے کراہت میں بھی تفاوت ہوگا۔ اور بعضے پینے والے جو حد احتیاط ہیں اور سڑے ہوئے حقے ناپاک نیچے، تیز تمباکو کہ پیتے پیتے نشہ ہو جاتا ہے اور شراب کی سی مدہوشی ہو جاتی ہے، اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں، حاصل یہ کہ کوئی حقہ زیادہ مکروہ کوئی کم مکروہ، کوئی حرام، کوئی ضرورت شدیدہ میں بطور دوا کے ایک آدھ بار روا، اور اس تقریر پر ممکن ہے تطبیق درمیان اقوال علماء و فقہاء کے جو مختلف ہیں اس کے اباحت و کراہت و حرمت میں، پس جیسا کسی نے موقع دیکھا ہوگا ویسا کہہ دیا ہوگا بہر حال پینے والا اس کا گناہ سے خالی نہیں اور اگر گناہ پر سخت گناہ ہے اور اکثر اہل کشف و روایات نے صاف کے اقوال سے معلوم ہوا کہ اس کا پینے والا مکروہ یعنی اکثر حالتوں سے نہ کہ کل حالتوں میں اور نیز یہ امر بھی قابل تحقیق ہے کہ اس سے جو مزاج میں تغیر ہوتا ہے اور اثر تفتیر کا ہے مثل افیون کے یا حدت کامل مرچ کے ۱۲

محفل مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دخل نہیں پاتا، اور بعضوں نے اس کے پینے والوں کو معذرت بھی دیکھا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ شعر

تما کو نوش راسینہ سیاہ است اگر باور نداری نے گواہ است

ہذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم، (امداد ج ۲ ص ۱۳۹)

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے | سوال (۵)، ساند کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ چونکہ اس مقلدین میں اختلاف ہے، لہذا مفصل تحریر فرمائیے، اور تفسیر احمدی ہوئے جانوروں کا حکم

ملاحظہ فرمائیے اور ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبة الخ کا کیا مطلب ہے؟

الجواب۔ اس میں تفصیل ہے، ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے غیر اللہ کے نام پر جانور کر دیا، اور اسی نیت سے اس کو ذبح کیا، گو وقت ذبح بسم اللہ بھی کہے یہ تو حرام ہے۔ قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے، اور کتب فقہ درمختار وغیرہ میں تصریح گماندہ کو ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام محض تعبیر و عنوان میں ہے نیت میں ان کا تقرب و ترضی مقصود نہیں، جیسے قد میں عقیقہ کے وقت یہ کہنا وارد ہے ہذا عقیقۃ فلان یہ بلاشبہ حلال ہے، اور صاحب تفسیر احمدی اسی کو حلال کہتے ہیں۔ چنانچہ ان کا منہیہ اس کا شاہد ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بہ نیت و عقیقہ فاسدہ اس کو چھوڑا، اور حاکم وقت نے کسی وجہ سے اس کو پکڑ کر نیلام کر دیا۔ اور کسی نے خرید کر اس کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، کیونکہ استیلا، موجب ملک ہے جب مالک وہ پہلا شخص نہ رہا اس کا فرد نہیں، قابل اعتبار نہیں، چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اسے نیت بد سے چھوڑ دیا تھا، دوسرے شخص نے چرا چھپا کر ذبح کیا، یہ حرام ہے دودجہ سے، اول فساد نیت مالک سے کیونکہ سائبہ کرنے سے خارج عن الملك نہیں ہوتا، دوسرے غصب و سرقہ کی وجہ سے پانچویں صورت یہ ہے کہ مالک نے اپنی نیت فاسد سے توبہ کر لی اور اس حیوان کو ذبح کیا یہ حلال ہے، ارتفاع علۃ النہی اور ما جعل اللہ الخ کا مطلب اس فعل کی نفی ہے جو مزعوم کفار تھا، یعنی حرمت ارتفاع بوجہ تعظیم و احترام۔ واللہ اعلم۔

(امداد ج ۱ ص ۱۴۶)

ایضاً | سوال (۶)، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل ہندو اپنے مردوں یا دوتاؤں کے نام گائے کو داغ لگا کر یا بلا داغ چھوڑتے ہیں، جس طرح سے بعض مشرکین شیخ سڈو یا پیران پیر وغیرہ کے نام کا بکرا یا مرغ چھوڑتے ہیں، اسی طرح سے اہل ہندو گائے کو

مستبرک سمجھ کر چھوڑتے ہیں اب ایسے گایوں کی اولاد ہو کر بہت سی ہو گئی ہیں، اس طریقہ کی چھوٹی ہوئی گایوں کا یا ان کی اولاد کا ذبح کر کے گوشت کھانا جائز ہے یا ناجائز؟
الجواب جو جانور بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں اور ان کی جان لینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف کام لینے سے آزاد کرنا مقصود ہوتا ہے وہ مکاتیل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں ہیں، ان کو سائبہ کہتے ہیں۔ اور ان کی حرمت صرف بوجہ ملک غیر ہونے کے ہے کہ وہ مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتے۔ اگر مالک کسی کو ان کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دیدے تو وہ حلال ہیں۔ ایسی گایوں کی اولاد بھی مالک کی ہوتی ہے۔ پس ان گایوں یا ان کی اولاد کو بلا اجازت مالک کی کھانا حلال نہیں ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ غفرلہ، سنہری مسجد دہلی۔

الجواب، صحیح علی ما قال مولانا کفایت اللہ سلمہ۔

کتبہ اشرف علی عنی عنہ ثامن شعبان ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۶۱)

سوال (۷۷) جو جانور یا شیرینی وغیرہ ہنود اپنے بتوں پر یا استیلا فروخت کر دینے کے بعد وغیرہ پر چڑھاتے ہیں اگر حسب دستور بیجاری یا برہمن اس پر قبضہ کر کے اُسے بچیں، تو کیا اس کو خرید کر کھانا یا اور کوئی فائدہ اٹھانا جائز ہے؟ مالک کی طرف سے بیجاری یا برہمن کو ہر قسم کے تصرف کا اذن تو حاصل ہے للعرف والعادۃ، مگر دیکھنا یہ ہے کہ علت حرمت یعنی غیر اللہ کے لئے نامزدگی بیجاری وغیرہ کے اس قبض و تصرف سے مرتفع ہو جائے گی۔ یا نہیں؟

الجواب مرتفع نہ ہوگی بلکہ اس کو مالک بنانے سے چونکہ اس نیت فاسدہ کا تدارک ایسے محل میں مالک کی قدرت سے خارج ہو گیا، اس لئے اس محل میں اس نیت کا اثر پورے طور سے متقرر ہو گیا۔ اب اس کے ارتقاء کی یہی صورت ہے کہ یہ بیجاری اس کو واپس کر دے، اور پھر وہ اس نیت سے توبہ کر لے، پھر خواہ خود اپنی ملک میں رکھے یا کسی اور کی ملک کر دے، یہ چیز نیت نہیں دیکھا، مگر قواعد سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۵۰)

سوال (۷۸) میں ایک ٹھاکر کے یہاں ملازم ہوں، کھانا بھی ان کے یہاں سے آتا ہے، گوشت ان کے یہاں پکتا ہے جس کے متعلق مجھے تردد ہے، گوشت یا تو وہ شہر سے منگاتے ہیں، یا مجھ سے بکرہ ذبح کراتے ہیں، میرے خیال میں جب بھی گوشت ان کے یہاں پکتا ہے

میرا ہی ذبح کیا ہوا پختہ ہے، لیکن چونکہ وہ گوشت نظروں سے غائب ہو جاتا ہے اور گھر کے اندر سے پک کر آتا ہے اس لئے میں نہیں کھاتا بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا کہ "اسی گوشت میں سے ہے" دیانت میں داخل نہیں، اور اس کا جائز ہے۔ پکا ہوا کھانا دیتے وقت وہ کچھ بھی نہیں کہتے، دریافت کرنے پر بھی کہتے ہیں کہ آپ کا ذبح کیا ہوا گوشت ہے یا مثل اس کے اور کوئی بات، بہر حال مجھ کو کیا کرنا چاہیے، آیا گمان غالب پر کھالینا چاہیے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے ہی ہاتھ کا ذبیحہ گھر میں سے پک کر آتا ہے۔ قاضی خاں وغیرہ نے تو ان شبہات کو رفع کیا ہے، یعنی اگر وہ یہ کہیں کہ یہ گوشت اسی میں کا ہے تو معاملہ ہے اور اگر کہیں کہ تمہارا یا کسی مسلمان کا ذبیحہ ہے، تو دیانت ہے، لیکن مجھ کو ابھی اطمینان نہیں ہوا ہے، لہذا مفصل جواب تحریر ہے۔

الجواب - فی الدر المختار ویقبل قول کافرو لم یجوز سیاقا ل اشتريت اللحم من کتابی فیحل اذ قال اشتريت من مجوسی فیموم ولا یروہ بقول الواحد واصلہ ان خیر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لانی الدیانات اھ پس کافر کا یہ کہنا کہ یہ اُسی ذبیحہ کا گوشت ہے منجملہ دیانات متعلقہ ص و حرمت ہے، لہذا حسب روایات بالا اس کا قول مقبول نہیں جیسا ظاہر ہے۔

قلت هذا هو القول المشهور وفيه سلامة العوام لكن فانت فيه دقيقة ذمی ان هذا اذا لم یقم علی کونه ذبیحة للمسلم دلیل الا قول الکافر فیصح فیہ الحكم اما اذا حقت به قرائن قوية تفید الطمانیة بكونه هو فهو حلال بلا تلثم لان العلم فی هذه الصورة یكون بالدلیل غیر قول الکافر تطییرہ ما ورد فی الاحادیث ان بعض من صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما حلت القبلة شهد قباء وقت الفجر وشهد ان القبلة تحولت فتحوّلوا عن اخرهم مع ان خیر الواحد ظنی والقبلة السابقة كانت طعنة فكيف رأو الظن معارضا للقطعی فذلك الذی ذكرت هو الوجه فی هذا الحديث فان اکتتم فی الصورة المسئلة لا یاس به بشرط شهادة القلب انه هو فقط والله اعلم

(امداد، ج ۲، ص ۱۴۷)

بچھو کی راکھ حلال ہے سوال (۹)، خاکستر عقرب کا استعمال اکلاً جائز ہے یا نہیں جب وہ جل کر خاک ہو گیا تو بوجہ قلب ماہیت جائز ہو جانا چاہیے کا لخر المتخلل وغیرہ۔

الجواب - جائز ہے، لما ذکر فی السؤال فقط والله اعلم، ۱۰ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۲، ص ۱۴۷)

سوال (۸۰۶) شخصے باگاؤ میں حاملہ قیمتی تخمیناً صد روپیہ زنا کر دآں گاؤ
جس جانور سے کسی نے بدلی | کئی ہو اُس کا حکم
میش را چسہ کردہ شود، اگر چار پایہ دیگرے باشد و انزال نہ کردہ
است کہ اور اسیر کردند آں چار پایہ را چسہ کردہ شود حکم گشتن و بعد گشتن سوختن بعلت
عار و حمل میدہند، و جائے کہ این ہر دو علت نباشد حکم چسیت و جائے کہ باشند و مالک
چار پایہ نہ کشد برائے شیر نوشی دار و گنہگارست یا نہ؟

الجواب۔ فی الدر المختار و لا یجد بوطی بھیمۃ بل یعذر و تذبیح شو تحرق و بیکرہ
الانتفاع بہا حیات و میتہ مجتبیٰ فی التہر الظاہر انہ یطالب ندباہ فی الشامیۃ قولہ و تذبیح
ثم تقطع ای تقطع امتداد التحدث بہ کلمار و یت و لیس بواجب کما فی الہدایت و غیرھا
و هذا اذا كانت مالا یوکل فان كانت توکل جازا کلمھا عندہ و قال تحرق ایضا فان كانت
الدابة لغير الوطی یطالب صاحبھا ان یدفعھا الیہ بالقیمۃ شو تذبیح و فیھا قولہ
الظاہر انہ یطالب ندباہ الخ ای قولہ حر یطالب صاحبھا ان یدفعھا الی الواطی لیس
علی طریق الجبر اھ :

ازیں روایت ظاہر گشت کہ این ذبح و احراق علی سبیل الوجوب نیست و اخذ مال کے
بلا طیب خاطر ادا یا اتلاف او بلا رضائش حرام است و ارتکاب حرام برائے اقامت مندوب ظاہر
است کہ ناجائز است و ہم ظاہر شد کہ عند الامام اکل او و شرب لبن او ہم جائز بلا کراہت ہست
پس در صورت مسئلہ از نشان بہیمہ چیزے تعرض نہ کردہ شود چوں مالک او گوارہ نمی کند۔

الرحب ۳۲۴ (امداد جلد ۲ ص ۱۵۴)

سوال (۸۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین کہ جس
اشیائے خوردنی میں کیرے | پڑ جاویں اس کا حکم
اناج یا آٹے میں کیرے پیدا ہو جاویں اس کا کھانا، اور جس گولہ میں
بھنگے ہوں یا جس شربت اور تر چیز میں چینوٹے گر کر جاویں اس کا کھانا پینا شرعاً حرام
ہے یا حلال؟

الجواب۔ ان کو نکال کر پھر کھانا پینا حلال ہے۔ یکم جادی الاولیٰ ۳۲۴ھ (امداد ج ۲ ص ۱۵۸)
ایضاً سوال (۸۲) برکہ یا پھل مثل گولہ وغیرہ میں جو کیرے پیدا ہو جاتے ہیں ان کیروں کا کھانا
جائز ہے یا نہیں؟ بہتیرے سرکہ میں گل کر مخلط ہو جاتے ہیں جن سے احتراز ناممکن ہے؟

الجواب۔ فی الشامی عن الطحاوی و یؤخذ منہ ان اکل الجبن او الخل او الشمار

کالتیق بدوۃ لا یجوز ان نفخ فیہ الروح ام جلد ۵ ص ۲۹۹، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کیرٹروں کا کھانا جائز نہیں، اور جو مخلوط ہو گئے، وہ ضرورت کی وجہ سے عفو ہیں کثافات الو لا ترح بخرج حمام وعصفور مع حرمة تناولہما۔

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد جلد ۲ ص ۱۴۰)

جو مچھلی شدت حرارت سے | سوال (۸۳) تھوڑے پانی میں جو مچھلیاں بوجہ شدت حرارت مر جائیں
مر جائے اس کا حکم | ان کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب۔ درست ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۴ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۴۰)
ایضاً | سوال (۸۴) پانی کے اندر اگر مچھلیاں دھوپ کی گرمی سے یا بیماری سے مر جائیں ان کا
کھانا کیسا ہے؟

الجواب۔ فی الدرامم مختار مامات بحر الماء الخ اس سے معلوم ہوا کہ دھوپ کی گرمی سے
مرنے سے کھانا جائز ہے، مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ بیماری سے مری ۹ صفر ۱۳۲۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۶)
کئی گلاس پانی پینے سے صورت میں | سوال (۸۵) اگر کسی شخص کو اس شدت سے تشنگی ہے کہ وہ تین یا چار
ہر گلاس کو تین سانس میں پینا | گلاس پانی پیوے گا تو اس شخص کو ہر گلاس کے پانی کو تین سانس میں پینا
چاہیے یا وہی تین یا چار گلاس جو ٹھیک ٹھیک کر بھر کر پیوے گا تین سانس کا حکم میں سمجھے جاوے گا؟
الجواب۔ ہر گلاس کو تین سانس میں پیوے کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا تیسرا گلاس کچھ فصل سے
پیوے تو وہ مجموعی کئی بار کا پینا ہوگا، اور سانس لینا ایک بار کے پینے میں ہے (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۶)

ماہی رویاں کا حکم | سوال (۸۶) جھینگہ مچھلی کی حلت مشہور ہے، مگر مجھ کو اس میں تردد ہے، غالباً
جناب کو تحقیق ہوگی کہ یہ جانور اگر حلال ہے تو کیوں حنفیہ کے نزدیک دریائی جانوروں میں سوائے
سمک حلال نہیں، محض نام میں مچھلی کا اطلاق تو سبب حلت ہو نہیں سکتا، اور خواص میں تغایر ہے
کیونکہ اس کی ٹانگیں ہوتی ہیں اور گلا کٹا ہوا نہیں ہوتا، تو اگر اس کو مچھلی میں داخل کیا جاتا ہے تو کیوں؟
شامی عالمگیریہ میں ملا نہیں، حامد یہ میں اختلاف نقل کیا ہے، جو قول محقق جناب کے نزدیک ہو تحریر فرمائیں
کہ خلیجان رفع ہو؟

الجواب۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سمک مجموع النواع حلال ہے، اب صرف شبہ اس میں
ہے کہ یہ سمک ہے یا نہیں، سو سمک کے کچھ خواص لازمہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتے کہ ان کے
انتفاء سے سمکیت منتفی ہو جائے، اب مدار صرف عدل مبصرین کی معرفت پر رہ گیا ہے اور اگر مبصرین میں اختلاف

ہوگا تو حکم میں بھی اختلاف ہوگا، چنانچہ اسی وجہ سے جریت میں امام محمدؒ مخالف ہیں، کما نقضہ الشامی، اس وقت میرے پاس حیوۃ الحيوان دسیری کی جو کہ ماہیات حیوانات سے بھی باعث ہے موجود ہے اس میں تصریح ہے الروبیات ہوسمٹ صغیر جذاً اور اس کے مقبول ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ پس مقیقہ حلت کو ہے، مخزن جو کہ نیز باعث ہے ماہیات ادویہ سے اس میں گو اس کو ماہی سے تعبیر کرنا حجت نہیں مگر آگے اس کو حلال کہنا صاف قرینہ ہے کہ اس نے اس کو ماہیت ماہی میں داخل کیا ہے، پس اس سے اور بھی تائید ہوگئی، بہر حال احقر کو اس وقت تو اس کے سمک ہونے میں بالکل اطمینان ہے۔ ولعل الشیخ یرث بعد ذلک امراً، واللہ اعلم۔

۱۱ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ (امداد ج ۲ ص ۱۴۴)

ایضاً سوال - (۸۷) اوجھڑی کا کھانا مکروہ کس قسم کا ہے، اور جھینگا دریائی کہ جو یہاں اور مدراس میں اکثر کھایا جاتا ہے کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب فقہار نے اوجھڑی کو بمنزلہ لحم لکھا ہے۔ کافی رد المختار (ج ۲ ص ۲۰۹، س ۱۰) اور در مختار وغیرہ میں تمام انواع سمک کو حلال کہلائے، اور سمک ہوتا یہ عدول مبصرین کے اخبار پر ہے، اور جھینگا مچھلی کو حیوۃ الحيوان میں سمک لکھا ہے، اس لئے اوجھڑی اور جھینگا مچھلی دونوں حلال ہیں، اور جھینگا کے لفظ سے شبہ نہ کیا جاوے، جیسا مارماہی کی حلت مصرح ہے اور لفظ مار سے اس میں شبہ نہ کیا گیا۔ ۹ رجب ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۵۰)

خشک مچھلی کھانا سوال (۸۸) جو مچھلی آلائش بغیر دور کئے ہوئے اس کے معدہ سمیت خشک کر لی جاتی ہے، اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب - اس کو شرکات دے کر دھو کر پاک کر کے کھانا درست ہے فقط

۸ محرم ۱۳۳۶ھ (تمتہ اولی ص ۱۴۰)

سوال (۸۹) ایک دلیل ہیں جنہیں کچھ اسلامی خیال بھی ہے گو مائل بہ بدعت گولر کے بھنگے کی حرمت ہیں انھوں نے بہشتی زیور میں چند شکوک پیدا کئے اور دکھلائے حصہ سوم بہشتی زیور میں جو مسائل بعنوان حلال و حرام چیزوں کا بیان کے لکھے ہیں، ان میں اوجھڑی کو حلال لکھا ہے اور گولر کے بھنگے کو حرام اور آرسی میں منہ دیکھنا ناجائز، ان ہر مسئلوں کی بابت وہ فقہی روایت کے طالب ہیں۔

الجواب - اوجھڑی کی حلت اس لئے ہے کہ اس میں کوئی وجہ حرمت کی نہیں، فقہاء نے

اشیائے حرام کو شمار کر دیا ہے، یہ ان کے علاوہ ہے۔ یہ شمار درمختار کے مسائل شتی میں مذکور ہے۔
والغدة والخصية والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذکراہ اور گولر کے بھنگے وغیرہ کا
عدم جواز ردالمحتار ج ۵ ص ۲۹۹ س ۲ میں مرقوم ہے، قال ویؤخذ ان اکل الجبن او الخل
او الشارک النبق بدوۃ لایجوز ان تفتح فیہ الروح اھ اور آرسی کا مسئلہ بالکل ظاہر ہے کہ
چاندی کے آئینہ کا استعمال حرام ہے اور اس میں منہ دیکھنا اس میں داخل ہے۔

۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۴ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۴۲)

سوال (۹۰) شاہجہاںپوری چینی جس کو مورس کی چینی وغیرہ بھی کہتے ہیں چینی
ریزہ دار چینی ہوتی ہے، اس کو بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑی سے صاف ہوتی ہے، تو بڑی سے صاف
ہوتی ہے یا نہیں، اور استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ بڑی کو جلا دیتے ہیں، پس وہ ظاہر ہوتی ہے، اس لئے
جواز استعمال میں کچھ شبہ نہیں۔ ۸ شعبان ۱۳۲۴ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۴۳)

سوال (۹۱) ایک شخص نے اپنے شتر کو خنزیر کا گوشت کھلایا بوجہ فریب
کھلایا گیا ہو اس کا حکم ہونے کے، اگر اس شتر کو ذبح کیا جاوے تو وہ گوشت اس اونٹ کا کھانا
جائز ہوگا یا نہیں؟

ایسے شتر کا گوشت حلال ہوگا، مگر ذبح سے پہلے بعض علماء کے نزدیک واجب ہے
کہ اس کو چند روز تک حلال چارہ دیا جائے اس کے بعد اس کو ذبح کیا جاوے، کذا فی الدر المختار
ورد المختار جلد ۵ ص ۳۳۳۔ عبارتہا کما حد اکل جدی غزی الی قولہ اثر و قولہ لان لحمہ الی
قولہ والالا، یوم بقر عید ۱۳۲۴ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۴۳)

سوال (۹۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید امام
مسجد نے چاروں کے گھر کا گھی وغیرہ کھانا | چاروں کے گھر کا گھی مول لے کر کھالیا اور مکھن بھی جو اس وقت اپنے برتن میں انھوں
نے بلوئی تھی کھاپی لی، پھر عوام کو فتویٰ دیدیا کہ بے شک لے کر کھاؤ یہ درست ہے، جبکہ ہم
ہندوؤں کے گھر کا اور ان کی دوکان کا کھاتے ہیں تو چاروں کے گھر کا کیوں ناجائز ہوگا۔

جیسے یہ کافر ویسے وہ کافر، چنانچہ اس کے کہنے سے کئی آدمیوں نے چاروں کے گھر کا گھی لے کر
کھالیا بلکہ وہ کہتا ہے، اگر چارے شتھری ہو تو اس کے ہاتھ کی پٹی ہوئی روٹی بھی کھانی جائز ہے، اب
اس معاملہ میں باشندگان دیہہ میں بہت غلبان پیدا ہو گیا ہے، لہذا التماس ہے کہ اگر ایسا ہی شرع شریف کا

حکم ہے، جیسا یہ امام مسجد فتویٰ دے رہا ہے تو اسلام میں بڑا ایک طوفان عظیم برپا ہو جائے گا جسبہ لشد اس کا انفصال بہت جلد فرما کر مطمئن فرمائیے تاکہ اس کے مطابق عملدرآمد ہو، اور ایسا شخص امت کے قابل ہے یا نہیں؟ بینوا تو جہروا۔

الجواب۔ وہ شخص ٹھیک کہتا ہے مگر ادھوری بات کہتا ہے، جہاں یہ مسئلہ ہے وہاں دوسرا مسئلہ بھی ہے دونوں ہی پر عمل چاہئے، اور وہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس مباح فعل میں بدننامی و شورش ہو اس سے اجتناب ضروری ہے، اتقوا مراضع المہم اور حدیث عظیم اس کی دلیل ہے۔

۲۶ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ رتہ ثانیہ ص ۴۶

سوال (۹۳) بام مجھی یا گوشت کہ بکروہ باشد یا کرم زدہ باشد خوردن بکروہ و حرمت کرم

آں در شرع چه حکم دارد؟

الجواب فی رد المختار کتاب الذبائح والجربیت سمک اسود مار ماھی سمک فی صورة الحیة و فی رد المحتار عن الطحطاوی ویوخذ منه ان اکل الجبن او الخل او الثمار کالنسیق بدو دة لا یجوز ان نفخ فیہ الروح ج ۵ ص ۲۹۹، و فی المرقاة علی قولہ علیہ السلام فکل ما لم یستن رواہ مسلم مانصہ قال علماؤنا ہذا من طریق الاستیعاب والافالنتن لا اثنولہ فی الحرمة اھ

روایات مذکورہ چند فائدہ بخشید اول آنکہ بام مجھی کہ بفارسی مار ماھی گویند و آن سمک باشد بصورت مار حلال ست دوم آنکہ گوشت اگر بکند حلال ست مگر بہتر آنست کہ نخوردند سوم آنکہ کرم خوردن حرام ست، ہاں اگر کرم دور کردہ گوشت را تناول کنند گو خلاف اولی است مگر حلال است،

(رتہ اولی ص ۳۱۹)

سوال (۹۴) جناب کے چند تحریر شدہ نسخے میرے پاس موجود ہیں، نصاریٰ کا تیار کیا ہوا کھانا انھیں کے برتنوں میں کھانا لیکن جو باتیں اس وقت دریافت طلب ہیں ان سے حل نہیں ہوئیں لہذا خدمت والا میں معروض ہے کہ امور ذیل کے متعلق نمبر وار اندوئے شرع شریف کے اطلاع بخشیں کہ اس ماحول اور واقعات کے اندر مذہب اسلام کہاں تک اجازت دیتا ہے، بینوا تو جہروا۔

(۱) یہاں اس سے تو آدمی بچ سکتا ہے کہ خنزیر کا گوشت یا نصرائیوں کا ذبیحہ یا ان جانوروں کی کسی قسم کی چربی کا استعمال نہ کرے، لیکن اس سے بچنا بہت مشکل ہے کہ ان کے ہاتھ کی تیار شدہ کوئی چیز بھی نہ کھائے۔ لہذا دریافت طلب یہ ہے کہ وہ چیزیں جو مذہب اسلام میں حلال ہیں مگر اگر

نصرانی اپنے برتن میں پکا کر کھلائے تو ایسے ملک میں جہاں دوسرا انتظام مشکل ہے، ان کے پکائے ہوئے کھانے کی مذہب اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ غالب گمان تو یہی ہے کہ حلال چیزیں جن برتنوں میں پکائی جاتی ہیں پکانے سے پہلے ان برتنوں کو دھوتے ہوں گے، پس بظن غالب وہ برتن پاک ہو جاتے ہیں لہذا ان کی بکی ہوئی چیزیں بھی پاک ہیں۔ البتہ اگر واقعات سے ان برتنوں کا ناپاک ہونا یقیناً یا بظن غالب معلوم ہو جاوے تو پھر گنجائش نہیں (تمہ خامسہ ص ۴۱۷)

رسالہ اسکات المنکر لآفات المسکر

بعد الحمد والصلوة احقر کے پاس آغاز ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۲ھ میں مشفق مکرم جناب حاجی وجیہ الدین صاحب ممبر لجسلیٹو اسمبلی کا ایک خط مع ان کی مطبوعہ تقریر مسماً بہ انسداد شراب نوشی کے آیا۔ جس میں مجھ سے اظہار رائے کی استدعا تھی، بناءً علیہ ایک مختصر مضمون لکھا گیا جو ذیل میں مع خط منقول ہے،

نقل خط

انسداد شراب نوشی | سوال (۹۵) مخدومی مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
غالباً جناب کو علم ہوگا کہ اس ناچیز کی تجویز متعلق انسداد شراب نوشی اجلاس لجسلیٹو اسمبلی میں پیش ہو کر باوجود گورنمنٹ کی سخت مخالفت کے ذرا سی ترمیم کے بعد کثرت آراء سے پاس ہو چکی ہے لیکن چونکہ ارکان گورنمنٹ کو رائے عامہ کا اظہار طرق مروجہ کے ذریعہ اب تک نہیں کرایا گیا اس لئے ہنوز روز اول ہے۔ اس ضرورت کو محسوس کر کے انسداد منشیات کے سچے حامی پادری اندرسن نے کلکتہ سے سفر اختیار کیا، اور ایک خاص جلسہ میں طے کرایا کہ اس تجویز کو نفاذ کرنے کے خاطر ضرورت ہے کہ دارالسلطنت دہلی میں ایک کانفرنس بتواتر ۲۹، ۳۰، ۳۱ جنوری ۱۳۴۲ء منعقد ہو، جس میں ملک کے مقتدر و مسلمہ نمائندگان شریک ہوں، تقاریر یہیں تحریری مضامین اور رسالے شائع ہوں، اور اس طرح ارکان حکومت پر ثابت ہو جاوے کہ اہل ہند کی متفقہ خواہش ہے کہ ام النجباءٹ کا انسداد کلی کر دیا جائے جیسا کہ اس ناچیز نے اپنے ریزولوشن میں تفصیل کے ساتھ مطالبہ کیا ہے، اور جس کی ایک نقل بغرض واقفیت ملفوف ہے، کانفرنس کی شرکت کی دعوت تو پادری صاحب موصوف روائہ کریں گے، لیکن بندہ نے ایک رسالہ شائع کرنے کی خدمت اپنے ذمہ لی ہے جس میں ملکی و مذہبی مقتدر

وسلمہ حضرات کی پیش قیمت آراء جمع کی جاویں گی، اس لئے مستدعی ہوں کہ براہ کرم بہت جلد تائیدی مضامین روانہ فرما کر ممنون فرماویں تاکہ رسالہ قبل از جلسہ تیار ہو کر شائع ہو سکے۔

مضمونِ احقر

الجواب۔ حامداً و مصلياً، دنیا میں جتنے مضمر افعال ہوتے ہیں خواہ وہ فاعل کی ذات تک محدود ہوں خواہ دوسروں تک متعدی ہوں، پھر تعدیہ کی صورت میں خواہ ان کا ضرر رعایا تک پہنچے خواہ سلطنت تک، ایسے سب افعال کا سبب دو امر میں منحصر ہے، ایک عقل کا ضعف و فتور دوسرا کسی جذبہ نفسانی کی قوت اور غلبہ جو باوجود عقل میں ضعف و فتور نہ ہونے کے بھی وہ جذبہ اپنی قوت سے عقل کے ساتھ مقادمت و مصادمت کر کے اس کو مغلوب کر دے، اس مقدمہ میں تو کسی حکیم کو خواہ وہ کسی ملت کا متبع ہو یا نہ ہو کلام نہیں ہو سکتا، اور اس مسئلہ مسلمہ و متفقہ سے اس کا لزوم بھی ظاہر ہے کہ اگر دنیا میں کوئی چیز ایسی ہو جس میں یہ دونوں اثر ہوں یعنی مزیل عقل بھی ہو اور مہیج مواد شر بھی ہو اس کے قبیح و واجب الانسداد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اب میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ایشائے مسکرہ جس کا نام خواہ شراب رکھا جائے یا تاڑی کہا جائے یا سیندھی کے لقب سے مشہور کیا جاوے سب ایسے ہی ہیں کہ ان میں یہ دونوں اثر ہیں، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اس کے استعمال سے عقل زائل یا ضعیف ضرور ہو جاتی ہے، بظاہر نظر تو صرف اس کے نشہ تک لیکن عن التحقیق بعد نشہ اترنے کے بھی، چنانچہ جو لوگ اس کے خوگر ہیں ان کی حالت عقلیہ قبل اس عادت کے اور بعد اس عادت کے دیکھ کر موازنہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے، اور اگر علی سبیل التزل بقار نشہ ہی تک ضعف عقل کو تسلیم کر لیا جاوے، تو اس ہی حالت میں بعض افعال ضعف عقل سے ایسے صادر ہو جاتے ہیں جن کا ضرر تمام عمر تک گلو گیر رہتا ہے، تو اس کے وجوب انسداد کے لئے یہ بھی کافی ہے، اسی طرح اس کے استعمال سے شہوت و غضب کو یقیناً ہیجان و ثوران ہوتا ہے، اور تمام مفاسد کا یاس و اساس ان ہی دو قوتوں کا اعتدال سے خارج ہو جانا ہے۔ پس جب اس میں یہ دونوں اثر ہوئے تو اس کے وجوب انسداد میں کس کو کلام ہو سکتا ہے اور یہاں سے مذہب اسلام کی اعلیٰ درجہ کی عقلی خوبی ثابت ہوتی ہے، کہ ایسی چیز کو جو کلام المفاسد و ابوالجرائم ہے، کیسے بلیغ اہتمام سے روکا ہے، اور اس انسداد سے دو طور پر خوبی ثابت ہوئی ایک یہ کہ ممانعت ایسی ہی چیز سے کی جس کی ممانعت فطرت سلیم بھی کرتی ہے، اور فطرت صحیحہ کے موافق ہوتا کسی مذہب کا اس کی اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے مگر ہر فطرت صحیح نہیں ہوتی۔ اس پر اسلام کا

منطبق ہو جانا ضروری نہیں، کما قیل ۛ

نہ انجیر شد نام ہر میوہ نہ مثل زبیدہ است ہر بیوہ

دوسرے یہ کہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اکثر طبائع میں زہرِ فلسفہ جذباتِ نفسانیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا، یہ قوتِ مذہب ہی میں ودیعت رکھی گئی ہے، تو گو مسکرات کا ضررِ فلسفی دلائل سے ثابت ہے مگر اسلام نے اس مجرب اصول کی رعایت فرما کر مذہب کے طور پر اس کو حرام کر دیا، تاکہ بالکل تیسرے انسداد ہو جاوے (اور یوں کوئی مذہب ہی کی عقیدت یا عظمت کو دل سے نکال دے، اس کا تو علاج نہیں، جیسے کوئی دوا گواکسیر کے درجہ کی ہو، لیکن کوئی اس کا استعمال ہی نہ کرے تو اس سے اس کی خوبی میں کیا کمی ہو سکتی ہے، ہا تو دوسری خوبی اسلام کی اس طرح ثابت ہوئی کہ اس کی حرمت کو مذہب قرار دیا اور اس انسداد کے احترام کو جو میں نے اوپر بلیغ کہا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسکے روکنے کے لئے اسلام نے دو عنوان اختیار کئے ہیں، ایک حاکمانہ دوسرا حکیمانہ، کیونکہ بعض طبائع پر مذہب کا اتباع غالب ہوتا ہے، ان پر حکیمانہ عنوان زیادہ مؤثر ہوتا ہے، چنانچہ سورہ مائدہ میں اس باب میں جو آیتیں ہیں ان میں سے پہلی آیت میں حاکمانہ عنوان ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور فلاں فلاں چیزیں یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو“ اور دوسری آیت میں حکیمانہ عنوان ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہاری آپس میں (برتاؤ میں) عداوت اور (دلوں میں) بغض واقع کرے، چنانچہ ظاہر ہے کہ شراب میں عقل نہیں رہتی، گالی، گلوچ، دنگہ فساد ہو جاتا ہے، جس سے بعد میں طبعاً کدورت باقی رہتی ہے) اور (شیطان یوں چاہتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے (جو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کا سب سے اچھا طریقہ ہے) تم کو باز رکھے (چنانچہ یہ بھی ظاہر ہے کہ شراب میں ہوش ہی بجا نہیں رہتے انجہ جب یہ ایسی بُری چیزیں ہیں) سو (بتلاؤ) اب بھی باز آؤ گے“ بیان القرآن سے ترجمہ ختم ہوا۔ اس حکیمانہ عنوان میں اس فلسفہ کی طرف اشارہ ہے جو ابتدائے تقریر میں مذکور ہے، یعنی اصل عقل یا کمال عقل کا زوال، اور جذباتِ نفسانیہ کا ہیجان و اشتعال، چنانچہ ترجمہ کی تقریر سے واضح ہو چکا، اور ظاہر ہے ایسے دو مؤثر عنوانوں کا جمع کرنا کتنی بڑی بلاغت ہے، پھر بلاغت میں دوسری ترقی یہ فرمائی کہ مضرتوں کی فہرست میں دو قسم کی مضرتوں کا ذکر فرمایا، دنیوی مضرت کا بھی اور وہ بھی سب مضرتوں کی جڑ، یعنی باہم جنگ و جدل جو دنیوی مضرتوں میں سب سے بڑھ کر مضرت ہے، چنانچہ سب کا اتفاق ہے کہ تمام تمدنی و معاشرتی و سیاسی مضرتوں کی اصل الاصول باہمی اتفاقی

ہے، اور دینی مصرت کا بھی یعنی اللہ کی یاد سے اور نماز سے محرومی جن کی عظمت اور اصل الطاعات ہونے کو اہل مذہب جانتے ہیں تو اس فہرست میں اس کا جامع المضار ہونا بتلادیا، اور جامعیت کا موجب بخلت ہونا ظاہر ہے، اس کے ساتھ تیسری ترقی کی طرف بھی اشارہ قریب بصراحت ہے، اس کی تقریر یہ ہے کہ دوسری نصوص میں اللہ کی یاد کی اور نماز کی خاص خاصیتیں مذکور ہیں، مثلاً ایک آیت میں ارشاد ہے کہ ”جو لوگ، خدا تر (ہیں) جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے (غصہ کا یا اور کسی امر کا) آجاتا ہے تو وہ (فورا خدا کی) یاد میں لگ جاتے ہیں (جیسے استعاذہ و دعا اور خدا تعالیٰ کی عظمت و عذاب و ثواب کو یاد کرنا) سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں (اور حقیقت امر ان پر منکشف ہو جاتی ہے جس سے وہ خطرہ اثر نہیں کرتا۔ از بیان القرآن، یعنی وہ گناہ ان سے صادر نہیں ہوتا، اور مثلاً دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اور دوسرے درجہ کے مسلمان ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں (دوسروں پر) زیادتی ہو یا (کوئی گناہ کر کے خاص) اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو (معاً) اللہ تعالیٰ رکی عظمت اور عذاب کو یاد کر لیتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں، یعنی اس طریقہ سے جو معافی کے لئے مقرر ہے، کہ دوسروں پر زیادتی کرنے میں ان اہل حقوق سے بھی معاف کراوے، لئے قولی، اور وہ لوگ اپنے فعل (بد) پر اصرار (اور ہٹ) نہیں کرتے، از بیان القرآن اور مثلاً تیسری آیت میں ہے کہ بیشک نماز (اپنی وضع کے اعتبار سے) بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے (یعنی بلسان حال کہتی ہے کہ جس معبود کی تو اتنی تعظیم کرتا ہے فحشاء و منکر کے ارتکاب سے اس کی بے تغلیبی نہایت زیبا ہے، از بیان القرآن، پہلی آیت میں اللہ کی یاد کی یہ خاصیت مذکور ہے کہ اگر طریق صحیح سے یاد ہو تو پھر جرائم کا صدور نہیں ہوگا۔ اور دوسری آیت میں اسی اللہ کی یاد کی یہ خاصیت مذکور ہے کہ اگر ابتداء میں یاد نہ رہنے سے جرم کا صدور ہو جائے تو بعد صدور کے وہی یاد اس جرم کے تدارک و تلافی کا سبب ہو جاتی ہے، اور تیسری آیت میں نماز کی خاصیت مذکور ہے، کہ اگر نماز کی حقیقت میں بصیرت سے نظر کیا کرے تو وہ جرائم کی ابتداء و بقاء سے مانع ہو جاتی ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسے نمازی کا حال سن کر جو چوری بھی کیا کرتا تھا، یہ ارشاد مستنہاہ ما تقول رواہ احمد و ابن حبان و البیہقی کذا فی روح المعانی یعنی وہ نماز اس عیب سے روک دیگی جو تم اس میں بتلاتے ہو، اسی بنا پر ہے کہ آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا کہ یہ شخص بصیرت فی الصلوٰۃ سے کام لے گا اس لئے اس فعل کو چھوڑ دیگا اب ذکر و صلوٰۃ کی ان خاصیتوں کو پیش نظر رکھ کر آیت مائدہ کا حاصل یہ ہوا کہ ذکر و صلوٰۃ جو کہ تمام معاصی

و مفاسد کے صدور و اصرار کا قفل ہے، شراب ایسی بُری چیز ہے کہ اس قفل سے دور کرتی ہے، تو لا محالہ وہ کلید ہوئی تمام خرابیوں کی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شراب اس مادہ کو ضعیف کرتی ہے جو تمام شرور کو روکنے والا تھا، یہ تیسری ترقی ہوئی کہ گویا ہر اُصرف ذکر و صلوٰۃ سے باز رکھتی ہے مگر بواسطہ تمام شرور کی طرف رہبری کرتی ہے، جن میں دنیوی مضار بھی آگئے اور دینی بھی، تو جس چیز کو آیت مائدہ میں دینی مضرت بتلایا ہے وہ اپنے اثر سے دنیوی مضرتوں کا بھی سبب ہو گیا، یہ تو اسلام نے آیات سے اس کا انسداد فرمایا ہے، اور احادیث تو اس مادہ میں بے شمار ہیں، کتب حدیث میں نکلنے سے معلوم ہو سکتا ہے، جن میں سے بعض حدیثیں حاجی وجیہ الدین صاحب کی تقریر معنوں بہ انسداد شرابیہ میں بھی مذکور ہیں۔ اور جن عقلی مضرتوں کو میں نے اجمالاً ذکر کیا ہے اس تقریر میں قدسے مفصل ہے، اسی لئے میں نے اجمال پر اکتفا کیا، اب اپنی اس تقریر کو دوسوالوں کے جواب پر ختم کرتا ہوں۔ ایک سوال یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ شراب پیتے ہیں مگر ایسے اعتدال کے ساتھ کہ ان سے کوئی شرارت صادر نہیں ہوتی؟ جواب یہ ہے کہ مادہ تو شرکاں میں موجود ہے یعنی ضعیف عقل بھی جس کی طرف شرع تقریر میں بضمن مشورہ موازنہ اشارہ کیا گیا ہے، اور ہیجان جذبات بھی (جو کہ مشاہد ہے) تو یہ عدم صدور شرکا عارضی ہے جو قابل اعتبار نہیں، دوسرے تجربہ ہولہ ہے کہ یہ اعتدال رہتا نہیں، تو پھر شر لازم ہے، تیسرے اس کو دیکھ کر دوسرا اختیار کرے گا، اور وہاں اعتدال نہ ہوگا، اور شر کا سبب بنتا یہ بھی شر ہے، تو یہ کہتا غلط ہوا کہ اس شخص سے شر کا صدور نہیں ہوا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ بعض لوگ شراب نہیں پیتے اور شرابی نہیں کرتے ہیں، جواب یہ ہے کہ وہاں اور اسباب ہیں اور عقل اور شرع ان سے بھی روکتی ہیں، سو ہم یہ تو دعویٰ نہیں کرتے کہ اس کے سوا اور کوئی سبب شر کا ہے ہی نہیں، ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ یہ بھی بڑا سبب شر کا ہے، تو دوسرے اسباب کا وجود ہمارے اس دعوے میں مضرت نہیں، ولتختم الکلام بالحمد لله المنعم والسلام علی سید الانام

۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ (تمہ خامہ ص ۴۱۲)

سوال (۹۶) جو شخص کہ خود مچھلی پکڑ نہیں سکتا وہ کس طرح کھا سکتا ہے؟
جواب پکڑنے والا اس کو ہدیہ دیدے یا اس کے ہاتھ بیع کر دے۔

۱۵ اردی الحجہ ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳ ص ۱۳۷)

سوال (۹۷) کھانا کھانے کی ابتداء تک کھانے سے کرنے کو اور ختم ختم کرنے کی روایت کی تحقیق۔
طعام بھی تک کھانے سے کرنے کو اکثر کتب متداولہ معتبرہ میں

منجملہ آداب و سبب طعام لکھا ہے۔ احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، رد المحتار، فتاویٰ عالمگیریہ، دارالمنتقی، عین العلم وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے، مگر ایک شخص اس کو نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ جب تک ثبوت اس کا قول یا فعل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی صحابی کے قول یا فعل سے نہ ملے، محض فقہاء حنفیہ و بعض صوفیہ کے لکھنے پر اس کا ادب و سبب ہونا قابل تسلیم و وثوق نہیں۔ ایسے حال میں علماء کرام سے دو سوال ہیں۔ اول یہ کہ قول قائل مذکور کا صحیح ہے یا نہیں۔ بتقدیر ثانی کیا غلطی خیال قول میں قائل مذکور کے ہے، اور اس کا جواب کسکت اور تشفی بخش کیا ہے، دوم اگر کسی قول یا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی صحابی کے قول یا فعل سے ثبوت سنیت و استحباب ابتداء و اختتام بہ شک نظر سے آپ حضرت کی گذرا ہو تو یہ نقل اس کے رفع شبہ فرمائیے، بینوا توجروا؟

الجواب: فی احیاء العلوم و یبدأ بالملاح و یختار بہ فی شرحہ للزبیدی ہکذا نقلہ صاحب القوت و صاحب العوارف قال الاخیروی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یا علی ابدأ طعامک بالملاح و اختار بالملاح فان الملاح شفاء من سبعین داءً منها الجنون والجذام والبرص و وجع البطن و وجع الاضراس و ذکرہ ابن الجوزی فی الموضوعات و سیاقی الکلام علیہ فی الفصل الاخیروی الخرجہ البیہقی فی الشعب بلفظ القوت الخ و روی ابن الجوزی فی الموضوعات الخ ثور قال لا یصح والمتہر عبد اللہ بن احمد الطائی وابوہ فانہما یرویان نسخۃ من اهل البيت کلہا باطلۃ اھ و فی ذیل اللالی للسیوطی الموضوع لا یراد الموضوعات من اکل الملح قبل الطعام و بعد الطعام فقد امن من ثلاث مائۃ و ستین نوعاً من الداء اھونہا الجذام والبرص اھ

ان سب عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شخص کا یہ قول صحیح ہے، اور اس کا ثبوت کہیں نظر سے نہیں گذرا، باقی اس سے فقہاء و صوفیہ پر اعتراض بھی نہیں ہو سکتا، اس واسطے کہ کل فن رجال اور ہر فقیہ و صوفی کے لئے محدث ہونا لازم نہیں، البتہ فقیہ معنی مجتہد کے لئے احادیث احکام پر مطلع ہونا ضروری ہے، سو یہ ادب مجتہد مذہب سے منقول بھی نہیں، اس لئے ان پر بھی کوئی شبہ نہیں ہو سکتا، نیز اس سے کتب مذہب کا غیر معتبر ہونا بھی لازم نہیں آتا، کیونکہ وہ کتب تدوین مذہب منقول عن المجتہد کے لئے موضوع ہیں۔ اور یہ امور خود مجتہد سے منقول نہیں۔ اور یہ سب کلام بابت عدم صحت روایت مسئلہ عنہا اور صحت قول قائل مذکور فی السؤال باعتبار اس روایت کے بعینہ منقول صریح و مرفوع ہونے کے ہے۔ اور باعتبار اس قول کے صحیح فی نفسہ ہونے کے ہے، باقی

من وجہ موقوفہ فاصرتکما اور برسر فوٹا استنباطاً بانضمام بعض قواعد صحیحہ اس روایت کی اصل اور ماخذ ثابت ہے، اور اس قائل کا مقصود اگر کتب فقہ و تصوف کے معتبر ہونے کی نفی ہو تو وہ قول صحیح نہیں، چنانچہ وہ روایت موقوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بدیں لفظ احیاء میں منقول ہے:-

من ابتداء غداءه بالملح اذهب الله عنه سبعين نوعاً من البلاء، اور زبیدی نے یہی سے اس کی تخریج کر کے کوئی کلام نہیں کیا اور برسر فوٹا مقاصد حسنہ میں بہ تخریج ابن ماجہ ابو یعلیٰ و طبرانی و قضاوی بر روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ الفاظ وارد ہیں سیداد افکھ الملح اور اصل مقتضی سیادت کا یہ ہے کہ وہ اول و آخر دونوں محل میں ہو اور بہت مواقع پر یہ نکوینا و تشریعاً اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول الانبیاء و اول الانبیاء و اول الانبیاء بنیاء ظہور ہیں۔ اور خود طعام کے قبل اور بعد ذکر اللہ وارد ہے اور دھار کے شروع اور ختم دونوں پر درود شریف مامور بہ ہے، اسی طرح بہت سی احکام ہیں، پس یہ ماخذ ہو سکتا ہے نمک سے ابتداء اور اس پر اختتام کرنے کا، لیکن یہ عبادات سے نہیں، اس معنی کہ استنجاب کا حکم نہیں کر سکتے لیکن چونکہ عادات مرضیہ موافقہ للقاء بعد الشرعیہ میں سے ہے، اسلئے مستحب یعنی محبوب مرغوب فیہ کہہ سکتے ہیں، اور اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ قائل قول مذکور کا مقصود اگر اسکی بالکلیہ نفی یا کتب مذہب کے غیر معتبر ہونے کا دعویٰ ہو تو وہ قول صحیح نہیں۔ ۹ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۳)

آب سیندھی کا حکم | سوال (۹۸) درخت سیندھی سے جو پانی نکلتا ہے اسکو نیرا کہتے ہیں، صبح میں اس میں نشہ نہیں ہوتا، جوں جوں دن چڑھتا جاتا ہے، البتہ اس میں تیزی اور نشہ آتا جاتا ہے، پس بوقت صبح نیرا کا استعمال بغرض تقویت درفع نقاہت یا براہ شوق جائز ہے یا نہیں؟
الجواب، اگر نہ تو نشہ ہو اور نہ یہ فعل دوسروں کے لئے مفضی الی المفسد ہو تو جائز ہے۔

۳. ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۰۸)

بانجھ بکری یا گائے کے | سوال (۹۹) ایک بکری اس وقت جسکی عمر تخمیناً دس ماہ کی ہے دو مہینے سے دودھ دے رہی ہے اس دودھ کا کھانا پینا جائز ہے یا ناجائز، بینواتو جبروا؟
الجواب، تجربہ کاروں سے دریافت کرنا چاہئے کہ بکری کم از کم کس مہینے کی عمر میں بچہ دے سکتی ہے، اس عمر سے کم میں جو دودھ نکلے وہ دودھ نہیں اس کا استعمال جائز نہیں اور جو اس عمر سے بچہ دے دودھ دے وہ حلال ہے۔

دلیلہ ما فی رد المحتار تحت قول الدر المختار ولین بکر تسم سنین محرم والا لا

مأنصه ای وان لم تبلغ تسع سنين فنزل لها لبن لا يحرم جوفه لانهم نصوا على ان اللبن لا يتصور الا من تصور منه الولادة فيحكم بان له ليس لبنا كما لو نزل اللبن ماء صفر لا يثبت من ارضاعه تحريم كما في شرح الوهبانية ج ۲ ص ۶۰۰

۱۳ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولی ص ۱۴۷)

ایضاً السؤال (۱۰۰) بعض گائیں ایسی ہیں جن کے بچہ کبھی نہیں ہوئے (یعنی نہ گاہن ہوئیں اور نہ بچہ ہوئے) مگر جب دو ہا جاتا ہے دو دھ تھن سے نکلتا ہے، اور بعض گائیں ایسی ہیں ایک دو تو بچہ ہوئے مگر اب بالکل نہیں ہوتے، مگر دو دھ ہمیشہ دو ہننے پر تھن سے نکلتا ہے، ایسا دو دھ کھانا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدر المختار (ہو رای الرضاع) مص من ثدی آدمیة و لو بکرا اومیتة و السیئة اھ۔ اس میں تصریح ہے کہ بچہ ہونے کے قبل یا جب بچہ سے ناامینہ ہو جائے دونوں حالتوں میں ثدی سے جو دو دھ نکلتا ہے وہ شرعاً دو دھ ہی ہے، اسی طرح جانور میں بھی، پس اس کا کھانا پینا بھی بلا کراہت حلال ہوگا۔

۳ محرم ۱۳۵۵ھ (النور ص ۵، شعبان ۱۳۵۵ھ)

سوال (۱۰۱) ہنود کے ہاتھ سے پانی یا ہنود کے ہاتھ سے پانی پینا یا کوئی پختہ شے کھانی درست کوئی پکی ہوئی چیز کھانا ہے یا نا درست ہے، نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اگر درست ہے تو کس صورت سے درست ہے، کافر نجس العین ہے یا کچھ کم؟

الجواب، انسان نجس العین نہیں، اگرچہ کافر و مشرک ہو، بعض لوگوں کو آیہ کریمہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ سے شبہ ہو جاتا ہے کہ مشرک نجس العین ہے، اور اسی وجہ سے مسجد حرام میں آنا درست نہیں، مگر انصاف یہ ہے کہ اس آیت سے ہرگز اس مطلب پر استدلال نہیں ہو سکتا، لفظ نجس مشرک ہے درمیان نجاست اصلی و عارضی و ظاہری و باطنی و حقیقی و علمی و خفیفہ و غایب کے، پس بلا دلیل ایک معنی کو معین کرنا ٹھکم ہے، بلکہ لفظ محتمل سبب معافی کو ہے۔ جب محتمل ہو اقبال استدلال نہ رہا۔ اذاجار الاحتمال بطل الاستدلال، پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں اِنَّمَا النُّجُورُ الْمَيْسَرَةُ لَا تَصَابُ إِلَّا بِالْمَرْجِسِ، پھر کیا میسر و انصاف ازلام کو نجس العین کہیں گے اور ممانعت دخول مسجد حرام کی کچھ نجس العین ہونے کی وجہ نہیں، اگر یہ وجہ ہوتی تو مسجد حرام کی کیا تنقیص تھی سبب مساجد کیلئے ہی فرماتے، پس خاص مسجد حرام کے حکم بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ مراد اس سے

مانعت حج و عمرہ کی ہے، جو خاص مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور مساجد میں داخل ہونا مشرک کا جائز ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد بنی ثقیف کو جو کہ مشرکین تھے مسجد میں اتارا، اور نماز ابن اثال کو جو کہ حالت شرک میں گرفتار ہو کر آئے تھے، مسجد کے ستون سے باندھا، دونوں روایتیں مرقوم ہیں:-

روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انزل وفد بنی ثقیف فی المسجد وکانوا مشرکین انتہی عنایہ شرح ہدایہ وروی البخاری بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیلاً قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنیفۃ یقال لہ ثمامۃ بن اثال سید اہل لیامۃ فربطوہ لساریۃ من سواری المسجد، جلد اول، صفحہ ۶۷، باب دخول المشرک فی المسجد،

پس اگر مشرک نجس العین ہوتا تو آپ کیوں مسجد میں داخل ہونے دیتے، اور اسی طرح صحابہ و تابعین اتباع تابعین وغیرہم اُمت کا تعامل رہا۔ پس معلوم ہوا کہ مراد نجس سے آیت میں نجس العین نہیں، بلکہ مراد نجس الباطن و خبیث الاعتقاد ہے، کیونکہ شرک نجاست قلب کی ہے جیسے ایمان نہایت قلب کی ہے۔ جب مراد نجاست باطنی ہوئی تو باطنی نجاست ظہارت ظاہری کے منافی نہیں ہو سکتی، پس جو احکام متعلق ظہارت ظاہری کے ہیں سب ثابت ہونگے، اسکے ہاتھ کا دباغت، چمڑا پاک ہوگا، یا وہ پانی پلائے یا احتیاط سے کوئی حلال کھانا پکا کر کھلائے، کھانا پینا جائز و حلال ہوگا، اگر کوئی یوں سمجھے کہ ہندو باوجودیکہ اہل باطل ہیں ہم سے کہ اہل حق ہیں پس نہ پاک سمجھ کر پیرہیز کرتے ہیں تو اسکی پاداش میں ہم بھی ان سے احتراز رکھیں، اس احتیاط کا کچھ مضائقہ نہیں کہ الحق یعلو ولا یصلی و خیراء سیئۃ سیئۃ مثلہا واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم (امداد ج ۲، ص ۱۳۸)

ریگ: اسی کھانے کا حکم | سوال (۱۰۲) ریگ ماہی کھانا جائز ہے یا نہیں، اطبائیک قسم کی مچھلی بیان کرتے ہیں جو مصر سے آتی ہے؟

الجواب، جائز نہیں، کیونکہ وہ ہوام ارض سے ہے، صرف تشبیہاً ہی کہلاتی ہو، فقہ و ائمہ علم شراب میں اجزائے ارضی کامل جانا یا نشہ کی حد میں نہ آنا جواز کا سبب نہیں بنتا۔

سوال (۱۰۳) ایک فریق کا خیال ہے کہ خمر و سیرا جزائے طہیست ارضی وغیرہ امتزاج پانے کی وجہ سے خمر کا حکم پیدا کرتی ہے، بعض کا قول ہے کہ جو ہر مذکور داخل اسرہ ماخا المر عقل نہیں ہے، جس پر خمر کا اطلاق ہو سکے، کیا یہ صحیح مانا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، اجزائے خمر حکم خمر میں ہیں، کما صرحوا، اس لئے دوسرا عند صحیح نہیں، اور اگر اس کا

استحالة ہو جاتا تو خواص بھی باقی نہ رہتے، وہی باقیہ، پس پہلا عذر بھی صحیح نہیں۔

۱۱ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۲۱۳)

سوال (۱۰۴) اکثر لوگ اس امر میں جھے ہوئے ہیں کہ آجکل جو زردہ پان وغیرہ میں کھایا جاتا ہے بلا کراہتہ جائز ہے، اسکی کوئی صورت جواز بلا کراہتہ معلوم نہیں ہوتی، تجربہ سے معلوم ہے کہ اگر غیر عادی شخص ذرا سا بھی زردہ کھا لیتا ہے تو آدھ گھنٹہ تک مہیوت رہتا ہے، عادی شخص کے کھانے کا کیا اعتبار، اگر کل مسکّر حرام کے قاعدہ سے حرمت ثابت ہے تو یہ کلی مشکک ہے، درجہ حرمت نہیں تو درجہ حرمت تحریمی تو ہے، اور اگر یہ بھی نہیں تو کراہتہ تنزیہی سے تو نہ نکلیگی، اسکے کھانے میں کوئی فائدہ نہیں، ایک عمل ہے کہ اختیار پیدا ہوتا ہے، اور ہمیشہ تک مال و پیسہ کا نقصان رہتا ہے، اور جہاں زمانہ جو حقہ نوشی میں مبتلا ہیں ان کے لئے ایک زبردست دلیل ہے کہ جب مولوی لوگ تمباکو کھاتے ہیں تو اگر ہم حقہ میں ڈال کر پی لیں تو کیا حرج، عادی شخص کی نسبت حقہ نوشی بھی موثر نشہ نہیں ہو سکتی جیسا کہ زردہ خوردنی، اور غیر عادی کی نسبت دونوں برابر ہیں، مولوی لوگ یہ فرق نکال سکتے ہیں کہ حقہ نوشی میں اور بھی مضرات پائے جاتے ہیں جیسا دخان بدبودار اندرون کیلئے مضر ہے، اور یہ طسریق یہود اور غیر قوموں کی روش ہے، اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ تو جہاں کہہ سکتے ہیں، چلو صرف دھان بد کافرق رہا، اس لئے حقہ نوشی تو مکروہ تحریمی رہا، زردہ خوردنی مکروہ تنزیہی رہا؟

الجواب، بلا ضرورت کراہتہ تو سمجھتا ہوں، اور بضرورت کھانا اور پینا دونوں ہائیں، اور ضرورت میں نفس اکل مکروہ نہیں، دوسرے عوارض خارجیہ سے گو کراہت ہو جائے اور عوارض کی خفت و شدت سے کراہت کی شدت و خفت میں تفاوت ہوگا، اور مسکّر تمباکو میں نہیں ہے صرف حدت ہی اسی سے پریشانی ہوتی ہے لیکن عقل مؤؤف نہیں ہوتی، اور ان عوارض خارجیہ ہی کے اعتبار سے کھانا اخف ہے بہ نسبت پینے کے کما ہومشاہد۔ ۱۲ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۶)

سوال (۱۰۵) در آب نوشیدن آنچه در احادیث آمدہ کہ بسبب کراہت نوشیدہ ہر سانس میں بسم اللہ کہنا

الجواب، نہ لان مجموع الثالث عمل واحد۔ ۸ رذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۲)

اشتہار شکر تری ولایتی

بخدمت ہمہ مسلمانان و ہندوان واضح باشد کہ شکر تری ولایتی از چند روزم و تا اتر خرماتیتار

می شود و برائے مقطر یعنی صاف کسڑن ادا مستحق انہائے نرگاہ ان ہمہ مردار جانوران و خون نرگاہان استعمال می کنند بدیں و جبر خلاف ہندو و مسلمان یعنی ہرد و مذہب است ایمان و دھرم را غرق می کنند، نیز درائے ڈاکٹر ان و حکیمان مضر صحت است و بیماری طاعون و ہیضہ پیدا می کنند، علاوہ انہیں کر دڑ ہار و پیہ از ہندوستان، پنجاب، کشمیر بدگیر ممالک میروند مردمان مفلس شدہ، لہذا التماس است کہ جملہ صاحبان اہل اسلام و ہندوان اس ناپاک شکرتہری را مطلقاً ترک کنند کہ برائے مسلمانان و ہندوان (یعنی ہرد و مذہب) واقعی حرام است اگر سلامتی ایمان و دھرم بکار است فکرتہری دلیسی بخورند و ولایتی ترک کنند۔ المشکوٰۃ۔ خواجہ ملک محمد حسن سوداگر کشمیر۔

سوال متعلق اشتہار مذکور

حکم شکر لاتی

دانہ دار شکر جس کی کیفیت ترکیب صفائی اشتہار ہذا میں بیان کی ہے، آیا عند الشرح طاہر و حلال ہے، یا نجس و حرام ہر بابی فرما کر جواب مفصل مدلل بیان فرمائیے۔

المسئلہ:- محمد عبدالرحمن از گوڑہ ضلع راولپنڈی۔

الجواب، جہاں تک تحقیق ہوا بدی تو جلا کر استعمال کی جاتی ہے اور جل کر بدی پاک ہو جاتی ہے خواہ کسی جانور کی ہو، البتہ بیلوں کا خون کہ دم مسفوح ہو نبض قطعی نجس ہے اور جس چیز میں ملے گا اس کو نجس کر دینا، گو کسی تدبیر سے پیروہ مقطر اور خارج کر لیا جائے لیکن شکر کے اجزاء تو اس سے نجس ہو چکے ہیں اور بجا لہا باقی ہیں، جیسے آٹا شراب میں گوندھ کر روٹی پکائی جائے گو شراب آگ میں اڑ جاتی ہے لیکن اجزائے دقیق کہ نجس ہو گئے تھے باقی ہیں اس لئے روٹی اسکی نجس ہوگی، کما صرحوا فی الکتاب الفقہیۃ اللہ اعلم، مگر یہ جواب بر تقدیر ثبوت اس امر کے ہے ورنہ نہیں۔ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ

(امداد، ج ۱ ص ۱۲ و حوادث اول ص ۶۰)

نبیذ جو حضور نے نوش فرمائی | سوال (۱۰۵) میں آج کل طبقات بن سوریہ کا ترجمہ لکھ رہا ہوں اس میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جو مشکل معلوم ہوتے ہیں، مثلاً فتح مکہ میں آپ نے سقایۃ النبیذ سے نبیذ نوش فرمائی، پھر ایک زمانہ کے بعد ابن عباسؓ سے کسی نے کہا جب وہ بھی نبیذ پیلا رہے تھے کہ اس میں تم کیا بہتری سمجھتے ہو تو انھوں نے جواب دیا کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا وہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے، نبیذ کے معنی لغت میں مجھے سوائے خمر کے اور کچھ نہیں

۵۵ بعد میں احقر کو تحقیق سے ثابت ہوا کہ جس شکر میں خون کی آمیزش ہے وہ ہندوستان میں نہیں آتی ۱۲ منہ

لیکن میں نے اس مقام کی یہ توجیہ سمجھی کہ آیا جاہلیت میں کوئی مقام حقیقۃً سقاۃ النبیۃ ہوگا، اور بعد اسلام اس میں زرم رکھا گیا ہوگا، مگر اس کا نام نہیں بدلا گیا، واللہ اعلم۔

الجواب، کتب اخت میں مجازی معنی بھی لکھ دیئے جاتے ہیں، نبیذ کے حقیقی معنی خیساندہ کے ہیں، اس پر معمول کمرے سے کون مانع ہے، بلکہ جب تک قرینہ خلاف کا نہ ہو راجح ہے، باقی میں نے کتب لغت کی طرف مراجعت نہیں کی۔ (النور، ربیع الاول ۱۳۳۵ھ ص ۸)

سوال (۱۰۸) ناکسار نے ہشتم خود دیکھا ہے کہ ایک نابینا مسلمان گوندھی جلے تو اس آئے کی روٹی کا حکم | نے تارڑی جو نشہ کی چیز اور حرام ہے آئے میں خمیر کیو اسطے ملائی، اور اس سے پاؤروٹی اور بسکٹ بنا کر فروخت کئے، اس قسم کی روٹی بسکٹ وغیرہ کھانا جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب، نہیں، مگر جہاں اس سے نتیجہ سکتے ہوں وہاں ہر بناء بعض آیات اجازت ہے۔

۳۱ رمضان ۱۳۳۵ھ (حوارث اول، ص ۱۲۰)

سوال (۱۰۹) جو جانور حلال ہیں انکی کئی چیزیں حرام ہیں؟

الجواب، جانور میں سات چیزیں حرام ہیں، خون جاری، ذرہ خضیہ، شرمگاہ، غدود، پھلنا، پتہ۔

واما بیان ما یحرم اكله من اجزاء الحيوان سبعة الدم المسبوح والذکر والاثنان والقبل والغدة والمثانة والمرارة كذا في البدائع، عالمگیری جلد ۴، ص ۱۱۰، واللہ اعلم۔

۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

ہدیہ اور دعوت کے متعلق احکام

سوال (۱۱۰) اس مقام پر اکثر لوگ سود لیتے ہیں اور وہ لوگ کاشت بھی

دعوت قبول کرنا کرتے ہیں بعض کے یہاں نصف آمدنی حلال ہے اور نصف حرام اور کہیں نصف سے زیادہ حلال ہے، اور نصف کم حرام، اور بعض جگہ اس کا عکس، ان لوگوں کے مکان میں پردہ بھی نہیں، اور مولود شریف کی محفلیں بھی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنا درست ہے یا نہیں

لیکن اکثر ایسی محافل میں جانے سے بعض لوگوں کی اصلاح بھی ہوتی ہے؟

الجواب، بے پردگی و مجلس مولد بہیئت متعارفہ اور جمیع معاصی اور بدعات کو اموال کی

حالت اور حرمت میں کچھ دخل نہیں، پس اس بنا پر تو رد دعوت بے اصل ہے، اگر رد سے قصہ زجر و اصلاح کا ہو تو رد کریں، اور اگر قبول کرنے میں تالیف قلب اور امید قبول نصیحت ہو تو قبول کرنا اولیٰ ہے، البتہ سود کے اختلاط کو حرمت میں اثر ہے، پس اگر نصف یا زائد سود ہے تو سب حرام ہے اور اگر نصف سے کم ہے تو حلال ہے۔ فقط واللہ اعلم، (امداد، ج ۲، ص ۱۵۰)

سوال (۱۱۱) اول روز ابالیان میت جو طعام کرتے ہیں اُس کی میت کے گھر والوں کی بجائے کھانا کوئی سند شرعی صحیح موجود ہے یا نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے گھر کا طعام کھایا تو یا نہیں؟

الجواب، فی رد المحتار عن الفتح ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اهل لمیت لانہ شرع فی السرور کما فی الشرور وہی بدعة مستقبحة روى الامام احمد ابن حنبل باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا بعد الاجتماع الى اهل لمیت وصنعهم الطعام من النیاحۃ و فی البزازیة ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعدا الاسبوع الخ

اس روایت حدیثیہ فقہیہ سے اس طعام کی کراہت ثابت ہوتی ہے، بعض لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میت کے گھر سے کھانے پر ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة فزأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على القبر يوصي الحافر اوسع من قبل رجله، اوسع من قبل راسه فلما رجع استقبله داعي امرأة فجاء فحني بالطعام فوضع يده ثم وضع القوم فاكلوا، الحديث

سو اس کے تین جواب تو رد المحتار میں ہیں :-

اقول وفيه نظر فانه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص على انه بحث في المنقول في مذهبنا ومذهب غيرنا كالشافعية والحنابلة استدلالا بمحدث جرير المذكور على الكراهة لا سيما اذا كان في الورثة صفارا الى اخر ما قال والاطال -

جواب اول کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک واقعہ خاصہ ہے ممکن ہے کہ کسی سبب خاص سے آپؐ نے کھانا تناول فرمایا ہو، اس سے دلیل نہیں ہو عام ہے، قرح نہیں لازم آتا۔ دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جو امر مذہب میں متقرر و منقول ہے اور خود مبنی بھی ہے دلیل صحیح پر اس میں بحث اور شبہ نکالنا ہے جو مقلد کا حق نہیں ہے۔ تیسرے جواب کا ملخص یہ ہے کہ اب طعام میت کے ساتھ ہوتے سے مفاسد کا اقران ہو گیا ہے، سو اس کی اجازت میں سب مفاسد کی اجازت لازم آتی ہے، پس

مضمون حدیث پر اس امر منکر کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اور جو تھا جواب اس احقر کے نزدیک یہ ہے کہ اس حدیث میں یہی امر کہیں مذکور نہیں، کہ یہ طعام میت کے گھر تھا، گو شرح منیہ میں دعویٰ کیا ہے، دعتہ امرأة رجل میت لما رجع من دفنہ الخ لیکن کسی حدیث کی کتاب کا حوالہ ضروری ہے، واذ لیس فلیس۔ پانچواں جواب یہ ہے اذ اتعاض المحرم والمبیح ترجع المحرم، بہر حال جس طرح اس وقت رسم ہے وہ بے شبہ ممنوع ہے، اور وہ شارع علیہ السلام سے قولاً وفعلاً منقول نہیں فقط، یکم شعبان ۱۳۲۸ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۵۵)

ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنا | سوال (۱۱۲) میں دورہ میں رہتا ہوں اور اشرافیہ ہمیشہ ہم مرتبہ جو پہلے حکومت کے ملازم تھے | لوگوں سے میل جول اور بے تکلفی ہے اور بعض بعض سے رشتہ داری بھی ہے جب دورہ میں جاتا ہوں اور وہ کھانا وغیرہ کے لئے کہتے ہیں تو کھا لیتا ہوں، اور جب وہ میرے مکان پر آتے ہیں تو وہ بھی کھانا کھا لیتے ہیں، یہ تعلق پیشتر سے ہے، افسر مانتی کا بھی تعلق نہیں ہے، وہ بھی پیروں میں اور میں بھی پیروں ہوں، وہ آب پاشی کا کام کرتے ہیں، میں ضلع دار صاحب کی پیشی کا کام کرتا ہوں۔ مجھ سے پیشتر جو صاحب اس کام پر تھے ان کو کھانا کوئی نہیں کھلاتا تھا نہ معلوم مجھ سے کیوں استفادہ محبت کرتے ہیں کہ باوجود غدر کرنے کے بھی مجھ کو کھانا نہیں پکانے دیتے لیکن سب لوگوں سے نہیں بلکہ جن لوگوں سے پیشتر سے تعلق ہے وہی ایسا کرتے ہیں، اور چونکہ وہ لوگ سچے محبت کرتے ہیں اسلئے ان سے صاف انکار کرتے ہوئے شرم آتی ہے، یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور کسی قسم کا غیر محبت کا سبب بھی نہیں ہوتا، اور نہ ظاہراً ان پر کوئی بار معلوم ہوتا ہے، البتہ ان کے یہاں رشوت وغیرہ کا مال آتا ہے جس سے مجھ کو کراہت تو ہوتی ہے، لیکن ان کی محبت اور دل شکنی کی وجہ سے خاموش رہتا ہوں، کہ وہ خیال کریں گے کہ ہم کو ذلیل سمجھتا ہے، لہذا عرض ہے کہ اس سے غلام کے ذمہ تو کوئی گناہ اس قسم کا نہ ہوگا جس سے باز پرس ہو، اور یہ رشوت تو نہیں ہے، جہاں کسی قسم کا بار اور بے تعلقی ہوتی ہے یا جو چیز میرے سامنے مشکوک ہوتی ہے وہ نہیں کھاتا، غدر کر دیتا ہوں، اور وہ لوگ زیادہ اصرار بھی نہیں کرتے؟

الجواب، اس طور سے ان کا کھانا کھا لینے میں کچھ ہرج نہیں، یہ رشوت نہیں، البتہ اگر وہ رشوت سے کھلائیں بہ نرمی غدر کر دیا جاوے، ۱۵ سوال ۱۳۳۶ھ (حوادث خامسہ ص ۱۷)

۱۵ علاوہ اس کے یہ طعام بسبب میت کے نہ تھا اور کلام اسی میں ہے ۱۲ منہ

سود خوار اگر یہ کہے کہ میں دعوت مالِ حلال سے | سوال (۱۱۳) جس کا اکثر مال یا مساوی مال حرام ہو
کس رہا ہوں تو اس قول میں تحری کرنا چاہئے | اور وہ ظاہر کرے کہ میں اپنے حلال مال سے ضیافت یا ہدیہ
تیا ہوں، تو بدو کسی شہادت و تصدیق کے محض اس کا بیان مسموع ہوگا یا بر بنائے فسق و
اعلان مردود و نامقبول ہوگا؟

الجواب، فی الدردالمختار ویتحرى فی خبر الفاسق بنجاسة المراء وخبیر المستور
ثم یعیل بغالب ظنه، ص ۳۰۸، بنابر اس روایت اگر قلب اس کے صدق کی شہادت دے
تو عمل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تمہ رابعہ ص ۱۹)

احکام متعلقہ لباس

مخنوں سے نیچے پاجامہ یا تہبند لٹکانا | سوال (۱۱۴) زید کا خیال ہے کہ ازار تحت الکعبین ممنوع اس وقت
و دفع شبه متعلقہ مسئلہ مذکورہ | ہے جب کہ براہ تکبر و خیلا رہو جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ اس پر
فخر کیا کرتے تھے، اور جب کہ تکبر نہ ہو محض خوبصورتی اور زینت کیلئے ایسا کرے تو جائز نہیں ہے،
اور زینت محض امر وئی ہے، ایک ہی امر ایک کو پسند ہوتا ہے و دوسرا ناپسند کرتا ہے، اختلاف ملک
اختلاف رواج کی وجہ سے بہت فرق ہو جاتا ہے، جس طرح نصف ساق تک پا بجا مرد اور اس سے
بھی اونچا بڑا لگتا ہے، اسی طرح مافوق الکعبین بنسبت ماتحت الکعبین کے ابنائزماں کی نظر میں
بدنام لگتا ہے، صرف اس بدنام لگنے کی وجہ سے نیچا پہنتے ہیں، رہا کبر اور تفاخر سود و چار انگل کے گھٹنے بڑھنے
سے ہرگز نہیں ہو سکتا، بلکہ زینت و پسندیدگی اس کی باعث ہے۔ چنانچہ احادیث میں اکثر یہ قید مذکور
ہے من جوازہ خیلاء وغیرہ میں خیلاء کی قید ضرور ہے اور جو حدیں مطلق ہیں جیسے ما اسفل
من الکعبین ففی النار وغیرہ وہ بھی حسب دستور عرب اسی قید پر محمول ہیں اور مطلق کا مقید پر محمول
نہ ہونا اس وقت ہے جب کہ مطلق و مقید دونوں دو واقعہ پر آئے ہوں، جیسے کفارہ قتل و کفارہ طہار
اور اتحاد واقعہ کے وقت حسب اصول خفیہ مطلق مقید پر محمول ہو جاتا ہے جیسے کفارہ قسم کا قفارہ
ابن مسعود و متابعات کے ساتھ مقید ہو جانا، نیز اس کی مؤید وہ حدیث ہے کہ حضرت نے ما اسفل من
الکعبین کی وعید بیان کی اور فرمایا من جرثوبہ خیلاء لن ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ تو حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ میری ازار لٹک پڑتی ہے، الا انہ اتعاہد تو حضرت
نے فرمایا انک لست ممن تفعلہ خیلاء رواہ البخاری کذا فی مشکوٰۃ، پس اگر مطلقاً جہرا زار

ممنوع ہوتا، تو آپ اجازت نہ دیتے، تو معلوم ہوا کہ یہ وعیہ خیلا رہی کی صورت میں ہے اور بلا اس کے جائز ہے، اس شبہ کا حل مطلوب ہے !

الجواب، فی نور الانوار بحث حمل المطلق علی المقید فی حکم واحد ما نصہ فی صمد الفطرورد نصان فی السبب ولا مزاحمة فی الاسباب فوجبا لجمع بینہما یعنی ان مسا قلنا انہ یحمل المطلق علی المقید فی الحادثة الواحدة والحکم الواحد انما هو اذا وردا فی الحکم للتضاد واما اذا وردا فی الاسباب والشروط فلا مضایقة ولا تضاد فیمكن ان یکون المطلق سببا باطلاقه والمقید سببا بتقیده او رما نحن فیہ میں حکم معصیت ہے اور مطلق جبر اور جبر للخیلا واسباب اسکے میں، یہاں مطلق مقید پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں پس مطلق جبر کہ بھی حرام کہیں گے اور جبر للخیلا کہ بھی، البتہ دونوں حرمتوں میں اگر کسی قدر تفاوت مانا جائے تو گنجائش ہے کیونکہ ایک جگہ ایک منہی عنہ کا ارتکاب ہے، یعنی جبر کا اور دوسری جگہ دوسری منہی عنہ کا ارتکاب ہے یعنی جبر کا اور خیلا کا، پس یہ کہنا کہ چونکہ عرب کا دستور یہی تھا کہ فخر ایسا کرتے تھے اس کو حرمت اسی کی ہوگی بلا دلیل ہے کیونکہ خصوص مورد سے خصوص حکم لازم نہیں آتا، جب کہ الفاظ میں عموم ہو ویتفرع علیہ کثیر من الاحکام الفقہیۃ، رہا قصہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، میرے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ انک لست تفعلہ بالاختیار والقصد چنانچہ الا ان اتعاہد اس کی دلیل ہے کہ بلا قصد ایسا ہو جاتا تھا، اور اسی کا حضور نے جواب دیا ہے رہا للخیلا کی قید، یہ اس بنا پر ہے کہ اکثر جو لوگ اس فعل کو با اختیار کرتے ہیں وہ براہ خیلا کرتے ہیں، پس حدیث میں اطلاق سبب (یعنی فعلہ بالخیلا) کا مسبب (یعنی فعل بالاختیار) پر ہوا ہے وہو شائع فی الکلام اسی شیوع فقط، واللہ اعلم،

۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۵۰)

جواب اشکال برکراہت	سوال (۱۱۵) آنجناب کے کسی رسالہ کے منہیہ سے مفہوم ہوتا ہے
اسبال بدون خیلا	کہ اسبال مطلقاً ممنوع ہے حالانکہ بعض احادیث میں خیلا کی قید موجود ہے

والمطلق یحمل علی المقید وایضا یؤیدہ ما فی تاریخ الخلفاء نلسیوطی ما نصہ اخرج البخاری عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جر ثوبہ خیلا لم ینظر اللہ الیہ یوم القیمة فقال ابو بکرؓ ان احد شقی ثوبی یسترخی الا ان اتعاہد فک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک لست تصنعہم

ذلك خيلاء، تاريخ الخلفاء في فضل في الاحاديث الواردة في فضل ابي بكر الصديق
وقد رتبنا بعد رضوان الله عليه واليه ذهب الشيخ ولما لله المحدث الدهل في المصنف،
الجواب، حنفية کے نزدیک ایسی صورت میں مطلق اپنے اطلاق پر اور مقید اپنی تفسیر پر
رہتا ہے اور دونوں پر نہیں واجب ہوتا ہے کما هو مصرح فی الاصول اور جو حدیث تائید
میں نقل کی ہے خود سوال میں تصریح ہے کہ وہ عہد انہ کرتے تھے، پس جواب کے بھی یہی معنی ہیں،
انك ليست تصنع ذلك عمداً، چونکہ خیلا سبب ہوتا ہے تعمد کا پس سبب بول کر سبب
مراد لیا گیا، ۵۰ ذیقعدہ ۳۳۲ھ۔

اسباں از ارہ حکم ہنگا، نکاح بیوہ | سوال (۱۱۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں یعنی
عورتوں کو بازار جانا، ڈرہی و مردوں کو پاجامہ ٹخنوں کے نیچے پہننا اور مسلمان عورتوں کو ہنگا پہنتا
موتھیں اور چوٹی وغیرہ کے احکام | اور بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی سے روکنا اور مسلمان عورتوں کو
بازار جانا اور دیگر مسلمانوں کو ڈرہی کتر وانا یا موڑنا اور موتھیں بڑھانا اور سر میں پٹھے رکھنا
یا خط بنوانا اور چوٹی رکھنا، یہ شرع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ مع دلیل شرع کے
بیان فرمائیے! بیوا تو جبرور، فقط۔

الجواب، یہ سب امور معصیت ہیں بعض صغیرہ بعض کبیرہ، اور وقت اصرار سب کبیرہ
ہو جاتے ہیں،

اما الاول فلما روى عن ابي هريرة رضى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
اسفل من الكبين من النار في النار رواه البخاري وغيره ذلك من الاحاديث،
اما الثاني فلما روى عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال راي رسول الله صلى
الله عليه وسلم على ثوبين معصفرين فقال ان هذه ثياب الكفار فلا تلبسها سوادا
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے معصفر سے منع کی، علت یہ ارشاد فرمائی کہ یہ لباس
کفار میں سے ہے، اُن کے ساتھ تشبیہ جائز نہیں، پس ہنگا بھی مخصوص لباس زنانہ ہونکہ ہے
اس لئے بُرا ہے،

اما الثالث فلما قال الله تعالى فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا
تراضوا بينهم بالمعروف ذلك يو عظم به من كان منكم يوم من بالله واليوم الآخر
ذلكم واذكى لكم واطهر الاية وقال الله تعالى وانكحوا الايامى منكم الاية وقال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علی لا تؤخر ثلثا وعد منها الا یمر اذا وجب ان یؤا
کفوا الحدیث۔

اور اگر اس کو عار و عیب و ننگ سمجھتا ہے تو خوف کفر ہے۔

لقوله تعالى فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموا فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا
في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما الآية ولقوله عليه السلام لا يؤمن
احدكم حتى يكون هواه تبع لما جئت به الحدیث اما الرابع فلقوله تعالى ولا
تبرجن تبرج الجاهلية الاولى ولقوله تعالى غير متبرجت بزينة الآية ولقوله تعالى
ولا يبدین زینتهن الا بینه۔

پس معلوم ہوا کہ زینت کے ساتھ عورت کو بازو یا مجمع میں نکلنا یا کسی غیر محرم کے سامنے آنا قطعاً
حرام ہے، البتہ اگر کوئی ضروری حاجت ہو اور یہیت رشتہ اور ثیاب بذلہ یعنی میلے کچیلے کپڑوں میں
پردہ کر کے نکلے تو جائز ہے لقوله تعالى

لقوله تعالى يدنين عليهن من جلابيهن ولقوله تعالى الا ما ظهر منها، وفي
الذ المختار وتمنع المرأة الشابه من كشف الوجه بين الرجال لا لانه عورة بل لخوف
الفتنة۔ والله اعلم۔ اما الخامس السادس فلما روى عن ابن عمر قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم خالفوا المشركين او فروا اللحي واحقوا الشوارب وفي رواية
انهمكوا الشوارب واعفوا اللحي متفق عليه

البتہ مقدار قبضہ یعنی ایک مٹھی سے اگر دائرہ زائد ہو جائے اس وقت کتر و زائد درست ہے، چنانچہ
عالمگیری میں تصریح کی گئی ہے۔

اما السابع فلما روى عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأى صبیا
قد حلق بعض راسه وترك بعضه فنهاهم عن ذلك وقال احلقوا كله او اتركوا
كله رواه مسلم۔ اما الثامن فلما روى عن الحجاج بن حسان قال دخلنا على
انس بن مالك فحدثني اخي المغيرة قالت يومئذ انت غلام ولك قرنان او
قستان فمسح راسك وتبرك عليك وقال احلقوا هذين او قصوهما فازهدا
زى اليهود رواه ابو داود۔

وہ زنی یہود تھا یہ زنی ہنود ہے اور خصوصاً اگر کسی پیر فقیر کے نام پر رکھی جا تو تم ترک ہے،
واللہ اعلم، ۱۲ شعبان روز چہار شنبہ ۱۳۳۵ھ۔

حرمیت و عدت النواذر رنگ مختلف | سوال (۱۱۷) پارچہ میں کس کس قسم کا رنگ ناجائز ہے؟
الجواب عورتوں کے لئے ہر قسم کا رنگ ناجائز ہے اور مردوں کیلئے کسم اور زعفران کا آٹھا
 ممنوع ہے اور سرخ میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک حرام، بعض کے نزدیک مباح، بعض کے
 نزدیک مستحب، بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، اور قول اخیر مفتی بہ ہے، اور باقی سب
 رنگ جائز ہیں۔

وَنَوَى لِبَسِ الْمَعْصُورِ وَالْمَرْغُورِ الْأَحْمَرُ وَالْأَصْفَرُ لِلرِّجَالِ مَفَادُهُ لَا يَكْرَهُ لِلنِّسَاءِ وَلَا
 بِلِبَاسِ بَنَاتِ الْأَلْوَانِ وَفِي الْمَجْتَبَى وَالْقَهْطَانِي وَشَرْحِ النِّقَايَةِ لَا فِي الْمَكَاثِمِ لَا بِلِبَاسِ
 بِلِبَاسِ الثُّوبِ الْأَحْمَرِ وَفَادُهُ أَنَّ الْكَرَاهَةَ تَنْزِيهِيَّةٌ لَكِنْ صَرَحَ فِي التَّحْفَةِ بِالْحَرَمَةِ
 فَافَادَ أَنَّهَا تَحْرِيمِيَّةٌ وَهِيَ الْمَحْمَلُ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ قَالَ الْمَصْنِفُ قُلْتُ وَلِلشَّرَنِ بِلَا لِي
 فِيهِ رِسَالَةٌ نَقَلَ فِيهَا ثَمَانِيَةَ أَقْوَالٍ مِنْهَا أَنَّهُ مُسْتَحَبٌّ، وَدِيخْتَارُ فِي الشَّامِيِّ وَلَكِنْ جَلَّ
 الْكُتُبُ عَلَى الْكَرَاهَةِ كَالسَّرَاجِ وَالْإِخْتِيَارِ وَالْمُلْتَقَى الذَّخِيرَةِ وَغَيْرَهَا وَبِهِ انْفِصَالُ
 الْعَلَامَةِ قَاسِمٌ جِلْد ۵ ص ۲۲۸ -

۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۲۷)

سوال (۱۱۸) مردانہ چڑھواں جوتہ عورتوں کو پہنا کیسا ہے، بعض دیار میں
پہننے کی مانعت | **الجواب** عام رواج ہے کہ عورتیں بھی مثل مردوں کے وہی جوتہ پہنتی ہیں جو ایڑی کی
 طرف زیر پائی کے بیٹھا ہوا اور چپا نہیں ہوتا، بلکہ جیسا مردوں کا جوتہ ویسا ہی وہ بھی، اول تو مجھے
 ناجائز ہی ہونے کا خیال ہوا، کیونکہ عورتوں کو لباس وغیرہ میں مردوں کی مشابہت پیدا کرنے کی
 حدیث شریف میں وعید آئی ہے، لیکن جب یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب فلاں صاحب مرحوم مغفور کے
 یہاں سب یا اکثر عورتیں اور لڑکیاں بھی مردانہ جوتہ پہنتی ہیں اور مولانا مرحوم نے کبھی منع نہیں فرمایا
 اس وقت سے یہ رائے مست ہو گئی، لیکن ابھی کچھ اطمینان نہیں ہوا، میں نے جو ایک آدمہ کو منع کیا
 تو یہ کہہ گیا کہ اس میں پیر کو آرام زیادہ ملتا ہے، اور چلنے میں نکل جانا اور اس میں چلتے وقت خاک اور
 چھینٹیں بھی نہیں اڑتیں، اس لئے ایسا پہنا جاتا ہے اور زیر پائی میں ایڑی کو تکلیف ہوتی ہے؟
الجواب اسکے رواج میں عموم نہیں ہوا، کہ دیکھنے والوں کو منکر اور موجب تشبہ معلوم
 ہوتا ہو، اس لئے تشبہ اس میں ضرور ہے، کسی بزرگ کا منع نہ کرنا حجت شرعیہ نہیں، رہا تکلیف
 ہونا، سو اس کی اصلاح و ترمیم ممکن ہے کہ بنانے والا اس کی رعایت کرے، رہا چھینٹ

وغیرہ کا پڑنا سو اس کی احتیاط بھی دشوار نہیں۔ فقط، (امداد، ج ۲ ص ۱۵۲)
 مردانہ جوتہ کی ایڑی بٹھا کر پہننا | سوال (۱۱۹) دہلی کی جوتی نوکدار کا مدار جو کہ مرد پہنتے ہیں اگر اس
 عورتوں کے لئے جائز ہے۔ جوتی کی ایڑی بٹھا کر عورت پہنے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، میں تو جائز سمجھتا ہوں، ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۳)
 سلیپر جوتہ پہننا | سوال (۱۲۰) سلیپر پہننے میں نصاریٰ کی مشابہت تو نہیں ہے؟
 الجواب، اگر مشابہت نہیں ہے تو جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

یوم الاضحیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۶۹)

ایضاً | سوال (۱۲۱) سلیپر یعنی بلا ایڑی کا جوتہ مرد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟
 الجواب، اگر تحقیق سے ثابت ہو جاوے کہ اس میں تشبہ نہیں ہے تو درست ہے؟

۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (حوادث اول ص ۱۲۵)

چوڑے پائے مختلف | سوال (۱۲۲) چوڑی ربڑو بلوری، سادہ و نقشی کچ کی سیاہ پہننا جائز
 ہے یا نہیں؟

الجواب، سب جائز ہے۔ فقط، ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۸۴)
 علم نخل | سوال (۱۲۳) نخل کا شانی یا دوسری قسم کی نخل سرخ یا سبز یا زرد یا سیاہ پہننے مردوں
 جائز ہے یا ناجائز، حرام یا مکروہ، مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نفع المفتی والسائل میں منع لکھتے ہیں؟

الجواب، مثل رشیم کے حرام ہے لہٰذا منہ فقط، ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۸۴)
 ایضاً | سوال (۱۲۴) پارچہ نخل میں بہت اختلاف ہے علماء سے سنا گیا ہے کہ خالص رشیم یا جس
 کا تانا سوت کا اور بانا رشیم کا ہو حرام ہے، جس کا تانا رشیم یا تانا سوت ہو درست ہے، نخل کس
 درجہ میں رہا، اس پر تو رشیم جمایا جاتا ہے، اس کے جواز کا کیا قاعدہ، تانے بانے سے اس کو تعلق
 نہیں، تحریر فرمائیے، کس قدر رشیم جمایا ہو تو طلال اور کس قدر حرام؟

الجواب، اس کی تہ مثل ابرے کے ہے، اگر رشیمی ہوگی، حرام ہے۔

رجب ۱۳۳۰ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۳۷)

ٹسر کا استعمال | سوال (۱۲۵) ٹسر کا کپڑا جو آجکل رائج ہے رشیم ہے یا نہیں، استعمال اس کا
 اور اس کا حکم | مردوں کو جائز ہے یا کیا؟

الجواب، تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ وہ رشیم نہ گوارہ درجہ کا ہو۔ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ
 بعد میں معلوم ہوا کہ بعض نخل رشیمی نہیں پس وہ جائز ہوگی ۱۲ منہ

ایضاً سوال (۱۲۶) لوگ رشیم کو استعمال کرنا ناجائز جانتے ہیں اور ٹسر کو جائز حالانکہ دونوں کی ماہیت ایک ہے یعنی کپڑا شہتوت کے پتے کھا کر رشیم بناتا ہے اور اسی قسم کا دوسرا کپڑا جوارنڈ کے پتے یا دوسرے جنگلی پتے کھا کر ٹسر بناتا ہے تو آیا ایسی صورت میں ٹسر کا اور رشیم کا ایک حکم ہے یا دو؟

الجواب، دونوں کا ایک حکم ہے یعنی دونوں رشیم ہیں ایک اعلیٰ ایک ادنیٰ،

۸ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ۔

اطلس پہنا سوال (۱۲۷) کپڑا (اطلس) جس کا تانا رشیم کا اور بانا ٹسر کا ہوتا ہے، مرد کو پہننا جائز ہے یا نہیں، ٹسر ایک قسم کا (سن) ہوتا ہے کہ جس کو صاف کرنے سے رشیم کے مانند ملا کر بیٹے میں اور پھل سکو استعمال کرتے ہیں، اور یہ (سن) بھاگلپور کی طرف ہوتا ہے، بینوا تو جبراً؟

الجواب، کپڑے میں بانا معتبر ہے، پس اگر ٹسر کی وہی حقیقت ہے جو سائل نے لکھی

ہی تو یہ کپڑا مرد کیلئے بھی جائز ہے گو تانا رشیم ہے۔ ۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۱)

کا مہار ٹوپی کا استعمال سوال (۱۲۸) میرٹھی ٹوپی پر سونے چاندی کا یا پیتل رشیم کلاتوں کا کام کیا جاتا ہے، اس طرح کہ کوئی بیل بونا چار انگل کا نہیں ہوتا ہے، مگر اس طرح متصل ہوتا ہے کہ بعض دو میں کوئی فرجہ دیکھا نہیں جاتا، اور بعض ٹوپی میں کسی قدر فرق ہوتا ہے، اس کا استعمال کیسا ہے؟

الجواب، اگر فرجہ متمیز نہ ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۲)

چوڑی دار پانجامہ سوال (۱۲۹) چوڑی دار پانجامہ جو شائقین اور باشوں میں رائج ہے جب کہ بوتام لگا کر ٹخنے سے اوپر رکھا جائے جائز ہونا چاہئے، عام جوارز کی کیا دلیل ہے، اسراف تو کہہ نہیں سکتے کیونکہ بغرض زینت اگر کچھ کپڑا زائد لگ جائے تو اسراف میں داخل نہیں، ورنہ لکھنؤ کا زنا نہ پانجامہ بھی ناجائز ہونا چاہئے، حالانکہ اگر اس میں قباحت ہو تو صرف اتنی کہ شتر کلی طور پر نہیں ہوتا، چلنے میں ران اور ساق کھل جاتی ہے، کپڑا زیادہ لگنا وجہ مانعت نہیں ہے۔ ورنہ کابلیوں کا پانجامہ بھی ممنوع ہونا چاہئے، اور مردوں کو لمبا کرتہ اچکن بھی ممنوع ہو کہ اس سے کم لمبا چوڑا بن سکتا ہے؟

الجواب، چونکہ اس میں تشبہ بالفتاق ہے اس لئے مکروہ ہے، جیسا ایک حدیث میں

ہے کہ ایک بزرگ نے ایک امیر پر خطبہ میں انکار کیا تھا، بلیس ثیاب الفساق، حالانکہ وہ صرف باریک کپڑا پہنے تھا، جو فی نفسہ مباح ہے، مگر اس وقت ثیاب رقیقہ شعاع فساق کا تھا، کذابہ فقط واللہ اعلم، (امداد، ج ۲ ص ۱۵۲)

چوڑی دار پانچامہ کا حکم | سوال (۱۳۰) اگر آڑا پانچامہ ٹخنے سے اونچا ہو تو اس کے استعمال میں کچھ حرج تو نہیں؟

الجواب، آڑا پانچامہ اکثر اوپاشوں کی وضع ہے اور تشبہ اہل باطل کیسا تمہ ممنوع ہے۔

۱۵ ار ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

سونے، چاندی، پتیل، لوہے وغیرہ کا استعمال

تانبہ پتیل وغیرہ کے برتنوں کا استعمال | سوال (۱۳۱) خاص ظروف تانبہ و جست و پتیل و پھول لوہا میں خواہ قلعی ہو یا غیر اس کے کھانا پینا کیسا ہے؟

الجواب، چاندی سونے کے سوا جس چیز کا برتن ہو اس کا استعمال جائز ہے۔

وفی الجوہرۃ واما الانیۃ من غیر الفضة والذهب فلا بأس بالاکل والشرب فیہا والانتفاع بہ وبالحدید والصفرو النحاس الرصاص الخشب والطين اھ روئے المختار لیکن صاحب درمختار نے تانبہ اور پتیل میں کھانے کو مکروہ کہا ہے، حیث قال ویکرہ الاکل فی النحاس او صفراھ مگر علامہ شامی نے اس کو مقید کیا ہے بے قلعی کے ساتھ حیث قال ثم قید النحاس بالغیر المطلق بالوصاص الخ پس اس محل پر کلام صاحب جوہرہ و درمختار میں تطبیق ہوگی کہ جواز مخصوص ہے قلعی کے ساتھ اور کراہت بے قلعی کے ساتھ، فتنبہ وتفقدہ واللہ اعلم،

(امداد، ج ۲، ص ۱۳۲)

استعمال ظروف بدری | سوال (۱۳۲) پاندان وغیرہ یعنی کٹورہ و پلنگ و گالان ظروف بدری میں استعمال کیسا ہے؟

الجواب، شرعاً اعتبار غالب کا ہے، پس اگر بدری چاندی یا سونا غالب ہو تو اس کا استعمال ناجائز ہے، اور اگر مغلوب ہو تو جائز، اور اگر دونوں مساوی ہیں تو احتیاط عدم جواز میں ہے، وغالب الفضة والذهب فضة وذهب وما غلب عنہ یقوم واختلف فی غش المساوی والمختار لزومها احتیاطاً اھ قالہ صاحب الدائم المختار فاحکام الزکوۃ قلت لما جعل

الحکم للغالب وادجبت الزکوة فیه فلا بد من ان یکون الحکم له فی کل الاحکام وکن المقلوب
والمساوی واللہ اعلم (امداد ج ۲ ص ۱۳۴)

استعمال سام آہن | سوال (۱۳۳) لٹھی میں شام لوہا و پیتل و چاندی وغیرہ کی لگانا کیا حکم ہے؟
وسیم وغیرہ | الجواب۔ سوائے چاندی سونے کے تو ہر جگہ خواہ اوپر ہو یا نیچے جائز ہے
اور چاندی سونے کی اگر پکڑنے کی جگہ ہو تو جائز نہیں اگر نیچے ہو تو جائز ہے۔

کما لو جعلہ ای التفضیض فی فصل سیف و سکین اوقی قبضتہما دلجام اور کاب ولم
یضع یدہ موضع الذهب والفضة در مختار والشرائع (امداد ج ۲ ص ۱۳۴)

لو ہے کا جوہ | سوال (۱۳۴) جوہ نعل آہنی لگانا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ نعل لگانا جائز ہے۔ فی رد المحتار فی مفسدات الصلوٰۃ قال هشام
رأیت علی ابی یوسف تعلین مخصوفین بسا میر فقلت اتری بهذا الحدید باساقا قال
لا الخ واللہ اعلم (امداد ج ۲ ص ۱۳۴)

سونے چاندی کے بٹن | سوال (۱۳۵) کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت در بارہ چاندی سونے
کے بٹنوں کے آیا مردوں کو قمیص وغیرہ میں اُن کا لگانا جائز ہے یا نہیں، مع سند کے لکھیں۔
الشراس کا اجروے فقط

الجواب چاندی سونے کے بٹن لگانا مردوں کو جائز ہے، کما فی الدر المختار فی المجلد الثانی
فی کتاب الکراہۃ فی فصل اللبس و فی التتارخانیۃ عن السیر الکبیر لایا من باذکار الدیبا جہ والذهب
ترجمہ لفظی اس کا یہ ہوا کہ کچھ ڈرنہیں ریشم اور سونے کی گھنٹیوں کا فقط۔ پس گھنٹی او بٹن اول تصویر
مترقارب ہیں، دوسرے اس قسم کی اشیاء کے جواز کی حیل تابعیت لکھی ہے۔ یہ علت دونوں میں
مشترک ہے۔ غرض بٹن اور گھنٹی صورت و معنی ہی علیہ مساوی ہیں، جب ایک جائز دوسرا بھی
جائز اور جب سونے کی تصریح موجود ہے چاندی بدرجہ اولیٰ جائز ہے، لہذا اکثر منہ رخصۃ
والشرائع (امداد ج ۲ ص ۱۳۵)

ایضاً | سوال (۱۳۶) آپ کی کتاب صفائی معاملات مطبوعہ رزاقی کا پیور صفحہ ۳ پر بیان بعض متفرق
حلال و حرام چیزوں کے بیان میں یہ مسئلہ ہے کہ چاندی سونے کے بوتام یعنی بٹن اور گھنٹی لگانا جائز ہے فقط
اس مسئلہ میں آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ واقعی سونے چاندی کے بوتام لگانا جائز ہے یا اس کتاب
میں کاتب سے غلطی ہوئی ہے؟ آپ اس کا خلاصہ تحریر فرمائیں۔ اگر جائز ہے اس کی تشریح ہو

تو بہت بہتر ہوتا کہ اطمینان ہو۔

الجواب۔ کاتب کی تو غلطی نہیں ہے، میں نے ہی لکھا ہے، اور اس میں کسی قدر قیاس سے بھی کام لیا ہے، اصل مسئلہ جو درمختار وغیرہ میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ولا لباس باذلل والذهب الخ یہ ازراہ جمع زر کی ہے، اور زر کا ترجمہ ہے گھنڈی اور ملت لکھی ہے لانه تابع للباس پس اس علت کے اشتراک سے زر کے مفہوم میں توشیح کر کے بوتام کو شامل سمجھا گیا ہے، اتنا تصرف اس میں قیاس کا ہے، پس حقیقت ہے اس فتویٰ کی، مگر چند روز سے خود مجھ کو اس میں تردد ہو گیا، وجہ تردد یہ ہے کہ ایک بڑے محقق کا قول اس باب میں یہ سنا ہے کہ زر سے مراد گھنڈی ہے جو کلابتوں کے تاروں سے بنی ہوئی ہو، اور کپڑے میں سلی ہوئی ہو، بوتام مراد نہیں، اور پوری تابع ایسی ہی گھنڈی ہے، پس بہتر یہ ہے کہ اور علماء سے تحقیق مزید کر لیجئے۔ (ترجیح خامس، ص ۱۰۹)

ایضاً [سوال ۱۳۷] امور مذکورہ ذیل دریافت طلب ہیں مفصل مدلل جواب سے مشرف فرمادیں۔ صفائی معاملات کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سونا چاندی کے بوتام یعنی بٹن مطلقاً جائز ہیں خواہ کتے ہی وزن میں ہوں، اور ان کے ساتھ زنجیر خواہ ایک ہو یا زیادہ، اور زنجیر کے ساتھ گھونگھریاں بھی ہوں یا نہ ہوں بلا کراہت جائز ہیں، بندہ نے اس کے جزیرہ کو بعض کتب فقہ میں تلاش کیا تو میرے خیال میں اس کے متعلق درمختار کی یہ عبارت آئی۔

فی التتارخانیة عن السیر البکیر لا لباس باذرا الدیبا ج والذهب اور عالمگیری کی یہ عبارت فی السیر البکیر لا لباس بلبس الثوب فی غیر بالحب اذا کان اعدادہ دیبا جائدا و ذہبا کذا فی الذخیرۃ

بندہ اس عبارت کا جو مطلب سمجھا ہے وہ عرض کرتا ہے، مراد ازراہ ذہب کے کلابتوں کی گھنڈی ہے جو کپڑے کے ساتھ سلی ہوئی ہوتی ہے، نہ خالص سونے کا بٹن جو علیحدہ ہوتا ہے، بقریۃ ازراہ الدیبا ج کے اور بقریۃ اس کے کہ جہاں بیوسات میں فضہ اور ذہب مذکور ہے مانند درمختار کے لایکہ علم الثوب من الفضۃ ویکوہ من الذهب اس سے مراد کلابتوں ہے۔ نہ خالص قطعہ ذہب و فضہ چونکہ یہ تو زیور میں داخل ہوگا اور زیور سونے چاندی کا مطلقاً مرد کے واسطے منع ہے سوائے چند اشیاء کے جو خاصہ آثار کے ساتھ ان کی رخصت ثابت ہے اور بوتام ان مستثنیات سے نہیں ہے جیسا درمختار اور ثامی سے واضح ہے۔

فی الدر المختار ولا یتحلی الرجل بذهب وفضۃ مطلقاً الا بخاتم و منطفۃ

وحلیۃ سیف منها ای الفضة اذ لم یرد بہ التزیین وفي الشافی قوله منها ای الفضة
لا من الذهب درو قال فی غرر الافکار حال کون کل من الخاتم والمنطقة والحلیۃ
منها ای الفضة لورود آثار اقتضت الرخصة منها فی هذه الاشباہ خاصۃ ،

اور ازرار الذہب کلا بتون کی گھنڈی مراد بجائے تو یہ البتہ تابع کپڑے کے ہے، بخلاف بوتام کے کہ یہ
اس زمانہ میں مستقل زیور ہو گیا ہے، چونکہ اسکی آرائش کے واسطے بعض لوگ دو تین چار زنجیریں لگاتے
ہیں، اور بعض زنجیر میں ذی روح کی تصویر بناتے ہیں، اور بعض گر کھریاں لگانے میں، جو وقت تیز
چلنے کے بحتی میں، اور بعض جواہر کا جڑاؤ ان میں کراتے ہیں، اور پینے کا اطلاق ان پر کیا جاتا ہے
کہتے ہیں سوئے کے بٹن پینے یا چاندی کے بٹن پینے، اور بوتام علیحدہ بھی کپڑے سے ہو سکتے ہیں،
مانند خالص ریشمی ازار بند کے جو باوجود تابع ہونے سر وال کے ناجائز ہے، یہ سب علامات
بوتام کے مستقل زیور ہونے کے ہیں، اور اگر ازرار الذہب میں کلا بتون کی گھنڈی اور خالص سوئے
کا بٹن دونوں کا احتمال ہے، تو قاضی خاں کے اس قول سے :-

لا رخصة للرجل فیما یتحده من یدھب والفضة مفضضا و مذھبا۔ اخلا الخاتم
من الفضة وحلیۃ السیف والاسلحہ لرخصة جاءت فیہ ۱۵۔

بٹن کا احتمال مرتفع ہو گیا، پس گھنڈی باقی رہی، اور اگر امور مذکورہ قطع نظر کر کے ازرار الذہب
سے خالص سوئے کے بٹن مراد لیا جاوے جب بھی ان کا ترک استعمال اور لی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ
کلمہ لا باس سے مستفاد ہے۔ شافی کے باب مکروہات الصلوٰۃ میں مذکور ہے،

قال فی النہایۃ لان لفظ لا باس دلیل علی ان المستحب غیرہ لان لا باس الشدۃ،
علاوہ اس کے اس زمانہ میں اکثر لک و واسطے فخر اور زینت اور برائی کے پینے میں جو سبب
مانعت کا ہونہ واسطے اظہار نعمت کے، اسی واسطے اس کو اکثر علماء و صلحا نہیں پینتے بلکہ اکثر
جہاں و فساق پینتے ہیں

اب عرض یہ ہے کہ سوئے چاندی کے بوتام کا جواز عبادت مذکورہ ہی ہے تو اس کی تشریح
اور شبہات کا دفع مفصل فرمائیں، یا اور نصوص اور تصریحات فقہیہ اس کے جواز کی تفصیل تحریر
فرمائیں، تاکہ تیسرے دور ہو، اور اطمینان حاصل ہو۔ ؟

الجواب، مدت ہوئی حضرت مولانا قاری عبد الرحمن پانی پتی رحمہ اللہ کا قول کہ اس انداز
سے مراد کلا بتون کی گھنڈی ہے، بٹن اس میں داخل نہیں، ان کے صاحبزادے قاری عبد السلام مرحوم سے

سُن کر صفائی معاملات کے اس مسئلہ میں مجھ کو تردد ہو گیا ہے، اور اس وقت احتیاط کے درجہ میں اس رجوع کرتا ہوں۔ ۱۳۱ رجب الثانی ۱۳۲۹ھ (ترجیع خامسہ ص ۱۱۲)

تفصیل حکم جبرس | سوال (۱۳۸) جبرس ممنوع کی کیا تعریف ہے، مع کل جبرس شیطان سے کیا مراد ہے، بھتی ہوئی گھڑی اور گھنڈہ جبرس میں کیوں مثال نہیں، عامہ محدثین کی توجیہ (یعنی بوجہ اعلام دشمن سفر میں ممنوع ہونا) سے تو لازم آتا ہے کہ اب غلبہ اسلام کے وقت سفر میں بھی جائز ہو، اگر ضرورت کو سبب اباحت قرار دیا جائے تو اول تو کچھ زیادہ ضرورت بھی نہیں، بغیر بچے بھی وقت معلوم ہو سکتا ہے، نیز لازم آتا ہے کہ ہیل گھوڑے کی گردن میں گھنٹی اور گھنگروں بھی پہنانے جائز ہوں کہ لوگ آواز سن کر راستہ سے ہٹ جائیں، اگر جبرس کی ممانعت عام رکھی جائے تو لوٹا، کٹورہ، گلاس کا ایک دو سترے سے لگ کر بچنا بھی حرام ہوگا، غرضیکہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، ؟

الجواب، جبرس کی حرمت بعینہ نہیں ہے، بغیرہ ہی، جہاں کوئی غرض صحیح ہو گو وہ اضطرار تک نہ ہو جو از کانتوی دیں گے، تو گھڑی گھڑیاں میں غرض صحیح ہونا یقینی ہی البتہ جہاں طرن تلہی یا تفاخر و مثل اس کے غرض فاسد ہو وہاں ناجائز کہیں گے، روایت عالمگیری اس کی کافی دلیل ہے،

فی العالمگیریۃ فی الباب السابع عشر من کتاب الکراہۃ قال محمد فی السیر الکبیر انما یکرہ اتخاذ الجرس للغزاة فی الدار الحرب وھذا المذھب عند علماؤنا الی ان قال قال محمد فی السیر فاما کان فی دیر الاسلام و فیہ منفعة لصاحب الرحلة فلا بأس بہ قال و فی الجرس منفعة جمہ منھا اذا اضل واحد من القافلة یلحق بہا بصوت الجرس ومنها ان صوت الجرس یبعد ہوام اللیل عن القافلة کالذئب وغیرہ ومنها ان صوت الجرس یزید فی نشاط الدواب فھو نظیر الحدی کذا فی المحيط،

اور چونکہ گھوڑے کے گلے میں محض تفاخر و تلہی کے لئے باندھتے ہیں، اور کوئی ضرورت نہیں، لہذا جائز نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم، ۲۱ رزقیدہ ۱۳۲۹ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۲۵)

چاندی کے پائے استعمال | سوال (۱۳۹) چاندی کا پلنگ جو اکثر جہیز میں دیا جاتا ہے، جس کے پائے کرنا حرام ہے | پتلی پتلی چاندی سے منڈھے ہوئے ہوتے ہیں، اس کا استعمال جائز ہی یا نہیں؟

بوقت استعمال بدن سے تو چاندی الگ ہوتی ہے، البتہ پائے پر اگر کوئی بیٹھے تو جائز نہ ہونا چاہئے ؟
الجواب، مفضض، ذیئب یا مضتب کو جو امام صاحب نے بشرط اتقار موضع ذیئب فضہ جائز فرمایا ہے مراد اس سے وہ جس میں فضہ یا ذیئب متفرق موانع میں لگا ہو، دلیل اس کی شرط مذکور ہے

ورنہ اگر ذہب و فضہ بالکل چھٹا ہو تو اس میں کوئی جز ایسا نہ ہوگا جس کے استعمال کے وقت اتقار فضہ و ذہب ممکن ہو چنانچہ ظاہر ہے، لہذا چاندی کے پائے جو متعارف ہیں کسی طرح جائز نہیں فقط واللہ اعلم۔

۸۔ رزیح الاول ۱۳۳۵ھ (اداء ج ۲ ص ۱۵)

چاندی کے کیس کی گھڑی کا استعمال کرنا سوال (۱۴۰) جرمن سلور کا حکم چاندی ہی کا ہے یا نہیں، جس گھڑی کا کیس اسی چاندی کا ہو گھنی جائز ہے یا نہیں، اگر کسی کے پاس ہو تو کیا اسے تمیمی فتنے کو ضائع کر دے کسی تدبیر یا حیلہ سے بچا سکتا ہے یا نہیں، اگر اوپر روپے یا پٹیل وغیرہ کا خول چیر بھولے تو جائز ہو جائیگی، اس قسم کی گھڑی کی بیع کیوں جائز ہے، مسلمان کے ہاتھ بیچنا جبکہ معلوم ہو کہ وہ اس کو استعمال کرے گا اعانت علی المعصیت نہیں ہے، زین اور قبضہ سیف وغیرہ موع بلوس و قبض سے بچنے پر کیوں جائز ہو گیا فقہ میں طرف کی قید نہیں بلکہ استعمال مثل ذلک ہے جس میں کحلہ وغیرہ بھی داخل ہے جو آلہ ہے طرف نہیں، غرض کوئی قاعدہ کلیہ فرمائیں جس سے جزئیات مستخرج ہو جائیں، اور گھڑی کے بارہ میں اگر کوئی حیلہ نکل سکے بشرطیکہ صحیح ہو تو مسلمان کا مال بیع جائے ؟

الجواب، جرمن سلور کی ماہیت اگر فضہ ہی تو حکم فضہ میں ہے ورنہ نہیں، مجھ کو اسکی ماہیت کی تحقیق نہیں، اور جس گھڑی کا کیس چاندی کا ہو اس کا استعمال جائز نہیں، قیاساً علی المرأة من الفضة، اور روپے وغیرہ کا خول چیر بھانا اس طرح سے کہ چاندی کا طرف نظر نہ آئے ظاہر اجوازہ کے لئے کافی ہے،

اخذ امہا فی رد المحتار عن التتارخانیۃ لا باس بان یتخذ خاتمہ صید قدو علیہ فضة والبس بفضۃ حتی لا یری جلدہ ص ۳۵۲ قلت والا امر المشترك بینہما استلزام لا یجوز بہما یجوز فتامل،

رہا بیع کا جواز و عدم جواز سوا اس میں روایات فقہیہ بظاہر بہت متضام معلوم ہوتی ہیں، چنانچہ در مختار میں ایک مقام پر ہے،

فاذا ثبت کراہۃ لبسہا للتختم ثبت کراہۃ بیعہا وصیغہا نما فیہ من الاعانت علی ما لا یجوز وکل ما ادى الی ما لا یجوز لا یجوز،

اور شامی میں اس میں تامل کیا ہے بقول ائمتنا بجوازہ بیع العصیر من حواء اور آگے ایک فقرہ کیا ہے جلد ۵ ص ۳۵۲، احقر کے نزدیک کراہت تنزیہی تو اس میں ضرور ہے، رہا تحریری سوا اس کا

یہ بعد میں ایک ماہر سے تحقیق ہوا کہ چاندی نہیں ۱۲ منہ۔

قاعدہ روایات فقہیہ کے جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز بجز معصیت کے اور کسی مباح غرض میں کام نہ آ سکے، اس کی بیع تو حرام ہے، اور جو دوسرے کام میں بھی نہ آ سکے اس کی بیع میں تحریم نہیں،

کما قال الشیخ عن ابن الشحنة الا ان المنع فی البیع اخف منه فی اللبس اذ يمكن الانتفاع بها فی غیر ذلك و يمكن سبکها و تغیر هیئتها جلد ۵، ص ۳۵۴،

اور منطقہ دلیہ سیف علاوہ تہجیت کے بوجہ اتار کے بھی مستثنیٰ ہیں، کما فی الہدایہ، اور سرج منقش و غیرہ میں بشرطیچے موضع فضہ کے اسلئے اجازت دینی ہے کہ تفضیض کو تابع قرار دیا ہو کما فی الہدایہ اور مکملہ وغیرہ خود استعمال میں مستقل ہیں، اسی طرح کمیس گھڑی کا گو قصد میں تابع ہو مگر وضع و ترکیب میں متبوع ہے جیسے آئینہ کا خانہ اور اسی سے قاعدہ کلیہ سمجھ میں آگیا ہوگا، اور حیلہ حول چرمائیکا او سپرگز چکا، واللہ اعلم
۳۔ ربيع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۸۱)

چاندی کے گلاس کا حکم | سوال (۱۴۱) عرض یہ ہے کہ اہلیہ کو منجملہ اشیاء جہیز کے کچھ ظروف نقرہ بھی ملے سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان ظروف کا استعمال مرد و عورت کو حرام ہے، بجز زینت کے اور کسی کام میں نہیں آ سکتے ہیں۔ مگر منجملہ ظروف نقرہ کے ایک گلاس نقرہ ہے اور اس پر سرپوش نقرہ اور طشتری نقرہ ہے، یہ گلاس مشک ہے اس میں گلاس شیشہ کا اتار آگیا ہے بدیں طور کہ بانی پینے کے وقت ہر دو لب گلاس مشک نقرہ کے کسی جہیز پر نہیں پڑتے ہیں، میرے خیال میں اس حالت کے گلاس میں شاید پانی وغیرہ پینا جائز نہیں ہو؟

الجواب، فی الہدایہ و يجوز الشرب فی الاناء المنقش الی قوله اذا کان یتقی موضع الفضة و معناه یتقی موضع الفم و قيل هذا موضع اليد فی الاخذ و فیہا و علی هذا الخلاف الاناء المصنوع بالذهب و الفضة الی قوله و حلقة المرأة و فیہا الی حنیفة ان ذلک تابع و لا معتبر بالتواضع و فی الکفایة و المرأة حلقة المرأة التي تكون حوالی المرأة لا ما تاخذہ المرأة بیدھا فذلک مکروه اتفاقا و الذی المختار و کذا یکره الاکل الی قوله و امرأة فی رد المختار قال ابو حنیفة لا بأس بحلقة المرأة من الفضة اذا كانت المرأة حدیداً و قال ابو یوسف لا یمسک فیہا تانار حانیة،

یا مشابہ حلقة آئینہ کی

روایت بالا میں نظر کرنے سے یہ سہو مستفاد ہوئے (۱) یہ گلاس مشابہ انار مصبوب کے ہے، (۲) انار مصبوب میں قم کا نہ لگنا بالاتفاق اور ہاتھ کا نہ لگنا بالاختلاف شرط ہے (۳) حلقة آئینہ میں امام صاحب کے نزدیک جواز ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک حرمت، اور ہاتھ میں پکڑنے کا

حلقہ چاندی سونے کا ہو تو عدم جواز پر اتفاق ہے، ان امور مہدہ کے بعد حاصل جواب کا یہ ہے کہ اگر یہ انا، مضرب کے مشابہ ہے تب تو منہ نہ لگنے کی صورت میں اس میں پانی پینا ایک قول میں جائز ہے اور ہاتھ لگنے کی وجہ سے دوسرے قول میں ناجائز ہے اور اگر حلقہ آئینہ کے مشابہ ہے تو اگر اس کو ہاتھ نہ لگتا تو امام صاحب کے نزدیک جواز ہوتا اور ابو یوسف کے نزدیک عدم جواز اور جب ہاتھ بھی لگتا ہے تو کسی کے نزدیک جواز نہیں، بہر حال ایسے اختلافات و احتمالات میں پڑنا خطرہ سے خالی نہیں۔ ۱۹ سوال ۳۳۳

ناک میں لوہے کا پھٹا | سوال (۱۴۲) اکثر عورتیں ناک میں سنہرا پھول چھوٹا سا پہنتی ہیں یا نہ ہی یا نہیں؟
الجواب: اختلاف ہے اگر احتیاط کی جائے تو بہتر ہے اور اگر کوئی بہن لے گنجائش ہے

فقط۔ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۸۴)

جرمنی سلور کا استعمال | سوال (۱۴۳) جرمنی سلور کو علماء نے لوبا کہا ہے، پانی کے نیچے کچھ طے میں دو چار روز دفن کرنے سے صاف لوبا ظاہر ہونا شاید لایا ہے، حضور والا کو اس کی تحقیق کی ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں استعمال درست لکھا ہے فقط،

الجواب مبصرین عدول سے معلوم ہوا کہ یہ ایک مرکب چیز ہے، ایسے اجزاء سے کہ ان میں چاندی نہیں ہے، لہذا مردوں کو بھی استعمال اس کا درست ہے بجز انگشتی کے کہ حدیث میں نہیں آئی ہے، بجز چاندی کے مردوں کو اور بجز چاندی کے عورتوں کو فقط
مر ربيع الاول ۱۳۳۲ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۴۱)

روپے کو بطور زیور بار | سوال (۱۴۴) جس روپے، اٹھتی، چوٹی وغیرہ میں تصویر ہے جیسا کہ ایڈورڈ
بنک گلیس میں ڈالتا | ہفتم کی تصویر ہے، اس کو عورتوں کا گلے میں ڈالتا، اس کو گلے یا کمر میں رکھ کر
نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: گلے میں ڈالتا درست نہیں، اور پاس رکھ کر نماز پڑھنا درست ہو، کیونکہ ادل میں
ضرورت نہیں، ثانی میں ضرورت ہے۔ ۲۰ ربيع الاول ۱۳۳۲ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۴۱)

پتیل رنگ، تاج گل کا استعمال | سوال (۱۴۵) بہشتی زیور میں پتیل، رنگ، گلٹ وغیرہ کے جواز کا مسئلہ
جائز مع دلائل | نظر سے گزرا، جمہوری اس مسئلہ کی ارقام فرمائیے؟

الجواب: فی الدار المختارہ ولا یتخذ الا بالفضۃ فیحرم بغیرہا کحجوزہ وحب وحادید
وصفدور صاص وزجاجہ و فی رد المحتار عن الجوهرة والتختم بالمحیدیل والصفر

والنساء والرصاص مکروہ للرجال والنساء ج ۵ ص ۲۵۲، ۲۵۳ قلت وقد تقریر فی محلہ ان مفاہیم الروایات حجة۔ بنا برہمی دلی مذکور کے ثابت ہوا کہ بجز انگشتری کے دوسرا زیور حدید و صفر و نحاس و رصاص عورتوں کے لئے جائز ہے۔

۲۷ رجب ۱۳۳۵ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۲۲)

سوال (۱۳۷) اگر کسی دواست کے گرو کا گھیرا اور نیچے کا پینڈا پیتل کا ابد ہوا اس کا استعمال جائز نہیں اور بند کرنے کا ڈھکنا چاندی کا ہوا ایسی دواست لکھنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب ڈھکنا تاج نہیں مستقل ہے، لہذا جائز نہیں، بخلاف میخ و پتر وغیرہ کے جب کہ اس کو ہاتھ نہ لگایا جاوے، ۶ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تمہ ثانیہ ص ۹۹)

سوال (۱۳۸) میری عادت ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے وقت قلم ہاتھ میں رکھتا ہوں اور نئی ایجاد قلم جس کے اندر سیاہی ہوتی ہے مجھے بہت سہولت دیتی ہے لیکن اس قلم کے نب میں سونے کی ملاوٹ ہوتی ہے جس کی نسبت یہاں ہے اور لوگ جو کاغذ پر لکھتے ہیں وہ دھات کی ہوتی ہے، نب میں سونے کی ملاوٹ صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ رنگ نہ لگے، دوسری دھات کا نب بہت جلد رنگا زور دہ، وجاہت ہے، کیا اس سے استعمال میں کوئی صورت حجاز ہے؟
الجواب چونکہ اس میں سونا نصف سے زائد ہے اس لئے اس کا استعمال جائز نہیں لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ کم قیمت قلم میں غالباً یہ نب سونے کی آمیزش کا نہیں ہوتا، اشرف علی

۲۸ شعبان ۱۳۳۵ھ (حوادث ثالث ص ۱۳۲)

اینٹا سوال (۱۳۹) قلم کے متعلق کارخانہ کا جواب کہ اس میں سونا بمقابلہ تانبے کے زیادہ ہے بالکل غلط معلوم ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ یہاں میں نے چار بڑے صراف اور جوہری ساس کی جانچ کرائی، تو ان لوگوں نے کوئی پرنگا کر دیکھا کہ اس میں سونے کا رنگ بالکل خفیف آیا، ورنہ سیاہی آئی اور ان سب نے یہی شخص کیا کہ اس میں سونا غالب یا برابر ہوتا تو درکنار ٹھوڑا حصہ بھی نہیں، بلکہ بہت خفیف جز اس میں سونے کا ہے تو ایسی صورت میں اس کے استعمال میں کوئی تردد یا ناجوازی باقی نہیں رہتی، کارخانہ کا دعویٰ بلا دلیل معلوم ہوتا ہے، اگر حضور والا کی بلائے میں مناسب ہو تو الامداد میں اس مسئلہ کو شامل فرمایا جاوے، اس وجہ سے کہ بعض لوگوں کو نامکمل سوال کی بنا پر کہ جہاں خود سائل کو اس قلم میں سونے کے اور کسی دھات کے شامل ہونے کا علم بھی نہ تھا، حضور نے ناجوازی کا فتویٰ دیا تھا۔

عہ حدید لوہا۔ صفر پیتل۔ نحاس تانبہ۔ رصاص و تانگ ۱۱ محمد شفیع

الجواب، میں نے تو پہلے ہی لکھا تھا کہ کارخانہ کے جواب میں یہ شبہ ہو کہ اپنی تجارت کی اس مصلحت سے لکھ دیا ہو کہ یوں نہ سمجھا جاوے کہ باوجود اس میں سونا کم ہونے کے اتنی قیمت رکھ دی ہو، اور میرا پہلا فتویٰ بیانِ سائل پر تھا، اب اس کے خلاف ظن غالب ثابت ہوا تو حکم بھی بدل جاوے گا، یعنی جواز کا حکم دیا جاوے گا۔ (ترجیح خامسہ ص ۸۶)

ہیز میں سونے چاندی کے برتن دینا | سوال (۱۴۹) حضور کے ارشاد مؤرخہ ۹ شعبان ۳۳۳ھ میں مرقوم ہے کہ سونے چاندی کے برتن و سامان کا چیز دینا حرام ہے جبکہ ظن غالب اُنکے استعمال کا جواب عرض یہ ہے کہ اگر ظن غالب اُن کے استعمال کا نہ ہو یا عدم استعمال کی شرط یا قسم دیکر اُن چیزوں کا چیز دیا جائے تو وہ شرعاً جائز ہوگا کہ نہیں، علقاً عرض ہے کہ جملہ ظن غالب کا مطلب ہی نہ سمجھ سکا، ضرور صراحت سے اصلی مطلب وجہ و حقیقت ارشاد فرمائیں تو اجر عظیم ہوگا،!

الجواب، ظن غالب گمان غالب ہو، اور جو صورت آپ نے لکھی ہو اس طرح دینا جائز ہوتا جب کہ اور کوئی وجہ منع کی نہ ہوتی، یہاں وجہ اتباع رسم و تفاخر ہے، منع کے لئے یہ بھی کافی ہو۔
۱۰۔ رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۴۷)

تفصیل در حرمت زیور باجہ دار | سوال (۱۵۰) باجہ کا زیور عورتوں کو پہننا درست ہو یا نہیں مثل پازیب و چوڑیاں وغیرہ کے، اور نابالغ لڑکیوں کو باجہ کا زیور پہننا درست ہے یا نہیں؟
الجواب، عن بنات مولاة عبد الرحمن بن حبان الانصاری كانت عند عائشة اذ دخلت عليها بجارية وعلیها جلاجل يصوتن فقالت لا تدخلنها علی الا ان تقطعن جلاجلها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تدخل الملكة بیتا فیه جوس سرواہ ابوداؤد وکذا فی مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۷۱ وقال تعالیٰ وَلَا یُضَرِّبْنَ بَارِجُلَهُنَّ لِیَعْلَمَنَّ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِینَتِهِنَّ،

حدیث صراحۃ اس پر دل ہے کہ جن زیوروں میں خود باجہ ہے اُس کا پہننا بُری عورت اور راکو سب کو ناجائز ہے، اور آیت بعد تامل اس پر دل ہو کہ جن زیوروں میں خود باجہ نہ ہو مگر دوسرے زیور سے لگ کر بچتے ہوں اُن کا پہننا درست ہو مگر اُن کو پس کر ایسی طرح چلنا کہ لگ کر آواز دیں یہ درست نہیں۔
یکم محرم ۱۳۳۳ھ (تمہ رابعہ ص ۱۴)

طلاتی دانتوں کا حکم | سوال (۱۵۱) ایک شخص کے سامنے سے اوپر کا دانت گر گیا ہے، پڑھنے کے وقت ہوا نکلتی ہے تلفظ برابر نہیں نکلتا ہے، اس شخص کو سونے کا دانت لگانا جائز ہے یا نہیں؟

اگر جائز ہے تو کون کتاب میں اور کتنے صفحہ پر یہ مسئلہ لکھا ہے؟

الجواب، اختلاف ہے، اس لئے تمجائش ہے، مگر اول احتیاط ہے، کذا فی الدر المختار۔

۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۴۵)

جس میں پر چاندی کا حلقہ چڑھا ہو | **سوال** (۱۵۲) شیروانی کے بن جن کا پینہ پتیل کا اور اوپر کا حصہ سینک کا اور انکے کتے چاندی کے پتر کی گوٹ لگی ہوتی ہو، جو شاید بن کا آٹھواں حصہ بھی نہیں ہوتی، استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، یہ بن حضور والا کو اثنائے سفر حیدرآباد میں بھی دکھائے تھے؟

الجواب، فی الدر المختار بعد ذکر حکم المفضض و شرط جواز استعماله من اتقاء موضع الفضة مانضه و کذا لاء المصیب او فضة و الكرسي المصیب بہا و حلیة مرأة و مصحف بہا فرد المختار قوله و حلیة مرأة الذی فی المنہ و الهدایة و غیرہما حلقۃ باللقاف قال فی الکفایۃ والمراد بہا التي تكون حوالی المرأة لا تاخذہ المرأة بیدھا فانه مکروہ اتفاقا ۵۱ ج ۵ ص ۳۳۷۔

یہ چاندی کا پتر جو مثل گوٹ کے ہو، مثل حلقہ آئینہ کے ہو، جس کے جواز استعمال کی شرط یہ ہے کہ اس کو ہاتھ نہ لگے، اور یہ اس گوٹ میں ممکن نہیں لہذا اس کا استعمال ناجائز ہے۔

۱۸ محرم ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۴۹)

ایضاً سوال (۱۵۳) کہتے ہیں بوتام پہننا ناجائز ہو، عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ تذکیر الاخوان میں مولانا اسماعیلؒ نے لکھا ہے بحث میں حدیث ان الیہود والنصارى لا یصفون فخالقہم کے ۲۴ پر، سینہ پر پیش رو گریبان رکھ کر اس میں بوتام لگانا یہ سب نصاریٰ کی مشابہت ہو اور اب یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ کتاب کیا مولانا اسماعیلؒ کی تصنیف ہے، یا یہ عبارت الحاقی ہے، یا یہ کہنا غلط ہے؟

الجواب، تذکیر الاخوان مولانا کی نہیں ہے، مگر بے کسی محقق کی، اور اس زمانہ میں بوتام کا اس قدر شیوع نہ ہوا تھا۔ نصاریٰ سے خصوصیت نفی، تشبہ کے سبب منع کیا، اور اب اس میں غور ہے، اس لئے کچھ ہرج نہیں۔ (تمتہ خامسہ ص ۲۵۰)

سوال (۱۵۴) پتیل کا بدمنا لوٹا وغیرہ استعمال کرنا کیسا ہے، اگر مکروہ چلنا جائز ہو تو اس پر قلعی کرا کے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب، پتیل کے برتن بوجہ احتمال ضرر طبی یا تشبہ بالہنود مکروہ ہیں، اگر قلعی سے یا تبدیل لون یا بت سے یہ دونوں عارض مرتفع ہو جاویں تو کراہت نہیں رہتی۔ (۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۵۹)

نقرونی و ملائی تعویذ کا حکم | (۱) یہ مسئلہ کتاب ہذا کے مسائل شتی میں ص میں آیا ہے۔

کسب جائزہ ناجائزہ و مکروہ

سوال (۱۵۵) ایک بات دریافت طلب یہ ہے کہ سگہ ڈھالنا یا بندوق کی بارود بلا لائسنس بنانا قانوناً ناجائز ہے تو آیا شرعاً بھی ناجائز ہے، اور ہے تو کیوں؟
الجواب، چونکہ اس میں خطرہ ہے اور خطرہ میں پڑنا شرعاً ناجائز ہے اسلئے بچنا واجب ہے۔
یکم رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴)

سوال (۱۵۶) گاؤں میں حسب معمول وزن کشی کا منجانب زمیندار نکالتے والوں سے ٹیکس لینا، ٹیکس کسی کو دیدینا کہ فلاں شخص تمام گاؤں میں غلہ وزن کیا کرے اور اسقدر وزن کشی لیا کرے اور زمیندار کو اس قدر دیا کرے یہ بھی ایک قسم کا حق زمینداری بطور حق لگان زمین کے سمجھا جاوے تو جائز ہو سکتا ہے یا نہیں، اسی طرح جو جانور گاؤں میں فوت ہو جائے یا کرتا ہے اور اس سے کچھ حق زمینداری قرار دیا جاتا ہے اس کا جواز ہو سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب، یہ زمیندار اگر وزن کشی یا چمڑہ لینے والے سے اس بنا پر حق لیتا ہے کہ ہم نے تجھ کو یہ کام دلو اگر نفع پہونچا یا تب تو یہ لینا حرام ہے، اور اگر کوئی اور وجہ ہے تو سوال میں ظاہر کرنا چاہئے۔
۱۹ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث اول ص ۱۱۴)

سوال (۱۵۷) جو لوگ حاکم کے ٹکسال گھر اور کارخانہ میں پیسہ اور روپیہ اشرفی وغیرہ ڈھالتے ہیں، اور چونکہ اس میں تصویر ہوتی ہے، کیا ان کو بھی مصوّر کہیں گی اور تصویر بنانے کا ان کو گناہ عند اللہ ہو گا یا نہیں؟

الجواب، تصویر بنانے کی تو کبریٰ کہ ناجائز نہیں۔ ۵ ذیحجہ ۱۳۳۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۴۶)
سوال (۱۵۸) دران چیز کہ مباح باشد و بفعل کوہکان نابالغ ملک احراز سے اسکی ملک ہو اس حکم ایشاں می گرد؛ آیا تصرف مادر و پدر ایشاں جائزست یا نہ مثلاً آب چاہ

کہ طفلان از چاہ پیر کرده در خانہ می آرند مادر و پدر آں آب را در استعمال آرند یا نہ، بینوا تو جبروا!
الجواب، بعد غور چنان بدین آمد کہ بقدر بعض جزئیات تصریح فرمودہ کہ پیر کردن غلہ و غراس مسلم الیہ اگرچہ او حاضر نباشد قائم مقام قبض او باشد پس برہیں منوال چون ظروف آب کشی از

ملک مستخدم باشد چون آب در آن آمد ملک مستخدم شد و فعل طفلان محض خدمت باشد ممکن است کہ اگر زیادہ غور کردہ شود یا متبع کتب کردہ شود وجہ اقرب ازین بندہ ن آید۔

۲۸۔ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۱)

سوال (۱۵۹) اگر زید و عمرو بکرتین شخص ایک جگہ سرکاری ملازم ہیں تنخواہ سے کچھ بچائیں اس کا حکم اور عینوں شخصوں کا کام اکٹھا ہے، اور ان کو سرکاری طرف سے فی کس چار نوکر ملے ہوئے ہیں، یعنی کل بارہ نوکر ہیں، اور وہ شخص نو آدمی ملازم رکھ کر اپنا کام کر رہے ہیں، ایسی صورت میں زید و عمرو بکرتین ملازموں کی تنخواہ بچتی ہے تو وہ تنخواہ متذکرہ بالا اشخاص کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، اگر سرکار نے بارہ آدمیوں کی تنخواہ دیکر انکو اختیار دیدیا ہو کہ خواہ تم کم میں کام نکالو تم کو اختیار ہے تب تو ایسا کرنا ان کو جائز ہے، اور وہ روپیہ ان ہی کی ملک ہے، اور اگر ایسا اختیار نہیں دیا تو جس تنخواہ بچی ہو وہ ملک سرکاری ہے، جو بچی ہو وہ سرکار کو واپس کر دینا واجب ہے۔ ۲۲۔ صفر ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۳۲)

تحقیق نوکری بندہ | سوال (۱۶۰) ریاست چھپرہ میں ایک بینڈ کا ٹھکانہ ہے اور ایک شخص معتقد حضور کا ملازم ہے، اور کام صرف باجہ بجانا اور رات کو پہرہ تین گھنٹہ کا دینا ہے اور دس سال کا اقرار نامہ اور ضرر روپیہ ضمانت سرکار نے لی ہے کہ ملازمت چھوڑ کر بھاگ نہ جائے، اور ملازمت نہ چھوڑے، اور باجہ میں جو ولایتی میوزک ہو وہ بجانا پڑتا ہے، لہذا عرض ہے کہ اس مسئلہ میں علماء دین و مفتیان شرع متین کا کیا ارشاد ہے، ممنون و مشکور فرمایا جائے، اور باجہ کا سرکاری وقت مقرر شدہ ہے ۲ یا ۳ گھنٹہ کا۔؟

الجواب، ناجائز فعل کی نوکری جائز نہیں، لیکن جو نوکر ہو چکا اور وہ قانون سے مجبور ہے مجبوری میں اس کو اجازت ہے، ۲۲۔ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۶۲)

جس زمین کی آب پاشی بغیر اجازت سرکاری | سوال (۱۶۱) نہر سرکاری سے قیمتہ پانی ملتا ہے اور اس کا اندازہ دبدون ادائی معاوضہ کنگی اسکی پیداوار مقرر ہے، اگر بلا اجازت مالک نہر اندازہ سے زیادہ پانی لیا گیا ہو تو توبہ سے معاف ہو جاوے گا یا اس کی پیداوار میں حرمت آجائے گی، یعنی بغیر اجازت جو آب پاشی کی ہے اسکی پیداوار حلال کس طرح ہو سکتی ہے؟

الجواب، پانی پیداوار میں معین ہے، اس کا جزو معین نہیں، لہذا پیداوار حلال ہے، اگرچہ فعل جائز نہ ہو۔ ۱۶۔ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۶۹)

سوال (۱۶۲) اگر طبیب کا عطاروں کے معاہدہ ہو کہ میں اپنے نسخہ کی جو میں لیتے ہیں یہ رشوت ہے | خود اپنے متعلقین کے واسطے نوکرا قیمت نہ دوں گا، ایک عطار کو اپنا روپہ

وہ کس مضاربت کی اور حقہ بھی مقرر کر لیا، تو اب بھی وہ اپنے لئے بلا قیمت دوا لے سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب: نہ قبل مضاربت ایسا معاہدہ جائز ہے اور نہ بعد مضاربت، یہ رشوت محضہ ہے۔

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (حوادث اول و ثانی ص ۱۶۲)

سوال (۱۶۳) یہاں پر ایک مسجد ہے، محلہ والوں نے چند جمع کر کے
میں بائع سے جریانہ وصول کرنا اس کی مرمت شروع کی ہے، ایک ہندو سے کچھ پتھر مسجد کیلئے خریدا، بہت
روز پیشتر اس کی قیمت دیدی، اور معاملہ ہو گیا، بائع کا بہت سا پتھر ایک جگہ پڑا ہوا ہے، اس میں سے کچھ
خریدا ہے لہذا اس نے یہ کہا کہ تم اپنی پتھروں کی سلوں پر نشان لگا دو، اور پھر جب چاہو اٹھا لیاؤ، ہم نے نشان
پتھروں پر لگا دیئے، اور کچھ دنوں تک اس وجہ سے پتھر نہ اٹھا سکے کہ بائع نشان شدہ پتھروں کو دیکھ لے چکا
اُس نے دیکھ بھال لئے، اب جو اٹھانے گئے تو اُس نے اور اُسکے کارندوں نے بدتمتی سے ہمارا نشان شدہ
پتھر سب بیچ ڈالا، اور خراب پتھر دیا ہے، اس معاملہ میں ہم لوگوں کو سخت جاں کا ہی محنت اور بار برداری
کا حرج دینا پڑا، اور بائع بد معاملگی سے پیش آتا ہے، اگر عدالت میں مقدمہ دائر کیا جاتا ہے تو بوجہ خیانت بھرتا
کے اس قیمت سے جو بائع کو دی گئی ہے دو گنا روپیہ عدالت دلواتی ہے، لہذا اصل سے زائد وصول شدہ روپیہ
مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں، میں نے مفصل حال لکھ دیا ہے، امید ہے کہ آپ کی سمجھ میں آ جاوے گا؟
ہاں اس قدر اور عرض ہے کہ اگر بائع اپنی خوشی سے علاوہ اس قدر پتھر کے جس قدر کی قیمت وہ چکا
ہے مفت زائد کچھ پتھر بطور ہرجانہ یا بھرتا نہ خیانت کے لئے تو وہ لے کر مسجد میں لگا دیا جاوے، یا ناجائز
ہے، جیسی کچھ صورت آ کر پڑے براہ نوازش مفصلاً مطلع فرما کر مسنون فرماویں؟

الجواب: بائع سے بلا رضامندی اصل حق سے کچھ زائد لینا جائز نہیں، عدالت کے دلولے سے تو
ناراضی اس کی ظاہر ہے، اور بدوین عدالت بھی ہرجانہ یا بھرتا نہ دینا اس کا خوف و دباؤ سے ہو گا وہ بھی جائز
نہیں، بس اپنا حق لے لیا جائے، اور جو مزدوری و بار برداری میں واقعی صرف ہوا ہے وہ بھی بعض علماء
کے نزدیک لینا جائز ہے، ۱۲ رجب ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ص ۱۰۷)

سوال (۱۶۴) شرع شریف کے احکام کرنے کو حرام لکھا ہے، اور خلاف شرع
حکم احکام کرنے والے کو قرآن شریف میں کافر ظالم، فاسق فرمایا ہے، چنانچہ سورہ مائدہ میں ہے

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ. اَيْضًا، هُمُ الظَّالِمُونَ، اَيْضًا، هُمُ الْفَاسِقُونَ
اور فرمایا ہے کہ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، لہذا آجکل عہد انگریزی کی ملازمت تحصیلداری
ڈپٹی گیری، منصفی و صدر صدوری اور وکالت و مختار کاری و بیرسٹری وغیرہ کہ ان میں خلاف حکم (احکام جاری

کرنا لازم ہے شرعاً حلال ہے یا حرام ؟

الجواب، حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، حکیم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۵۸) جن لوگوں کو سرکاری کام کے لئے پاس | سوال (۱۶۵) میں کوئلہ کی کان میں ملازم ہوں اور یہ کان، جی ملا ہو اس سے ذاتی ضرورت کا سفر | آئی، پی ریلوے کی ہے کمپنی کی جانب سے مجھ کو سیکنڈ کلاس کا پاس ملا ہوا ہے جس کے ذریعہ سے میں ٹریونگ کرتا رہتا ہوں، اب میرا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا ہے عمر میری بیس سال ہے، مجھ کو علاوہ ریل کے پاس کے کمپنی کی جانب سے جہاز میں سفر کرنے کی اجازت بلا ادائیگی معمول ہو سکتی ہو، اگر اس طریق سے حج کے لئے جاوے تو اس میں کچھ خرچ تو نہیں ہے اس کے بارے میں حضور فتویٰ دیں کہ ایسا حج قبول ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جہاز میں جو آپ کو سفر کی اجازت ہے تو اس میں آیا یہ قید بھی ہے کہ وہ سفر کمپنی کے کام کے لئے ہو، یا آپ کے ذاتی کام کے لئے بھی اجازت ہے، اول صورت میں جائز نہیں، دوسری صورت میں جائز ہے۔ ۷ ربيع الثانی ۱۳۲۲ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۱)

مال حرام و مشتبہ کے احکام

گناہ بوند استعمال کرنے | سوال (۱۶۶) کوئی جائز مال کا کھانا ناجائز مال کے برتن میں پکا کر کہ از مال حرام یووالخ | خیرات کرے تو ثواب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب، کھانے کا ثواب ہوگا اور اس برتن کے برتنے کا گناہ ہوگا، ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ حکم مال حرام بعد توبہ | سوال (۱۶۷) کترینہ بخانہ کجبران تولد ہوا ہے اور علم دین کی جب واقفیت حاصل کی تو قباحت اس بد پیشہ کی معلوم ہوئی تو میں نے اس سے نفرت کر کے نوکری کا پیشہ اختیار کیا اور بعد اس کے تجارت چوب و آوہ بختہ کی شروع کی، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بہت نفع دیا، اب محض برفا سندی حق تعالیٰ کے اس قوم کجبر کے سب افعال ناشائستہ سے توبہ کر کے پورا اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہوں، وہ مال میراث میرے نانا کا مشل مکان و نقد جائیداد کے جو منظر کے سوا اس کا اور کوئی وارث نہیں، جو نالائق، ناجائز خور و سودی و شراب کی کثافتی وغیرہ فسق و فجور کے ذریعہ سے جمع کیا ہوا نانا کا ہے، اور وہ بھی بلکہ معارف اسلام مسجد چاہ و سدرہ وغیرہ خدمت عالمان اور حج بیت اللہ میں خرچ ہو سکتا ہے یا نہیں، جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں مجھ خطا وار

کے مانند مشرف باسلام ہوتے تھے اُن کے مال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں دیتے تھے، الاسلام یہدم ماقبلہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب فی الذی المختار الفصل الاخير من کتاب الغصب الاضمان فی مینة ودم اصلاً فی رد المختار قوله ولاضمان فی مینة ودم اصلاً ای مطلقاً ولولذی کما سیعبر بہ اذ لا ین تمولہما من اهل الا دیان ہدایة، وفیہ قبل الفصل فی بیان بعض الصور الحرام قوله فکذ یتصدق، وفی صحیح البخاری باب الشرط والجهاد من کتاب الشروط فی قصة الحديبية وکان المغيرة صحب قوماً فی الجاهلیة فقتلہم واخذ اموالہم ثم جاء فاسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منه فی شئ قال لقسطلانی ولعلہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک المال فی یدہ الامکان ان یسلم قومہ فیرد الیہم اموالہم اھ در مختار کی روایت اولی سے حسب تسلسل رد المختار یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوا کہ کفار جس کو اپنے دین کی موافق سمجھتے ہوں، اس سے جو اموال حاصل ہوں وہ اُن کے ملک ہو تے ہیں، اور جو امر خود ان کے نزدیک بھی دین کے خلاف ہو اس سے جو مال حاصل ہو گا وہ ملک نہیں، اور ظاہر ہے کہ فسق و فجور اور سود کو سب بُرا جانتے ہیں البتہ شراب کو بہت کفار بُرا نہیں جانتے لہذا صورت مسئلہ میں شراب کی کمائی تو اگر کفار سے بولاد کو میراث میں پہونچی حلال ہے، اور اگر مورث مسلمان تھے تو یہ بھی حرام ہے، اور دوسری کمائیاں ہر حال حرام ہیں اور در مختار کی روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ ایسے اموال خبیثہ کو تصدق کر دے، یعنی یت اخراج عن الملک لرفع احتیاج مساکین ایسے محتاجوں کو دیدے جو بہت فقر میں مبتلا ہوں، لہذا مصارف خیر میں جن سے ثواب حاصل کرنا مقصود ہے خرچ نہ کرے اور بخاری کی روایت سے معلوم ہوا کہ السوال کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو مسلموں کیلئے جائز نہ رکھتے تھے، چنانچہ قسطلانی نے اور زیادہ تصریح کر دی، قرآن مجید کی آیات ربوا مثل ذروا ما بقی من الذبوا وغیرہ سے بھی یہی ثابت ہے، کیونکہ مخاطب اس کے نو مسلم ہیں اور اُن کا معاملہ ربوا زمانہ جاہلیت قبل الاسلام تھا، پھر بھی حرمت کا حکم فرمایا اور الاسلام یہدم حق معاصی میں ہے نہ کہ اموال حرام کے باب میں، ورنہ چاہے تھا کہ نساہ حرمت سے بھی بعد اسلام تفریق نہ کہاتے، حالانکہ احادیث میں اس تفریق کی تصریح وارد ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رسوال ۱۴۳۲ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۶۴)

سے یہ منقول نہیں دیکھا، اپنے استاد علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے سمجھا میں کہتا ہوں کہ اگر خیر النکان مال کی طرف سے جو چیزیں کھانا کھانا ہو جائیں گے تو ایسے اموال کا واجب تھا اور بوجہ عدم تعین تعذر ہو جائے خروج کیا جائے تو دوسرے امور خیر میں بھی جڑ جائے

ایضاً سوال (۱۶۸) زندی، جواری، وغیرہ بازا یعنی کسب حرام والے تائب ہو کر اگر چاہیں کہ اپنے مال کو خدا کی راہ میں صرف کریں تو اس کی کیا صورت ہے، اگر خدا کی راہ میں صرف ناجائز ہو تو کیا کر جلاؤ والے، ذباوے، اور کوئی شرعی حیلہ حلال کرنے کا ہے یا نہیں، بعض اپنا حلال روپیہ اس حرام روپے میں ملا کر زمین خرید لیتے ہیں، یہ حیلہ کیسا ہے؟

الجواب، وہ مال حرام رہتا ہے، جو لوگ فقر و فاقہ سے بہت پریشان ہوں ایسوں کو وہ مال بہ رفع حاجت دینا چاہئے، نہ بہ نیت حصول ثواب، اور اگر وہ شخص جس سے وہ مال ان لوگوں کا حاصل ہوا ہے وہ بالیقین بالتحفیض معلوم ہو تو اس کو واپس کر دینا چاہئے، اور حرام کو حلال کرنے کے لئے کوئی حیلہ مفید نہیں، اگر دوسرے روپے میں ملایا تو حقہ رسد اس کی نسبت اس میں بھی حرمتِ خباثت پیدا ہو جائیگی،

اور اسی طرح جو چیز اس سے حاصل ہو اس میں بھی فقط واللہ تعالیٰ اعلم (امداد، ج ۲ ص ۱۲۹) **سوال (۱۶۹)** زانیہ کافرہ اگر مسلمان ہو جائے تو مالِ مکتسبہ اس کا طیب ہوگا یا غیر طیب؟ **الجواب**، غیر طیب، کیونکہ زنا کسی ملت میں حلال نہیں۔

یکم جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ (تمہ ثانیہ ص ۳۴)

سوال (۱۷۰) کوئی جائز مال کا کھانا ناجائز مال کے برتن میں پکا کر جو برتن مال حرام سے خرید لیا ہو اس کا استعمال گناہ ہے؟ **الجواب**، کھانے کا ثواب ہوگا اور اس برتن کے برتنے کا گناہ ہوگا۔

۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (تمہ ثانیہ ص ۹۵)

سوال (۱۷۱) کیا جواب ہے ان سوالوں کا اے علمائے دین و مفتیان شرع میں مل جائے؟ **متین و عاملانِ جبل المتین**، اول یہ ہے کہ ایک شخص مر گیا اور اس کی کمائی حرام ذریعہ سے ہے اور اس کا بیٹا اس کو جانتا ہے اور خاص لوگوں کو بھی جانتا ہے، تو بیٹے کے واسطے یہ مال حلال ہے یا نہیں، مع دلیل بیان کیجئے اور ثواب لیجئے، اور اگر حلال نہ ہو تو بیٹے پر وہ مال مالکوں کے پاس کس دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدر المختار و فی الاشبہاء المحرمة متعدد مع العلم بها الا فی حق الوارث و قید فی الظہیریۃ بان لا یعلم ارباب الاموال و سنحققہ ثمہ،

اور رد المحتار میں اس پر بہت بسط سے بحث کی ہے، حاصل مجموعہ کا یہ ہے کہ اگر کوئی مال حرام علیحدہ

۱۷ اور اپنی طرف سے دینے کی نیت نہ کرے بلکہ اپنی حقوق کی طرف سے ۱۷

رکھا ہے تو وہ بالکل حرام ہے، یعنی اس میں تصرف بھی نافذ نہ ہوگا، پس اگر اس کا مالک معلوم ہے تو اس کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر معلوم نہیں تو نقد کی طرح مساکین پر تقسیم کر دے، اور اگر وہ مال باہم مخلوط ہو گیا تو اگر مالک مستحق معلوم ہے تو اس کا بدلہ واپس کر دے، اور اگر مالک بھی معلوم نہیں تو تقسماً اس میں تصرف نافذ ہو سکتا ہے لیکن دیانۃً اس کو حلال نہیں۔ ج ۴ ص ۲۰۱ و ۲۰۲، الی شرحہ قولہ سنحۃ ثمر، واللہ اعلم۔ ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۰۲)

سوال (۱۴۲) صاحب تقریب غیر مشروع اپنے محلہ کے مولوی کو بعض اوقات مگر خوشدلی سے اس کا حکم کچھ نقد یا کچھ راشد واسطے کا نام لیکر دیتے ہیں، اکثر تو اسی غرض سے دیتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ اچھا بیاہ کیا کہ ملاں مولوی کو بھی کچھ نہیں دیا، یہی حال مساجد میں بھی دینے کا ہے بعض اخلاص کے ساتھ بھی دیتے ہیں، و قلیل ما ہم بل الاقل، اس میں لینے والے کی تین صورتیں ہیں بعض کو ریا، کافین ہوتا ہے، بعض کو اخلاص کا، بعض اشتباہ میں رہتے ہیں، ہر سہ صورتوں کا حکم فرمایا جائے، اگر ملاں مولوی کو گھر اکیرا راشد واسطے کا نام لیکر کچھ دیوے اور قبیل کرے پھر ارادہ کرے تو لیا جائے یا نہیں؟

الجواب، ریا سے مال میں خبث نہیں آتا صرف ثواب باطل ہو جاتا ہے، اگر بطیب خاطر دینا یعنی ہو، گوریا سے دیا ہو وہ حلال ہے۔ ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۵۱)

سوال (۱۴۳) کچھ کوئلہ یا لکڑی کسی ناجائز جگہ سے لایا یا چھڑا کر لایا، اور آگ جلائی، اس آگ کے دھیر میں سے ب آگ لے سکتا ہے یا نہیں، ب کو خوب طرح سے معلوم ہے کہ کوئلہ یا لکڑی چوری کا مال ہے؟

الجواب، انگار نہیں لے سکتا، اس کے شعلہ سے اپنی کوئی چیز سلگا سکتا ہے۔

۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۲۲)

سوال (۱۴۴) علمائے دین و شرع متین ان مسائل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، کہ ایک کنواں کسی زندگی نے خاص روپے سے تعمیر کرایا، اور اس کنویں پر کسی شخص کو مقرر کر دیا کہ وہ پانی نکال کر خلق خدا کو نفیس لے کر پانی بھروں گا اگر دوسرے کنواں جو کسی ہندو نے چڑھا دے کے روپے سے بنوایا ہو اور یہ ہندو کسی قسم کی نفیس دیوے ان دونوں کنوؤں کا پانی مسلمان کو پینا اور اس سے وضو کر کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، کنواں تعمیر کرنے سے پانی ملوک نہیں ہوتا ہذا روپے اور نیت کا خبث پانی میں مؤثر نہیں ہوگا، دونوں کا پانی حلال ہے پینا اور وضو وغیرہ سب جائز ہے معہ رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث اول ص ۱۱۶)

سوال (۱۷۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شریع متین اس مسئلہ میں کہ زید کسی ریلوے اسٹیشن پر اشیاء خورد و نوش، مٹھائی وغیرہ کا ٹھیکہ دار فرودخت، اشیاء رعایتی ٹھیکہ دار ہے اور مسافروں کو سرخ مقررہ افسران ریلوے پر دیتا ہے، مگر اسٹیشن کے بابوؤں کو خاص رعایت سے دیتا ہے، اور یہ رعایت اسی لئے منظور ہے کہ بابو لوگ کو فائدہ خند اندازی اس کے کام میں نہ کریں، یہ رعایت اس اسٹیشن کے بابوؤں کو لینی کیسی ہے؟

الجواب، ناجائز ہے۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۳۳)

سوال (۱۷۶) میرا ایک عزیز ڈاک خانہ میں ایک ماہ کیلئے موقوف تھا سرکاری کام سے بھی ہوتی چیزیں مثل کاغذ، قلم، روشنائی وغیرہ کا حکم بعد اختتام مکان آیا، اور اپنے ساتھ کچھ بٹیاں لاکھ کی اور ڈیر لایا، اور مجھ سے کہا کہ یہ بھی میں نے اس سے تفصیل پوچھی، اس نے کہا کہ یہ حاکم بالا کی طرف سے ایک ماہ کے خرچ کو ملتی ہیں اور جو بچے اس کو کوئی نہیں پوچھتا، میں نے یہ سنکر خاموشی اختیار کی، حالانکہ مجھ کو بہت ضرورت لاکھ کی تھی، اس لئے دریافت کرتا ہوں کہ اسکے استعمال میں خرچ ہے یا نہیں، اور ملازمین کے ذمہ جو چیزیں بچیں ان کی واپسی سرکار کو کر دینی چاہئے یا نہیں؟

الجواب، ملازمان سرکاری سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اس شخص کی ملک نہیں کی جاتیں، اس لئے بھی ہوتی چیزیں ملک سرکاری ہیں، جن کا واپس کر دینا واجب ہے، البتہ اگر احیانا دی ہوئی زیادہ خرچ ہو جاتی ہوں تو اس صورت میں بھی ہونی کو احتیاطاً بطور امانت اس غرض سے رکھ لینا جائز ہے کہ اگر کمی پڑے گی تو پھر اس میں سے خرچ کر لیں گے، لیکن ہر حال میں وہ امانت ہے اس شخص کی ملک نہیں۔ ۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۴)

سوال (۱۷۷) غلام کو کاغذ سادہ کار سرکار کیلئے ماہانہ ملتے ہیں، جن کی تعداد مقررہ ہے، اس سے زیادہ نہیں مل سکتا، خواہ کمی رہے یا زیادتی رہے، اس صورت میں اگر خرچ سے زیادہ ہوں تو اپنے خرچ کے کام میں وہ کاغذ وغیرہ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، یہ تحقیق کرنا چاہئے کہ اگر کاغذ بچنے کی اطلاع ہو جاوے تو اس کی وجہ سے آٹھ کمی تو نہ کریں۔ (حوادث خامسہ ص ۱۷۷)

سوال (۱۷۸) ایک مدرسہ جس میں انگریزی تعلیم ہوتی ہے، کچھ سرکاری مال مخلوط از حلال و حرام جائز ہے جب تک کہ اس میں حرام غائب ہو۔ امداد ہے اور کچھ روئے مقادیر ہیں، سرکاری رقم پچاس روپے ماہوار ہے اور رقم چندہ سو روپے ہے جس میں پچاس روپے کی رقم ایک رئیس کی آمدنی سے ہر جو دو کالت پیشہ تھا،

بقیہ رقم مختلف پیشے کے لوگوں کی ہے، جس میں زیادہ ملازم سرکاری ہیں، گو یہ محقق نہیں ہے نہ بلا وقت عظیم ہو سکتا ہو کہ رقم چندہ خالص تنخواہ سے آتی ہو، ایسے مخلوط سرمایہ کے اسکول کی نوکری مطلقاً جائز ہو یا نہیں، اگر نہیں ہے تو اس قید سے جائز ہو سکتی ہو کہ تنخواہ سرکاری رقم سے حاصل کی جاوے ؟

الجواب، اصل اباحت ہو اور یقین لایزول بالشک، اسلئے جب تک حلال کا غیر غالب نہ ہونا یقیناً نہ معلوم ہو اس مخلوط سے تنخواہ لینا حلال ہے، اور اگر ایسا انتظام کر لیا جاوے کہ خاص سرکاری رقم سے یہ تنخواہ لی جاوے تو اور زیادہ احتیاط کی بات ہے، ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ رابعہ ص ۲۰)

سوال (۱۷۹) اگر ایک مکان بذریعہ وراثت حاصل ہوا ہو اور مورث رشوت بآمد فی غالب بھول لے لے والا ہو اور زراعت وغیرہ بھی ہوتی ہو مگر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس میں کس آمدنی کا روپیہ لگاؤ مگر اتنا معلوم ہے کہ زراعت بہ نسبت رشوت زیادہ تھی تو اس مکان کو اپنی جائے سکونت بنانا شرعاً کیسا ہے ؟

الجواب، جائز ہے، اول تو زراعت کا بہ نسبت رشوت زیادہ ہونا ظاہر قرینہ غلبہ منافع زراعت کا ہے، دوسرے معلوم نہ ہونے کی صورت میں اباحت کے اصل ہونے سے حلال ہی کو غالب کہا جاوے گا۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ۔

سوال (۱۸۰) اول :- قصبہ ہذا کی مسجد میں خاکروب کو واسطے گرم کرنے یا گرم کئے ہوئے پانی کا استعمال پانی کے کہا تو اس نے جواب دیا کہ چھ دھڑی اناج ملتا ہے میں سات دھڑی لوں گا، کیونکہ کوڑا بہت مشکل سے ملتا ہے، کوڑی پر سے کاشتکار زمیندار اٹھانے نہیں دیتے چوری چھپتے سے لاؤں گا، نمازیوں نے سات دھڑی اناج قبول کر لیا، اور خاکروب کو راڈ ملنے لگا، ایسے کوڑے سے پانی گرم کرنے سے وضو و غسل درست ہے یا کیا ؟

دوم :- پڑاؤہ گرم کباڑہ کا ٹھیکہ زمیندار سے لیتے ہیں، کہ دس بیس روپیہ دیتے ہیں کہ چھ ماہ یا برس روز تک کباڑہ ہمارا رہا، اور وہ کباڑہ زمیندار کی رعیت کے مکانوں کا جو رعیت کاشتکار نہیں ہے، پڑاؤہ گروں کے یہاں جاتا ہے، ایسے کباڑے پڑاؤہ پکا کر اینٹیں فروخت کرنا درست ہے یا کیا ؟ جواب سے سرفراز فرمادیں، اور ایسے پڑاؤہ گرم کی کمائی درست ہے یا کیا ؟

الجواب، یہ سب صورتیں ناجائز ہیں، لیکن ان سے پانی اور اینٹ میں کوئی حرمت نہیں آتی،

۸ محرم ۱۳۳۳ھ (حوادث رابعہ ص ۶)

سوال (۱۸۱) زید کا باپ عمرو پچاس روپے مشاہدہ پر ایک عیسائی ریا

میں ملازم تھا، مگر خیر ج بھی اسے سیکر تھا، زید کو معلوم ہو کہ اس کا باپ متدین اور رشوت سے محترز نہ تھا، اگر نہ ایک مکان اور جائیداد خریدی، جو زید کو ترکہ میں ملی، اخراجات و مصارف خانگی سے بخوبی واقفیت کی بنا پر زید کہہ سکتا ہے کہ یہ کل مال رشوت کا پیدا کیا ہوا ہے، اور کل نہیں تو اکثر مال رشوت کا ضرور ہے اس مکان میں رہنا یا اس کا بیچنا وغیرہ انتفاع زید کو حلال ہو یا نہیں، اگر نہیں تو کیا کرے؟

الجواب، تکرر علیہ فی الذل المختار فی مواضع قبیل باب ذکوة المال قبیل باب الفضول و کتاب الغصب احکام البیع من المحظرات الا باحۃ تنقل منہا روایت واحدہ و هو کالمخلص من جمیعہا و ہی ہذا، و الحاصل ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیہم والا فان علم عین الحرام لا یخل لہ و یتصدق بہ عند صاحبه وان کان مالاً مختلطاً مجتمعا من الحرام ولا یعلم اربابہ لا شیئاً منہ بعینہ حل لہ حکماً و الاحسن دیانۃ التنزیع عنہ اھ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جن سے رشوت لی ہے اگر معلوم ہوں یا کوئی چیز خاص رشوت میں لی ہوئی لیکن موجود ہو تب تو زید کو انتفاع حلال نہیں، ورنہ فتویٰ کی رو سے حلال ہے، گو تقویٰ کے خلاف ہے، ۱۱۲۲ ج ۲ ص ۱۶۱

اب رشوت کے ساتھ سوال (۱۸۲) زید اپنے برادران اور باپ کی شرکت میں رہتا ہے مگر جانتا ہے کہ غلط کر کے کھانا کھانا باپ بھائی رشوت لیتے ہیں، خانہ داری کی مشارکت کے باعث وہ رامپور کے حساب زید گھر میں برابر دیتا ہے، مگر اس کی کمائی اور بھائیوں کی رشوت کی رقم سب مشترک تھو میں آتی ہے، یہ صورت اس کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، غلط استہلاک ہے اور استہلاک موجب ہلک، پس اگر سب کی رقمیں مختلف اٹھتی ہیں تو ملوک مشترک ہیں فتویٰ سے جائز ہے گو تقویٰ کے خلاف ہے، اور اگر علی سبیل التعائب ہر ایک کی رقم جدا دونو ممتاز صرف ہوتی ہے، تو رشوت کے اٹھنے کے وقت زید بھی حرام کھاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱۲۲ ج ۲ ص ۱۶۱

ایضاً سوال (۱۸۳) جس شخص کی آمدنی مختلف ہو یعنی سودی کاروبار کرے و نیز کھیتی وغیرہ حلال آمدنی بھی کرتا ہے، ایسے شخص کے مکان میں خورو و نوش کرنا شرعاً جائز ہو یا نہیں، بر تقدیر جواز لم بھی اشاری ہو اس لئے کہ بظاہر تو عدم جواز کو ترجیح ہے، حسب قواعد اصول اذا اجتمع التحلال و الحرام ہے فغلب الحرام۔

الجواب، اس میں غالب کا اعتبار ہے اگر حلال غالب ہو تو حلال ہے اور اگر حرام غالب یا درنا

متساوی ہیں تو حرام ہو اور واقعی اذا اجتماع المحلل والمحرّم کا مقصد حرمت علی الاطلاق تھا لیکن دفع حرج کے لئے اعتبار غالب کا کیا گیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۶ رزیح الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷۲)

جائز و ناجائز، مکروہ و افعال استعمال

سوال (۱۸۴) اس کا کیا حکم ہے کہ جن دنوں میں حکام لوگ دورہ کیا کرتے تلافی کی ایک صورت، میں تو دوکانداروں سے کھیوٹ کے نام سے تاوان لیا جاتا ہے، یعنی آپس میں سب دوکاندار یہ قرار دے لیتے ہیں کہ جو دوکاندار دیرہ حکام پر جائے تو اس کو جتنا ضرر ہوگا اس کی مکافات کے لئے اس کو سب جمع کر کے کچھ دیکھ دیتے ہیں، کبھی نقصان اس سے کم ہوتا ہے کبھی زیادہ ہوتا ہے، اگر کوئی دوکاندار دینے میں کچھ حجت کرے تو دوکان اسکی اٹھوا کر جہاں حکام دورہ ٹھہرے ہوتے ہیں وہاں بھیجتے ہیں، جس کی کچھ دلوزہ فریاد، وہاں جا کر کئی کئی روپیوں کا نقصان ہوتا ہے، دوکان پر ایک آدمہ روپیہ دیدیا جاتا ہے تو یہ وبال نہیں اٹھانا پڑتا ہے، دریافت طلب یہ بات ہے کہ دوکان پر کچھ دیں یا وہاں جا کر کسر اٹھائیں، اور وہاں جا کر زیادہ کسر کا سبب یہ ہوتا ہے کہ بازار کے بھاؤ سے زیادہ لیتے ہیں؟

الجواب، یہ کھیوٹ ایک قسم کی رشوت ہے جس کا دنیا دفع ظلم کیلئے جائز ہے مگر لینا جائز نہیں، جس دوکاندار کو یہ تاوان جمع کر کے نمبر وار دیا جاتا ہے، اسکو لینا حرام ہے اور جن دوکانداروں سے لیا جاتا ہے ان کو دینا جائز ہے۔ یعنی وہ اس کے دینے سے گنہگار نہ ہوں گے۔

(۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ (تمہ رابعہ ص ۳۷))

سوال (۱۸۵) زید کے صحن کا پانی بذریعہ ناؤدان بکر کے صحن میں گزرتا ہے، اور زید زیادہ بڑھا لیتا اپنے سائبان کھیرل کا پانی جواب تک دوسرے ناؤدان سے جو زید کے گھر میں ہے بہاتا تھا، اب زید اس کھیرل کو جدید کوٹھار تیار کر کے کوٹھے کا ناؤدان اس ناؤدان کے پاس گزرتا ہے جو بکر کے صحن میں ہو کر گزرتا ہے تاکہ اس سائبان کھیرل کا پانی بھی اسی ناؤدان سے جاوے، جس کا پانی بکر کے صحن میں ہو کر گزرتا ہے، بکر اس پانی کو جو جدید کوٹھے کا ہے اس ناؤدان سے نہیں جملنے دیتا، تو کیا بکر کو اس کوٹھے کا حق حاصل ہے، شرعاً یا اس بنا پر کہ جب زید کو قھوڑے پانی کے مرور کا حق اسی ناؤدان سے حاصل ہے تو اس سائبان کا پانی بہانے کا حق بھی اس ناؤدان سے شرعاً حاصل ہو جائے گا، کیا ایسی رعایت بجا رکھنے کے حقوق واجبہ سے جو بکر کو سمجھایا جاوے کہ زید کو کوٹھے کا پانی بہانے دے اور زید باوجودیکہ بے سانی

اس کو ٹھکے کا پانی اسی طرف بہا سکتا ہے جس طرف پہلے سائبان کھیریل کی اولٹی گرتی تھی مگر خواہ مخواہ جبراً اسی ناؤدان سے جو بکر کے صحن میں ہو کر گزرتا ہے بہانا چاہتا ہے ؟ فقط

الجواب فی الدر المختار کتاب القسمة قسم احدہم سبیل ماء او طریق فی ملک الآخر و الحال انه لم یشرط فی القسمة صرف عند ان امکن الا فسخت القسمة فی رد المختار قوله لم یشرط اما لو اشترط ترکہما علی حالہما فلا تفسخ و یکون له ذلک علی ما کان قبل القسمة (جوشہ ج ۵ ص ۲۵۶) و فی الدر المختار فصل الشرب و لیس لاحد من الشراک فی النہر ان یشترط فہر او ینصب علیہ حتی الارجی و ینع فی ملکہ لا یضر بنہر ولا بماء و قایۃ او دالۃ او جراً و یوسع فہر النہر الی قولہ لان القدیم یتروک علی قدمہ لظہور الحق فیہ فی رد المحتار قوله لان القدیم الخ کذا فی الہدایۃ و غیرہا ج ۵ ص ۲۳۹

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اس طرف جدید کا زید کو کوئی حق حاصل نہیں، جبر کرنے سے گنہگار و ظالم ہوگا، اور بکر کو حق ہے کہ زید کو اس سے مانع ہو۔ (شرف علی

۳ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۶)

سواری پالکی | سوال (۱۸۶) زنان و مردان را بر پالکی و میاں سوار شدن بہر حالت خواہ تمذرت یا نہ باشد یا مرخص اگر حاملان پالکی مسلمان باشند رواست در حالت حاملان کافر بیع اختلاف ست یا نہ ؟
الجواب، سواری پالکی حلال ست خواہ حاملان مسلمان باشند یا غیر مسلمان بلش محل حاملان است آن ہو و ج را کہ درو حضرت عائشہؓ فی بود کما فی الحدیث الافک و در مسلم و غیر مسلم و جہ تسرق نیست ۔ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (تمہ رابعہ ص ۱۸)

ضرر کے خوف سے رشوت دینا | سوال (۱۸۷) گاؤں کے پواری کو جس سے اندیشہ قوی نقصان ہو گیا ہے رشوت دینا کیسا ہے، اور یہ رشوت سالانہ مقرر کر لینا بلا کسی قید و کام کے کیسا ہے ؟

الجواب، جب بدو دیئے مفرت کا خوف ہو جائے ۔ ۱۸ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث ثالثہ ص ۶۲)

افسردگی ہیئت متعارفہ | سوال (۱۸۸) ڈرل وغیرہ کے بعد اسکول کے ٹرکے انیسر کو سر پر ہاتھ کے موافق سلام کرنا رکھ کر سلام کرتے ہیں، اگر نہ کرایا جائے تو وہ خشکیں ضرور ہوں گے، اگر

کرایا جائے تو یہ گناہ ہے، اس صورت میں کیا کرنا چاہئے ؟

الجواب، دفع ضرر کے لئے اس ہیئت سے سلام کرنا درست ہے اور اس کے منع کے معنی یہ ہیں کہ شرعاً یہ سلام نہیں گو کسی قوم کے عرف میں سلام ہو، تو اس سلام عزنی کیلئے

وہ آداب شرعیہ ثابت نہیں۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (حوادث رابعہ ص ۲۶۶)
اہل باطل کے رسائل کی کتابت | سوال (۱۸۹) ایک کاتب کا پی لکھنے والا جس کا پختہ عقیدہ اہل سنت
 والجماعت کا ہے اور انہی حضرات کا معتقد ہے، دریافت کرتا ہے کہ سید احمد خاں کی تفسیر کی کا پی لکھنے میں مجبور تو
 خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی مواخذہ نہ ہوگا، ایسی حالت میں جبکہ روزی اسی کام پر ہے اور یقین ہے کہ سید احمد
 خاں کے عقائد اہل سنت والجماعت کے خلاف تھے، اور ان کے پیچھے مضامین کا اشرار الشار الشیخ پر نہیں
 ہو سکتا، اور یہ بھی ظاہر کہ نا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ کاروبار کی کمی ہے مجبوراً ایسی لکھائی لکھی
 جاتی ہے، اور موجودہ وقت میں فی صدی ایک کا پی نوپس غیر قوم کا ہوگا، ورنہ کل مسلمان ہیں، اور تمام
 کتابیں دوسری قوموں کی مسلمان ہی لکھتے ہیں؟

الجواب، فی الدر المختار باب المحظورات الاباحۃ وجاز تعمیر کنیسیۃ الخ ص ۳۲۰
 اس قیاس پر یہ کتابت بیرونی فتویٰ جائز ہے، گو تقویٰ کے خلاف ہے، مگر مجبوری میں گنجائش ہے،
 ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (حوادث رابعہ ص ۲۶۷)

کھانے کی تواضع متعارف | سوال (۱۹۰) اگر کھانا کھاتے وقت کوئی شخص آجائے تو اسکی تواضع جائز ہے
 بشرط صدق نیت جائز ہے | یا نہیں، خواہ وہ مسافر ہو یا وہاں کا باشندہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟
الجواب، جائز ہے، اگر دل میں بھی ہو کہ یہ کھائے تب تو ظاہر ہی ہے، اور اگر دل میں نہ بھی ہو تو
 اس نیت سے جائز معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس کا اکرام ہے، اور نہ کہنے میں بعض اوقات ایک گونہ اہانت
 ہے، اور ادب کے طریق میں اتنا اختلاف ظاہر و باطن میں محتلی کیا جاتا ہے، جیسا حدیث میں ہے کہ اگر
 وضو ٹوٹ جاوے تو ناک پکڑ کر باہر چلا جاوے، ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۸)
دھوکا دینا اور سودے میں میل کرنا | سوال (۱۹۱) بعض مردار، دریں باب گندم نہائے جو فروشی فی کنند
 یعنی دختر خوب صورت را نشان دادہ وقت نکاح دختر سیاہ و بد صورت را با آن حوالہ فی کنند بعد از
 آمدن در مکان معلوم فی شود کہ این دختر دیگر است و آرد، دختر نمودہ شدہ دیگر بود دریں باب حکم شرع
 چیست؟

الجواب، جواب مثل جواب چہاریم است۔ (تتمہ اولے ص ۳۱۹)
 کسی دوسرے شخص کا مارکہ بالینا | سوال (۱۹۱) زید نے اپنے کسی مال کا مارکہ معین کر کے مثلاً شمشیر مارکہ
 یا مقررہ مارکہ مقرر کر کے حبسری کر دیا، بخیاں تحفظ حق مارکہ کے تاکہ کوئی دوسرا شخص میرے اس مارکہ
 حبسری شدہ کو نہ بناوے، اگر بیکہ بھی اپنے مال پر اسی مارکہ کا چھاپ بناوے تو درست ہے یا نہیں؟

عہدہ و آل جہاب میں است کہ حرمت میں فعل ظاہر در سوال ہم مصرح و مسلم است ۱۲ محمد شفیع

الجواب زید کی تو اس میں شرعاً کوئی حق تلفی نہیں، مگر بوجہ تلبیس کے یہ جائز نہیں کہ دیکھنے والوں کو دھوکا ہوگا۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۶)
ٹیکس تشخیص کرنے والے سے اپنا مال چھپانا | **سوال** (۱۹۲) زید انکم ٹیکس ادا کرنے کی حیثیت رکھتا ہے تاہم معافی کے خیال سے اپنے مال تجارت کو تشخیص کنندہ ٹیکس سے چھپا کر اپنے کو ناقابل ثابت کرتا ہے آیا یہ فعل زید کا از روئے شرع شریف کیسا ہے، بینوا تو حبروا؟
الجواب گناہ تو نہیں لیکن خطرہ میں پڑنا بھی شرعاً پسند نہیں۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۶)

سوال (۱۹۴) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ حجاج پر قرطبہ میں یا کہیں اور کسی قسم کا ٹیکس لگایا جاتا مذہباً از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟
الجواب شرعاً جائز نہیں، بلکہ ایسے ٹیکس اس حد تک ناجائز ہیں کہ اگر بدو یا ایسے ٹیکسوں کو ادا کئے ہوئے حج نہ کر سکے تو بعض فقہائے اسلام نے حج کی فرضیت کو ساقط کہہ دیا ہے، چنانچہ درمختار کی کتاب الحج میں ہے جو فقہ کی معتبر کتاب ہو وہلہ ایوخذ فی الطريق من المکس الخفارة عند قولان اور ردالمحتار میں اس قول کے تحت میں ہے:-

ومثله ما یأخذہ الاعراب و زعمان من الصرامعین من جهة السلطان نصاً اللہ تعالیٰ دفع شہم ج ۲ ص ۴۱۹،
 ماسئل ترجمہ عبارت مذکور کا یہ ہو کہ حج کے راستہ میں جو ٹیکس وغیرہ لیا جاتا ہے، کیا اس سے حج فرض نہیں رہتا بعض کا یہی قول ہے، اور یہی حکم ہے اس کا جو ہمارے زمانہ میں بدوی لوگ سلطان سے لیتے ہیں، بلکہ اسلامی قوانین میں ایسے ابواب کو یہاں تک ناجائز رکھ لیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ جو بیت المقدس کی زیارت کو جاتے ہیں اس کی وجہ سے ان سے رقم لینا حرام کہا گیا ہے، چنانچہ ردالمحتار میں جس کا اوپر ذکر آیا ہے لکھا ہے،

قال الخیر الرملی اقول منه یعلو حرمة ما یفعله النمل الیوم من الاخذ علی راس الحوی و الذی خارجاً عن الجزیة حتی یلک من زیارة بیت المقدس ج ۲ ص ۴۲،

جب سفر بیت المقدس کے سبب غیر مسلم سے لینے کی اجازت نہیں تو سفر حج کے سبب مسلم سے کچھ لینے کی اجازت کیسے ہوگی، بلکہ تو ان اسلامیہ کا یہاں تک مقتضایہ ہے کہ اگر ایسی زمینیں حکام غیر مسلم اہل اسلام وصول کرتے ہوں تب بھی اپنے مقام حکومت میں حکام اہل اسلام کو غیر مسلم سے اس کا وصول کرنا جائز نہیں، نظیر اس کی عشر ہے کہ اگر اہل تجارت غیر مسلم تاجر کے پاس نصاب سے کم ہو اور وہ لوگ اپنی مقام حکومت میں تاجر مسلم سے پس مقدس عشر لیتے ہوں، تو ہم جب بھی تاجر غیر مسلم سے نہیں گے، اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے

کہ یہ ظلم ہے، اور ظلم میں موافقت نہیں کی جاتی، اس وجہ سے صاف ثابت ہوا کہ جس رقم کا وصول کرنا تو اعدا اسلامی سے ناجائز ہے، اگر غیر مسلم سلطنت ایسی رقم مسلمان سے بھی وصول کرتی ہو تو اسلامی سلطنت تب بھی غیر مسلم سے وصول نہ کرے گی، عبارت اس نظیر پر دلالت کرنے والی رد المحتار میں یہ ہے:

ولا نأخذ منهم شيئاً إذا لم يبلغ ما لهم نصاً بأوان، أخذوا منا في الأصح (أنه ظلم ولا متابعة عليه ج ۲ ص ۲۳)۔ پس دلائل مذکورہ صاف صاف دلالت کر رہے ہیں کہ ایسے ٹیکس حجاج سے وصول کرنے بروئے مذہب اسلام جائز نہیں۔ ۱۸ صفر ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۰۶)

علم حیدر سوال (۱۹۵) ص ۲ نم ۳ ج ۲ قاضی خاں رجل له على رجل عشرة دراهم فاراد ان يجعلها
ثلاثة عشر الى اجل قالوا يشتري من المديون شيئاً بثلاث العشرة و يقبض المبيع ثم يبيع من
المديون بثلاثة عشر الحسنة فيقع التحرز عن الحرام ومثل هذا روى عن رسول الله صلى
الله عليه وسلم انه امر بذلك،

رجل طلب من رجل دراهم ليقرضه بده دوا زده فوضع المستقرض متاعاً بين يدي
المقرض فيقول للمقرض بعت منك هذا المتاع بمائة دراهم فيشتري المقرض ويدفع اليه
الدراهم ياخذ المتاع ثم يقول المستقرض بعتي هذا المتاع بمائة وعشرين فيبيعة ليحصل للمستقرض
مائة دراهم يعود اليه متاعه فيجب للمقرض عليه مائة وعشرون درهماً والا وفاق والاحوط ان
يقول المستقرض للمقرض بعد ما قهر المعاملة كل مقالة و شرط كان بيننا فقد تركت
ثم يعقدان بيع المتاع وهذه المسئلة دليل على جواز البيع الوفاء اذا لم يكن الوفاء شرطاً
في البيع هذا اذا كان المتاع للمستقرض فان كان المتاع للمقرض ليس للمستقرض شيء
ويريد ان يقرضه عشرة بثلاثة عشر الى اجل فان المقرض يبيع من المستقرض سلعة بثلاثة
عشر يسلم السلعة الى المستقرض ثم از المستقرض يبيع السلعة من اجنبي بعشرة
ويدفع السلعة الى الاجنبي ثم الاجنبي يبيع السلعة من المقرض بعشرة و ياخذ العشرة
منه ويدفعها الى المستقرض فيبرأ الاجنبي من الثمن الذي كان عليه للمستقرض
فتصل الى المقرض بعشرة وللمقرض على المستقرض ثلاثة عشر الى اجل،

عبارت منقولہ کے علاوہ اور بھی حیلے قاضی خاں نے لکھے ہیں، اب تک ان حیلوں کو بے اصل سمجھتا تھا، اور نیز صفائی معاملات و بہشتی زیور وغیرہ میں ایسے معاملات پر تنبیہ بھی کی گئی ہے، کچھ عرصہ سے نتاوی قاضی خاں کے حیلوں کو دیکھ کر دریافت کرنے کا خیال رہا کیا، آج بغرض دریافت اب ترقی

عبارات کو نقل کر کے بغرض ملاحظہ مرسل ہو دل قبول نہیں کرتا، اگر کوئی غلطی سمجھنے میں ہوئی ہو تو تنبیہ فرمائی جائے، ورنہ تاویل بتائی جاوے، حضور کے ظل ہدایت و افادات کو خدائے پاک دائم و قائم رکھے، تردد صرف یہ ہے کہ یہ حیلہ ربوہ معلوم ہوتا ہے،

الجواب، جواز کے دو معنی ہیں، ایک صحت یعنی کسی قاعدے پر منطبق ہو جانا، گویا اس میں گناہ ہی ہو جیسے کسی شخص پر جبر کر کے اس کی بی بی کو طلاق دلوادے، اور بعد عدت اس سے نکاح کرے، صحت نکاح اور معصیت دونوں ظاہر ہیں، دوسری حلت یعنی گناہ نہ ہونا، پس اگر ان حیل کا جواز بالمعنی الاول تب تو کوئی شبہ ہی نہیں، مگر یہ مفید نہیں، اور اگر بالمعنی الثانی ہو تو اس میں یہ شرط ہے کہ ان حیل کے اجزاء اتفاقاً واقع ہو جاویں، مشروط اور معروف نہ ہوں، اور نہ کسی پر جبر ہو کہ جبراً مور غیر لازمہ میں خود حرام ہے، چنانچہ جملہ اذالم یکن الوفاء شرطاً فی البیع اس طرف مشیر ہے، اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان حیل سے انتفاع غیر اختیاری ہے، اور اگر یہ شرط مسلم نہ ہو تو پھر یا تو یہ بعض کا قول ہو جو اصل مذہب کے خلاف ہے چنانچہ عبارات مذکورہ کے بعد یہ عبارت و هذه الحيلة هو العينة التي ذكرها محمدؐ اس کی دلیل ہے، اور عینہ کا مکروہ تحریمی ہونا جو قریب الی الحرام ہے، ہدایہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ کافی کتاب الکفایۃ جس پر فتح القدیر نے امام حمی کا یہ قول نقل کیا ہے وهذا البیع فی قلبی کامثال الجبال ذمہم قد ذمہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذا ابتاعتم بالعین الخ اور علاوہ خلاف مذہب ہونے کو باعث حرمت میں تعارض کے وقت حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے، اور یا حلت اضافی ہو جیسا کہ عبارات مذکورہ قاضی خاں کے بعد یہ عبارت اسکی دلیل ہے، وقال مشائخ بلیم بیع العینۃ فی زماننا خیر من البیع التي تجری فی اسواقنا عن فضل فیما یكون ضراً عن الربوا۔ ص ۴۰۸، ۱۰۔ سوال ۳۳۸ (تمتہ خامسہ ص ۱۵۴)

جس جانور کا بچہ مر جائے اس کا دودھ | **سوال** (۱۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں نکلنے کیلئے مصنوعی بچہ بنا کر رکھنا کہ ایک شخص کی بھینس کا بچہ مر گیا اور وہ بھینس بغیر بچہ کے دودھ نہیں دیتی اگر اس مردہ بچہ کی کھال نکلوا کر اور اس میں بھینس وغیرہ بھر کر بھینس کو دکھلا کر دودھ لینے کی غرض سے رکھ لیا جاوے، تو کیا اس طرح مردہ بچہ کو قائم رکھنا اور دودھ پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، جائز ہے۔ ۲۔ محرم ۱۳۸۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۳۰)

نبی بخش نام رکھنا جائز نہیں | **سوال** (۱۹۷) دیگر گزارش یہ ہے کہ حضور کی تصنیف شدہ کتابوں میں مثلاً بہشتی زیور اور تفسیر قرآن شریف میں غلام نے دیکھا تھا کہ پیر بخش، محمد بخش، مراد بخش، عبد الباقی، عبد البر مول وغیرہ نام رکھنے ناجائز ہیں، دو ایک آدمی نے دریافت کیا تو بندہ نے جواب میں کہہ دیا کہ ایسے نام

ناجائز ہیں، مگر اس جگہ عوام جو کہ صرف اردو فارسی کے ماہر ہیں بہت اس کلمہ پر ناراض ہو رہے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے تو دوسری جگہ سے فتویٰ بھی منگالیا ہے، جو کہ مجنبہ کارڈ ارسال ہے، جس میں آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ مولوی مذکور کو فی الواقع آدمی نہیں ہے، اس لئے حضورؐ گذارش ہے کہ جناب عالی اس کے متعلق اگر مفصل جواب عنایت فرما کر تشفی فرمادیں، نیز اعتراض کنندوں کی بھی تسلی ہو تو عین نوازش حضور ہوگی؟

میری گزارش یہ ہے کہ وجہ رکھنے ایسے ناموں کے ناجائز ہونے کی اگر مفصل تحریر فرمائی جاوے تو نہایت ہی تسلی کا باعث ہوگا، آئندہ حضور مالک ہیں؟

الجواب، حدیث میں ہے لا یقل احدکم عیدی، مانعت کیلئے کافی ہے اور لایہب سوا استدلال عجیب ہے، اس کا ایک جواب انما انار رسول ربک میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر میں وہ نیابت کی حیثیت سے اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں، جیسے جبریل علیہ السلام کی قرأت کو آیت فاذا قرأنا میں اپنی قرأت فرمایا ہے، یہاں بہ حق کو بہت جبریل فرمادیا، اور بحث میں کو نسی نیابت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں جبریل علیہ السلام کا ایک فعل نفع ہے جو بنا ہے اسناد مجازی الی السبب کی، اور امام بخش میں اس اسناد کی بنا کر کیا ہے۔ ۲۲ شعبان ۱۳۲۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۸۸) **سوال (۱۹۸۱)** النور بابت ماہ رجب ۱۳۲۷ھ صفحہ ۸ کے سوال ”در تحقیق سو“ ہر جز تنخواہ کہ وضع کردہ شود“ کو بغور پڑھا، اور واقف کار آدمیوں کو بھی محض احتیاط کی غرض سے دکھایا، سائل نے سوال میں بہت خبط کیا، مگر پھر بھی اس کی عبارت ذیل سے جان بیمہ کرنے کا جواز عدم جواز دریافت کرنا معلوم ہوتا ہے، دلالت اگرچہ اس میں صراحت نہیں ہے، وہ ہوندا،

”اب سرکاری دستور العمل یہ ہے کہ روپیہ وضع ہونا شروع ہوتا ہے، اگر یہ ملازم بیس برس تک زندہ رہا تو یکمشت اپنا جمع شدہ روپیہ وصول کر لیتا ہے، اس سے قبل کچھ وصول نہیں کر سکتا، لیکن اگر مر گیا تو بغیر شرط کے خود گورنمنٹ وارنٹان میت کو اتنا روپیہ دیدیتی ہے جتنا اس ملازم کا بیس برس میں جمع ہوتا، اگرچہ ملازم یہ کارروائی کرنے کے دو ماہ بعد ہی مر جاوے“

یہ الفاظ اخیر کے جن پر بندہ نے سُرخ سے نشان لگا دیا ہے صاف دلالت کر رہے ہیں کہ یہ جان بیمہ ہے اور محض اس لئے کہ گورنمنٹ ہر حالت میں خواہ جمع کرنے والا دو ماہ بعد ہی مر جاوے یا بیس برس میں

پوری آیت یہ ہے۔ اِنَّمَا اَنَارَ سُوْلَ رَبِّکَ لَا هَبَ لَکَ خَلًا مَّا زَكَّیْتَہُ ۱۲

مرے گورنمنٹ کو کل رقم معہود جس کا عہد اول ہی فریقین میں ہو جاتا ہے، اور اس رقم کے لحاظ سے گورنمنٹ تنخواہ سے جزو وضع کرتی ہو کہ جس کا ذکر سائل نے اپنے سوال میں بالکل نہیں کیا ہے، گورنمنٹ کو دینی پڑتی ہو، اس غرض سے ڈاکٹری معائنہ کی ضرورت پڑتی ہے، کہ جس میں تمام امراض متحدہ کو ڈاکٹر دریافت کرتا اور الف ننگا کر کے خود معائنہ کرتا ہو، اس سوال سے سائل کا کھلا ہوا مطلب جان بیمہ کے متعلق دریافت کرنا ہے کہ جس کے لئے ڈاکٹری معائنہ الابدی و ضروری ہے؟

الجواب، خواہ یہ جان بیمہ ہو یا کچھ اور ہو، اگر اس میں ڈاکٹری معائنہ برمنہ کے شرط نہ ہوتا تو وہی حکم ہے جو رسالہ التنبیر میں مذکور ہے، اور اگر معائنہ مذکور اس میں شرط ہو تو حکم یہ ہو کہ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ ان عذروں میں سے نہیں ہے کہ جن کے لئے بدن مستور دکھلانا جائز ہو،

محرم ۱۳۴۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۱۶)

ایضاً سوال (۱۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جان بیمہ بیس سال تک کے لئے لیا جاتا ہے، پس اگر مثلاً بیستیس سال کی عمر میں زید نے بیس سال کے لئے بیمہ کرایا تو اسکو بحساب بیس فی ہزار سالانہ بیس سال تک دینا ہوگا جس کی مقدار بیستیس ہزار چار سو روپے ہو جائیگی، اور بیمہ کمپنی بیس ہزار روپے مقدار بیمہ پر بیس سال میں بیس روپے سے متینیس روپے آٹھ آنہ تک فی ہزار سالانہ منافع کے حساب سے مبلغ نو ہزار چار سو روپے اور بیس ہزار روپے مقدار بیمہ جملہ انتیس ہزار چار سو روپے ادا کرے گی، یعنی بیس سال میں ۲۳۴۰۰ روپے کی رقم لیکر ۲۹۴۰۰ روپے ادا کرے گی، پس اس حساب سے بیس سال میں بیمہ کرنے والے کو چھ ہزار روپے کی رقم زائد وصول ہوگی۔ اور اگر بیمہ کرنے والا بیس سال کے اندر فوت ہو گیا تو جتنے روپے کا بیمہ کرایا ہے مثلاً بیس ہزار کا کرایا ہو تو بیس ہزار اور اس پر جتنے سال گزرے ہوں اتنے سال کا منافع جو اوپر لکھا ہے بیس روپے سے ساڑھے تینیس روپے فی ہزار سالانہ کے حساب سے جوڑ کر دیدیگی، پس جو ارشاد ہو کہ اس طرح زید کا بیمہ کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز، زید نے کچھ ہرج نہ سمجھ کر بیمہ کرایا جس کو ایک سال کی مدت نہیں گزری، لیکن ایک سال کا روپیہ مفصلہ بالا بیمہ کمپنی کو ادا کر چکا ہے، اور بیمہ کمپنی کا قانون ہے کہ اگر بیمہ کرنے والا تین سال کے اندر خود اپنی طرف سے معاہدہ توڑ دے اور سالانہ واجب الادا رقم ادا نہ کرے تو بیمہ کمپنی اس کو بالکل کچھ نہیں دے گی، حتیٰ کہ اس کا دیا ہوا روپیہ بھی واپس نہیں ملے گا، پس اگر شرعاً بیمہ کرنا ناجائز نہ ہو تو اب زید کیا کرے، بینواتو جبروا،؟

الجواب التنقیحی، بیمہ کرنے والا جو رقم داخل کرتا ہے آیا بیمہ کمپنی کو قرض دیتا ہے، یا کمپنی میں

بطور حصہ داری کے شرکت کرتا ہے، یعنی یہ بھی کمپنی کا رکن ہوتا ہے، اور پہلی صورت میں اس کمپنی کا ارکان سب کافر ہیں یا کوئی مسلمان بھی ہے، جواب ان تحقیقات پر موقوف ہے۔

جواب التفتیح:- یہ سلسلہ استفتاءے مرسلہ سابقہ دریافت طلب امر کے متعلق گذارش ہے کہ بیمہ کرانے والا بطور حصہ داری کے شریک نہیں ہوتا بلکہ سوال کے مطابق اپنا روپیہ بیمہ کمپنی میں جمع کرتا رہتا ہے جسکو بیمہ کمپنی اپنے یہاں قرض میں درج نہیں کرتی بلکہ اپنے قانون کے مطابق عمل کرتی ہے جیسا کہ سوال سابق میں عرض کیا گیا، بیمہ کرانے والوں کا جو روپیہ بیمہ کمپنی میں جمع ہوتا ہے اس کو بیمہ کمپنی دوسرے کاموں میں لگاتی ہے، اور اس سے نفع حاصل کرتی ہے، لیکن بیمہ کرانے والوں کو ان دوسرے کاموں کے نقصان سے کوئی تعلق نہیں ہے، بیمہ کمپنی اپنے قانون کے مطابق ہر سال بیمہ کرنے والوں سے مقررہ رقم مذکورہ سوال پتی رہتی ہے، اور بیمہ کرانے والا جب بھی مر جائے خواہ معاملہ ہو جانے سے ایک ہی دن کے بعد تو وہ کمپنی اپنے قانون کے مطابق بیس ہزار روپیہ مع مقرر منافع جیسا کہ سوال میں عرض کیا گیا ہے، بیمہ کرانے والے کو ورثہ کو ادا کرے گی، لیکن اسکے ساتھ بیمہ کرنے والوں کا جمع کیا ہوا روپیہ واپس نہیں ملتا خواہ ایک سال کا ہو یا زیادہ کا۔

بیمہ کمپنی کے سب ارکان کافر ہیں، مسلمان کوئی نہیں،

الجواب بعد التفتیح:- جواب تفتیح میں جو حالات لکھے ہیں ان کی بنا پر یہ قرض ہے، جو ربوا اور قمار دونوں پر مشتمل ہے، اور چونکہ معاملہ کافر غیر ذمی سے ہے اسلئے مسئلہ مختلف فیہ ہے، اگر کوئی شخص بعض علماء کے قول پر جواز کی شق اختیار کرے گنجائش ہے۔ ۲۲ ردیقہ ۳۵۴ (النور، ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ) پیر بخش نا کرکھنا سوال (۲۰۰) حدیث شریف میں ہے لا تقولن احکم عبدی وامتی الخ اور اسی حدیث سے پیر بخش و عبد النبی وغیرہ نام رکھنے کی ممانعت کیجاتی ہے، لیکن باعینی قرآن شریف کے ”عبادکم اما کم“ سورہ نور سے جواز کی سند لاتے ہیں، کیا جواب دیا جائے؟

الجواب، جواب ظاہر ہے کہ یہاں قرآن میں لغوی معنی مراد ہے جو واقعی ہیں اور عبد النبی وغیرہ میں لغوی معنی مراد نہیں، کیونکہ خلاف واقع ہیں، بلکہ مجازی معنی مراد ہیں جو کہ موہم ہیں شرک کو، اور اسی ایہام کی بنا پر حدیث میں کرامت آئی ہے، اور اسماء عرفیہ میں حدیث کے ایہام سے اشد ایہام ہے، پس استدلال حدیث کو استدلال بعبارة النص نہیں ہو بلکہ بدلالة النص ہے، جس کا مدلول عبارة النص سو ادنیٰ بالکم ہوتا ہے، چنانچہ حرمت تافیع سے حرمت ضرب کی اقویٰ ہے۔ واللہ اعلم فقط۔

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ (النور، جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ)

ہندہ نام رکھنا | سوال (۲۰۱) میرے یہاں دختر تو کہہ ہوتی ہے جس کا بخیاں حصول سعادت میں نے ایک صحابیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہندہ رکھا ہے، ایک بزرگ نے بیان کیا کہ یہ وہ مبغوض صحابیہ ہیں جنہیں بعد قبول اسلام بھی سرکارِ دو عالم نے اپنے جمالِ جہاں آرا کی زیارت سے حکماً محروم فرمادیا تھا کہ اسے دیکھ کر حمزہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی یاد تازہ ہو جائے گی، اور مقتضائے بشریت آپ کو تکلیف ہوگی۔ روایت مذکورہ اگر صحیح ہے تو کیا ایسی مبغوضہ صحابیہ کے نام رکھنے میں کوئی شرعی قباحت لازم آتی ہے اور مسلمانوں کو تبرکاً اس نام کا اعادہ اپنے گھروں میں کرنا روا ہے؟

الجواب، اول تو یہ روایت کہ حضرت ہندہؓ کو اپنی زیارت سے آپ نے منع فرمادیا تھا، نظر سے نہیں گذری، البتہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے باب میں یہ مانعت بخاری میں ہے، ان بزرگ سے اس کا حوالہ پوچھا جاوے دوسرے شخصین کی روایت میں حضرت ہندہؓ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا اور نفقہ کا مسئلہ پوچھنا اور آپ کا جواب ارشاد فرمانا خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف مذکور ہے، جو اس روایت کے معارض ہے، تیسرے کتب اسرار الرجال تقریب وغیرہ میں یہی نام حضرت ام سلمہؓ زوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکور ہے، جن کا محبوب ہونا معلوم ہے، چوتھے ان سب سے قطع نظر نام کا مبغوض ہونا ثوابت نہیں، غرض ہر طرح سے یہ دعوے بے اصل ہے، اور نام رکھنے میں کسی قسم کا محذور نہیں، فقط، (النور، رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ ص ۸)

عدم صحت قیاس نام | سوال (۲۰۲) ایک شخص کے والد صاحب نے اُن کا نام قسربان علی رکھا، اس وقت قربان علی بر علی بخش کوئی مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بہشتی زیور میں علی بخش حسین بخش، عبد النبی وغیرہ نام رکھنا شرک بتلایا ہے اب اُس پر قیاس کر کے قربان علی و محمد بخش وغیرہ نام رکھنا شرک ہوگا، علماء دین اس نام کے حق میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب، بہشتی زیور کے ان ناموں میں اور قربان علی میں فرق ہے، اس کے معنی تو یہ ہیں کہ یہ شخص حضرت علیؓ پر فدا ہے، سو حدیثوں میں بابی انت وامی یا رسول صریح وال ہے مقبولان حق پر اپنے کو فدا اور قربان کہنے کے جواز پر، البتہ محمد بخش ایسا ہی ہے جیسا بہشتی زیور کے نام۔ مہر ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ۔

کوئی متبرک لباس پہن کر نماز پڑھنا | سوال (۲۰۳) مجھے عرصہ ہوا حضرت علیہ الرحمۃ نے ایک صدی یہ فسر مکر عطا کی تھی کہ یہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرت قدس سرہ کو خود ایک عرصہ تک زیب تن فرما کر دی تھی، اور اسی طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے عطا کی تھی، میں نے بھی اسے پہنا ہے، یہ اب تجھے دیتا ہوں، وہ میرے پاس اسی وقت سے بحفاظت تمام رکھی ہے، کبھی کبھی اس کو پہن کر نوافل

پڑھتا ہوں، ایک دفعہ حضرت علیہ الرحمۃ نے بھی جب اُن سے اس کا زبانی تذکرہ آیا تھا، یہی فرمایا تھا کہ اس کو پہن کر برکت حاصل کیا کرو اور نماز پڑھا کر، آج یہ بات یاد آئی، اب انشاء اللہ مکان سے منگاتا ہوں، اور آج رات سے اس کو پہن کر نماز پڑھوں گا؟

الجواب، خارج نماز برکت حاصل کرنے کا مضائقہ نہیں، یا اتفاقاً اس کے پہنے ہوئے نماز کا وقت آجاوئے اور اسی حالت میں پڑھ لی جاوے اس کا بھی حرج نہیں، باقی قصداً اس سے نماز پڑھنا غالباً سبب ہو جاوے گا اس اعتقاد کا کہ اس کے لباس کو زیادت قبول صلوٰۃ میں خاص دخل ہے، اور یہ اعتقاد بدعت ہے اس لئے قابل احتیاط ہے۔ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۲۵)

سوال (۲۰۴) نہایت ہی مؤدبانہ التجا ہے کہ آنحضرت بہت بہت امور و دریافت طلب کے جواب سے احقر کو مطلع فرما کر ثواب و اجر حاصل کریں گے، بندہ نے ایک جگہ آنجناب کے نسخہ میں پڑھا ہے، جس کا مطلب کمترین کو یہ معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت ولایت کا کانا برا نہیں سمجھتے... بشرطیکہ انسان حدود شرعی کے اندر رہے؟

الجواب، یہ واقعی ہے مگر حدود کے اندر رہنا، شخص کی ہمت نہیں، اس لئے ضعفاء کو علی الاطلاق منع کیا جاوے گا، جیسے دوبار کے زمانہ میں کھیرا کھڑی ہر ایک کو مضر نہیں ہوتا، مگر ممانعت قانونی عام ہوتی ہے۔
بقیہ سوال مذکورہ بالا، تو ان حالات میں یہاں تک حدود شرعی کا قائم رکھنا ممکن ہو، اور ضروری ہو اس سے خاکسار کو ایما بخشیں؟

الجواب، میں تو وہاں کی حالت سے خالی الذہن ہوں آپ جو پوچھئے گا جواب عرض کروں گا۔
سوال (۲۰۵) صرف یہی نہیں بلکہ اور جو کوئی بُرائیاں ہوں جو میرے علم میں بھی نہ آئی ہوں، مگر آنحضرت کو معلوم ہوں، تو ان سے بچنے کے لئے بھی فدی کو آگاہ فرمادیں؟

الجواب، اوپر عرض کیا ہے، البتہ بطور کلیہ کے ایک بات میرے خیال میں آئی ہے، جس کو عرض کرتا ہوں، کہ بلا ضرورت شدید کسی کی صحبت میں نہ بیٹھئے، خواہ فرد واحد ہو یا جماعت، اور آنکھ اور کان کو اُن کے مخلوط سے بچائیے، ۳ رجب ۱۳۸۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۲۱)

سوال (۲۰۶) ملک بنگالہ میں اکثر عوام و خواص اپنی بیٹی کو بطور ناز کے ماں کو باپ کہہ دینے کا حکم کہہ کر پکارتے ہیں، ایسے ہی بیٹے کو باپ سے خطاب کرتے ہیں، ایک نیم مولوی نے وعظ میں بیان کیا کہ یہ جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، شرعاً اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب، مجاز ہے، جس میں کوئی محذور شرعی نہیں اس لئے جائز ہے (تمتہ خامسہ ص ۲۲۰)

جواب: مشہور ترک ہم بیعت | سوال (۲۰۷) بعض مخالفین کہتے ہیں، آج کل پیری مریدی چھوڑ دینا بہت ہی مفسد کثیر ہے، چاہئے، کیونکہ اس میں بہت سے مفسد پیدا ہو گئے ہیں، جیسا کہ فاتحہ و عرس قیام کو اسی بنا پر ناجائز کہا جاتا ہے، البتہ اگر بیعت ارادت کو واجب کہا جاوے تو اعتراض نہیں پڑے گا، لیکن یہ محتاج دلیل ہے؟

الجواب، یہ شخص تقلید شخصی کے باب میں کیا کہے گا، کیا اس میں بعض جگہ مفسد نہیں، اور اس کا وجوب کیا محتاج دلیل نہیں۔ (تمتہ خامسہ ص ۳۰۲)

رسالہ اخبار بنی کے دو قول میں فیصلہ | سوال (۲۰۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، زید کہتا ہے کہ آج کل جو مختلف قسم کے اخبار نکلتے ہیں جن میں قسم قسم کے اخبار رطب یا بس نقل کئے جاتے ہیں جس میں بعض محض بے اصل ہوتی ہیں، اور بعض میں قسم قسم شکایتیں بھی لکھی جاتی ہیں، جو شرعاً ممنوع معلوم ہوتا ہے، عمرو کا خیال ہے کہ اس میں دنیاوی اور دینی فائدہ ہے، کیونکہ اس میں اخلاقی، ادبی، تمدنی اصلاح لسانی وغیرہ مضامین ہوتے ہیں، جن سے ترقی کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، اور مختلف جگہ کے مسلمانوں کی حالت معلوم ہوتی ہے، یعنی کہیں تو مسلمان سخت مصائب میں گرفتار ہیں، کہیں مسلمانوں پر کفار حملہ کر رہے ہیں جس کا دفعیہ ہر مسلمان پر واجب ہے، کہیں اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے ہیں جس کا ثبوت مسلمانوں پر ضروری ہے، یہ سب باتیں اکثر اخبار ہی کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں، تو اس حالت گوناگوں میں زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا؟ بینوا تو جبروا، بحوالہ کتب۔؟

الجواب، جو شخص مفسد سے بچ سکے اس کو تحصیل مصالح کے لئے اخبار بنی جائز ہے، ورنہ مفسد سے بچنا اہم ہے جلب مصالح سے۔ ۲۵ رذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۰۶)

افکار دینی ضمیمہ اخبار بنی

بعد الحمد والصلوة، احقر نے ۱۳۴۳ھ میں ایک رسالہ اخبار بنی کے مفسد کے متعلق لکھا تھا اور یہی اس کا نام تھا، اور اس کے ختم پر بعنوان تنبیہ یہ تصریح کر دی تھی کہ اگر کسی اخبار کے باعث مشتری میں یہ مفسد نہ ہوں تو میں حلال کو حرام نہیں کہتا، لیکن اس کا مصداق بہت قلیل ہے، چونکہ اس تنبیہ کا مضمون گویا کہ تو نہ تھا بلکہ منسٹر تھا، لیکن مجھل تھا، اسلئے قاصر النظر لوگوں نے اس کو یاد کیا، نہیں یا سمجھا نہیں اور بیجا اعتراضات کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس حالت میں تو اخبار کا وجود ہی اڑ جائیگا اس لازم کی تغلیط کے لئے میری ایک تقریر محفوظ اور ایک تحریر محفوظ شائع ہو چکی ہے، اس وقت

سہولت ناظرین کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں کے مختصر اقتباسات سے نفس انہماک کی مشروریت اور خاص اُداب کے اس کی مشروریت قلمبند کر کے دکھا دیں کہ ان اُداب کی رعایت کے ساتھ اخبار جاری رہ سکتا ہے، البتہ بقدر ضرورت علم دین کی ضرورت ہے، اور اگر خود ایدہ میرزا حب علم نہ ہو تو اخبار کا مسودہ مرتب کر کے کسی محقق مبصر عالم کی خدمت میں خود حاضر ہو کر اصلاح کیلئے پیش کروے، وہ ان مضامین کو اُداب شرعیہ پر منطبق فرما کر زبانی سمجھا دیں گے، ذیل میں ان ہی اُداب کی تفصیل ہے، اور اس بحالہ کو افکار دینی کے لقب سے اور اس کے اجزاء کو عنوان فکری سے ملقب کرتا ہوں اور اس کو اخبار دینی کا ضمیمہ بناتا ہوں۔

فکر اول :- جو اخبار حدود شرعیہ کے خلاف ہو اس کا مذہب ہونا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے: **وَإِذَا جَاءَ أَحَدُكُم مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَلْقُوا حَتَّىٰ يُفَصِّلَ الْإِسْلَامُ لَكُمْ** (خبر کی خبر پہنچتی ہو یا خوف) امن ہو یا (موجب) امن ہو یا (موجب) خوف تو اس (خبر) کو (فوراً) مشہور کر دیتے ہیں (اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آگئے، حالانکہ کبھی وہ غلط ہوتی ہے، کبھی اس کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے) اور اگر (بجائے خود مشہور کر نیگے) یہ لوگ اس (خبر) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی رائے) کے اوپر اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں (یعنی اکابر صحابہ) ان (کی رائے) کے اوپر حوالہ دیتے (اور خود کچھ دخل نہ دیتے) تو اس کو وہ حضرات پہچان لیتے ہیں جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں (پھر جیسا یہ حضرات عملدرآمد کرتے ویسا ہی ان خبر اُڑانے والوں کو کرنا پتا ہے) (نسار)

فکر ثانی :- اور جو اخبار حدود شرعیہ کے اندر ہو اس کا مفید ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے: **يَعْنِي ابْنِ ابْنِ بَالَه** سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے حالات کی تلاش رکھتے تھے (اور خاص) لوگوں سے پوچھتے رہتے کہ (عام) لوگوں میں کیا واقعات (ہو رہے) ہیں (شمالی سرحدی) اس اخبار کا یہی حاصل ہے۔

فکر ثالث :- اس باب میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بات کا قلم سے لکھنا عینہ و ہیء رکھنا جو زبان سے کہنے کا ہی جس بات کا زبان سے ادا کرنا ثواب ہے اس کا قلم سے لکھنا بھی ثواب ہے، اور جس کا بولنا گناہ ہے اس کا قلم سے لکھنا بھی گناہ ہے، بلکہ لکھنے کی صورت میں ثواب اور گناہ دونوں میں ایک زیادتی ہوتی ہے، کیونکہ تحریر ایک قائم رہنے والی چیز ہے، مدتوں تک لوگوں کی نظر سے گزرتی رہتی ہے، اس لئے جب تک وہ دنیا میں موجود رہے گی، اور تک اس کے اچھے یا بُرے اثر سے متاثر ہوتے رہیں گے اس وقت تک کاتب کے لئے اس کا ثواب یا عذاب جاری رہے گا، اس لئے ہر مضمون نگار کا فرض ہے

کہ ہر مضمون پر قلم اٹھانے سے پہلے اس کو مندرجہ ذیل معیار پر جانچ لے، اور درحقیقت یہی معیار تمام ان آداب کی محفل تصویر کا ہے جن کی تفصیل ہم اس وقت ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔

فکر راجح: مضمون نگاری اور اخبار نویسوں میں مذہبی جرائم اور شرعی گرفت سے بچنے کا سب سے بہتر ذریعہ اور جہاد و مانع اصول یہ ہے کہ جس وقت کسی چیز کے لکھنے کا ارادہ کرے پہلے اپنے ذہن میں استفتاء کرے کہ اس کا لکھنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ثابت ہو تو قدم آگے بڑھائے، ورنہ بعض لوگوں کے خوش کرنے کے لئے گناہ میں ہاتھ رنگ کر اپنی بدشگونی کے لئے اپنی ناک نہ کاٹے، اور اگر خود احکام شرعیہ میں ماہر نہ ہو تو کسی ماہر سے استفتاء کرے۔ ضروری ہے کہ ایک شرعی اجمالی قانون ہے جو فقط اخبار نویسوں میں نہیں بلکہ ہر قسم کی تحریر میں ہر مسلمان کا مطلع نظر ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ہم اس کی تفصیل چند نمبروں میں مصنف ناظرین کرتے ہیں۔

۱۔ جو واقعہ کسی شخص کی مذمت اور معائب پر مشتمل ہو اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب تک حجت شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے، کیونکہ جھوٹا الزام لگانا یا افتراء باندھنا کسی کا فخر پر بھی جائز نہیں، لیکن آج اہل قلم اس سے غافل ہیں، اور اخبار کا شاید کوئی صفحہ اس سے خالی ہوتا ہو،

۲۔ یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں حجت شرعیہ کیلئے کسی انوار کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں، بلکہ شہادت شرعیہ ضروری ہے۔ کیونکہ دو حاضر کے تمام اخبارات کے صدر ہا تجربات نے اس بات کو ناقابل انکار کر دیا ہے کہ بہت سے مضامین اور واقعات اخبارات میں شائع ہوتے ہیں، اور جس شخص کی طرف سے شائع کئے جاتے ہیں، اس غریب کو خبر تک نہیں ہوتی، اور یہ صورت کبھی تو قصداً کی جاتی ہے، اور کبھی سہواً و خطا ہو جاتی ہے، اس لئے اگر کسی اخبار میں کسی شخص کے حوالہ سے کوئی مضمون یا واقعہ نقل کر دیا جائے تو شرعاً اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا، البتہ اگر یہ واقعہ کسی کی مذمت یا مضرت یا عیب جوئی پر مشتمل نہ ہو تو پھر یہ ضعیف ثبوت بھی کافی ہے، اور اس کو نقل کر کے شائع کر دیا جائے،

۳۔ کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجت شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت اور درج اخبار کرنا جائز نہیں، بلکہ اس وقت فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے، اگر سمجھانے کو نہ ملے اور آپ کو قدرت ہو تو بجز اس کو روک دیں، ورنہ کلمہ حق پہنچا کر آپ اپنے مرید سے حسبکہ و ش ہو جائیں، اس کی اشاعت کرنا اور رسوا کرنا علاوہ نبی شرعی کے تحریر سے ثابت ہو کہ بجا ہے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے رحمتہ عالمین صلی اللہ علیہ وسلم

نے متعدد احادیث میں اس کی تائید فرمائی ہے، کہ اگر اپنے بھائی مسلمان کا عیب یا گناہ ثابت ہو تو اسکو رسوا نہ کرے، بلکہ پردہ پوشی سے کام لے اور خفیہ اس کو سمجھائے کیونکہ یہی طسرسز زیادہ مؤثر اور مفید ثابت ہوا ہے،

۴۔ البتہ اگر کسی مسلمان کا عیب یا گناہ حجت شرعیہ سے ثابت ہو کہ جس کا نقصان اپنی ذات کو پہونچتا ہے اور یہ اس سے مظلوم ٹھہرتا ہے تو پھر اس کی بُرائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے۔ اسکے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم) ترجمہ، اللہ تعالیٰ بُرائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس نے ظلم کا اعلان کر سکتا ہے، امام تفسیر مجاہد اح کہتے ہیں کہ اس آیت کی سراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتے کہ کوئی شخص کسی کی مذمت کرے یا شہادت کرے، لیکن اگر کسی نے ظلم ہو تو اسکے لئے جائز ہے کہ ظالم کی شرکایت کرے، اور اپنے معاملہ کا اعلان کرے، اور اس کے ظلم کو لوگوں پر ظاہر کرے (روح المعانی) لیکن اس صورت میں بھی بہتر یہ ہے کہ عام اعلان و اشاعت کے بجائے صرف اُن لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اس کی داد رسی کر سکیں۔

۵۔ اگر کسی اخبار میں کوئی قابل تردید غلط مضمون کسی شخص کے نام سے طبع ہوا ہو تو اس کے جواب میں صرف اس پر اکتفا کیا جائے کہ فلاں اخبار نے ایسا لکھا ہے، اس کا جواب یہ ہے، اس شخص کی ذات پر کوئی حملہ نہ کیا جائے، کیونکہ ابھی تک کسی حجت شرعیہ سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ واقع میں یہ مضمون اس شخص کا ہے،

۶۔ جو خبر کسی شخص کی مذمت اور ضرر پر مشتمل نہ ہو، اس کی اشاعت جائز ہے، مگر اس شرط سے کہ اس کی اشاعت کسی مسلمان کی عام مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور جس میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بجز اُن لوگوں کے جو عقل اور شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لئے ہوئے ہوں عام لوگوں پر اس کو ظاہر کرنا نہ چاہئے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نقصانات کی طرف اس شخص کی نگاہ نہ پہونچی ہو، آیت و اذا جاء ہما من الامر من الامن و الخوف اذا عواہ میں ایسے ہی اخباروں اور جلسوں کی مضررت اور مذمت کو بیان فرمایا ہے (جیسا اوپر بھی گذرا) لیکن مسلمان کیلئے مناسب ہے کہ اس کو بھی خبر کی حیثیت سے نقل نہ کرے، بلکہ اس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ پیدا کرے، اس کی نقلی دلیل یہ ہے من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یغنیہ و ترجمہ، انسان کے اسلام کے اچھا ہونے کی علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ کوئی خبر خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ کسی انشاز کا ذریعہ ہو کر مقصود کی

صورت، اختیار کرتی ہے اور دراصل مقصود کوئی فعل ہوتا ہے، جو اس خبر سے متعلق ہو، اس لئے بہتر ہے کہ نتائج اخبار کو بھی ذکر کر کے اس کے افادہ میں اضافہ کر دیا جائے، مثلاً آپ کسی شخص کے متعلق یہ خبر درج کرتے ہیں کہ اس نے چند ہزار روپے کسی مدرسہ یا مسجد یا کسی اور نیک کام میں صرف کیا تو اس کے بعد اس شخص کے لئے دعا ترقی اور دوسرے مسلمانوں کے لئے اس کی ترغیب ذکر کر دی جائے، یا مسلمانوں کی کسی جماعت یا ایک شخص کی معصیت کا ذکر آیا تو خود بھی دعا کرے اور مسلمانوں کو بھی اس کی طرف متوجہ کرے، نیز یہ کہ جس سے ہو سکے تو اس کی مادی امداد بھی کرے، کسی کی موت کا ذکر کیا ہے تو لوگوں کو اس طرف متوجہ کرے کہ عبرت حاصل کریں اور اپنے لئے اس وقت کے لئے سامان تیار کریں، اول تو کوئی واقعہ اور کوئی خبر دنیا میں ایسی کم ہوتی ہے جو نتیجہ خیز نہ ہو یا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ متصور نہ ہو، لیکن اگر کوئی خبر ایسی جی ہو تب بھی اس کو محض تفریح طبع کی مد میں ذکر کر دینا مضائقہ نہیں بلکہ یہ ایک درجہ میں شرعاً مطلوب ہے، جب اعتدال کے ساتھ ہو، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات مزاح (خوش سنجی) فرمانا اس حکمت پر مبنی تھا، ۷۔ خلاف شرع مضامین اور ملیں کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں، اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جس پرچہ میں شائع ہوں اُسی پرچہ میں ان کی تردید اور شافی جواب بھی ضرور شائع کر دیئے جائیں، آئندہ پرچہ پر اس کو حوالہ نہ کیا جائے، کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں جن کی نظر سے آئندہ پرچہ نہیں گزرتے، خدا خواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہ میں گرفتار ہو گئے تو اس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا،

۸۔ اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جب تک اس ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجت شرعیہ سے ثابت نہ ہو، اس طرح شائع کیا جائے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں، مسلمان ان مظالم کا انسداد کریں، اور جائز طریق پر ان کی بہانی و مالی امداد کریں، ۹۔ اخبار کا ایڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص بنے جو تمام علوم اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو، اور مذہب سے ہمدردی رکھنے والا ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ اخبار اشاعت بے دینی و بے قیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے،

۱۰۔ کسی ایسی کتاب کا جو دین کو مضر ہو، یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو، یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جائے، اور نہ اخبار میں تصویر بنائی جائے، یہ مختصر گزارش ہے جو محض دل سوزی اور ہمدردی پر مبنی ہے، اگرچہ زمانہ کی مہموم ہوا میں کارگر ہو سکتی

توقع نہیں، لیکن بایں اس یہ کہ شاید خدا تعالیٰ کسی نیک بندہ کو عمل اور اصلاح کی توفیق عطا فرمادیں یہ سب عرض کر دیا گیا، واللہ الحمد،

فکر خامس۔ آدمی دنیا میں ذخیرہ آخرت جمع کرنے کے لئے آیا ہے، پس اصل کام اُس کا مشغول دینی ہے، لیکن بضرورت اس مشغول دینی کی اعانت و تقویت کے لئے دنیوی مشاغل کی بھی اجازت دی گئی ہے، بشرط اعتدال و اباحت، پس اسی قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر جو چیز اس دائرہ سے باہر نہ اُس سے مجتنب رہے، اور اسی قاعدہ کی معرفت کیلئے کتب و رسائل دینیہ کا پڑھنا سننا اور علماء کی صحبت لازم سمجھے، وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ، تمت، الضميمة، ۴ شعبان ۱۳۲۹ھ (النور ص ۵۵ ص ۳)

سوال (۲۰۹) چند روز ہوئے کہ ہندوکار نگر کے ہمارے منیجر نے ۲۰۰ روپے خرچہ مقدمہ کی واپسی لازم ہے تو خرچہ مقدمہ کی واپسی لازم ہے

مگر کار نگر نے اپنی بددیانتی سے روپیہ دوسرے کاموں میں صرف کر ڈالے، اور دو ماہ کے بعد بھی ہمارا مال بنا کر نہ دیا، اُسے نوٹس دیا گیا کہ ہمارا روپیہ خرچہ کے واپس کر دو، ورنہ نالش کر دی جاوے گی چنانچہ منیجر نے اس سے اپنے طور سے سمجھا بکھا کر علاوہ اصل دو سو روپے کے بارہ روپے خرچہ کے بھی وصول کر لئے، اور اس سے چھ روپے اپنی محنت کاٹ کر باقی چھ روپے ہمیں دیئے، کہ یہ تمہارا حصہ ہے لیکن میں نے اُسے سود سمجھ کر لینے سے انکار کیا، تو اُس نے کہا اچھا یہ رقم غریبوں کو تقسیم کر دینا، لیکن میں نے اُسے بطور امانت کے رکھ دیا ہے، اس کے متعلق جو حکم شرع ہو اس سے آگاہ فرمایا جاوے؟

اجواب نالش وغیرہ میں اگر کچھ صرنہ ہوا ہو حسبِ نتوی بعض علماء اس کو تو آپ رکھ سکتے ہیں اور اس سے جو زائد ہوا اصل مالک رقم کو واپس کر دینا ضروری ہے، اگر مرنجا واپسی خلاف مصلحت ہو تو اور کسی ذریعہ سے اور کسی عنوان واپس کر دینا چاہئے، قرب ۱۳۳۰ھ (حوادث خامسہ ص ۳۳)

سوال (۲۱۰) زیر پائی کا حکم مردوں کے لئے کیا ہے، اور عورتوں کے لئے کیا ہے؟

جواب زیر پائی سے قلب میں وجہ اناتو انکار معلوم ہوتا ہے، باقی وجہ پورے طور سے ذہن میں حاضر نہیں، ۱۳۳۹ھ (حوادث ۱ ص ۳۴)

سوال (۲۱۱) ایک ام میں مجھے انڈیشہ پر حمل کر دیجئے، وہ یہ ہے کہ اہل بیت سے خرچ از اطاعت یزید معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ نوفا سق و ظالم ہو اُس سے بغاوت و خروج عن الطاعت

نہیں روا ہے، نیز یہ اگرچہ فاسق ہو لیکن امور شرعیہ میں زیر اطاعت اس کے رہنا چاہئے تھا، یا نہیں،

پھرتے بڑے امام کیونکر خلاف شرع بغاوت کر سکتے ہیں، ورنہ بغاوت کا وجہ لگے گا؟
الجواب، اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، کہ فاسق امام ہو سکتا ہے یا نہیں اور اسی طرح یہ کہ فسق طاری سے منعزل ہو جاتا ہو یا نہیں و نیز یہ کہ دار امامت کا اتفاق ہے اہل حل و عقد کا اور اہل حل و عقد ہونا امر اجتہادی ہے، پس ان سب امور میں حضرت امام ہمام کے اجتہاد میں اسکی امامت صحیح نہ تھی، لہذا خروج کا شبہ ان پر نہیں ہو سکتا، فقط واللہ اعلم و علمہ انتم و اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (۱۱ ادا و ثلاث ص ۱۴۵)

سوال (۲۱۲) ایک مقام پر ایک گستاخ کافر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
 شان میں گستاخی کر دی ہے تو آپ کی جناب میں گستاخانہ حالات شائع کئے تھے مسلمانوں کے وائزہ پر اس نے
 علماء کی ایک باقاعدہ جمعیت سے معافی چاہی اور اکتفاء احتیاط رکھنے کا، اور فی الحال اپنی اس غلطی
 و درخواست معافی کا اخباروں میں اعلان کر دینے کا وعدہ کیا، اس میں اکثر مسلمانوں کی رائے اسکو منظور
 کر لینے کی ہو گئی، اور بعض نے اختلاف کیا اور حکومت موجودہ میں استغاثہ دائر کرنے کی رائے دی اور
 استغاثہ کے ناکام ہونے کے احتمال پر بھی استغاثہ ہی کو ترجیح دی، اور دلیل یہ بیان کی کہ یہ حق اللہ کا
 ہے، اس کی معافی کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے، اس کے متعلق سوال آیا تھا، جس کا جواب
 حسب ذیل لکھا گیا،

الجواب، معافی کی جو حقیقت صاحب شبہ نے سمجھی ہو اس معنی کی یعنی بعد معافی کے ناگواری نہ
 رہنا، یہ معافی مذکور فی السؤال صورتہ معافی ہے، اسی لئے بعض حضرات کو شبہ ہو گیا کہ حق اللہ کے
 معاف کرنے کا کسی کو حق نہیں، مگر واقع میں معافی نہیں، بلکہ صلح ہے، اور صلح سے کوئی امر مانع نہیں،
 اور صلح جیسے بلا شرط ہو سکتی ہے، اسی طرح شرط پر بھی ہو سکتی ہے، جیسے یہاں یہ شرط مقرر کی جاتی ہے کہ اکتفاء
 ایسی حرکت نہ کرے، البتہ صلح میں شرعیہ قید ہے کہ مسلمانوں کے حق میں وہ مصلحت ہو اور یہاں مصلحت
 ہونا ظاہر ہے کہ فی الحال اسلام کا اعزاز اور کفر کا ازالا ہے اور فی الحال ایک منکر بیج کفری کا انسداد ہے
 خود معاہد میں بھی اور امیہ ہے کہ دوسرے متجربین میں بھی، کہ اس منکر کا بیج دیکھ کر بعضے عبرت پکڑیں گے
 اور بعضے مسلمانوں کی رواداری سے متاثر ہوں گے، اور یہ توقعات حکومت سے استغاثہ میں منظون
 بھی ہیں، بلکہ مشکوک ہیں، چنانچہ فرمائے موجود اس کی شاہد ہے، پھر اگر ندادتہ کردہ استغاثہ میں
 کامیابی نہ ہوئی تو اس پر جو مفاسد قیڈا مرتب ہوں گے، ان کے انسداد پر مسلمانوں کو کوئی کافی قدرت
 نہیں، ہمیشہ کے لئے ایسے ناگول کی جبرأت بڑھ جاوے گی، بلکہ ترقی کر کے کہا جاتا ہے کہ اگر کامیابی

بھی ہو گئی تو غلط ہے، مگر کہ ہنزلے موت کا تو احتمال بھی نہیں، وہ فیہ یا جبر مانہ ہو سکتا ہے۔ سو بہت سے مفسد ایسے ہیں کہ تید و جبر مانہ کی پروا بھی نہیں کرتے، ان کو ایک نظیر ہاتھ آ جاوے، اور گو اس صلح کے بعد بھی ایسے واقعات قتل ہیں مگر مفسد کی قلت و ضعف و مشکوکیت اور گزرت و شدت و مطمئنیت کا تفاوت ضرور قابل نظر و قابل عمل ہے، رہا یہ شبہ کہ معافی کا حق صرف سامان اسلام کو ہے عامہ مسلمین کو نہیں، سو شبہ میں جو دلیل بیان کی گئی ہے کہ یہ حق اللہ ہے، اس کا فقہ ماضی تو یہ ہے کہ سلطان کو بھی یہ حق نہیں، کیونکہ سلطان حقوق اللہ کو مضاف نہیں کر سکتا، باقی اگر اس دلیل سے قطع نظر کر کے اور اس معافی کو صلح قرار دے کہ یا معافی کی تفسیر عدم انتقام فی الیہ یا قرار دے کہ یہ حکم کیا جاوے تو اول تو اس حکم کے لئے ایسی دلیل کی حاجت ہے جو سلطان کے ساتھ خاص ہو، سلطان اور عامہ مسلمین میں مشترک ہو، دوسرے خود شریعت نے بہت سے احکام میں ضرورت کے وقت عامہ مسلمین کو قائم مقام سلطان کے طور پر اپنے حصے نصب، نام و خطیب جمہور و نصب ستوتی وقف، اور یہاں اس معاملہ کا احکام مذکور ہے زیادہ ہستم بالشان اور ضرورت بھی ہر ناظر اہل حق و الفقدان السلطان المسلم، واللہ اعلم، ۱۳۵ھ

سوال (۲۳) جن تسمیوں میں بیت اللہ کی تصویر ہوتی ہے ان میں کچھ لکھو جو اس کا استحصال آدمیوں کی جماعت طریف کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آدمیوں کی شبیہ اس میں ہوتی ہے، تو کیا ایسی صورت میں اس تسمیہ کا ہاتھ میں رکھنا جائز ہے؟

الجواب، فی الدار المختار لا یکرہ الی قولہ: وکانت صغیرۃ لا تتلین تناصریل اعضاءہا للناظر قائمًا وھی علی الارض ذکرہ، بحسب الخوف فی رسل المختار فی اخوہذا اللعنت، تنبیہ، ہذا کلامہ فی اقتناء الصورة واما فعلہ تصویر فہو غیر جائز مطلقاً

لانہ مضاہاة لخلق اللہ تعالیٰ کما منہ ج ۱، ص ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰
اس روایت سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ ایسی کسی تصویر کا بنانا حرام ہے، دوسرے یہ کہ ایسی کسی تصویر کا پاس رکھنا گناہ نہیں، لانہا داخلہ فی الصغیرۃ یقیناً وان کانت تری کبیرۃ (لأنہ خاصۃ ہی امراة الکبیرۃ) ۲۔ سوال ۱۳۵ (حوادث خاصہ ص ۱۰)

المقالة الممالکۃ فی تصویر الخلیفۃ الہالکۃ

سوال (۲۴) گزشتہ شب بیدار ہونے پر اختلاف کی حالت نظر آئی

گھڑی دیکھی تو رات نصف کے قریب باقی تھی، اس لئے سُستی سے پھر ریت لیا، غنودگی آمیز بیداری میں زوجہ متوفیہ کا استحضار ہوا جس میں قصد و اختیار شامل تھا، اس کی شکل کے استحضار سے استدلال کی نوبت آتی رہی، غسل کے لئے جب اٹھا تو مٹا خیال آیا کہ موت کی وجہ سے نکاح نسخ ہو چکا، اب وہ اس دنیا کے اعتبار سے اجنبیہ ہو چکی، لہذا اس کا استحضار اجنبیہ کا استحضار اور اس سے استدلال اجنبیہ سے استدلال ہوا، جو معصیت کبیرہ ہے، طبیعت سخت پریشان ہوئی، غسل کے بعد توبہ و استغفار کیا، تصورے عرصہ بعد پھر خیال آیا کہ اس کی شکل مستحضرہ تو مائت حیات کی تھی جو زمانہ حلت کا تھا لہذا اس استحضار و استدلال میں کیا معصیت ہوئی، اس کے بعد سے طبیعت میں تشویش شروع ہوئی، اسی طرح اس سے قبل کئی مرتبہ ایسی نوبت آئی تھی کہ کبھی کسی مناسبت سے اس متوفیہ کا ذکر آگیا تو اس کے اعضائے بریہ کا مطالعہ نفس میں شروع ہو گیا، جس میں اختیار و قصد کی آمیزش ضرور ہوتی رہی ہے، مگر کبھی تنبہ نہیں ہوا، اب ناگاہ تنبہ ہوا تو فکرم ہوا اس لیے سوچا کہ نہ عرض ہے کہ صحیح بات پر متنبہ فرما دیا جاوے، نیز جو امر قابل تدارک ہے اس کا تدارک بھی ارشاد فرما دیا جاوے، ؟

الجواب، حالت نکاح کی حیثیت سے قبل نکاح ما۔۔۔ وال نکاح عورت کے تصور سے تلذذ کی کوئی صورتیں ہیں، بعض کا حکم ظاہر ہے بعض کا قابل نظر ہے، ایک صورت یہ ہے کہ ایک عورت سے نکاح نہیں ہوا، مگر یہ فرہن کر کے کہ اگر اس سے نکاح ہو جاوے تو اس طرح سے تمتع حاصل کروں، خواہ اس سے نکاح کا ارادہ ہو یا ارادہ بھی نہ ہو سب کا حکم یہ ہے کہ یہ تلذذ حرام ہے، اس لئے کہ اس تلذذ کا محل کبھی حلال نہیں ہوا جس میں تمتع بالحلل کا مشبہ ہو سکے، اور فرہن سے علت نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں کو ایسا دھوکا ہو گیا جو قبح سے بیان کیا گیا، اور میرے جواب سے مفید نہ آئی رفع ہو گیا، جواب کا حاصل یہ تھا کہ بتصریح حدیث تنہی و اشتہار بالقلب زنا ہے، گوداجات میں کچھ تفاوت ہو، مگر افس معصوم میں اشتراک ہے، اور اگر کوئی یہ فرہن کرے کہ اگر اس عورت سے نکاح ہو جاوے تو اس طرح اس سے ہمبستر ہوں تو ہمبستری کرے تو کیا یہ فعل حلال ہوگا؟ اسی طرح وہ بھی حلال نہیں،

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک عورت سے نکاح ہو چکا تھا، مگر طلاق وغیرہ کے سبب اس کا نکاح فاسخ ہو گیا، اور وہ زندہ ہے، خواہ کسی سے نکاح کر لیا یا نکاح نہ کیا ہو اور اس کے تصور سے تلذذ حاصل کیا کہ جب یہ نکاح میں تھی اس سے اس طرح تمتع کیا کرتا تھا، یہ تلذذ

بھی حرام ہے، گو پہلی صورت سے اس میں فرق ہے کہ یہ محل کسی وقت حلال بھی رہ چکا ہے اور اس لئے یہ تصور محض تصویر ہی نہیں بلکہ اس کا وقوع بھی ہو چکا ہے، لیکن اول تو کسی دلیل سے اس فرق کا حکم میں کوئی دخل نہیں دوسرے یہاں ایک دوسری ملکت بھی ہے یعنی خوف فتنہ، کہ یہ تصور منقضی ہو سکتا ہے اس کی تحصیل میں سعی کی طرف، اور پھر غلبہ نفس کے وقت تحصیل میں حلال و حرام کی قید نہیں رہتی،

تیسری صورت یہ ہے کہ یہ دوسری صورت والی عورت کسی سے نکاح نہ کرے مگر یہ خواہ اس کے نکاح میں مری، خواہ اس کے طلاق یا وفات کے بعد مری، اس کے تصور مذکور سے بھی تلافی حرام ہے کیونکہ دوسرے سے نکاح کرنے کی وجہ سے وہ اس سے بالکل ایسے ہی بے علائق ہو گئی، جیسے اس تصور کرنے والے کے ساتھ نکاح کرنے کے قبل تھی، یعنی اس کا کسی ماضی وقت میں محل حلت ہو یا معتبر نہیں رہا، اور اس لئے یہ صورت مثل صورت اول کے ہو گئی، اس کا حکم بھی وہی ہوگا، جو صورت اول میں مذکور ہوا، ان تین کا حکم تو خطا ہر ہے، جیسا اوپر سے معلوم ہوا،

چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ عورت اس شخص کے نکاح میں نہ رہے، اور اسی کے متعلق سوال کیا گیا ہے، چونکہ اس کی حالت دو جہتیں اور ہیں، اس لئے اس کا حکم محل نظر ہے، اگر اس پر نظر کیجاتی ہے کہ موت زوجہ سے نکاح باقی نہیں رہا، اور وہ اجنبیہ ہو گئی تو اس کا تصور مثل تصور اس عورت کے ہے جس سے نکاح ہی نہ ہوا تھا، جو صورت اول ہے، یا ہونے کے بعد منکوحہ کی حیات ہی میں زائل ہو گیا تھا، جیسا صورت ثانیہ ثالثہ میں ہے، اس کا مقتضایہ ہے کہ تصور مذکور جائز نہ ہو، چنانچہ فقہاء نے حکم ہے متا المس و نفسل میں اس کا اعتبار کیا ہے، کہ فی الدر المختار و یمنع زوجہا من غسلها و مستہا، اور اگر اس پر نظر کی جاتی ہے کہ کل احکام میں مثل اجنبیہ کے قرار نہیں دی گئی، چنانچہ خود فقہائے حکم مذکور کے بعد ہی لا من النظر الیہا علی الاصح بڑھایا ہے، اور اجنبیہ محضہ کے لئے یہ نظر بھی جائز نہیں کھی گئی، نیز احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہؓ کا ان کی ذات کے بعد غایت محبت کے ساتھ ذکر فرمانا اور حضرت عائشہؓ رض کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تقبیل و فعلتہ انا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمانا جو کہ اجنبیہ و اجنبی کے لئے جائز نہیں رکھا گیا، تو یہ صاف ذیل اس کی معلوم ہوتی ہے کہ یہ چوتھی صورت مثل صورت ثالثہ سابقہ کے نہیں، اور خصوصیت کا دعویٰ محتاج دلیل مستقل ہے، اور حضرت عائشہؓ رض کے فعل کا منشاء تولد النحوا و ازواجہ من بعد کا ابد اکو احتمال کے درجہ میں کہہ بھی سکتے ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے فعل میں تو یہ بھی احتمال نہیں، کیا کسی فقیہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بی بی کی وکالت کے بعد ان بی بی کی بہن سے نکاح جائز نہیں، تو یہاں تو حضرت خدیجہ کو علماً بھی منکوحہ نہیں کہہ سکتے، تو ان کا ذکر یقیناً غیر منکوحہ کا ذکر ہے، پھر اس کا جائز ہونا دلیل ہے کہ چوتھی صورت میں متوفی بی بی کو کل احکام میں مثل اجنبیہ محضہ کے قرار نہ دیں گے، اور جزئیہ فقہیہ مذکورہ متعلقہ نظریں اختلافات جیسا علی الاصح سے معلوم ہوتا ہے، عجیب نہیں اسی تردد کی وجہ سے ہو۔ اور علامہ شامیؒ جو اس جواز کی دلیل بیان کی واول وجہ ان النظر اخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف اور غالباً قائلین بالجواز کی نظر عام احتمال فتنہ عادتہ پر گئی ہو، پھر اس کے بعد واللہ اعلم کہنا یہ سب ناشی اسی تردد سے ہو، یہ تو تردد کی تقریر تھی، مگر پھر ذوق میں جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ تامل و تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ علت تحریم تصور کی علی سبیل مانعہ الخلود و امر میں، ایک متمتع غیر محل ملت سے دوسرا خوف فتنہ، چوتھی صورت میں علت اولیٰ تو یقیناً منتفی ہے، اور علت ثانیہ بھی اس تفصیل سے منتفی ہے، کہ متصور میں تو یقیناً اور غیر متصور میں انضار کے طناً، لیکن اگر اس پر انضار محتمل ہو تو پھر حکم حرمت کا کیا جاوے گا، ان الحکم تابع للعلت، باقی میرا ذوق قابل اعتماد نہیں، دوسرے علماء سے تحقیق کر لیا جاوے واللہ اعلم،

۸ رمضان ۱۳۵۵ھ (النور ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ص ۹)

بعض شرکار چندہ کا بذریعہ سوال (۲۱۵) ہمارا ہر وصول پورے جس کا تذکرہ آپ نے غالباً سنا بھی ہوگا قرعہ اپنے حق سے زائد لینا ایک ایسی بغرض قرعہ اندازی و نیز تکمیل ضروریات خیرات فتنہ ترتیب دی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اہل بندہ سے پانچ لاکھ روپے اس طریقہ سے جمع کیا جائے کہ دھائی لاکھ ٹکٹ چھپو اگر مبلغ ۵ روپی ٹکٹ کے حساب سے فروخت کئے جائیں اور پانچ لاکھ روپے جمع ہو جائیں، پھر دھائی لاکھ اس میں سے نکال کر کسی کار خیر جیسے مدرسہ شہداء خانہ وغیرہ میں لگائے جائیں، اور دھائی لاکھ پہ چندہ دہندگان کے نام لکھ کر سرمد والا باغے جس کا نام سب سے پہلے نکلے گا، اسے ایک لاکھ روپیہ اسی فراہم شدہ رقم میں سے دیا جائے گا جسے انھوں نے انعام کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور پھر درجہ بدرجہ قرعہ ڈال کر اسی طرح دم نکلنے پر وہ رقم چندہ دندگان پر تقسیم کر دی جائے گی آپ سوال یہ ہے کہ آیا اس چندہ میں کوئی شخص اپنے اغراض پر نظر کرے یا ذاتی اغراض سے قطع نظر بغرض رفاہ عام محض خیرات میں حصہ لینے کے لئے ایسا کرے تو کیا گنہگار ہوگا؟

الجواب، یہ تو عافیت قرار ہے، جس کی حرمت مسموع قطعی ہے۔

۱۵ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ (حوادث ۱)، ص ۱۵۶

غیر میں سے اپنا حق کسی جیلہ سے حاصل کرنا | یہ عنوان جلد سوم کتاب الدعویٰ، صفحہ ۳۵۰ پر گزر چکا ہے۔
 گارڈ کی اجازت سے ریل کا بلاکرایہ سفسر | یہ عنوان جلد سوم کتاب الغصب، صفحہ ۳۷۳ پر گزر چکا ہے۔
 بڑے تالاب یا حوض کا پانی روکنا جس میں ملک، غیر ملک، پھلیاں ہوں | یہ عنوان جلد سوم کتاب الشرب، صفحہ ۲۵۰ پر گزر چکا ہے۔

سوال (۲۱۶) تحصیل یعنی بڑا تالاب جو صحرائی زمین میں ہوتا ہے اور اس کے
 دوسرے لوگوں کا پھلیاں پکڑنا | مالک کسی خاص بنی کے لوگ ہوتے ہیں، اس کے اندر ایام برسات میں
 جو پھلیاں داخل ہوتی ہیں، جب خشکی کے ایام میں اُس کے چاروں طرف کی زمین سوکھ جاوے
 اور اُس جھیل سے دوسری جھیل تک، جو نہر گئی اُس کو بغرض حفاظت پھلیوں کے اہل بستی بند
 کر دیں اُس وقت اُس جس سے اُن بستی والوں کے سوا اور لوگوں کو بھی پھلیاں پکڑنے کا
 حق ہے یا نہیں اور اُن بستی والوں کا دوسروں کو روکنا درست ہے یا نہیں

الجواب، سب پکڑ سکتے ہیں کسی کو روکنے کا حق نہیں فقط، ۸ محرم ۱۳۶۷ھ
 حکم دے، برائے زانی | سوال (۲۱۷) اگر کوئی شخص زانی ہو اور اُس پر مقدمہ زنا کا چلے
 اس کے واسطے دعار کرنا کیسا ہے ؟

جواب، اگر اُس نے دعار کرنے والے کے سامنے توبہ کر لی ہے تو دعار مانگنا جائز
 ہے ورنہ نہیں۔ ۳ جمادی الاول ۱۳۶۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۸۵)

حکم ہجرت از ہندوستان | سوال (۲۱۸) معروف یہ ہے کہ یہاں سندھ میں علمائے کرام
 کا نفرنس خلافتِ عثمانی میں جانا فرض کہتے ہیں، اور تلوع تعلقاتِ نصاریٰ سے اور ہجرتِ فسخ
 کہتے ہیں، اور بعض علماء کہ اہلِ کانفرنس نہیں ہیں یعنی جائے نہیں فقط گوشہ نشین ہیں کہتے ہیں کہ
 ہجرت مستحب ہے فرض نہیں ہے، مگر قطع تعلقات از مہبت عدم امکان متناہ جہاد کے غیر ممکن
 فرض نہیں ہے، اب آپ حضرات کو منصف و حکم کر کے مانتے ہیں، جو حکم ارشاد ہو گا تنازع فیما بین
 مرفوع ہو جائے گا، ہر بانی شرما کر یہ تکلیف معلوف فرما کر بجلی جواب سے منوں فرمانا، اگرچہ
 اذ میان عوام کی گفتند کہ حضرت صاحب مولانا تھانوی جواب مذکور دیں گے، و لے احقر نے
 تو بنظر اخوت اسلامی یہ تکلیف آپ کو دی ہے ؟

الجواب، السلام علیکم! انا قائل فی جمیع هذه الامور بعدم الجواب لعدم
 الشرائط المذكورة في الكتب الشرعية في هذا الحين كما كان الحال في السابق ولم تقع

بینہما فارق لکن مع هذا لا اری قولہ، هذا خاتمة التحقیقات،

شوال ۱۳۳۸ھ (تمہ خامسہ ص ۱۵۶)۔

سوال (۲۱۹) فرزند پیدا ہو کے ناف بُریدہ کے پیشتر مر جائے تب مرنے کے بعد اس مردہ کی ناف بُریدہ یعنی قطع کرنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب: اب قطع کرنا فضول ہے، قطع اس لئے کی جاتی ہے کہ ایک زائد چیز ہے، اسکے اتصال سے حی کو ایذا ہوگی، جس طرح ناخن وغیرہ کاٹے جاتے ہیں، بعد موت کوئی ضرورت باقی نہیں، بلکہ بمقتضائے قواعد مکروہ و ممنوع ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (مدلو ج ۲ ص ۱۵۹)

سوال (۲۲۰) کیا ہمان کی ہمانی حق واجب ہے یا نہیں جیسا

فلیکرم کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے؟

الجواب: فائدة حدیثیة فقہیة بحق الضیف وجوباً و نداءً۔

فی المرقاة المجلد الرابع ص ۳۹، قال بعد کلام لم یل ما نصہ قالوا ویشعر بان الثلثة لیست من الصدقة فیحتمل انها واجبة لکنها نسخت بوجوب الزکوة او جعلت مال واجب للذی ارادوا بما یعدھا التبرع المباح ثم قال وعامة الفقهاء علی انها من مکارم اخلاق و حجتهم قولہ صلی اللہ علیہ وسلم جازتہ یوم وليلة و الجائز العطیة والمنحة والصلوة فذلک لا یكون الا مع الاختیار وقوله فلیکرم یدل علی هذا ایضاً ذلیس لیست عمل مثلاً الزا جب وتأولوا الاحادیث بانها كانت فی اول الاسلام اذ كانت المواساة واجبة واختلفت انها علی الحاضر والبادی ام علی البادی فذهب الشافعی ومن تبعه الی انها علیہا وقال مالک ومن وابعه انما ذلک علی اهل البوادی لان المسافر یجد فی الحضرة نازل وما یشترک لیسوان ام قلت وان رأیت الوجوب من قوله علیہ السلام من کان یومن باللہ والیوم الآخر الوارد فی اکرام الضیف فقد ورد مثل هذا اللفظ فی مالک ذلیس بواجب بالاجماع کما ذکر فی المرقاة (آخر الصفحة المذكورة) بروایة الطبرانی عن ابی امامة من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یلبس نحفیه حتی ینفضہما ھـ

عبارت بالا سے یہ امور مستفاد ہوئے (۱) جمہور کا مذہب یہی ہے کہ ہمانی واجب نہیں محض مکارم اخلاق سے ہے (۲) لفظ جائزہ دلیل ہے عدم وجوب کی کہ اسکے معنی عطیہ اور صلہ کے ہیں،

(۳) رہا لفظ لیکرم ہیئت سے زیادہ دلالت مادہ کی محتر ہے، وہ عدم وجوب پر دل ہے، (۴) اولاً واجب تھا پھر منسوخ ہو گیا (۵) رہا فرق ثلاثہ و غیر ثلاثہ میں عدم وجوب کی صورت میں، یہ ہے کہ ثلاثہ کے بعد وہ ضیافت ہی سے خارج ہے (۶) اس مرتبہ میں مان کر بھی امام مالکؒ کے نزدیک اہل برادری کے ساتھ خاص ہے جہاں مسافر کوئی التزام نہ کر سکے، (۷) اگر یومین باللہ الخ سے وجوب کا شبہ ہو تو ایسے الفاظ لبس خف کے باب میں بھی آئے ہیں، حالانکہ یقیناً وہاں وجوب منتفی ہے (۸) یہ حکم قطع نظر عوارض سے ہے، پناچہ عوارض کا ذکر نہ کرنا اس کی دلیل ہے، باقی عوارض کے اعتبار سے اس کا ترک منافی مکارم اخلاق کے بھی نہیں۔۔۔ (۱۰) از یقینہ ۳۳۵ (تمہ خامسہ ص ۳۸)

قلم گرفتار مقدمہ کی امداد کا حکم | سوال (۲۲۱) چور چوری کے لئے مکان میں گھسنا اور ایک آدمی کو زخمی کیا، لیکن بغیر مال لئے چلا آیا، اب وہ شخص شبہ میں گرفتار ہے تو آیا اس کے چھوڑانے کے لئے کوشش کرنا اور تفتیش کنندہ کو کچھ دے دلا کر راضی کر دینا کیسا ہے، اگر یہ خیال کیا جائے کہ اس مال تو لیا نہیں، اسلئے شرعی قاعدہ سے اس پر صرف تعزیر ہے، اور اس کی ذلت اور خسران مال تعزیر کیلئے کافی ہے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن اس نے ایک آدمی کو زخمی کیا ہے، اور شرعی قاعدہ سے اگر زخم ایسا ہے جس کا قصاص لیا جاسکتا ہے تو قصاص لیا جاوے، دیت یا حکومت عدل ہے، اور یہ قانون انگریزی کے بالکل مغایر ہے، وہاں صرف مجرمانہ ہوگا، یا جیل، جس سے زخمی شدہ کو کچھ نہیں مل سکتا، ہاں وہ تو یہ کرتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا، اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے سمجھ میں نہیں آتا؟

الجواب | میرے نزدیک اس کا جواب، ظاہر ہے کہ یہ زخم ہر حال حق العبد ہے اور وہ اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے، گو اس کو اصل حق نہ ملے، مگر وہ شفاغے غیظ پر جو کہ اصل حق اور قانون حال میں امر مشترک قناعت کرتا ہے، پس اصل حق کا نہ ملنا اس وقت منسوب حکام کی طرف ہے، اور تفتیش کنندہ کو دے دلا کر راضی کر دینا یہ حیلہ ہے درمیان صاحب حق اور اس کے شفاغے غیظ کے جس کو وہ بجبوری بدل سمجھ رہا ہے اصل حق لا، پس یہ صریح نصرت ہے ظالم کی، اور حدیث میں کثرتاً و جزئیاً لقولہ علیہ السلام من حال الخ اس پر وعید آئی ہے، اس لئے یہ نصرت حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، رجاری الاولیٰ ۳۳۵ (امداد ج ۲ ص ۱۵۸)

مدارات فساد کا حکم | سوال (۲۲۲) اکثر مرتبہ مجھ کو یہ جان ہوا یا کرتا ہے کہ ناسق و منافق بے نمازی و اصرعی منڈرانے والوں کی علمائے کرام بھی تعظیم اور راز و حد مدح کیا کرتے ہیں، حالانکہ یہ مضمون بھی ظاہر ہے

کہ فاسق کی جب مدح کی جاتی ہے تو عرشِ عظیم تھرا اٹھتا ہے اور وہ عابدِ معتوب و مغرب ہوا جس نے فاسق کے فسق و فجور پر ہزار ہی نہیں ہزار کی تھی، کچھ تو جیسے دل میں گڑھ لیا کرتا ہوں، مگر واقعی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی،؟

الجواب، فاسق کے ساتھ اصل وہی معاملہ ہے جو آپ نے نقل فرمایا ہے، لیکن عارض سے احکام بدل جایا کرتے ہیں، اور عارض دو ہیں ایک جلبِ مصلحتِ دینیہ، دوسری دفعِ مضرتِ دنیویٰ مثلاً اس کی تالیف سے اس کی اصلاح متوقع ہو یا اور کسی دینی امر کی تقویت ہو اور مثلاً اس کے شر و عداوت سے بچنا ہو، اس صورت میں اس کی مادات و اکرام جائز ہوگا، لیکن قلب سے اس کے فسق و یرانکار بھری واجب ہے، تو حیثیتِ تغایب عابد ہر حال میں معمول رہے گی البتہ بقاعدۃ الضروری یتقدّر بقدر الضرورة، ان عوارض سے بھی تجاوز عن الضرورة جائز نہ ہوگا، ۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ (تمتہ شانہ ص ۳۳)

حکم تعلیم حساب سود | سوال (۲۲۳) خاکسار ایک مدرس ہے جس کے تفویضِ ریاضی کی تعلیم ہے، سکالر نظام کا ملازم ہے، خاکسار کو ریاضی میں سود کے حسابات بھی طالب علم کرتے پڑتے ہیں، پہلے کمترین سود کے حسابات بھی طلباً کو سکھلاتا تھا، لیکن جب سے اسلامی احکام پر مبنی الامکان عمل کرنے کی کوشش شروع کی ہے، دل نے کہا کہ سود کے حسابات بھی نہیں سکھلانا چاہئے، اسکے متعلق یہاں ہر چیز علماء سے دریافت بھی کیا گیا لیکن ان میں اختلاف رہا، اور کوئی تشفی بخش جواب نہیں ملا۔ چونکہ حضرت سے عقیدت ہے، اور حضرت کے جواب سے تشفی ہو جائے گی، اسلئے عرض خدمت یہ ہے کہ میرا سود کے حسابات نہ سکھلانا حکمِ رسول کے موافق ہے یا نہیں تاکہ میں اس پر استقلال سے جا رہوں،؟

جواب، اگر نوکری کا بقا اس پر موقوف نہ ہو تو نہ سکھلائیے ورنہ سکھلا کر یہ روزمرہ کہہ دیا کیجئے کہ اس حساب سے سود میں کام لیا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی قرض ادا کرتے وقت جس جگہ کہ اس کی شرط یا عرف نہ ہو، خوشی سے کہے کہ میں تمہارے احسان کے عوض احسان کرنا چاہتا ہوں، کہ فیصدی اس قدر کے حساب سے تم کو بددہ دوں، اس کو اس سے کام لینا جائز ہے،

۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۱)

چوکفار کا جواز | سوال (۲۲۴) ایک انگریزی خواں نوجوان نے سوال کیا ہے کہ حدیث میں یہ جو ذکر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ سے کفار کی بھوکھائی، یہ کسی کی جو

کہا: انا اخلاق پیمبری سے بہت فرد تر معلوم ہوتا ہے۔ میں جواب یہ لکھنے والا ہوں کہ جو علی الاطلاق معیوبہ مذموم نہیں۔ اگر کسی غرض صحیح کے لئے ہو، تو دفاع کے لئے جب قتال تک جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب و فرض ہے، تو مجھ تو اس سے بہت ہلکی چیز ہے، خصوصاً جب کہ مجھ کا مقصد اپنے ذاتی دشمنوں سے نہیں بلکہ دشمنانِ دین سے انتقام لینا ہو، اور تجربہ سے اس حریہ کا موثر و کارگر ہونا ثابت ہو چکا ہو، اس جواب میں اگر اضافہ (زیادت) کی ضرورت ہو تو اس سے ایسا فرمایا جاوے؟

الزیادة فی الجواب قولہ ثابت ہو چکا ہو، چنانچہ اس حکمت کی طرف خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ قریب بصرحت فرمایا ہے:-

حيث قال اهجو اقريشاً فانه اشد عليها من رشق النبل وقال صلى الله عليه وسلم ان روح القدس يؤيدك ما نأفحت عن الله ورسوله وقال صلى الله عليه وسلم هجاءهم حسان فشقة واشتقى (مسلم فضائل حسان) وقال النووي فيه جواز الانتصار من الكفار وقال وفيه جواز هجر الكفار ما لم يكن امان واما امره صلى الله عليه وسلم بهجائهم الى قوله فاما المقصود منه النكاية في الكفار وقد امره الله تعالى بالجهاد في الكفار والاعلاظ عليهم كان هذا الهجاء اشد عليهم من رشق النبل فكان مندوباً لذلك مع ما فيه من كفاة اذ اهم وبيان تقصيرهم والانتصار بهجائهم المسلمين قال العلماء وينبغي ان لا يبدأ المشركون بالسب والهجاء مخافة من سبهم الاسلام واهله قال الله تعالى ولا تستبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم ولتنزيه السنة المسلمين عن الفحش الا ان تدعوا الى ذلك ضرة لا ابتداء لهم بكيف اذ اهم وخوفاً كما فعل النبي صلى الله عليه وسلم اهر

اس عبارت میں اس حکمت کی شرح اور آداب و شرائط بھی جمع کر دیئے گئے، اور ایک حکمت زار بھی بتلائی، فی قولہ مع ما فيه من كفاة اذ اهم فی قولہ فكيف اذ اهم یعنی کفار کی جبرأت اور زیادتی کا روکنا بھی مقصود تھا، کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ ہم کہیں گے تو اس سے زیادہ سنیں گے تو پھر ان کی ہمت ٹوٹ جائے گی، تو اس میں مسلمانوں کی حفاظت ہے، اور اہل حق کی حفاظت شر و ایذا سے یہ اعظم اخلاق مطلوبہ سے ہے، اور یہ سب حکمتیں فلسفیانہ ہیں، اور ایک حکمت صوفیانہ بھی نہایت لطیف ہے، وہ یہ کہ خود بدلہ نہ لینے سے اُن پر غضب خداوندی شدید ہوتا، اور انتقام لینے سے

اُس میں تخفیف ہو جاتی ہے، تو اس میں میں اُن کی خیر خواہی ہے، دلیل اس شدت و خفت کی ایک حدیث ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی نے چوری کی، انھوں نے بددعا کی، آپ نے فرمایا بددعا کرنے سے اُس کی عقوبت میں تخفیف ہو جاوے گی، اور آپ کی اسی حکمت کی نظیر دوسری حدیث میں ہے کہ آپ کے مرض و وفات میں گھروالوں نے آپ کے منہ مبارک میں دوا ڈالی، اور منع کرنے پر بھی ایسا کیا، آپ نے اپنے سامنے سب کے منہ میں دوا ڈالنے کا حکم دیا، رواہ البخاری فی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاته، وہاں محققین نے یہی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اگر آپ انتقام نہ لیتے تو اُن پر کوئی وبال نازل ہوتا، آپ نے اُن کو بچا دیا، غرض یہ ہے کہ آپ کا اصلی مذاق تو یہ تھا کہ حدیثوں میں وارد ہے، کہ آپ سے کفار کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کی گئی، آپ نے انکار فرما دیا، اور اصلی مذاق کے خلاف جہاں ہو گا کسی کوئی عارض کی وجہ سے ہو گا۔ فقط، ۲۲ رجب ۱۳۳۵ھ (النور، ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ص ۷)

باب وغیرہ کو رشوت دینا سوال (۲۲۵) مال روانہ کرنے کے وقت پارسل یا بویا (یا بابو کچھ بلٹی) کی بنوائی لیتے ہیں، ایسے ہی کمال چھوڑنے کے وقت بھی کچھ لیتے ہیں، اگر اُن کو نہ دیا جائے تو طرح طرح کی پریشانی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، مثلاً پارسل کا کٹ جانا، بلٹی کا بہت دیر میں دینا، بلٹی کا روک لینا، پارسل کا نہ چھوڑنا، اور اگر مقدمہ بازی کی جاوے تو کے دفعہ ہو سکتی ہے، اور پھر تمام لوگ دیتے ہیں، ان سب کے مقابلہ میں اگر ایک نہ دے تو وہ کچھ نہیں کر سکتا، ہوو نہ ثبوت اس کا ہم پہونچا سکتا ہے تو آیا یہ اجرت دینا رشوت ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو کیوں اس لئے کہ اُن کی تنخواہ سرکاری طور مقرر ہے، پھر اجرت کیسی، اور اگر ہے تو پھر اس سے خلاصی کی کیا صورت ہے؟

الجواب، یہ رشوت ہے، لیکن یہ دینا دفع ظلم کے لئے ہے، اور دفع ظلم کے لئے رشوت دینا جائز ہے۔ ۹ سوال ۱۳۳۵ھ (حوادث اول ص ۱۵۴)

نکاح اور سنگنی وغیرہ

بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکنا سوال (۲۲۶) بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی سے روکنا شرع شریف میں حلال ہے یا حرام، یا مکروہ، مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے، بینوا تو جبروا، فقط؟

الجواب، قال الله تعالى فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف ذلك يوعظ به من كان منكم يومئذ بالله واليوم الآخر ذلكم ازكى لكم والطهر الآية وقال الله تعالى وانكحوا الايامي منكم الآية وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا علي لا تؤخر ثلاثاً وعد منها الايم اذا وجدت لها كفوا الحديث اور اگر اس کو عار و عیب و تنگ سمجھتا ہے تو خوف کفر ہے،

لقوله تعالى فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليماً الآية ولقوله عليه السلام لا يؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به الحديث، (۲ شعبان ۳۳۱ھ) (امدار، ج ۲ ص ۱۲۶) نکاح بیوہ | یہ عنوان صفحہ ۱۲۳ و ۱۲۴ پر گذر چکا ہے۔

بیوہ عورت کو کسی دوا وغیرہ سے | سوال (۲۲۷) بعض زنان بیوہ را باکرہ ساختہ از قسم دوا وغیرہ یا باکرہ بنا تا دھوکہ دینے کے لئے | فریب کمرہ بشوہر میدہند تمام عمر شوہر آن طعن و ملامت آن میکنند

ازیں وجہ زن و شوہر ناخوش و ناراض باہم دیگر عداوت دارند حکم شرع دریں باب چیست؟ **الجواب**، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من غش فلیس منی رواہ مسلم مشکوٰۃ باب المنہی عنہا من البیوع،

ازیں حدیث صریح معلوم می شود حرمت اس فعل مسئول عنہ بمثابة کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلش را خارج از جماعت خود فرمودند۔ (تمتہ اولی ص ۳۱۸)

عورتوں کے پردے اور نظر و لمس وغیرہ کے احکام

سوال (۲۲۸) پردہ کی نسبت کیا حکم ہے، آیا پردہ فرض ہے یا واجب ہے یا کیا؟ **الجواب**، پردہ کے دو معنی ہیں، ایک ستر و دوسرے حجاب، ستر تو فرض ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ مرد کو مرد کا سار ابدن دیکھنا جائز ہے مگر ناف سے زانو تک جائز نہیں، اور عورت کو عورت کا بھی اتنا ہی بدن دیکھنا جائز ہے۔ اور اپنی ملکہ حلال شہری اور اپنی زوجہ کا سار ابدن دیکھنا جائز ہے، اور اپنے محارم کا منہ اور سر اور سینہ اور پینڈلیاں اور دونوں بازو دیکھنا بشرط اس شہوت جائز ہے،

عد یعنی جس سے محبت حلال ہو ۱۲ من

اور ان کی پشت اور شکم دیکھنا جائز نہیں، اور غیر مملوکہ کا بھی اتنا ہی بدن دیکھنا جائز ہے، اور اجنبی آزاد عورت کا کچھ دیکھنا جائز نہیں، مگر تحصیلیاں دیکھنا بشرط امن شہوت جائز ہے، اور اگر شہوت کا خوف ہو تو بغیر حاجت ضروری شرعی کے دیکھنا جائز نہیں، ہاں اگر حاجت ہو جیسے حاکم حکم کرتے وقت اور گواہ کو شہادت کے وقت تو چہرہ دیکھنا جائز ہے، اور طبیب کو مرض کا موضع دیکھنا جائز ہے، اگرچہ لوگوں کو خوف شہوت کا ہو، باقی حتی الوسع شہوت کو دل سے دور کرے، چنانچہ یہ روایت قیوری کی شاہد اس مضمون کی ہے۔

ولا يجوز ان ينظر الرجل من الاجنبية الا وجهها وكفيها فان كان لا يامن الشهوة لا ينظر الى وجهها الا الحاجة ويجوز للقاضي اذا اراد ان يحكم عليها وللشاهد اذا اراد الشهادتها عليها ان ينظر الى وجهها وان خاف ان يشتمى ويجوز للطبيب ان ينظر الى موضع المرض منها وينظر الرجل من الرجل الى جميع بدننا الا ما بين سترته الى كبتيه ويجوز للمرأة ان تنظر من الرجل الى ما ينظر الرجل اليه منه ويجوز ان تنظر المرأة من المرأة الى ما يجوز للرجل ان ينظر اليه من الرجل وينظر الرجل من امته التي تحمل له وطبها وزوجته الى فرجها وساثر جسدھا وينظر الرجل من ذوات المحارم الوجه والرأس والصدر والساقين والعضدين اذا امن الشهوة ولا ينظر الى ظهرها وبطنها وينظر الرجل من مملوكة غيره الى ما يجوز ان ينظر اليه من ذوات محارمه، پس ستر اس تفصیل فرض ہے،

دوسرا حجاب ہے جو آج کل شرفائیں معمول ہے، کہ عورت مرد اجنبی کو بالکل بدن نہیں دکھاتی، اور غالباً غرض سائل کی اسی کا پوچھنا ہے، پس یہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر تو فرض تھا، لقوله تعالى وقرن في بيوتكن ولقوله تعالى واذا سالتوهن متاعا فسلوهن من وراء حجاب اور مومنین اُمت کی عورتوں پر فرض نہیں، چنانچہ روایت بالا سے معلوم ہو چکا کہ عجب عورت کا چہرہ اور تحصیلیاں دیکھنا بشرط امن شہوت جائز ہے، البتہ یہ حجاب سنت اور واجب استحسانی ہے اور بہ نظر مصلحت و ربح شرفتنہ ضروری ہے، لقوله تعالى يا ايها النبي قل لاوزاجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك اذ في ازيعرفن فلا يوذن الآية،

۱۷۸ مائل اس کا وجوب لغیر ہے ۱۷۸

تفسیر حسینی میں ہے ”گویند در شان زانیان ست کہ شبہا بر سرہ راہ ہانشستندے و دست تعدی بدامن کینہ زن رسانیہے۔ و تعدی رحمی فرماید کہ در آن وقت حرا سر را علامت آن بود کہ سر پوشیدہ در راہ افتندے و بپاری سر برہنہ بودندے چوں اُن بدکاران از سر پوشیدگان تحاشی می نمودند لاجرم آیت آمد اے پیغمبر بگو مرزبان خود را و دختران خود را و زنان مومنان را کہ بوقت بیرون رفتن از خانہ نزدیک گردانند و فردگذازند بر رو ہمائے و بد ہمائے خویش چادر ہائے خود را یعنی وجوہ ابدان پوشند ایں پوشیدن سر و روئے و بدن نزدیک تراست بآنکہ ایشان را بشناسند بصلح و عفت یا متمیز شومند با زادی پس باید اکر دہ نشوند یعنی اُن زانیان تعریف نہ کنند ایشان را انتہی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم فتنہ کے سبب سے ہوا،

وفی الدار المختار صفحہ ۲۷۲ من الجلد الاول وتمتع المرأة انشاباً من كشف الوجه بين الرجال لانه عوقبل خوف الفتنه كمنه وان امن الشهوة لانه اغلظ ولذا ثبت به حرمة المصاهرة كما ياتي في الخطر انتہی،

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ آیت کریمہ قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن لایۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- مترجم گوید کہ حاصل ایں آیت آنست کہ مواضع زینت و تسم است، آنچه در ستر آں حرج است و آں وجہ و کفین بود و آنچه در ستر آں حرج نیست مانند سر و گردن و عقد و ذراع و ساق، پس ستر وجہ و کفین از اجنبیان فرض نیست بلکہ سنت است، ستر غیر آں از اجنبیان فرض است نہ از محارم، واللہ اعلم، فتح الرحمن، اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب آیت کریمہ فاسسدھن من دراء حجاب الایۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :- اور اس آیت میں حکم ہوا پردہ کا کہ مرد حضرت کی ازواج کے سامنے نہ جائیں، سب مسلمانوں کی عورتوں پر یہ حکم واجب نہیں، اگر عورت سامنے ہو کسی مرد کے سب بدن کپڑوں میں ڈھکا ہو تو گناہ نہیں، اور اگر نہ سامنے ہو تو بہتر ہے موضح القرآن۔

پس خلاصہ جواب یہ ہوا کہ ستر فرض ہے اور حجاب بنظر مصنف واجب ہے، واللہ اعلم و علامہ و عظم

۲۸ شعبان یوم الاربعاء ۱۳۱۵ھ (امداد ج ۲، ص ۱۱۹)

سوال بریں فتویٰ

آپ کی تحریر سے ثابت ہوا کہ پردہ جائز ہے، اگر نہ کرے تو گناہ نہیں، اور مصلحت واجب کیسے کہتے ہیں اس کا مفصل حال لکھو؟

الجواب، میری تحریر سے جائز ہونا پردہ کا ثابت نہیں ہوتا، خود یہ عبارت اس میں موجود ہے (پس ستروجہ و کفین از اجنبیان فرض نیست، بلکہ سنت است) پس جائز ہونا کہیں ثابت نہیں ہوتا، اور یہ جو لکھا ہے کہ اگر کوئی نہ کرے تو گناہ نہیں، یہ بھی ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ عبارت اس میں موجود ہے (اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم فتنہ کے سبب ہوا) تو جو حکم کسی علت سے ہوتا ہے جب وہ علت پائی جائے گی حکم بھی ضرور پایا جائے گا، پس جب پردہ کا حکم بہ علت خوف فتنہ ہوا تو جہاں خوف و اندیشہ فتنہ ہوگا جیسے جوان عورت میں اس پر یہ حکم بھی ضرور واجب ہوگا، اگر نہ کرے گی تارک واجب اور گنہگار ہوگی، البتہ جہاں احتمال فتنہ کا نہ ہو جیسے ساٹھ شتر برس کی بڑھیا تو اس پر یہ حکم بھی واجب نہیں، اور اگر وہ پردہ نہ کرے تو گنہگار نہ ہوگی، ہاں تارک سنت ہے اور واجب مصلحت کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں نے مصلحت دیکھ کر واجب کر دیا، بلکہ یہ معنی ہیں کہ شریعت نے اس کا وجوب ایک مصلحت پر مبنی رکھا ہے جب وہ مصلحت ہوگی وجوب بھی رہے گا، جب وہ مصلحت نہ ہوگی وجوب بھی نہ رہے گا، جیسا پردے میں مصلحت رفع شر و فتنہ ہے وجودہ بوجودہ و عدمہ بعد مہا بخلاف دیگر واجبات مطلقہ کے کہ ان میں حکم قائم مقام علت کے ہو جایا کرتا ہے، کما لا یخفی علی من لہ ادنی مسکۃ فی الفقہ ہذا ما عندی، واللہ اعلم

۵ رمضان چہار شنبہ ۱۲۹۰ھ (امداد ج ۲ ص ۱۲۰)

ایضاً سوال (۲۲۹۱) آزاد اور موسرہ عورت کا پردہ اجنبیوں اور نامحرموں کے سامنے آنے میں از روئے فقہ و حدیث کیا ہے، برقعہ اور مہنا واجب ہے یا چہرہ اور ہاتھ کھول کے باہر نکلتا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو اس شخص کی نسبت کیا حکم ہے جو عورتوں کو گھر میں بیٹھ رہے پر مجبور کرے، چار دیواری سے نکلنے نہ دے یا بغیر برقعہ کے آنے جانے سے روکے؟

الجواب، قال اللہ تبارک و تعالیٰ و قرن فی بیوتکن پارہ من یقنت شرع و قال اللہ یا ایہا النبی قل لا زواجک و بناتک و نساء المؤمنین یدنین علیہن من جلابیہن ایضا پارہ من یقنت قریب ربیع و قال اللہ تعالیٰ و اذا سال القوم من متاعا فاسئلوہن من وراء حجاب ایضا پارہ من یقنت رکوع ۳، و قال اللہ تعالیٰ و القواعد من النساء اللاتی لا یزوجون نکاحاً فلیس علیہن جناح ان یضعن ثیابہن غیر متبرجات بزینۃ و ان یتعففن خیر لہن پارہ قد افلح بعد ثلاث اربع و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المرأة عورة فاذا خرجت اسقشرفہا الشیطن، رواہ الترمذی

عن امر سلمة انها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ومهونة اذ اقبل ابن امر مكتوم فدخل عليه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم احتجما منه فقلت يا رسول الله اليس هو اعني لا يبصرنا فقال صلى الله عليه وسلم افصيا وان انهما قالوا لا فتمنع الشاب وجوبا من كشف الوجه بين الرجال لا لانه عورتا بل لخوف الفتنة امر (اس کا صفحہ اس وقت یاد نہیں، مگر عبارت دیکھی ہوئی یاد ہے)۔

ان احادیث و آیات و روایات فقہیہ کا ترجمہ کسی ذی علم سے دریافت کر کے غور و فکر سے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غوریت کے لئے حکم اصلی احتجاب، استتار و کسب اعضاء ہمارا کار کا نہایت ہے، البتہ جہاں ضرورت شدید ہو یا بسبب کبر سن کے طلق احتمال فتنہ و اشتہار کا باقی نہیں، وہاں وجہ و کفین کا کشف جائز ہے، اور یہی مطلب ہے اُن کے ستر نہ ہونے کا، اس سے جواب سوال کا واضح ہو گیا کہ مشتبہات عورت کا اجنبی کے رو برو آنا از روئے قرآن و حدیث و فقہ ناجائز ہے، اور ضرورت میں برقعہ اوڑھ کر نکلے، البتہ جہاں ضیق ہو یا معتر زیارہ ہو وہاں جائز ہے پس جو عورتوں کو گھروں میں بیٹھے رہنے پر مجبور کرے اور چار دیواری سے نکلنے نہ دے اور بغیر برقعہ کہیں آنے جانے سے روکے وہ بالکل قرآن و حدیث و فقہ پر عامل ہے اور اس شخص کو مفاسد سے روکنے کا اجر عظیم ملے گا، اور مغلاق الشر و محتاج الخیر کا مصداق ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ (امداد ج ۲ ص ۱۴۸)

تفصیل حکم پردہ و اقتدار | یہ مسئلہ امداد ج ۲ ص ۵۴ سے جلد اول صفحہ ۲۲۲ پر لکھا گیا ہے۔ دیکھو وہاں کسیک زنش بے پردہ باشد | ملاحظہ فرمائیں،

القاء السکينة في تحقيق ابداء الزينة

علم پردہ زنان | سوال (۲۳۰)، بعض لوگوں نے آیت نور لایبدین زینتہن الا ما ظہر منها میں ما ظہر منها کی تفسیر جو وجہ اور کفین کے ساتھ منقول ہے اس سے عدم وجوب استتار وجہ و کفین پر استدلال کیا ہے، آیا یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب، اول ما ظہر منها کی تفسیر متعین نہیں، یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسکی تفسیر ثیاب و جلباب کے ساتھ منقول ہے، والقولان مع القوال انما منقولان فی الادامۃ المشورہ جب یہ تفسیر متحمل ہوئی تو محتمل سے استدلال صحیح نہیں، کیونکہ قول اخیر پر آیت میں وجہ و کفین کے

استثنا کی کوئی دلیل ہی نہیں، اور بعد تسلیم بھی یہ استدلال باطل ہے، اور منشاء اس کا جہل ہے پانچ امر سے، خود جملہ ظہر منہا کے معنی سے بھی ملے و ملے اور لایبیدن کے سباق بالمعنی و سیاق بالاحتیاج سے بھی ملے و ملے اور اس آیت سے مقدم فی النزول اور بعض آیات سے بھی اور دوسری مؤخر فی التلاوة غیر معلوم التقدیم والتاخر فی النزول آیت سے بھی، چنانچہ سب کے متعلق عرض کرتا ہوں،

امراؤل، مآظہر منہا فرمانا اور مآظہر نہ فرمانا باوجودیکہ اور سب صبیح مذکورہ فی الآیہ میں فاعل نسار کو قرار دیا گیا ہے، جیسے یغضضن، یحفظن، لایبیدن، یضربن، یخمرهن، لایضربن بارجلهن وال ہے اس پر کہ یہ ظہور من غیر اظہار ہے امر ثانی یغضضن من ابصارهن و یحفظن فروجهن، امر ثالث، لایضربن بارجلهن امر رابع سورہ احزاب کی (جو کہ سورہ نور سے نزول میں مقدم کذا فی الاقسان) آیتیں، قوله تعالیٰ و قرن فی بیوتکن و قوله تعالیٰ و اذا سألتموهن متاعاً و قوله تعالیٰ یدنین علیہن من جلا بیہن امر خامس آیتہ والقواعد من النساء اللاتی لایرجون نکاحاً، اور چونکہ ان امور خمسہ میں کوئی تعارض نہیں، کما سیتضح، اور اسی لئے کسی نے ان میں مؤخر کو مقدم کا نسخ نہیں کہا، اس لئے یہ پانچوں کے پانچوں واجب الاخذ ہوں گے، پس مجموعہ امور خمسہ پر نظر کر کے تقریر مقام کی یہ ہوگی کہ آیت و قرن فی بیوتکن اور آیت و اذا سألتموهن سے عورتوں پر استتار اشخاص کا واجب کیا گیا۔ اور اصل حکم اور عزیمت یہی ہے، لیکن کبھی خروج عن البیت کی بھی حاجت واقع ہوتی ہے، ایسی حالت میں یدنین علیہن من جلا بیہن سے اظہار اشخاص میں رخصت دی گئی اور استتار ابدان کو واجب فرمایا گیا، پھر کبھی گھر سے باہر بعض کوجن کے پاس خادم نہ ہوں بعض ایسے کاموں کی ضرورت واقع ہو جاتی ہے جو ہاتھ سے کئے جاتے ہیں، اور اس لئے ہاتھ کا استتار موجب حرج ہوتا ہے اور کام کرنے کے وقت اس کام کے دیکھنے کی بھی حاجت ہوتی ہے، اور گھونگٹ سے منہ چھپانے میں وہ گھونگٹ ابصار میں حائل ہو جاتا ہے، اور اس لئے چہرہ کا استتار بھی موجب حرج ہوتا ہے، ایسی حالت میں الا مآظہر منہا سے بنا بر تفسیر مشہور صرف اظہار وجہ کفین کی رخصت دی گئی ہے، اور بقیہ بدن کے استتار کو واجب فرمایا گیا، اور چونکہ یہ ضرورت بوجہ خدمت مولیٰ کے اور میں زیادہ وسیع تھی، اس کی رخصت میں زائد توسیع کی گئی، کما ہو بسوا فی کتب الفقہ، پس جواز اظہار وجہ کفین صرف حالت حرج فی الاستتار کے ساتھ مخصوص ہے، اور بعض نے قدین کو بھی کفین کے ساتھ ملحوظ کیا ہے،

سہ توجیہ الدلائل ان الظہور لہ در جناحہا مآبد و لا ظہار حقیقۃ کالاضطراری او حکما کالظہور الفی المشابہ بالاضطراری کما سیاق و الاخری ما بالاظہار والمراد ہننا الاولیٰ لکونہا ادنیٰ لایحتاج الی الدلیل ولادلیل علی الزائد و لکونہ مقفی المقام من المنع عن الاظہار ۱۲۱

اور بعض نے بس خفین کے مانع مٹنی نہ ہونے کو دونوں میں فارق بتلایا ہے، اور اس تقیید بحالۃ الحرج پر
 دلائل مستقلہ کے علاوہ خود صیغہ ظہر میں بھی دلالت ہے جس کی توجیہ یہ ہے کہ عورت اپنے کسی عضو کو
 جو کہ تفسیر ہے زینت کی (خواہ بالمطابقت کہ مجازاً بھی ہو خواہ بالالتزام المعبر عند اہل العربیہ
 اس طرح کہ جب زینت کا جو کہ ملبس ہے اظہار جائز نہیں، تو مواضع زینت کا جو کہ جزو ہر
 اظہار کیسے جائز ہوگا ہرگز ظاہر نہ کرے وہاں کہ لول قولہ تعالیٰ ولا یبدین زینتہن (لیکن اگر ایسی
 حالت ہو کہ اس میں وجہ کفین کا استتار ایسا دشوار ہو کہ اگر یہ استتار کا قصد بھی کرتی ہے تب بھی
 وہ اضطراراً بلا قصد اظہار خود بخود ظاہر ہو جاتے ہوں، کیونکہ اس ضروری کام کے ساتھ استتار جمع نہیں ہوتا
 ایسی حالت میں بھیار الضروری یتقدر بقدر الضرورة، اس عارض کے سبب اسی قدر انکی کشف کی اجازت
 ہے۔ پس یہ حکم عارض کے سبب ہے۔ اور اصل حکم وہی استتار ہے، پس استتار کے یہ معنی ہیں، نہ یہ کہ اصلی حکم
 بالقصد وجہ کفین کا کشف ہو، اور استتار کسی عارض سے ہو، اور اس کا احتمال کیسے ہو سکتا ہے جب کہ متعا
 اپنے سیاق و سباق سے انسداد فتنہ کو مقصود بتلایا ہے، چنانچہ بغیض اور یحفظن اور لا یضربن بارہلین
 سب اس انسداد کی مقصودیت میں نہیں ہیں، اور احادیث نے تو فتنہ کے اسباب بعیدہ تک کا انسداد کیا ہے
 تو ایسی حالت میں وجہ کفین اور خصوص وجہ کا (جو کہ معنی ہے تمام فتن کا اور اس کا انکار نہ صرف بصیرت بلکہ
 بصارت کے فقدان کا بھی اقرار ہے) قصداً انکشاف آیت کا نہ لول کس طرح ہو سکتا ہے ورنہ اجزاء آیت
 میں تعارض ہو جاوے گا، جو کہ ادنیٰ عاقل کے کلام میں بھی متنع ہے، تو حکیم علی الاطلاق کے کلام میں کیسے جائز ہوگا
 اور یہ مسئلہ خود مستقل ہے کہ وجوب استتار وجہ کفین اور وجوب استتار بقیہ بدن یہ دونوں وجوب
 ایک نوع سے ہیں یا دونوع سے، مثل فرض علمی و عملی کے جس کا مشہور عنوان یہ ہے کہ ان میں کون عضو عورت
 فی نفسہ ہو کون نہیں، سو یہاں اس سے بحث نہیں جو امر یہاں مقصود ہے یعنی مطلق وجوب استتار اس
 میں یہ سب برابر ہیں، جیسے عورت غلیظہ وغیرت غیر غلیظہ نفس وجوب ستر میں برابر ہیں مگر غلط و عدم
 غلط میں متفاوت ہیں اور چونکہ عادۃً ہاتھ سے کام کرنے میں اگر خاص طور پر خیال نہ رکھا جاوے، سر
 اور گلا کھل جاتا ہے، اسلئے ولیضی بن بصرہن سے اس کا انتظام فرما دیا، پھر یہ حکم اصلی وجوب استتار
 وجہ کفین بنا بر اطلاق الفاظ آیت عام تھا، شواہد عجائز کیلئے آیت والقواعد من النساء الخ نے اس
 وجوب سے عجائز کو مخصوص و مستثنیٰ کر دیا، گو استجاب ان کے لئے بھی ثابت ہے لقولہ تعالیٰ و ان

سے یہ اس پر مبنی ہے کہ زینتہن سے مراد عام ہو ہر زینت کو مثل لباس مزین و فعل مزین و زیور و عطر وغیرہ کہ ان سب کا
 اظہار لایبیدن سے حرام ہے تو اعضاء کا جس میں وجہ کفین کا بھی اظہار ہے کیسے جائز ہوگا۔ ۱۲۰

اس کی بھی رعایت رکھتے ہیں کہ عورتوں کو تنگی نہ لاحق ہو، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے رسول (آپسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی آنکھیں کسی قدر بند رکھیں) اور اپنی نظروں کو آزاد نہ کریں، کیونکہ نظر کی آزادی ابتدائی مرحلہ ہے زنا کا، کیونکہ اس سے ایک شخص کے محاسن کا ادراک ہوتا ہے اور ادراک سے استحسان پیدا ہوتا ہے اور استحسان سے رغبت اور رغبت سے کوشش اور کوشش سے زنا، اور (اس طرح) اپنی شرمگاہوں کو (زنا سے) محفوظ رکھیں (اور اگر وہ ایسا نہ کریں گی تو زنا میں مبتلا ہو جانے کا بہت قوی خطرہ ہے) اور (دوسری بات جس سے وہ زنا سے محفوظ رہ سکتی ہیں یہ ہے کہ وہ اپنی آرائش (کپڑوں زیور وغیرہ) کو نہ کھولیں (بلکہ اسے بطور خود چھپاتی رہیں، تاکہ وہ غیر مردوں کی اتفاقیہ نظر سے بھی محفوظ رہیں، اور کوئی اُسے چھپ کر شرارت سے دیکھنا چاہے تو اُسے بھی کامیابی نہ ہو، اور جب کہ نفس آرائش کے متعلق یہ حکم ہے تو اعضا پر جسم بالاولیٰ قابل انظار ہوں گے (بجز اس (آرائش) کے جو عادتاً ظاہر ہو) اور اسکے چھپانے میں تنگی ہو، کیونکہ اگر اس کے کشف فی نفسہ میں بھی خطرہ ہے، مگر چونکہ خطرہ بعید اور ضرورت شدید ہے لہذا وہ ضرورت مستثنیٰ ہے، جیسے کپڑے یا وہ آرائش جس کا تعلق وجہ و کفین سے ہے جیسے انگلیں، آرسی، چھتے، ہندری، ہنسی، سرمد، پان، ٹیکہ، افشاں وغیرہ، اور جب کہ یہ مستثنیٰ ہیں، تو تبعاً و التزائماً اس کے مواقع یعنی وجہ و کفین بھی مستثنیٰ ہوں گے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وجہ و کفین اور ان کے متعلق آرائش کو لوگوں کے سامنے کھولیں، بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ فی نفسہ ان کو کپڑوں میں چھپانے کی ضرورت نہیں، اسی طرح جس آرائش اور اس کے مواقع کو چھپانے کی ہدایت ہے اُس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ دوسرے لوگوں سے چھپائیں، یعنی اس جملہ میں اس سے بحث نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فی نفسہ قابل ستر ہیں، کیونکہ یہاں صرف فی نفسہ قابل کشف اور مستحق ستر اثبات کا بیان کرنا مقصود ہے، اور اس سے کوئی بحث نہیں کہ کس سے چھپائیں اور کس کے سامنے ظاہر کریں، کیونکہ اس کی تفصیل آئندہ آنے والی ہے) اور اپنی اور ہنسیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں (تاکہ کلا بھی ڈھکا رہے اور گریبان سے سینہ بھی نظر نہ آوے، اور پستانوں کا ابھار بھی چھپ جائے، یہ وہ تدابیر ہیں جن پر عورتوں کو ذاتی طور پر عمل پیرا ہونا چاہئے تاکہ وہ زنا کے خطرہ سے محفوظ رہیں) اور (تیسری بات جس کی

عہ اس تفسیر پر تمام اقوال سلف جو مآثر کی تفسیر میں واقع ہیں جمع ہو گئے اور معلوم ہو گیا کہ ان کی تفاسیر بطور تمثیل کے ہیں نہ بطور حصر کے ۱۲

عہ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ جن لوگوں نے مآثر منہا کی تفسیر وجہ و کفین سے کی ہے انھوں نے وجہ و کفین کو اس کا مدلول التزائی قرار دیا ہے نہ کہ مدلول مطابق ۱۳

زنا سے حفاظت کے لئے بہت سخت ضرورت ہے یہ ہے کہ وہ اپنی آرائش کو (خواہ وہ لباس ہو یا زیور یا مٹی سرکہ وغیرہ) کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں، بجز اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادوں کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادوں کے یا اپنے پسری اولاد (بیٹوں، پوتوں، نواسوں) کے یا اپنے شوہروں کی پسری اولاد (بیٹوں، پوتوں، نواسوں) کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کی پسری اولاد کے یا اپنے بیٹوں کی پسری اولاد (بیٹوں، پوتوں، نواسوں) کے (یا ان کے مثل دوسرے محارم کے) یا اپنی (ہم مذہب مسلمان) عورتوں کے یا اپنے (مؤنث) ملوکوں کے یا ان متعلقین (نوکر و چاکروں) کے جو کہ مردوں میں سے (بوجہ کمال سادگی اور بھولے پن کے) عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں یا ان (نامحرم) لڑکوں کے جو کہ (بوجہ نابالغ اور غیر مہربان ہونے کے) عورتوں کے مخفیات پر مطلع نہ ہوئے ہوں (کیونکہ شوہروں سے اخفاء کی تو کوئی وجہ نہیں، رہے محارم سوان سے فتنہ کا اندیشہ قریب قریب نہ ہونے کے ہے، اور کثرت اختلاط اور ضرورت کی وجہ سے ان سے احتیاط دشوار ہے، لیکن اگر کسی جگہ اس کا خطرہ قریب ہو تو اس سے بھی پردہ کرایا جاوے گا، لعدم المنشأ الاستثنا، رہی مسلمان عورتیں سوان سے بھی خطرہ نہیں اور ضرورت ہے، اسی طرح کافر لونڈیوں میں ضرورت ہے اور خطرہ بعید ہے، رہی تابعین غیر اولی الاربہ اور نابالغ یا غیر مہربان لڑکے سوان میں ضرورت ہے اور خطرہ نہیں، اس وجہ سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا، یہ تو حکم تھا نفیس زینت کا، اب رہے مواقع زینت یعنی اعضاء سوان کی تفصیل یہ ہے کہ جو مواقع ایسے ہیں جن کی زینت کا اظہار مستلزم ہے خود ان کے اظہار کو جیسے وجہ کفین سوان کا حکم تو التزاماً معلوم ہو گیا کہ جہاں ابدار زینت جائز ہے وہاں کشف وجہ کفین بھی جائز ہے، اور جہاں نہیں وہاں یہ بھی نہیں، اب رہے وہ اعضاء جن کی زینت کا اظہار مستلزم ان کے اظہار کو نہیں جیسے اعضاء مستورہ تحت الثیاب، سوان میں یہ تفصیل ہے کہ اشخاص مستثنیٰ (یعنی محارم) سے جن اعضاء کے ستر میں حرج ہے، جیسے سرگردن، سینہ، بازو، پندلیاں، کلائیوں وہ بوجہ علت مشترکہ ملحق بالزینت ہیں، اور جو ایسے نہیں ہیں وہ اپنے حکم اصلی یعنی وجوب ستر

عن ابنی عن ابدار الزینت مع كونها غير عورة فغير عورة بل مبناه هو الفتنه وهو يدل على ان الوجه ليس مستثنى ۱۲ عن دل على التعميم اطلاق اللفظ لان لفظ الزينة يعنى كل ما يزين به واللباس ايضا منه كما قال تعالى فذوا زينةكم والبرقع ايضا من اللباس فلا يؤذن بالخروج في البرقع بلا ضرورة ۱۳ عن هذا بطريق عموم المجاز ۱۴ للوجه اعتبار الامر في الاستثنا عن التبعية وكونه من غير اولی الاربہ يدل على ان منی الاستثنا مجموع الامر في الضرورة التي تامل عليه التبعية وعدم الفتنه الذي يدل عليه كونه من غير اولی الاربہ وبما متحققان في جميع من استثناهم الله ۱۵ وورد في تفسير عن السلف الابله والاحمق والمغفل والمجنون المحواس ۱۲

پرباتی ہیں جیسے ران، پیٹ وغیرہ باستثناء شوہر کے کہ اس کے لئے کوئی چیز قابل تستر نہیں، اور (چوتھی بات جو زنا سے حفاظت میں معین ہوگی، یہ ہے کہ) وہ اپنے پاؤں کو زمین پر نہ مارے، تاکہ ان کی وہ آرائش معلوم ہو سکے جس کو وہ چھپائے ہوئے ہیں، (کیونکہ عورت کے زیور کی آواز سنکر مردوں کو فطری طور پر ان کی طرف میلان ہوتا ہے، جس سے اول ان کے خیال پر اثر پڑتا ہے اور خیال کے فعل پر اور جبکہ ان کو اپنے زیوروں کی آواز کے چھپانے کی ضرورت ہے تو انکو اسکی اجازت بالاولیٰ نہ ہوگی، کہ وہ خود بلا ضرورت غیر مردوں سے بات کریں، کیونکہ ان کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ فتنہ ہے اور ضرورت کے موقع پر بھی اس کی احتیاط کی جاوے گی کہ فتنہ نہ ہو، کما قال تعالیٰ فلا تخضعن بالقول، اور (اصل تدبیر جو مانع عن الزنا ہے وہ یہ ہے کہ) اے مومنو تم سب اللہ کی طرف رجوع ہو، کیونکہ ان تدابیر پر بھی اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب کہ رجوع الی اللہ ہو، ورنہ یہ سب باتیں ایک قصہ ہونگی جو صرف سننے کے درجہ میں رہیں گی، اور ان پر عمل نہ ہو سکے گا، امید ہے کہ ان تدابیر پر عمل کر کے تم کامیاب ہو گے اور ان کے ترک یا رد سے خائب و غاسر نہ رہو گے)

فوائد متعلقہ آیت مطلوبہ

(۱) اس آیت میں جس قدر احکام مذکور ہیں وہ سب زنا کی انسدادی تدابیر میں معین ہونے کی حیثیت سے مذکور ہیں۔

(۲) چونکہ وہ تمام باتیں جن سے اس جگہ روکا گیا ہے سب ایک ہی مرتبہ میں مفضی الی الزنا نہیں ہیں بلکہ اس کا احتمال بعض میں قریب ہے اور بعض میں بعید اور بعض میں البعد اس لئے نہیں کے مراتب میں بھی تفاوت لازم ہے۔ پس غیر محرم کی عدم موجودگی میں عورت کا ماسوائے زینت ظاہرہ کو کھولنا خلاف احتیاط ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہوگا۔ اور غیر محرم کی موجودگی میں زینت کا کھولنا بوجہ احتمال فتنہ کے قریب ہونے کے حرام ہوگا، اس لئے لایبیدین زینتہن الا ما ظہر منها میں نہی مطلق طلب کف کے لئے ہوگی، اور لایبیدین زینتہن الا بسوالتہن میں تحریم کے لئے۔

(۳) لایبیدین زینتہن الا ما ظہر منها میں ابدار سے کشف و ستر فی نفسہ مراد ہے، نہ کہ کشف للغير و ستر عن الغير، کیونکہ آیت میں غیر سے اصلاً تعرض نہیں، اور نہ تقدیر محذوف کی ضرورت ہے اور نہ نفس حذف بالتعین محذوف پر کوئی قرینہ ہے، اس کے ساتھ ہی اس میں مفاسد عدیدہ ہیں اور غیر مسوق لہ الکلام بقدر امکان تدبیر حفاظت از زنا ہے، لیکن تبعا اس سے عورت وغیر عورت کی تفصیل بھی

عہ تدبیر بعضا فیما سیاتی و ترکنا بعضا خوفا من الاطباء ۱۲

معلوم ہو جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا چہرہ اور پہنچوں تک ہاتھ ستر نہیں ہیں، کیونکہ ان سے بوجہ فحش کے ستر فی نفسہ ساقط ہے، اور باقی جسم ستر ہے، کیونکہ ان کا ستر فی نفسہ بحالہ باقی ہے، پس فقہاء کا استدلال اس سے تفصیل عورت وغیر عورت پر باشارة النص ہے نہ بجبارۃ النص،

لیکن دوسرے دلائل سے لوندیاں اس سے مستثنیٰ ہیں، اور ان میں ستر وغیر ستر کی تفصیل دوسری ہے (۴) الا ما ظہر منها سے جو لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو ان عورتوں کیلئے عام طور پر چہرہ کھولے پھرنا جائز ہے، یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ الا ما ظہر منها میں صرف عورتوں کو فی نفسہ چہرہ اور ہاتھ کھولے رہنے کی اجازت ہے، تاکہ دوسرے اعضاء کی طرح ان کے چھپانے کے اہتمام سے ان کو زحمت اور تکلیف نہ ہو، اور اس میں دوسروں کے سامنے ان کے کھولنے کے جواز و عدم جواز سے تعرض نہیں ہے۔ پھر نہی ابدان زینت و ضرب ارجل سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے جملہ اعضاء و متعلقات فی نفسہ قابل ستر ہیں، کیونکہ ان میں مرد کی توجہ کو اپنی طرف پھیر لینے کا قدرتی اثر ہے، اور وجہ و کفین سے استقاط ستر فی نفسہ بوجہ ضرورت کے ہے، اسی طرح بعض اعضاء مستورہ فی نفسہا کا لباس و الحضد وغیرہا، و اعضاء غیر مستورہ فی نفسہا کا لوبہ و الکفین کے محارم کے سامنے ابدان کی اجازت بھی منہی بہ ضرورت ہے، لہذا وجہ و کفین وغیرہ میں ستر اصلی ہے اور کشف للعارض، اور چونکہ جو ان عورتوں کے کشف وجہ للاجانب میں کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جس کو شریعت ضرورت تسلیم کرتی ہو کیونکہ آجکل کی تہذیب و ترقی و تمدن شرعی ضرورتیں نہیں، اور احتمال فتنہ بہت قریب ہے۔ اس لئے ان کو کشف وجہ للاجانب کی شرعاً اجازت نہیں ہو سکتی، بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ حق تعالیٰ فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو اپنے زیوروں کی آواز سنانے کی بھی ممانعت کرتے اور باوجود مردوں کے چہرہ وغیرہ کے عورت نہ ہونے کے عورتوں کو غرض بصر کا حکم دیتے ہوں۔ پس جب کہ وہ عورتوں کو مردوں کے دیکھنے سے منع کرتے ہیں جن کا اکثر حقہ جسم عورت نہیں اور جو عورت ہے وہ مستور ہے نیز وہ ان کو اپنے زیور کی آواز مردوں کو سنانے سے بھی روکتے ہیں، نیز وہ مردوں کو غصوا من البصار ہم کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ ان کی نظریں اپنے اعضاء پر پڑ سکتی ہیں جن کے کشف کے جواز پر زور دیا جاتا ہے، تو کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا، کہ وہ خاص اس اہتمام کی حالت میں عورتوں کو بذریعہ الا ما ظہر منها اس کی اجازت دیں، کہ وہ اپنے چہروں کو مردوں کے سامنے کھول کر زنا کا پھانک کھول دیں، پس اس سے بھی معلوم ہوا

مگر فقہاء نے انھیں مستثنیٰ نہیں کیا، بلکہ ان کے اعضاء کو بھی جو علاوہ وجہ و کفین کے ستر نہیں ہیں۔ ما ظہر عادیۃ میں داخل کیا ہے ۱۲ ع ۱ یعنی مثل سراور بازو کے ۱۲

کہ الا ما ظہر سے یہ سمجھنا کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے ہرگز قابل قبول نہیں، نیز حق تعالیٰ نے لایبدين زینتہن میں کشف زینت مستورہ کی ممانعت فرمائی ہے پس اگر اس سے کشف للغير کی ممانعت مقصود ہو تو پھر اس کی کوئی وجہ ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ نے سر اور بازو وغیرہ کو اجانب کے سامنے کھولنے کی کیوں ممانعت کی ہے، اس کا جواب اگر یوں دیا جائے کہ وہ عورت میں، تو اس پر سوال یہ ہے کہ آخر ان کو عورت قرار دینے کی کیا وجہ ہے، سو اس کا جواب ہر صاحب فہم یہی دے گا کہ اس کی وجہ وہی احتمالی فتنہ ہے، پس اب قابل غور بات یہ ہے کہ کیا بازو وغیرہ کھولنے میں چہرہ کھولنے سے زیادہ فتنہ تھا، سو اس کا جواب یہی ہے کہ نہیں۔ پس ایسی حالت میں کون عاقل تسلیم کرے گا کہ جس میں احتمال فتنہ کا کم تھا، حق تعالیٰ اس کو تو چھپانے کا حکم دیں اور جس میں احتمال فتنہ زیادہ تھا اس کو کھولنے کی اجازت دیں، جب کہ کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا تو ثابت ہوا کہ یہاں ابدار سے مراد کشف للغير نہیں ہے، بلکہ کشف فی نفسہ ہے اور چہرہ کھولنے کی اجازت دوسروں کے سامنے نہیں، بلکہ اس میں صرف کشف فی نفسہ کی اجازت ہے، پھر اگر جواز کشف کا منشاء صرف عورت نہ ہونا ہے تو خود اظہار زینت کی ممانعت کیوں ہے کیونکہ نفس زینت عورت اصطلاحیہ نہیں ہے، حالانکہ اس کے کشف کی ممانعت منصوص ہے، کیونکہ لفظ زینت اپنے حقیقی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور مواضع زینت مراد لینا بلا ضرورت اور بلا قرینہ ہے۔

(۵) لایبدين زینتہن الا ما ظہر منها میں اصالة منہی عنہ ابدار زینت ہے اور زینت مستورہ کے مواضع کا حکم بہ طریق (التزام) اولویت ثابت ہے۔ اور زینت ظاہرہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس زینت کا کشف مستلزم کشف محل ہو تو وہ محل التزاماً مستثنیٰ ہوگا، جیسا کہ وجہ و کفین اور جس کا ابدار مستلزم ابدار محل نہیں وہاں محل مستثنیٰ نہ ہوگا جیسے ثیاب وغیرہ۔

(۶) لایبدين زینتہن الا لبعولتہن میں بھی چونکہ زینت سے مراد معنی حقیقی میں اس لئے اصالة بھی زینت سے متعلق ہوگی، اور زینت چونکہ مطلق ہے اس لئے غیر مستثنیٰ اشخاص کے لئے ہر زینت کا ابدار ناجائز نہ ہوگا، خواہ وہ چہرہ اور کفین سے متعلق ہو یا جسم کے کسی اور حصہ سے اور مستثنیٰ اشخاص کے لئے ہر زینت کا ابدار جائز ہوگا۔ اب رہا مواضع زینت سو اس میں یہ تفصیل ہے کہ چونکہ غیر مستثنیٰ اشخاص کے لئے ہر زینت کا کشف ناجائز ہے اس لئے ان کے مواضع کا کشف بالادلی ناجائز ہوگا۔ اور چونکہ مستثنیٰ اشخاص کے لئے ہر زینت کا ابدار جائز ہے اس لئے اس کا جواز بدلات مطلب بقی منطوق کلام سے ثابت ہوگا۔ اب رہے مواضع سو اس میں یہ تفصیل ہے کہ جو مواضع ابدار میں زینت سے

منفک نہیں ہو سکتے اُن کا ابدار تو نص سے بد لالت التزامی ثابت ہوگا، اور جو مواضع ایسے نہیں ہیں اُن سے نص ساکت ہوگی اور اس لئے ان کا حکم دوسرے دلائل سے معلوم کیا جاوے گا، سو چونکہ وہ دو قسم کے ہیں، بعض تو ایسے ہیں جن کے اخفار میں مستثنیٰ اشخاص سے تعذر ہے، اور بعض ایسے نہیں ہیں، سو جن کے اخفار میں تعذر ہے اُن کو فقہاء نے بعالت مشترکہ بحق بالترتیب قرار دیا ہے، اور جو ایسے نہیں ہیں وہ اپنی حالت پر مستور ہیں، باستثناء شوہر کے کہ اس سے کوئی چیز مستور نہیں ہے، پس اس سے ثابت ہوا کہ حکم لایبیدن زینتہن غیر مستثنیٰ اشخاص سے چہرہ اور کفین کا چھپانا ضروری ہے، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ الا ما ظہر منہا میں عورتوں کو کشف وجہ للغير کی اجازت نہیں ہے ورنہ دونوں حکموں میں تعارض ہو جاوے گا اور اس تعارض کے دفع کے لئے الا ما ظہر کو حکم لایبیدن زینتہن الا لیسوا لہن میں مقدم ماننا بلا ضرورت اور بلا قرینہ ہے۔

(۷) فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ بہت بوڑھی عورتوں کے لئے نا محرموں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ان کو لایبیدن زینتہن سے اس بنا پر خارج سمجھا ہے کہ یہاں مقصود بالخطاب وہ عورتیں ہیں جو اہل شہوت و محلی شہوت ہیں، کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اِلٰی اَنْفُسِهِنَّ نے ان کو لونڈیوں کی طرح دوسرے دلائل سے خارج کر دیا ہے، چنانچہ ایک دلیل یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن فی نفسہ بوجہ احتمال فتنہ کے ولو کان بعیداً قابل ستر فی نفسہ عن الغیر تھا، مگر شریعت نے بوجہ حرج کے چہرہ اور ہاتھوں سے ستر فی نفسہ کو تمام عورتوں کے حق میں ساقط کر دیا، لیکن عورتوں کے حق میں ستر عن الغیر بوجہ فتنہ کے بحالہ باقی رہا، اور بوڑھیوں سے بوجہ احتمال فتنہ کے نہایت کمزور ہونے اور فی الجملہ ضرورت کے کشف عن الغیر بھی ساقط ہو گیا اور باقی جسم بوجہ غیر ساقط الستر ہونے کے بحالہ واجب الستر رہا، اور دوسری دلیل القواعد من النساء التي لا یرجون نکاحاً ہو سکتی ہے۔

اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جواز کشف وجہ للجانس میں چہرے کے عورت نہ ہونے کو دخل ضرور ہے، مگر وہ مستقل علت نہیں تاکہ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو کہ جو ان عورت کا چہرہ بھی ستر نہیں لہذا اس کا کشف للغير فی نفسہ جائز ہے مگر بعارض فتنہ ممنوع ہے، کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ چہرہ اور کفین کا عورت نہ ہونا بایں معنی ہے کہ ان سے بوجہ تعذر کے کشف فی نفسہ ساقط ہے، نہ بایں معنی کہ ان کا غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے، کیونکہ ستر عن الغیر ان میں بحالہ باقی ہے، اور بوڑھیوں میں اس کا جواز کشف للعارض ہے، لکن الستراصلًا فی النساء۔

(۸) فقہار کہتے ہیں کہ مرد کو غیر محرم عورتوں کے چہرہ اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عورتوں کو غیر مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے، مگر یہ نہایت سخت غلطی ہے، کیونکہ اول تو اس زمانہ میں شرط جواز کا تحقق ہی نادر ہے، پھر کشف وجہ للغير اور رویت الی وجہ المرأة، یہ دو جداگانہ فعل ہیں، اول فعل عورت کا ہے اور دوسرا مرد کا، اب اگر فرض کیا جاوے کہ مرد کو اپنے نفس پر اطمینان ہے اور اس وجہ سے اُسے گنجائش ہے کہ وہ عورت کے چہرہ کو دیکھے، تو عورت کو اس کے سامنے چہرہ کھولنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے، کیونکہ اسے کیا علم ہے کہ میرے چہرہ کھولنے پر مرد کے دل و دماغ پر کیا اثر ہوگا۔ اور جب کہ اُسے اجازت نہیں ہو سکتی تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلط ہے

(۹) قال ابن جریر حدثنی علی قال ثنا عبد اللہ قال ثنی معاویۃ عن علی بن عباس قولہ وَلَا یُبْدِیَنَّ زَیْنَتَہَا إِلَّا مَا ظَہَرَ مِنْہَا قَالَ وَالزَّیْنَةُ الظَّاهِرَةُ الْوَجْہُ کُلُّ الْعَیْنِ وَخَضَابِ الْکَفِّ وَالتَّخَاتُمِ فَہَذَا تَظْہَرُ فِی بَیْتِہَا لِمَنْ دَخَلَ مِنَ النَّاسِ عَلَیْہَا۔

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک یہ کہ زینت سے مراد موضع زینت نہیں ہے بلکہ ماترین بہ النساء ہے، اور دخول وجہ ما ظہر میں لزوم ہے، دوسرے یہ کہ فی بیتہا کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ ابدار سے مراد ابدار فی نفسہ ہے، نہ کہ کشف للغير ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ گھروں میں لباس اس طرح پہنیں کہ منہ و کف اور ان کے متعلق زینت کھلی رہے، اور جب یہ صورت ہے تو جن لوگوں کے لئے گھر میں آنے جانے کی اجازت ہے، ان کے لئے ان کے ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۱۰) ابن جریر نے ما ظہر منہا کی تفسیر میں اقوال مختلفہ بیان کر کے کہا، کہ اولی الاقوال

اولی الاقوال فی ذلک بالصواب قول من قال عنی بذلک الوجه و الکفین یدخل فی ذلک الکحل و التخاتم و السواد و الخضاب، و انما قلنا ذلک اولی الاقوال فی ذلک بالتاویل اجماع الجمیع علی ان علی کل مصل ان یستر عورتہ فی صلوتہ وان للمرأة ان تکتشف وجهہا و کفہا فی صلوتہا وان علیہا ان تستر ما عدا ذلک من بدنہا، الا ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه اباح لہا ان تبدیہ من ذراعہا الی قدر النصف فاذا کان ذلک من جمیع اجزاء کان معلوما بذلک ان لہا ان تبدی من بدنہا ما لم یکن خورۃ کما ذلک للرجال لان ما لم یکن عورتہ معیر حرام اظہارہا و اذا کان لہا اظہار ذلک کان

عن اندفع بہذا ما یتوہم من قولہ فہذا تظہر فی بیتہا لمن دخل من الناس علیہا ان المراد من الابدار منہا الکشف للغير ۱۱

معلوم انہ مما استثناه الله تعالى لقوله الا ما ظهر منها لان كل ذلك ظاهر منها، لیکن اس میں کلام ہے کہ یہ مسلم ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عورت اپنا چہرہ اور کف نماز میں کھول سکتی ہے، مگر اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کف کافی نفسہ ستر ضروری نہیں ہے، اور وہ بایں معنی غیر عورۃ ہیں، اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کا اجانب کے سامنے اظہار بھی جائز ہے، اور مردوں پر اُن کا قیاس، قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ مردوں کے جن اعضاء سے ستر فی نفسہ ساقط ہے اُن سے ستر عن الغیر بھی ساقط ہے، بوجہ ضرورت کے، کیونکہ اُن کے لئے اُن اعضاء کے ستر عن الغیر میں وہی حرج اور تنگی ہے، جو عورتوں کے لئے ستر وجہ کفین فی نفسہ میں برنلاف عورتوں کے کہ وہ گھروں کی بیٹھنے والیاں اور پردہ نشین ہیں، اُن کے لئے ستر عن الغیر میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے اُن کے حق میں ستر عن الغیر بحالہ باقی ہوگا، علاوہ ازیں عورتوں میں ستر اصل ہے اور تکشف للعارض اور مردوں میں بالعکس،

قال النیسایوری فی اثناء کلامہ بدن المرأة عورة بدلیل انہ لا یصح صلوتہا مکشوفة البدن بدن الرجل بخلافہ ص، ج، ۱، ہامش بن جریر وفی الکشاف ایضاً ما یدل علیہ حیث قال فان قلت لم سو مح مطلقاً فی الزینۃ الظاہرة قلت لان سترها فیہ حرج الخ وھذا یرشدک الی ان الستر فی المرأة هو کامل والکشف للعارض فقیاس احدہما علی الآخر قیاس مع الفارق،

اور اس بنا پر یہ ممکن عورة فغیر حرام اظہار بایں معنی مسلم ہے کہ اس کا اظہار فی نفسہ حرام نہیں ہے، اور بایں معنی مسلم نہیں کہ اس کا اظہار غیر محرم کے لئے جائز ہے، پس اس استدلال سے یہ تو ثابت ہو سکتا ہے کہ چہرہ اور کف عورت نہیں، بایں معنی کہ وہ اعضاء مکشوفہ فی نفسہ اور ساقط الستر ہیں، لیکن نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مظهر منہا سے مراد ہیں اور نہ یہ کہ اُن کا کشف للغیر جائز ہے، پھر ترجیح کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کہ تعارض ہو اور ہم بتلاچکے ہیں کہ اقوال مختلفہ اس کی تفسیر میں بطور تمثیل کے واقع ہیں نہ کہ بطور حصر کے، اور نہ حول وجہ کفین مآظہر میں بدلات التزامی ہے نہ کہ بدلات مطابقی، پس نہ ان میں تعارض ہے اور نہ ترجیح کی ضرورت، گویہ بات بہت ظاہر ہے، مگر ہم مزید قطع حجت کینے کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود کبھی زینت ظاہرہ کی تفسیر مطلق ثیاب سے کرتے ہیں اور کبھی اس کی تفسیر میں صرف رذاز بیان کرتے ہیں اور ثیاب کے زینت میں داخل ہونے پر حد را زینت عند کل مسجد سے استدلال

استدلال کرتے ہیں، اور عبداللہ بن عباسؓ بھی اس کی تفسیر میں صرف الکحل والحقام کہتے ہیں اور کبھی الکحل والحقان اور کبھی الحقام والمسکۃ اور کبھی الوجہ وکحل العین وخصاب الکف والحقام، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفاسیر بطور تخیل کے ہیں نہ کہ بطور حصر کے، میں نے ابن جریر کے کلام کو نقل کر کے اس پر اس لئے کلام کیا ہے کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ مشہور تفاسیر کا منی کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے۔

(۱۱) وقال ابن النیر فی حاشیۃ الکشاف قولہ تعالیٰ ولا یضربن بارجلہن لیعلم ما یخفین من زینتہن محقق ان ابداء الزینۃ بعینہ مقصود بالنیہ لانہ قد نہی عما ہو ذریعۃ الیہ خاصۃ اذا ضرب بالارجل لم یعلل النہی عنہ احد لعلم ان المرأة ذات زینۃ وان لم تظهر (ای الزینۃ) فضلاً عن مواضعہا اھ

اور یہ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ لایبدین زینتہن میں تفصیل عورة وغیر عورة مقصود نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود سد ذرائع زنا ہے، اور زینت سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں نہ کہ اس کے مواضع، (۱۲) وقال فی الکشاف فان قلت لم یذکر الیہ الاعمام والاخوال قلت سئل الشعبي

عن ذلک فقال لئلا یصفھا العم عند ابنہ والخال کذلک ومضاه ان سائر القربات یشترک الاب والابن فی المحرمیۃ الا العم الخال وابناءھما فاذا راھا الاب فربما وضعھا لابنہ ولیس بمحرم فیدانی تصویر لہا بالوصف نظیرۃ الیہا وهذا ایضاً من الدلالات البلیغۃ علی وجوب الاحتیاط علیہن فی التستر

اب مقام غور ہے کہ جو خدا پر وہ کے باب میں اس قدر رو کر کی احتیاط سے کام لے وہ عین احتیاط کے موقع پر عورتوں کو کیسے اجازت دے گا کہ وہ عام طور پر نا محرموں کے سامنے چہرہ کھولیں، یہ بھی دلیل ہے اس بات کی کہ لایبدین زینتہن الا ما ظہر منہا میں ابداء سے کشف للغير مراد نہیں بلکہ کشف فی نفسہ مراد ہے، اس تفصیل کے پڑھنے کے بعد ہر ذی فہم اور منصف مزاج شخص کو اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ قرآن صرف اسی ایک آیت میں عورتوں کیلئے جس قدر شدید پردہ کا اہتمام کرتا ہے پردہ مروجہ میں اس درجہ کا اہتمام نہیں ہے، کیونکہ اول وہ عورتوں اور مردوں کو بغض بسر کا حکم دیتا ہے، پھر عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بطور خفیہ بھی اخفاء زینتہن و اعشار کا اہتمام رکھیں، اور اسی زینت اور غرض کو کھولے رہیں جس کی شدید ضرورت ہے، پھر لایبدین زینتہن الا ما ظہر منہا میں حکم دیتا ہے کہ وہ نا محرموں کو اپنا چہرہ وغیرہ تو دور کنار اپنا پلہ تک نہ دکھائیں، کیونکہ لباس بھی زینت میں داخل ہے

پھر اس پر بھی لبس نہیں کرتا اور لایضربین بارجلہن میں حکم دیتا ہے کہ پتہ تو درکنار وہ نامحرموں کو اپنے زیوروں کی جھنکار بھی نہ سنائیں، پس اگر مسلمان اس قدر اہتمام پر بھی پردہ کی مخالفت پر اڑے رہیں اور مسلمانوں کو اپنے غلط اجتہادوں سے گمراہ کرتے رہیں تو انہیں اختیار ہے۔ وسیع علم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

اند کے از غم دل گفتم و لبس تر سیدم کہ تو آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

والسلام (تمتہ خامسہ ص ۱۳۸)

ایضاً | السؤال (۲۳۱) جناب والا سے یہ دریافت کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں کہ اسلام میں پردہ کس حد تک جائز ہے، اور کس حد تک اسلام اثاث کو آزادی کی اجازت دیتا ہے، پردہ کے حدود شرعی کیا ہیں، سورۃ النور میں جو اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہ عورتیں اپنی زینت کے مقامات ظاہر نہ ہونے دیں، مگر جو اس میں سے چاروں چار کھلا رہتا ہے، واریبیدین زینتھن الا ما ظہر منها زینت کے مقامات سے کیا مراد ہے، آیا چہرہ بھی مقام زینت میں شامل ہے یا اس سے علاوہ ہے، آیا عورت کیلئے جائز ہے کہ وہ کسی جلسہ میں ملبوس ہو کر اور چہرہ بے نقاب کر کے وعظ کر سکے یا مجلس میں بیٹھ کر سن سکے، اور دینی موضوع پر تقریر کر سکے، یا جہاد میں شمشیر ہاتھ میں لے کر دشمن دین الہی سے اللہ کے نام پر لڑ سکے، یا کسی سوشل جلسے میں یا پارٹی میں شرکت کر سکے، اگر یہ جائز ہے تو پردہ کن کن قیود کے ساتھ جائز ہے، اگر ناجائز ہے تو قرآن میں اس کی کیا سند ہے؟

الجواب نقل و عقلی مسئلہ مسئلہ ہے کہ احکام بعضے اصلی ہوتے ہیں بعضے عارضی، مثلاً اسلحہ و گولی و بارود کی تجارت اصل وضع کے اعتبار سے مثل دیگر تجارت کے بلا کسی قید کے جائز ہونا چاہئے اور یہ حکم اصلی ہے لیکن اس کے نتائج مضرہ پر نظر کر کے اس میں لائسنس کی قید قانوناً لگا دی گئی، یا فو اکہ کی تجارت، اس کی اصل کا مقصد یہ ہے کہ ہر حال میں اور ہر وقت میں جائز ہو، مگر ذبا کے زمانہ میں طبی اصول پر اس تجارت کو ممنوع کر دیا جاتا ہے، اور ایسے عوارض اگر متدہوں تو حکم بھی تمتد ہوتا ہے، اگر محدود ہوں تو حکم بھی محدود ہوتا ہے، مثلاً اسلحہ کی آزاد تجارت میں ہمیشہ مضرت کا اندیشہ تھا، وہاں ممانعت دوامی ہو گئی، فو اکہ کی مضرت موسم کے ختم سے ختم ہو جاتی ہے وہاں ممانعت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پردہ کے دو درجے ہیں، ایک اصلی جو ان آیات میں مذکور ہے... وقرن فی بیوتکن اور واذاسألتموھن متاعا فاسألوھن من وسرائحجاب، جس کی حکمت بھی ساتھ ساتھ مذکور ہے، اول آیت کے سابق (بالمودہ) میں فلا تخضعن بالقول فیطعن

الذی فی قلبہ مرض اور دوسری آیت کے سیاق (بالتحتانیہ) میں ذلکم اطہر لقلہ بکم و قلوبہن اور جب حضرات ازواج مطہرات میں باوجود بُعد مفاسد کے ان حکمتوں کا اعتبار کیا گیا، تو دوسری بیبیوں میں تو بوجہ قرب مفاسد یہ حکمتیں زیادہ مؤثر ہوں گی۔

اور دوسرا درجہ عارضی کہ ضرورت کے موقع پر اس میں تخفیف فرمادی گئی، اور یہ درجہ ان آیات میں مذکور ہے۔ یدنین علیہن من جلا بیہن یعنی وقت الخروج، اور الا ما ظہر منها، اور گو اس کی تفسیر میں اقوال متعدد ہیں، لیکن ان کا احکام پر کوئی اثر نہیں، لہذا ایسا اختلاف مضر نہیں، اب آگے مسئلہ تحقق ضرورت کا باقی رہ گیا، سو وہ امر اجتہادی ہے، اور جس طرح قانون کے اجتہادی اجتناب میں ہر شخص کا اجتہاد معتبر نہیں، اسی طرح یہاں بھی صرف ماہرین شریعت کا اجتہاد معتبر ہوگا، کیونکہ ان کا اجتہاد مستند الی النصوص ہوگا، اور نصوص پر نظر میں ان کا کوئی مشارک نہیں، رائے محض نہ ہوگی کہ اس کا حاصل ہوائے محض ہوگا، اور اسی کلیہ سے جزئیات مذکورہ فی السؤال کا فیصلہ ہو جاویگا، اور اس فیصلہ کے وقت اس پر بھی نظر واجب ہوگی، جو میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ جب حضرات ازواج مطہرات میں الے قولہ زیادہ مؤثر ہوں گی، اور اگر کوئی شخص باوجود ادھر صحیحہ کے ثبوت قطعی ودالات واضحہ کے حکم عارضی مذکور کو اصلی قرار دے تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہو، اس طرح سے کہ اس صورت میں بھی یہ مدعی حکم اصلی سے انکار تو نہیں کر سکتا، لکن نہ منصوبہ غایت مافی الباب اس کو عارضی مانے گا، اور عارضی کا حکم اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ ایسے عوارض اگر متدہ ہوں تو حکم بھی متدہ ہوگا، اور یہاں ان عوارض و مفاسد کا امتداد و امتداد بلا کسی کلام کے ظاہر و مشاہدہ ہے، پس حکم بھی متدہ ہوگا، پس مدعا ہر حال میں محفوظ ہے، خواہ اس کو اصلی کہئے یا عارضی، اور یہی محل ہے اس قاعدہ شرعیہ کا کہ زمانہ کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں، سو یہ ہر جگہ نہیں، بلکہ جس محل میں خود شریعت نے اس کا اعتبار کیا ہے، اور اسی بنا پر فقہاء نے اخت رضاعیہ (صہریہ) مشابہہ کو فساد زمانہ کی وجہ سے مثل غیر محارم کے قرار دیا ہے، اور اسی بنا پر حضرات صحابہؓ نے عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونے سے منع فرمادیا، جس کی حکمت حضرت عائشہؓ نے اس طرح ارشاد فرمائی،

لورای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمتعن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل رواہ الشیخان وغیرہما،

خصوص جب تغیر طبائع کے ساتھ اس زمانہ میں حدود و تحریرات کی اقامت اور اس زمانہ میں انکی اقامت کے تفاوت پر بھی نظر کیجاوئے اور اس زمانہ کے مدعیان اجتہاد تو بلا کسی تئید کے اس کلیہ سے جا بیجا کا لیتے

ہیں حتیٰ کہ سو دیکھ زمانہ کی ضرورت سے حلال کہتے ہیں، سو اُن پر تو یہ قاعدہ علی الاطلاق حجت ہوگا، اور اُن پر لازم ہوگا کہ ہم سے زیادہ حجاب متعارف کے قائل ہوں، اب آخر میں ایک خیر خواہانہ عرض ہے کہ اس زمانہ میں عام عادت ہو گئی ہے کہ ہر حکم کی دلیل قرآن مجید سے مانگی جاتی ہے، اور حدیث کا قریب قریب انکار ہی ہے، چنانچہ سوالِ ہذا میں بھی قرآن سے سند مانگی گئی ہے، سو اس عادت اور خیال کی کوئی صحیح بنا نہیں، اور بھرت ہے کہ یہ حضرات تاریخ کو حجت مانتے ہیں، حالانکہ اتصالِ سند و صحت سند و توثیق رجال میں تاریخ کو حدیث سے کوئی نسبت ہی نہیں، پس اس مادہ میں بھی اگر احادیث کو دیکھا جائے تو کسی قسم کا شبہ ہی باقی نہیں رہ سکتا۔

ارجح الشہد (النور جہادی الثانی ص ۱۱)

فاسق عورتوں کو گھروں | سوال (۲۳۲) میں نے جب سے یہ حدیث مشکوٰۃ کی سنی ہے تب سے بدکار
میں آنے سے روکنا | عورتوں کا گھر میں آنا ناجائز نہ کر دیا ہے،

عن ام سلمة رضي الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم كان عندها وفي البيت فحنت فقال لعبد الله بن ابي امية اخي ام سلمة يا عبد الله ان فتح الله لكم عند الطائف فاني ادلك على ابنة غيلان فانها تقبل باربع وتدبر ثمان فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا تخلصن هولااء عليكم متفق عليه

اب غرض یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ مطلب نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، ممانعت اس قسم کی عورتوں کے آنے کی اس آیت سے نکلتی ہے، لایب بدین زینتہن الا لبعولتھن لقولہ تعالیٰ اونسائھن الا یہ شاہ ولی اللہ صاحب تفسیر کرتے ہیں "بازنان خویش یعنی غیر اہل قیادہ اور دوسری جگہ لکھا ہے غیر توادرہ، وقواد بالفتح وتشدید واو و وال ہلم دلال و بمعنی مرد بے غیرت و قلتبان از لطائف وغیرہ ۱۲ اور شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا اور اپنی عورتیں جو نیک چال کی ہوں اُن سے بھی متناظر رہے اور بدراہ عورتوں سے کنارہ پکڑنا، واللہ اعلم (امداد ج ۲ ص ۱۲۲)

عورتوں کو بازار میں جانا | سوال (۲۳۳) مسلمان عورتوں کو بازار میں جانا شرع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ، مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے، مینواتوجبروا فقط؟

الجواب، فلقولہ تعالیٰ ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الا و فی الا یہ ولقولہ تعالیٰ غیر متبرجات بزینۃ الا یہ ولقولہ تعالیٰ ولا یبدین زینتھن الا یہ

اس سے معلوم ہوا کہ زینت کے ساتھ عورت کو بازار میں یا مجمع میں نکلنا یا کسی محرم کے سامنے آنا قطعاً حرام ہے

البتہ اگر کوئی ضروری حاجت ہو اور ہیئت رثہ اور ثیاب بذلہ یعنی میلے کچیلے کپڑوں میں پردہ کسر کے نکلے تو جائز ہے، لقولہ تعالیٰ یدنین علیہن من جلابیہن ولقولہ تعالیٰ الا ما ظہر منها، و فی الدار المختار وتمنع المرأة الشابۃ من کشف الوجه بین الرجال لانه عورة بل تخوف الفتنة، واللہ اعلم،

۲۱ شعبان روز چہار شنبہ ۱۳۳۲ھ (۱۱ یولج ۲ ص ۱۲۶)

سوال (۲۳۴) عورتوں کو دین میں ہرقعہ سے دور راہ لے جانا، اور ڈولی پالکی میں کھڑکوں سے لے جانا، از روئے پردہ وحیا کو نسا اچھا ہے؟

الجواب، ظاہر ہے کہ بلا ضرورت امراؤں کا انجام مفسد کا ترتیب ہے، اور امر ثانی ہر حال میں رائج ہے، حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا سفر ہودج میں ہوتا تھا، کپڑا پیٹ کر اونٹ پر سوار نہ ہوتی تھیں، (النور شعبان ۱۳۵۲ ص ۸)

سوال (۲۳۵) پردہ عورت کا کس کس شے سے، یعنی آواز سنانا، چہرہ کھولنا یا آواز سنانا وغیرہ اور آواز دار زیور پہننا کیسا ہے، اور باہر مکان سے عورت کو کس طور سے کسی کے ملنے کو کس کس کے ساتھ جانا چاہئے، اور نابالغ لڑکوں وغیرہ سے پردہ کس عمر کے لڑکے سے چاہئے؟

الجواب، عورت حترہ کو تمام اعضاء کا پردہ فرض ہے بجز چہرہ اور کفین اور قد میں کے اور آواز میں اختلاف ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ وہ عورت نہیں ہے، مگر جوان عورت کو بے ضرورت اعضاء غیر مستورہ کا اجنبی کو دکھانا اور بدون حاجت اُس سے کلام کرنا منع ہے، نہ اس وجہ سے کہ ستر ہے بلکہ بخوف فتنہ وللحیوة جمیع بدنہا خلا الوجه الکفین والقدمین علی المعتمد وصوتہا علی الرایح تسمنع المرأة الشابۃ من کشف الوجه بین رجال لانه عورة بل تخوف الفتنة در مختار، و فی رد المختار فانما نجیز الكلام مع النساء للاجانب ومحاورتهن عند الحاجة الى ذلك ولا نجیز لهن دفع اصواتهن ولا تطبیطها ولا تلینها وتقطیعها لما فی ذلك من استمالة الرجال الیہن و تحریک الشهوات منہم اھ

اور باہر دار زیور پہننا منع ہے،

عن ابن الزبیر ان مولاة لهم ذهبت بابنة الزبیر الى عمر بن الخطاب و فرجلها اجراس فقطعهم عمرو قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مع کل جرس شیطان رواہ ابو داؤد وعن بنانة مولاة عبد الرحمن بن حبان الانصاری

كانت عند عائشة اذ دخلت بجارية وعليها جلابجل فقالت لا تدخلنها على ان تقطعن جلابجلها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تدخل الملائكة بيتا فيه جرس رواه ابو داود،

البتہ جس میں خود باجہ نہ ہو، اگرچہ لگ کر بچتا ہو، اس کا پہننا جائز ہے۔ مگر اس طرح چلنا کہ اجنبی اس کی آواز سنے، ممنوع ہے۔

قال الله تعالى ولا يضربن بارجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن والله اعلم، عورت کو وقت ضرورت کے منہ ڈھانک کر خواہ تنہا یا کسی محرم یا ثقہ عورت کے ساتھ واسطے ملنے مجازم اور دیگر حوائج ضروریہ کے گھر سے نکلنا جائز ہے، مگر سفر کرنا بدوہن محرم کے جائز نہیں،

اما تغطية الوجه فلقوله تعالى يدنين عليهن من جلابيهن قال ابن عباس رضى و ابو عبدة اموت نساء المومنین از يغطين رؤسهن وجوههن بالجلابيب الا عيننا واحدا ليعلم انهما حرائر، تفسير مظہری والتقييد بالضرورة فلقوله عليه السلام المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان رواه الترمذی اما التقييد بالاحرام او المرأة فلقوله عليه السلام لا يخلون رجل بامرأة الا كان ثالثهما الشيطان رواه الترمذی اما منع السفر بلا محرم فلقوله عليه السلام لا تنسافر المرأة الا ومعها محرم او كما قال والله اعلم، تا بان لا يبلغ حد الشهوة جاز للنساء الا نكشاف عندهن الا من السرة الى الركبة ولا يجوز لها بحضرة كشف ما تحت السرة وان كان طفلا غير ممیز بالكلية فهو كالجماوات والبهائم لا باس لو كشف عندها ما تحت الازار ايضا وان كان مراها قايشتها فحكمه حكم الرجال لانه استعد للظهور على عوراتهن، تفسير مظہری، والله اعلم (امداد، ج ۲ ص ۱۳۲)

قال الله تعالى او الطفل الذين لم يظهروا على عورات النساء الآية فان الطفل ان كان ممیزا لکنه لم يبلغ حد الشهوة جاز للنساء الا نكشاف عندهن الا من السرة الى الركبة ولا يجوز لها بحضرة كشف ما تحت السرة وان كان طفلا غير ممیز بالكلية فهو كالجماوات والبهائم لا باس لو كشف عندها ما تحت الازار ايضا وان كان مراها قايشتها فحكمه حكم الرجال لانه استعد للظهور على عوراتهن، تفسير مظہری، والله اعلم (امداد، ج ۲ ص ۱۳۲)

جوسات مقام پر عورت کو زیور پہننا مشہور ہے تو وہ مقام کون کون ہیں؟

الجواب : یہ وہ مواضع ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آیت ولایبدین ذینتھن میں مواضع زینت فرمایا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس آیت کی تفسیر ان مواضع کے ساتھ کی ہے، تہرہ، گردن، عقد، ذراع، ساق کہ مواضع تاج و گردن بند و بازو بند و استوانہ و قطنال کے ہیں، پس ان میں سے اگر اعضائے ضروریہ کو ایک ایک شمار کیا جائے تو پانچ جگہ، اور اگر دو دو گنے جائیں تو آٹھ جگہ ہوتی ہیں، البتہ اگر تقدیر اول پر سینہ اور ہر دو گوش کہ موضع قلادہ اور قمرطے لیا جائے تو سات پورے ہوتے ہیں، واللہ اعلم،

سوال (۲۳۷) آج کل روشن خیال اور آزاد لوگوں میں یہ امر طے شدہ مان لیا گیا ہے کہ پردہ نشین مستورات کا نام مردوں کی طرح خطیر یا اخبارات وغیرہ میں ظاہر ضرور کر دینا چاہئے، چنانچہ ہندوستان سے بہت سے زنانہ اخبارات بھی شائع ہوتے ہیں، اور یہ اخبارات ہمارے گھروں میں بھی مستورات کے واسطے آتے ہیں، ان کے پتے وغیرہ پر عورتوں کے نام لکھے جاتے ہیں، غرض جس طرح عام مرد اپنا نام اخبارات وغیرہ میں ظاہر کرتے ہیں، عورتیں بھی ظاہر کرتی ہیں، تو غرض ہے کہ اس میں شرعی تباہت تو کوئی نہیں ہے، پہلے اکثر لوگ اس کو ذرا ناپسند کرتے تھے، مگر عرصہ ہوا کہ مولوی ابوالکلام آزاد اڈیسراہلال کلکتہ نے اس مضمون پر ایک پرزور بحث لکھی تھی اور شرعی طور پر بتلایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ایسا ہونا ضرور چاہئے، مسلمات کو اپنا نام ظاہر کرنے سے شائع نے کہیں نہیں روکا ہے، اس مضمون کے بعد بہت سے لوگ اس کو پسند کرنے لگے، حضور تحریر فرمادیں کہ یہ طریقہ کیسا ہے، نیز زنانہ اخبارات میں عورتوں کا اپنا مضمون اپنے نام سے شائع کرنا کیسا ہے؟

الجواب : قطع نظر عوارض سے تو یہی حکم جواز کا صحیح ہے، لیکن عوارض سے بعض امور جائزہ کا ناجائز ہو جانا فقہ میں مشہور و معروف ہے، اور یہاں ایسے عوارض کا وجود یقینی ہے، اس لئے ضرور اس کو ناجائز کہا جاوے گا۔ ۵۱ محرم ۱۳۳۸ھ (تمتہ رابعہ ص ۶۱)

سوال (۲۳۸) جو عورتیں کھانا پکاتی ہیں وہ اکثر گھر میں بے احتیاطی سے رہتی ہیں، سر کھلا رہتی ہیں اور بعض اوقات آٹا گوندھنے میں کہنیاں کھلی رہتی ہیں، تو ان کے بارے میں ستر کا کیا حکم ہے، آیا بوجہ ضرورت کے یہ امور ان کیلئے درست ہو سکتے ہیں یا نہیں، اور مالک مکان کیس طور سے احتیاط کرنی چاہئے،

الجواب : سر کھولنے کی تو کوئی ضرورت نہیں، البتہ ذرا عین میں امام ابو یوسفؒ اجازت دیتے ہیں

کما فی کتاب الکراہیۃ من الہدایۃ اور مواضع غیر مباحہ کو اگر عورت نہ ڈھانکے تو مرد کو غرض بصر واجب ہے اور نظر نجارۃ معصیت نہیں۔ یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۳۱ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۵۳)

دندان ساز کا عورت کو مس کرنا | نوٹ:- یہ مسئلہ جلد سوم کتاب الابارہ میں صفحہ ۳۳۹ پر گزر چکا ہے۔

خوشد امن کا اپنے داماد سے پردہ | سوال (۲۳۹) خوشد امن سے پردہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب | فی نفسہ نہیں لیکن للعارض شائبہ سے لکھا ہے، ۱۲ رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۹۹)

عورت کی قرأت اجنبی مردوں کو | سوال (۲۴۰) میں نے اپنے گھر میں عرصہ سے تجوید بقدر احتیاج سکھائی ہو سنا بلا ضرورت | اللہ کا شکر ہے کہ باقاعدہ پڑھنے لگی ہیں، جن لوگوں کو اس امر کی اطلاع ہے

وہ کبھی ان کسریوں کہتے ہیں کہ ہم سنتا چاہتے ہیں، اور میں محتمل لوگ، تو پردہ میں سے سنوا دینا جائز ہے یا نہیں، اگرچہ ایسا کبھی کیا نہیں، بعد علم جیسا ہوگا ویسا کروں گا۔؟

الجواب | ہرگز نہیں، لانہ اسماع صوت المرأة بلا ضرورۃ شرعیۃ

۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۶۴)

کنواری لڑکیوں کو عورتوں سے | سوال (۲۴۱) میں نے لڑکی کو لڑکے کی والدہ اور بھوپھی اور بہن کو پردہ کرنا خلاف حدیث نہیں | اس لئے دکھایا کہ احادیث شریفہ کی رو سے خود لڑکے کو دیکھنا درست ہے

تو اس کے اقربائے نسوان کو دیکھنا بھی حسب حدیث عمل ہوگا، اگرچہ بعض جگہ لڑکی کو دکھانے کی رسم عرفا کو محبوب سمجھی جاتی ہے، مگر جو عرف کہ خلاف حدیث ہو وہ قابل عمل نہیں، پس میرا یہ عمل و خیال توجیہ درست ہے کہ نہیں، اور اگر درست نہ ہو تو بصراحت آگاہ فرمایا جاوے تاکہ عرف خلاف حدیث قابل عمل ہونے کی حقیقت از طفیل رہنمائی حضور موضوع ہو؟

الجواب | یہ عرف اس حدیث کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ حدیث سے روایت ثابت ہے، نہ کہ اراست، یعنی حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ لڑکی والے اس خاٹب کو خود لڑکی دکھلا دیں، بلکہ خاٹب کو اجازت ہے کہ اگر تمہارا موقع لگ جاوے تو تم دیکھ لو، پس اسی طرح جو عورت خاٹب کے قائم مقام ہے اس کا دیکھ لینا تو اس حدیث میں حکم داخل ہو سکتا ہے، باقی یہ ہرگز حدیث کا مدلول نہیں کہ لڑکی والے اہل خاٹب کو دکھلایا کریں، حدیث اس سے محض ساکت ہے، اگر تجربہ سے نسوان خاٹب کو دکھلاتا خلاف مصلحت ثابت ہو، ان سے پردہ کرانے کا عرف ہرگز خلاف حدیث نہیں، جیسا عورتوں کو دکھلاتا بھی خلاف حدیث نہیں، شرعاً دونوں شقوں کا اختیار ہے۔

۳ جمادی الثانیہ ۱۳۳۴ھ (تمتہ رابعہ ص ۳۹)

سوال (۲۴۲) سفر مرآۃ کے لئے محرم کا شرط ہونا فقہاء کہتے ہیں، منجانبہ سفر بلا محرم کے جواز و عجزہ کی تعلیم بھی کتب فقہ میں مقرر ہے، فتحپور میں شاہ لطف رسول صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ جناب نے فرمایا ہے کہ عجزہ کے لئے ضرورت نہیں ہے، اس کو سند اکبر مرآت کتب فقہ کی گئی۔ شامی، فتح، بحر، عالمگیری سب میں عجزہ کی تصریح ہے، اگر خبری نظر اقدس گزری ہو اطلاع سے عزت افزائی فرمائی جائے؟

الجواب، فی الدر المختار اما العجزۃ التي لا نشتہی فلا بأس بمصافحتها ومس يدہا اذا امن متھا جاز المس جاز سفرہ بہا ویخلوا اذا امن علیہ وعلیہا والا لا اھ وتکلم فیہ صاحب رد المختار بشیء ج ۵ ص ۳۶۲ میں نے شاید در مختار کے اسی جزیئہ پر کہا ہوگا گو اچھی طرح یاد نہیں، بہر حال گنجائش ضرور ہے۔

۱۲ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۶)

زنا اور اس کے متعلقات

سوال (۲۴۳) زانیہ عورت کو بلا معاوضہ زنا کوئی بدیہ دینا فوت ہو گیا ہے، اور عورت کے نام نہ رہا ہوا کہ گریا ہے، اب اس عورت کے گھر کا کھانا وغیرہ جائز ہے یا نہیں، اور سوائے اس کے اس کا اور کوئی روزگار نہیں ہے، کوئی آم نہی نہیں ہے؟

الجواب، چونکہ یہ زنا کی اجرت نہیں صرف ابتدائی احسان ہے، گو سبب اس کا ناجائز اُلفت ہو، لیکن عوض تو فعل حرام کا نہیں ہے، اور سبب کا قیاس عوض پر نہیں ہو سکتا ہے، اس لئے یہ روپیہ حرام نہیں، اگر اور کوئی سبب حرمت کا نہ ہو۔ ۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث اول ص ۱۱۰) کسی آدمی کے ذریعہ اخراج منی **سوال (۲۴۴)** بعض زنان باہم دیکر خواہ بکام آکہ ربڑ یا روپیہ یا کہم چیز دیکر یا بغیر آکہ صحبت می کنند شہوت خود را زائل کردہ ہیں نوع عادت کردہ راضی میمانند اگر کسی گوید کہ اس فعل بد را ترک کن و توبہ کن، میگویند کہ توبہ این جنس فاعلہ ہرگز قبول نمی شود، از دیدہ برخدا محروم است، دریں باب حکم شرع چیست؟

الجواب، حرمت اس فعل ظاہر و در سوال ہم مقرر مسلم است اما زعم این فاعلہ کہ توبہ اش مقبول نیست باطل محض است بدلیل قولہ تعالیٰ کہ در جواب سوال دوازہم مذکور گشت، (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۸)

حرمت دیوثی و تضییق مرتکب آن | سوال (۲۳۵) زید زنان و مادران و خواہران و ذوی الارحام خود را در بنگلہائے خود آراستہ و پیراستہ صرف برائے نام چیل بندہ بد روازہ گذاشتہ ہزار ہا مخلوقات را دعوت تماشہ و ہد شب و روز لکھا آدمی اقسام و انواع فحش و بے حیائی و مردمان بد معاشر ازاں شایع عام مرور کنند و آن زنہا یا ایشان کلام و سلام کنند و انعام و احسان کنند بلکہ سبب اقسام و انواع زنا و شراب نوشی ذات زید شود دریں باب حکم شرع چیست ؟

الجواب، عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ثلثة قد حرم الله عليهما الجنة مدين الخمر والعاق والديوث الذي يقر في اهل البيت رواه احمد و النسائي : مشكوة (باب بيان الخمر،

زید دیوث است و در حق دیوث ایچہ در حدیث مذکور وارد است ظاہر است، کتبہ اشرف علی التھانوی الادبی المحقق الحیثی عنہ (تمہ اولی ص ۳۱۹)

اجنبی عورت سے بدن دہوانا | سوال (۲۳۶) احقر جب نارنول سے جناب سے رخصت ہو کر پہنچا تو عشاء کے وقت ایک مخلص نے مجھ سے کہا کہ کیا عورت سے خاوند بدن دہوا سکتا ہے یا نہیں، میں نے کہا جائز ہے، اس پر انھوں نے اصلاح الہ رسوم ص ۲۷ سطر ۷ مطبوعہ دیوبند دکھائی جس میں عبارت ذیل درج ہے ”مرد کو عورت سے بدن دہوانا جائز نہیں“ میں نے اُن سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً کاتب سے سہو ہوا ہے کہ کتابت میں لفظ اجنبی چھوٹ گیا، اور اصل مسئلہ یوں ہے (مرد کو اجنبی عورت سے بدن دہوانا جائز نہیں) یہ مسئلہ خاوند بیوی کے متعلق نہیں، اگر ہوگا تو کسی قید کے ساتھ مقید ہوگا، اس پر اُن صاحب کو گویہ تسلی تو ہوئی، لیکن کتاب میں تحریر ہونے کی بنا پر اطمینان کلی نہیں ہوا، لہذا عرض ہے کہ مسئلہ ہذا کو جس طرح پر ہے توضیح کر کے تحریر فرمادیں ؟

الجواب، (بجاملہ) عبارت توقیم نسخہ میں بھی یہی ہے، اس لئے ظاہراً سہو کاتب نہیں ہے، مجھ ہی سے ضروری قید کی فروگزاشت ہو گئی ہے، آپ نے جو بتلایا ہے صحیح ہے، چونکہ اس مسئلہ کے سیاق و سباق میں اجنبی ہی کے احکام ہیں، غالباً یہ قرینہ سبب ہوا اس قید کے رہ جانے کا نقطہ (ترجمہ خامس ص ۱۲۷)

احکام متعلقہ علاج و دروا وغیرہ

اسقاط حمل | سوال (۲۳۷) نطفہ جب تک علقہ مظہر ہے اُس وقت تک اس کا اسقاط کسی وجہ

جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو قتل نفس کا گناہ ہوگا یا کچھ کم؟
الجواب، جب تک روح نہ آوے اسقاط حکم قتل نفس میں نہیں، لیکن بلا ضرورت مکررہ ہے، اور بعد از جائز اور بعد نفخ روح حرام و کبیرہ و قتل نفس زکیہ فی الدرا المختار و یکرہ ان تسقط اسقاط حملہا و جاز بعد ریحث لا یتصور فقط (امداد، ج ۲ ص ۱۴۱)

ایضاً سوال (۲۴۸) میں جن صاحب کے یہاں معالج ہوں وہ لاولد ہیں، جب پہلی بیوی سے کچھ اولاد نہ ہوئی تو باصرار والدین دوسری شادی کی لیکن طبیعت اُس سے مانوس نہیں، اب اس دوسری بیوی کو دو ماہ کا حمل ہے، اُن صاحب کی فرمائش ہے کہ ایسی کوئی ترکیب ہو کہ اس کا حمل گر جائے، اگر ہو تو اولاد پہلی سے ہو، بندہ نے اب تک کچھ جواب اُن کو نہیں دیا، حضور ارشاد فرمائیں کہ دو ماہ کا حمل گرانا جائز ہے یا نہیں، یا آئندہ کیلئے کوئی ایسی تدبیر کر دینا کہ مانع حمل ہو جائز ہے یا نہیں یہ بھی ارشاد ہو کہ بعض عورتیں جسم کی کمزور ہوتی ہیں اور بچے بہت جلد جلد ہوتے ہیں، اس سے اُن کی بھی تندرستی خراب ہو جاتی ہے، اور بچے بھی دو دھ خراب ہونے سے دائم المرض ہو جاتے ہیں، اس صورت میں دوائے مانع حمل کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدرا المختار و یکرہ ان تسقط اسقاط حملہا و جاز بعد ریحث لا یتصور فرد المختار قوله و یکرہ الخ ای مطلقاً قبل التصور و بعدہ علم ما اختاره فی الخانیة کما قد مناه قبیل الاستبراء وقال الا انها لا تاثر اثم القتل قوله و جاز بعد رکالمرضعة اذا ظهر بها الحمل و انقطع لبنها و لیس لای الصبی ما یستاجر الظئر و یخاف هلاک الولد قالوا ینباح لها ان تعالج فی اسنہ نوال الدم ما دام الحمل مضغۃ او علقۃ ولم یخلق له عضو و قد رُوا تلك المدة بمائة و عشرين یوما و جاز لانہ لیس بأدمی و فیہ صیانة الادھی، خانیة قوله حیث لا یتصور قید بقوله و جاز بعدہ و التصور کما فی القنیة ان یتطهر له شعر او اصبع او رجل او نحو ذلك اھ،

روایات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں اگر تحقیق فن سے حمل میں جان پڑنا محتمل ہو تب تو مطلقاً حمل گرانا حرام اور موجب قتل نفس زکیہ ہے، اور اگر جان نہیں پڑی سو اگر کوئی غدریہ صحیح ہوتا تو اسقاط جائز تھا، لیکن چونکہ کوئی غدر نہیں ہے اور یہ امر کہ نفس نہیں گوارا کرتا کہ پہلی کے اولاد نہ ہو اور دوسری کے ہو جائے، یہ شہر قاعاً مقبول نہیں، لہذا یہ فعل ناجائز ہوگا، گو قتل کا سا گناہ نہیں، مگر خود یہ فعل بھی معصیت ہے۔ اور آئندہ کے لئے حمل قرار نہ پانے کی تدبیر کرنا بھی بلا غدر مذموم ہے۔

مگر وہ ملامت میں کم ہے۔ خلاصہ یہ کہ سب میں اشد حمل خمی کا اسقاط اور اس سے کم حمل غیر خمی کا اسقاط اور اس سے کم مانع حمل کا استئصال، البتہ عذر مقبول سے دوا کر کے جائز نہیں، اور امر اقل ہر حال میں حرام، اور مسئلہ ثانیہ میں چونکہ عذر صحیح ہے، اس لئے دوا مانع حمل کھانا جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۵۶)

ایضاً سوال (۲۴۹) ایک عورت کے شکم میں بچہ زندہ ہے اور وہ عورت سخت بیمار ہے، ظاہر ہے بدون اسقاط فائدہ ہوتا معلوم نہیں ہوتا، پس اس حالت میں اسقاط حمل درست ہے یا نہیں؟

الجواب، درست نہیں، فی الدر المختار قبیل کتاب احیاء الموات باسطور ویکوہ ان تسعی الاستقاط حملها و جاز بعد حیث لا یتصور، ۶ رجب ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۶۲)

ایضاً سوال (۲۵۰) عورت کو حمل گروا دینا درست ہے یا حرام، جب تک جان نہ پڑے، دوسرے جو عورت بہت جلدی حاملہ ہو جاتی ہے مثلاً ابھی بچہ ۹ ماہ کا ہی ہے اور ایام آگئے اور وہ اسی وقت میں حاملہ ہو جاتی ہے، تیسرے وہ عورت جو کہ بہت سے بچے جنم چکی ہے اور وہ بہت لاغر ہو گئی ہو اس حالت میں لاغری کے سبب بچہ جننے کے بعد دودھ نہیں ہوتا ہے اور بچہ کو بکری وغیرہ کا موافق نہیں آتا ہے، آخر ایسی حالت میں بچہ مر جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ان عورتوں کو ایسی دوا کھانا جس سے حاملہ نہ ہوں درست ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدر المختار ویکوہ ان تسعی الاستقاط حملها و جاز بعد حیث لا یتصور و از سقطت میتا ففی السقط غرة لوالد من عاقل الام تحضر فرد المختار قوله ویکوہ ای مطلقا قبل لتصور وبعده الى قوله الا انها لا تاتم اثم القتل، قوله لعذر، كالمرضعة اذا ظهر به الحمل وانقطع لبنها وليس لابي الصبي ما يستاجر به الظئر ويخاف هلاك الولد قالوا يباح ان تعالج في استئصال الدم ما دام الحمل مضغة او علقه ولم يخلق له عضو وقد رأتك المدة بمائة وعشرين يوما قوله لا یتصور ان يظهر له شعر او اصبع او رجل او نحو ذلك قوله اسقطت ای بعلاج او شرب دواء تعتمد به الاستقاط اما اذا القته حیث مات فعلى عاقلتها الدية الى قوله وعليها الكفارة جلدہ قبیل کتاب احیاء الموات،

اس عبارت سے چند امور مستفاد ہوئے۔ ۱۔ بلا عذر اسقاط حمل ناجائز ہے۔ ۲۔ عذر و ضرورت سے جب تک حمل میں جان نہ پڑی ہو جائز ہے، ۳۔ اگر بعد جان پڑنے کے اسقاط کیا تو اگر مردہ ہی گریا تو ایک غرہ یعنی پانچ سو درم ضمان لازم ہے، اور وہ باپ کو ملے گا، اور اگر زندہ پیدا ہو کر مر گیا تو پوری

ویت یعنی خون بہا اور کفارہ قتل واجب ہے۔ ان نمبروں سے سب سوالوں کا جواب معلوم ہو گیا چنانچہ سوال اول کا جواب یہ ہے کہ بلا غدر ناجائز ہے اور بغدر جائز ہے، اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر اس عورت کو یا بچہ کو اس حمل سے کچھ نقصان ہو جائز ہے ورنہ نہیں، اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے لانه اذا جاز الدفع للعدو فالمنع بالاولی لان المنع اسهل من الدفع، ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۹)

کافر کے لئے حرام دوا تجویز کرنا | سوال (۲۵۱) جو چیز ہندو کے یہاں درست ہے اور ہمارے مذہب میں حرام، اگر دوا یا غذا اُن کو بتلادیا جائے تو اس میں مصیبت ہوگی یا نہیں؟
الجواب، فقہار نے تصریح کی ہے کہ خمس چیزکتے کے روبرو کھانے کے لئے دالنا جائز نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز اپنے لئے محرم الاستعمال ہو وہی استعمال دوسرے کو بتلانا بھی جائز نہیں، بالخصوص اس قول پر کہ بعض فقہار قائل ہوئے ہیں کہ کفار فریغ میں نواہی کے مکلف ہیں، اور امیر کے نہیں، ۱۶ شعبان ۱۳۳۲ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۶۳)

حرام دوا کا استعمال | سوال (۲۵۲) گل ارنی، گل مختوم، افیون، دوا میں شربا و ضاؤ اور شیر زنان طلاؤ اظہار استعمال کرتے ہیں، آیا وہ عند اللہ ماخوذ ہوں گے، اور مریض ہندو ہو یا مسلمان دونوں کا حکم یکساں ہے یا فرق؟

الجواب، متقدمین دوائے محرم کو ضرورت میں بھی جائز نہیں کہتے، اور متاخرین ضرورت میں اجازت دیتے ہیں، اور شیر زنان دوا محسوم ہے اس لئے مختلف فیہ ہوگا، احوط قول متقدمین ہے اور عال بقول متاخرین پر بھی دارو گیر نہیں، باقی جو ادویہ فی نفسہ مباح ہیں اور نہ ہی بعض آثار و عوارض کی بناء پر ہے اگر وہ عوارض نہ ہوں مثلاً مٹی میں ضرر اور انیون میں سکر تو حرام نہیں ہیں، اور ہندو مسلمان ان سب میں ایک حکم ہے، جیسا کہ سوال سابق کے جواب میں مذکور ہوا۔ (امداد، جلد ۲ ص ۱۶۳)

مصنوعی دانت بنانا | سوال (۲۵۳) دندان کا بنوانا شرعاً درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے تو ضرورت اور نہ نیت دونوں کے واسطے یا صرف ضرورت کے واسطے؟

الجواب، فی الدر المختار سنة المتحک بذهب بل بفضة وجوزهما محمد بن یحییٰ بن عیسیٰ منہ لان الفضة تنقن فی رد المحتار قال الکرمی اذا سقطت ثنية رجل فان اباحیفة ۷ یکران یعیدھا ویشدھا بفضة او ذهب ویقول ھو کسن مبیة ولكن یاخذ سن شاة ذکوة یشد مکانھا وخالفہ ابو یوسف رالی قوله وقال ابو یوسف ۷ سالت اباحیفة عن

ذات فی مجلس آخر فلم یر باعادتها باسا،

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دانت بنوانا شرعاً درست ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت اور زینت دونوں کیلئے درست ہے کیونکہ ناک بنوانا ظاہر ہے کہ زینت ہی کیلئے ہوگا اور وہ بھی جائز رکھا گیا ہے، البتہ اگر زینت کو آلہ فحور بنایا جائے تو اس عارض کی وجہ سے بیشک گناہ ہے۔

(امداد، ج ۲ ص ۱۶۸)

بچہ نکالنے کے لئے | سوال (۲۵۴) میت عورت حاملہ کی بابت کیا حکم ہے، خواہ پورے دن حاملہ کا پیٹ چاک کرنا | ہوں یا کم و بیش، بعض لوگ پیٹ چاک کر کے نکال دینے کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت تک حمل میں کبھی پھرے گی، مجھے ایسے سوال سے شرم اس وقت آتی ہے لیکن جہلا کی تشفی اپنی اور زیادتی اطمینان ہو جائے، یا فی الحقیقت میں اس مسئلہ سے لاعلم ہوں تو آگاہی ہو جائے؟

الجواب، فی الدال المختار حامل مائت و ولدہا یضطر شوبطنہا و یخرج ولدہا اھو اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ چاک کر کے نکال لینا اس وقت ہے جب بچہ زندہ حرکت کرتا ہو معلوم ہو، ورنہ اگر بچہ بھی مر گیا تو پیٹ چاک کرنا جائز نہیں، (امداد ج ۲ ص ۱۸۰)

افیون کا استعمال بوقت اضطراب | سوال (۲۵۵) افیون خوار ہر چند خوف خدا سے کوشش ترک کرنے کی چاہتا ہو، مگر خوف ہلاکت اور سخت علالت سے جو اسکو تجربہ سے حاصل ہوا ہو مجبور ہو تو اب استعمال افیون دوا ہے یا نہیں، اور ابن حجر کا جواز افیون خوری ایسی حالت میں ہے یا اور میں، اور ربلی کا قول وقواعدنا لا تخالفہ، کذا فی حاشیۃ الشامی علی الدال المختار سے کیا مطلب ہے؟

الجواب، ابن حجر کا قول صحیح ہے مگر اس میں تصریح ہے کہ اجازت اس وقت ہے جب بالیقین مرجانے کا خوف ہو، اور اس میں یہ بھی ہے کہ اندک اندک اس کو کم کرنا شروع کرے، اور یہ بھی ہے کہ کم کرنے کی کوشش نہ کی تو یہ شخص آثم فاسق ہے، پس سوال میں نہایت اختصار کیا گیا ہے، جو محل مقصود ہے۔ اور ربلی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ابن حجر گوشتا فعی ہیں، مگر ان کا یہ قول قواعد

حنفیہ کے خلاف نہیں ہے، اسلئے قابل اتباع ہے، ۱۶ ربیع الثانی ۱۲۵۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۸۲)

دوا میں افیون | سوال (۲۵۶) ضرورت مرض کے لئے جب اوراد و یہ اثر نہ کریں تغیر اور تحذیر یا سمیت سے کم افیون کا استعمال جائز ہے یا نہیں، ایسا ہی بھنگ کا استعمال جائز ہے یا نہیں، اور جاکفل کا کیا حکم ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزہ میں افیون کی علت حرمت کو وجوہ ثلاثہ معروضہ بالا میں منحصر فرما کر ان آثار سے کم استعمال کرنے کو

حرام نہیں تحریر فرمایا، حضور شریف جواز سے جلد معزز فرماویں ؟

الجواب، جو مقدار یا جو ترکیب فتور اور خدا اور ضرر سمیت سے خالی ہو اس طریق سے تینوں اشیاء مسئلہ عنہا کا استعمال جائز ہے، جیسا سوال میں حضرت محدث دہلویؒ سے نقل کیا ہے۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۲۸)

افیون وغیرہ درود | سوال (۲۵۷) افیون یا جوز بویا اور جاوتری کہ جو مختبرات و مغترات میں سے ہیں اگر کسی نسخہ مرکب میں ڈالی جائے اور اس کا اکل استعمال کیا جائے، آیا وہ شرعاً مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ہر ایک کا اُن میں سے مفرد استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے ؟

الجواب، فی رد المحتار اما الجامدات فلا تحرم منها الا الكثير المسکر ولا يلزم من حرمة نجاسة اه وفيه وهكذا يقال في غيره من الاشياء الجامدة المضرة في العقل او غيره يحرم تناول القدر المضر منها دون القليل النافع اه، اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر وہ مرکب نسخہ مسکر و مغتر نہ ہو تو کھانا حلال ہے۔ فقط،

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

ٹیکہ چیچک | سوال (۲۵۸) ایام گرام میں یا سرمای میں اس ملک میں بعض گاؤں وغیرہ میں اکثر لوگ بلائے چیچک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ملازم انگریزی یہ تدبیر کرتے ہیں کہ جن کے چیچک نہیں نکلی اُن کو جبراً پکڑ کر ہر ایک کی کلائی پر باریک استرے سے دو دو جگہ کاٹ کر کچھ دوائی پیپ سا لگا تے ہیں، ایک دو روز کے بعد بخار ہو کر بعض بعض کو دو چار چیچک بھی نکل آتا ہے، اور بعض کو نقط بخار ہی بخار، لیکن بعض بعض مر بھی جاتا ہے، یہ فعل کرنا اور کرنا کیسا ہے، کیونکہ بہت لوگ یوں کہتے ہیں کہ شریعت کے برخلاف اگر ہو تو دلیل مل جانے سے ہم بھی جبراً اُن سے یعنی اُن لوگوں سے بچ رہیں گے، اور شریعت کی پابندی کریں گے، مابیت دوائی اسی ملازم سے اگر کوئی پوچھے یہ کہتے ہیں کہ آدمی کا اور بیل کا جب چیچک آبلہ سا ہو کر اُس میں پانی پیدا ہو جاتا ہے تب اس کو توڑ کر وہی پانی شیشی بھر کر رکھتا ہوں اور وہی دوا آدمی کی کلائی کا ٹیکہ لگا دیتا ہوں، مگر بیل سے جو لاتا ہوں وہ نہیں لگاتا ہوں، آدمی سے جو لاتا ہوں لگاتا ہوں ؟

الجواب، جس رطوبت سے وضو ٹوٹ جائے وہ رطوبت ناپاک ہے اور ناپاک چیز سے دوا کرنا اصل مذہب میں حرام ہے، اور بعض متاخرین نے جائز رکھا ہے، اس لئے خوش تدبیری سے بچنا بہتر ہے، لیکن شورشل مناسب نہیں، واللہ اعلم، ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۸۵)

ایضاً سوال (۲۵۹) ٹیکالگانے کے متعلق حضور کی کیا تحقیق ہے، شبہ یوں ہو گیا ہے کہ پیپ تو نجس ہو جاتا ہے پھر نجس کا استعمال شرع میں جائز نہیں؟

الجواب، بیشک اصل مذہب میں ناجائز ہے لیکن بنا بر قول بعض علماء کہ تداویٰ بالمحرم کی اجازت دیتے ہیں، اگر کوئی مبتلا ہو اس پر دروغیر نہیں، فقط ۸ المحرم ۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۱)

ایضاً سوال (۲۶۰) یہاں ریاست رامپور میں حکومت کی طرف سے ٹیکہ پر بہت زور دیا جا رہا ہے، اس لئے عرض ہے کہ اس ٹیکہ لگوانے کے متعلق حضرت والا کا کیا ارشاد ہے، اور جب حکومت کی طرف سے زبردستی ہونے لگے تو کیا کرے؟

الجواب، فی الدر المختار قبیل فصل البیدر اختلاف فی التداویٰ بالمحرم وظاہر المذہب المنع کما فی رضاع البحر لکن نقل المصنف ثبوتہ و هنا عن الحاوی وقیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم دواء اخر کما رخص الخمر للعطشان فی رد المحتار وقولہ وظاہر المذہب المنع محمول علی المظنون کما علمتہ،

چونکہ اس تدبیر میں رطوبت غیر ظاہرہ کا استعمال کیا جاتا ہے اس لئے اصل مذہب منع ہے، اور ضرورت میں جائز ہے، اس لئے اول حکومت سے درخواست کی جاوے کہ امر ممنوع سے معافی دی جاوے، لیکن اگر حکومت توجہ نہ کرے تو پھر حکومت کا حکم بھی ضرورت ہے کما صرحوا بہ فی باب اخرویدل علی سائرہ ما ذکر من الروایات،

۱۶ شعبان ۱۳۵۵ھ (النور ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ص ۴)

دوا میں سانپ کا پتہ استعمال کرنا سوال (۲۶۱) اژدہا سانپ کا پتہ (زہرہ) ہمارے یہاں بچوں کو دوا میں بکثرت استعمال کرتے ہیں، بلکہ ماں بچہ دونوں کو کھلاتے ہیں، کسی طرح جائز ہو سکتا ہے یا نہیں، ہمارے یہاں شاید کہ کوئی ایسا ہوگا کہ اس کو نہ کھایا ہو، فقط؟

الجواب، جائز نہیں، ۸ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۱)

پیچالٹخ دہسہ سوال (۲۶۲) ٹڈیور کی بیٹ سرسہ میں اچھی ہے یا نہیں؟

الجواب، نافع ہونا اور نہ ہونا تو کسی طبیب کے پوچھیں، اور اگر جواز و عدم جواز کو پوچھنا، تو سرسہ میں ملا کر اس کا استعمال جائز ہے، یکم ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۹۵)

ہومیو پیتھک دوا کا استعمال سوال (۲۶۳) چونکہ جدید طریقہ ہومیو پیتھک بہت زیادہ سترج التناثر ہے اور سہل الاصول ہے، لہذا اگر کوئی شخص ایسے دیہات میں جہاں ہر وقت کوئی حکیم یا ڈاکٹر میسر نہ آ سکتا

دوسرے طریقہ علاج کو دوسرے مرضی پر برتتے تو اس معالج کے لئے مترعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب، یہ حالت ضرورت کی ہے، اور ضرورت میں متاخرین نے تداویٰ بغیر الطیب کی اجازت دی ہے، اگر کوئی اس پر عمل کرے گنجائش ہے، ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (حدیث اول ص ۲۰)
 گیس کے چولھے میں اسپرٹ کا استعمال | **سوال** (۲۶۴) اگر گیس کا چولھا استعمال کیا جاوے تو کوئی حرج تو نہیں ہے، کھانا مٹی کے تیل سے پکتا ہے، انگریزی اسپرٹ جو ایک قسم کی شراب ہے، اسے گرم کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے، اسکی بالکل علیحدہ جگہ ہے، کھانا رکھنے سے پہلے اسپرٹ بالکل جل جاتی ہے۔۔۔
 چولھا میرے پاس ہے، اگر ناجائز ہو تو بالکل ترک کر دوں، فقط؟

اسپرٹ کا استعمال | سوال (۲۶۵) انگریزی دوا جو پینے کی ہوتی ہے اس میں عموماً (اسپرٹ) ملائی جاتی ہے، یہ قسم ہے اعلیٰ درجہ کے شراب کی، یعنی شراب کا ست ہے، تو جب اس امر کا یقین ہو چکا اور مسلم ہے تو انگریزی (ہسپتال) کی دوا پینا جائز ہے یا ناجائز؟
الجواب، اسپرٹ اگر عنب و زریب و رطب و قمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے، للاختلاف ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق (تمہہ رابعہ ص ۶۲)
ایضاً | سوال (۲۶۶) اسپرٹ اسٹو وغیرہ روشن کرنے کے لئے تاجسرا اس کی خرید و فروخت کر سکتا ہے؟

الجواب، اسپرٹ کا جواز استعمال مختلف فیہ ہے۔ ۵۔ رضی اللہ عنہ (تمہہ خامسہ ص ۶۰۹)
مصنوعی آنکھ بنوانا | سوال (۲۶۷) زید نے بوجہ شدت اضطراب مقلہ عین نکلوا یا، اب مصنوعی مقلہ اس کے مقام پر رکھوانا چاہتا ہے، کیا یہ مترعاً جائز ہے، یا نہیں، سونے کی ناک بنوانے کی اجازت جو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دی تھی، مقلہ کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے یا نہ، عمرو کہتا ہے ناک کے عوض میں (جس کی اجازت آنجناب نے دی تھی) قوت شاتمہ نہیں ہوتی، اور مقلہ میں قوت باصرہ ہوتی ہے، پس مقلہ کو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، اور مقلہ بنانا تصویر بنانے کے حکم میں ہے، پس ناجائز ہے، کیا عمرو کا قول صحیح تو نہیں ہے؟

الجواب، بیچ کا فتویٰ صحیح ہے، اور محرم سے سوال کیا جاوے کہ کیا مقلہ پر حیوان ذی روح صادق آتا ہے، نیز مقلہ میں جو بصارت حیوانی ہوتی ہے آیا صانع مقلہ کی وضع کی ہوئی ہے یا جو بصارت

مودیہ محی فی الدماغ ہے، یہ مقلہ محض اس کا طریق و محل ہے، اول باطل ہے، اور ثانی پر آنکھ بنانا یعنی قدح بھی ناجائز ہوگا، واللہ اعلم، نیز جو علت و عید تصویر کی آئی ہے کہ فقال احيوا ما خلقتم اس پر نظر کر کے جس عضو میں مصوڑہ حیات پیدا کر سکے اُس پر وعید نہ ہونا چاہئے، اور انف میں ہونا چاہئے، قرب ۳۳۳ (حوادث خامسہ ص ۲۱)

بال اُرلنے والا صابون استعمال کرنا | سوال (۲۶۸) ایک اس طرح کا صابون نکلا ہے جو بجائے استرہ کے استعمال کیا جاتا ہے، اور اس میں ناپاک اجزاء بھی مشترک نہیں ہیں؟

الجواب، تم نے اس سوال میں صابون کا ایجاد ہونا اور اس میں کسی چیز نجس کا شریک نہ ہونا تو لکھا ہے اور کچھ پوچھا نہیں، شاید مقصود ہو کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں، اگر یہ مقصود ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ جس جگہ استرہ کا استعمال جائز ہے، وہاں اس کا استعمال بھی جائز ہے،

۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۳۷)

عرقیات ڈاکٹری کا استعمال | سوال (۲۶۹) ادویات ڈاکٹری کے عرقیات میں جن کو بزبان انگریزی (سنگر) کہتے ہیں، عموماً الکوحل یعنی شراب کا جوہر ہر دے طب ڈاکٹری بالخاصیت مفید و مقوی مسلم ہونے کی وجہ سے شریک رہتا ہے، ایسی ادویہ کا استعمال شرعاً جائز ہو سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب، اگر اس کا ماخذ اشربہ اربعہ کے سوا ہو جیسا غالب ہے تو مختلف فیہ ہے، تقویٰ تحریر ہے اور مبتلا پر بھی زیادہ دار و گیر نہیں ہے۔ ۱۲ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۳)

جذبید ستر کا حکم | سوال (۲۷۰) جذبید ستر پاک ہے یا نہیں؟

الجواب، پاک نہیں، (تمتہ اولیٰ ص ۶)

حکم جذبید ستر | سوال (متعلق) (تمتہ ج ۱ ص ۶) جذبید ستر پاک نہیں ہے ۱۲، بلکہ پاک ست اگرچہ حرام است، حیوان البحر طاهر وان لم یوکل حتیٰ خنزیر البحر کذا فی القنیہ ۱۲ نفع و مائی المولد ولو کلب الماء و خنزیرہ ۱۲ در مختار۔ وحکم مائی المولد کلہم واحد وان کان یعیش بدون الماء کما فی الشامی،

جذبید ستر خصیہ حیوان مائی المول است کہ مثل کلب الماء است ۱۲ مخزن۔

نوشادر پاک ہے | سوال (۲۷۱) نوشادر جو قلعی کے کام میں آتا ہے پاک ہے یا ناپاک، اس کا چورن وغیرہ میں استعمال کیسا ہے؟

الجواب، فی رد المحتار و اما النوشادر المستجمع من دخان الجناسۃ فهو طاهر

کما یعلم مما مروا وضحہ سیدی عبد الغنی فی رسالۃ سماہا الخاف من بادرا الی حکم
النوشادرہ ج ۱ ص ۳۳۵،

اس روایت سے نو شادر کا پاک ہونا اور اس کا استعمال چوہرن میں جائز ہونا ثابت ہے،

۲۷ شعبان ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولی ص ۴۴۱)

سوال (۲۷۲) زید ایک پابند شرع آدمی ہے اسکے خصیتین بڑھ گئے
پیش اور متعدد مرتبہ تجربہ ہوا ہے کہ ڈاکٹر سے نشتر دلوانے سے اچھا ہو جاتا ہے

مگر چونکہ علاج کرنا خود فی نفسہ ضروری نہیں ہے، اور بہتر عورت فرض، علاوہ ازیں ڈاکٹر دوا
کی نجاست وغیرہ نجاست کا علم نہیں ہے، اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ نشتر کے بعد کئی روز تک
بے حس و حرکت پڑا رہنا ہوگا، جس سے نماز و جماعت کا ترک ہوگا، تو ایسی حالت میں زید اگر نشتر
دلاوے تو شرعاً مواخذہ ہے یا نہیں، اور خصیتین کی جسامت تدبیر بخاطر ترقی پذیر ہے، زید ایسی حالت
میں علاج کراوے یا متوکلاً علی اللہ چھوڑ دیوے، اس مسئلہ کی ضرورت پیش آتی ہے فقط؟

جواب، مقصود اس تقریر سے اگر یہ ہے کہ خود اس حکم کے ثابت ہونے ہی میں شبہ ہے

اور اس خدشہ کو امارت اس کے عدم ثبوت کی قرار دی ہے، تب تو جواب اس کا کتب فقہ میں
مصرح ہونے سے ظاہر ہے، اور اگر باوجود تسلیم نقل کے خود اسکے منقول ہونے پر اس کے خلاف
دلیل ہونے کا شبہ کرنا ہے، تو یہ سوال مستدل پر ہو سکتا ہے، اور مقلد من حیث المقلد مستدل نہیں
پس اس پر یہ سوال کرنا اس کو خلاف منصب پر مجبور کرنا ہے، وہ اگر استدلال کر تلے اس میں متبرع
ہوتا ہے، اور متبرع پر ماہ التبرع لازم نہیں، لیکن باوجود عدم لزوم کے تبرعاً عرض ہے کہ بہتر عورت
بیشک فرض ہے، مگر جمیع احوال میں نہیں بلکہ ان میں سے ضرورت کی حالت مستثنیٰ ہے، اور یہ ضرورت
شرعیہ نہیں یعنی التاثر بترکہ بلکہ طبعی و عادی ہے جس کا شریعت مقدسہ نے مکلفین کے ضعف
کے سبب اعتبار کیا ہے، اور طبعی و عادی ہونا اس کا معنی موقوف علیہ الامتہ عادیہ غالبہ ہونا ظاہر ہے
پس اس طرح سے ضرورت من حیث العادیہ و عدم ضرورت من حیث الشرع میں کچھ تنافی نہیں
اور متاخرین نے تدائی بالحرام کو بھی جائز کہہ دیا ہے، اور اس پر عمل کرنے کی بھی گنجائش ہے،
البتہ یہ بات کہ اشارہ سے بھی نہ نماز پڑھ سکے گا اس کو اہل فتویٰ سے تحقیق کر لیجئے، قواعد سے
تو یہ غدر اس میں بھی موثر ہوگا، فقط، ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۹)

انگریزی دواؤں کا استعمال سوال (۲۷۳) چہ می فرمایند علمائے دین متین اندر میں مسئلہ کہ استعمال

ادویہ انگریزیہ کہ دریاں امتزاج خمرو غیرہ اشیاء محرمہ یقیناً است و محسوس استعمال معاصین وغیرہ کہ
دریاں اشیاء محرمہ مخروج اند یکسے نوع یکدہمی حالت جائزست یا نہ ؟

الجواب، اگر امتزاج این چنین اشیاء مشکوکست اعتبار کے ندارد،

لقوله تعالى ولا تقف ما ليس لك به علم الآية وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم
اذا كان احدكم في الصلوة فوجد حركة في دبره احدث او لم يحدث فاشكل فلا يتصرف
حتى يسمع صوتا او يجد ريحا رواه ابو داود، وقال الفقهاء ان اليقين لا يزول بالشك
والاصل الحل والطهارة،

و اگر مطمئن یا متیقن ست پس خالی از دو حال نیست یا اشیاء محرمہ محسوس ان چوں خمرو بول وغیرہا، یا
ظاہر چوں عروسک و خراطین و نحو ہا و استعمال ہر یکے دو نوع ست داخلی چوں اکل و شرب خارجی
چوں طہار و صواد پس استعمال اشیاء محرمہ ظاہرہ اگر خارجاً باشد بالاجماع مطلقاً جائزست ...
لقوله تعالى فتيهوا صعيدا طيبا الآية، اباح التلطيخ بالتراب الطاهر المحرم،
و اگر استعمال ہیں اشیاء محرمہ ظاہرہ داخل باشد یا استعمال اشیاء محرمہ نجسہ داخل یا خارجاً باشد پس در
حالت اکراہ و اضطرار اتفاقاً مباح است، لقوله تعالى وقد فصل لكم ما حرم عليكم الا ما
ما اضطررتم اليه و در حالت اختیار وقت عدم غلبہ ظن بحصول شفاء باتفاق حرام، لقوله تعالى
قل فيهما اثم كبير و منافع للناس و اثمها اكبر من نفعها الآية و در حالت اختیار ہنگام غلبہ ظن
بحصول شفاء روعدم وجدان دوا دیگر علماء در اختلاف است، بعضی جائز و ارشادند اجازۃ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم العربین لشرب ابوالابل، و بعضی منع فرمودہ لقوله عليه السلام ان
الله لم يجعل شفاءكم في حرام رواه البخاري وقالوا حديث العربيين منسوخ و بعض متأخرین
فتویٰ بر جواز دواہ اند فی الدار المختار اختلاف فی التداوی بالمحرم و ظاہر المذہب المنعم کما
رضاع البحر لکن نقل المصنف ثمة و هنا عز الحاروی و قيل یرخص اذا علم فيه الشفاء و
لم یعلم دواء اخر کما یرخص الخمر للعطشان و علیہ الفتویٰ، پس امتناع تقویٰ ست و
انتفاع فتویٰ و اللہ اعلم، ۱۹ رزیقیہ ۱۳۴۳ (امداد، ج ۲ ص ۱۲۸)

ایضاً سوال (۲۷۴) آج کل خواص و عوام بلا تکلف انگریزی ادویہ کو استعمال کرتے ہیں جن کی

عہ اگر دوائے دیگر نیز میسر شود پس استعمال دوائے حرام حرامست و این بحث دیگرست کہ بر ادویہ انگریزی چیزے حرام
باشد یا نہ اگر می باشد حشرش اتفاقی است یا اختلافی و در اختلاف فی عموم بلوی مؤثرست یا نہ ۱۲ منہ

ساخت میں اکثر روح النحر اور رکٹی فانی اسپرٹ اور سیری وائن پڑتی ہے، مٹنگچر، ایتھیر، وائن اکثر کٹ اسی کی لاگ سے بنائے جاتے ہیں، مگر کہا جاتا ہے کہ ان کا نشہ کم ہے، سمیت بڑھی ہوئی ہے زیادہ مقدار میں دیں تو نشہ کریں، مگر زیادہ میں دینے سے آدمی مر بھی جاتا ہے، مگر سب دوائیں ایسی نہیں کہ زیادہ مقدار میں دینے سے آدمی مر ہی جائے، اب فرمائیے کہ انگریزی ادویہ کا استعمال جائز ہو یا ناجائز؟

الجواب، روح النحر جو ہر شراب چونکہ یقیناً اجزائے خمر سے ہے، اس کی حرمت سکریہ پر موقوف نہیں، فی الدر المختار و کرا شرب ردی الخمر الی قوله ولكن لا یجد شاربہ بلا سکر اھ وقد صرحوا بحیثیۃ تناول الخبز الذی عجن رقیقہ بالخمر، اور جب کہ اُس میں سکریہ بھی ہو تب تو اس میں شنبہ کی کوئی وجہ ہی نہیں سو جو اہر متعارفہ فیہا ننا میں سکریہ بھی ہے، اور مقدار قلیل سے بالفعل سکر نہ ہونا منافی وجود سکر نہیں، کیونکہ سکر سے مراد عام ہے، بالقوہ ہو یا بالفعل، فی الدر المختار و حریمہا محمد مطلقاً و بہ یفتی الی قوله ما اسکر کثیرہ قلیلہ حرام اھ اور اسی طرح سم ہونا بھی منافی سکر نہیں، بلکہ اس کا مؤید و موکد ہے، کیونکہ منتہی سکر کا ہلاک اور سمیت ہے، کما لا یخفی علی ماہر الطبعیات، اس تحقیق سے ادویہ مسئلہ کا حکم معلوم ہو گیا، کہ استعمال جائز نہیں، لیکن جب کہ بالیقین ان اشیاء سے خالی ہو، واللہ اعلم،

۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ (امداد ج ۲ ص ۱۲۸)

بالوں کے حلق و قصر اور خضاب سختہ و غیرہ کے احکام

خضاب سوال (۲۷۵)، خضاب لگانا کیسا ہے؟

الجواب، خضاب سرخ بالاتفاق جائز بلکہ مستحب ہے، اور سیاہ خضاب جہاد میں ہیبت دشمن کیلئے بھی جائز ہے، اور خفض زینت کے واسطے مختلف فیہ ہے، عامہ مشائخ کا قول کہ اہت ہے اور امام ابو یوسفؒ نے جائز رکھا ہے، لیکن احتیاج اور راجح نہ کرنا ہے،

اتفق المشائخ ان الخضاب فی حق الرجال بالحمرة سنة و انه من سیماہ المسلمین و علاماتهم و اما الخضاب بالسواد فمن فعل، ذلك من الغناء لیکون اھیب فی عین العدو و فهو محمود منه اتفق علیہ المشائخ و من فعل ذلك لیزین نفسه للنساء و لیجیب

نفسہ الیہن فذلک مکروہ وعلیہ عامۃ المشائخ وبعضہم جوزوا ذلک من غیر کراہۃ وروی عن ابی یوسف ۛ انه قال کما یحببونی ان تتزین لی یحبہا ان اتزین لہا کذا فی الذخیرۃ، عالمگیری ج ۴ ص ۳۹ (واللہ اعلم، فقط، (امداد ج ۲، ص ۱۲۴)

مسائل خضاب | سوال (۲۷۶) ما تو لکم حکم اللہ اندریں مسائل، سیاہ خضاب عند الشرع اس وجہ سے ممنوع ہے کہ اس میں تبدیل فطرت الہی و اخفائے پیری ہے، مگر جب کہ بال قبل از وقت سن شیخوخت زمانہ کہولت و شباب میں سفید ہو جاتے ہیں، جیسا کہ فی زمانہ اکثر نوجوانوں اور کمسن لڑکوں کو یہ شکایت پیدا ہے، تو اس صورت میں ان کو سیاہ خضاب کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، اور اگر جائز ہے تو کس سن تک؟

الجواب، قبل از وقت کے دو درجے ہیں، تھوڑا قبل اور بہت قبل، مسائل کی کیا مراد ہے، (تمتہ ثانیہ ص ۵۲)

ایضاً | سوال (۲۷۷) جن خضابوں میں بھوراپن اور سرخی رہتی ہے اور چاندی کا رنگ شورہ کے تیزاب سے کاٹ کر بطور عرق تیار ہوتا ہے (بھورے خضاب میں لوہے تانبے مازو کا جزو ہے) اس کا استعمال عند الشرع کیسا ہے، کیونکہ بظاہر اس میں اخفائے پیری نہیں، اس لئے کہ ان میں سرخی متمائز رہتی ہے اور سیاہی مطلوب، اور بالفرض اگر چاندی کے رنگ کے خضاب سے سیاہی غالب رہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب، جس میں اخفائے پیری کی نفی کی جاتی ہے پھر اس میں ایسا خضاب کیوں کیا جاتا ہے؟ جس میں سیاہی ہو یا غالب ہو؟ (تمتہ ثانیہ ص ۵۲)

ایضاً | سوال (۲۷۸) فی زمانہ سرکاری ملازمین جن کے بال سن کہولت یا مرض کی وجہ سے سفید ہو جاتے ہیں بخوف زوال ملازمت، سیاہ خضاب استعمال کرتے ہیں، مگر دل میں اس فعل کو مذموم اور ناجائز تصور کرتے ہیں، کیا ان کے لئے یہ فعل جائز ہے؟

الجواب، جو مکر اول منظہ رکھی گئی کیا بالوں کی سفیدی سے اس کا منسوخ ہو جانا بھی کوئی قسانوں ہے؟ (تمتہ ثانیہ ص ۵۲)

ایضاً | سوال (۲۷۹) بعض ایسے اشخاص جن کے عقد میں نو عمر اور جوان عورتیں ہیں محض بخیال رغبت زوجه سیاہ خضاب کرتے ہیں، یہ فعل ان کے لئے کیسا ہے، اگر ممنوع ہے تو ایسے لوگوں کو رغبت زوجه کے لئے کوئی تبدیلی شرعی کرنی چاہئے؟

الجواب، اگر یہ مصلحت قابل تحصیل ہوتی تو خضاب اسود کے ممنوع ہونے کے پھر کوئی معنی ہی نہ ہوتے، (تمتہ ثانیہ ص ۵۳)

ایضاً سوال (۲۸۰) آج کل ہندوستان میں سیاہ خضاب بہت زیادہ رائج ہے، اور میکٹروں آدمی اس میں مبتلا ہیں، تو کیا ان کے واسطے کوئی ایسی سبیل بھی ہو سکتی ہے کہ خضاب بھی ہو جاوے اور عامی بھی نہ ہوں،

الجواب، کیا شریعت اس کی بھی ذمہ دار ہے۔ ۸ رجب ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۵۳)

ایضاً سوال (۲۸۱) حضور والا نے اصلاح الرسوم میں تحریر فرمایا ہے کہ البتہ اور رنگوں کا خضاب جائز ہے کہ اس میں اخفائے پیری نہیں، اس کی توضیح کیا ہے؟

الجواب، مثلاً سرخ اور زرد اور سبز، (تمتہ ثانیہ ص ۵۳)

ایضاً سوال (۲۸۲) بصورت عدم جواز استعمال خضاب سیاہ اس کا بنانا اور اس کا بیچنا عند الشریع کیونکر جائز ہے، کیا یہ اعانت علی المعصیت نہیں، اس کی تصریح کیا ہے فقط

الجواب، چونکہ ایک محل اس کے جواز کا بھی ہے لیکن اہیب فی عین العدول الدین اور غیر محل میں استعمال عامل کا فعل اختیاری ہے، لہذا اصالح اور بائع کی طرف اس کی نسبت نہ کی جاوے اور اعانت علی المعصیت کے سبب ناجائز نہ کہا جاوے گا، البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

۸ رجب ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۵۳)

حکم خضاب سیاہ سوال (۲۸۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا کا جواب کہ سیاہ خضاب کمر تاریش کو جائز ہے یا نہیں، امام حسین علیہ السلام و حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا سیاہ خضاب کرنا ثابت ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی موطن میں اسی طرح مروی ہے؟

الجواب، فی الموطن للامام محمدؒ اخبرنا مالک اخبرنا یحییٰ بن سعید اخبرنا محمد بن ابراہیم عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن ان عبد الرحمن بن الاسود بن عبد یغوث کان جلیساً لنا وکان ابیض للحمیۃ والراس فخذ علیہم ذات یوم وقد حمرھا فقال لہ القوم ہذا احسن فقال ان امی عائشۃ زوج النبی ﷺ ارسلت الی البارحة جاریتہا فخیلۃ فاقسمت علی لا صیغن فاخبرتہنی انا ابابکر رضی اللہ عنہ کان یصبغ قال محمد لا تری بالخضاب بالوسمۃ والحناء والصفرة باساً وان ترکہ ابیض فلا یاس بذلک کل ذلک

حسن اہم فی التعلیق الموجد علی الموطأ قوله بالوسمة بفتح تین وفتح الاول وسكون الشافی ویکسر ایضاً علی ما فی القاموس والمنعرب هو ورق النیل والخضاب به صرفاً لا ینکون سواداً خالصاً بل مائلاً الی الخضرة وكذا اذا خلط بالحناء وخضب به نعم لو خضب الشعر اولاً بالحناء صرفاً علیہ یحصل السواد الخالص فیکون ممنوعاً کما سیأتی ذکرہ وفیہ ایضاً بعد اسطر علی قوله لا تری الی قوله باسماً واما الخضاب بالسواد الخالص فغیر جائز لما اخرجہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان والحاکم وقال صحیح الاسناد عن ابن عباس مرفوعاً ینکون قوم ینخضبون فی آخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام رواہ ابن مسینہ ہائے کہوتران ۱۲ منہم لا یریحون رائحة الجنة وحبہ ابن الجوزی فی الحلال المتناہیۃ الخضعیفہ مستند ابیہاروی ان سعداً والحسین بن علی کانایخضبان بالسواد و لیس بحید فلعلہ لم یبلغہما الحدیث والکلام فی بعض روایہ لیس بحیث ینخرجه عن حیدر الاحتیاج بہ ومن ثم عد ابن حجر المکی فی الزواجر الخضاب بالسواد من الکبائر ویؤیدہ ما اخرجہ الطبرانی عن ابی الدرداء مرفوعاً من خضب بالسواد سود الله وجهه یوم القیامۃ وعند احمد غیرہ والشیب ولا تقربوا السواد واما ما فی سنن ابن ماجہ مرفوعاً ان احسن ما اختضبتہ بہ هذا السواد ارغب للنساء کم واهیبت لکم فی صد وزاعدکم ففی سندہ ضعفاء فلا یعارض الروایات الصحیحۃ واخذ منہ بعض الفقہاء جوازہ فی الجہاد اھ

اس مجموعی عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے،

- (۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مطلق خضاب کرنا، سیاہ کا نام بھی نہیں (کمانی الموطأ)
- (۲) حضرت سعد و امام حسین رضی اللہ عنہما کا خضاب بالسواد (کمانی التعلیق مع الجواب عنہ) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کسی اور صحابی کا موطأ یا تعلیق میں نام بھی نہیں (۳) امام محمد رضی اللہ عنہ کا خضاب بالوسمہ کو جائز کہنا (کمانی الموطأ) لیکن اس سے خضاب بالسواد کے جواز پر دلالت نہیں ہو سکتی، کیونکہ مطلق وسیمہ سے سواد کا ہونا لازم نہیں بلکہ اس کی بعض خاص ترکیبوں سے سواد ہوتا ہے (کمانی التعلیق) سو اس پر کوئی دلیل قائم نہیں، ...
- (۴) خضاب بالسواد کی حرمت کی حدیثیں ابوداؤد اور نسائی اور ابن حبان اور حاکم اور طبرانی اور احمد سے مع تصحیح الحاکم (کمانی التعلیق) (۵) ابن الجوزی کا بعض احادیث کو ضعیف کہنا حضرت سعد و حسین رضی اللہ عنہما سے (۶) صاحب تعلیق کا جواب احتمال عدم بلوغ حدیث سے (۷) بعض حالات میں جواز سواد کا حدیث ابن ماجہ سے (۸) صاحب تعلیق کا جواب اس حدیث کے رواۃ کے ضعف سے

(۹) ابن حجر کا خضاب بالسواد کا کبائر سے شمار کرنا (۱۰) بعض فقہاء کا جہاد میں اسکو یا نہ کہنا، مجموعہ امور عشرہ میں غور کرنے سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ قوت و ترجیح جانب منع کو ہے، اور قائلین بالجواز کی کوئی دلیل قوی نہیں، ان کے اوتہ سب مخدوش ہیں، روایت بھی اور درایت بھی، جن میں سے بعض کا ذکر ہو چکا ہے، بعض کا اب ذکر کیا جاتا ہے، فی الطرائف والظرائف لهذا الاقتصار،

فأشدة فقهية في تحقيق خضاب الاسود استدلالاً لجوزون بفعل الحسين بن علي الذي رواه البخاري في مناقب الحسن الحسين عن انس بن مالك قال اتى عبيد الله بن زياد بواسر الحسين فجعل في طست فجعل ينكت وقال في حسنة شيئاً فقال انس كان شبهه برسول الله صلى الله عليه وسلم وكان الحسين من مخضوباً بالوسمة اءه والجواب عند المانعين بما في الحاشية وهذه عبارتها ظاهرة وان كان معاصراً لقوله عليه السلام جنبوه السواد (كما في سنن ابی داود باب الخضاب بلفظ واجتنبوا السواد في قصة اتيان ابی قحافة يوم فتح مكة، لكن المعنى كان مخضوباً بالوسمة الخالصة والخضاب بها وحدها لا يسود الشعر فاندفع التعارض بينهما لان المنهى عنه هو السواد البحت او كون السواد غالباً على الخفاء لا بالعكس ومنشأ الشريعة بنهيها ان لا يلتبس الشيب بالشباب والشيوخ بالشباب علان الحسين كان غازياً شهيداً فبالخضاب بالسواد جائز في الجهاد ج ۱ ص ۵۳، ثم ارانى جى المولى محمد اسحاق الحديث في البخاري هكذا حدثني انس بن مالك قال قال قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة وكان اسن اصحابه ابوبكر فغلفها بالخفاء والكتم حتى قنا (يعني احمر) لونها ص ۵۵ باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه الى المدينة اهـ،

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے (۱) بسلسلہ نمبر پائے سابقہ) بخاری میں امام حسینؑ کا مخضوب بالسواد ہونا مصرح نہیں، پس جس روایت میں سواد وارد ہے جیسا ۲ میں گذرا وہ ماقول سے مشابہت سواد سے (ذکرہ عن اللغات فی حاشیہ ابی داود باب الخضاب ص ۷۳) حضرت ابوبکرؓ کا حنا و کتم سے خضاب کرنا اور باوجود اس کے رنگ کا سرخ آنا جس سے ملے کی تائید ہوتی ہے، کہ وسمة کا استعمال مطلقاً مستلزم سواد نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ حرمت کی ادتہ قوی میں، اور جواز کی کوئی دلیل قوی نہیں، اس لئے عاتقہ علماء کا فتویٰ اس کی حرمت پر ہے، ۲۵ شوال ۱۳۴۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۹)

حکم خضاب | سوال (۲۸۴) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ مردوں کو سر میں اور دائرہ میں سیاہ خضاب لگانا از روئے شرع شریف جائز ہے یا کہ مکروہ یا حرام ؟
الجواب ، حرام ، کیونکہ اس پر کلیات و جزئیات و عید آئی ہے ،

کباروی مسلم عن جابر رضی قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا بی تحافۃ یوم فتم مکۃ و رأسہ و لحیتہ کالتغامۃ بیا ضاف قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر و اھذا بشی و اجتنبوا السواد و الامر للوجوب و ترک الواجب یوجب الوعید ، و روی ابوداؤد و النسائی عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یكون قوم فی اخر الزمان یتخضبون بہذا السواد کھو اصل الحمام لا یجدون راحۃ الجنة کذا فی المشکوۃ باب الترجل ،

۱۸۔ جماری الثانی ۱۲۹۹ (النور ذیقعدہ ۱۲۹۹ ص ۵۹)

رسالہ قول السداد فی الخضاب بالسواد

حکم خضاب | سوال (۲۸۵) اصلاح الرسوم باب اول فصل پنجم میں سیاہ خضاب کے متعلق جو بلیغ تحقیق ارقام فرمائی گئی ہے اس کے آخر میں یہ جملہ ہے ”اگر کسی کو زیادہ تحقیق ہو حسبہ اللہ وہ اس رسالہ کے حاشیہ میں ثبت فرمادیں“ چنانچہ اس جملہ کے حاشیہ میں لکھا ہے ”زاد المعاد میں تحریر ہے کہ خلفائے راشدین اور اجدہ صحابہؓ نے خضاب سیاہ کیا ہے ، یہی جواز کی دلیل کافی ہے“ (عبدہ) (اصلاح الرسوم مطبوعہ رزاقی کاپور ۱۳۲۸ھ)

سوال یہ ہے کہ آیا زاد المعاد میں یہ روایت ہے یا نہیں ، اگر ہے تو اصلاح الرسوم کی تحقیق کے مقابلہ میں اس کا کیا درجہ ہے ، اور باوجود صحت روایت کے خلفائے راشدین اور اجدہ صحابہؓ کا سیاہ خضاب استعمال کرنا ترہیب و تحذیف اعدائے دین کے لئے تھا یا محض زینت و جوانی کے اظہار کے لئے ، یعنی اوقات جہاد کے علاوہ اور اوقات میں استعمال کرنا بھی ثابت ہے یا نہیں ، نیز سیاہ خضاب اگر شرعاً ناجائز ہے تب بھی اس کی تجارت کیسی ہے ؟
الجواب ، چونکہ محشی پہچانے نہیں گئے ، اسلئے زاد المعاد کی طرف مراجعت کی ، چنانچہ حاشیہ کی چند کوتاہیاں ثابت ہوئیں ، زاد المعاد کی ضروری عبارت یہ ہے ،

فان قيل فقد ثبت فی صحیحہ مسلم النہی عن الخضاب بالسواد فی شان ابن ابی تحافۃ لما اتی بہ و رأسہ و لحیتہ کالتغامۃ بیا ضاف قال غیر و اھذا الشیب جنبو السواد

والکتم یسود الشعر فالجواب من وجهین احدهما ان النہی عن التلوین البحت فاما اذا اضعف الى الخفاء شیء اخر کالکتم ونحوه فلا بأس به فان الکتم والخفاء تجعل الشعر بین الاحمر والا سود بخلاف الوسمۃ فانها تجعله اسود فاحسب، وهذا اصح الجوابین، ...

الجواب الثانی ان الخضاب بالسواد المنہی عنه خضاب التدریس کخضاب شعر الجارية والمرأة الکبيرة تغیر الزوج والسید بذلک وخضاب الشیم یغیر المرأة بذلک فانه من الغش الخداع فاما اذا لم يتضمن تدلیسا ولا خیدا عا فقد صح عن الحسن والحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہما کانا یخضبان بالسواد وذكر ذلک ابن جریر عنہما فی کتاب تہذیب الآثار وذكرہ عز عثمان بن عفان وعبد اللہ بن جعفر وسعد بن ابی وقاص وعقبة بن عامر والمغيرة بن شعبہ وجری بن عبد اللہ وعمر بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین وحکاء عن جماعة من التابعین منهم عمرو بن عثمان علی بن عبد اللہ بن عباس ابوسلمة بن عبد الرحمن ابن الاسود وموسیٰ بن طلحة والزہری وایوب واسمعیل بن معدیکرب رضی اللہ عنہم اجمعین وحکاء ابن الجوزی وغریب بن دثار ویزید وابن جریر وابی یوسف وابن اسحاق وابن ابی لیلیٰ وزیاد بن علاقہ وغیلان بن جامع ونافع بن جبیر وعمر بن علی المقدونی والقاسم بن سلام رضی اللہ عنہم اجمعین (جلد ثانی فصل ادویۃ واغذیۃ بیان کتم بحت خضاب اسود)۔ وہ کو تباہیاں حاشیہ کی یہ ہیں:-

اول اس عبارت میں خلفائے راشدین میں سے صرف حضرت عثمان کا نام ہے، دوم ہیئت نقل موہم ہے، کہ اس میں اختلاف نہیں، حالانکہ اختلاف مصرح ہے، سوم، اس قول کے مرجوح ہونے کو نقل نہیں کیا، حالانکہ مصنف نے اس کی تصریح کی ہے، کہ اس کے مقابل قول کو اصح کہا ہے، پس یہ حاشیہ ایسا ہی دھوکہ کا ہے جیسے سیاہ خضاب،

یہ تو حاشیہ کے متعلق تھا، اب نفس مسئلہ کے متعلق عرض ہے کہ احادیث بھی قولی ہیں اور روایتی اباحت فعلی ہیں، اور قولی راجح ہوتی ہے فعلی پر، پھر احادیث قولیہ مرفوع ہیں اور احادیث فعلیہ موقوف یا اس سے بھی ادنیٰ، پھر احادیث ہی سند اقویٰ ہیں اور روایات اباحت قوت میں ان سے کم، پھر نہی میں لفظ سواد حقیقہ کے لئے متعین ہے اور اباحت میں محتمل مجاز کو، کیونکہ ادنیٰ سواد کو بھی سواد سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری مناقب حسن و حسین کے باب میں کان محضوئاً بالوسمة آیا ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں کہ وسمة خالصہ تھا اور وسمة مخلوط بالخمار وغیرہ کیلئے سواد لازم نہیں بلکہ اختلاف

ترکیب و تقدیم و تاخیر سے مختلف الوان پیدا ہو سکتے ہیں، پس سواد محض کا دعویٰ بے دلیل ہے، اور اگر کسی نے سواد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس کا یہی محل ہوگا، پھر خود بخاری جلد اول باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ کی ایک حدیث میں حنار و کتم سے جو اکثر روایات میں وارد ہے سرخ رنگ پیدا ہونا مصرح ہے، وہ حدیث یہ ہے:-

قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ فکان اسن اصحابہ ابوبکر فخلعها بالخناء والکتم حتی قنالونہا رای احمق،

پس ان وجوہ سے روایات اباحت معارض نہیں ہو سکتیں احادیث نہی کی، اور بعد تسلیم تعارض محرم کو ترجیح ہوتی ہے پہلی پر، پس قول راجح پر روایت و درایت سواد خالص میں بجز مستثنیٰ صورتوں کے اصلاً، گنجائش نہیں، واللہ اعلم،

یہ تو سیاہ خضاب استعمال کرنے کے متعلق تحقیق تھی، لیکن تجارت اس کی اس لئے جائز ہے کہ بعض صورتیں نہی سے مستثنیٰ بھی ہیں، مشتری ان صورتوں میں استعمال کر سکتا ہے، لیکن پھر بھی یہ تجارت خلاف اولیٰ ہے، مقت رسالہ قول السداد، (النور، ربيع الاول ۱۳۵۶ھ ص ۱۰)

سوال (۲۸۶) ڈاڑھی کا قصر کس قدر جائز ہے؟
اور منڈوانے کے احکام،
الجواب: مٹھی سے زیادہ ڈاڑھی کتر وانا جائز ہے، والقصر سنة فیہا وهو ان یقبض الرجل بحیة فان زاد منها علی قبضة قطعہ کذا ذکر محمد، عالمگیری جلد ۲ ص ۲۳۹، واللہ اعلم فقط، (امداد، ج ۲ ص ۱۳۵)

ایضاً سوال (۲۸۷) مسلمانوں کو ڈاڑھی کتر وانا یا مونڈنا، اور مونچھیں بڑھانا مشروع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے، مینو توجروا، فقط؟

الجواب: فلما روی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین اوفروا للی واللحی واخفوا الشوارب و فی رواية انہکوا الشوارب اعفوا اللحی متفق علیہ البتہ، مقدار قبضہ یعنی ایک مٹھی سے اگر ڈاڑھی زائد ہو جائے اس وقت کتر وانا درست ہے، چنانچہ عالمگیری میں تصریح کی گئی ہے، ۲۱ شعبان روز چہار شنبہ ۱۳۵۶ھ (امداد ج ۲ ص ۱۳۶)

ایضاً سوال (۲۸۸) کان اور پیٹری کے درمیان جو بال سر سے شروع ہو کر ڈاڑھی میں آتے ہیں اس میں سر کی حد کہاں تک ہے، اور ڈاڑھی کہاں سے شروع ہوتی ہے تاکہ سر منڈاتے ہوئے وہاں تک منڈایا جاوے، آیا کان کی پاٹری تک یا وسط کان تک یا بالائی حصہ کان تک؟

الجواب، فی رسالہ ہدایۃ النور و صلحہ در حدسہ داخل و ست و فیہا و صلحہ حدان از جانب یمن و بسیار تا استخوان صدغ ست اما صد عثمان داخل سرست کذا فی خزائن الروایات و صدغ مفعیست مابین چشم و گوش بالائے استخوان بلند رخسار کہ قریب گوش باشد و فیہا لحن عبارت است از استخوان بلند میان صدغ و رخسار احد

ان عبارات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کنپٹی کے نیچے جو بڑی اکھری ہوئی ہے یہاں ڈاڑھی شروع ہے اور اس سے اوپر سر، پس سر کی حد تک منڈانا درست ہے، اور ڈاڑھی کی حد سے درست نہیں ۱۶۰ سوال ۳۳۳ (تمتہ ثالثہ ص ۹۰)

ایضاً سوال (۲۸۹) مسلمانوں کو ڈاڑھی منڈانا اور مونچھوں کا بٹھانا کیسا ہے؟
الجواب، ایک تو ڈاڑھی کا منڈانا یا کٹنا معصیت ہے ہی، مگر اوپر سے اصرار کرنا اور مانعین سے معارضہ کرنا یہ اس سے زیادہ سخت معصیت ہے، اور معارضہ میں یہ کہنا کہ قرآن مجید اور احادیث میں اسکی حرمت یا مذمت کہیں نہیں آئی، تبلیغ محض ہے، کئی وجہ سے، اول تو اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کی تصریح قرآن و حدیث میں نہ ہو وہ اسکے نزدیک حکم شرعی نہیں ہے، سو خود یہی دعویٰ باطل ہے اور مبنی ہے اصول شرعیہ نہ جاننے پر، اپنے مقام پر بدل لائے۔ طے ہو چکا ہے کہ اصول شرعیہ چار ہیں، قرآن و حدیث و اجماع و قیاس۔ ان چاروں میں سے کسی ایک سے بھی جو حکم ثابت ہو وہ شرعی حکم ہے، اس کا رد جائز نہیں ہے، دوسری وجہ یہ کہ خود قرآن و حدیث میں اس کا ذکر بھی ہے، چنانچہ عنقریب واضح ہوتا ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کی نسبت صاف مادہ حرمت یا جس پر کوئی خاص وعید نہ آئی ہو وہ معصیت نہیں ہوتی، اور اس میں وعید نہیں ہے، تو یہ دونوں مقدمے غلط ہیں، اول مقدمہ اس لئے کہ بہت سے امور محرمہ میں ایسے الفاظ وارد نہیں اور وہ بالاتفاق معصیت ہیں، مثلاً خاص مسج کے اندر پانچا نہ پھرنے پر بالخصوص کہیں کوئی مذمت یا لفظ حرمت نہیں آیا، حالانکہ کوئی اس کی حلت کا قائل نہیں، اور نہ ہو سکتا ہے، اگر کہا جائے کہ ان کی تطیب و احترام کا امر اس حرمت کو مستلزم ہے، تو اسی طرح یہاں بھی اعفار لہجہ اور اعفاء شوارب کا امر اس کے خلاف کی حرمت کو مستلزم ہے، اور راز اس میں یہ ہے کہ اصل امر میں وجوب ہے، اور کئی فعل کا وجوب اس کی ضد کی حرمت کو مستلزم ہوتا ہے، یہ مسئلہ اصولیہ ہے اور عقل بھی صاف اس کی شہادت دیتی ہے، اور دوسرا مقدمہ اس لئے کہ اس کی مذمت نصوص میں وارد بھی ہے، :-

قال الله تعالى وان يدعون الا شيطانا مريدا لعنه الله وقال لا اتخذن من عبادك نصيبا مفروضا ولا ضلنهم ولا مئینهم ولا امرنهم فليبتكن اذان الانعام ولا امرنهم فليغيرن خلق الله ومن يتخذ الشيطان وليا من دون الله فقد خسر خسرانا مبينا، بعد ویمینهم وما یعد هم الشیطان الا غورا اولئک ما و لهم جہنم ولا یجودون عنها محیصا، وقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لعن الله النامصات والمتنصصات والواشحات والمستوشحات والمفتلجات للحسن المفیرات لخلق الله،

حدیث میں جن افعال کو تغیر خلق اللہ موجب لعن فرمایا ہے، ڈاڑھی منڈوانا یا کٹنا بالمشاہدہ اس سے زیادہ تغیر کا اتباع شیطان ہونا اور اتباع شیطان کا موجب لعنت موجب خسران و موجب وقوع فی الغرور، موجب جہنم ہونا منصوص ہے، اب مذمت شنیعہ شدیدہ میں کیا شک رہا۔ اور یہ قول کہ باطن درست رکھنا چاہئے، ظاہر کی درستی کی چنداں ضرورت نہیں، اس کے جہل ہونے کے لئے اتنا کہدینا کافی ہے کہ اگر کوئی باغی سلطان سے کہے کہ میں دل سے آپ کا مطیع و فرمانبردار ہوں، اور ظاہر کی درستی کی چنداں ضرورت نہیں، یا کوئی شخص کسی مجلس میں بول و براہ میں کپڑوں کو آلودہ کر کے آبیٹھے اور جب اس کو ملامت کریں، اور غسل اور تبدیل لباس کو ضروری قرار دیں وہ یہی کہہ دے کہ میرا باطن بالکل پاک و صاف ہے، اور ظاہر کی درستی کی چنداں ضرورت نہیں، تو کیا بادشاہ یا اہل مجلس اس عذر کو قبول فرمائیں گے، اگر نہیں قبول کریں گے اور یقیناً نہیں قبول کریں گے تو اہل شرع اس عذر کو کیونکر قبول کریں، اور حدیث خالفوا المشرکین الخ کی نسبت بعض کا یہ کہنا کہ اس زمانہ میں بہت سے مشرک ڈاڑھی رکھتے ہیں، اس لئے ہم ان کی مخالفت کے واسطے ڈاڑھی منڈواتے ہیں ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ احکام شرعیہ کے ساتھ جو کچھ کوئی مصلحت نہ کہو رہوتی ہے وہ کبھی عدلت ہوتی ہے، اور کبھی حکمت ہوتی ہے، عدلت کے ساتھ تو حکم و جوہر اور عداوت ہوتا ہے، لیکن حکمت کے ساتھ حکم و اصرار نہیں ہوتا، یعنی حکمت کے تبدیل سے حکم نہیں بدلتا، اور اس فرق کا سمجھنا یہ راسخین فی العلم کا خاصہ ہے، پس خالفوا المشرکین کا مقرون فرمانا بطور حکمت کے ہے، بطور عدلت کے نہیں ہے، حرمت کا نہ تغیر یعنی صورت کا بگاڑنا ہے نہ مخالفت و دلیل اس کی یہ ہے کہ بعض احادیث میں جو یہ حکم آیا ہے وہ اس سے مطلق ہے، جیسا کہ من لم یأخذ من شاربہ فلزیس من ذوالعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المختشین من الرجال میں، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی حاکم رعایا سے کہے کہ دیکھو قانون کو انو فلاں قوم کی طرح شورش مت کرو، تو کیا اگر وہ قوم اتفاق سے شورش چوڑ دے تو کیا اس حالت

میں رعایا کو اس قوم کے ساتھ اس میں بھی مخالفت کرنا چاہئے، اس بنا پر کہ اول اُن کی مخالفت کا حکم ہوا تھا۔ ۱۷ شعبان ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۳)

ایضاً سوال (۲۹۰) میری ٹھوڑی پر ڈاڑھی تھوڑی سی ہے اور دونوں کٹے صاف ہیں، وہ بول کانوں کے سامنے چار چھ بال ہیں، قلم کٹا کر اُن بالوں کو بھی کٹا سکتے ہیں یا نہیں؟
الجواب، نہیں۔ (تمتہ خامسہ ص ۲۳)

ایضاً سوال (۲۹۱) قلم کو بھی کٹنا چاہئے یا نہیں؟
الجواب، ڈاڑھی نکلنے کی عمر سے پہلے جو کانوں کے سامنے بال ہوتے ہیں وہ سر میں داخل ہیں اُن کا کٹنا مقراض سے جائز ہے، اور جو اس وقت نہیں ہوتے اُن کا کٹنا ناجائز نہیں۔
ڈاڑھی مونچھوں اور چوٹی وغیرہ کے احکام | یہ عنوان صفحہ ۱۲۳ پر آچکا ہے۔

ڈاڑھی کا حکم اور مقدار | سوال (۲۹۲) ڈاڑھی رکھنی کونسی سنت ہے، اُس کے تارک پر کیا حکم شرعاً جاری ہوگا، وہ جو کہتے ہیں کہ اگر ساری ڈاڑھی صاف کرے کچھ گناہ نہیں، یہ کیا بات ہے، سیاست اُس پر کیا حکم دیا جاوے گا؟

الجواب، ڈاڑھی رکھنا واجب اور قبضہ سے زائد کٹنا حرام ہے۔ لقولہ علیہ السلام خالفوا المشرکین اوفروا للہی متفق علیہ؛ فالدر المختار یحرم علی الرجل قطع لحیتہ وقیہ والسنة فیہا القبضۃ اھ اور کوئی سیاست خاص اس کے بارے میں منصوص نہیں دیکھی مگر مقتضی قواعد کا یہ ہے کہ تخریر دیا جائے۔

فی الہدایۃ فہن وطی اجنبیۃ فیما دون الفرج یعززلانہ منکر لیس فیہ شیء مقدرا
اقول العلة مشترکۃ فالملعول مثله واللہ اعلم۔

سوال (۲۹۳) سر میں پٹھے رکھنا یا خط بنوانا شرع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے؟

الجواب، فلما روی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأى صبیا قد حلق بعض راسه وترك بعضه فنہاھم عن ذلك وقال احلقوا کلاھ او اترکوا کلاھ رواہ مسلم،

(امداد، ج ۲ ص ۱۲۶)

سوال (۲۹۴) ناصیہ کے بال لینا غنوجا مت بنانا اور گردن موٹا بنانا، اور سینہ کے بال کترنا یا موٹا بنانا، اعلیٰ ہزاران وہا تمہ کے کیسا ہے؟

الجواب، ناصیہ یعنی مقدم راس کے بال لینا باقی چھوڑنا قزع میں داخل ہے، اور ممنوع گردن کے بال مونڈنا فقہاء نے مکروہ سمجھا ہے، سینہ اور ران کا مونڈنا درست ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، (امداد ج ۲ ص ۱۳۱)

سر کے بال کٹوانا | سوال (۲۹۵)، زید کہتا ہے کہ سارے سر میں بال رکھنا سنت ہے، اور بلا حج سر منڈوانا خلاف سنت ہے، اور خشخشے بال رکھانے والے کو سخت مخالف سنت خیال کر کے قابل ملامت کہتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سر منڈاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس فعل سے بھی منع نہ فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ سر منڈانا بھی غیر ایام حج میں سنت ہے، اور خشخشے بال رکھنے کی ممانعت نہیں، وہ اپنی اصل پہر میں گئے، اور اصل اباحت و جواز ہے، خشخشے بال رکھنا اقرون ثلثہ سے ثابت ہیں یا نہیں، اور ان کو جو زید بدعت کہتا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، اور ایسے بال رکھانے والا شرعاً قابل ملامت ہے یا نہیں؟

الجواب، سنت مطلقہ وہ ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت کیا ہے، ورنہ سنن زوائد سے ہوگا، تو بال رکھنا حضور کا بطور عبادت کے ہے نہ بطور عبادت کے، اس لئے اولیٰ ہونے میں تو شبہ نہیں، مگر اس کے خلاف کو خلاف سنت نہ کہیں گے، اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی نہ ہوتی یہ جائے کہ وہ حدیث بھی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ فرمانا یقینی دلیل ہے بال نہ رکھنے کی، جواز بلا کراعت کے اور خلاف سنت نہ ہونے کے، پس جس حالت میں بالکل منڈا دینا جائز ہے تو قصر کرانے میں کیا حرج ہے،

للاجتماع علی تساوی حکم القصر و الخلق لشعر الراس فی مثل هذا المحکوم والی
التساوی اشیر بقولہ تعالیٰ محققین، رؤسکم و مقصرین، واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۲ ص ۱۵۲)۔۔۔

سر کے بال کٹوانا | سوال (۲۹۶)، بعد اسلام مسنون عرض ہے کہ ایک خط مولوی اسحاق صاحب کا کوئٹہ بلوچستان سے آیا ہے، مضمون یہ ہے کہ آج بعد نماز مغرب حضور (شاہ ابوالخیر صاحب) نے فرمایا کہ یہ کتاب الاسرار لکھنی کہ ہم نے حیدرآباد سے منگائی ہے اور اس سے پہلے کہیں دنیا میں اس کی زیارت متبر نہیں ہوئی، مدینہ منورہ میں قبہ مشیخ الاسلام میں کہ سلطان روم کا کتب خانہ بے نظیر ہے اس میں بھی یہ کتاب نہیں دیکھی تھی، اس میں ہم نے ایک وہ مسئلہ دیکھا کہ ہم کو آج تک معلوم نہ تھا اور تم کو بھی معلوم نہ ہوگا، میں نے عرض کیا وہ کیا ہے، فرمایا کہ خشخشی بال جیسے تیرے میں اور

ہندوستان میں بہت مروج ہیں، یہ عمل قوم لوط کا ہے، اگر سر پر بال ہوں تو اس قابل ہوں کہ اُن میں مانگ نکالی جائے یا بالکل مُنڈائے جائیں، صرف یہ دونوں شکلیں مسنون ہیں، میں نے اُس وقت توبہ کی پھر فرمایا کہ اگر تم حلق کو دوست رکھتے ہو تو حلق کر لے رہو اور اگر فرق کو دوست رکھتے ہو تو اس نیت سے بالوں کی پرورش کرو، اور فرمایا کہ اس اثر کو لکھ کر مشہور کرو، اور میرے بھجودے۔ سب خادم توبہ کریں، اور خشخاشی بال نہ رکھیں، اور یہ بھی فرمایا کہ یہ رسم کن لوگوں سے اختیار کی ہے، میں نے عرض کیا نصاریٰ سے ماخوذ ہے، وہ اثر یہ ہے۔

من کتاب الکفی للذوالابی قال حدثنی ابراہیم بن الجندی قال حدثنی السہیثم بن خارجة قال حدثنا ابو عمران سعید بن میسرۃ الکبری الموصلی عن انس بن مالک قال انه دخل علیہ شاب قد سکن علیہ شعر لہ فقال مالک والسکینۃ افرقہ او جزہ فقال لہ رجل یا ابا حمزۃ من کانت السکینۃ قال فی قوم لوط قال کانوا یسکنون شعورہم ویضعون العلق فی الطریق والمنازل ویخذفون ویفرجون اقبیتہم الی خواصرہم انتہی، (سکینۃ الشعر بالوں کا سیدھا کھڑا چھوڑنا نہ مُنڈانا نہ مانگ نکالنی) خط کا مضمون یہاں ختم ہو گیا۔ مضمون بالا کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیے، کہ بالوں کا تلپچی سے تکرار انا جیسا کہ مروج ہے جائز ہے یا نہیں، اور مشابہت قوم لوط ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اثر مذکور کا کیا مطلب ہے، اگر ناجائز اور حرام ہے تو محققین رؤسہم او مقصرین کا کیا جواب ہے، یا یہ حکم خاص حجاج ہی کے لئے ہے، اور یہ بھی ارشاد فرمائیے کہ اگر بالوں کا کتر و انا جائز ہے تو تمام بال رکھنا اور مانگ نکالنا بہتر ہے یا حلق یا قصر، اور حلق سے قصر بہتر ہے یا نہیں، مفصل مدلل مع حوالہ بیان فرمائیے، کیونکہ اکثر لوگ حتیٰ کہ اکثر علماء بھی قصر کرتے ہیں، اگر یہ امر ناجائز ہو تو اس سے توبہ کی جائے، اور اگر جائز ہے تو اثر مذکور کا مطلب صاف صاف ثنائی تسکیر بخش ایسا ارشاد فرمایا جائے کہ اطمینان ہو جائے؟

الجواب، جواز تقصیر کا حج کے ساتھ مخصوص ہونا محتاج دلیل ہے، اور شاید کسی گوشت ہو کہ اس کی نسبت یاخذ من کل شعرة قدر الا نملة لکھا ہے، تو سمجھنا چاہئے کہ یہ مقدار ادنیٰ کی ہے مقصود نفس زائدہ کی نہیں ہے، چنانچہ رد المحتار میں بدائع سے نقل کیا ہے قالوا یجب ان یزید فی التقصیر علی قدر الا نملة الخ اور اس طرح ریح کی تخصیص بیان ادنیٰ کے لئے ہے، چنانچہ رد مختار میں توسیع ہے تقصیر الکل صد د ب پس وہ شیرین ہو گیا، اور فارق منتهی ہے، لہذا جواز عام ہے۔ اور اگر کوئی شخص اثر مذکور کو فارق کہے تو بایں وجہ صحیح نہیں کہ اثر مذکور ثبوتاً و دلالتاً بخدش ہونے کے علاوہ

مفید مقصود کو نہیں، اولاً یہ کہ جب تک اُس کے رواقہ کی توثیق نہ ہو اُس وقت تک اس کی صحت یا حسن ثابت نہیں، اور حدیث ضعیف حسب تصریح اہل علم کسی حکم شرعی کے لئے مثبت نہیں ہو سکتی، ثانیاً یہ کہ سکینہ کی یہ تفسیر جو سوال میں مذکور ہے محتاج دلیل ہے، خواہ لغت ہو یا نقل صحیح ہو، اور یہ دونوں امر بذمہ مستدل ہیں، تیسرے اس میں جزو کا لفظ بطور تخیل آیا ہے، اور جزو کے معنی لغت اور استعمال میں مطلق قطع کے ہیں مخصوص حلق کے ساتھ نہیں بلکہ مخصوص بالوں کے ساتھ بھی نہیں، چنانچہ مشکوٰۃ باب الترحیل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فقالت امی لا اجزها اور آگے اس کی علت فرمائی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمنہ اور ظاہر ہے کہ یہ علت مقتضی عموم معنی جزو کو ہے، اور شمائل ترمذی میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فاتی بجنب مشوی ثم اخذ الشفرة فجعل یجزلی، اس میں در نسخہ ہیں، عار اور جیم، اس سے عموم غیر شعر کے لئے ظاہر ہے۔ چوتھے ممکن ہے کہ یہ حکم مقید اس صورت کے ساتھ ہو کہ جب بال مانگ نکالنے کے قابل ہوں اور پھر مانگ نہ نکالی جائے جس کو تسدل کہتے ہیں جس کے باب میں حدیث میں آیا ہے:-

تسدل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ناصیہ ثم فرق بعد متفق علیہ، کذا فی

المشکوٰۃ باب الترحیل،

بخلاف اس صورت کے کہ چھوٹے چھوٹے بال ہوں، خواہ بڑے نہ ہوں یا کٹا دیئے ہوں، اس صورت میں یہ حکم نہ ہو، چنانچہ افرقہ او جزہ علی سبیل التخیل فرمانا اس منع بالمعنی الاصطلاح کی سند ہو سکتی ہے، کیونکہ تخیل موقوف ہے دونوں شقوں کے امکان عادی پر اور امکان فسق موقوف ہے بالوں کے بڑے ہونے پر یا نچوڑیں ممکن ہے کہ یہ نہی مخصوص ہو اس صورت کے ساتھ جب کہ اہل باطل کی وضع پر ہوں، جیسا اس وقت نئی فیشن ایجاد ہوئی ہے، یا یہ کہ کسی فساد کی نیت سے ہو، جیسا کہ دوسرے متعاطفات بھی اس یردال ہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ مضغ ملک اور قبار میں چاک دونوں پہلوؤں پر رکھنا بھی مطلقاً ناجائز ہو و لا قائل بہ پس ان وجوہ سے یہ اثر مخصوص یا مفسر جواز تقصیر کا نہیں ہو سکتا، بخلاف نہی عن القزع کے کہ بوجہ صحت حدیث کے اطلاق مطلق کو مفید کہہ سکتا ہے، پس تقصیر فی نفسہ بحالہ جائز رہا، البتہ عارض تشبہ سے جہاں تشبہ لازم آتا ہو بعض صورتیں ممنوع ہو جائیں گی، ہذا ما حضر لی

عہ المراد اصطلاح المناظرہ ۲، منہ

الآن ولعل الله يحدث بعد ذلك أمراً والله اعلم

۲۲۲ ریح الثانی ۱۳۳۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷۲)

سوال (۲۹۷) اخبار زمبندار مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۲۹ء میں ایک فتویٰ علماء دیوبند کا چھپا ہے، جس میں علاوہ اور خرافات اور دھوکہ دہی کے عورتوں کے سر کے بال کٹانے کا جواز صحیح مسلم باب التذلل المستحب من المار فی غسل الجنائز صفحہ ۱۴۸ سے نقل کیا ہے کہ بعض ازواج مطہرات بال کٹا کر مثل و فرہ کے کردیتی تھیں (ولفظ یاخذن من رؤسهن حتی تکنز کالوفرۃ) اب سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کے لئے بال کٹانے اور و فرہ کے مثل بنانے جائز ہیں یا نہیں اور کسی صحیح حدیث کے اندر بال کٹانے سے صاف ممانعت ہے یا نہیں، اور صحیح مسلم کی حدیث کا محل کیا ہے؟

الجواب، اس وضع مسئول عنہ کی حرمت پر دلائل صحیحہ قائم ہیں اور جواز کی دلیل میں چند احتمالات ہیں، اس لئے حرمت ثابت اور جواز پر استدلال فاسد، امر اول کا بیان یہ ہے کہ مبسنی اس وضع کا یقیناً تشبہ بالنسار الکفار ہے، جو اہل وضع کو مقصود بھی ہے، اور اس میں تشبہ بالرجال بھی ہے، گو ان کو مقصود نہ ہو، اور اطلاق دلائل سے یہ تشبہ ہر حال میں حرام ہے، خواہ اس کا قصد ہو یا نہ ہو، اور علاوہ تشبہ کے منع پر اور دلائل بھی قائم ہیں (کما سیاتی فی الجواب الآتی)، اور امر ثانی کا بیان یہ ہے کہ اولاً راوی نے اپنا مشاہدہ بیان نہیں کیا، اور گو راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے محرم ہیں، مگر نہ الفاظ حدیث شمول لعائشہ میں نص ہیں، نہ راوی دوسری ازواج کے محرم ہیں کہ شعور کا مشاہدہ کیا ہو، نہ کسی صاحب مشاہدہ کا نام لیتے ہیں، نہ صاحب مشاہدہ کا ثلقہ غیر ثلقہ ہو یا مطلق نہ یہ معلوم کہ اس نے تحقیق سے کہا ہے یا تخمین سے، بعض اوقات عورتیں بالوں کو ایسا متداخل کر لیتی ہیں کہ دیکھنے والے کو شبہ تخفیف شعور کا ہوتا ہے، ثانیاً و فرہ بقول اسمعیل لم یروی عنہ و فرہ اور لم یروی عنہ جو منکبیں سے لگتا ہو (نقلہ النووی) پس و فرہ منکبیں سے بھی نیچے ہوا، پھر ان شعور کو و فرہ نہیں کہا گیا۔ کالوفرہ یعنی مشابہ و فرہ کے کہا گیا، تو اس میں یہ بھی احتمال ہو گیا کہ و فرہ سے بھی نیچے ہوں بلکہ غور کرنے سے بھی احتمال راجح بلکہ مثل متعین کے ہے کیونکہ اگر و فرہ سے کم ہوتے تو اسکے لئے تو لغت موضوع ہے مثلاً لم یروی عنہ سے تعبیر کیا جاتا کہ و فرہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، اور و فرہ سے زائد کے لئے کوئی لغت نہیں، اس لئے اس کو کالوفرہ سے تعبیر کیا گیا، اور اس حالت میں اس میں یقیناً ذوائب و قرون ہی سکتے ہیں، غایت مافی الباب اور عورتوں کے قرون و ذوائب سے اس میں قدرے کمی

اور تخفیف ہوگی، تو حدیث کا مدلول نفی، قرون نہیں ہوا بلکہ تخفیف شعور ہوا، چنانچہ نووی نے کہلے،
فیہ دلیل علی جواز تخفیف الشعور للنساء اور غرض اس تخفیف سے ترک شعور زینت تھی،
کما قالہ النووی:-

عن عیاض و لعل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلن هذا بعد وفاته صلی اللہ
علیہ وسلم لتركهن التزين الخ

اور اس تخفیف کو اخذ کہنا صحیح، اور شعور کو من روہن کہنا صحیح ہے۔ ثالثاً اس سے قطع نظر
علی سبیل التنزل ممکن ہے کہ اس زمانہ میں یہ وضع رجال و نساء کے درمیان مشترک ہو، پس کجا
یہ وضع خبیث اور کجا صنیع ازواج مطہرات سے

کارپا کاں راقیاس از خود مگیر گریہ ماند در نوشتن شیر و شیر
مجنزہ را با سحر کردہ قیاس ہر دو برابر مکر بنہادہ اس اس
اطلاع:- کان هذا الجواب المذکور کتب اولاً فی ثانی رمضان بعبارۃ آخری ثم بدل
فی عاشر شوال بھذا العبارۃ تفصیلاً وتسهیلاً، فقط۔

اس کے بعد ایک خط اسی کے متعلق آیا جو مع جواب فیل میں منقول ہے

ایضاً سوال (۲۹۸) مجھے ذاتی طور پر حالات حاضرہ کے مسائل کے متعلق جناب کی کتاب خیالات
سے کافی طور پر واقفیت حاصل ہے، اور پوری موافقت ہے، صرف ایک مسئلہ یعنی عورتوں کو بال
کٹوانے کے متعلق مزید تحقیق مطلوب ہے، گو جناب کی تصانیف بہشتی زیور کے آخری حصہ اور
صفائی معاملات میں بالوں کے احکام کے ضمن میں آپ کا فتویٰ موجود ہے، کہ کترانا حرام ہے،
اور وہاں محل طور پر حدیث میں آنے کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن تسکین قلب، کیلئے اگر اس حدیث کا
حوالہ معلوم ہو جاوے تو جناب کا نہایت ہی شکر گزار ہوں گا، نیز ضروری ہے کہ کتب فقہ حنفیہ میں
بھی کہیں نہ کہیں اس کا ذکر ہوگا، اس کے لئے بھی توجہ فرما کر اس کتاب کا حوالہ عطا فرمادیں اور
اگر مزید طور پر اس مسئلہ پر اپنے محققانہ خیالات کا اظہار فرما سکیں تو باعث عنایت ہوگا،؟

الجواب، فی الدال المختار عن المجتبیٰ قطعت شعر راسہا اثمت ولعنّت زاد فی
البنزازیۃ وان یاذن الزوج لانه لا ساعۃ لمخلوق فی محصیۃ الخالق ولذا یحرم علی
الزوج قطع لحیۃ والمحفۃ المؤثرۃ الشبہ بالرجال اھ فی الاشبہ احکام الاثنی، فولسہ

و تمنع من حلق راسہا ای حلق شعر راسہا الی قوله والظاہر ان المراد بحلق راسہا زالتہ
سواء کان بحلق او قص او نتف او نورة فلیحرر والمراد بعدم الجواز کراہۃ التحريم لما فی
مفتاح السعادة ولو حلقت فان طعت ذلك تشبہا بالرجال فهو مکروه لانہا ملعونۃ اھ
وعن علی قال فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تحلق المرأة راسہا رواہ النسائی
(مشکوٰۃ باب الترحیل) قلت والحلق عام للقص ایضا کما ذکر فی شملہ الحدیث واللہ اعلم
اور اگر حلق عام بھی نہ ہوتا تب بھی چونکہ اس جدید فیشن میں اہل مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ سر کا
پیچھے کا حصہ منڈایا بھی جاتا ہے تو حلق بالمعنی الخاص بھی اس کو شامل ہوتا، اور تشبہ کا عارض اس کے
علاوہ ہے جس میں نہایت شدید و عیدیں وارد ہیں، اور جو وضع نصاً منہی عنہ ہے اس کو محقق بطلت
تشبہ کہنا بلا دلیل ہوگا۔ اس لئے وہ علی الاطلاق منہی عنہ نہ ہوگی، اس کا حکم تشبہ پر دائر ہوگا،

۲۷ رمضان ۱۳۸۷ھ (النور ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ ص ۱۱)

سریہاں رکھنا | سوال (۲۹۹) چہ می فرمایند علامہ ردین رحمہم اللہ درداشتن موئے سر ترک اُن
آیا سنت است یا مستحب یا مکروہ، اگر سنت باشد و فعل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم است
پس مکروہ گفتن اور اچھ حکم دایر دو قائل کراہت را چھ حکم۔؟

الجواب، سنت دو قسم است، سنت عبادت و سنت عادت، مطلق لفظ سنت بر قسم
اول اطلاق کردہ می شود و استحقاق و وعدہ ثواب و ترغیب بدان سہیں قسم منوط است و قسم ثانی
ہم خالی از برکت و دلیل محبت بودن نیست، لیکن مقصود جزو دین نہ باشد و اگر این قسم محل امرے
از مقاصد دین در حق شخصے شود اور از ازاں باز راشتہ شود پس باید دانست کہ موئے داشتن بر
سر سنت از قسم ثانی است بلا سبب حکم بکراہت نش کردن مو و ادب و موجب معصیت است اگر بوجھے
معتد بہ چنانکہ کسے را از موئے سر داشتن انہاک و ترغیب پیش آید یا وسوسہ در وصول آب در حالت
غسل از جنابت و غدغہ کند در حق ایں کس لاشک کہ ستر و نشن او لی گفتمہ شود و داشتن را مکروہ
خلاف اولی گفتن صحیح باشد چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ از خلفائے راشدین ہستند کہ باتباع ایشان مارا امر
فرمودہ شدہ خود می فرمایند کہ ہر گاہ و عید آب نہ رسیدن در جناب شنیدم سر خود را دشمن دارم، خلاصہ
جواب آنکہ ایں موئے داشتن فی نفسہ اولی است مگر جزو دین نیست و عارض خلاف اولی، واللہ اعلم

۱۰ شعبان ۱۳۸۷ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۵۶)

حجامت اور ناخن بنوانا جمعہ سے پہلے یا بعد میں | سوال (۳۰۰) ناخن کٹوانا، حجامت خط بنوانا وغیرہ

جمعہ کے دن جمعہ کے بعد افضل لکھا ہے (غایۃ الاوطار عن الاشباہ) بہشتی گوہر صفائی معاملات میں قبیل جمعہ بہتر لکھا گیا (اور یہی قیاس ہے) اختلاف کی وجہ کیا ہے، اور عمل کس پر کیا جائے یا تاویل کیا ہے؟
الجواب، شامی نے بعد الجمعہ کے قول پر اعتراض کیا ہے، وہ مخالف لما تذکرہ قریناً فی الحدیث، پھر آگے حدیث بیہقی کی نقل کی ہے، جس میں قبل ان یروح الی الصلوٰۃ مصرح ہو، پس ترجمہ قبل الجمعہ کو ہوئی۔ جلد خامس صفحہ ۸، رزیح الاول ۳۲ (تمتہ اولیٰ ص ۱۲۲)
 موئے زیر لب کا حلق و نتف برابر ہے | **سوال** (۳۰۱) ایک کتاب میں نظر پڑا ہے، در طلق و ترک موئے زیر لب کہ آنرا عنفقہ گویند اختلاف ست و افضل ترک آنست تا آنکہ در بعض روایات آمدہ کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ قبول نکرد و شہادت کسی کہ حلق می کرد آنرا، اما حلق طرفین عنفقہ لا باس بہ است لہذا فی مطالب المؤمنین و ذخیرہ، اور احیاء العلوم میں ہے:-

ونتف الفکھین بدعة و هما جنبتا العنقۃ شہد عند عمر بن عبد العزیز رجل کان ینتف فنیکھہ فرد شہادۃ،

لہذا جواب طلب یہ امر ہے کہ نتف کے معنی اٹکھانے کے ہیں، یا موندنے پر بھی استعمال ہو سکتا ہے؟

جواب، حکم دونوں کا ایک ہی ہے۔ (تمتہ خامسہ ص ۵۷)

حکم طلق موئے زیر لب | **سوال** (۳۰۲) خاکسار خط بنوانے میں پچی کے طرفین کا حلق کراتا ہے یہ ناجائز ہے یا جائز؟

الجواب، احتیاط اور معمول ترک حلق ہے۔

سوال (۳۰۳) اگر ذخیرہ و مطالب المؤمنین کی نقل عبارت صحیح ہے تو جواز پایا جاتا ہے اور اگر نتف بمعنی حلق بھی مستعمل ہے تو تطبیق کی کیا صورت ہے اور مفتی بہ مسئلہ کیا ہے؟

الجواب، مفتی بہ ہونے کی تحقیق کیلئے مراجعت کتب کی ضرورت ہے جس کی فرصت نہیں۔

رفع اشکال بر مسنون گفتن طلق تمام | **سوال** (۳۰۴) بہشتی گوہر مطبوعہ انتظامی پریس کانپور ۳۳۵ء کے صفحہ ۱۳۹ پر جناب کی یہ عبارت درج ہے کہ پورا سر منڈا دینا سنت ہے، اس کی بابت گزارش یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بجز موقع حج کے اور کبھی سر منڈانا حدیث یا سیر کی کسی کتاب میں درج ہے؟

الجواب، مطلب یہ ہے کہ اگر سر منڈا دے تو سنت یہ ہے کہ پورا سر منڈا دے بعض منڈانا بعض کا نہ منڈانا خلاف سنت ہے، اور مطلب یہ نہیں کہ پورا سر منڈانا بمقابلہ سر نہ منڈانے کے

سنت ہے۔ ۱۹ سوال سنگتہ ۱۴ (ترجیح خامس، ص ۱۵۹)
 ڈاڑھی کا فلسفہ اور سوال (۲۰۴) از افادات مبارکہ حضرت مولانا سید حسین صاحب مدنی
 اسکے رکھنے کا حکم شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مدظلہ العالی، مسلم قوم ایک مستقل و ممتاز ملت ہے جو تمام اقوامِ مہل سے بالکل علیحدہ فطرت سلیمہ کی حامل و مالک ہے، خدانے اس کو اقوامِ عالم پر شہید و عادل بنا کر بھیجا ہے۔

کذلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء على الناس ویكون الرسول علیکم شہیداً کہ تم خیر امتہ اخراجت للناس
 ہم نے تم کو ایک ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر شاہد ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہوں، تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے ظاہر کی گئی ہے، لیکن آہ! کہ یہ قوم اپنی دینی و مذہبی خصوصیات تو عرصہ ہوا کھو چکی تھی، آج اپنی تمدنی و معاشرتی امتیازات کو بھی فنا کرتی جا رہی ہے، رسم و رواج میں اہل وطن (ہندو) کی اتباع تمدن و معاشرت میں اہل مغرب (انگریزوں) کی تقلید مسلمان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتی جا رہی ہے، آج جب کہ دنیا کی ہر قوم اپنی زندگی اور اپنی قومی و ملی خصوصیات کے بقا و تحفظ کے لئے سرگرم عمل نظر آ رہی ہے، مسلمان اپنی قومی و ملی خصوصیات و امتیازات کو فرنگیت کے بھینٹے چڑھا کر ان ہی میں جذب ہوتی جا رہی ہے،

یا للعجب، کل جو قوم اقوامِ عالم کے لئے جاذب و مصلح تھی، وہ آج کس سرعت کے ساتھ دوسروں میں جذب ہوتی جا رہی ہے، اور اسی کو معیار ترقی خیال کیا جاتا ہے، حالانکہ اہل بصیرت کے نزدیک یہ انتہائی تنزل و انحطاط اور قومیت کے لئے زہرِ بلاہل سے کم نہیں ہے،
 ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میری بہتر کستان است

ڈاڑھی اسلام کے اہم شعار میں سے ہے، بلکہ انسانی و فطری اصول سے خواص برجولیت میں سے، لیکن انیسویں صدی کے سب سے زیادہ مسلمان ہی اس کی صفائی کے دپے میں اور اس طور سے قومی و ملی امتیاز سے قطع نظر فطرت و انسانیت کے لئے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ بن رہی ہے،

حال میں میرٹھ کالج کے ایک گریجویٹ کا ایک خط حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں آیا تھا، جس میں موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اسلامی تمدن و معاشرت کی پابندی خصوص ڈاڑھی رکھنے کی مشکلات کے اظہار کے ساتھ ڈاڑھی کے دینی و نبوی مصالح

اور حکم بھی دریافت کئے تھے،

حضرت مولانا نے باوجود در عیدیم الفرستی و نقاہت کے اس کا جو جواب مرحمت فرمایا وہ ڈاڑھی کے فلسفہ پر ایک محققانہ تبصرو ہے، جس کو ہم ناظرین کے استفادہ کے لئے شائع کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں،

مکتوب آمدہ از میرٹھ

جناب مولانا صاحب سلامت، آداب کے بعد عرض ہے کہ میں آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں امید ہے کہ آپ اپنے کثیر مشاغل کے باوجود مجھ پر کرم فرما کر جواب سے نوازیں گے؟ میں میرٹھ کالج میں پڑھتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ شریعت حقہ کی پابندی کروں، ان ہی شرعی پابندیوں میں سے ڈاڑھی ہے، جو الحمد للہ کہ میں ابھی تک رکھے ہوئے ہوں، مگر مولانا صاحب میں ڈاڑھی رکھ کر سخت پریشان ہو گیا ہوں، کیونکہ کالج کی فضا میں ڈاڑھی رکھنا گویا کہ سب اجبار کا مذاق اور طعنہ ہائے دل خراش مول لینا ہے، اس بنا پر کہتے ہیں کہ:-

(۱) ڈاڑھی سے آدمی بُرا اور خنگلی معلوم ہوتا ہے (۲) گوہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی رکھی تھی، مگر چونکہ اس وقت عرب میں رواج تھا اس لئے رکھی تھی مگر اب رواج نہیں اس لئے کوئی ضروری چیز نہیں (۳) آجکل مقابلہ کے امتحانات میں ڈاڑھی کی وجہ سے ناکامیابی ہوتی ہے، اس لئے کہ امتحان یہ سمجھتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہے، یا یہ کہ یہ اول فیشن کا آدمی ہے، بہر حال یہ اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان معترضین سے یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی کافی نہیں ہوتا، اس لئے آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ آپ دین و دنیا کے ماہر ہیں، آپ ڈاڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کی حکمتیں بتلائیں تاکہ میں اوروں کو بھی بتلا سکوں واقعہ یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ ہاں سنون ہے، مگر اب ضروری نہیں، اس لئے بھی آپ کے فتویٰ کا منتظر ہوں اور اسی پر عمل کروں گا، فقط،؟

جواب از حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مظلہ العالی

محترم المقام، زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، میں نہایت ہی عیدیم الفرصت ہوں، پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ بعض بیماریوں میں مبتلا ہو گیا، آج کچھ طبیعت سنبھلی ہوئی ہے تو مختصر کچھ عرض کرتا ہوں، مگر مقصد

پیش کرنے سے پہلے ایک ضروری تمہید پر آنجناب غور فرمائیں،
یونیفارم کی سیاسی حیثیت (الف) ہر نظام سلطنت میں مختلف شعبوں کیلئے کوئی نہ کوئی یونیفارم
 مقرر ہے، پولیس کا یونیفارم اور ہے، فوج کا اور ہے، سوار کا اور ہے، پیادہ کا اور ہے، بری فوج کا
 اور ہے، بحری فوج کا اور ہے، ڈاک خانہ کا اور ہے، ریلوے کا اور ہے، پھر افسروں کا اور ہے، ماتحتوں کا
 اور پھر اس پر مزید تاکید اور سختی یہاں تک ہے کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر یونیفارم میں کوئی ملازم
 نہیں پایا جاتا تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہے، خاص بادشاہی فوجیوں کا اور ہی یونیفارم ہے، نذر
 اور وزیر مقررین کا اور، یہ حال تو صرف ایک ہی سلطنت کا ہے کہ مختلف شعبوں میں علیحدہ علیحدہ یونیفارم
 رکھا جاتا ہے اور جس طرح ڈیوٹی دینے والا بغیر یونیفارم مجرم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی
 دوسرے شعبہ کا یونیفارم پہنکر آجائے اور افسروں کو اطلاع ہو جائے تو وہ بھی اسی طرح یا اس سے
 زیادہ مجرم قرار دیا جاتا ہے،

جس طرح بغیر یونیفارم کے آنے والا ملازم مجرم قرار دیا جاتا ہے، اور جس طرح یہ امر ایک
 نظام سلطنت اور حکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے اسی طرح اقوام و ملل میں بھی ہمیشہ اسکا
 لحاظ رکھا جاتا ہے، اگر آپ تفحص کریں گے تو انگلینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی، آسٹریلیا، امریکہ وغیرہ
 میں پائیں گے کہ وہ اپنے اپنے نشانات، جھنڈے، یونیفارم علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں، واقعہ کار شخص ہر
 ایک کے سپاہی کو دوسرے سے تمیز کر سکے گا، اور اسی سے میدان جنگ اور ملکی و سیاسی مقامات
 میں امتیاز کیا جاتا ہے، ہر قوم اور ہر ملت اپنے اپنے یونیفارم اور نشانات کو محفوظ رکھنا از حد
 ضروری سمجھتی ہے، بلکہ بسا اوقات اس میں خلل پڑنے سے سخت سے سخت وقائع پیش آجاتے
 ہیں۔ کسی حکومت کے جھنڈے کو گرا دیجئے کوئی تو بین کر دیجئے کہیں سے اکھاڑ دیجئے، دیکھئے کس طرح
 جنگ کی تیاری ہو جاتی ہے۔ یہ یونیفارم صرف لباس ہی میں نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی جسم میں بھی
 بعض بعض علامتیں رکھی جاتی ہیں، بعض قوموں میں ہاتھ میں یا جسم میں گودنا گودا جاتا ہے، بعض
 میں کان میں یا ناک میں چھید کر کے حلقہ ڈالا جاتا ہے، بعض میں بال باقی رکھے جاتے ہیں، بعض میں
 سر پر چوٹی رکھی جاتی ہے،

ترک شعادر کے نتائج | الغرض یہ طریقہ امتیاز شعبہائے مختلفہ اور اقوام و حکومت اور ملل کا ہمیشہ
 سے اور تمام اقوام میں اطراف عالم میں چلا آتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو کوئی محکمہ اور کوئی قوم اور کوئی
 حکومت دوسرے سے ممیز نہ ہو سکے، ہم کو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ فوجی ہیں، یا ملکی، پوسٹیں،

یا ڈاکو، یا ریلوے کا ملازم ہے یا بحری جہازوں کا افسر ہے، یا ماتحت جرنیل ہے یا منجبر، اس طرح ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ شخص روسی ہے یا فرانسیسی، امریکن ہے یا آسٹریین وغیرہ وغیرہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے،

(ب) جو قوم اور جو ملک اپنے یونیفارم کی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں منجذب ہو گئی حتیٰ کہ اس کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا، اسی ہندوستان میں یونانی آئے، سنہین آئے، افغان آئے، آریہ آئے، تاناری آئے، ترک آئے، مصری اور سوڈانی آئے، مگر مسلمانوں سے پہلے جو قومیں بھی آئیں، آج ان میں سے کیا کوئی ملت یا قوم باقی ہے، کیا کسی کی بھی ہستی علیحدہ بتلائی جاسکتی ہے، سب کے سب ہندو قوم میں جذب ہو گئے،

وجہ صرف یہ تھی کہ انھوں نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کر لیا، دھوٹی، چوٹی، سارسی رسم و رواج وغیرہ میں انہی کے تابع ہو گئے، اس لئے ان کی ہستی مٹ گئی، باوجود اختلاف عقائد کے سب کو ہندو قوم کہا جاتا ہے، اور کسی کی قومی ہستی جس سے اس کی امتیازی شان ہو باقی نہیں،

ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم کو قائم رکھا وہ آج اپنی قومیت اور ملیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں، پرشین قوم ہندوستان میں آئی، ہندو قوم اور راجاؤں نے ان کو مضام کرنا چاہا، عورتوں کا یونیفارم بدلوادیا، معیشت اور زبان بدلوادی، مگر مردوں کی ٹوپی نہ بدلی گئی بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجود و ممتاز ملت ہیں، سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی، سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو محفوظ رکھا، آج ان کی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے، انگریز سولہویں صدی کے آخر میں آیا، تقریباً ڈھائی سو برس گزر گئے، نہایت سرد ملک کا رہنے والا ہے مگر اس نے اپنا یونیفارم کوٹ، پتلون، ہیٹ، کالر، نکٹائی، اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا، یہی وجہ ہے کہ اس کو پینتیس کروڑ والا ملک اپنے میں مضام نہ کر سکا، اس کی قوم اور ملت علیحدہ ملت ہے، اس کی ہستی دنیا میں قابل تسلیم ہے، مسلمان اس ملک میں آئے اور تقریباً ایک ہزار برس کے زمانہ ہوتا ہے کہ جب سے آئے ہیں اگر وہ اپنے خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اسی طرح ہندو قوم میں نظر آتے جیسے کہ مسلمانوں سے پہلے آنے والی قومیں مضام ہو کر اپنا نام و نشان مٹا گئیں، آج بجز تاریخی صفحات کے ان کا نشان کثر زمین پر نظر نہیں آتا،

مسلمانوں نے نہ صرف یہ کیا کہ اپنا یونیفارم محفوظ رکھا، بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو مٹا کر اپنا یونیفارم پہنا نا چاہا، چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے، صرف یہی نہیں کہ پاجامہ، کمرہ، عبا، قبا

عمامہ، دستار محفوظ رکھا، بلکہ اسرارِ جلال و نسار، تہذیب و کلچر، رسم و رواج، زبان و عمارت وغیرہ جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا، اس لئے ان کی ہستی ایک مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی اور جب تک اس کی مراعات رہیں گی، رہیں گے اور جب چھوڑیں گے مٹ جائیں گے،

ترقی اقوام و ملل کا راز (ج) ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم، اس کا کلچر، اس کا مذہب، اس کی زبان و سروں پر غالب اور دوسرے ممالک اقوام میں پھیل جائے، آریہ قوم کی تاریخ پڑھو، فارسیوں کے کارنامے دیکھو، کلدانیوں اور عبرانیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرو، یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلابات کو غور سے دیکھو، دور کیوں جاتے ہو عربوں اور مسلمانوں کے اولوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں، زبان عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی، عراق، شام، فلسطین، مصر، سوڈان، الجزائر، تونس، مراکش، فارس، صحرائیہ، سینگال، حرت وغیرہ میں کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا، نہ مذہب اسلام سے، نہ اسلامی رسم و رواج سے، مگر عربوں نے ان ملکوں میں اس طرح اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب جاری کر دی کہ وہاں کی غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم اسی کلچر، اسی تہذیب، اسی زبان کو اپنی چیزیں سمجھتے ہیں، اسرائیلی قومیں، کلدانی نسلیں، عربی خاندان، ترک برادرین، بڑی بڑی ذاتیں وغیرہ وغیرہ، ان دیار میں سب کی سب منہضم ہو گئی ہیں، اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا کچھ علم بھی ہے تو وہ بھی خیال خواب ہے، سب کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں اور عربیت ہی کے وعید ادا ہیں۔ انگلستان کو دیکھئے، یہ اپنے جزیرہ سے نکلتا ہے، کنیڈا، آسٹریلیا، امریکہ، نیوزیلینڈ، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ وغیرہ وغیرہ میں پوری جدوجہد کر کے اپنی زبان اپنا کلچر اپنی تہذیب، اپنا مذہب، اپنا لباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے، جو لوگ اس کے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوتے وہ بھی اس کی تہذیب اور فیشن میں منجذب ہو جاتے ہیں، اور یہی حال ہندوستان میں روز افزوں ترقی پذیر ہے، ہندو قوم اسی سیلاب کو دیکھ کر اپنی وہ مردہ زبان سنسکرت جسکو تاریخ کسی طرح عام زبان ہندوستان یا کم از کم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتی، آج اس کی اشاعت کی کوشش کر رہی ہے، اس کا لیکچر ارکھڑا ہوتا ہے، اور فی صدی پچاس یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو ناقابل فہم بنا دیتا ہے، خود اس کی قوم ان الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی، اور بالخصوص اُس کا مذہبی واعظ تو تقریباً اسی تو ہے فی صدی الفاظ سنسکرت اور بھاشا کے بولتا ہے، بگربات یہ ہے کہ اس کی قوم اس کو بنظر استحسان ہی دیکھتی ہے، بڑے بڑے گروکل اور ویاپیٹھ اس زبان مردہ کو زندہ کرنے کے لئے جاری کئے جا رہے ہیں، حالانکہ روئے زمین پر کوئی قوم یا ملک اس زبان کا

بولنے والا موجود نہیں ہے، اور غالباً پہلے کسی زمانہ میں بھی یہ زبان عام پبلک کی زبان نہ تھی، وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ تمام ہندوستان میں اسی کے قدیمی رسم خط کو جاری کیا جائے، حالانکہ وہ نہایت ناقص رسم خط ہے، وہ اپنی انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ دھوتی باندھنا نہ چھوڑے، ایم، ایل، سی، ایم، ایل، اے، اسمبلی کا پریسڈنٹ، کونسل کا پریسڈنٹ، اس کی قوم کا جج، ڈپٹی، کلکٹر وغیرہ وغیرہ دھوتی باندھ کر، سہ کھول کر، قمیص پہن کر برسرِ اجلاس آتا ہے، حالانکہ دھوتی میں پاجامہ سے بدرجہا زیادہ کپڑا خرچ ہوتا ہے، پردہ بھی پورا نہیں ہوتا، سردی اور گرمی سے بھی پوری حفاظت نہیں ہوتی، باوجود ان سب امور کے پاجامہ پہننا اختیار نہیں کرتا۔ چوٹی سر پر رکھنا، جینیو لگانا، ضروری سمجھتا ہے، یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار قومی یونیفارم نہیں ہے؟ کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی صورت نہیں نکال رہا ہے؟ گرو نانک اور اس کے اتباع نے چاہا کہ اپنے تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں۔ تو بال کا نہ منڈانا، ڈارھی کا نہ کٹروانا یا نہ منڈانا، لوہے کے کڑے کا پہننا، کرپان کا رکھنا قومی یونیفارم بنادیا، آج اسی شعار پر سیکھ قوم ٹھہری جاتی ہے، اس گرم ملک میں طرح طرح کی تکالیف ہستی ہے مگر بالوں کا کٹروانا یا منڈانا قبول نہیں کرتی، اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے دنیا سے اُس کی امتیازی ہستی اور قومی موجودیت فنا کے گھاٹ اُتر جائے گی،

مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کہ کسی قوم اور مذہب کا **ڈارھی اسلام کا شعار ہے** | دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہو سکتا ہے اور باقی جب ہی

رہ سکتا ہے جب کہ وہ اپنے لئے خصوصیات وضع قطع میں، تہذیب و کلچر میں، بود و باش میں، زبان اور عمل میں اختیار کر لے، اس لئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد، اخلاق و اعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیاویہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا، اور ہے، خصوصیات اور یونیفارم مقرر کرے، اور ان کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہو، ان کے لئے جان لٹا دے، اس کی وہ خصوصیات اور یونیفارم خداوندی تابعداروں اور اہل بندوں کی یونیفارم ہوں، جن سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں سے متمیز اور علیحدہ ہو جاوے، اور ان کی بنارس پر باغیان بارگاہ الہیت میں تمیز ہو کرے، چنانچہ یہی راز من تشبہ بقوم فہو منہم کا ہے، بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصہ آجاتا ہے، اسی بنارس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعداروں کیلئے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمائے، کہیں فرمایا جاتا ہے ”ہم میں اور مشرکوں میں فرق ٹوپوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے فرق مابینا و بین المشرکین العمامۃ علی القلائس (راو

کما قال، اسی بنا پر مخالفت اہل کتاب مانگ نکالنے میں اختیار کی گئی ہے، اسی بنا پر ازار اور پاجامہ میں ٹخنے کھونٹنے کا حکم کیا گیا، تاکہ اہل تکبر سے تمیز ہو جائے، اسی طرح بہت سے احکام اسلام میں پائے جاتے ہیں، جن کے بیان میں بہت طول ہے اور جن میں یہودیوں سے، نصاریٰ سے، مجوسیوں سے، مشرکوں سے امتیاز اور علیحدگی کا حکم کیا گیا ہے، اور ان امور کو ذریعہ امتیاز بنایا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو مردوں اور مردوں کو عورتوں سے علیحدہ علیحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے، اور عورتوں کے یونیفارم میں رہنے والے مرد اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے والی عورت کو لعنت کی گئی، انہی امور میں سے عربی میں خطبہ جاری کرنا بھی ہے، اور انہی امور میں سے مونچھ کا منڈوانا اور کتروانا اور ڈاڑھی کا بڑھانا بھی ہے۔

(۱) صحیح بخاری اور مسلم میں ہے خالفوا المشرکین وفروا للہی واعفوا الشوارب، مسلم، جزو الشوارب وارحوا للہی خالفوا المجوس، بخاری، ص ۵۵، من لم یاخذ من شاربہ فلیس منا (ترمذی، نسائی)

ان روایات کے مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین اور مجوس ڈاڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے، جیسا کہ آج عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے، اور یہ امر ان کے مخصوص یونیفارم میں داخل تھا، بنا بریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کا جو کہ ان کے یونیفارم کے خلاف ہو، حکم کیا جائے، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کا ڈاڑھی بڑھانے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل اس زمانہ میں عرب کے اس رواج کی وجہ سے ہے جو کہ اس میں جاری تھا کہ ڈاڑھیاں بڑھاتے تھے، اور مونچھیں کٹاتے تھے غلط ہے، بلکہ اس زمانہ میں بھی مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا۔

جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوس کا تھا، اسلئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف یونیفارم دیا جائے تاکہ تمیز کامل ہو، اسی طرح حدیث عَبَسَ مِنزَ الْفُطْرَةِ قَعَصَ الشَّارِبِ وَاعْفَاءُ الذَّحِيَّةِ النَّمْرُ (ابوداؤد ص ۵۵ وغیرہ) بتلا رہی ہے۔

خداوندی کے خاص خاص مقربین اور ندیموں (انبیاء اور مرسلین علیہم السلام) کے یونیفارم میں سے مونچھوں کا کتروانا اور ڈاڑھی کا بڑھانا ہے، کیونکہ فطرت انہی امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے ہے، جیسا کہ بعض روایتوں میں بجائے لفظ فطرت کے (من سنن) یا اس کا ہم معنی موجود ہے،

خلاصہ یہ نکلا کہ یہ خاص یونیفارم اور شعار ہے جو کہ مقرران بارگاہ الہیہیت کا ہمیشہ سے یونیفارم رہا ہے اور پھر دوسری قومیں اسکے خلاف کو اپنا یونیفارم بنائے ہوئے ہیں (جو کہ اللہ تعالیٰ کو قہرین کو توڑ نیوالی اور اس کے بغاوت کر نیوالی ہیں) اسلئے دو وجہ سے اس یونیفارم کو اختیار کرنا ضروری ہے (۳) علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسب اقتضا فطرۃ اور عقل لازم ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آقا کا سنا رنگ دھنگ چال چلن صورت، سیرت، فیشن، کچر وغیرہ بنائے، اور اپنے محبوب آقا کے دشمنوں کے فیشن اور کچر سے پرہیز کرے، ہمیشہ عقل اور فطرۃ کا تقاضا ہی رہا ہے، اور یہی ہر قوم اور ہر ملک میں پایا جاتا ہے، آج یورپ سے یورو کر لئے زمین پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟ واقعات کو دیکھئے، اس بنا پر بھی جو ان کے خصوصی شعار اور فیشن ہیں ہم کو ان سے انتہائی متنفر ہونا چاہئے، خواہ وہ کرزن فیشن ہوں یا گلیڈ اسٹون فیشن ہوں، خواہ وہ فریج ہو یا امیر خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن، خواہ وہ زبان سے متعلق ہو یا تہذیب عادات سے، ہر جگہ اور ہر ملک میں یہی امر طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے کہ دوست کی سب چیزیں پیاری ہوتی ہیں اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور اوپری، بالخصوص جو چیزیں دشمن کی خصوصی شعار ہو جائیں،

اس لئے ہماری جدوجہد یہ ہونی چاہئے کہ ہم غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے فدائی بنیں، نہ کہ غلامانِ کرزن و بارڈنگ، فرانس و امریکہ وغیرہ،

باقی رہا امتحانِ مقابلہ یا ملازمتیں یا ایک آفس کے ملازموں کے طعنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے کہ سکھ امتحانِ مقابلہ بھی دیتے ہیں، چھوٹے اور بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں، اپنی وردی پر مضبوطی قائم ہیں، کوئی ان کو ٹیڑھی اور بنگلی آنکھ سے بھی نہیں دیکھ سکتا، باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لئے ہوئے غرار ہے ہیں، اسی طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد و خاندان پائے جاتے ہیں، پٹیل کی ڈاڑھی کو دیکھئے، اور برہمنوں سماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا معائنہ کیجئے، یہ سب باتیں ہماری کمزوریوں کی ہیں، فقط (النور ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ص ۱۵)

سوال (۳۰۵) جو لوگ ہندو سے مسلمان ہوتے ہیں انکے ختنہ کرا دیئے جائیں تو دلپسی سے یعنی ارتداد سے ایک قسم کی روک ہو جاتی ہے لیکن پردہ فرض ہے اور ختنہ مسنون ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو بالغ اشخاص مسلمان ہوئے ان کے ختنہ کرا نا کہیں نظر سے نہیں گذرا، جناب کو زیادہ واقفیت ہوگی، امید ہے کہ جواب سے جلد مطلع فرمائینگے

الجواب، زمانِ برکت اقتراں نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اسکے متعلق کوئی نقل صریح نظر سے

نہیں گنری، لیکن نصوص میں اطلاق ہو، اور صغیر اور کبیر میں کوئی فرق نہیں کیا گیا، اسی سے بعض فقہاء نے ختان کبیر کو بھی لکھا ہے، اور بشرط امکان نکاح خاتمہ یا شرائع خاتمہ کا حکم کیا ہے، اور جب یہ متعذر ہو اس شرط کو بھی ساقط کیا ہے کہ ذاتی کتاب الخطر والاباقہ من الدر المختار و رد المحتار، اور فرض ستر ضرورت میں ساقط ہو جاتا ہے، اور سنت کی ضرورت مباح کی ضرورت سے بڑھ کر ہے، اور تداویٰ محض مباح ہے اس کے لئے نظر اور مس جائز ہے تو اس کیلئے بالاولیٰ، ۵۱ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۲۵) فتنبہ کا اعلان بہتر ہے یا اخفاء | سوال (۳۰۶) اصلاح الرسوم میں ختان کے اعلان اور اسکے لئے تداویٰ

کو منع کیا ہے، اور مدخل میں ختان ذکر کے اظہار کو اور ختان جاریہ کے اخفاء کو سنت کہا ہے؟
الجواب، اصلاح الرسوم میں منع کی دلیل بھی لکھی ہے، اسلئے اس پر عمل متروک نہ ہوگا، اس دلیل میں مطلق ختان وارد ہے، لہذا حکایتہ فعل پر بھی محمول نہ کیا جاوے گا، باقی مدخل میں جس اظہار کو مسنون کہا ہے وہ معنی عدم اخفاء ہے، مطلب یہ کہ اخفاء کا اہتمام نہ کیا جاوے چنانچہ اس کا تقابل اخفاء ختان جاریہ سے اس کا قرینہ ہے تو اس سے اعلان معنی اہتمام تداویٰ کا جائز ہونا لازم نہیں آتا (ترجمہ خامسہ ص ۱۴۹) آدمی بڑا ہو جاوے اور فتنبہ کا تھم نہ ہو | سوال (۳۰۷) ما قولکم دام فضلكم ایہا العلماء العظام (الافاضل) تو ترک متنبہ کا حکم | الکرام فی رجل کان عیسویاً ثم تشرف بقبول الاسلام بصمیم قلبہ

وہو یقول انی رجل کبیر السن اخاف من ضرر الختان فسامحونی عنہ ان تسامحونی عنہ ابنائی ایضاً اللذان ہما کبیران یتشرفان بقبول الاسلام والافہما الذین قبل الاسلام و یبقیان علی الکفر فہل یسامح عن الختان فی ہذہ الصوۃ امر بیکرہ و یجبر علیہ و یجعل ہو مرتداً و یتقی ابنائہ علی الکفر، بیضوا بالتفصیل توجروا بالاجرا الجزیل، ؟

الجواب، یسامح عنہ لوجہین الاول عدم تحمل نفسہ لہ ومن لا یطیق یتربک ختانیہ بتصریح الفقہاء، کما فی الدر المختار والکنز والخلاصۃ والخانیۃ والسراجیۃ والہندیۃ جامع احکام الصغار وغیرہا بالفاظ متقاربۃ، شیخ اسلام وقال اهل النظر لا یطیق الختان ترک النقی، وهذا دخل فی من لا یطیق لان الطاقۃ ہی ما بالک جسم بالنفس فلما لم تطق نفسہ دخل فیمن لا یطیق وقول الفقہاء ینختن بالاتفاق، کما فی الذخیرۃ والکافر اذا سلم ینختن بالاتفاق ملخا نصہ دین الاسلام وهو بالغ مشروط بالطاقۃ بدلیل الروایات الاخری والثانی تالفہ وتالف اولادہ علی الاسلام کما شرط بنو ثقیف ان لا یجاہدوا و اجازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صرح العلماء فی شرح حدیث بریرۃ بتحمل او فی الضررین لدرء اشدہما،

۴۵ محرم ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۲)

ختان بعد بلوغ | سوال (۳۰۸) اگر کسی کا ختنہ نہ ہوا ہو تو بعد بلوغ کے ختنہ کراتا کیسا ہے؟
الجواب، فی الدل المختار کشیفہ اسلم و قال اهل النظر لا يطبق الختان ترك ايضاً الى قوله ووقته غير معلوم وقيل سبع سنين الخ، في رد المختار تحت قوله سبع وقيل لا يخن حتى يبلغ لانه للطهارة ولا تجب عليه قبله (ج ۵ ص ۳۳)، وفي الدل المختار ايضاً لا يحتاج الى قوله وكذا نظرقابة وختان آخر في رد المختار وكذا اجزم به في الهداية والخانية وغيرهما وقيل ان الاختتان ليس بضرر لانه يمكن ان يتزوج امرأة او يشتري امة تختنه ان لم يمكن ان يخن نفسه الخ (ج ۵ ص ۳۶۵)

ان عبارات سے چند امور مستفاد ہوئے ہیں بلوغ کے بعد بھی ختنہ کا حکم ہے بل اس صورت میں شرط یہ ہے کہ وہ اس کا متحمل بھی ہو، ورنہ چھوڑ دیا جائیگا بل اس ضرورت سے اس کے بدن کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا حسب جزم ہدایہ خانیہ وغیرہا جائز ہے، گو بعض نے اختلاف کیا ہے، وقد حفظت عن شیخی ومولائی المولوی محی یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمہ الجواز،

۶ رجب ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۴۹)

غنا و مزامیر اور لہو و لعب و تصاویر کے احکام

شطرنج کا حکم | سوال (۳۰۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ نہ دہائے شطرنج معنی آیہ کریمہ یأتھا الذین امنوا انما الخمور والانساب الکلیۃ میں داخل ہے یا صرف لہو و لعب فعل عبث ہی، اور بحالت فرصت کوئی شخص تفریح کی راہ سے اوقات بیکاری میں مشغول شطرنج کا کربے تو مرتکب گناہ کبیرہ مثل خمر و میسر کے ہی یا فعل عبث و یہودہ ہی، اور معنی انصاب کے محققانہ تحریر فرمائیے اور صاحب مذہب شافعی کا کھیلے تو اذروئے مذہب شافعی مرتکب کبیرہ گناہ کا ہوگا، اور شطرنج زمانہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی یا نہیں، اور مسئلہ شطرنج قیاسی ہے یا منصوص، کتب حدیث و تفسیر وفقہ سے بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیے، بنوا توجروا؟

الجواب، اگرچہ شطرنج انصاب میں جو معنی بت کے ہے داخل نہیں مگر دو مسئروں لائل سے حرم ہے، اگر مع القمار ہو تو بالاجماع لقولہ تعالیٰ انما الخمور والانساب الکلیۃ اور بدوین قمار کے ہے تو مع الاختلاف، یعنی ہمارے نزدیک اس وقت بھی حرم ہے،

لا تملق ما ردی صاحب الهدایۃ لقولہ علیہ السلام من لعب بالشطرنج والذو شیر

فكانما غمس يده في دماء الخنزير و لقول علي بن الحسين مرقوم يلعبون بالشطرنج فقال
ما هذا التاميل التي انتم لها عاكفون و روى مثل هذا عن عمرو بن ايضاح بن مسهر
يقوم يلعبون بالشطرنج وقد تشبه علمهم بعبادة الاوثان اذ غاية البيان ۱۲ وعن عبد الله
بن عمر انه قال للقاسم بن محمد هذا النرد ذكرتها فما بال الشطرنج قال ما هي
عن ذكر الله عز الصلوة فهو الميسر و تحريم زيلعي ۱۳ ولما في رد المحتار و الطمطر في معناه
شدرنج و انما كره لان من اشتغل به ذهب عنه الدنيوى و جاءه العناء الاخرى فهو
حرام و كبيرة عندنا و في اباحة امانة الشيطان على الاسلام و المسلمين كما في الكافي و المستند
ولما في تفسير الاحمدى وان كان بدون القمار فالنرد حرام بالاجماع و الشطرنج حرام
عندنا اهـ

اور جو کہ بعض کتب حنفیہ میں اس کی نسبت مکروہ لکھا ہے، مراد اس سے مکروہ تحریمی ہے،
جو عملاً مثل حرام کے ہے استحقاق عقوبت ناری میں، اگرچہ علماً فرقی ہے کہ منکر اس کا کافر نہیں، کہا
صریح بہ فی رد المحتار پس ہمارے نزدیک ارتکاب اس فعل حرام کا موجب استحقاق عذاب جہنم ہے،
اعاذ اللہ منہ، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں حرام نہیں، لیکن مکروہ ہے، چنانچہ امام
نوویؒ شافعی نے شرح مسلم میں تصریح فرمائی ہے، و اما الشطرنج فمذہبنا مکروہ لیس بحرام
اور بعض کتب میں جو ان کی طرف نسبت اباحت کی ہے، وہ اباحت مقابل حرمت کے ہے جو ظاہر ہے
کہ اہمیت کو، لہذا مرآۃ المفہم، اور یہ کہ اہمیت بھی مقید چند شرائط کے ساتھ ہے، کہ نماز و جواب سلام
غافل نہ کرے اور قمار نہ ہو اور بہت نہ کیجے ورنہ ان کے نزدیک بھی حرام ہے،

لما فی التفسیر الاحمدی و مباح عند الشافعی بشرط کونه غیر مانع من الصلوة
ورد السلام و کونه غیر مقصور و مکثر منہ، اقول قولہ مباح او مکروہ کما مر ۱۴
اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں، بلکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ
یہ نرد سے بھی بدتر اور قمار سے زیادہ غفلت میں ڈالنے والی ہے، جس کی حرمت متفق علیہ ہیں، چنانچہ
ہے وقال لنوعی وقال مالک و احمد حرام، قال مالک هو اشر من النرد و النہی عن المیسر
بہر حال اقول تو ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک حرمت اس کی متفق علیہ ہے، اور اگر امام شافعیؒ
نزدیک مکروہ بھی ہے تو چند شرائط سے، کہ وہ شرائط غالباً اس زمانہ میں مفقود ہیں، کہا ہو مشاہد غیر
نفسی، اور اگر مفقود نہ بھی ہوں تب بھی استحقاق و رد ام سے مکروہ حرام ہو جاتا ہے اور اگر نہ بھی ہو

تو ایک مجتہد کے مقلد کو دوسرے امام کی تسلیک یا محض واسطے اتباع ہوئی کے حرام ہے اور داخل ہو جائے و عیذ یقولون ان اوتیتہم هذا فخذوه وان لم تؤتوہ فاحذروا و قوله تعالیٰ اتخذوا دینہم لعبا ولہو الا یہ میں۔ پس تقریر بالا سے واضح ہوا کہ شطرنج آیہ انما الخمر والمیسر میں مفہومًا تو داخل نہیں، مگر حکماً یا تحریراً داخل ہے، لہذا امر من قول علی رضی اللہ عنہ التماثل الخ اور حالت فرصت میں بھی کھیلنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باعتبار مذہب کے اور شافعی کے نزدیک باعتبار فقدان شرائط اباحت اور اتباع ہوئی کے حرام ہے اور نفس حرمت میں مثل خمر و میسر کے ہے، اگرچہ بعض وجوہ سے تفاوت ہے، یوں تو خود محرمات منصوصہ میں بھی من کل الوجوہ مساوات نہیں، بعض اشد ہے بعض سے کما جاء ان الغیبة اشد من الزنا اور یہاں محض عبثیت و لہویت علت حرمت نہیں، اگرچہ وہ بھی کافی ہو سکتی ہے، لقولہ علیہ السلام ما انہا لک عن ذکر اللہ فہو میسر ہدایہ ای حکماً ۱۲ اور جو اصل سے شافعی المذہب ہو اور کھیلے تو وقت فقدان شرائط حرام ہے ورنہ مکروہ مگر استحقاق ضرور حرام ہے، اور ظاہراً معاموم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں شطرنج تھی، کما مر فی الحدیث المروی عن الہدایہ، اور اگر نہ بھی ہو تو آپ کو وحی سے اس کا رواج مکشوف ہو گیا ہوگا، اس لئے اس کا حکم ارشاد فرمایا۔ اور مسئلہ شطرنج بقول صاحب ہدایہ تو منصوص رسول ہے، اور صحابہ کی تصریح میں تو کلام ہی نہیں، جن میں دو خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی داخل ہیں، جن کا اتباع مامور ہے،

حیث قال علیہ السلام علیکم بسنتی وعلیما اللہ شدین وعضوا علیہا بالنواجذ تب بھی مثل منصوص کے ہوگا، اور اگر قیاسی ہی سہی تو قیاس بھی تو ادا شریعہ سے ہے بلکہ اکثر مدار فقہ و دین کا یہی ہے، اس پر بھی عمل واجب ہوگا، غرض حیلہ سے جواز ثابت ہونا ممکن نہیں، اور معصیت کو تاویل رکیک سے جائز نہ کرنا اشد ہے اس سے کہ معصیت جان کر کرے و حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

ترجمہ کہ صرف نہ بد روز باز خواہست نان حلال شیخ زآب حرام ما
اگرچہ تاویل باطل کر کے عوام خلایق سے عقب گزاری ممکن ہے، مگر خدا کے تعالیٰ کہ عالم الشرائع
ہے، اس سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

خلق را گیرم کہ بفسریدی تمام در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
کار با خلق آری جملہ راست با خدا تنویر و حیلہ کے رواست

یعنی کیونکہ مکر وہ بھی قسم مذموم کی ہے، اور استحقاق مذموم کا ظاہر ہے کہ اشد ہے ۱۲ منہ

کار ہا اور راست باید داشتن رایت اخلاص و صدق افراشتن
اللهم ارنا الحق حقاً وزقنا اتباعه والباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، واللہ اعلم وعلیہ السلام
(امداد، ج ۲ ص ۱۳۶)

بزرگوں کی تصویر رکھنا | سوال (۳۱۰) مرتع حضرت سیدنا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت
غوث الاعظم محمد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر بزرگان کا رکھنا اور ان پر فاتحہ و درود بھیجنا
و پھول چڑھانا یا مکانوں میں مثل دلی لگانا اور تعظیم کرنا درست ہے یا نہیں، امید کہ اس کے جواب سے
مطلع فرمائیں، یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ۔

الجواب بتصور جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں مرتع کہتے ہیں، احادیث صحیحہ کی رو سے
اس کا بنانا رکھنا سب حرام ہے، اور اس کا ازالہ اور محو کرنا واجب ہے، اس لئے کہ اس کے یہ
معاملات سخت گناہ ہیں، واللہ اعلم، یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۵۷)
حکم نو نوگراف | سوال (۳۱۱) آجکل جو باہر نو نوگراف بکھرتے ہر قصہ و بہانہ میں پھیل گیا، آیا یہ منکر
و معاذ فیہ داخل ہے یا نہ، اس میں قرآن شریف بھی بھرتے ہیں، یہ فعل قرآن مجید کی بے ادبی ہے یا نہ؟
الجواب، یہ جس صورت کی حکایت ہے اس کے غلطی عنہ کا سا اس کا حکم ہے، مثلاً اگر اس میں
معاذت و مزامیر یا غناء اجنبیہ کی صوت بند ہے، سننا حرام ہے، اور اگر کوئی صوت مباح ہے تو
سننا مباح لیکن قرآن کا بند کرنا ایک عارض خارجی کی وجہ سے کہ ہمیں و تلو ب بالقراءان ہے
ناجائز ہے، ۲۰ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۱ ص ۱۷۷)

ایضاً | سوال (۳۱۲) آگہ نو نوگراف جو مثل انسان کے باتیں کرتا ہے اس میں دو قسم کی آوازیں
بھری ہوتی ہیں، ایک تو کلام اللہ دوسرے راگ بابے وغیرہ، پھر دونوں کی دو صورتیں ہیں، ...
ایک تو یہ کہ بعض لوگ اپنی آمدنی کیلئے بازار میں رکھتے ہیں، اور مقدار معین سننے پر ایک پیسہ اجرت
لیتے ہیں، دوسری یہ کہ کوئی آسودہ شخص شوقیہ مختلف قسم کی آوازیں بھروا کر اپنے یہاں رکھ لیتا
ہے، اور بھی خود اور بھی دوست احباب کو سناتا ہے، پہلی صورت میں راگ بابہ وغیرہ کا کیا حکم ہوگا،
اور کلام اللہ سننے کا کیا حکم از روئے شرع ہوگا، اور جو شخص اس سے کماتا ہے وہ عامی ہوگا یا نہیں اور جو
پیسہ دیکر سننا ہو وہ عامی ہے یا نہیں اور دوسری صورت راگ بابے میں کیا حکم رکھتی ہے، اور کلام اللہ کی صورت
میں کیا حکم ہے، اگر اس صورت میں کلام اللہ کو ناجائز قرار دیا جائے جیسا کہ بعض لوگ یہاں کہتے ہیں، تو
بندہ کا یہ اعتراض ہے کہ اگر یہی آگہ امام غزالی وغیرہ بزرگان دین کے وقت میں ایجاد ہوتا اور ان کے

مواعظ اس میں اب تک محفوظ ہوتے تو بڑے بڑے علماء اس وقت میں ضرور سنتے، بلکہ اجرت کبھی سنتے۔
الجواب، اس مسئلہ میں دو مقام پر کلام ہے، اول یہ کہ جس صوت کو اس میں بند کیا گیا ہے اس کا کافی نفسہ سننا جائز ہے یا نہیں، دوسرا یہ کہ جس صوت کا کافی نفسہ سننا جائز ہے آیا کسی عارض کی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے یا نہیں، سو امر اول کی تحقیق یہ ہے کہ اگر رگ باجہ اس میں بند کیا گیا تو اس کا سننا اور سننا مناسب ناجائز ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ حکایت محلی عنہ کے بالکل مائل ہو، تو جو مفاسد مذاری سماع محلی عنہ کے ہیں وہی مفاسد حکایت میں پائے جاتے ہیں، مثلاً تحریک قوی شہویہ وغیرہ اور یا اگر تامل کیا جائے تو حقیقت میں یہاں حکایت و محلی عنہ کا تفاوت ہی نہیں، بلکہ وہ صوت بعینہ مسموع ہوتی ہے جس سے ہوا متکیف ہو جاتی ہے، جیسا اصل تکلم کے وقت بھی سننے کی ہوا علت ہے، اور اس کو ماہر طبعیات بہت آسانی سے مان سکتا ہے، بہر حال ناجائز ہو سکتا ہے اور اگر قرآن یا کوئی وعظ یا کوئی کلام صالح السماع اس میں بند کیا گیا ہو تو اس کا سننا فی نفسہ جائز ہے، اب یہاں امر دوم کی تحقیق کی ضرورت ہوگی کہ کلام جائز السماع فی نفسہ کا سننا کسی عارض سے ناجائز ہو سکتا ہے یا نہیں، سو اس میں تفصیل یہ کہ اس کا متذکریت پر ہے، اگر مقصود تلہی تلوی ہے، سو جس کلام کو آلہ تلوی و تلوی بنانا جائز نہیں، اس کا سننا اس عارض کی وجہ سے ناجائز ہوگا، جیسے قرآن و نحوہ، ورنہ جائز ہوگا جیسے کوئی قصہ مباحہ و مشابہ، اور غالب عادت سے یہ محظوم ہوتا ہے کہ اس میں قرآن سننا اکثر کو مقصود نہیں ہوتا، اور وہ غلط کے مضامین خود بالسماع ہوتے ہیں، لہذا قرآن سننے کو منع کرینگے اور سماع وعظ و قصص مباحہ کو جائز کہیں گے، جب جائز و ناجائز کی تحقیق ہوگی پس جائز کا سننا اور سننا ناجائز، اور ناجائز کا سننا سننا ناجائز اور ناجائز پر اجرت بھی لینا جائز اور ناجائز پر ناجائز اور جس کا لینا ناجائز اس کا بلا اضطراب دینا بھی ناجائز اور جس کا لینا جائز دینا بھی جائز اس سے تمام صورتیں مستعمل عنہا کا جواب ہو گیا، فقط واللہ اعلم۔

۸ اردی الحجۃ ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷۸)

فونوگراف تحقیق سن بلا وضوح سوال (۳۱۳) فونوگراف جو ایک آلہ نقل الصوت ہے، اس میں تقاریب پیسٹ خاک قرآن پر انغمات موسیقی اور قرار سے رکوعات قرآنی مجید کی آوازیں ایک خاص ایجاد سے بند کی جاتی ہیں اور پھر یہی اصوات تنہائی میں، مجالس میں، تماشگاہوں میں آلہ مذکور کو کمر سنتے ہیں تو اس طرح قرآن مجید کی آواز کا اس میں بند کرنا اور پھر فونوگراف سے سننا درست ہے یا نہیں اور فونوگراف باجائز یا کلام مقدس کی اس قسم کی آواز قرآن ہوگی یا کیا کہیں گے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں، والقوان فی المصاحف مکتوب فی القلب

محفوظ و علی لالسن مقرو، یہ تعریف آواز مذکور میں لفظی میں صادق آئے گی یا اثبات میں بھی یہ امر قابل گذارش ہے کہ جس آلہ سے اس کی پلیٹ پر صوت بھری جاتی ہے اس سے اس کی پلیٹ پر کچھ خطوط و دائرہ کے طور پر بنجاتے ہیں اور جب اس کی مشین چلائی جاتی ہے تو اس کا ایک پیرزہ جس کے آخر میں ہیرے کی کئی لگی ہوتی ہے وہ کئی ان دو دائرہ پر گشت کرتی ہے اور اس سے صوت پیدا ہوتی ہے، وہ خطوط آپس میں کچھ ممتاز نہیں معلوم ہوتے بلکہ ہر پلیٹ پر خطوط بلیساں سے معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ فی الواقع کچھ تباہ ہو، لیکن محسوس نہیں ہوتا، چلانے والے کو یا ورٹنر پرتا ہے کہ اس ہیئت پر فلاں چیز منقش ہے اور اس پر دوسری چیز آپس ان نقوش کا کیا حکم ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ چونکہ یہ آلہ بھروسے نہ تکرار اس لئے بھرنے اور سننا خلافت ادب قرآنی ہے، لیکن اگر کوئی بھروسے تو اس پلیٹ کا بغیر وضو کے چھونا جائز ہے یا نہیں، اور تعریف قرآن کی اس پر صادق ہے یا نہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ آلہ خود باجا نہیں ہے، بلکہ حفص نقل صوت کرتا ہے، اگر باجا بھرا جائے تو باجے کی آواز نکلتی ہے، ورنہ جو بھرا جائے، اس لئے مطلقاً باجا نہیں کہا جاسکتا، بہر حال امید ہے کہ اس کی نسبت حضرت اقدس اپنی رائے تحریر فرمائیں گے۔

الجواب، ان نقوش میں جب تک پڑھ جانے کی صلاحیت ثابت نہ ہو حروف مکتوبہ کے حکم میں نہیں، اس لئے ان کا مس کرنا محدث و جنب کو جائز ہے، جیسا دماغ میں ارتسام الفاظ قرآنیہ کا ہوتا ہے اور اس دماغ کا مس کرنا جائز ہے، البتہ اگر وہ پڑھ جانے لگیں تو اس وقت ولایت و صیغہ غیر لفظیہ کی وجہ سے انکو حکم حروف مکتوبہ کا دیا جائیگا، یہ حکم تو نقوش کا ہے، اور جو آواز اس سے نکلتی ہے وہ تلاوت نہیں ہے، بلکہ نقل اور عکس تلاوت کا ہے، مشابہ صورت طیر اور صدا کے، پس اس کا حکم بھی تلاوت کا سا نہ ہوگا، مثلاً بنا بر روایت درختار، غیرہ اس کے استماع سے تجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا۔ اور آپ کی یہ رائے صحیح ہے کہ اس کا حکم باجہ کا سا نہیں ہے، بلکہ تابع ہوگا محکی عنہ کے جواز و عدم جواز میں لیکن چونکہ اس تلہی ہی اس عارض کی وجہ سے قرآن بھرنے میں جائز نہ ہوگا، اسی طرح سننا بھی، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۲۴ شوال ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۸۳)

حکم سماع قرآن از گراموفون | سوال (۳۱۴) یہاں اکثر حضرات جو تعلیم یافتہ طبقہ سے ہیں یہ کہتے ہیں کہ گراموفون میں اگر صرف قرآن شریف مجسم ہو جائے یا میں تو کچھ مضائقہ نہیں اس لئے مختلف تاویلیں پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ گراموفون کے ذریعہ سے ہم بہت سے مشہور قاریوں کی قرأت گھڑ بیٹھے سن سکتے ہیں، اب اگر وہ قاری دنیا سے راہی ملک عدم بھی ہو جاویں تو اس کی قرأت بجنسہ ہمارے

پاس محفوظ رہ سکتی ہے، اور ہم یہ خطہ اس سے حفظ عاریس کر سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ ہم چاہتے ہیں کہ روزِ مقررہ کسی اچھے قاری سے قرأت سنیں، لیکن ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم ہمیشہ ایک قاری مکان پر رکھیں ایسی صورت میں گراموفون باجا ہماری خواہش بہت آسانی سے پوری کر سکتا ہے،

یا وہ لوگ جنہوں نے قرآن شریف مطلق نہیں پڑھا ہے وہ کم از کم اس بابہ کے ذریعہ سے تلاوت قرآن شریف سن کر فائدہ حاصل کر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ، استفادہ یہ ہے کہ گراموفون بابہ خریدنا اس کا بجانا، خود سننا، دوسروں کو سننا درست ہے یا نہیں، قرآن پاک کے ریکارڈ بجانا اور سننا درست ہے یا نہیں، اور اس میں قرآن شریف کی اہانت ہے یا نہیں؟

الجواب، احکام کبھی شے کی ذات پر نظر کر کے مرتب ہوتے ہیں اور کبھی عوارض پر نظر کر کے، اور ان دونوں قسم کے احکام کبھی باہم مختلف بھی ہو جاتے ہیں، پس اگر اس آئہ من حیث الالہ کی ذات پر نظر کیا جائے تو حقیقت اس کی بابہ نہیں، لہذا نہ ضرب یا قرع یا غمزہ سے نہیں بچتا، اور نہ اس میں کوئی خاص صوت ہے، بلکہ یہ حکایت ہے اصوات کی جیسے گند میں صدا، یعنی آواز بازگشت کی پیدا ہو جاتی ہے، اس کو کوئی بابہ نہیں کہتا، پس وہ حکم میں تابع ہوگی صوت ٹکلی غمزہ کے، اگر صوت معارف و مزامیر کی ہے، اس کے حکم میں ہے، اور اگر وہ مشروع ہے، یہ بھی مشروع، اگر وہ غیر مشروع ہے یہ بھی غیر مشروع ہے، یہ تو تفصیل ہے حکم کی، اس کی حقیقت پر نظر کرنے کے اعتبار سے، اور اگر اس حقیقت کے ساتھ عوارض پر بھی نظر کیا جائے تو یقیناً عام طور پر متعین ہوتا ہے، ہر طرف میں، حتیٰ کہ قرآن مجید بھی اس سے جو سننا جاتا ہے تو بطور شغل و تفریح کے ہو کہ حقیقت ہی ہوگی، اور چونکہ حکم اکثر کا ہوتا ہے لہذا اگر کوئی شاذ و نادر مصالح مذکورہ فی السؤال کی نیت سے سنے، اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ ان عوارض پر نظر کر کے منع ہی کیا جاوے گا، جیسا کہ ایک حدیث میں دفن پر اس مضمحل مدح نبوی کہے پڑھنے سے ممانعت وارد ہے، وفینا بنی یعلم ما فی غدا،

اس تقریر میں سب شبہات کا جواب ہو گیا، پھر جب استعمال کا عدم جواز اس عارض کی سبب ثابت ہو گیا تو خریدنا اور بجانا اور سننا اور سننا کو قرآن مجید ہی کا ہو سب کے لئے ہی عدم جواز ثابت ہو گیا، ۵ رجب ۱۳۸۵ھ (حوالہ خامس ص ۴۸)

حکم سماع گراموفون | سوال (۳۱۵) یہ عریفہ اس وقت اسلئے لکھ رہا ہوں کہ گنگوہ سے جناب حافظ محمد یعقوب صاحب کا ایک خط میں مضمون کا آیا تھا کہ گراموفون اور فونو گراف کا رد و ارجل گھر گھر ہو رہا ہے اسکے متعلق مفصل فتوے کا ضرورت ہے، اُن کا خیال ہے کہ اسکو طبع کہ

تقسیم کریں، اس ضرورت کیلئے احقر نے جناب کا فتویٰ اداوریہ دیکھا، تو حوادث الفتاویٰ مطبوعہ میں اس کے متعلق حضرت نے کافی بحث فرمائی، جسکو دیکھ کر اطمینان ہوا، لیکن ایک غلجان باقی رہ گیا، کہ حضرت نے گراموفون کو محض ایک آلہ حاکمیت صوت مثل دیگر آلات حاکمیت ٹیلیگراف و ٹیلیفون قرار دے کر اس کے سننے سنانے کو اصل محلی عنہ کے تابع فرمایا ہے، اس میں یہ غلجان باقی ہو کہ عام عرف و عادت اور اس کی وضع و مقصد کے لحاظ سے یہ محض آلہ حاکمیت معلوم نہیں ہوتا، بلکہ منجملہ آلات تلہی و تلعب اور موازن و مزامیر کے معلوم ہوتا ہے، عام طور پر زبانوں پر اس کا لازم بھی پایہ پکارا جاتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس سے حکایت صوت کا کام لیا جاسکے، سو یہ تو کچھ نہ کچھ درو ستارہ وغیرہ میں بھی ہوتا ہے، گوا تنا صاف نہ ہو، اور اسی وجہ سے ہندی مثل مشہور ہو، تانت باجی راگ پایا، بالخصوص بار مومیم باج میں تو تقریباً صاف آواز پیدا ہو جاتی ہے، یہ صحیح ہے کہ یہاں احداث صوت جدید ہو اور وہاں بحیثیت ہوائے متکلیف کا حاصل کرتا ہے بھی ایک درجہ میں احداث صوت کہلا سکتا ہے، الغرض عرف و عادت اور عام طور پر اس کی وضع و استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی منجملہ آلات تغنی کے ہے، ٹیلیفون کی طرح آلہ حاکمیت نہیں، اسلئے اصوات مباہج بھی اس کے اندر مباح نہ ہونا چاہئے، اور یہ خیال ہوتا ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ عام آلات تغنی اور گراموفون میں وہی فرق ہے جو عام آلات تصویر کشی اور فوٹو گرافی میں، کیونکہ عام طور پر مصوّر ایک حسب دل خواہ صورت کا احداث اپنی طرف سے کرتا ہے، اور فوٹو گراف ایک محلی عنہ کے تابع ہوتا ہے اور اس کے عکس کو جو غیر قائم تھا، مصالحوہ کے ذریعہ سے پائیدار بنا دیتا ہے، لیکن عکس کو پائیدار بنانے ہی کا نام تصویر کشی، کھلا جاتا ہے اور فوٹو گراف اور قدیم طرز کی سے، بری کو یہ امر ناجائز قرار دیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ عکس جس وقت تک عکس تھا جائز تھا، اور جب بذریعہ فوٹو اسکو قائم کیا گیا تو اب یہی عکس تصویر کہلا گیا، اسی طرح ایک جائز کلام جب تک اپنی اصلی صورت میں تھا، وہ ایک کلام تھا کہ حسن و قبح و تسبیح و تہلیل جب اس آلہ کے ذریعہ اس کو قائم کر کے اعادہ کیا گیا تو یہی ایک تغنی و تہلیل ہے، امید کہ جواب باصواب سے مطمئن فرمایا جاوے۔

الجواب، شبہ کے منشاء کے قابل توجہ ہونے سے دل خوش ہوا، اس لئے توجہ کر کے مقالہ کی توضیح کرتا ہوں، میں نے اپنی تقریر میں اباحت حکایت پر صرف اباحت محلی عنہ سے استدلال نہیں کیا بلکہ اس میں ایک قید بھی ہے، جو غایت شہرت کے سبب محتاج تصریح نہیں، وہ قید یہ ہے کہ اس حکایت سے نہی وارد نہ کی گئی ہو، اس سے شبہ کا جواب حاصل ہو گیا، کیونکہ حکایت صورت حیوانیہ (یعنی تصویر)

سے نہیں وارد ہے، اسی طرح حکایتِ صوت بواسطہ آلاتِ معازف و مزامیر منہی عنہ ہے، فافتراق المقیس والمقیس علیہ، ورنہ مطلق حکایتِ صورت تو آئینہ اور پانی میں بھی ہے، اور حکایتِ صوت گنبد کی صدا میں بھی ہے، اور اس میں حرمت نہیں، اگر شبہ کیا جاوے کہ فونو گراف میں بھی حکایتِ صوت بذریعہ آلاتِ اہل محرم ہے تو وہ بھی منہی عنہ ہوتی۔ اس مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ یہ غیر مستقیم ہے، اس لئے کہ ملاہی غیر محرم وہ ہیں جہاں خود ان ملاہی کی صوت بخصوصہ مقصود ہو، گو اس میں کوئی خاص لہجہ بھی منقسم کر لیا جاوے، جیسا ہارمونیم میں ایسا انضمام ہوتا ہے، اور گراموفون میں خود اس آلہ کی صوت بخصوصہ مقصود رہے۔ باکر مقصود اصل صوت محلی عنہ ہے، جس کا اس آلہ کے ذریعہ سے محفوظ کر کے اعادہ کیا جاتا ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ گراموفون میں جو نہایت بند کر کے پیدا کی جاتی ہے اگر اصلی محلی عنہ پر قدرت ہو جاوے تو پھر اس آلہ کی طرف اس وقت التفات بھی نہ کیا جاوے، بخلاف ہارمونیم وغیرہ کے کہ ایسے وقت بھی اس سے قطع نظر نہیں کی جاتی، اور راز اس کا یہ ہے کہ گراموفون کی خصوصیت نے اس صوت میں حظ نہیں بڑھایا، لہذا اصل کے ہوتے ہوئے اس کا قصد نہیں کیا جاتا، اور ہارمونیم کی خصوصیت کو حظ خاص میں داخل ہے جو سادہ استماع میں منقسم ہے، اس لئے اصل کے ہوتے ہوئے بھی اس کا قصد کیا جاتا ہے، اس سے عاف ثابت ہو گیا کہ یہ ان ملاہی میں سے نہیں جنکی صورت بحدود ہما مقصود ہوتی ہے، اور حرمت ایسے ہی ملاہی کیساتھ مخصوص ہو کما ذکر۔ رہا یہ شبہ کہ اس کو عرف میں باجہ کہتے ہیں، اول تو اطلاق عرفیہ سے حقائق و احکام شرعیہ پر استدلال نہیں ہو سکتا، پھر جس ہے کہ باعتبار کثرت فی الاستدلال فی اللہ کے اس کو باجا کہا جاتا ہو لیس اسکی حرمت مطلقہ میں کوئی دخل نہیں، اگر یہ کہا جاوے کہ علاوہ اطلاق عرفی کے نمونہ اضع کا قصد بھی اس سے تہلی ہے، جواب یہ ہے کہ اس میں واضح کا قصد موثر نہیں بلکہ محض کے قصد کا اعتبار ہو۔ غور فرمایا جاوے اگر نہیں سمجھ رہا تھیں غزاة کا جن کو فقہاء نے جائز کہا ہے، واضح نے قصد تہلی بنایا ہو اگر استعمال کرنے والا قصد صحیح اس سے کام لے تو کیا اس کو محض بنا برنیت واضح ناجائز کہا جا سکتا ہے، اگر کہا جاوے کہ اگر استعمال کرنے والے کا قصد بھی تہلی کا ہو، مگر خاص انہی ریکارڈوں کا استعمال کرے جن میں اصوات مبارکہ محفوظ ہیں تو کیا اب بھی حرمت کا حکم نہ ہوگا، حالانکہ قصد تہلی کلی ہے جواب یہ ہے کہ تہلی حرام نہیں ہوتی، حدیث میں آہوں سے تین چیزوں کے جواز کے لئے استثناء فرمایا گیا ہے، اور اصل استثناء میں اتصال ہے، الا بدیل والا بدیل، اس سے معلوم ہوا کہ جس تہلی میں کوئی مفسدہ ہو وہ حرام ہے اور جس میں کوئی غرض صحیح ہو، کما فی التائید المذکورہ، وہ محمود و مطلوب ہے، اور جس میں

نہ کوئی مفسدہ ہو نہ غرض صحیح ہو وہ عبت اور خلاف اولیٰ ہے، پس حکایت صوت مباح میں کوئی مفسدہ تو ہے نہیں ورنہ وہ صوت مباح ہی نہ ہوتی۔ اب رد احتمال رہ گئے، اگر غرض صحیح ہے جیسے کہ محقق عالم بیہد المکان کا وعظ بنہ ہو، اس کی حکایت محمود ہوگی اور اگر غرض صحیح نہیں تو عبت اور خلاف اولیٰ ہے۔ اخیر میں ایک ضروری تنبیہ کلی بھی محروض ہے، وہ یہ کہ تفصیل مذکور خلوعن العوارض کی حالت میں ہی، ورنہ اگر کوئی ماریض مع حجب سے پایا جا رہے، جیسا مباح کی اجازت منقضی ہو جاوے ابتلاء فی المحکم کی طرف تو اس صورت میں بھی بعبرہ میں داخل ہو کر واجب المنع ہو جاوے گا۔ ایک دوسری تنبیہ جزئی بھی واجب الذکر ہے جس کو احقر نے جوابی الہامی لکھ لکھ کے فتویٰ میں ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ قرآن (قصہ علی)۔ سنا اس میں اسلئے حرام ہے کہ طاعت کو آلہ تلبیٰ بنانا حرام ہے، اور اگر تلبیٰ مقصود نہ ہو تب بھی تشبہ سے اہل تلبیٰ کے ساتھ، لہذا اجازت نہ ہوگی، جیسے ماندہ پر ظروف شربت کو بہیت ظروف نمبر رکھنے کو فقہاء نے حرام فرمایا ہے۔

۵۔ شعبان ۱۳۸۱ھ

تمتہ سوال بالا: گراموفون کے متعلق حضرت والا کی مفصل تحریر دیکھ کر اصل مسئلہ میں تقریباً شفا ہو گئی اور یہ سمجھ میں آ گیا کہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں، لیکن عورتا خلیجان اس فرق میں باقی رہ گیا ہے جو حضرت نے جملہ معازف و مزاج راو گراموفون کے درمیان فرمایا ہے، وہ یہ کہ گراموفون کی صوت بھی مخصوصہ مقصود معلوم ہوتی ہے (کما سائر المعازف) اس کی صوت میں ایک قسم کی گونج پیدا ہو کر نسبت سادہ استماع کے ایک حظ کا اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ بہت سے وہ آرمی جن کے سامنے اگر اہل صوت اپنی اصلیت پر پیش کی جاتی تو وہ اس پر کان لگاتے، اور اس آلہ میں بند ہونے کے بعد نہایت ذوق و شوق سے سنتے ہیں، تاہم نایج رنگ وغیرہ میں اصل محلی عندہ پر قدرت ہونے کی صورت میں اس آلہ کی طرف توجہ نہیں رہتی، جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہاں خط صوت کو ساتھ دوسرے خطوط نفس بھی جمع ہو جاتے ہیں، نایج رنگ اور گانے بجانے کے سوا اور جنہوں کے متعلق عام حالات پر نظر ڈالتے ہوئے یہ خیال ہوتا ہے (واللہ ورسالہ وقرآن) کہ اگر ایک طرف اصل وعظ ہوتا اور دوسری طرف گراموفون میں اسی وعظ کی حکایت ہو تو بہت سے آدمی اسی کی طرف جھک پڑیں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کی صوت مخصوصہ مقصود ہی، مثل سائر المعازف،

(۳) اخیر میں تنبیہ جزئی کے تحت میں جو حضرت نے اتمام فرمایا ہے (اگر تلبیٰ مقصود نہ ہو تب

بھی تشبیہ پر اہل تہمتی کے ساتھ، لہذا اجازت نہ ہوگی، اس کا مقتضی بھی عموم منع معلوم ہوتا ہے، کیونکہ موانع عطا اور ان کے امثال جو مطلوب فی الدین ہیں ان کے ساتھ بھی نہیں اور تشبیہ بابل التہمتی منع کرنے کے قابل ہیں اگرچہ تہمتی بالقرآن کی حد تک نہ پہنچیں، اسلئے اگر کوئی شخص غرض صحیح کے ساتھ بھی سنتا ہو، تب یہ تشبیہ مانع جواز نہیں،

(۳) تنبیہ کلی کے تحت میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے، اس کا مقتضی بھی حالات و واقعات کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے استماع سے مطلقاً منع کیا جاوے، کیونکہ اس کی کسی خاص صورت کی اجازت سے ابتلا فی الحرم کا عام طور پر قوی اندیشہ ہو، جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام میں تفصیلات و تدقیقات محفوظ نہیں رہتیں،

الحاصل اول تو خود اس آگے کو معارف و مزامیر کے ساتھ ایک گونہ مشارکت ہو، جو اصل عدم جواز کا سبب بن سکتا ہے، دوسرے اگر اس سے بھی قطع نظر کی جاوے اور فی نفسہ اس میں حکایت صوت کو مباح قرار دیا جاوے تب بھی خارجی عوارض مثل اندیشہ ابتلا فی الحرم اس کی مانعت کے مقتضی ہیں، تیسرے اگر بلا غرض صحیح سنتا ہے تو اس کا عبث اور خلاف اولیٰ ہونا مسلم ہے، اور اگر غرض صحیح سے سنتا ہے یعنی ایسی چیز سنتا ہے جو مطلوب فی الدین ہے تو اس صورت میں قصد تہمتی یا تشبیہ بابل التہمتی اس کیلئے مانع ہوگا۔ واللہ اعلم و علہ و اعلم، یہ چند سررخصات اعماذ علی العنایات السنیہ کر دیئے ہیں ورنہ جرأت نہ ہوتی تھی، ۵

کرہائے تو مارا کر دگستاخ، والسلام

الجواب، بعض طبائع کے اعتبار سے قصد صوت مخصوصہ کا انکار نہیں ہو سکتا، مگر اس کے عموم کا دعویٰ بھی مشکل ہے، بعض طبائع یقیناً ایسے ہوں گے کہ اگر اصل میں کوئی حظ بھی نہ ہو تب بھی محض گونج کے سبب تبع کی طرف التفات نہ کریں، اور اگر طبل سحور میں بعض کے قصد تہمتی سے حکم کی تعمیل مشکل ہے، اور اس قصد کی اکثریت و اقلیت کا مدار اجتہاد پر ہے، لہذا اطلاق منع و تفصیل فی المنع مفتی کی رائے پر ہے، اس کے علاوہ ایک امارت قریب قریب سب کے اعتبار سے عام ہے، وہ یہ کہ اس آگے کے مختلف پلیٹوں میں مختلف اصوات بند ہوتی ہیں، اور ان میں سے کسی کو کوئی مطلوب ہوتی ہو کسی کو کوئی اور، یہ تناد و تباہی اصل ہی کے تابع ہے، ورنہ ملاہی کے نعمات الحان سب متقارب ہوتی ہیں، اور یہ سب حکم فی نفسہ میں کلام ہے، باقی انضار الی الحرم یا تشبیہ بابل التہمتی کے مؤثر فی المنع ہونے میں کلام نہیں، لیکن ایسے مفاہم عارفہ اور ضرورت میں

اگر تعارض ہو مفاسد کے انسداد کے ساتھ تحصیل ضرورت کا انتظام کر لینے کی صورت میں کیا حکم ہوگا اس کو قواعد سے دیکھ لیا جاوے، مثلاً اگر کسی آلہ میں حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ کا وعظ کسی نے بلا اطلاع حضرت کے بند کر لیا ہوتا، اور کوئی شخص اس کی تبلیغ عام کے لئے خلوت میں اس کی نقل حاصل کر کے پھر کتابت میں ضبط کر کے اس کو تقریر یا طباعت شائع کر دیتا تو اس خاص مستمع فی الخلوت کے لئے کیا حکم ہوگا، یہ قابل تحقیق ہے بخلاف القرآن لعدم الضرورة۔

فيه ثم لنا ان نستمع في الكلام ونقول ان قبح الملاهي لو كان لعينها لما ارتفع عز طبل السجود والغزو وجرس الساعة لاسيما في المساجد فاذن هو لغيرها فليظن ان هذا الغير ما هو وهل هو متحقق في هذه الآلة اذ الم تكن حاكية عن الصوت الغير المشروع وهذا لم اذكر فيما كتبت من قبل حذرا عن غلط بعض العامة فالان ذكرته بلسان الخاصة لينظروا فيه ويتايدكون هذا القبح لغير لما في الدر المختار قبيل فصل لليس من كتاب المحظور الاباحة ونصه ومن ذلك (اي من الملاهي) ضرب النوبة للتفاخر فلو للتنبيه فلا بأس به كما اذا ضرب في ثلاث اوقات لتذكير ثلاث نفحات الصور لمناسبة بينهما فبعد العصر للابشارة الى نفخة الفزع وبعد العشاء الى نفخة الموت وبعد نصف الليل الى نفخة البعث وتمامه فيما علقته على الملحق وفي رد المحتار تحت قوله بعد العصر الخ ما نصه اقول وهذا يفيد ان آلة الله وليست محرمة لعينها بل تقصد لله ومنها اما من ساءها او من المشتغل بها وبه تشعرا الاضيق الا ترى ان ضرب تلك الآلة لعينها حل تاسرة وحرم اخرى باختلاف النية والامور بمقاصدها وفيه دليل لساداتنا الصوفية الذين يقصدون بساؤها امورا هم اعلم بها فلا يبادر المعترض بالانكار كي يحرم بركتهم فانهم السادة الاخيار الخ وفيه على قوله وتمايمه الخ حيث بعد غزوه ما مر الى الملائكة للامام البزدوى وينبغي ان يكون بوق الحمام يجوز كضرب النوبة، وعن الحسن لا بالدق في العرس ليشتهروا في السراجية هذا اذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التصرب اه اقول وينبغي ان يكون طبل للسحر في رمضان لا يفاظ النائمون للسحر كبوق الحمام تامل اهن نعم لو منع منه سدا لئلا كان احوط واصون لدين العامة لكن مع هذا لا سبيل لاحد الى المواخذة على ترك الاحوط والى اساءة الظن به والله اعلم،

۶ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ (حولت ماسہ ص ۴۹)

تعلیمی تاشس | سوال ۱۶۱ تاش تعلیمی جو پارہائے کاغذ پر دو تختیاں الف بے کی لکھتے ہیں اور چند اشخاص آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، پھر ایک شخص ایک حرف رکھتا ہے، دوسرے نے اگر کوئی لفظ بنالیا، تو اس سے وہ پتہ لے لیا، دوسرے نے ایک حرف اور ملا کر اگر لفظ بنالیا تو وہ اپنے اس کے ہو گئے، یوں ہی جہاں تک بناتے جائیں، اور اگر کوئی نہ بنا سکا تو وہ سب پتہ اول کے ہوں گے، یہ کھیلنا جائز ہے یا نہیں، اور اگر بارجیت رکھی جائے اور سب پتے اکٹھے رکھے جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب، اگر بارجیت نہ ہو تو جائز ہے، بلکہ متدیوں کے حق میں شاید مفید ہے، واللہ اعلم

۶ رمضان ۱۳۱۹ھ (امداد ج ۲، ص ۱۸۵)

نصف دھڑ کی تصویر | سوال ۱۶۲ آدمی کی نصف تصویر جیسے انگریزی میں لبسٹ کہتے ہیں بنانا جائز ہے یا نہیں، اور جب جائز ہوگا تو مکان میں رکھنے میں کیا حرج ہے، پہلے خط میں جناب نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ تصویر میں اگر ایسا عضو کم ہو جس کے بدون زندہ نہ رہ سکے، تو اس کا بنانا درست ہے، اس حالت میں نصف اوپر کے حصہ کی تصویر بنانی اور رکھنی درست ہے؟

الجواب جزئیہ نہیں دیکھا، مگر میں اس کو ناجائز سمجھتا ہوں کیونکہ مقصود تصویر میں وجہ ہی ہے اور قاعدہ مشہورہ سے کہ جس عضو کے بغیر حیوان زندہ نہ رہ سکے، اس کے قطع سے تصویر نہیں رہتی، وجہ مستثنیٰ ہے۔ اور مجھ کو یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے ایسے عضو کی کمی کی صورت میں بنانے کو جائز کہا تھا، یا رکھنے کو، کیونکہ بنانے کو میں مطلقاً ناجائز سمجھتا ہوں، اگر ایسا لکھا ہو تو میں رجوع کرتا ہوں، - ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۹)

حکم تصویر ناقص | سوال ۱۶۳ (۳۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و غیبان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے علم الجبرس ۱۴ کیا۔ یہ فوخت کاں ایک سائرٹیفکٹ منجانب سرکار ملا، مگر سائرٹیفکٹ مذکور میں زید مذکور کی غیر تمام تصویر یعنی از سینہ تا مٹھل منسلک ہے۔ مگر باقی ہے اور بغیر دکھلائے میل والوں کو ملازمت انجیری مل نہیں سکتی، اور کسی مذکور پر میزگار و متقی ہو، اب صورت مذکورہ میں زید مذکور کیا کرے، یعنی تصویر غیر تمام نکھوانا اور اپنے پاس رکھنا درست ہے یا نہیں، اور ملازمت کے پیسہ میں اشتباہ کراہت ہے یا نہیں، زید مذکور کو سوا اس ملازمت کے دیگر ملازمت کا ذریعہ نہیں ہے، پس جو حکم عند الشرع ہو علی التفصیل بیان فرمائیے، بینوا تو جبروا؟

الجواب، فی رد المحتار قال القہستان: فانہ لا تک صورۃ الراس وفیہ خلاف کما فی اتخاذھا کذا فی المحيط، ج ۱، ص ۶۷۷، اس سے معلوم ہوا کہ اس میں بوجہ اختلاف کے ضرورت والے کو گنجائش ہے، گو غیر ضرورت والے کو بقاعدہ اذ اتعاض الراس والمبہم الخ منع کو ترجیح ہوگی، اور شخص مذکور فی السؤال کو ضرورت شدید ہے اس لئے اس شخص کو گنجائش پر عمل جائز ہے، ۲ سوال ۳۳۳،

سوال ۱، آپ نے تاریخ ۱۷ اگست ۱۹۱۵ء کو جو جواب تصویر بنانا تمام در سرٹیفکٹ ملازمت انجیری نکلوانے کی اجازت شرعی عادی ہے اس کے سوال کے سرچہ میں جو لفظ (دیگر ذریعہ معاش کا نہیں ہے) تھے ان لفظوں سے بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ سوال میں ان لفظوں کے رہنے سے اجازت دی گئی ہے ورنہ نہ دی جاتی، تو واضح ہو کہ انجیری کے رافیری کا کام بھی زید کو کر سکتا ہے مگر فیری کے کام میں تنخواہ کم ملتی ہے اور زید کی اوقات بصری بہت سی وقت سر ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات فرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ یہ نوکریاں سال بھر میں صرف پانچ چھ مہینے ملتی ہیں اس کے بعد کپاس کے کارخانے بند ہو جانے کی وجہ سے نوکری جاتی رہتی ہے، ملازمت انجیری بھی اتنے ہی دن رہتی ہے مگر اس میں معقول تنخواہ ملنے کی وجہ سے آسانی ہو جاتی ہے اور کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی ہے، اور زید مذکور نے اس علم کو عنقریب چودہ پندرہ سال کی محنت سے حاصل کیا ہے مگر بوجہ اختلاف تصویر بنانا تمام کے نکلوانے کے علمائے دین کے فتوے کی انتظاری کر رہا ہے، لہذا اس صورت میں زید مذکور اپنی محنت کو رائگاں جانے دے یا کہ اس کا فائدہ اٹھاوے؟

الجواب، یہ حالت بھی بجائے اسی کے ہے کہ دوسری وجہ معاش نہیں ہے کیونکہ وجہ ناکافی بمنزلہ عدم کے ہے بشرطیکہ واقعہ میں گزر نہ ہو اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہے، ۲۲ مرتبہ ۳۳۳،

نوٹو کو آئینہ پر قیاس کرنا غلط ہے | سوال (۳۱۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید عالم ہے وہ کہتا ہے کہ تصویر دستی یعنی حکم کی بنی ہوئی کا بنولنا یا مکان میں رکھنا حرام ہے، لیکن نوٹو کا لیا جانا اور مکان میں رکھنا حرام نہیں ہے، بدین دلیل کہ نوٹو آئینہ کا عکس ہے عام لوگ آئینہ دیکھتے ہیں؟

الجواب، زید کا قول بالکل غلط ہے، اور یہ قیاس مع الفارق ہے۔ آئینہ کے اندر کوئی انتقاس باقی نہیں رہتا، زوال محاذہ کے بعد وہ عکس بھی زائل ہو جاتا ہے، بخلاف نوٹو کے، اور یہ

الکل ظاہر ہے، اور پھر صنعت کے واسطے سے ہر اس لئے بالکل مثل دستی تصویر کے ہے،

۱۸۔ اجماعی الاولیٰ مسئلہ ۳۳۳ (حوادث رابعہ ص ۷۲)

سوال (۳۲۰) ملل وغیرہ کے تھان بنیان کے ڈبے نیز دوسری اشیاء کے کارخانہ کی ملامت ہوا سکالم اور پراقتیانہ کے لئے عموماً تصویریں ہوتی ہیں، جیسے پری پھاپ، گھوڑا پھاپ، وغیرہ وغیرہ جس سے شناخت میں سہولت ہوتی ہے، اگر باوجود اکراہ اُن پر پڑا رہنے دیا جائے تو جائز ہے؟ اور اگر نکال ڈالے تو شناخت کیسے کرے؟

الجواب، کیا یہ ممکن نہیں کہ اُن کا چہرہ سیاہی یا چاقو سے مٹا دیا جائے، کیا یہ شناخت کے لئے کافی نہیں ہوگا، ۱۶ رجب ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۳)

سوال (۳۲۱) روپیہ چہرہ دار جس میں نصف تصویر ہوتی ہے اُس کا رکھنا جائز ہے یا ناجائز، بصرحت تحریر فرمایا جاوے؟

الجواب، چونکہ اس کے رکھنے کی ضرورت ہر اس لئے غفویہ ہے۔ ۱۸۔ اجماعی الاولیٰ مسئلہ ۳۳۴ حکم تصاویر در مکتب طبع سوال (۳۲۲) بعض طبی کتابوں میں تصاویر تمام جسم کی ہوا کرتی ہیں ان کو ان کی حالت پر رکھنا جائز ہے یا نہیں، اگر اُن پر قلم وغیرہ پھیرا جائے گا تو بعض اعصاب وغیرہ کے نام مشکوک ہو جائیں گے،

الجواب، فی الدر المنخار ولا یکرہ لو تحت قدمیہ الی قولہ لا المستربکیس او صرۃ او ثوب اخ فی رد المحتار بان کان فوق الثوب الدی فیہ صورۃ ثوب ساترۃ فلا تکرہ الصلوۃ فیہ لاستتارہ بالثوب (بحر) و فیہ فان ظاہرہ ان مالاً یؤثر کما ھو فی الصلوۃ لا یکرہ ابقاعہ و فیہ ہذا کلہ فی افتناء الصورۃ و اما فعل التصویر فھو عیو جائر مطلقاً الخ ج ۱، ص ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰

ان روایات سے ان صور کے علیٰ مال یا چھوڑ دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اگر یہ بنانا پھر بھی حرام ہے، لیکن جہاں عوام کے مفسدہ کا خوف ہو مٹا دینا ضروری ہے کہ یہ مفسدہ عموماً کے ناموں کے مشکوک ہو جائے سے اشد ہے، ۲۳ رجب ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالثہ ص ۱۴۳) تحقیق تصویر مور الخیوان سوال (۳۲۳) قال فی شرح مسلم فی باب تحریم تصویر صورۃ الخیوان و تحمیم اتخاذہ فیہ صور غیر ممتنعۃ بالفروش و فحۃ وان الملائکۃ علیہم السلام لا یدخلون بیتا فیہ صورۃ او کلب مانصہ قال اصحابنا وغیرہم من العلماء

تصویر صورت حیوان حرام شدید التحريم وهو من الكبائر لانه متوعده عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الاحاديث وسواء منه به ما يمتن او بغيره فمنعت حرام بكل حال لان فيه مضاهاة لخلق الله تعالى وسواء ما كان في ثوب او بساط او درهم او دينار او فلس او اناء او حائط او غيرها واما تصوير صورة الشجر ورحال الابل وغير ذلك مما ليس فيه صورة حيوان فليس بحرام هذا حكم نفس التصوير واما اتخاذ المصور فيه صورة حيوان فان كان معلقا على حائط او ثوبا لم يحرّم او عتبة او نحو ذلك مما لا يعد ممتننا فهو حرام وان كان في بساط يداس مخدة ووسادة ونحوها مما يمتن فليس بحرام ولكن هل يمنع دخول ملائكة الرحمة ذلك البيت فيه كلام نذكره قريبا انشاء الله تعالى ولا فرق في هذا كله بين ما ظل وما لا ظل له هذا تلخيص مذهبنا في المسئلة ومعناه قال جماهير العلماء من الصحابة والتابعين من بعدهم وهو مذهب الثوري ومالك وابي حنيفة وغيرهم وقال بعض السلف انما ينهى عما كان له ظل ولا باس بالصورة التي ليس لها ظل، وهذا مذهب باطل فانما يستتر الذي انكر النبي صلى الله عليه وسلم الصورة فيه لا يشك احد انه مذموم وليس بصورة تظل مع باقي الاحاديث المطلقة في كل صورة قال الزهري النهي في الصورة على العموم وكذلك استعمل ما هي فيه ودخول البيت الذي هي فيه سواء كانت رقما في ثوب او غير رقم وسواء كانت في حائط او ثوب او بساط ممتن او غير ممتن عنه لا بظواهر الاحاديث لا سيما حديث التمرقة الذي ذكره مسلم وهذا مذهب قوي وقال اخرون يجوز منها ما كان رقما في ثوب سواء امتن ام لا وسواء علق في حائط ام لا وكرهوا ما كان له ظل او كان مصورا في الحيطان شبهها سواء كان رقما او غيره واحتجوا بقوله في بعض احاديث الباب الا ما كان رقما في ثوب وهذا مذهب القاسم بن محمد الخ ثم قال تحت قوله الا رقما في ثوب ما نفه هذا يحتج به من يقول باباحة ما كان رقما مطلقا كما سبق، وجوابنا وجواب الجمهور عنه انه محمول على رقما على صورة الشجر وغيرها مما ليس بحيوان وقد قد منا ان هذا جائز عندنا اه قنت حديث الستر الذي انكر عليه النبي صلى الله عليه وسلم هو هذا عن عائشة قالت دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم واتا متسترة بقرام فيه صورة فتلون وجهه ثم تنال

الستة فہتکہ ثم قال ان من اشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يشبهون بمخلوق الله
وحديث النسوة هو هذا عن عائشة انها اشترت نمرقة فيها تصاویر فلما رآها
رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قام علی الباب فلم یدخل الی قبلہ فقال لہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحاب هذه الصور یذبون الخرواها مسلم فی الباب
المذکور وقلت ایضاً قد تقر فی ہذا ان ترک الاجماع الاثمة الاربعة لا یجوز کاسیما
وآدم نص النہی عن الرقعة فی الثوب کما مر فی حدیث استثناء القیم اما ما اول کما
مر واما منسوخ بقاعدۃ اذا تعارض المحرم والمبہم ترجح المحرم واما منسوخ بدلالة
مخالفة الاجماع کما تحذر فی موضعہ واما حصول علی الصغیرۃ جدایمیت لا تستبین
واللہ اعلم، کتبہ اشرف علی، ۵ رذیقہ ۱۳۳۸ھ (تمہ رابعہ ص ۵۷)
بچوں کے کپڑے کھلونے | سوال (۳۲۴) اول، بارہ جو چھوٹے بچے بجاتے ہیں اس کی خرید و فروخت
فروخت کرنے کا حکم | جائز ہے یا ناجائز،

ثانی: سیٹی خوردیا کلاں، ان کی فروخت کا کیا حکم ہے،
ثالث: پٹانہ جو بچے چھوٹے سے ٹہنچ میں رکھ کر چھوڑتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے،
رابع: دیاسلائی، مہتابی کہ جس کے جانے سے رخ اور زرد رنگ نکلتا ہے جس طرح
کہ چھوڑ دیں، اس کا کیا حکم ہے،

الجواب عن الاربعة فی العالمگیریۃ ویجوز بیع البوطۃ الطبل، والمزمار وال
والنرد واشباه ذلك فی قول ابی حنیفۃ ۷۰ وعندہما لا یجوز بیع هذه الاشياء قبل
انکسر ای اذا باعها ممن یستعملها ویبیعها هذا المشتري یصل یستعملها کما فیہا
عن السیر الکبیر) فلا یجوز الانتفاع بہ کذا فی المحیط (ج ۲ ص ۶۸)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان اشیاء کی خرید و فروخت امام صاحب کے نزدیک
جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز، پس خرید و فروخت نہ کرنا احتیاط ہے، اور خرید و
فروخت کرنا بھی گنجائش رکھتا ہے۔ ۱۶ ربيع الاول ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۲۵۲)
کرامت کرکٹ | سوال (۳۲۵) گنارخص یہ ہے کہ ہمارے یہاں قہرہ اندیر میں بہت سے
نوجوان کرکٹ یعنی گیند بلا کھیلنے کا بہت شوق ہیں، اور دن بدن اس کا شوق زیادہ ہوتا
جاتا ہے اور کھیل بل یورپ کا اچار کر رہے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ وسیع میدان میں تیس

چالیس قدم یا کم زائد ہر تین تین لکڑیاں گاڑ کر ایک شخص لکڑیوں کے قریب کھڑا ہوتا ہے، جو ایک لکڑی سے جس کو بیٹ کہتے ہیں دوسری جانب سے آنے والی گیند کو روکتا ہے اور پری دوسرے اشخاص دوسرے طریقہ سے اس کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، غالباً جناب کو اسکی تفصیل بخوبی معلوم ہوگی، اس وجہ سے زیادہ لکھنا فضول خیال کر کے اصل مطلب عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ آیا یہ کھیل ہولوب میں داخل ہو یا نہیں، اور اس کا کھیلنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اکثر اشخاص بغرض تفریح و ورزش جسمانی کے خیال سے کھیل کر رہے ہیں، نیز اس میں کسی قسم کی مالی یا بدنی امداد کرنا جائز ہے یا نہیں، یہاں اس کھیل کی ایک انجمن ہے جس میں شرکار چند ہوتے ہیں اس کے ذریعہ سے اس کا ضروری سامان خریداجاتا ہے، اور دوسرے شہروں کے جو لوگ ہمارے آیا کرتے ہیں ان کی ضیافت بھی اسی مد سے ہوا کرتی ہے، جواب سے مننون فرمادیں؟

الجواب، فی المشکوۃ قبیل باب اداہ السفر عن علیؑ قال کانت بید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوس عربیۃ فرأی رجلاً بیدہ قوساً فارسیۃ قال ما ہذا و علیکم کھذا و اشباہہا الحدیث، رواہ ابن ماجہ،

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت شدیدہ غیر مسلم قوموں کے آلات ورزش کا استعمال بھی مکروہ ہے، اگرچہ حرمت کی کوئی دلیل نہیں، اور اعانت ہر فعل کی اس فعل کے حکم میں ہے،

۳ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث خامسہ ص ۱۴)

عدم جواز سینما و بانسکوپ | سوال (۳۲۶) سینما جس میں قصہ کے پیرایہ میں تصویریں مشین کے ذریعہ دکھائی جاتی ہیں، دیکھنے کا مجھ کو کچھ شوق ہے، اور مقصود اس کے دیکھنے سے یہ ہوتا ہے کہ چونکہ تصاویر یورپ اور امریکہ کے مکانات اور اشخاص وغیرہ کی دکھائی جاتی ہیں اس لئے ان تصاویر سے یورپ و امریکہ کے مذاق کا پتہ چلے، اور معلوم ہو کہ وہ لوگ اپنے مقاصد کو کس طرح حاصل کرتے ہیں، فلہذا ارشاد ہو کہ کیا سینما میں دیکھ سکتا ہوں؟

از ناچیز..... سلام مسنون یہ سینما کا کھیل تصاویر متحرکہ کا تماشا ہے، اس سے پہلے ایک قسم کا باجا بجا یا جاتا ہے، اس کے بعد بجلی کے ذریعہ سے تصاویر متحرکہ کی جاتی ہیں،

جواب، سینما میں جب کہ تصاویر محرکہ موجود ہیں اور شئی محرم سے انتفاع و تلذذ ناجائز ہونا معلوم، پھر سوال کی کیا گنجائش ہے، اور اس سے جو مقصود لکھا ہے اولاً تو مقصود کی مشروعیت طریق کی اباحت کو مستلزم نہیں، پھر مقصود بھی کو نسا ضروری ہے، اور باجا کا

منظم ہونا اور بھی قبح کو بڑھا دیتا ہے۔ ۶ رجب ۱۳۳۹ھ (حوادث خامسہ ص ۳۸) رسالہ تصحیح العلم فی تفسیر الفہم | سوال (۳۲۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بالاسکوپ کے پردہ پر خلفائے اسلام و شاہان اسلام اور رہنمایان اسلام کی تصویریں متحرک بولتی گاتی اور ناچتی دکھائی جائیں، اور خواتین اسلام کو بالاسکوپ کے ذریعہ سے پبلک میں بے پردہ پیش کیا جائے تو کیا شریعت اسلامیہ اس فعل کو جائز قرار دیتی ہے یا شریعت اسلامیہ کے نزدیک یہ فعل ناجائز ہے، اور کیا حکم دیتی ہے شریعت اسلامیہ ان حضرات کبار کے میں جو اس فعل کے جواز کی حمایت میں پروپیگنڈا کرتے ہیں اور مسلمانوں کو متحرک تصاویر اور بولتی تصاویر کی طرف رغبت دلاتے ہیں، بینوا و توجروا،

الجواب، شریعت اسلامیہ میں جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت ہے، خواہ کسی کی تصویر ہو اور خواہ مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ،

فی جمع الفوائد عن الستة عن عائشة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من سفر وقد سترت بقرام على سهرة لي فيه تصاوير فنزعه وقال اشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يتضاھون بخلق الله،

اور کسی مسلمان کی تصویر بنانا اور زیادہ معصیت ہے کہ اس میں ایسے شخص کو آلہ معصیت بنانا ہے جو اس کو اعتقادِ اہم جانتا ہو، اور اسی اصول پر حق تعالیٰ کی قسم معصیت پر کھانے پر خاص تشبیہ فرمائی گئی ہے،

فی تفسیر الجلالین ولا تجعلوا الله عرضة لایمانکم نصباً لها بان تكثر والخیف به ان لا تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس، فی الکمالین نصباً ای کلماً للایمان فی القاموس النصب بضم نین کل ما جعل علماً ای لا تجعلوا الله معرضاً لایمانکم، اگرچہ اس تصویر کی طرف کوئی امر مکروہ بھی منسوب نہ کیا گیا ہو، محض تفریح و تلبذ ہی کے لئے ہو، کیونکہ محرمات شرعیہ سے تلبذ و بالنظر بھی حرام ہے

فی الدر المختار کتاب الاشریة و حرمة الانتفاع بها (ای بالتحرم) ولو نسق دواب او لطین او نظر للتلهی،

اور اگر اس کی طرف کسی نقص یا عیب کو بھی منسوب کیا جائے تو اس میں بھی ایک دوسری معصیت یعنی غیبت بھی منظم ہو گئی، کیونکہ غیبت صرف کلام ہی میں منحصر نہیں، نقوش قلم یعنی

کتابت سے بھی ہوتی ہے، اسی طرح اس عیب کی ہیئت بنانے سے بھی ہوتی ہے، بلکہ یہ سب سے اشد ہے،

فی اجاء العلوم بیان از الغیبة لا تقتصر علی اللسان اعلیٰ ان الذکر باللسان انما حرم لان فیہ تفہیم الغیر نقصان اخیک وتعریفہ بما یکرہہ فالتعریف بہ کالتصنیر والحروف والفعل فیہ کالقول والاشارة والایہاء والغزو والہمز والکتابۃ والحركة وكل ما یفہم المقصود فہو داخل فی الغیبة وهو حرام فمن ذلک قول عائشة رضی اللہ عنہا دخلت علینا امرأة فلما ولت او مات بیدی انہا قصیرۃ فقال علیہ السلام اغتبیتمہا ابن ابی الدنیا وابن مردویہ من روایتہ حسان بن محارق وحسان وثقفہ ابن حبان وباقیہ مرثقات کذا فی تخریج العراقی باختلاف یسیر فی بعض الالفاظ ومن ذلک المحاکاة کان یشی متعارجا او کما یشی فہو غیبة بل ہواشد فی العیبة لانه اعظم فی التصویر والتفہیم ونا را ی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ حاکت امرأة ما یسر فی انی حاکیت انسانا ولیکن کذا او کذا (تقدم فی الآفة الحادیۃ عشر عن ابی داؤد والترمذی وصححہ کذا فی تخریج العراقی) وكذلك الغیبة بالکتابۃ فان القلم احد اللسانین وذكر المصنف شخصا معینا و تہجیر کلامہ فی الکتاب غیبة،

اسی طرح اس منسوب الیہ کی تصویر کی کوئی خاص ہیئت بنانا بھی ایسا ہی ہے جیسے خود اس شخص کی طرف اس وصف کو منسوب کرنا، مثلاً منی رات کی تصاویر کو بے پردہ ظاہر کرانا، فی معجم البخاری غزوة الفتح عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم الی ان یدخل البیت و فیہ الالهۃ فامر بہا فاخرجت فاخرج صوتا ابراہیم واسما عیل فی ایدیمہما من الارلام فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قاتلہم اللہ لقد عدوا ما استقسما بہا فطئتم دخل البیت المحدث، اگرچہ وہ نقص یا عیب واقع میں بھی اس میں ہو تب بھی اس کی غیبت باقیا حرام ہے، اور اگر واقع کے خلاف ہو تو غیبت سے بڑھ کر وہ بہتان ہے،

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتدرون ما الغیبة قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ذکر احدکم اخاہ بما یکرہ فقال رجل ارایت ان کان فی اخي ما اقول قال ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول

فقد بہتہ (جمع الفوائد عن ابی داؤد والترمذی)

اور جس کی طرف کوئی نقص یا عیب منسوب کیا گیا ہو، اگر علاوہ مسلمان ہونے کے اس میں اور کوئی وجہ بھی احترام کی ہو جیسے سلاطین اسلام میں اُن کی اہانت اور زیادہ موجب انتقام اخلاقی و دینی ہے لحدیث من اهان سلطان اللہ فی الارض اهان اللہ (ترمذی) اور جس کی تنقیص یا اہانت مذموم ہے اس کی طرف جو چیزیں خصوصیت کے ساتھ منسوب ہیں اُن کی اہانت کا بھی وہی حکم ہے جیسے اُن کی بیبیاں وغیرہ، چنانچہ کفار عرب حضرات صحابہؓ کی بیبیوں کے نام اپنے اشعار میں عشق بازی کے عنوان سے ذکر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایذا پہنچ میں شمار فرمایا،

فی الجلالین ولتسمع من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم الیہود والنصارى و من الذین اشركوا من العرب اذی کثیرا من السبب والتشبیہ بنسائکم، اور زوجیت یا قرابت کی نسبت تو بُری چیز ہے، استعمال کی نسبت بھی حرمت تنقیص کے لئے کافی ہے، جیسے کسی کے استعمالی کپڑے میں عیب نکالنا،

فی احیاء العلوم بیان معنی الغیبة واما فی ثوبہ فکقولک انه واسع الکمر طویل الذیل وتسخ الشیاب،

اور اگر وہ تصویر کسی مشہوتہ کی ہو تو نظر بد کی معصیت کا اس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اور تصویر تو صاحب تصویر کی پوری حکایت ہے، اجنبیہ کے تو کپڑے کو بھی بد نفسی سے دیکھنا حرام ہے، فی رد المحتار باب الحظر والاباحۃ مفادہ ان رویۃ الثوب بحیث یصف جسم العضو ممنوعہ ولو کشف لا تری البشرۃ منہ و فیہ فی بحث النظر الی الاجنبیۃ من المرأة او الماء بخلاف النظر لانه انما منہ حیثیۃ الفتنة والشهوة وذلك موجود

ههنا و فیہ فی احکام ستر العورة ان النظر الی ملأۃ الاجنبیۃ بشهوة حرام، بالخصوص اگر غیر مسلموں کو خواتین مسلمات کی تصاویر کی طرف بد نفسی کے ساتھ نظر کرنے کا موقع دیا جائے، کیونکہ بد نفسی سے نظر کرنا شریعت میں ایک گونہ بد کاری ہے، بنص الحیث، اور ایسی بد کاری کہ مرد غیر مسلم ہو اور عورت مسلم، بلکہ ایسے موقع پر نکاح بھی اس درجہ امر شدید ہے کہ اس کے احکام علماء مجتہدین کیلئے محل بحث ہو گئے ہیں، اور جس کو مسلمان کے مرتد بنانے کی اور اسلام اور قرآن میں طعن کرنے کی اور حربیوں سے سازش کرنے کی برابر قرار دیا گیا ہے، نمونہ کے طور پر اس کے متعلق ایک روایت نقل کی جاتی ہے،

فی الدر المختار فصل الجزية قلت ومذهب الشافعية ما في المنهاج وشرحه
لابن حجر ولو زني بمسلمة او اصابها بنكاح او دل اهل الحب على عورة المسلمين
او فتن مسلماً عن دينه او طعن في الاسلام او القرآن الخ،

اور ان سبب بڑھ کر شناعت میں وہ صورت ہے جس میں مقتدایان دین کی اہانت ہو
کہ درحقیقت وہ اہانت اسلام کی ہے جس کا تحمل کسی طرح طبعاً اور شرعاً ممکن نہیں۔

فی جمع الفوائد عن الكبير عن ابی امامة رفعه ثلاثة لا يستخف بهم الامنافق
ذو الشبهة في الاسلام وذو العلم امام مقسط وفيه عن الترمذي عن عبد الله
ابن مغفل مرفوعاً الله في المحابي من اذ اهم فقد اذاني ومن اذاني فقد اذی
الله ومن اذی الله فيوشك ان ياخذہ،

اور جب ایسی فلموں کے قبائح معلوم ہو گئے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ بقدر اپنی قدرت کے گویہ
قدرت حکومت سے استعانت ہی کے طور پر ہو، ان کے انسداد میں کوشش کریں، اور تمنا شا
دیکھنے والوں کو ان قبائح پر مطلع کر کے شرکت سے روکیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ سب عقاب
خداوندی میں گرفتار ہوں،

ابوداؤد مرفوعاً ما من قوم يعمل فيهم بالمعاصي ثم يقدر ان
يغيروا ثم لا يغيروا الا يوشك ان يعمهم بعقاب (مشکوٰۃ)

اور جب ساکتین کیلئے یہ وعید ہے تو ترغیب دینے والے کس درجہ کے وعید کے مستحق ہوں گے،

روی ابوداؤد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا عملت الخطيئة في الارض من شهدها

فكرهها كان كمن غاب عنها ومن غاب فرضيها كان كمن شهدها (ای باشرها وشاركها

اهلها)، ۸۱ شعبان ۳۵۰ھ (النور ربيع الاول ۳۵۰ھ ص ۵)

مکمل ہو جائے یا خوف از کفار | سوال (۳۲۸) آج کل ہندوستان میں جو کھیل رائج ہیں، مثلاً ہاکی

فٹ بال، کرکٹ وغیرہ، بخیاں و رزشس ان کا کھیلنا درست ہے یا نہیں، امید کہ اس کا جواب

مفصل اور مدلل جلد از جلد روانہ فرمایا جاوے گا، تاکہ بہت سے مسلمان ہدایت حاصل کر سکیں،

اور شکوک رفع ہو جاویں ؟

جواب، اگر اسی درجہ کی قوت و منفعت کی ورزش دوسرے طرق غیر ماخوذ من الکفار

سے بھی حاصل ہو سکتی ہو، تب تو طرق مذکورہ فی السؤال بوجہ تشبہ کے قابل ترک ہیں کما نلاحظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعضہم عن الرمی بالقوس الفارسی، اور اگر دوسرے طرق اس درجہ کے نہ ہوں تو کچھ ہرج نہیں، بشرطیکہ نساق سے اختلاط نہ ہو، کما اجازہ استعلا البندوق من غیر نکیر و قدر وی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام یقول فی البندق نعم السلاح، ۵ رجب ۳۲۲ھ (حوادث خامسہ ص ۴۹)

حقوق حیوانات و متعلقات آن

قمار کیسے جانور پانا | سوال (۳۲۹) ما توکم رحمکم اللہ اس بارے میں کہ اگر کوئی دوسرا شخص مرغ کی یا بکرے کی لڑائی کراویں اور پھر جب ان میں سے کسی ایک نے بازی جیت لی اور بازی میں جیتے ہوئے مرغ کو یا بکرے کو دوسرے کسی کے ہاتھ بیچ دے تو اب اس دوسرے کے ہاتھ میں سے کسی کو اس کا خریدنا جائز ہے یا ناجائز، فرض کرو کہ اس نے اس بکرے کو قصاب کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اب اس قصاب کے پاس سے گوشت اس کا خرید کر کے کھانا جائز ہے یا نہیں، جواب مفصل تحریر فرمائیں، فقط؟

الجواب، بازی بدنامی ہے اور جو جانور قمار میں حاصل ہوا ہو وہ حرام ہے، نہ اس کا ذبح کرنا جائز، نہ اس کا گوشت بیچنا جائز، نہ خریدنا جائز نہ کھانا جائز، قال اللہ تعالیٰ وَآتِ تَسْتَفِیْسُوا بِالْأَرْحَامِ یہ شاہ عبدالقادر صاحب مفسر دہلوی رحمہ اللہ ترجمہ میں فرماتے ہیں:- "اور یہ کہ بانٹا کر پانسہ ڈال کر اور بانٹا کر پانسوں سے یہ کافروں کا ایک جو تھا کہ شرط بد کر ایک جانور دس شخص نے خریدا اور ذبح کیا، اور دس پانسے تھے، کسی پر لکھا آدھا کسی پر پاؤں زیادہ، کوئی خالی، پھر بانٹنے لگے، تو ہر ایک کے نام پر جو پانسہ آیا ہے وہی حصہ اس کو یا خالی نکل گیا" شرط بدنی تمام حرام ہے یہ بھی اس میں داخل ہے، موضع القرآن ۱۲

وکنذا فی بعض التفاسیر، والشد علم۔ ۲۵ رذی الحجۃ ۳۲۵ھ (اداد، ج ۲ ص ۱۳۵) جانور کی پیشاب گاہ میں | سوال (۳۳۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس بھینس کا بچہ ہاتھ ڈال کر دودھ دینا | مر جاتا ہے اس کو گدی گورتے ہیں یعنی اگلے پاؤں باندھ کر فرج میں محو کی دیم کے ہاتھ ڈالتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارتے ہیں بعد ہاتھ کو پاک کر کے دودھ نکالتے ہیں، اس طریقہ سے جو دودھ حاصل کرتے ہیں اس دودھ کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، چونکہ کوئی وجہ دودھ کی حرمت کی نہیں اس لئے دودھ کا کھانا حلال جائز ہے، واللہ اعلم، (امداد ج ۲ ص ۱۴۱)

جانور کو خفی کرنا | سوال (۳۳۳) خفی بنانا بکروں کا جائز ہے یا ناجائز، بر تقدیر ناجائز ہونے کے قربانی کیونکر جائز ہے؟

الجواب، فی الدر المختار اول فصل البیوع من کتاب الکواہیة وجاز خصاء البہائم، روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خفی بنانا بکروں کا جائز ہے، واللہ اعلم،

۲۳ رذی الحجۃ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۵۷)

کھٹل کو مارنے کے لئے چارپائی میں گرم پانی ڈالنا | سوال (۳۳۲) چارپائی میں کھٹل دفع ہونے کو اگر چارپائی میں گرم پانی ڈالیں تو کیسا ہے؟

الجواب، فی رد المحتار کیفیۃ القتال من کتاب الجہاد تحت قول الدر المختار و حرقتہ ما نصہ لکن جواز التحریق والتغریق مقید کما فی الشرح السیر بما اذا لم یتمکنوا من الظفر ہم بدون ذلک بلا مشقۃ عظیمۃ فان تمکنوا فلا یجوز،

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کھٹلوں کے دفع کا اور کوئی آسان طریقہ نہ ہو تب تو گرم گرم پانی ڈالنا ان پر درست ہو ورنہ ممنوع ہے، ۱۲ رجب ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۶۲)

زندہ کیڑوں کو آگ میں جلانا | سوال (۳۳۳) برائے آختہ کر دینا سپ کیرم زندہ را در آتش یا کسی جانور کو کھلانا | دو دکنائیدہ از دود و بوائے سوختگی آن کیرم اسپ آختہ می شود یا کیرم

زندہ را می خورند کہ اسپ شود شرارت نکند یا برائے لحاظ دوائے کیرم زندہ را برائے اسپ یا دیگر جانور می خورند، دریں فعل حکم شریعت چیست، ایں ہمہ صورتہا دریں بلاد راجح است؟

الجواب، عن عبد اللہ بن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان النار لا یعذب بها الا اللہ رواہ البخاری وعن عبد الرحمن بن عبد اللہ عن

ابیہ فی حدیث طویل قال و رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریۃ فمل قد حرقناھا قال من حرق ہذا فقلنا نحن قال انہ لا ینبغی ان یعذب بالنار

الادب النار، رواہ ابوداؤد و مشکوٰۃ باب قتل اهل الردۃ و البغاة بالفساد، ازین حدیث مستفاد شد کہ کیرم زندہ را در آتش نہ ود کردن حرام است،

لہ اور یہ فعل بھی جائز ہے جیسا کہ خفی کرنا بعلتہ منافع للناس جائز ہو وہ علت یہاں بھی موجود ہے، لہذا قال ستاد العلماء

وعن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تتخذوا شيئا فيه الروح غرضاً رواه مسلم مشكوة باب الصيد والذبائح قال النووي هذا النهي للتحريم وفي الدر المختار احكام الخمرة من كتاب الاشربة وحرم الانتفاع بها ولو لسقي دواب في رد المحتار قوله ولسقي الدواب قال بعض المشائخ لو قاد الدابة الى الخمر لا باس به ولو نقل الى الدابة يكره اهـ

ازیں روایات معلوم می شود کہ کرم زندہ جانور خوردنیدن بایں طور کہ کرم را پیش جانور برده شود جائز نیست کہ ہم دریں تعذیب اورست بلا ضرورت،

لانہ ممکن بود الدابة اليها كما في الاصطیاد والذى فيه ضرر دابة الانتفاع فشا
اتخاذ الروح غرضاً لانها لا تقدر ان تحوز نفسها، ویم نقل شیء محرم است بسوء دابة فقط
(تمت براولی ص ۳۱۳)

سوال (۳۳۴) ہمارے محلہ میں ایک شخص کا گناہ ہے، اس کے سبب سے
اور اس کے ضمان کا حکم سخت تکلیف ہے، برتن وغیرہ خراب کر جاتا ہے اور رات کے وقت
بھی ہر کسی کو دق کرتا ہے، تو اس کو کچل دے کر مار ڈالنا جائز ہے؟ مالک گتے کا کچھ بندوبست نہیں کرتا
الجواب، اس کا ہلاک کرنا تو جائز معلوم ہوتا ہے، مگر اس کے دام مالک کو دینا ہوں
خواہ کسی بہانہ سے، ۲۴ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۷۸)

قتل حیوانات بضرورت دوا سوال (۳۳۵) طیار کے نسخہ میں جو کچھ ہے و کچھ نے بیر ہوئی وغیرہ
مار کر ڈالی جاتی ہیں، مرض کیلئے ان چیزوں کی جان کھونا جائز ہے یا نہیں، یا کوئی شخص اپنی بکری (یعنی
فروخت) کے لئے طیار تیار کرے اور ان چیزوں کو ڈالے تو ان کا مارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب، چونکہ شرع میں یہ ضرورتیں معتبر ہیں اس لئے جائز ہوگا، ہاں تکلیف زائد از
ضرورت دے کر مارنا جائز نہیں، ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷۹)

جانوروں کا کاجی ہاؤس میں داخل کرنا سوال (۳۳۶) نیلام کاجی ہاؤس سے کوئی جانور خریدنا
اور اس کی قسم بانی کرنا، اور جانوروں کا کاجی ہاؤس بھیجا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدر المختار وان غلبوا دای اهل الحوب علی اموالنا و احرزوها
بدراهم ملکوها، اور عملہ کاجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس استیلا تملک سے وہ جانور
ملک سرکار کی ہو جائے گا، لہذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے، اور جب یہ بیع صحیح سے

ملک میں داخل ہو گیا تو قربانی بھی اس کی درست ہو، البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہو، اسلئے بلا ضرورت بدنام بالخصوص مقتدا کے لئے زیبا نہیں، اور کاجی باؤس میں جانور کو داخل کرنا، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں خود گھس گیا ہے، اس جانور کا داخل کرنا تو بالکل جائز نہیں، کیونکہ اس میں مالک پر ضلعان نہیں، تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہو، اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کر دیا ہو، اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے، اس مقدار تک کاجی باؤس میں یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہو تو جائز ہے، اور اس سے زائد بطور جرمانہ کے ناجائز ہے، کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے اور خفیہ کے نزدیک منسوخ ہے،

كما صرحوا في الدر المختار اخرباب جنابة البهيمة ادخل غنماً او ثوراً او فرساً او حماراً في زرع او كرم ان ساقطاً ضمن ما اتلف والا لا وقيل يضمن وقال الشافعي مرجحاً للقول الثاني اقول ويظهر ارجحية هذا القول لموافقته لما مر اول البناء من انه يضمن ما احدثته الدابة مطلقاً اذا دخلها في ملك غيره بلا اذنه لتعديده واما لو لم يدخلها ففي الهداية ولو ارسل بهيمة فافسدت زرعاً على فورها ضمن المرسل وان مالت يميناً او شمالاً وله طريق اخر لا يضمن لسا مراً،

۵۔ محرم ۱۳۲۲ھ (حوادث او ۲ ص ۴۴)

سوال (۳۳۴) جنگل کا ایک جانور بنام سیہ ہو وہ کھیت کو کے وقت آگ میں جلانا نقصان بہت پہونچاتی ہے، اور ان کی تدبیر سوائے زمین کو آگ دینے کے اور نہیں ہو سکتی، تو ان کو آگ دے کر ماریا جاوے یا نہیں؟

الجواب، اگر وہ کسی اور طریق سے دفع نہ ہو تو پھر مجبوری کو آگ دینا جائز ہو اور اگر کسی اور طریق سے ہلاک ہو جاوے یا وہاں سے اور جگہ دفع ہو جاوے تب جلانا جائز نہیں، ۱۰۔ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ (تمہ رابعہ ص ۲۱)

تشبہ بالكفار

سوال (۳۳۸) گرسی میز پر کھانا کھانا اور گرسی میز پر دفتر کا انگریزی کام کرنا شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیسا ہے، جواب سے مشکوٰۃ فرماتیں!

الجواب، میزکری پر کھانا کھانا تشبیہ کے سبب ممنوع ہے اور اس میں کوئی مجبوری بھی نہیں کہ غدر ہو سکے بخلاف دفتر کے کام کرنے کے کہ گویہ قانون حکمی کے سبب ضروری ہو مگر قانون عملی کے سبب اس میں مجبوری ہے، لہذا اس میں معذوری ہوگی اور اسی سبب سے ایک کو دوسرے پر قیاس نہ کریں گے، ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ،

لہنگا پہننے کا حکم | سوال (۳۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان عورتوں کو لہنگا پہننا شرع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ، مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے؟

الجواب، فلما روی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ثوبین معصفرین فقال ان هذه ثياب الکفار فلا تلبسها، رواہ مسلم، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے معصفر سے مالت کی علت یہ ارشاد فرمائی کہ یہ لباس کفار میں سے ہے، اُن کے ساتھ تشبیہ جائز نہیں، پس لہنگا بھی مخصوص لباس زنانہ ہنود کا ہے اس لئے بُرا ہے۔

۲۱ شعبان روز چہار شنبہ ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۲۶)

ہندوؤں کی طرح چوٹی رکھنا | سوال (۳۴۰) چوٹی رکھنا شرع شریف میں حلال ہے یا حرام یا مکروہ، مع دلیل شرع کے بیان فرمائیے، بینوا توجروا؟

الجواب، فلما روی عن الحجاج بن حسان قال دخلنا علی انس بن مالک فحدثنی اختی للمغیرة قالت یومئذ انت غلام ولک قرآن او قصتان فمسح راسک وتبرک علیک وقال احلقوا هذین او قصوهما فان هذین الیهود، رواہ ابوداؤد۔ وہ زنی یہود تھا اور بیعتی ہنود ہے، اور خصوصاً اگر کسی پیر فقیر کے نام پر رکھی جائے تو شرک ہے واللہ اعلم،

۲۱ شعبان روز چہار شنبہ ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۲۶)

تعطیل اتوار اور مدارس اسلامیہ | سوال (۳۴۱) ہمارے یہاں سب مدارس میں جمعہ کو تعطیل ہوتی ہے، اتوار کو تعطیل کرنا روا ہوگا یا نہیں؟

الجواب، نہیں سبب تشبیہ و تعظیم یوم نصاریٰ کے۔ ۹ شعبان ۱۳۳۵ھ (حوادث، ص ۱۱۲)

حکم سواری سائیکل | سوال (۳۴۲) بالٹیکل گاڑی پر سوار ہونا کیسا ہے، ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا تھا، تو انھوں نے جائز فرمایا، اب مجھ کو مناسب غیر مناسب ہونے کا خیال ہے البتہ اس سواری میں دو باتیں ہیں ایک عمدہ اور ایک بُری، عمدہ یہ کہ راستہ جلد ختم ہو جاتا ہے،

برائی یہ کہ اس پر سوار ہونے سے وہ انکساری نہیں ہوتی جو پیادہ چلنے میں پائی جاتی ہے؟
الجواب، اس سواری میں گویا ہر تشبیہ کا بھی شبہ ہو سکتا ہے، مگر عند التامل اس کا عام
 ہو جانا اس تشبیہ کا ضرر ہے، اب صرف یہ عارض اس میں محتمل رہا کہ اس سے عجب پیدا ہوتا ہے، سو
 اس کا مقتضایہ ہے کہ جسکو عجب نہیں اسکے لئے کچھ ہرج نہیں، البتہ بعض مباحات صلوات و ثقات کے
 مناسب حال نہیں ہوتے، سو بحالت موجودہ یہ سواری ایسی معلوم ہوتی ہے، لہذا تحریرِ اولیٰ ہے جب کہ
 صرف مصلحت کا درجہ ہو ضرورت کا نہ ہو، اور اگر ضرورت ہو کہ مسافت زیادہ ہو اور وقت کم یا دوسری سواری
 میں صرف زیادہ ہو گا تو اس صورت میں خلافِ اولیٰ بھی نہیں، مگر صفر ۱۳۳۵ھ (حوادث، خامسہ ص ۲)
 ۴۴ جواز و رزیش بطریق کفار سوال (۳۴۳) اس زمانہ کے انگریزی خوں لوگ جو پاؤں سے گیند
 مارتے ہیں جس کو انگریزی میں فٹ بول کہا جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب، فی المشکوٰۃ ص ۳۳۸، عن علیؑ قال کانت بید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 قوس عربیۃ فخرای دجلا بیدہ قوس فارسیۃ قال ما ہذا القہا وعلیکم کھذا واشباہہا
 الحدیث، رواہ ابن ماجہ، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرق و رزیش میں بھی تشبیہ باہل باطل
 ممنوع ہے، جبکہ دوسرے طرق و رزیش کے اس مخدور سے خالی پائے جاویں، اور یہاں دوسرے طرق نافع بھی
 موجود ہیں لہذا یہ عمل ممنوع ہو گا، اور اس میں غالباً جواہل و عادت اور دین سے آزاد لوگوں جو اختلاط
 ہوتا ہے وہ خود بھی مستقلاً وجہ منع کی ہے، ۲ ارجمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (حوادث خامسہ ص ۸)
 ۴۴ جواز موافقت کفار سوال (۳۴۴) نمبر ۱، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین،
 در رسوم ایشان اس مسئلہ میں کہ قصبہ لونا واڑہ میں ہنود بکثرت رہتے ہیں، یہ لوگ بہ ماہ ساون
 آٹھ روز تہوار مناتے ہیں، اس تہوار کو اپنی اصطلاح میں پچوسن کہتے ہیں، ان دنوں میں آٹھ روزے
 بھی اپنے مذہب کے موافق رکھتے ہیں، اور جاندار ٹٹے کو مارنا اور تکلیف دینا بہت بُرا سمجھتے ہیں چنانچہ
 مسلمان تیلیوں کو اسی بنا رکھانی چلانے سے روکتے ہیں، اسلئے کہ تلوں میں کچھ کیرے جو ہوتے ہیں وہ بھی
 پل جاتے ہیں، اُن آٹھ روز مسلمانوں کو رکھانی چلانے کے عوض میں روپیہ بھی دینا چاہتے ہیں، پس مسلمان
 تیلیوں کو اُن آٹھ روز رکھانی نہ چلانا اور اُن سے روپیہ لے کر اس امر میں انکا اتباع کرنا کیسا ہے؟
 (منسب) جو مسلمان کہ ہنود کے تہوار میں اُن کی موافقت کرے اور اس کو منائے اس کے
 لئے کیا وعید ہے؟

(منسب) کسی قصبہ کار میں مسلمانوں کو کہے کہ تم ہنود کے تہوار میں ان کی اتباع کرو، ورنہ تم کو

نسخت اذیت پہنچاؤں گا، پس مسلمانوں کو اس امر میں رئیس کا اتباع درست ہے یا نہیں، بینوا بالکتاب وتوجروا فی یوم الحساب،

الجواب، چونکہ مبنیٰ اس درخواست کا ہنود کے مذہب کا احترام اور رعایت ہے، مسلمانوں کو اس کا قبول کرنا یا اعانت و تائید کرنا حرام قریب بہ کفر ہے، اور جو شخص اس کے خلاف پر قادر ہو اس کو ایسے امر میں اتباع کرنا حرام اور قریب بہ کفر ہے، ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۶) حکم لباس کفار در لندن وغیرہ | سوال (۳۲۵) اس ملک میں ان لوگوں کا لباس اور وضع اختیار کرنا کس قسم کا گناہ ہے، اگر آدمی شوق سے نہیں بلکہ اس ضرورت سے ان کا ظاہری لباس اور وضع اختیار کرے کہ عوام کی نظر میں ایک انوکھا اور بُرا نہ معلوم ہو، اور لوگوں کو اس کی طرف انگشت نہائی نہ ہو اور شہر کے بچے اس پر ہنسنے نہیں، تو کیا اس سے اس گناہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے، کس حد تک اجازت ہے؟

الجواب، میں اس باب میں یہ سمجھے ہوئے ہوں کہ جس جگہ یہ لباس قوی ہے، جیسے ہندوستان میں وہاں اس کا پہننا من تشبہ بقوم میں داخل ہوتا ہے، اور جہاں ملکی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ وہاں سب قومیں اور سب مذاہب کے لوگ ایک ہی لباس پہنتے ہیں وہاں پہننا کچھ حرج نہیں، اب اس معیار پر آپ وہاں کی حالت خود ملاحظہ فرمائیں۔ (تمتہ خامسہ ص ۲۲۱)

معاملات المتسلمین باہل الکتاب والمشرکین

کافر کے حقوق کیسے ادا کئے جائیں | سوال (۳۲۶) کافر کے حقوق کیسے ادا کئے جائیں، مالی نہیں بلکہ غیبت وغیرہ ہو؟

الجواب، اگر وہ مل جاوے تو معاف کرا لئے جاویں ورنہ اس کیلئے دعائے ہدایت،

۶ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

کفار کے میلوں میں | سوال (۳۲۷) ایک شخص رائے دیتے ہیں کہ دربار انگریزی کی نمائش بغرض تجارت جانا | میں جو بہ ماہ جنوری آئندہ دہلی میں ہونے والا ہے، کوئی دکان مراد آبادی برتنوں کی یا اور کسی مال کی کھولی جائے یا دربار کے کسی کام کا ٹھیکہ لیا جائے، احقر نے جواب میں کہا کہ دربار کے کام کا ٹھیکہ اعانت مجمع کفار ہے، اور نمائش بھی ایسی ہی ہے، اسکے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ دربار کا ٹھیکہ اعانت ہے، نمائش ایسی نہیں، کیونکہ نمائش بعد ختم دربار

ہوگی، اس سے غرض دربار کی آرائش نہیں ہے، بلکہ ملک کی صنعت و حسرت کی جانچ منظور ہے جس طرح دیگر اوقات میں مختلف مقامات میں نمائشیں ہوا کرتی ہیں، اس میں حضور کا کیا ارشاد ہے، اگر شرکت ایسے مجموعوں کی ناجائز ہے تو اپنے دو خانہ کے اشتہارات تقسیم کرانا درست ہے یا نہیں؟
الجواب، کفار کا مجمع مطلقاً معصیت نہیں ہے بلکہ صرف جو کسی معصیت یا کفر کی غرض سے منعقد کیا جائے، ایسے مجمع کی شرکت و اعانت سب حرام ہے، اور جو کسی غرض مباح سے ہو جیسے مجمع مسئول عنہ کہ محض تنزیہ سرور و استحکام حکومت کیلئے ہوگا میرے نزدیک اس کا یہ حکم نہیں، ہاں اگر کسی مقتدا کی شرکت سے یہ احتمال ہو کہ عوام الناس میری سند پکڑ کر دوسرے ناجائز جماع کو اس پر قیاس کر کے بد احتیاطی کرنے لگیں گے، وہاں اس عارض کی وجہ سے سد الذرائع خاص ایسے شخص کو بچنا واجب ہوگا، اور اشتہار تقسیم کرانا تو ہر حال میں جائز ہے، اس کو تکثیر سوار سے کچھ مس نہیں، واللہ اعلم، (امداد ج ۲ ص ۱۲۹)

سوال (۳۴۵) میلہ ہائے ہنوداں میں مثل میلہ ہر دواریا گنگا واسطے تجارت کے برائے تجارت رفتن جانا جائز ہے یا نہ، اور جانے والا مرکب کبیرہ کا ہوتا ہے یا نہ؟

الجواب، اگر کوئی چیز سوائے اس میلہ کے کہیں نہ ملتی ہو، اس کی خرید و فروخت کیواسطے جانا ضرورت جائز ہے، اور بلا ضرورت جانا بہتر نہیں، کہ ایسے مجموعوں میں شان مغضوبیت کی ہوتی ہے، ان میں شریک ہونا غضب الہی کا حصہ لینا ہے اگرچہ اس مجمع والوں کی براہ کبر نہ ہو مگر خالی نہ رہے گا،

لا ینتہی الناس عن غزو هذا البيت حتى یغزو جیش حتی اذا کانوا بالبیداء و بیداء من الارض خسفا و لہم و اخرہم ولم ینم اوسطہم قلت یا رسول اللہ فمن کرہ منہم قال یبعثہم اللہ علی ما فی انفسہم، ترمذی جلد ۲ ص ۲۴،
توجب باوجود کراہت کے عذاب میں شریک ہو گئے تو جو خوشی سے جائیں وہ کیونکر بچیں گے واللہ اعلم
۳۰ محرم ۱۳۱۵ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۲۲)

سوال (۳۴۶) میلہ پرستش گاہ ہنوداں میں مسلمان کا جانا اور خصوصاً عالم و واعظ کا جانا بطریق تیسرے اور اسکو جائز سمجھنا اور استناد آیت قل یشکروا فی الارض سے لانا کیسا ہے؟

الجواب، میلہ پرستش گاہ ہنود میں عموماً مسلمانوں کا جانا اور خصوصاً علما کا جانا اور

یہ بھی نہیں کہ کوئی ضرورت شدیدہ دنیاوی ہی ہو محض سیر تماشے کیلئے سخت ممنوع و قبیح ہو، اور اگر آیت فسیدوا فی الارض کے یہی معنی ہیں جو مستند صاحب نے فرمائے ہیں تو چاہئے کہ فائدہ خواہ ما طالبکم من النساء سے جس کا ترجمہ یہ ہو کہ ”نکاح کرو ان عورتوں کو کہ تم کو خوش آئیں“ ماں بہن اگر خوش معلوم ہوں ان سے بھی نکاح درست ہو جائے، کیونکہ ملاطبات عام ہو، اگر اسکے قائل ہیں تو مبارک اور اگر یہ کہیں کہ ماں بہن کی حرمت دوسری آیت سے ثابت ہو حرمت علیکم اقربتکم و بنتکم اخواتکم تو ہماری طرف سے بھی اپنے استناد کا ایسا ہی جواب سمجھ لیں کہ مانعت ایسی جگہ جانے سے دوسری آیت سے ثابت ہو، فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین یعنی بعد نصیحت کے قوم ظالمین کے پاس مت بیٹھو یعنی کفار سے اختلاط مت کرو، فی الحدیث من کثر سواد قوم فهو منهم، اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قرب قیامت میں ایک لشکر کعبہ معظمہ پر چڑھنے کے ارادہ سے چلے گا، جب قریب پہنچیں گے سب زمین میں دھنس جائیں گے، ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس میں تو بازاری روکا نذا رکھ لوگ بھی ہوں گے، کہ ارادہ لڑنے کا نہ رکھتے ہوں گے، ان کا کیا قصور، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب عام آتا ہے، اس وقت دھنس جائیں گے، پھر قیامت کے روز اپنی اپنی نیت کے موافق محشور ہوں گے انتہی ایس جب یہ لوگ باوجودیکہ ضرورت تجارت کے بسبب ان کے ساتھ شامل ہوں گے عذاب الہی سے نہ بچیں گے، تو جس کو یہ بھی ضرورت نہ ہو وہ کیونکر اس غضب عتاب سے جو مجمع کفار میں من اللہ نازل ہوا کرتا ہو محفوظ رہیگا، اللهم قنا فتنۃ لا نصیب للذین ظلموا منا خاصة، واللہ اعلم،

۵۔ ارجمادی الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۲۵)

چھوت چھات کرنے والے ہندوؤں کے | سوال (۳۵۰) ہندو کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں،
ہاتھ کا کھانا حمیت کے خلاف ہے | چونکہ وہ مسلمان کو گتے سے بُرا سمجھتے ہیں؟

الجواب، گناہ تو نہیں، مگر بے غیرتی ہو، ۹ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (تمہ رابعہ ص ۶۴)
کافر پڑوسی کی دعوت جائز ہے | سوال (۳۵۱) ایک مشرک جا رہا اپنے گھر پر بلا کر دعوت کرنا
چاہتا ہو ایسی رعایت حق جو ارمیں داخل کر سکتے ہیں، لا یقخذ المؤمنون الکافرین اولیاء
من دون المؤمنین الا یتدبر عید میں تو نہ داخل ہوگی، جناب نے اپنی تفسیر میں ایسی مداخلات
کو صرف تین وجہوں سے جائز ٹھہرایا ہے (۱) توقع ہدایات کیلئے، (۲) دفع ضرر کے لئے (۳) اکرام
ضعیف کے لئے مگر نہ اکرام میزبان کے لئے، اور صورت مسئلہ میں تینوں صورتیں نہیں؟

الجواب، اکرام جس طرح ضیف کا مامور بہ ہے اسی طرح بار کا بھی، تو یہ اس میں با شتر اک علت داخل ہو سکتا ہے۔ (نہتم ثانیہ ص ۶)

سوال (۳۵۲) کسی عیسائی کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر ایک بیالہ اور ایک ہی رکابی میں کھایا جائے تو ایسی حالت میں کیا حکم ہے، کیا ساتھ کھانے سے لازمی طور پر اتحاد ہوتا ہے، تو کیا ان لوگوں سے اتحاد کرنا منع ہے؟

الجواب، کفار سے بے ضرورت اختلاط و ارتباط ممنوع ہے، اور کھانا کھانا اختلاط و ارتباط بے ضرورت ہے۔ ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ

احکام اسلام و تعظیم اکابر

سوال (۳۵۳) بادشاہ، حاکم، پیر، استاد، امیر المؤمنین، امیر الکفرین، آقا، علماء، صلحاء، حجاج، حفاظ، سادات، جبکہ وہ کسی مسلمان کے پاس آئیں تو ان کی تعظیم کھڑے ہو کر دی جائے یا بیٹھے بیٹھے، اور خود بدولت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعظیم سے کیوں باز رکھا، اور حضور نے استاد ہو کر کسی شخص کی تکریم خود بھی فرمائی ہے یا نہیں، بحوالہ کتاب سنت و بہ تصریح جواز و ناجواز و اباحت و کراہت بیان فرمائیے، بینوا توجروا،؟

الجواب

الحديث الاول عن ابي سعيد الخدري رضي في حديث مجي سعد بن معاذ رضي فلما دنا من المسجد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للانصار قوموا الى سيدكم متفق عليه كذا في المشكاة قال في لمرقة قيل اي تعظيمه ويستدل به على عدم كراهته فيكون الامر للاباحة اوليان الجواز وقيل قوموا للاعانة في النزول الى ان قال وما ذكر في قيامه صلى الله عليه وسلم لعكرمة بن ابي جهل عند قدمه عليه فالوجه فيه ان يحمل على الترخيص حيث يقتضيه الحال وقد كان عكرمة من رؤساء قريش وعدى كان سيد بني طي فرأى تاليقهما بذلك على الاسلام وعرف من جانبهما تطلعا عليه بحسب ما يقتضيه حب الرياسة امر مختصرا،

الحديث الثاني، عن عائشة رضي قالت اذا دخلت عليه فاطمة رضي قام اليها وكان اذا دخل صلى الله عليه وسلم عليها قامت اليه رواه ابوداود،

الترویۃ الاولیٰ، فالذی المختار یندب القیام تعظیماً للقادم کما یجوز القیام ولولمقاری بین
ید العالم فرد المختار قال ابن حبان وفی عصرنا ینبغی ان یتجنب ذلک ای القیام لما یورث ترکہ من
الحقد والبغضاء والعداوة لاسیما اذا کان فی مکان اعتید فیہ القیام وما ورد من التوعد علیہ
فی حق من یجب القیام بید یدہ کما یفعلہ الترتک والا عا جہا ر قلت یؤیدہ ما فی العناية
وغيرها عن الشیخ عبد الحکیم ابو القاسم کان اذا دخل علیہ غنی یقوم لہ وبعظمتہ لا یقوم
للفقراء وطلبة العلم فقیل لہ فی ذلک فقال الغنی یتوقع منی التعظیم فلو ترکته لتضرر
انما یطمعون جواب السلا والکلام معهم فی العلم

الترویۃ الثانیہ، فی الدر المختار ولوسلم علی الذی تبجیل لا یکفر وفی رد المختار قال فی
المنح قید بہ لانه لو لم یکن کذلک بل کان لغرض من الاغراض الصحیحۃ فلا بأس بہ لا کفر
ان احادیث اور ان کی شرح اور ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے،
امرا اول یہ کہ قیام کی چند قسمیں ہیں، ایک محبت کا، وہ ایسے شخص کیلئے جائز ہے جس سے محبت
کرنا جائز ہے، چنانچہ حدیث ثانی میں اس کا ذکر ہے، دوسری قسم قیام تعظیمی ہے، اس میں اگر تعظیم دل سے ہو،
تو وہ شخص اس تعظیم کے قابل ہونا چاہئے، ورنہ اگر تعظیم کے قابل نہیں مثلاً کافر ہے تو اس قسم کی اجازت
نہیں، چنانچہ روایت ثانیہ اس پر دل ہے۔ اور اگر تعظیم صرف ظاہر میں ہو اور کسی مصلحت سے ہے
مثلاً یہ خیال ہو کہ اگر تعظیم نہ کریں گے تو یہ شخص دشمن ہو جائے گا، یا یہ کہ خود اس کی دل شکنی ہوگی، یا اس
شخص کی ہدایت پر آنے کی امید ہے، یا یہ شخص اس کا محکوم و نوکر ہے یا ایسی ہی کوئی اور مصلحت ہے تو
جائز ہے، چنانچہ حدیث اول کی شرح اور روایت اولی اس پر شاہد ہے، اور اگر نہ وہ قابل تعظیم ہو
نہ کوئی مصلحت و ضرورت ہے تو ممنوع ہے،

امردوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ بن ابی جہل جو قریش کے رئیس تھے اور عدی بن حاتم
کے لئے جو کہ بنی طے کے رئیس تھے مصلحت ان کی تالیف قلب کے کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا اس وجہ سے
کہ آپ نے انہار سے انکو اس کا متوقع پایا قیام فرمایا ہے، چنانچہ وہ دونوں صاحب مشرف باسلام بھی ہوئے،
امر سوم یہ کہ مانعت جو احادیث میں آئی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ ایک شخص بیٹھا رہے
اور سب کھڑے رہیں، اعاجم میں یہی عادت ہے، یہ ممنوع اور حرام ہے۔

اس تفصیل کے بعد استفتار کے سب اجزاء کا جواب واضح ہو گیا، صرف ایک جز باقی رہا، وہ یہ کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کیوں نہیں پسند فرمایا، اس کی وجہ تو واضح اور سادگی اور بے تکلفی تھی،

چنانچہ مراقاة میں مصرح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (ادارہ ج ۲ ص ۱۹۰) تحقیق قیام تعظیم | السؤال (۳۵۴) میں یہ امر معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ فقہار نے جو قادم کیلئے قیام اکرام کو جائز یا مستحب فرمایا ہے تو اس پر کیا دلیل بیان کی ہے، مشکوٰۃ شریف میں باب القیام اور پھر اس کی شرح مشکوٰۃ سے اس مسئلہ میں جواز کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، امام نووی رحمہ اللہ نے تو استحباب قیام پر قوموا الی سیدکم سے استدلال فرمایا ہے، مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے جیسا کہ علی قاری رحمہ اللہ نے اُسے معقول دلائل سے رد بھی کر دیا ہے، اور اگر یہی دلیل ہمارے فقہار نے بھی بیان کی ہے تو پھر یہ تبرک محض ہی ہے، جن عبادات کو حق تعالیٰ نے اپنی ذات مقدس کیلئے مخصوص فرمایا ہے وہ کسی اور کے لئے کیونکر درست ہو سکتی ہیں قوموا للہ قانتین، جیسا کہ سجدہ و رکوع جزو نماز ہونے کی وجہ سے کسی اور کے لئے حرام ہے، ایسا ہی قیام میں ہونا چاہئے، چنانچہ جھک کر سلام کرنے کو بھی جہاں تک میرا خیال ہے تشبہ بالترکوع کی وجہ سے فقہار نے مکروہ لکھا ہے۔ مجھے اس امر کی تحقیق کی ضرورت مسئلہ قیام میلاد مروجہ کے لئے ہے، میں اب تک شرح صدر کے ساتھ قیام اکرام کو دلائل مذکورہ کی بناء پر درست نہیں سمجھتا۔ ۹ م دسمبر ۱۳۹۲ھ

الجواب، اس وقت میرے سامنے نہ کتابیں ہیں نہ فرصت ہے، جو ذہن میں ہے اس کی بناء پر جواب لکھتا ہوں، قیام اللقادم کے جواز پر استدلال اس حدیث قوموا الی سیدکم پر موقوف نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہؓ کو دیکھ کر کھڑا ہو جانا بھی استدلال کیلئے کافی ہے، اگر کہا جائے کہ وہ قیام للمحبت تھا، تو جواب یہ ہے کہ محبت اور اکرام میں کوئی وجہ فرق کی نہیں، محبت جیسے امر مباح ہے اسی طرح اکرام بھی، چنانچہ اذا جاء کریم قوم فاکرموہ میں اکرام کی اباحت ہے، فلیکروا الضیف اکرام کی اباحت بلکہ تاکید ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قیام لامر المباح جائز ہے، خود ملا علی قاریؒ نے حدیث من سرہ ان یتمثل لہ الرجال پر قیام للخدمت کے جواز کی تصریح کی ہے، اور اگر کہا جائے کہ خدمت موقوف ہے قیام پر، تو جواب یہ ہے کہ بعض اقوام میں اکرام عرفاً موقوف ہے قیام پر۔ اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ قوموا الی سیدکم سے بھی اگر استدلال کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ چنانچہ بعض علمائے کیا ہی ہے، رہا علی قاری کا شبہ ایسے شبہات تو تمام استدلالات میں ہو سکتے ہیں،

چنانچہ مسائل اختلافیہ کے دلائل میں معلوم ہے کہ اصل مدار استدلال کا مستدل کا ذوق ہے دوسرے کا ذوق اس پر حجت نہیں، اور اگر قوموا للہ قانتین اس قیام کو بھی شامل ہے تو خود صاف مراقاة نے عکس مدبرہ اور عدی کیلئے حضورؐ کے قیام کا محل تالیف علی الاسلام یا اقتضاء حال لحب الریاست کو

قرار دیا ہے، کیا اس استثناء کی کوئی دلیل ہے، اور اگر قواعد عامہ دلیل استثناء ہیں تو یہاں بھی جواز محبت یا اکرام دلیل استثناء ہیں، رہا رکوع و سجدہ کا تحیہ کے لئے بھی حرام ہونا یہ نص کے سبب ہے آپ سے سوال کیا گیا اینٹنی بعضنا بعض آپ نے فرمایا لا، اور آپ سے خود آپ کو سجدہ کرنے کے لئے پوچھا، آپ نے منع فرمایا، دوسرے رکوع و سجدہ اور کسی غرض کیلئے مباح نہیں کیا گیا، بخلاف قیام کے کہ خدمت یا تالیف علی الاسلام خود یا قرار علی قاری مباح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رکوع و سجدہ میں معنی عبادت کے زیادہ ہیں، ان کے ساتھ تشبہ بھی ناجائز ہوا، بخلاف قیام کے کہ وہ اغراض مباح کیلئے مباح ہو گیا، جیسا بہت سے واقعات میں صحابہ کا حضور کے سامنے جاثی علیہ الکریم ہونا وارد ہے، حالانکہ یہ تشہد کی صورت ہے، البتہ اگر اس میں بھی نہیں ہوتی تو تعارض مبیح و محرم میں محرم کو ترجیح ہوتی، سو نہیں ہے نہیں، تو مواشہ قانتین (عابدین) میں اس کا منہی عمدہ ہونا تو معلوم ہو چکا۔ رہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لئے ناپسند فرمانا یہ کراہتہ طبعی ہے نہ کہ کراہتہ شرعی، جیسا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے چلنا پسند فرماتے تھے، حالانکہ اس کو کسی نے منہی عمدہ نہیں کہا، اسی طرح لا تقوموا کما تقوم الاعاجم بعضہم بعضا میں وہ قیام مراد ہے جو معظم تو بیٹھا رہے اور سب کھڑے رہیں، چنانچہ عجم کی یہ عادت تاریخ سے معلوم ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث مذکورہ بالا میں... یتشل لہ الرجال اس کا قرینہ ہے۔ رہا اہل مولد کا استدلال دلائل جواز قیام للقادم سے محض لچر ہے اسلئے کہ وہاں قدم کہاں ہے صرف ذکر قدم ہے فاین ہذا من ذاک بلکہ جس قدم کا ذکر ہے اس قدم کے وقت قیام کہیں منقول یا متعارف بھی نہیں، چنانچہ سلاطین کے گھرنچے پیدا ہوتے ہیں، حاضرین نے کبھی قیام نہیں کیا، پس یہ فرق جواب کیلئے کافی ہے قیام للقادم کی نفی کی ضرورت نہیں۔ اور سوچ کر لکھا جائے کہ اگر بطور اعجاز کے کہیں خود حضور تشریف لے آویں، اور رویت اور یقین دونوں حاصل ہو جاویں کیا علی قاری و من تبعہ کھڑے نہ ہو جاویں۔ (النور ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ ص ۹)

بزرگوں کے القاب میں قبلہ کعبہ لکھنا | سوال (۳۵۵) بہشتی زیور میں القاب بزرگاں میں قبلہ کعبہ لکھا گیا اور تذکرۃ الرشید میں مکروہ تحریمی لکھا ہے بدلیل قولہ علیہ السلام لا تظرونی الحدیث، اس کی تاویل کیا ہے؟

الجواب، بلا تاویل مکروہ تحریمی ہے، اور بتاویل معنی مجازی کے جائز ہے گو خلاف اولیٰ ہے۔

۸ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۴۲)

رفع تدافع در میان بہشتی زیور و فتاویٰ رشیدیہ | سوال (۳۵۶) آنجناب کی کتاب بہشتی زیور
در بعض آداب و القاب والد و دیگر عزیزان | حصہ اول صفحہ ۲۱ میں خطوط کے القاب کا مضمون
اس طرح واقع ہوا ہے، بڑوں کے القاب اور آداب، والد کے نام، جناب والد صاحب قبلہ و
کعبہ فرزند اہل مخدوم و مطاع کترینان الی آخرہ، ایضاً جناب والد صاحب قبلہ کو نین و کعبہ
دارین الی آخرہ، ایضاً قبلہ و کعبہ فرزند اہل آخرہ۔ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۷۹ میں یوں تحریر فرماتے ہیں، استفتار کیا فرماتے ہیں
علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں تفصیل مع حوالہ کتب ارقام فرما کر عن اللہ
ما جورو عند الناس مشکور رہوں۔

سوال اول، قبلہ و کعبہ یا قبلہ دارین و کعبہ کو نین یا قبلہ دینی کعبہ و نبوی یا قبلہ آماں ماجا
یا قبلہ مرادات یا قبلہ صوری و کعبہ معنوی یا دیگر مثل ان الفاظ کے القاب و آداب میں والد
یا عموی کو یا اخوی کو یا اور کسی کو تحریر کرنے جائز ہیں یا نہیں، حرام ہے یا غیر حرام، مکروہ
ہے تو تحریری یا تنزیہی، مع عبارت دلائل تفصیلی ارقام فرمائیں؟

الجواب۔ ایسے کلمات مدح کے کسی کی نسبت کہنے اور لکھنے مکروہ تحریمی ہیں۔ لقولہ
علیہ السلام لا تطرد فی الحدیث، جب زیادہ حدیث نبوی سے کلمات آپ کے واسطے
منوع ہوں تو کسی دوسرے کے واسطے کس طرح درست ہو سکتے ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
لہذا رفع اشتباہ کی بناء پر عرض ہے کہ ظاہر اہرود عبارت میں تخالف و تضاد
جو معلوم ہوتا ہے اس کے رفع کی کیا توجیہ ہے؟

الجواب، اگر مجاز کا ارادہ کیا جاوے تو تخالف نہیں ہے، لیکن ظاہری تخالف
جس شخص کے خیال میں ہو اس کو اس حالت میں فتاویٰ رشیدیہ پر عمل احوط ہے۔

۸ شعبان ۱۳۳۵ھ

سلام کا جواب سنا نا ضروری ہے | سوال (۳۵۷) سلام کا جواب اگر آہستہ دیا کہ مُسَلِّم نے نہ سنا
محض آہستہ کہنا کافی نہیں | تو جواب ادا ہوگا، یا سماع بھی ضروری ہے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب نہایت آہستہ سے دیا، کہ یہ جبہ عدم سماع تکبر اسلام
کی نوبت آئی، آخر حضور واپس ہوئے تھے، گو علت یہاں استماع کلام و تحصیل برکت ہے، مگر
بظاہر شبہ جواز کا معلوم ہوتا ہے؟

الجواب، اعلام ضروری ہے، اگر قریب ہو تو اسماع سے اور اگر بعید یا اقم ہو تو اشارہ سے مع تلفظ بلسان کے، اور صحابی کا یہ فعل عارض سے تھا فلا یقال علیہ غیرہ،

۲۲ ربيع الاول ۱۳۳۴ھ (تمہ رابعہ ص ۱۹)

سوال (۳۵۸) زید و عمرو باہم نزاع می کنند کہ سلام علیک بلفظ گفتن فقط مسنون است یا لفظ دیگر ہم از مشتق باشد میتوان گفتن، پس زید می گوید کہ درائے این لفظ کہ جناب شارع علیہ السلام بران نص فرمودہ یعنی السلام علیکم وعلیٰ عہد و بدعت است، عمرو خلافتش میکند و میگوید کہ مشتقات این لفظ ہم داخل سلام است و میتوان گفت تسلیم و تسلیات و نیز ضرورت نیست کہ السلام علیکم جمیع لفظہ لا بجز و کلامہ درست نباشد بلکہ داخل ہمیں سنت آنچہ و ضیعیان و شریفان میگویند مثلاً سلام میاں سلام صاحب و غیرہ، البتہ درائے این دیگر الفاظ سلام کہ در عرف میرزایان عجم متداول و مقرر گشتہ، مثل آداب عرض و کورنش و خجرا و غیرہ بدعت است اما نہ بدعت مذمومہ و مستحبہ کہ گویندہ اش مسی و بزرہ کار باشد بلکہ از قبیل مبامات و اگر چه بندگی گفتن ہم کہ بنا بر عموم و مفهوم خویش کہ در کلام عرب عبد بمعنی مولا و مملوک ہم آمدہ مضائقہ ندارد لیکن بنظر مشترک بودن این لفظ بہ عبدیت معبود حقیقی و تبادر اذیان عوام و قصور افہام شان بریں معنی سزاوار نیست کہ کس باین چنین کلمہ سلام گوید۔ المختصر دریں قوم کہ ام یک از زید و عمرو صادق است آیا و ضیع و شریف رلفظ سلام علیکم فقط بخاطب خود باید گفت یا دیگر ہم از الفاظ مذکور میتوان گفت، بینوا بالکتاب توجروا عند الملک الوہاب، فقط ؟

الجواب، تحقیق دریں باب آنست کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر فرمودہ کہ وقت لقائ مسلم سلام باید کرد،

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا لقی احدکم اخاه فلیسلم علیہ الخ رواہ ابو داؤد،

وہر چند این کلام مفید سنیت نیست لیکن در مامور بہ بالمعنی الاعم بودنش کلامی نیست پس بلا ریب مخالفت آن نمودن بدعت خواہد شد، باقی ماند کلام اندرین کہ کہ ام بدعت خواہد شد بنظر غائر چنان می نماید کہ بدعت مذمومہ مستحبہ باشد چرا کہ مزاحم و مراغم سنت است این چنین بدعت سیمہ فی باشد۔

فی الاحیاء و انما المخذ و ریدعہ تراغم سنۃ مامور بہا الخ اقول ثبت کوز السلام

ما مورأ به بالحديث المذكور وقت اللقاء فاذا لم يسلم وقت اللقاء بل اتى بلفظ اخر صارت السنة متروكة وغيرها مؤثرا وهي المراجعة كما لا يخفى،

اس تقریر میں بر اصول کلیہ بود اگر فروع و جزئیات تفتیش کنیم ہم موبدیش بر می آید،
عن هلال بن يسار قال كنا مع سالم بن عبيد فعطس رجل من القوم فقال السلام عليكم فقال سالم وعليك وعلى أمك فكان الرجل وجد في نفسه فقال اما اني لم اقل الا ما قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا عطس رجل عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال السلام عليكم فقال النبي صلى الله عليه وسلم وعليك وعلى أمك اذا عطس احدكم فليقل الحمد لله رب العالمين وليقل له من يرد عليه ويرحمك الله وليقل يغفر الله لي ولكم رواه الترمذي وابوداؤد،

اس حدیث دلالت صریحہ دارد بر این کہ آداب شریعہ را ترک نموده دیگر الفاظ را بجانش استعمال نمودن امر منکر است تا آن کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و پیچین سالم کلمہ گفتہ کہ موجب غیظ محتاج گردید فافہم کنوں باید دید کہ کدام لفظ را مخالف سنت گوئیم و کدام را مماثل قرار دہیم پس ظاہر بر آن حکم میکند کہ اگر اندکے زیادہ یا نقصان یا تقدیم یا تاخیر ہم را بہ مخالف سنت باشد،

یویدہ ماروی عن جابر عن قال اتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت عليك السلام يا رسول الله قال لا تقل عليك السلام فان عليك السلام تحية الموتى رواه الترمذي
الحديث امرين احدهما ان تقديم المؤخر وبالعكس مخالف للسنة والثاني ان ما خالفها هذه المخالفة منهي عنها حيث قال لا تقل،

اما قول گفت کہ تغییرے سیر جائز باشد کہ اور د علیہ قولہ تعالیٰ قالوا سلاما و قولہ تعالیٰ سلام علیکم بہا صبر تحرا لایۃ و محتمل کہ انکار بر علیک السلام بسبب تحیۃ موتی بود باشد پس غایۃ ما فی الباب لفظ سلام میاں و غیر آن از تسلیم و تسلیات شاید گنجایش دارد اما آداب و کورنش و غیرہ در بدعت نہ موم بودنش اشتباہے نیست کہ امر بلفظ بندگی اربع جمیع است از بعض ثقات شنیدہ شد کہ بعض سلاطین جبائرہ بجائے تحیۃ مقررہ نمودہ بود کہ زائر پیش پایہ تخت سرنہادہ لفظ بندگی گوید منشأ آن بلاریب جاہلیت قبیحہ است پس علاوہ دلائل مذکورہ ایہام معنی عبودیت خود شبہ باہل جاہلیت وجہ وجیہ است بر منع آن،

عن عمران بن حصين قال كنا في الجاهلية نقول انعم الله لك علينا وانعم

صباحاً فلما كان الاسلام نهيناً عن ذلك رواه ابو داود،
وأنكہ در سر اکثر بجزار سوادے فرق در اسلام و ضیعان و شریفان پختہ منشار اش کبر است کہ از دل
خصال دل است اگر فرق ضروری است در رسوم و معاملات دنیا مضائقہ ندارد و اسلام از امور
دین است و ران فکر فرق کردن چنان است کہ و ضیعان را گویم کہ ظہر سہ رکعت گذارید کہ در میان ما
و شما فرق بدست آید و ہو کماتری و اگر دل گوارانہ نماید بلفظ اسلام و تسلیم نمایند و دیگر الفاظ واجب
الترک است و فیما ذکرنا کفایۃ لطالب الانصاف انشاء اللہ تعالیٰ واللہ اعلم فقط،

(امداد، ج ۲ ص ۱۸۶)

موقع کراہت اسلام | سوال (۳۵۹) کیا یہ بات صحیح ہے کہ جب مسجد میں آئے تو باواز بلند السلام علیکم
کہے اور جب مسجد سے جانے لگے تو اس وقت بھی باواز بلند السلام علیکم کہے خواہ مسجد میں کوئی ہو یا نہ
ہو اور خواہ کوئی ہو اور نماز میں مشغول ہو یا بعض لوگ نماز میں مشغول ہوں اور بعض خالی بیٹھے ہوں
یا سب کے سب نماز یا اور کسی وظیفہ میں مشغول ہوں ہر صورت کا جواب ارشاد ہو؟
الجواب، محض غلط ہے، بلکہ ایسی حالت میں کہ لوگ اپنی نماز و وظائف میں مشغول ہوں

سلام کرنا مکروہ ہے۔ فی الدر المختار

سلامک مکروہ علی من ستم	ومن بعدہ ابدی یسق و یشرع
مصلحتا لذا کرو محدث	خطیب من یصغی الیہم ویسبغ
مکررفقہ جالس لقضائہ	ومن یجتوا فی العلم و علمہم لینفعوا
مؤذن ایضاً و مقیم مدرس	کذا الاجنبیا الفتیات امنع

واللہ اعلم، ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ ... (امداد، ج ۲ ص ۱۸۹)

متکبر کو سلام نہ کرنا | سوال (۳۶۰) زید ایک فقیر صورت آدمی ہے جس مجمع میں جاتا ہے خواہ وہ
مجمع مسجد میں ہو یا خارج مسجد سلام میں کبھی تقسیم نہیں کرتا، جب لوگ اس کو سلام کرتے ہیں تو ہاتھ
یا زبان یا دونوں سے سلام کا جواب دیتا ہے، جب کبھی اتفاق سے کوئی ایسا ہی وجہ شخص مثلاً عالم
یا درویش وغیرہ ملتا ہے تو سلام میں تقسیم کرتا ہے ورنہ نہیں، ظاہر حال بھی کہتا ہے کہ یہ شخص اپنی فقیری
اور عبادت کے سبب لوگوں کے سلام کا منتظر رہتا ہے، آیا ایسے کو سلام کرنا یا سلام میں تقسیم کرنا
شرعاً ممنوع تو نہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ متکبرین کا سلام یہی ہے
کہ ان کو سلام نہ کرو، امام صاحب موصوف کے اس قول پر عمل کرنا خلاف سنت تو نہ ہوگا، کیونکہ

ہر اجنبی و غیر اجنبی مسلمانوں کو سلام کرنا اور سلام میں تقدیم کرنا احادیث سے مستندین معلوم ہوتا ہے؟
الجواب، تکبر حرام ہے اور مرتکب اس کا بالخصوص، اس پر جو مصر ہو فاسق ہے اور فاسق کو ابتداءً سلام نہ کرنا جائز ہے، بلکہ اولیٰ،

فی الدر المختار فی شرح البخاری للینی فی حدیث ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام
 وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف القولہ وکذا یخص منه الفاسق بدلیل آخر،
 جب معلوم ہوا کہ حدیث عام مخصوص البعض ہے تو امام صاحب کے قول پر عمل کرنا خلاف سنت نہ ہوگا۔

(امداد، ج ۲ ص ۱۸۹)

استنجا کے وقت سلام | سوال (۳۶۱) استنجا کرتے وقت سلام کا جواب دینا یا خود سلام کرنا
 چاہئے یا نہیں، حدیث شریف میں تو اذایبول کا لفظ آیا ہے، پھر لوگ استنجا کرتے وقت سلام
 کا جواب کیوں نہیں دیتے، آیا یہ ان کی غلط فہمی ہے یا کچھ اصل بھی ہے، علاوہ بریں حدیث شریف
 میں یہ بھی آیا ہے کہ حائضہ بھی سلام کرتیں اور سلام کا جواب دیتی تھیں، اس سے معلوم ہوتا
 ہے کہ تقاطر مانع تحیت نہیں۔؟

الجواب، فی الدر المختار اول باب مفسدات الصلوٰۃ، سلام مکروہ علی من ستمع
 الی قولہ فہذا ختام والزیادۃ تنفع، ان ابیات میں مواضع کراہت سلام کو شمار کیا ہے، مگر اس
 میں یہ حالت محدود نہیں، اور تال سے اور بھی کوئی دلیل منع کی نہیں معلوم ہوتی، پس ظاہر یہ بلا سند
 محض رسم پیرگئی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ التمس، ۱۷ رذیقہ ۳۲۳ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۹۰)

کسی کے پیر کو ہاتھ لگا کر چہرہ پر ملنا | سوال (۳۶۲) پیر میں ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چہرے پر ملنا صاحب پیر
 حالت قیام یا قعود میں ہو ویں یا لیٹے ہو ویں سنت یا مستحب یا مباح یا بدعت ہے،؟

الجواب، در مختار میں یہ جزئیہ ہے وکذا ما یفعلہ الجہال من تقبیل ید نفسہ اذا لقی غیرہ
 فہو مکروہ فلا رخصۃ فیہ اھ، قبیل فصل فی البیع کتاب الخضر والاباحۃ، پس اگر چہ پیر
 پر مانا مثل تقبیل کے ہو تب تو اس روایت سے مسئلہ کا جواب ظاہر ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یعنی رد المحتار
 ای تحویم تا ویدل علیہ قولہ بعد فلا رخصۃ فیہ، اور اگر اس کے مثل نہیں ہے تو یہ روایت اس سے
 ساکت ہے، دوسری روایت نظر سے نہیں گزری، اور ظاہر قواعد سے تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ اگر مسح
 متبرک متقی ہو اور راس متبع سنت صحیح العقیدہ ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز، واللہ اعلم،

۲۶ شوال ۱۳۲۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴۳)

کھانا کھانے والے کو سلام کرنا | سوال (۳۶۳) برآکل بوقت اکل سلام کردن چه حکم دارد؟
 الجواب، علت کرامت سلام بر آکل عجز از جواب نوشتہ اند و نزد من علت دیگر احتمال
 تشویش یا اختصاص بقمہ ہم است پس ہر گاہ ہر دو علت مرتفع باشد کرامت ہم نباشد و اس علت
 از قواعد فہمیدام نقل یادند (۲)۔ ۳ محرم ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۰۷)

تعظیم ابن بدعت | سوال (۳۶۴) جو لوگ عرس وغیرہ بدعتوں میں شریک ہوتے ہیں ان کی جو
 لوگ تعظیم و تکریم کرتے ہیں وہ اس حدیث من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هذا
 الاسلام اور کہا قال کے مصداق ہیں یا نہیں؟

الجواب، اگر یہ تعظیم و تکریم کسی دینی مصلحت یا دنیوی ضرورت سے نہ ہو تو بیشک اس میں داخل ہے،
 ربيع الثاني ۱۳۳۲ھ (تمہ خامسہ ص ۸۴)

روضہ مطہرہ وغیرہ کو بوسہ دینا | سوال (۳۶۵) بر تصویر روضہ منورہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 و نقشہ مدینہ منورہ زاد ہا اللہ شرفاً و نقشہ مکہ مکرمہ کہ در دلائل الخیرات واقع است بوسہ دادن و
 چشم مالیدن از روی شرع جائز است یا نہ؟

الجواب، بوسہ دادن و چشم مالیدن برس نقشہ ثابت نیست و اگر از غایت شوق سرزد ملامت
 و عتاب ہم بر جا نباشد، کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ،

الجواب صحیح، اشرف علی عفی عنہ، ۲ محرم ۱۳۳۲ھ (امداد، ج ۲، ص ۱۴۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | سوال (۳۶۶) آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بطریق مشروع
 کی مدح و نظم و نشر میں کہنا کیسا ہے؟ عام اس سے کہ نظم ہو یا نثر، دو ایک حدیثیں اس کے متعلق عنایت
 ہوں، من انشد فینا بیتا فله الجنة، اس فقرہ کو لوگ حدیث کہتے ہیں، کیا کسی حدیث کی کتاب میں یہ حدیث
 یا ہم معنی اس حدیث کی آپ کی نظر پڑی ہے، دوسرے یہ کہ قصیدہ بانت سعاد فقلبی الیوم مہبتول،
 آنحضرت کی شان میں حضرت حسان بن ثابت نے پڑھا، تو آنحضرت نے سبحان ہذہ الامۃ فرمایا اور روئے
 مبارک عنایت فرمائی، اس کی سند صحیح کس کتاب میں ہے؟

الجواب، اے جائز ہے نظماً و نثراً ہر طرح سے، بشرطیکہ حدود شرعیہ سے متجاوز نہ ہو، جیسا عام
 شعرا مبتلا ہیں، مشکوٰۃ میں بخاری سے حدیث روایت کی ہے،

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع لسان منبرانی المسجد یقوم
 علیہ قائماً یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او ینافخ ویقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان الله يؤيد حسان بروح القدس ما نافع او فاجر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم واما
الاطلاق نظماً ونثراً فعز عائشة رضي قالت ذكر عند رسول الله صلى الله عليه وسلم الشعر
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هو كلام فحسنة حسن وقبيحة فبيح رواه الدارقطني كذا
في المشكوة، اور من انشد الخ ميري نظري سے کہیں نہیں گذرا،

علا یہ قصیدہ حضرت حسان کا نہیں ہے، کعب بن زہیر کا ہے، دیکھا تو ہے مگر یاد نہیں
کہ کس کتاب میں دیکھا ہے، اور کتابیں پاس نہیں جو دیکھوں، اور سبحان فرماتا یہ کہیں نظری سے
نہیں گذرا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد، ج ۳، ص ۱۴۵)

تحقیق سجدہ تعظیم | سوال (۳۶۷) سوال میں شبہ کیا گیا تھا کہ شراح من قبلنا میں اس کا وقوع
بلا تکرار نصوص قطعیہ میں منقول ہے، پس ہماری شریعت میں بھی جائز ہوگا، اور نسخ اس کا قطعی
ہونا چاہئے اور وہ مفقود ہے؟

الجواب، جواب یہ دیا گیا کہ اس کی حرمت پر اجماع ہے، اور اجماع کو نسخ نہیں مگر علامت
ہے وجود نسخ کی، گونا نسخ معلوم نہ ہوا اور یہ جواب علی بسیل التزل ہو، ورنہ اگر نخبہ کی تحقیق پر نظر
کی جاوے تو حدیث نہی عن السجدة التحیمة کو متواتر کہہ سکتے ہیں گو تواتر معنوی ہو،

وهذه اذا اجتمعت راي الكتب، على اخراج حديث وتعددت طرق تعدد التحصيل
العادة تواطؤهم على الكذب الى اخر الشرط افاد العلم اليقيني لصحة نسبة الى قائله و
مثل ذلك في الكتب المشهورة كثير،

اور حدیث نہی سجدہ تحیمہ کی سند میں جمع الجوامع للسیوطی میں حسب ذیل مذکور ہیں،
رواہ ابوداؤد والطبرانی والحاکم والبیہقی عن قیس بن سعد والترمذی عن ابی ہریرۃ
والدارقطنی والحاکم عن بريدة واحمد عن معاذ والطبرانی عن سراقه بن مالك وصهيب عتبة
ابن مالك وغيلان بن مسلم ورواه ابن ابی شیبہ عن عائشة والبیہقی ایضاً عن ابی ہریرۃ
اور ممکن ہے کہ اہل اجماع کے نزدیک یہ حدیث لفظاً بھی متواتر ہو،

۲۵ محرم ۱۳۵۵ھ (النور، شعبان ۱۳۵۵ھ ص ۶)

علم ملقب کردن بادشاہ | سوال (۳۶۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین کہ ایک مسلمان والی ملک
محمول الملک والدين وغيره جس کی خصوصیات یہ ہیں کہ شراب پیتا ہے اور پی کر عالم بدستی میں اپنے
اعیان اور مصاحبین کی ہتک کرتا ہے، چار سے زائد میبیاں کر کے علی الاعلان شریعت اسلامیہ کی

مخالفت کرتا ہے، اُس کی مملکت میں شراب و زنا کے متعلق احکام شرعیہ جاری نہیں ہیں نہ عدالتیں دیوانی و قوری میں مطابق شرع شریف تصفیہ ہوتا ہے اور نہ ان عدالتوں کے حاکم و نیندیشی اور علوم دینیہ سے واقف معین کئے جاتے ہیں، سوائے اس امر کے کہ زمانہ حال کی روش کے مطابق بعض مسلمانوں کی انجمنوں اور مدرسوں وغیرہ کو معقول مالی امداد اس والی ملک نے دی ہے اور کوئی فعل اس کا ایسا نہیں جو دین اسلام کی حقیقی خدمت کہی جاسکے، مگر ایک جماعت مسلمانوں کی جو کچھ ذاتی اغراض رکھتی ہے یا بعض قومی انجمنوں کیلئے خرید مالی امداد کی فکر میں ہے اس والی ملک کو جس کے اوصاف مذکور ہو چکے **ھم الملة والدین یا ناصر الملة والدین** کا خطاب مسلمانان ہندوستان کی طرف سے دینا چاہتی ہے، کیا اس جماعت کا یہ فعل قابل تحسین ہے اور اللہ تائید بھی، اگر نہیں تو کیا اس کی مخالفت و مزاحمت مسلمانوں پر یا اس میں سے بعض خاص لوگوں پر فرض ہے، بینوا تو جبروا؟

الجواب، فی الدر المختار و بکیرہ تحریر ما وصفہ بہا لیس فیہ، اس سے حکم واقعہ کا معلوم ہو گیا، یہ تو خطاب دینے والوں کے متعلق تحقیق ہے باقی اگر کوئی خطاب دے تو اس کی مزاحمت و مخالفت سے بہتر یہ ہے کہ تاویل کر کے ساکت رہے کہ خود اہل اسلام میں فتنہ و تشویش نہ ہو، اور تاویل ظاہر ہے، آخرت و دین کے کسی شعبہ کا تو احیاء و نصرت واقع ہی ہے (۳۰) ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

مسائل متعلقہ طاعون و وباء

طاعون سے بھاگنے کی ممانعت | سوال (۳۶۹) حدیث الطاعون کے جملہ فلا تخرجوا فراراً منہ کی مثال مثلاً آیہ ولا تمش فی الارض مرحاً کی ہے تو جیسے مطلق مشی منع نہیں، ویسے حدیث سے مطلق خروج منع نہیں بخلاف دخول کے کہ ظاہر حدیث میں مطلقاً منع ہے، اور ظاہر ہے کہ فرار سے مراد ترک مکان ہے، اب رہا یہ کہ نہی فرار اگر مطلق غیر مخصوص و غیر معطل ہے، تو بغیر مجبوری مثلاً بدبو ناقابل برداشت غیر قابل دفع وغیرہ بقصد تبدیل آب و ہوا ایک کو ٹھہری سے دوسری کو ٹھہری میں یا ایک مکان سے دوسرے مکان میں کیا اندرون کیا بیرون شہر کیا دوسرے شہر میں جائز نہ ہونا چاہئے تاکہ تفویض و تسلیم کے خلاف نہ ہو، مگر یہ کہا جائے کہ باعانت روایت ثانیہ ارض سے مراد بلد ہے، اور

فناں بلکہ حکم میں بلکہ کے ہے، تو فناں بلکہ تک فرار جائز ہوگا، اور اگر نہ فرار بلکہ کی مخصوص ہے یعنی معتقدین تعدیہ کے لئے ہے، جیسا کہ درختار کا مفہوم ہے، تو اول تخصیص کی دلیل کیا ہے، دوسرے شرط فناں بلکہ کی معتقدین عام تعدیہ کیلئے نہیں ہوگی، یہ لوگ نہی میں داخل نہیں تو شرط کیسی، اور اگر حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے محل بعثت تفتیح مرضی کہہ کے مشروط کہی جائے، تو اول تو انھوں نے نو وارد شکر بیان کے بارہ میں حکم صادر فرمایا تھا، دوسرے یہ کہ اگر قبل طاعون عسکر کا قیام مقام اردن میں کافی طریق سے ثابت ہو جاوے تو بھی اردن و جابیہ ملک شام کے دو شہر ہیں، لہذا قبیلہ قبیلہ بلکہ و بانی سو دوسرے بلکہ میں فرار کریں، یا چنانچہ اشخاص قریب کے موضع میں فرار کریں، اور بوقت ضرورت شریک اہل مصاب ہو کر کریں، یا ایسے لڑکے دوسرے موضع میں بھیج دیئے جائیں جو شریک نہیں ہوا کرتے، تو جائز ہونا چاہئے، خلاصہ یہ کہ فلا تخرجوا افراد امنہ مذہب قوی میں مخصوص ہے یا غیر مخصوص، محل ہے یا غیر محل، اگر مخصوص ہے تو دلیل کیا ہے، اور مخصوص ہونے کی حالت میں کسی کو دوسرے شہر میں فرار جائز ہے یا نہیں، اور اسی طرح حضرت عمرؓ کا قول نو وارد کے بارے میں ہے یا حکم کے اور اگر مقیم کے بارے میں ثابت ہو تو بصورت عدم خلل پذیر ہونے علت کے مثلاً سورۃ ثلثہ مذکورہ میں معتقد تعدیہ یا غیر معتقد یہ فرار دوسرے شہر میں جائز ہے یا نہیں، اور اگر ناجائز ہے تو حضرت عمرؓ نے دوسرے شہر میں جانے کا حکم کیوں فرمایا؟

الجواب، میرے نزدیک محقق یہ ہے کہ نہی عن الفرار معتقد تعدیہ اور غیر تعدیہ کو تو عام ہے لاطلاق الاحادیث، لیکن مقیمین کے ساتھ خاص ہے، يدل عليه قوله عليه السلام فيمكن في بلد رواه البخاري، اور احکام میں وطن اصلی اور وطن اقامت یکساں ہے، حضرت عمرؓ کے فعل پر بھی مشبہ نہ رہا، البتہ بعض محققین نے اس کو محل کہا ہے، تفتیح حقوق جیران کے ساتھ، اور اس سے مناسک کے نقل کا جواز لازم نہیں آتا، کیونکہ منجملہ حقوق جبر قلوب بھی ہے، اور نقل منغار میں بھی کسر قلوب یقینی ہے، تقریر سوال کا جو حاصل میں نے سمجھا ہے اس کے لئے یہ جواب النشاء اللہ کافی ہے، اور اگر کوئی جزو رہ گیا ہو تو مکرر پوچھ لیا جاوے، ۱۸ شعبان ۱۳۲۵ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۱۲) حدیث فلا تخرجوا افراد امنہ | سوال بر جواب بالا (۲۷۰) فقرہ حدیث فلا تخرجوا افراد امنہ سے شہر پر خید شبہات کا جواب | باہر کرنے کی مانعت ہے، لہذا شہر کی حد میں فرار جائز ہوگا،

لیکن قریب کے دوسرے موضع میں یا دوسرے شہر میں کسی حالت میں فرار جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر محل ہونے کی حالت میں بھی جائز نہیں ہے تو حضرت عمرؓ نے شہر اردن سے شہر جابیہ

جانے کا حکم کیوں فرمایا تھا،

اور قول حضرت عمرؓ کے محاطین نے شہر اردن کو قبل طاعون زدہ ہونے کے وطن اقامت بنایا تھا، یا بعد طاعون ہونے کے، اگر بعد طاعون کے کیا تو اس قول سے معلیت حدیث پر استدلال صحیح ہے یا نہیں؟

اور اس قدر اضافہ کرتا ہوں کہ فقرہ حدیث فلا تدخلوا فیہ مطلق ہے تو مطلقاً دخول منع ہے یا جائز ہے، اور ہے تو کسی مجبوری کی وجہ سے یا بغیر مجبوری بھی، مثلاً دوسرے موضع سے طاعونی موضع میں جا کر مریض کو دیکھنا یا جمعہ پڑھنا یا تکفین یا عبادت کرنا وغیرہ جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو نہ کرنے والا ملام و گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب عن السؤال علی اصل الجواب، ۱۔ جائز نہ ہوگا بوجہ و الفرار، ۲۔ کیونکہ غاص ہے مقیمین کے ساتھ کما ذکر فی الجواب السابق ۳۔ محمول اس پر ہوگا کہ وطن اقامت نہ بنایا تھا جیسا کہ لشکر مخازہ میں رہتا ہے، ۴۔ یہ جزو سوال کا سمجھ میں نہیں آیا، بوجہ اجمال عبارت کے پھر یہ مبنی ہے وطن اقامت بنانے پر اور وہ خود ثابت نہیں (الجواب عن الاضافہ) ۵۔ مطلقاً منع نہیں، لان الضرورة مستثناة باطلاق الدلائل ۶۔ حاجت کے وقت جائز ہے، گو وہ درجہ مجبوری تک نہ پہنچی ہو ۷۔ جائز ہے خواہ دوسرے دلائل سے واجب ہو یا نہ ہو، اگر واجب بھی ہوگا تو ترک پر ملامت ہوگی، والا فلا، فقط۔ ۳۔ رمضان ۱۲۳۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳۱۵)

سوال (۳۱۷) قبل ابتلاء مرض بطور حفظ ما تقدم تدبیر تدای جائز ہے یا نہیں؟
الجواب، تدای بالمباح قبل سو بھی جائز ہے، ۲۔ صفر ۱۲۳۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۶)

سوال (۳۱۸) باصول ڈاکٹری طاعونی ٹیکہ اندازی جس کا عرق بقول بعض موش و خرگوش متاثرہ طاعون کا عصارہ کیسا دی ہے، اور بقول بعض لحم خنزیر کا عصارہ بھی اس میں مخرج ہونا بیان کیا جاتا ہے، باقی حال اجزائے نجسہ مینہ کا بذریعہ ٹیکہ جسم و خون میں بخلاف ارشاد لا شفاء فی الحرام داسرو سائر کرنا درست ہو سکتا ہے یا کیا؟

الجواب، تیقن شفاء میں بعض متاخرین نے تدای بالحرام کی رخصت دی ہے، کذا فی الدر المختار۔ ۲۔ صفر ۱۲۳۵ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۶ و حوادث اول و ثانی ص ۵۰)

سوال (۳۱۹) دوسرے طاعونی مقام سے تخلیہ نقل مکان یا ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں چلے جانا بیکار جواز جو طباً ضروری خیال کیا گیا ہے یا نہیں؟

الجواب، انتقال بلد درست نہیں، ایک ہی بلد میں محلہ یا دار کا نقل درست ہے،

۱۲ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۶)

طاعون سے بھاگنے کی ممانعت منصوص | سوال (۳۷۴) ایک فریق مسلمان کا طاعون سے فرار کو مثل فرار ہے قیاس کی ضرورت نہیں، عن الزحف خیال کرتا ہے جس کی تائید آیت قرآنی (قل لن ینفعکم

الفرار ان فرد تم من الموت او القتل و اذا لا تمتعون الا قليلا) سے ہوتی ہے، دوسرا فریق فرمان نبوی (فر من المجد و مکما تفر من الاسد) کے احتجاج پر خلاف ارشاد سرابا ارشاد (الطیوة و لا عدوی) مرض طاعون کے تعدیہ و سرایت کا قائل ہو کر فرار کو قرار پر اقدم سمجھتا ہے، ان دونوں میں کون صواب پر ہے؟

الجواب، نہی عن الفرار من الطاعون منصوص ہے، اور اجازت اس کی فرار من المجد و مکما تفر من الموت ہے۔ اور نص مقدم پر قیاس پر، لہذا قول نہی صواب ہے۔ ۱۲ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۶)

طاعون عموماً اس میں حضرت عمرؓ کے حکم نقل | سوال (۳۷۵) تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ مرض قرون سابقہ از بلدہ سے فرار پر استدلال درست نہیں بلکہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی ہوا کیا ہے، آیا یہ روایت صحت کو پہنچی ہے کہ خلیفہ دوم جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر اسلام کو جو بامارت حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ معرکہ شام میں گیا تھا، بمقام عموماً اس یہ مرض طاعون شائع ہونے کی اطلاع ہونے پر تخلیہ تبدیل مقام کا فرمان صادر فرمایا تھا،

الجواب، منقول تو ہے، اور وجہ صحت کی تحقیق نہیں، لیکن اگر مان بھی لیا جاوے تب بھی فرار کے جو اند کی دلیل نہیں ہو سکتا، کیونکہ علت نہی کی ضیاع حقوق مرضی و موتی ہے، اور و بانتقال بعض میں ہے اور یہاں نقل کل کی ہوئی، لہذا اس پر قیاس نہیں ہو سکتا،

۱۲ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۶)

فرار عن الطاعون کو سبب نجات | سوال (۳۷۶) اگر طاعونی مقام سے کوئی شخص فرار کرے اور سمجھنے والا کافر نہیں ہو یا سخت فاسق ہو اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اگر بھاگ جاؤں گا تو ضرور بچ جاؤں گا، اور اگر نہ بھاگوں گا تو ضرور مر جاؤں گا، تو ایسے شخص کی طرف کفر کی نسبت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب، نہیں، مگر گنہگار سخت ہے، (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۶)

بلا عقیدہ مذکورہ بالا | سوال (۳۷۷) اگر کوئی شخص طاعونی مقام سے بغیر عقیدہ مذکورہ بالا بھاگنا بھی گناہ کبیرہ ہے | محض خوف طاعون بلا لحاظ کسی دوسری ضرورت و عوارض کے بھاگ جائے

تو وہ مرتکب کبیرہ کا ہے یا نہیں، اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں حدیث الفار من الطاعون کالفار من الزحف کی شرح میں جو فرمایا ہے کہ (ازس حدیث معلوم می شود کہ گریختن از طاعون گناہ کبیرہ است چنانکہ فرار از زحف، و اگر اعتقاد کن کہ اگر نہ گریزد البتہ می میرد، و اگر نگرید بسلامت می ماند آن خود کفر است) تو یہ حکم صحیح اور قابل تسلیم ہے یا نہیں؟
الجواب، یہ مرتکب کبیرہ کا ہے۔ اور شیخ کا حکم کبیرہ کا بلا تاویل صحیح ہے، اور کفر کا حکم اس تاویل سے صحیح ہے کہ جب وہ خدا تعالیٰ کو اس کے خلاف پر قادر نہ سمجھے جیسا کہ اہل سائنس کا اصل مذہب ہے۔ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۷)

بغرض تبدیل آب ہو ابھی فرار جائز نہیں | سوال (۳۷۸) اگر کوئی شخص کسی مقام سے بوقت شدت طاعون کسی دوسرے شہر میں چلا جائے اور ظاہر کرے کہ میں بغرض تبدیل آب ہوا گیا تھا، اور اس قسم کا نقل مکان جائز ہے تو ایسا شخص فرار من الطاعون کا مصداق ہے یا نہیں، اور اگر اس طرح کا نقل مکان جائز ہے تو فرار من الطاعون کی کونسی صورت ہوگی، اور حدیث الفار من الطاعون کالفار من الزحف و نیز دیگر احادیث مشعر بر حرمت فرار کس پر محمول ہوں گی، بینوایا لکتاب توجہ الیوم الحسن الجواب، جب علت ذہاب کی طاعون ہے تو یہ بھی فرار ہے۔

۲۲ رجب ۱۳۳۲ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۷)

تقریر دفع اشکال متعلق از دخول مقام طاعون

سوال (۳۷۹) اس احقر سے ایک طبیب ماہر فن نے سوال کیا کہ جب حدیثوں سے عدویٰ یعنی تعدیہ مرض کی نفی ثابت ہوتی ہے تو پھر مقام طاعون میں جانے کی ممانعت کی کیا وجہ ہے، البتہ اگر عدوی ثابت مانا جاوے تو وجہ اس نہی کی ظاہر ہے کہ مرض سے بچانے کیلئے ہے، انتہی بخلصہ؟
 احقر نے اس کے جواب میں ایک تقریر عرض کی تھی، چونکہ مجمع حاضرین کو جن میں اکثر اہل علم تھے اس سے شفا ہوئی، اس لئے اس کا ضبط اور اشاعت کرنا مستحسن معلوم ہوا۔ وہ ہندہ۔
تذکرہ، اس کی تحقیق موقوف ہو اس پر کہ عدوی کے متعلق تحقیق کی جاوے کہ اس کی اصل ہے یا نہیں، سو اس باب میں دو قسم کی حدیثیں ہیں، اول وہ جن سے ظاہر عدوی کی نفی ہوتی ہے، جیسے حدیث لا عدوی، اور دوسری وہ جن سے اس کے وجود کا شبہ پڑتا ہے، جیسے حدیث فر من المجذوم کما تفر من الاسد یعنی جذامی سے ایسا بھاگ جیسے شیر سے بھاگتا ہے، اور بھی

حدیثیں اس مضمون کی آئی ہیں، چونکہ ظاہراً اس میں صورت تعارض کی معلوم ہوتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ارشادوں میں بوجہ آپ کے صادق و مصدوق ہونے کے حقیقتاً تعارض ہو نہیں سکتا لان المتعارضین يستلزم صدق احدهما کذب الآخر و الکذب ینافی النبوة، اس لئے ان حدیثوں میں جمع کرنا ضرور ہوا، پس جمع کے باب میں علمائے دہ مختلف مسلک اختیار کئے، بعض نے لاعدوی کو اپنے ظاہر سپر رکھ کر فرمن المجذوم وغیرہ میں تاویل کی، اور بعض نے فرمن المجذوم کو ظاہر سپر رکھ کر لاعدوی کو ظاہر سے منصرف کیا، چنانچہ اہل مسلک اول نے یہ کہا کہ عدوی مطلقاً وراًساً منفی ہے، اس کا کسی درجہ میں بھی وجود نہیں، اور جذامی سے بچنے کا جو امر فرمایا ہے نہ کہ احتمال عدوی سے بلکہ سید ذرائع کے طور پر اعتقاد عدوی سے حفاظت کرنے کے لئے، یعنی اگر جذامی سے اختلاط کیا، اور اتفاق سے ابتداءً اس کو بھی مستقل سبب سے جذام ہو گیا، تو اس شخص کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید جذام کا تعدیہ ہوا ہے، اور اس میں فساد اعتقاد ہے، پس اس سے دور ہی رہنا چاہئے، تاکہ کسی حال میں تعدیہ کا احتمال پیدا نہ ہو۔

اور اہل مسلک ثانی نے یہ کہا کہ عدوی کی نفی سے مطلقاً نفی کرنا مقصود نہیں، کیونکہ اس کا مشاہدہ ہے، گو اس مشاہدہ کا اہل مسلک اول یہ جواب دے سکتے ہیں کہ مشاہدہ اگر ہے تو صرف اعتقاد ہے کہ ایک مریض کے اختلاط کے بعد دوسرا شخص مریض ہو گیا، مگر اس تسبب اول کا ثانی کے لئے اور ترتیب ثانی کا اول پر، یہ کیسے ثابت ہوا، اقتران فی الوجود دلیل تاثیر نہیں ہو سکتی، مگر اہل مسلک ثانی نے اس کو خلاف ظاہر سمجھ کر یہ کہا کہ مطلق عدوی کی نفی اس سے مقصود نہیں، بلکہ اس عدوی کی نفی مقصود ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے، اور جس کے معتقدین سائنس اب بھی قائل ہیں، یعنی بعض امراض میں خاصیت طبعی لازمی ہے، کہ ضرور متعدی ہوتے ہیں، تخلف کبھی ہوتا ہی نہیں، سو اس کی نفی فرمائی گئی ہے، اور یہی معنی جس طرح نص سے منفی ہیں، اسی طرح مشاہدہ سے بھی منفی ہیں، چنانچہ مثلاً کسی مقام پر طاعون ہی پھیلتا ہے، بعد ارتفاع کے جب دیکھا جاتا ہے تو اموات کی تعداد مخفیوں کی تعداد سے بہت کم ہوتی ہے، اگر عدوی ضروری ہوتا تو اس کا عکس ہوتا، بلکہ کوئی بچتا ہی نہیں، غرض تعدیہ کے طبعی و لازمی ہونے کی نفی فرمائی گئی ہے، اور اگر مثل دوسرے اسباب محتملہ کے اس کو بھی منفعی فی الجملہ و موثر فی وقت و بین وقت مان لیا جاوے، جسے تحقیق اطباء جس جگہ افعال و خواص قوی طبعیہ اعضاء کے یا اغذیہ و ادویہ کے بیان کرتے ہیں وہاں باذن خالقہا کی قید بھی لگا دیتے ہیں، اس طرح سے عدوی کے قائل ہونے میں کچھ حرج نہیں، اور فرار من المجذوم کی علت

اسی درجہ کے احتمال عدوی کو قرار دیا ہے۔ اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سائل کے جواب میں (جس نے ایک اونٹ کے خارشتی ہونے کے بعد دوسرے اونٹوں کے خارشتی ہو جانیکا اشکال پیش کیا تھا) یہ فرمانا کہ فمن اعتدلاول، یعنی پہلے اونٹ کو کس نے بیماری لگا دی تھی، اس مسلک کے مزاحم نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ مقصود اسی تعدیہ کی نفی ہو، جس کا قائل وہ سائل تھا، غرض عدوی کے باب میں یہ تحقیق ہے جس پر جواب مقصود و موقوف ہے،

اب اس کے بعد جواب اصل سوال کا معلوم ہو جاوے گا، یعنی نہی عن الدخول فی مکان الطاعون کی علت ان دونوں مسلکوں پر جارا جاوے گی، پس اہل مسلک اول جو کہ عدوی کو راسا و اساسا منفی کہتے ہیں، یہ کہیں گے کہ یہ نہی بوجہ احتمال عدوی کے نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ شاید مقام طاعون میں جانے سے کسی متقل سبب سے اس کو بھی طاعون ہو جاوے اور اس کو یاد دہانوں کو یہ وسوسہ ہو کہ دوسروں کا طاعون اس کو لگ گیا، اور خواہ مخواہ اعتقاد خراب ہو، اس لئے خود جانے ہی سے جس میں احتمال تھا، فساد اعتقاد کا منع فرما دیا، اور اہل مسلک ثانی جو کہ مرتبہ سبب غیر لازم التاثر میں عدوی کو ثابت مانتے ہیں یہ کہیں گے کہ اسی واسطے جانے سے منع فرما دیا کہ شاید وہاں کے طاعون کا اس میں بھی اثر ہو جاوے، گو دوسرا بھی احتمال ہے کہ یہ اثر نہ ہو، غرض بلا ضرورت خطرہ ہلاکت میں کیوں پڑے گو وہ یقینی نہ ہو، مگر ہلاکت کے اسباب مثل تناول سم وغیرہ کا ارتکاب بھی تو قصداً بلا ضرورت نقلاً و عقلاً ممنوع ہے، گو اس سے کبھی بچ بھی جاتا ہے، البتہ جس کی مضرت اس سے بھی کم محتمل ہو جیسے معمولی بد پرہیزی وہ داخل نہیں ہوگی۔ اور اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ جب عدوی اسباب مشکوکہ میں سے ہے تو نہی عن الدخول تو موجب ہو گیا، لیکن نہی عن الخروج کیوں ہے، چاہئے کہ خروج جائز ہو کیونکہ خطرہ محتمل الضرر میں واقع ہونے کے بعد اس سے خارج ہو جانا عقلاً اور بدلائل نصوص نقلاً بھی جائز بلکہ اولیٰ ہے، جیسے مرض کہ اسباب مشکوکہ موت سے ہے، اور تداوی سے غرض خروج عن المرض ہوتا ہے، اور اجماعاً جائز ہے، اسی طرح یہاں بھی خروج جائز ہونا چاہئے تھا، تو جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ بیشک اس کا مقتضا فی نفسہ تو یہی تھا، جیسا صاحب شبہ نے کہا، لیکن عقل اور نقل نے ایک دوسرا قاعدہ بھی مقرر و مسلم رکھا ہے کہ جہاں ایک شخص کے ضرر مشکوک ہے بچنے میں دوسرے شخص کا جس کا اس کے ذمہ حق اعانت ہو یعنی ضرر لازم آوے وہاں اس کو ضرر مشکوک سے بچنے کی اجازت نہیں، مثلاً کسی گھر میں آگ لگ گئی اگر پڑوسی نہیں بجھاتے تو درجہ شک میں احتمال ہے کہ شاید اس آگ کا صدمہ اُن بجھانے والوں کو بھی پہونچے، مگر شک ہی

شک ہے، ممکن ہے کہ کچھ مدد نہ پہنچے، تو کیا ان پُرسوں کو یہ اجازت ہوگی کہ کھڑے دیکھا کریں، اور بچھانے کی کوشش نہ کریں، غرض قاعدہ سابقہ کہ خطرہ مشکوک سے خارج ہونا جائز ہے، مقید ہوا اس قید کے ساتھ کہ جب اس خروج میں دوسرے کا ضرر یقینی نہ ہو، اور طاعون سے فرار کرنے میں دوسرے لوگ جو باقی رہ جاتے ہیں اُن کا کسرِ قلب اور زیادہ توجہ و ضیاع ہے جو کہ مضار یقینیہ ہیں، اس لئے اُنقل المضرین کے دفع کے لئے اخف المضرین کو گوارا کیا جائیگا۔ اور یہ حکم کچھ خروج ہی کے ساتھ خاص نہیں، اگر کسی طور پر معلوم ہو جاوے کہ مقام طاعون میں میرے نہ جانے سے کسی کا یقینی ضرر ہے، وہاں بھی اس کے ضرر یقینی کے دفع کے واسطے اس کے ضرر مشکوک پر جو کہ دخول میں تھا نظر نہ کی جاوے گی، مثلاً مقام طاعون میں کوئی عورت بیوہ ہوگئی، اور اس جگہ سب اس کے مخالف ہیں اور بضرورت عدت و نیز اس لئے کہ اموال و امتعہ کا نقل وہاں سے اس کو متعذر رہے، وہاں اس کا قیام ضروری ہے، اور دوسرے شہر میں اس عورت کا کوئی محرم ہے کہ اس کے پاس رہنے سے وہ اس کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کر سکتا ہے تو اس صورت میں اس کے لئے نہی عن الدخول نہ رہے گا۔ اور اس ضرورت سے اس کو اس جگہ جانے کی اجازت بلکہ بشرط عدم حرج تاکید ہوگی، اور کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ جیسے خروج میں دوسروں کا ضرر یقینی ہے اسی طرح عدم خروج میں اس کا ضرر یقینی ہے کہ ہلاک ہو جاوے گا تو دونوں ضرر برابر ہوئے اور حق نفس مقدم ہے حق غیر پر۔ سو اس شبہ کی گنجائش اس لئے نہیں کہ گفتگو اس تقدیر پر ہو رہی ہے کہ عدوی یقینی نہیں جو اوپر سمجھ و مشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے، پس دونوں مسلکوں میں سے کسی مسلک کے جواب پر کوئی غبار نہیں رہا۔ رہی یہ بات کہ ان دونوں مسلکوں میں ارجح کون مسلک ہے، سو اس میں اپنے مذاق و اجتہاد کے موافق ہر شخص کو اختیار ہے جس مسلک کا چاہے قائل ہو اختلاف امتی رحمتہ ایسے ہی امور میں وارد ہے تو جس طرح احکام فرعیہ کا اختلاف رحمت ہے اسی طرح حکم متفق علیہ کے دلائل و علل کا اختلاف بھی رحمت ہے، جس کو جو مسلک اقرب معلوم ہو اس کو اختیار کر سکتا ہے، اور ہر مسلک میں ایک خاص حکمت ہے، چنانچہ جن پر تفویض کا غلبہ ہے اُن کے مناسب مسلک اول ہے اور جن پر اسباب کا غلبہ ہے ان کے مناسب مسلک ثانی ہے یا غلبہ فی التفویض کا علاج مسلک ثانی ہے اور غلبہ فی الاسباب کا علاج مسلک اول ہے، یہ تو ذوق و حکمت کے اعتبار سے ہے، باقی اقرب الی التحقيق مجھ کو مسلک ثانی معلوم ہوتا ہے، ولکن وجہ تھو مولیٰہا، واللہ اعلم بالصواب

لہ اور خروج کو ناجائز کہا جاوے گا

وعندہ ام الكتاب والیہ يرجع الحقائق فی کل باب، ۲۵ محرم ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۱۷) حکم تمنائے طاعون علاج آن | سوال (۳۸۰) اگر یہ تمنا ہو کہ جب موت آئے تو مرض طاعون سے آئے جائز ہے یا نہیں، اگر طاعون ہو جائے تو علاج کرے یا نہیں؟

جواب، بعض بزرگوں سے ایسی دعا منقول ہے اور ایسے ہی بزرگوں سے تدبیر کی ممانعت بھی منقول ہے، مگر محققین کے نزدیک خصوصیت کے ساتھ اس کی دعا نہ کرے، البتہ شہادت کی دعا کی اجازت ہے، پھر وہ خواہ طاعون سے ہو یا اور کسی طریق سے، اور طاعون ہونے پر دعا و دوا سب جائز ہے جیسے قتل فی سبیل اللہ کہ اسباب شہادت سے ہو اور باوجود اس کے اس سے بچنے کی تدبیر اور اس کے اسباب کا دفع جائز ہے، فلذا ایذا، ۲۲ رجب ۱۳۲۹ھ (تمہ خامسہ ص ۵۷۸)

مسائل متعلقہ طاعون

سوال (۳۸۱) رسالہ مرسلہ خدمت الماعون میں صفحہ ۳ سے صفحہ ۴ کے شروع تک جو فتویٰ مندرج ہے جس کی شرح رسالہ مرسلہ خدمت اعاذۃ الناس میں صفحہ ۴ سے صفحہ ۸ تک اور صفحہ ۲۸ سے ۳۴ تک بیان کی گئی ہے آیا اس زمانہ حیلہ جوئی میں زید کو اس قسم کا فتویٰ لکھنا صحیح ہے یا نہ، بینوا توجسروا۔؟

الجواب، میں نے دونوں رسالے مع ان کے لواحق کے سرسری نظر سے دیکھے مویات زادہ سے قطع نظر کر کے اصل مقصود میں نزاع لفظی معلوم ہوتا ہے اور اختلاف یا شرط سے تناقض حقیقی نہیں، چنانچہ اعاذہ کے صفحہ ۳۵ میں مصرح ہے اگر کوئی اس نیت سے بھاگے کہ طاعون مقام میں پھرنے اور طاعون میں مبتلا ہونے سے کہیں یہ اعتقاد پیدا نہ ہو جائے کہ طاعون کے مقام میں رہنا طاعون ہونے کا سبب ہو رہا ہے تو ایسے بھاگنے کی ممانعت حدیث سے ہرگز مفہوم نہیں ہوتی اور صفحہ ۷ میں ہے ”اگر طاعون سے بچنے کی نیت ہو تو ممنوع ہے“ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جس فرار کا منشاء یہ غرض اور اعتقاد ہو کہ خروج موجب نجات ہوگا، صاحب اعاذہ کے نزدیک بھی ممنوع ہے اور مانعین اسی کو منع کر رہے ہیں، اور جس خروج کا منشاء یہ غرض اور اعتقاد نہ ہو صاحب اعاذہ اس کو جائز بتلا رہے ہیں اور مانعین بھی اس کو منع نہیں کرتے، پس جائز اور چیز ہوئی اور منہی عنہ دوسری چیز پس نفس مسئلہ میں اختلاف نہ رہا، اور اسی تفصیل کی تائید عبارت در مختار واقعہ آخری مسائل شتی سے ہوتی ہے، اب صرف محل نزاع یہ رہ گیا کہ آیا فارین کی غرض فاسد ہے یا صحیح ہے

سو یہ کوئی مسئلہ شرعیہ نہیں ہے جس میں اس قدر کلام کیا جاوے محض ایک واقعہ خبریہ ہے جس کی تحقیق تجربہ و مشاہدہ و تتبع احوال ناس سے بآسانی کر کے نزع و ترفع ہو سکتا ہے، سو جہاں تک استقرار صحیح سے کام لیا گیا یہی ثابت ہوا کہ اکثر میں جہل و معصیت کے غلبہ سے اور بعض میں الحاد و دہریت کے اثر سے فساد غرض متیقن ہے الا نادراً و النادر کا معدوم بل عسی ان یکون فی زماننا الا المفہوم، لہذا بمقتضای انتظام احکام منع عام ہے جو مابین کا حاصل کلام و ملخص مرام ہے واللہ اعلم۔ ۵۔ ردی الحجۃ ۳۲۱ھ،

سوال (۳۸۲) ایک مقام میں طاعون واقع ہوا اور چوبیس کثرت سے مکانوں میں مرنے لگے اور کچھ لوگ بستی کے محض بغرض تبدیل آب ہو امکان چھوڑ کر محلہ کے بالکل متصل چن بیگہ کے فاصلہ پر میدان صاف و پرفضا میں اقامت پذیر ہو گئے، آیا خروج بایں نیت جائز ہو گیا یا نہیں؟
الجواب، چونکہ فنار آبادی حکم میں آبادی کے ہے لہذا انجموہ کو مکان واحد کہا جاوے گا اس لئے صورت مسئلہ میں میدان میں رہنا جائز ہے،

والدلیل علیہ ما اری نظری ان بعض الاحادیث ذکر فیہ لفظ ارض کما سواہ مسلم و فی بعضها بلد کما حکاہ النووی ولما کان الحدیث یفسر بعضہ بعضاً علم ان المراد بالارض ہی البلدة و یؤیدہ ما فی الدر المختار اذا خرج من بلدة حیث قید المحکم بالبلدة ولما ثبت کون متعلق المحکم ہی البلدة وہی بحسب جمیع اجزائہا محل واحد کما اعتبار فی احکام الجمعة والعید لم یکن الخروج الی الفناء خروجاً من البلدة فتفکر نعم نقل فی بعض الرسائل عن الفتاوی الکبری لابن حجر المکی ان المراد بالارض محل الإقامة وقع به الطاعون سواء کان بلداً ام قرية ام محلة ام غیرها لاجمیع الاقلیم الخ لکن من العلماء الشافعیة فلا یكون قوله حجة علینا لاننا لم نلتزم اتباعہ واللہ اعلم، ۲۰۔ ردی الحجۃ ۳۲۱ھ۔

شبه متعلق جواب مندرجہ بالا

طاعونی مقام سے فنار بلد میں خروج کے جواز کی دلیل حضرت نے جو لکھی ہے مطالعہ کی لیکن تھوڑی تشریح کے لئے اور مکلف خدمت ہوں، بل عبارت درمختار کے جواب میں جو مرقوم ہے بہت تھوڑی ہے یعنی اس قدر اذا خرج من البلدة الخ سے معلوم نہیں یہ کہاں کی عبارت ہے، میں نے اپنی منظونہ مقامات میں تلاش کیا نہ ملی، تاکہ مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ عبارت خروج من البلد الطاعون

ہی کی بابت ہے۔ ۱۔ یہ کہ اصل محاورات عرب میں تو بلد قطعاً من الارض عامرة کانت او عامرة کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ سقناہ المبلد میت، قال الشاعر
وبلدة ليس بها انيس الا اليعافير والا العيس،
اس لئے مجھے خیال ہوتا ہے کہ کلام نبوی میں محض قديم استعمال کے بموجب ارادة معنی بہتر ہوگا،
فلا ضرورة اذافي ادخال الفناء الغير المعمور في حكم العمران،
۲۔ تیسرے یہ کہ فنار کی بابت خروج للسفر وقصر صلوة کی بحث میں شامی میں ہے:-

اما الفناء وهو المكان المحدث لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى والقضاء
التراب فان اتصل بالمصراع اعتبر مجاوراً وان انفصل بغلوة او مزرعة فلا كما ياتي
بمخلاف الجمعة فتصل اقامتها في الفناء ولو منفصلاً بمزارع لان الجمعة من مصالح
البلد بخلاف السفر،

پس خروج از بلد للسفر اور جمعہ کے لئے فنار کے اعتبار میں فرق ہوا، اس مسئلہ مسئول عنہا
میں کیا معتبر ہوگا، ارض متصل ہے یا منفصل بمزارع بھی داخل ہے و علی کل حال کیف تقدیر
الفناء و تحدیدہ، و نیز اس میں ہے بمخلاف البساتین ولو متصلة بالبناء لانها
ليست من البلدة فمآحالها في هذه المسئلة؟

الجواب، سوال اول، در مختار میں کتاب الفرائض ہے چند سطر پہلے یہ عبارت ہے۔
جواب سوال دوم، اگر بلدہ میں تعمیم لے لی جاوے تب بھی مضر نہیں کیونکہ اس تقدیر پر بھی ہر ہر
جزو ارض پر تو اطلاق نہ کیا جاوے گا تاکہ بیوت و محلات کو شمول ثابت ہو بلکہ ایک قطعہ
محدودہ کے ساتھ خاص ہوگا، چنانچہ قاموس میں قطعہ کے بعد متجزہ کی قید مصرح ہو اور تعیین
کا مبنی عرف پر ہے سو ظاہر ہے کہ عرفاً معنی خاص کے اعتبار سے حقیقہ مجموعہ اجزاء معمورہ پر
اور حکماً اجزاء تابعہ غیر معمورہ پر بھی اور معنی عام کے اعتبار سے حقیقہ ولغۃ اجزاء معمورہ پر اس کا
اطلاق ہوتا ہے پس خروج عن العمارات کا خروج عن البلد ہونا پھر بھی ثابت نہ ہوگا، اور قرار
غیر معمورہ تقدیر اول پر مآخذاً اور تقدیر ثانی پر لغۃ بلد میں داخل ہوگا، سو بتقدیر ثانی تعمیم کسی قدر
مدعا میں مقید ہوگئی۔

جواب سوال سوم، فنار کہ حکم جمیع متصل و منفصل دونوں کیلئے عام اور وسیع ماننے کی اور سفر میں وسیع
نہ ماننے کی جو علت بیان کی ہو لان الجمعة من مصالح البلد بخلاف القرية خود بتلار ہی ہے کہ

خروج متکلم فیہ کو حکم جمعہ میں کہنا چاہئے کیونکہ کوئی بھی مثل جمعہ کے یقیناً مصالح سے ہو پس اندازہ باہر کا سکے یکساں ہوا اور ارض متصل و منفصل بزمراع سب اس میں داخل ہو گئے اور عبارت بخلاف البساتین الخ سے بساتین کا فنار بلد سے خارج کرنا مقصود نہیں بلکہ ابنیہ بلد سے خارج کرنا مقصود ہے، چنانچہ سابق و سیاق سے یہ امر صاف ظاہر ہے، اس سے سابق یہ عبارت ہے،

واشار الى انه يشترط مفارقة ما كان من توابع مواضع الاقامة كربض المصر وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن فانه في حكم المصر وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح بخلاف البساتين الخ

اور اس کے بعد یہ عبارت ہے واما الفناء الخ پس معلوم ہوا کہ اما الفناء سے پہلے غیر فناء کا ذکر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قصر سفر میں تو عمارت و لواحقہا معتبر ہیں پس بساتین چونکہ سکے اور اس کے مرافق کے لئے موضوع نہیں، لہذا ابنیہ سے خارج ہیں، اور جمعہ میں فنار معتبر ہے اور اس میں زیادہ عموم و وسعت ہو جیسا خود سوال میں مخرج ہے پس بساتین کا قصر میں خارج عن البلد ہونا مستلزم نہیں کہ جمعہ و ماہما ثلہما کا خروج المتکلم فیہ میں بھی خارج ہو اور لفظ بلدہ کے محلات و منازل کو عام ہونے اور بساتین اور مزارع و نحوہا کے داخل بلد ہونے کے لئے اتنا امر کافی ہے کہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں کسی کی ملاقات کے لئے یا بساتین و مزارع کے لئے جو کہ ضرورت شدید نہ ہونے کی وجہ سے مجوز خروج عن محل الطاعون نہیں ہو سکتا جانا بالاتفاق جائز سمجھا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ خروج عن البلد الی بلد آخر نہیں ہے، قتال و انصف والہ اعلم۔ ۱۱ صفر ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۸۳) طاعون شہر میں داخل ہونے کے بعد یہاں سے کچھ لوگوں نے بستی چھوڑ دی ان میں سے بعض دوسری بستیوں میں چلے گئے اور بعض بستی کے نزدیک ہی چھپنے والی قصبہ میں جا گئیں ہیں، فریق ثانی بھی مرضی کی عیادت اور نماز جنازہ و تکفین کی محنت وغیرہ میں شریک نہیں ہوتے، جی میں آئی تو شہر سے باہر مدفن میں آکر مٹی دے دی، ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہم گنگوہ سے اور تھانہ بھون سے فتویٰ منگایا ہے، تبدیل آب و ہوا کے لئے بستی سے زمانہ طاعون میں نکلنا درست ہے، ایک شخص نے الہ آباد سے شاید حضور کے پاس یہیں کے لئے اپنے عزیزوں کے اشارہ سے استفتا کیا، اور بستی کے باہر قریب میدان میں جانے کی اجازت کا سوال تھا،

کہتے ہیں کہ جواز کافتو نے مولانا نے دیا ہے ہر کیف طالب علم کے استفتاء کا خیال حضور کو ہویا نہ ہو ان دونوں فریقوں کا جو حال حکم شرعی سے ہو اور جیسا کچھ پہلے لکھا گیا تحریر فرمائیے کیونکہ ہمارے یہاں کے علماء کل اس جواز کے مخالف مجھ سے کم مایہ شخص کی فہم میں بھی ہر دو فریق گناہ کار معلوم ہوتے ہیں اور سخت مجرم، اہل محلہ کو بتلائے متعدد اموات ہوتے اور ایک روز میں پانچ پانچ سات سات مردوں کی تجہیز و تکفین کی محنت شاقہ اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہیں اور شرکت نہیں کرتے، نماز جنازہ و پنجگانہ باوجود سماعت اذان محلہ میں پڑھنے نہیں آتے، تبدیل آب و ہوا کا بہانہ کرتے ہیں اور طاعونی مریضوں کے پاس اور طاعونی مکان بلکہ اپنی بستی میں جانے سے نہایت ڈرتے ہیں، کیا یہ عدوی و فرار من الطاعون میں داخل نہیں؟

الجواب، چونکہ جواب تابع سوال ہوتا ہے اور اس سوال میں ان غاسد سے تعرض نہ تھا جو اس سوال میں مذکور ہیں، لہذا جواب اس کا جواز سے دیا گیا، چنانچہ نقل جواب یہ ہے، لیکن جب اس کے ساتھ یہ مفاسد بھی ہیں جو اس سوال میں مذکور ہیں جس میں عقیدہ کا فساد اور فرائض اور واجبات و سنن ہدیٰ کا ترک لازم آتا ہے، اس عارض کی وجہ سے یہ خسرو جائر نہ ہوگا۔ واللہ اعلم، ۸ محرم ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۸۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں طاعون سے بھاگنا جائز ہے یا نہیں خواہ بیماری لگ جانے کے اندیشے سے ہو یا موت کے خوف سے، اور بھاگنا ایک بستی سے دوسری بستی میں ہو یا بستی سے باغوں کی جانب ہو یا اگر سارا مکان چوہوں کے مرنے کے سبب سڑ جاوے اور اس میں سکونت و شہار ہو تو نقل مکان جائز ہے یا نہیں، ایک مکان سے دوسرے مکان میں ہو یا مکان سے باغوں کی جانب ہو یا بستی سے دوسری بستی کی جانب ہو یا اگر ساری بستی کے لوگ بھاگ گئے ہوں اور بستی کے خالی ہو جانے کے سبب وحشت ہو خواہ چوروں کے خوف سے یا محض تنہائی کے سبب تو نقل مکان بموضع مذکورہ جائز ہے یا نہیں اگر بستی کے خالی ہو جانے کے سبب حوائج ضروریہ نہ پورے ہوتے ہوں اور تکلیف ہونے لگے تو اس حالت میں دوسری بستی میں یا جہاں حوائج پورے ہوتے ہوں چلا جانا جائز ہے یا نہیں ۵ مرض طاعون سے یا موت سے کسی کو اگر وحشت ہو تو اس کیلئے تبدیل مکان بموضع مذکورہ جائز ہے یا نہیں ۶ اگر بستی بالکل خالی نہ ہو اور حوائج ضروریہ برابر پورے ہوتے ہوں اور کوئی تکلیف پیش نہ آتی ہو تو اس وقت بستی کا چھوڑنا کیسا ہے،

۷ اگر کسی کے بستی کے چھوڑنے سے ضرر متعدي ہو اور عوام سبب جواز پکڑیں تو اس کیلئے فرسار جائز ہے یا نہیں ۸ اگر بعض مکان سڑ گیا ہو اور بعض نہ سڑا ہو اور اس وجہ سے سکونت دشوار ہو تو کیا حکم ہے ۹ اگر مکان بالکل سڑ گیا ہو اور اس وجہ سے مکان میں سکونت دشوار ہو تو تبدیل مکان صرف بستی ہی کے اندر کسی مکان میں کر سکتا ہے یا بستی کے باہر باغوں میں یا کسی دوسری بستی میں جاسکتا ہے ۱۰ قصہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جواز مفرو رین پر استدلال کرتے ہیں جو بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے، چنانچہ الفاروق میں مولوی شبلی لکھتے ہیں ”مصر اور عراق میں سخت وبا پھیلی، حضرت عمر رضی کو اول جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے سرخ پر پہنچ کر حضرت ابو عبیدہ رضی وغیرہ سے جو اُن کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے، ہاجرین اولین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی، مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں، لیکن ہاجرین فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا ٹھیرنا یہاں مناسب نہیں، حضرت عمر رضی نے حضرت عباس رضی کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کو بیچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نہایت غصہ آیا اور طیش میں آکر کہا افراد من قدر اللہ، حضرت عمر رضی نے اُن کی سخت کلامی کو گوارا کر لیا اور کہا نعم افرو من قضاء اللہ الی قضاء اللہ، غرض مدینہ چلے آئے۔ یہ مضمون الفاروق حصہ اول صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳ میں مذکور ہے، (افرو من قضاء اللہ الی قضاء اللہ) کا صحیح مطلب کیا ہے، اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۴ میں ہے ”معاذ رضی کے مرنے کے ساتھ انھوں نے یعنی عمر بن العاص رضی نے عام مجمع میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ و با جب شروع ہوتی ہے تو اُس کی طرح پھیل جاتی ہے اس لئے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جارہنا چاہئے“ اگرچہ اُن کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ رضی کے ہم خیال تھے ناپسند آئی، یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہو، تاہم عمر رضی نے اپنی رائے پر عمل کیا، فوج اُن کے حکم کے مطابق ادھر ادھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ علامہ بخاری شریف اور مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی احادیث سے استدلال عدم جواز پر مطلقا کرتے ہیں خواہ ایک بستی سے دوسری بستی میں ہو یا بستی سے باغوں کی جانب ہو، بخاری کی حدیث یہ ہے:-

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوها واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها،

اور مسند مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۲۰۱ میں طاعون کے متعلق جو حدیث ہے اس کا اخیر کلمہ یہ ہے
فاذا وقع بارض فلا تدخلوا عليه واذا وقع بارض فلا تخرجوا فرارا منه،
اور نیز اسی مسند میں ہے الفار من الطاعون كالفار من الزحف۔

۱۲ فرار من الطاعون اگر گناہ ہے تو کبائر میں سے ہے یا صغائر میں سے اور فرار کو جائز سمجھے اور جواز کا حکم کمرے وہ کیسا ہے ۱۳ اگر بھاگنے کو سبب حفاظت از موت سمجھا جاوے تو کیسا ہے، ۱۴ جس مقام پر طاعون ہو وہاں جانا منع ہے یا نہیں، اگر ممنوع ہے تو مطلقاً ممنوع ہے یا ضرورت کے وقت اجازت ہے ۱۵ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون مسلمانوں کے لئے رحمت ہے اور شہادت ہے، مسند مذکور میں حضرت ابو مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، قال فان من شهادة لامتی ورحمة لهم مروی ہے، پس اس سے تعوذ اور دعا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، طاعون سے بھاگنا جائز نہیں لقولہ علیہ السلام واذا وقع بأسرض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه متفق علیہ کذا فی المشکوۃ، اور اطلاق حدیث ہر فرار کو شامل ہے جو طاعون سے خواہ بخوف موت ہو خواہ بخوف بیماری لگ جانے کے البتہ یہ امر کہ حکم خود اس بستی کے میدان و باغ وغیرہ کو بھی شامل ہے یا نہیں، تصریحاً کتب مذہب میں نہیں گزرا، لیکن ظاہر یہ خروج منہی عنہ میں داخل نہیں، کیونکہ فناء مصر احکام شرعیہ میں حکم مصر میں قرار دیا گیا ہے۔

كما فی الجمعة والعیدین ویؤیدہ ما وقع فی الحدیث من قوله علیہ السلام فیمکث فی بلده الحدیث رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ حیث علق المحکم بالبلد و بالخروج والفناء لم ینتف مکثہ فی البلد واما ما وقع من لفظ الارض فیفسر بالبلدة فان الحدیث یفسر بعضہ بعضا ویؤیدہ ایضا ما روی عن انس قال رجل انا کنا فی دار کثیر فیہا عدونا و اموالنا فتحولنا الی دار قل فیہا عدونا و اموالنا فقال ذروها ذميمة رواہ ابو داود و کذا فی المشکوۃ باب الفال الحدیث وان حملوه علی الفال والشوم لکن یعارض بالاحادیث الاخر والذی یمیل الیہ القلب ان تلك الدار الضیق او لقبها من النتن ونحوه كانت فاسد الهواء مورثة للأمراض وبهذه الامراض کثر الموت وبکثرة الموت وقلة عدو

الکاسبین و کثرة الصرف الى الادوية والتدبير قل الاموال والتائيد مبني على هذا الوجه الله اعلم وان قال قائل قد ورد الاذن في ما يلي ذلك الحديث في المشكوة بتوك البلدة للوباء يقال قد ضعف هذا الحديث واول في الشرح الفارسي للمشكوة فانظر فيه والله اعلم بحقيقة الحال۔

عکس جو خروج کسی عارض کی وجہ سے ہو وہ فرار من الطاعون نہیں ہے، اگر وہ عارض قوی و معتبر ہے تو خروج جائز ہے،

یدل علیہ ما فی الدر المختار قبیل کتاب الفرائض و اذا خرج من بلدة بها الطاعون فان علم ان کل شیء بقدر الله تعالى فلا بأس ان يخرج او يدخل الخ اب یہ امر باقی رہا کہ کون عارض قوی کون نہیں، پس چوبیسوں کا سٹر جانا اس طور پر کہ سکونت و شوار ہو جائے عارض قوی معلوم ہوتا ہے اور دوسری بستی اور اس بستی کے اجزار کا حکم اوپر لکھا گیا۔ عکس صرف وحشت یا خوف قلیل عارض قوی نہیں ہے اور خوف شدید عارض قوی ہے۔

یویدہ ما فی قاضیخان المعتدة اذا كانت فی منزل لیس معها احدھی لا تخاف من اللصوص ولا من الجيران ولكنها تفزع من اموالیت ان لم یکن الخف شدید الیس لها ان تنقل من ذلك الموضع لان قلیل الخوف یكون بمنزلة الوحشة وان كان الخوف شدید اکان لها ان تنقل لانها لو لم تنقل یخاف علیها من ذهاب العقل ونحوه (ص ۲۷۲)

عکس یہ عارض قوی معلوم ہوتا ہے وحشت کا غیر معتبر ہونا جواب سوال سوم میں مذکور ہو چکا ہے عکس یہاں عارض قوی نہیں ہے عکس مباحات موہمہ لضرر العوام سے بچنے کا وجوب اس وقت ہے جب کہ کوئی ضرورت شرعی یا طبعی معتبر اس وقت اکو لاحق نہ ہو ورنہ دوسرے کے عدم تضرر کے واسطے اس کا تضرر گوارا نہ ہو گا و ہذا ظاہر جدا، عکس یہاں عارض قوی نہیں ہے عکس عارض قوی ہے اور دوسری بستی کے جمیع اجزار میں فرق جواب سوال اول میں بیان ہو چکا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قصہ سے کچھ استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ خروج عن محل الطاعون نہیں ہوا بلکہ عدم الدخول فی محل الطاعون ہوا جس کے حوازی بلکہ وجوب میں بھی کلام ہے، چنانچہ حدیث یثخن میں ہے،

فاذا سمعتم بمرض فلا تقدموا عليه كذا في المشكوة ومعنى الفرار الى لقضاء
انما نعتقد في ذهابنا هذا على سبب غير قدر الله تعالى بل نتوكل على الله تعالى
ونمتثل في الذهاب لامره فليس هذا من الفرار من القضاء في شيء۔

البتہ حضرت عمرو بن العاص کی اس مسئلہ میں یہ رائے معلوم ہوتی ہے کہ نہی عن الفرار
من الطاعون محل ہے علت فساد اعتقاد کے ساتھ کہ خروج کو طبعاً مؤثر فی النجات سمجھے
جیسا اہل سائنس کا خیال ہے، اور جو صرف اسباب عادیہ میں سمجھے اُس کے لئے جائز ہو
سوا اول تو یہ اُن کا اجتہاد ہے جو دوسرے مجتہد پر جو کہ ظاہر حدیث مرفوع سے تمسک
کرتا ہو حجت نہیں، دوسرے اب اکثر فارین میں بوجہ اختلاط معتقدین سائنس کے
فساد اعتقاد یقینی ہے پس اس میں کسی کے نزدیک بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس میں
مخالفت ہے شریعت کی جو نافی ہے تاثر طبعی لازم کی۔ لہٰذا ان کے معافی کی تحقیق جواب
سوال اول میں گزر چکی ہے۔ ۱۴ شیخ عبدالحق محدث رجنے شرح مشکوٰۃ فارسی میں تحت
حدیث الفار من الطاعون قال فار من الزحف کے لکھا ہے "ازیں حدیث معلوم می شود کہ
گر بختن از طاعون گناہ کبیرہ است چنانچہ فرار از زحف اھ" اور جائز سمجھنے والا اگر
احادیث کو رد کرتا ہے کفر ہے اور اگر خلاف قواعد شرعیہ تاویل کرتا ہے مبتدع، اور اگر باوجود
رعایت قواعد کے کسی شبہ سے غلطی کرتا ہے، امید ہے کہ معذور ہے ۱۵ شیخ عبدالحق
نے تو عبارت مذکورہ کے بعد اس اعتقاد کو کفر لکھا ہے لیکن تفصیل حق معلوم ہوتی ہے
اگر مؤثر حقیقی سمجھے تو کفر ہے اور جو سبب عادی سمجھے تو بوجہ ورود نہی کے معصیت ہی،
۱۶ اوپر جواب سوال دوم میں گزر چکا ہے کہ ضرورت و عارض قوی سے خروج اور
اسی طرح دخول جائز ہے ۱۷ باوجودیکہ مطلق امراض و بلیات کا موجب رحمت ہونا
احادیث میں آیا ہے پھر بھی اُن کیلئے دعا و تعویذ قولاً و فعلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت
ہے اور از اس میں یہ ہے کہ بحیثیت مصیبت فی الحال ہونے کے دعا و دعا کی اجازت
ہے۔ اور بحیثیت رحمت فی المال ہونے کے صبر و رضا و تسلیم کا امر ہے، فلا منافاة
اور جس نے منع کیا ہے اُس کی غلطی ہے، واللہ اعلم، ۲۹ محرم ۱۳۸۷ھ۔

سوال۔ مرض طاعون سے جو تقریباً نو سال سے بلا و ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے
فرار کرنا کیسا ہے! کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف عظیم واقع ہے، بعض جواز و بعض عدم جواز

فرار کے قائل ہیں، مدعیان جواز فرار میں چند دلائل پیش کرتے ہیں اول یہ کہ جب طاعون عمومی واقع ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا جو امیر لشکر دمشق تھے جہاں کہ طاعون کا زور تھا، لیکن جب وہ نہ آئے تو آپ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اس مقام کو چھوڑ کر جابیہ نامی مقام پر جو بلند ہے چلے جاؤ چنانچہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے اس حکم کی تعمیل کی بلکہ انی روضۃ الاجاب پس در صورت عدم جواز فرار ان حضرات کے متعلق کیا خیال رکھنا چاہئے کہ ان کا یہ فعل صواب پر ہے یا نہیں دوسرے یہ کہ لوگ وقت نمود طاعون موضع طاعون کے مضافات و باغات و صحرائیں نکل کر مقیم ہوتے ہیں اور وہ فنا شہر ہے تو گویا من وجہ شہر ہے پس جو حدیث کہ حرمت فرار میں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس کا آخری جملہ یہ ہے (ولا تخرجوا منها قرازا یعنی موضع طاعون سے نہ بھاگو) کے یہ فعل مخالف نہیں ہے، کیونکہ ارض موضع طاعون و مقام قیام فارین واحد ہے، پس اس موضع سے فرار نہ ہوا، اور نیز اس وقت علل مانعت فرار میں سے صرف ایک وجہ یعنی عدم صبر و استقامت موجود ہے، و الا سبب مفقود جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ رجز من السماء کی تفسیر میں فتح العزیز میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حرمت فرار بوجہ اس کے ہے کہ در صورت فرار علاج و تدبیر دشوار ہے اور امحاء کے فرار پر مضرار کے مزید تکلیف کا گمان ہے، پس یہ صعوبتیں فی زمانہ دور میں کیونکہ باغوں اور صحرائیں علاج بھی ممکن ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اور ان کی دل شکنی کا پورا لحاظ کیا جاتا ہے، تیسرے کہ جس گھر میں آگ لگی ہو یا کوئی دیوار گر رہی ہو وہاں ٹھیرنا خلافت عقل ہے بلکہ ولا تلتقوا باید یکم الی التہلکت کے یہی کو امر کے ساتھ ادا کرنا ہے پس در صورت عدم جواز فرار دلائل مسطورہ بالا کا کیا جواب ہے، عقلاً و نقلاً عدم جواز ثابت کرنا چاہئے؟

سوال دوم۔ در صورت عدم جواز فرار جو لوگ فرار کو جائز قرار دیتے ہیں اور فرار کرتے ہیں عند الشرح کیسے ہیں؟

سوال سوم۔ جابیہ دمشق کا کوئی محلہ ہے یا دوسرا مقام، اگر محلہ ہے تو کیا ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں فرار کرنا جائز ہے اور در صورت دوسرا مقام ہونے کے تو فرار کا پورا ثبوت ہے اس کا کیا جواب ہے، مدعیان عدم جواز فرار اپنے دعویٰ پر

اُن احادیث کو پیش کرتے ہیں جو اس کی ممانعت میں صحاح میں پائی جاتی ہیں، جیسے الفار من الطاعون کالفار من الزحف وغیرہ، بہر حال جواز و عدم جواز عن الشریعہ جو کچھ ثابت ہو بالتفصیل واللیل عقلاً و نقلاً بیان کرنا چاہئے، بینوا تو جبردا؟

الجواب، احادیث صحیحہ میں تنصیراً فرار عن الطاعون کی ممانعت آئی ہے، اور شبہات جو اس پر کئے گئے ہیں ان کا یہ جواب ہے کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اگر کسی اُمتی کے قول و فعل کے معارض ہو تو آپ کے ارشاد کو ترجیح ہوگی اور اُمتی کے قول و فعل میں اگر وہ مقبولین سے ہوتا وہیل کی جاوے گی، پس حضرت عمرؓ کا یہ فعل اگر معارض مان لیا جاوے تو حدیث مرفوعہ صحیحہ پر مقدم نہیں ہو سکتا، دو وجہ سے اولاً سند اس کی صحاح کے برابر نہیں دوسرے شائع غیر شائع برابر نہیں پس لابد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول و فعل میں کوئی تاویل ضروری ہوگی، مثلاً اسی لشکر کو دوسری جگہ بھیجنے کی ضرورت ہوگی اور یہ مسلم ہے کہ مقام طاعون سے اور کسی ضروری کام کے لئے سفر کرنا جائز ہے، یا اگر علت یہ قرار دی جاوے کہ اصحاب کے چلے جانے سے مرضی کی خرابی ہے تو اس صورت میں سارا لشکر کا لشکر سفر کرے تو یہ علت نہ پائی جاوے گی اس لئے اجازت دیدی ہوگی چنانچہ بعض محققین قائل ہیں کہ اگر کسی بستی کے کل آدمی دوسری جگہ چلے جاویں تو کچھ حرج نہیں یا ان کے نزدیک یہ تبھی معطل ہوگی علت احتمال فساد اعتقاد فارین کے ساتھ اور یہ علت مفقود تھی اس لئے اجازت دیدی، بہر حال یہ امر ان کا اجتہادی سمجھا جاوے گا جو دوسرے پر محبت نہیں اور در صورت حجیت اس زمانہ کے طبائع کو مفید بھی نہیں کیونکہ اب خاص طاعون کی وجہ سے بھاگتے ہیں اور ساری بستی کے لوگ کہیں نہیں جاتے اور فساد اعتقاد بھی اگر کسی خاص میں نہ ہو تب بھی اُس کا فعل موجب فساد اعتقاد عامی کا ہے اس لئے اسکے لئے بھی منہی عنہ للضرر ہے یہ سب جب ہے جبکہ تعارض ظاہری مان لیا جاوے، اگر تعارض نہ ہو تو ان تکلفات کی حاجت نہیں چنانچہ قاموس میں جابہ کہ دمشق کا قریہ لکھا ہے اور دمشق کا بلد عظیم ہونا مشہور ہے اور بلد عظیم کا فنار بعض جگہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ گرد و نواح کے قریٰ تک ہوتا ہے، چنانچہ کانپور کے فوجی لوگ موضع جاجموت تک جو کہ مستقل آبادی اور کانپور سے کسی میل کے فاصلہ پر واقع ہے اکثر اوقات نشانہ دمشق وغیرہ کرنے کے واسطے جاتے ہیں، پس جابہ کہ اگر فنار دمشق میں داخل کر لیا جاوے تو کیا بعید؟

۲۔ فنار شہر میں جانا جائز ہے جیسا نمبر ۱ میں بیان ہوا، اور یہ جو لکھا ہے کہ اس وقت علل فرار میں سے ایک ہی علت ممانعت کی ہے اگر اس کو تسلیم کر لیا جاوے تب تو جواز کا احتمال ہی نہیں پھر جواز میں سعی کرنا فضول ہے کیونکہ ممانعت کے لئے ایک ہی علت کافی ہے جیسا کہ اہل علم پر ظاہر ہے، ۳۔ یہ قیاس مع الفارق ہے گرتی ہوئی دیوار یا لگتی ہوئی آگ میں عاۃً ہلاک ہونا متیقن ہے اور یہاں متیقن نہیں پس ایک کا قیاس دوسرے پر صحیح نہیں، ورنہ قتال کفار تہلکہ میں داخل ہو کر ممنوع ہوگا، اور طاعون کو زحف کے ساتھ تشبیہ خود حدیث میں وارد ہے اور من و خزائن بھی آیا ہے،

جواب سوال دوم، ناجائز کو جائز قرار دینا ظاہر ہے کہ فساد اعتقاد ہے اور اس کا فعل اختیار کرنا فساد عمل ہے۔

جواب سوال سوم، جواب سوال ۱ میں گزر چکا، واللہ اعلم، ۴۔ حجابی الاویٰ ۳۲۲ھ سوال، طاعون سے بھاگنے کی نسبت ہمارے علمائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ طاعون سے فرار خواہ اندیشہ موت سے ہو یا اندیشہ مرض سے، طاعون سے بھاگنے والا شکر اسلام سے بھاگنے والا ہے، طاعون سے بھاگنا خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے، اگر بھاگنے کو کوئی شخص گناہ سمجھے، اُس کے ایمان میں خرابی ہوگی، اور اگر یہ اعتقاد کرے کہ بھاگے گا تو نہ مرے گا ورنہ مرجائے گا، تو کافر ہوگا۔ اس بارے میں چند شکوک مندرجہ ذیل ہیں، ان کا جواب مرحمت فرمائیے۔

(۱) جب کہ یہ مسلم ہے کہ علاج کرنا مسنون ہے اور ہر شخص استعلاج کا مجاز ہے اور ہر ضابطہ علم جانتا ہے کہ فن طب دو مقصدوں پر مبنی ہے ایک حفظِ صحت دوسرے استردادِ صحت پس جبکہ علاج مسنون اور عام ٹھہرا تو کیا سبب ہے کہ تدبیر حفظِ صحت جو شامل تدبیر مکان اور تصفیہ آب و ہوا اور نقل شہر وغیرہ کو میں گناہ کبیرہ یا کفر متصور ہوں (۲) جو اختلافِ قلب میں ہو کہ سو مزاجِ حار سے ہو مریض کا شہرِ بارد میں جانا، مستسقی کو مجاز جانا، صاحبِ امراضِ بارہ کو ملکِ حار میں اور بالعکس جانا اب تک گناہ کبیرہ اور کفر کیوں نہ تھوینہ کیا گیا، (۳) اگر کہیں جنگِ معمولی تیر و تفنگ ہو اور خوفِ جان کوئی شخص وہاں نہ جائے یا وہاں سے علحدہ ہو جاوے یا سنکھیا بخوف مرنے کے نہ کھائے یا سنکھیا کھانا ہلک یا ورنہ کھانا باعثِ امن تصور کرے تو اب تک ایسا شخص کافر کیوں نہ قرار پایا اور طاعون سے ہلک

مرض سے یہ خیال کیوں کفر ہوا (۴) اس حدیث شریف کا یعنی جہاں وبا ہو نہ جاؤ اور جہاں ہو وہاں سے نہ بھاگو، اگر یہ مطلب تصور کیا جائے یعنی جہاں وبا ہو جا کر مبتلا ہو گئے لہذا نہ جاؤ اور وبا سے بھاگ کر دوسرے شہر کو تہلکہ میں نہ ڈالو بلکہ اپنی ہی آبادی کے کنارے ویرانی میں رہو تو کیا عیب ہے گویا باعتبار شرع شریف کے کوئی مرض متعدی یعنی ایک مریض دوسرے تندرست کو بیمار کرے نہیں، بلکہ آلودگی اجزائے سمیہ دوسرے مقام کی اچھی ہوا کو اپنی صفت ذمیمہ سے موصوف کرے گی، اس کے ماننے میں کیا قباحت ہے۔ (۵)

در حالیکہ طاعون و اسہال و دروزہ پانی میں دُوب کر مرنا دیوار یا مکان میں دب کر اور مسلول ہو کر مرنا، جل مرنا، یہ سب شہادتیں ہیں پس تخصیص طاعون کی کیا ہے، گہرتے ہوئے مکان ٹوٹی ہوئی کشتی میں بھی رہنا چاہئے۔ مضرات ریہ بشوق شہادت استعمال فرمانا چاہئے و لکیر شہادتیں نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ (۶) یہ حدیث شریف کہ طاعون سے مرنا شہادت ہے اس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ طاعون سے بھاگنا شہادت اور لشکر اسلام سے بھاگنا ہے کیا ضرور ہے بلکہ اکثر کفار کا یہ قول بالعموم سنا گیا ہے کہ وبا آسیب و بلا ہے اور اس کا مُردہ بھی اسی گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اور مغفور نہیں ہوتا، ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے واسطے اس خیال کی نفی فرماتے ہیں اور ماجور فرماتے ہیں نہ یہ کہ حصول طاعون کی ترغیب فرماتے ہیں (۷) در حالیکہ طبیب حاذق حرام دوا کو یہ سمجھ کر کہ بجز اس دوا کے کوئی مفید اور مریض نہیں کھانا تجویز کرے تو شریعت اجازت دیتی ہے، پس تمام حذاق بھاگنے کو مفید بتلاتے ہیں تو یہ امر کفر و گناہ کبیرہ کیوں قرار پائے حالانکہ حرام چیز کھانا اور بھاگنا اس میں تفاوت ہے (۸) ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ میری اُمت کے لوگ طاعون میں مریں، یہ حدیث شریف پوری پوری نقل فرمائی جاوے (۹) در صورتیکہ طاعون سے بھاگنا منع ہے تو اس آبادی کی ویرانی کی اجازت کیوں دی جاتی ہے، جب بھاگنا منع ہے تو پچاس قدم اور پچاس کوس سب برابر ہے اس کا ثبوت کیا ہے (۱۰) در صورتیکہ ٹیکہ جو بغرض حفظ شہادت طاعون کے مفید سمجھا گیا ہے مشروع فرمایا گیا، بھاگنا کیوں گناہ کبیرہ و کفر قرار دیا گیا حالانکہ غرض متحد ہے، چونکہ خلایق کی جانوں سے متعلق ہے لہذا امید ہے کہ کریمانہ توجہ خاص مبذول فرمائی جاوے، گو قیستی وقت صرف ہو۔ ۹

الجواب (۱) نفس معالجہ کی اجازت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر علاج جائز ہو اور کسی خاص علاج کی ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق علاج کی ممانعت ہو پس جس طرح شراب و دیگر اشیاء محرمہ تجربہ سے بعض امراض کا علاج ثابت ہوئی ہیں اور پھر بھی ناجائز ہیں اسی طرح اگر فرار یا وجہ علاج ہونے کے ناجائز ہو تو کیا استبعاد ہے۔

(۲) چونکہ ان امراض میں نقل کی ممانعت نہیں آئی اور طاعون میں ممانعت آئی ہے اس لئے دونوں میں جواز ناجواز کا تفاوت ہو گیا۔ اور اگر یہ شبہ صاحب شرع پر ہے تو اس کا جواب اس وقت ضروری ہے جب مسائل غیر مسلم ہو۔ جواب مذکور اس بنا پر دیا گیا ہے کہ شبہ علماء پر ہے تو اس بنا پر جواب کافی ہے (۳) اگر ان تدابیر کو مؤثر حقیقی سمجھے جس سے تخلف محال ہے جیسے دہریوں کا مذہب ہے تو یہ اعتقاد ہی کفر ہے، اور فرار من الطاعون کو موجب سلامت سمجھنا بھی کفر اسی وقت ہے جب کہ اس کو مؤثر حقیقی سمجھو اور اگر اسباب عادیہ سے سمجھے تو نہ یہاں کفر ہے نہ وہاں کفر ہے البتہ طاعون میں ممانعت شرعی کی وجہ سے یہ فرار گناہ ہو گا اور دوسری تدابیر وجہ ماذون فیہ ہونے کے جائز ہوں گی (۴) اگر صرف یہ حدیث ہوتی تو فی نفسہ اسکی گنجائش تھی گو وجہ اس کے کہ سلف کے خلاف خلف کا اجتہاد جائز نہیں یہ معنی مقبول نہ ہوتے لیکن صحیح مسلم میں یہ لفظ ہیں :- عن اسامة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هذا الطاعون رجز سلط على من كان قبلكم او على بنى اسرائيل فاذا كان بارض فلا تخرجوا منها فسادا منه انما،

اس حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص سے معلوم ہو گیا کہ علت نہی کی فرار من الطاعون کا قصد ہے، سو اگر دوسری بستی کے کنارہ پر کوئی شخص جاکھیرے تب بھی فرار من الطاعون تو صادق آگیا، اب وہ علت نہیں چل سکتی جو سوال میں لکھی ہے کہ دوسرے شہر کو تہلکہ میں نہ ڈالو (۵) اول تو اس شبہ میں قیاس مع الفارق سے کام لیا گیا ہے، کیونکہ مقیس تو طاعون حادث کی جو تہلک ظنی ہے ایک تدبیر لیس نہ کرنا ہے، اور امور مقیس علیہا میں سے بعض میں آفات حادثہ تہلکہ بالیقین کی تدبیر نہ کرنا ہے جیسے دار منہدم یا سفینہ منکسرہ میں رہنا اور بعض میں خود آفات کا حادث ہے جیسے مضرات ریحہ کا قصد استعمال کرنا البتہ اس دوسری قسم کے مقیس علیہ کے

مشابہ وہ صورت ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص اشیاء و اسباب موثرہ طاعون کا قصد استعمال کرے تو غایتہ مالی الباب جب اضرار یقینی ہوگا اس کی اجازت نہ دی جاوے گی، دوسرے طاعون میں فرار سے نہی آئی ہے اور مکان منہدم وغیرہ میں قرار سے نہی ہے پس دونوں جگہ منہی عنہ کو منع کریں گے (۶) اس سے کس نے نتیجہ نکالا ہے اس مضمون کی تو صریح حدیث وارو ہے فی المشکوۃ قبیل باب قتل الموت، عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لفا من الطاعون کالفار من الزحف والصابر فیہ لہ اجر شہید رواہ احمد آگے جو لکھا ہے وہ منہی ہے اس حدیث کے معلوم نہ ہونے پر اس لئے قابل التفات نہیں۔ (۷) اول تو اسی میں کلام ہے کہ شریعت نے ادویہ محرمہ کی اجازت دی ہے۔ حدیث میں توصاف نہی آئی ہے، آگے امام ابو حنیفہ رحمہ کا مذہب منع ہی کا ہے، صرف بعد کے بعض علماء نے اجازت دیدی ہے تو اس کو شریعت کی اجازت کہنا خود واجب التسلیم نہیں، دوسرے اگر ان علماء کے قول کو حجت شرعیہ سمجھا جاوے تو فقہائے رسم لمفتی و تفصیل طبقات فقہاء میں یہ بات طے کر دی ہے کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں کو اجتہاد کی اجازت نہیں تو ان کے استنباط پر اپنے استنباط کو قیاس کرنا غلط ہوگا (۸) یہ حدیث میری نظر سے نہیں گزری (۹) بعض علماء کے نزدیک تو یہ بھی منع ہے، ان پر تو مشبہ ہی نہیں، بعض نے البتہ اجازت دی ہے، ان کی دلیل جواب تک مجھ کو معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ فناء مصر حکم مصر میں ہے بدلیل احکام جمعہ وغیرہ اور مصر بجمیع اجزائے واحد ہے تو اس بنا پر تبدیل مکان ہی نہیں ہوا، لہذا یہ فرار نہیں ہے اس زیادہ کوئی تصریح میں نہیں دیکھی (۱۰) اگر ایک مرض کے دو علاج ہوں ایک ماذون فیہ دوسرا منہی عنہ تو اس میں کیا محال ہے، اور یہ کیا ضرور ہے کہ اگر ایک ماذون فیہ ہو تو دوسرا بھی ماذون فیہ ہو، اور اگر ایک منہی عنہ ہو تو دوسرا بھی منہی عنہ ہو، مثال اس کی جواب سوال اول میں گزر چکی، آخر میں استقدر التماس ہے کہ مسائل شرعیہ دریافت کرنے میں معاندانہ عنوان سے احتراز واجب ہے، ان سوالات میں ان کا لحاظ نہیں کیا گیا واللہ

الرحمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۸۷) اردو کے رسالہ میں چند احادیث منقول دیکھیں ان کی اسانید اور متون کے متعلق جو شبہات واقع ہوئے تسکین قلب کے لئے ان کا دریافت کرنا بہتر معلوم ہوا۔ اول حدیث یہ ہے کہ مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابو ہریرہ بن قیس

جو کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے بھائی ہیں روایت کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”یا اللہ میری امت کا خاتمہ اپنے راستہ میں طعن طاعون سے فرما“ دوسری حدیث یہ ہے جو کہ منتخب کنز العمال میں ہے ”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طاعون ہم لوگوں کے لئے رحمت اور تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے، اور موت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ تم سے پیشتر گزرے ہیں، اور یہ شہادت ہے تیسری حدیث یہ ہے، اسی مسند میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وبائے طاعون عذاب ہے کہ ہلاک کیا اللہ تعالیٰ نے اس سے اگلی امتوں کو اور تحقیق موجود ہے یہ زمین میں کہ آجاتا ہے کبھی اور دفع ہو جاتا ہے کبھی پس جب کبھی یہ کسی مقام پر نازل ہو تو موت نکلو وہاں سے اور جب سنو کہ یہ کسی مقام پر ہے تو وہاں مت جاؤ۔ چوتھی حدیث یہ ہے، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی کیفیت پوچھی، فرمایا کہ یہ طاعون عذاب تھا کہ نازل فرماتا تھا اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا تھا، اور اب جل جلالہ نے مومنین کے لئے اس کو رحمت بنایا ہے جو بندہ اس میں مبتلا ہو صبر کرے اور ثابت قدم رہے اپنی جگہ پر یعنی بھاگے نہیں اور یقین رکھتا ہو اس بات کا کہ نہیں پہونچے گا اس کو کچھ مگر جو کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اس کے لئے تو ملتا ہے اس کو ثواب شہید کا۔ پانچویں حدیث یہ ہے اسی مسند میں، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا خاتمہ طعن اور طاعون میں ہوگا، عرض کیا گیا کہ طعن تو معلوم ہے مگر طاعون نہیں معلوم کہ کیا شے ہے، فرمایا کہ جنوں میں سے جو تمہارے دشمن ہیں اور تم سے عداوت رکھتے ہیں ان کا نیزہ ہے، اور طعن طاعون دونوں میں شہادت ملتی ہے۔

احادیث بالا کے متعلق سوالات

(۱) یہ احادیث باعتبار اسانید صحیح ہیں یا نہیں (۲) پہلی اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے طاعون کی دعا کی ہے، آپ رحمۃ للعالمین اور مومنین پر رؤف و رحیم تھے، چند خاص کفار کے سوا آپ نے کسی کافر کیلئے بھی بددعا نہیں کی بلکہ دعائے رحمت ہی کی، پھر آپ خود اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت طلب کیا کرتے تھے اور امت کو بھی دعائے طلب عافیت دنیا و آخرت تعلیم فرمایا کرتے تھے

جیسا کہ صحاح کی بعض روایتوں میں عافیت طلب کرنے کی دعائیں موجود ہیں، اور آپ کی حالت یہ تھی کہ جب کبھی یاد تندرہ دیکھتے تو چہرہ متغیر ہو جاتا، اس حالت پر آپ طاعون کی بددعا کیوں فرماتے (۳) دوسری حدیث میں جو یہ ہے کہ موت صلحا کی ہے کہ تم سے پیشتر گزرے ہیں، یہ الفاظ تیسری حدیث کے ان الفاظ کے خلاف ہیں کہ وہ بائے طاعون عذاب ہے کہ ہلاک کیا اللہ تعالیٰ نے اس سے اگلی امتوں کو۔ زمانہ رسالت و زمانہ صحابہ رض سے پہلے کونسے صحابہ گزرے ہیں جن کی موت طاعون سے ہوئی ہے، البتہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بعض ظالم و فاسق بنی اسرائیل کی موت طاعون سے ہوئی ہے، وہ ان کے فسق کے سبب ہوئی ہے، نہ ان کی صلاحیت کی وجہ سے، جیسا کہ اَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ کی تفسیر میں لکھا ہے (۴) میرا عقیدہ یہ ہے کہ طاعون کو جو بعض احادیث میں رحمت کہا گیا وہ باعتبار اجراء خروبی کے لکھا گیا ہے نہ باعتبار صورت دنیوی کے، اگر وہ باعتبار صورت دنیوی رحمت ہوتا تو پھر ان الفاظ کے کچھ معنی نہ ہوتے جو جو تھی حدیث میں مذکور ہے کہ جو بندہ اس میں مبتلا ہو صبر کرے، کیونکہ رحمت پر صبر نہیں کیا جاتا بلکہ مصیبت پر صبر کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ طاعون میں نقل مکان کی اجازت ہے، رحمت کو چھوڑ کر نقل مکان کرنا عاقل کا کام نہ تھا، جاہل کا کام تھا، پھر ممانعت ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ، رحمت میں جانے کی ممانعت خلاف عقل و نقل ہے، غرض جس وجہ سے دیکھا جاتا ہے طاعون صورت دنیوی کے اعتبار رحمت نہیں بلکہ اجراء خروبی کے لحاظ سے انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا، میرا یہ عقیدہ خلاف سنت تو نہیں ہے (۵) تیسری حدیث کے ان الفاظ سے ”اور تحقیق موجود ہے یہ زمین میں کہ آجاتا ہے کبھی اور دفع ہو جاتا ہے کبھی“ معلوم ہوتا ہے کہ طاعون زمین سے آتا ہے، مگر اسی حدیث کے ان الفاظ سے ”اور جب کبھی کسی مقام پر یہ نازل ہو“ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین سے نہیں بلکہ زمین پر نازل ہوتا ہے، اور قرآن مجید کے الفاظ اَنْزَلْنَا اور رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ سے تو بہت صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے نہیں آتا بلکہ آسمان سے نازل ہوتا ہے، زمین میں موجود ہونے اور آسمان سے نازل ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے (۶) کتب طب میں طاعون کی جو حقیقت و ماہیت لکھی ہے وہ اور ہی کچھ ہے اور یہاں پانچویں حدیث سے اور ہی کچھ ثابت ہوتا ہے، حدیث کے سامنے قول اطباء مردود ہے، مگر یہ معلوم ہر جانا ضروری ہے

کہ یہ حدیث صحیح ہے طاعون کو جنوں کا نیزہ کہا گیا ہے اور نیزہ مارنے کا سبب دشمنی و عداوت کو بتایا گیا ہے تو جنوں کو تو دشمنی و عداوت ہمیشہ ہی سے تھی اور انسان پر نیزہ مارنے کی قدرت بھی ان کو ہر وقت حاصل ہے کیونکہ وہ انسان کو دیکھتے ہیں اور انسان ان کو اور ان کے نیزہ کو نہیں دیکھتا، پھر خاص خاص وقتوں میں اور خاص خاص مقاموں میں طاعون کے ظاہر ہونے کی کیا وجہ ہے، کہیں نہ کہیں بلکہ سب کہیں ہر وقت طاعون موجود رہنا چاہئے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عذاب ہے بصورت مرض طاعون بہ سبب فسق و فجور نازل کیا جاتا ہے اور وہ عام ہو جاتا ہے تو مومنین اور اہل تقویٰ کو بھی لیتا ہے تاکہ ان کے مراتب آخرت میں اور عالی کئے جاویں۔ جنوں کی دشمنی اور عداوت اور نیزہ مارنے کا حال صحیح حدیث سے معلوم ہو جاوے تو اسی بات کا یقین اور عقیدہ رکھنا ضروری ہے خواہ وہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اتنا لکھنے کے بعد رسالہ علاج القحط کی بہت سی عبارتیں اس رسالہ کی عبارتوں کے خلاف معلوم ہوئیں۔ دو باتوں کو بطور نمونہ عرض کرتا ہوں۔

(۱) اس رسالہ کی پہلی اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون کے لئے آپ نے دعا کی اور علاج القحط سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون سے آپ نے پناہ مانگی جیسا علاج القحط کی اس عبارت سے واضح ہے ”ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ دس آدمی ہاجرین میں سے حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے جنہیں سے ایک میں تھا، آپؐ نے فرمایا کہ اے ہاجرین پانچ باتیں ہیں اور میں تمہارے لئے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں نہ پڑو۔ (۱) نہیں ظاہر ہوئیں بے حیائی کی باتیں کسی قوم میں حتیٰ کہ کھلم کھلا کرنے لگیں مگر مبتلائے طاعون میں اور ایسی بیماریوں میں کہ جو ان کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔ علاج القحط صفحہ ۵ و ۶ سطر ۱۔ (۲) اس رسالہ کی چوتھی حدیث میں یہ لفظ ہیں ”یہ طاعون عذاب تھا کہ نازل فرماتا تھا اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا تھا اور چوتھی حدیث کے علاوہ ایک جگہ یہ لفظ ہیں ”اور امتوں کے لئے یہ طاعون عذاب تھا اور اس امت کے لئے رحمت و شہادت ہے“ تھا کہ لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ اب اس زمانہ میں جو چار طرف طاعون پھیل رہا ہے وہ عذاب نہیں ہے۔ علاج القحط کی یہ عبارت ہے ”وہ فرماتی ہیں (یعنی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی نسبت سوال کیا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایک عذاب ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے بھیجتا ہے“ ہے کہ لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ اب اس

زمانہ میں جو طاعون پھیل رہا ہے وہی عذاب ہے۔ رہا اس کا مومنین کے لئے رحمت ہونا تو وہ باعتبار اجر اخروی پہلے زمانہ میں بھی تھا اور اب بھی ہے، دونوں میں فرق کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟

الجوابات (۱) اول مسئلہ اور کنز العمال یا اس کے منتخب میرے پاس نہیں، اس لئے ان احادیث کی صحت کی تحقیق نہیں کر سکتا، علی تقدیر الثبوت جواب شبہات کے لکھوں گا، البتہ بخاری کی جو حدیث اس میں موجود ہے وہ صحیح ہے (۲) ایک شے میں مختلف اعتبارات اور حیثیات ہوتی ہیں، اگر رحمت ہونے کی حیثیت دُعا ہو تو کیا حرج ہے اور اس حیثیت سے عافیت کے بھی منافی نہیں جیسے حدیثوں میں تمنائے شہادت بھی ہے اور سوال عافیت بھی، اور باد تندہ پر قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اس کا رحمت ہونا کہیں وارد نہیں (۳) اگر سابقین میں سے اشرار کے لئے عذاب اور ابرار کے لئے رحمت کہا جاوے تو دونوں حدیثوں میں تعارض نہ ہو گا اور صلحاً اہم سابقہ میں بھی بہت گزرے ہیں گو ان میں سے اہل طاعون کا قصہ ہم کو بالتعین معلوم نہ ہو۔

(۴) ٹھیک عقیدہ ہے لیکن تعبیر کے لئے یہ عنوان زیادہ واضح ہے کہ رحمت اور مصیبت دونوں دنیا ہی میں ہیں لیکن رحمت باعتبار اثر یعنی استحقاق اجر کے ہے اور مصیبت باعتبار صورت ظاہری کے (۵) اگر دونوں طرح ہوتا ہے یا اسباب سماویہ و اسباب ارضیہ دونوں کو کچھ کچھ دخل ہو تو کیا بعید ہے (۶) اگر دونوں طرح ہوتا ہو یا مجموعہ کو دخل ہو، اطباء نے ظاہری اسباب کو بیان کر دیا ہے اور شائع علیہ السلام نے باطنی سبب کو، یا ان اسباب میں خود ایک دوسرے کے لئے سبب ہو، سبب احتمالات ممکن اور دفع تعارض کے لئے کافی ہیں، مثلاً کسی کو مٹھائی کھانے سے صفرا کا میحان ہوا اور اس سے بخار ہو گیا تو دونوں کو بخار کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے، یا جیسے حکماء حال نے آثار طاعون کا سبب کیڑوں کو بتلایا ہے، اور قد مانے مادہ کو، اور دونوں میں کچھ تدافع نہیں۔ اور جنوں کی دشمنی پر جو شبہ کیا ہے اس کا یہ مقدمہ کہ ہر وقت نیزہ مارنے کی قدرت حاصل ہے مسلم نہیں، ممکن ہے کہ حفاظت خداوندی مانع دوام قدرت ہو اور گاہ گاہ ابتلا کے واسطے حفاظت اٹھالی جاتی ہو اور اس کے لئے فسق و فجور کا سبب ہونا اس کے منافی نہیں، ممکن ہے کہ سزا کا یہی طریقہ ہو۔

اب شبہات متعلقہ علاج القحط کا جواب سنئے

(۱) جب معصیت کی سزا میں عقوبت ہے اس ترتیب کے مرتبہ میں پناہ مانگی جو حقیقت معصیت سے پناہ مانگنا ہے اور بلا ترتیب علی المعصیت رحمت ہے اس درجہ میں دُعا

مانگے، پس کچھ تعارض نہیں، کیونکہ لوگوں کے حالات معصیت و طاعت میں خود مختلف ہیں پس ایک جگہ عقوبت ہے دوسری جگہ رحمت۔ (۲۱) جس حدیث کے ترجمہ میں لفظ ہے واقع ہے، یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بایں لفظ ہے انہ عذاب یبعثہ اللہ الخ۔ اگر اشتراک کے لئے پہلے بھی عذاب ہو اور اب بھی تو تھا اور ہے دونوں درست ہو گئے رہا یہ کہ پھر دونوں امتوں میں فرق نہ ہوا حالانکہ ظاہر لفظ حدیث سے فرق مقصود معلوم ہوتا ہے سو وہ فرق یہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء اس کی اہم سابقہ سے بطور عذاب کے ہوئی چنانچہ صحیح مسلم میں مرفوعاً یہ حدیث ہے ”الطاعون رجزار سل علی بنی اسرائیل الخ اس لئے عذاب کی حیثیت کو بعض احادیث میں صرف ان کے ساتھ نسبت فرمانے میں خاص فرما دیا، یا جو دیکھ دوئیوں امتیں رحمت و عذاب ہونے میں شریک ہیں کیونکہ ابتداء عرفاً محاورۃ اعظم اسباب تخصیص کبریٰ سے ہے یا یوں کہا جاوے کہ اہم سابقہ میں حیثیت عذاب غالب تھی اور حیثیت رحمت مغلوب اور اس امت میں بالعکس، وللاکثر حکم الکل، اسلئے وہاں عذاب کی اور یہاں رحمت کی تخصیص کبریٰ بعض احادیث میں کر دی گئی اور بعض میں دوسری حیثیت کی بھی دونوں امتوں کے لئے تصریح کر دی۔ واللہ اعلم۔ ۱۵۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۸۸) زید کہتا ہے کہ جب طاعون میں چوہے وغیرہ سڑیں تو جس الان یا کو ٹھہری میں سڑیں، اسے چھوڑ دیں اور دوسرے الان یا کو ٹھہری میں آ رہیں، اور جب اُس الان اور کو ٹھہری میں بھی بو آنے لگے اور اس دوسری کو ٹھہری کو بھی چھوڑ دے تو صحن وغیرہ میں رہے غرض ہر پھر کے گھر ہی کے اندر رہے یا زیادہ سے زیادہ گھر کے دروازہ کمرہ وغیرہ میں رہے اُس محلہ کے یا دوسرے محلہ کے گھر میں، اپنا گھر چھوڑ کے نہ جاوے ورنہ فرار میں داخل ہو جائے گا اور اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ آخر گھر چھوڑنے کی کیا وجہ، موت سے بچنے کے لئے گھر چھوڑتا ہے تو جس کی موت نہیں آئی وہ مر نہیں سکتا چاہے گھر چھوڑے یا نہ چھوڑے، اور جان بچانے کے لئے گھر چھوڑنا ہی تو فرار ہے، اگر دفع و حشت کیلئے چھوڑتا ہے تو وحشت کیسی، کس چیز سے وحشت، موت سے تو وحشت ہو نہیں سکتی، جب موت سے پہلے کوئی مر نہیں سکتا، اور یہی عقیدہ ہے تو پھر وحشت کیوں! جو لوگ طاعون زدہ بستی کے باہر اسی بستی کے متعلق باغوں یا کھیتوں میں یا عید گاہ یا اور کہیں جا بسے ہیں یا اس بستی کے اندر ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں یا اسی بستی بلکہ اسی محلہ کے اندر ایک گھر سے دوسرے

گھر میں جا بسے ہیں ان کو زید صاف جہاد سے بھاگنے والوں کی برابر خیال کرتا ہے اور از نکاب گناہ کبیرہ کا الزام لگاتا ہے اور مجمع عام میں ملامت کرتا ہے اور بڑے زور و شور سے بیان کرتا ہے کہ نہ بستی کے اندر بھاگنا درست ہے نہ بستی کے متعلق باغوں کھیتوں عید گاہوں یا اور کسی جگہ نہ بستی کے باہر اور بستی کے خلاف دوسری بستی میں، کیونکہ طاعون سے بھاگنے کی حدیث شریف میں سخت ممانعت آئی ہے اور بستی اور غیر بستی کی قید حدیث میں نہیں، پس جس طرح دوسری بستی میں جان بچانے کے لئے بھاگ جانا درست نہیں اسی طرح بستی کے اندر اور بستی کے متعلقات میں بھی جائز نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب طاعون نہ تھا تو کوئی بھی بھاگا نہ تھا، سب اپنے اپنے گھروں میں تھے، جب طاعون آیا اور لوگ بھاگے تو ضرور طاعون سے بھاگے اور جان بچانے کے لئے بھاگے اور ضرور اس خیال سے بھاگے کہ اگر بستی میں رہیں گے تو مرجائیں گے، اور بھاگ جائیں گے تو بچ جائیں گے، اگر اللہ تعالیٰ ہی کو مارنے جلانے والا سمجھتے تو اپنا اپنا گھر چھوڑ کے تکلیف کے ساتھ کبھی بستی کے باہر رہنا گوارا نہ کرتے، بھاگنے والوں کی ظاہری حالت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھاگنے کو زندگی میں دخیل سمجھتے ہیں۔ جب لوگوں کی یہ حالت ہے تو بستی کے اندر اور بستی کے باہر اسکے متعلقات میں بھاگ کر جا کر رہنا کسی طرح جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ فرار میں داخل ہوگا، پس جن لوگوں نے حدیث مطلق کو بستی کے اندر یا متعلقات کی قیدیں لگا کر مقید کیا ہے اور اس کو فلاں فلاں حالتوں پر محمول کیا ہے۔ یہ سب غلط اور حدیث میں اصلاح دینا ہے جو کسی مسلمان کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتا، جو لوگ یہ قید لگاتے ہیں کہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے تو جانا درست ہے یا دفع و حشمت یا علاج کرنے یا تجارت کرنے یا اور کسی ضرورت سے چلا جائے تو درست ہے، یہ سب قیدیں غلط اور من گڑھت ہیں، اگر اسی طرح ہر شخص کہنے لگے تو بھاگنا ہی درست ہو جائے گا اور ایک کے جانے اور بھاگنے سے دوسرا بھی جیل نکال کر بھاگنا چاہے گا اور ضرر و نقصان متعدی ہوگا، پس کوئی صورت ایسی نہیں جس سے گناہ متعدی نہ ہوتا ہو یا کم از کم گناہ لازمی نہ لازم آتا ہو اس لئے اس وقت بلکہ ہر زمانہ میں مطلقاً بستی سے نکلنے بلکہ گھر چھوڑنے ہی سے ممانعت کرنا ضروری ہے، اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا یہ اعتقاد و عمل جو اوپر مذکور امور وفق شریعت کے ہے یا نہیں اور زید کو کیسا سمجھنا اور اس کی بات کو ماننا چاہئے یا نہیں؟

الجواب، احکام شرعیہ بعض معطل ہوتے ہیں اور اس علت کو مجتہدین اپنے ذوق اجتہاد سے سمجھ جاتے ہیں، اور یہ اجتہاد وہ رائے نہیں ہے جس کی مذمت وارد ہے، کیونکہ اجتہاد کا استعمال بلا تکلیف صحابہ سے قاطبہ ثابت ہے اور وہ علت کبھی مصرعاً منقول ہوتی ہے کبھی اشارۃً مفہوم ہوتی ہے، اس تہید کے بعد جاننا چاہئے کہ راحت المحزون میں کنز العمال سے یہ روایت نقل کی ہے

فكتب اليه (ابى عبيدة) عمر بن الخطاب ان الارض وبسطة عمقة وان الجابية ارض نزهة فاذهب بالهما جرین اليها

باد جو دیکھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حدیث مرفوعہ نہیں عن الفرار بمرطبات تھی، اس سے مفہوم ہوا کہ علت نبی کی آپ نے مریضوں اور مصیبت زدوں کا ضائع ہو جانا سمجھا تھا، اسی بنا پر چونکہ سب کے منتقل ہونے میں ضیاع مذکور نہ تھا اس لئے آپ نے اجازت دیدی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجتہد ہیں اس لئے یہ علت معتبر ہوگی، چونکہ نقل عن المكان یا خروج الی القنار میں یہ علت نہیں ہے اس لئے نہیں ہوگی، دوسری حدیث میں بارض اور بلدة الفاظ آئے آئے ہیں اور حدیث ایک دوسرے کی مفسر ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ ارض سے مراد بلندی ہے اور قنار بلد احکام میں مثل بلد کے ہے، پس فرار فی البلد کو فرار کہنا حدیث کے مقابلہ میں رائے لگانا ہے۔ اس تقریر سے سب شبہات کا جواب ہو گیا۔

۱۲ شعبان ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۸۹) نقل مکان میں اگر نقل بلد کے ساتھ نہ ہو مجھ کو شبہ ہے کیونکہ حکم تو عام اور مطلق ہے بچشم ہے تمام افراد خروج و دخول کو پس شخص کو نسا حکم ہے جو نقل مکان کے فرد کو خاص ہے اور جو علت نقل بلد میں متحقق ہے وہی نقل مکان میں۔ جواب مشافی مرحمت ہو۔

الجواب، فی مشکوٰۃ عن البخاری عن عائشة قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس من احد یقع الطاعون فی مکث فی بلدہ الخ و فیہا عن الشیخین عن اسماء قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ وقع بارض وانتم بہا فلا تخرجوا افراداً منه، چونکہ طبعاً و عرفاً و شرعاً لازم ہے کہ ترغیب اسی امر پر ہوتی ہے جس کے ترک پر ترہیب ہو۔ اور ترغیب میں مکث فی البلد کا عنوان ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسی ترک مکث

فی البلد پر ترہیب ہوگی، پس یہ قرینہ ہے کہ ارض کی تفسیر بلد ہے و نیز احکام شرعیہ فقہیہ میں تمام بلد و مایحق بہ کو حکم موضع واحد میں ٹھیرایا ہے جیسے اقامت جمعہ میں فناء مصر حکم مصر میں ہے اس لئے تمام اکنہ بلد واحد کو حکم مکان واحد میں کہا جاوے گا، یہ کلام تو متعلق نص کے ہے، رہی علت سبب وہ محققین کے نزدیک ضیاع حقوق مرضی و اموات ہے اور نقل مکان فی البلد الواحد میں یہ علت نہیں، لہذا معلول یعنی نہیں بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۰ ارذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۹۰) : مقام طاعون سے بخوف طاعون بھاگنا کیسا ہے، جو مسلمان طاعون سے بھاگ کر دوسری جگہ چلے گئے اور پھر وہاں جا کر بھی طاعون سے نہ بچے اور اسی عارضہ میں مبتلا ہو کر مرے تو ان کا شمار شہیدوں میں ہوگا یا نہیں؟

الجواب : یہ بھاگنا حرام ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص معصیت کے سبب مرے وہ شہید نہیں ہوتا اور جو شخص معصیت میں کسی سبب شہادت سے مر جاوے وہ شہید ہے، اور گناہ کا وبال جدار ہا، پس یہ شخص گو معصیت کی حالت میں مرے مگر مرے سبب شہادت سے اس لئے شہید ہوگا،

فی رد المحتار قبیل باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ من غرق فی قطع الطریق فہو شہید وعلیہ اثم معصیۃ وکل من مات بسبب معصیۃ فلیس بشہید وان مات فی معصیۃ بسبب من اسباب الشہادۃ فله اجر شہادتہ وعلیہ اثم معصیۃ وكذلك لو قاتل علی فرس منصوب او کان قوم فی معصیۃ فوقع علیہم البیت فلہم الشہادۃ وعلیہم اثم المعصیۃ ۱ھ فقط، ۶ شعبان ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۹۱) : بخوف طاعون مقام طاعون کی آبادی سے فرار کر کے اسکے مضافات میں یعنی آبادی سے کم و بیش ایک میل کے ایسے فاصلہ پر چلا جانا جو آبادی کے اکثر ضروریات کو پورا کرتا ہو، کیا داخل فرار عن الطاعون ہوگا، جس کی ممانعت و حرمت حدیث عبد الرحمن رضی سے جو بخاری کی جلد رابع باب ما ینذکر فی الطاعون میں مروی ہے ثابت ہے اگر داخل فرار طاعون ہوگا تو کیونکر جب کہ مسافر کو رہائی نماز میں موضع اقامت کی عمارت سے نکلنے سے فوراً قصر واجب ہو جاتا ہے جیسا کتب فقہ سے ثابت ہے کہ شہر کا اطلاق محض عمارت پر ہوتا ہے نہ کہ فناء عمارت پر؟

الجواب : فناء مصر حکم مصر میں ہے در باب مصالح بلد کے اور سکتی مصالح بلد سے ہے

مثل اقامت جمعہ کے اس لئے فنار شہر میں آکر رہنا مثل شہر میں رہنے کے ہے بخلاف سفر کے کہ وہ مصالح بلد میں سے نہیں بلکہ مقابل ہے مصلحت بلد یعنی سکے کا، اس کے بارہ میں فنار حکم بلد میں نہیں اور فنار ہی سے قصر شروع ہو جاتا ہے،

فی الشامية عن الشرنبلالی بخلاف الجمعة فتصح اقامتها فی الفناء لو منفصلا بمزارع لان الجمعة من مصالح البلد بخلاف السفر، ج ۱، ص ۸۱۸۔ واللہ اعلم،
۶ صفر ۱۳۲۵ھ

سوال (۳۹۲) اذان دینا واسطے دُعا کے جائز ہے یا ناجائز اور جو لوگ جواز استدلال میں حصن حصین اذا تغیلت الغیلان نادى بالاذان پیش کرتے ہیں یہ استدلال ان کا درست ہے یا نہیں اور اس حدیث کا کیا مطلب ہے، اور ایسے ہی یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ شیطان اذان سے اس قدر دُور بھاگ جاتا ہے جیسے روح اور طاعون اثر شیاطین سے ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: اس میں دو حدیثیں معروف ہیں ایک حصن حصین کی مرفوع اذا تغیلت الغیلان نادى بالاذان، دوسری صحیح مسلم کی موقوف حضرت سہل سے:-

قال ارسلنی ابی الی بنی حارثة قال ومعی غلام لنا اوصاحب لنا فناداه مناد من الحائط باسمه قال فاشرف الذی معی علی الحائط فلم یر شیئا الی قوله اذا سمعت صوتا فناد بالصلوة فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نودی للصلوة ولی الشیطان وله حصا ص،

حصن حصین میں مسلم کا جو حوالہ دیا ہے وہ یہی حدیث ہے اور دونوں حدیثیں مفید ہیں، اذا تغیلت اور اذا سمعت صوتا کے ساتھ اور تغول کے معنی حرز نہیں میں نہایت سے منقول ہیں یتغول تغولا ای یتلون تلونا، اور حاصل اس حدیث کا لکھا ہے:-

اذا رای اشياء منكورة او تخیلت له خیالات مستنكرة او تلونت له اجسام

مکروهة اه

اور جو حکم مقید ہوتا ہے کسی قید کے ساتھ اس میں قائلین بمفہوم المخالف کے نزدیک تو عدم القید مفید ہوتی ہے عدم الحکم کو اور غیر قائلین بالمفہوم کے نزدیک گو عدم الحکم کو مفید نہ ہو مگر حکم کو بھی مفید نہیں بلکہ عدم القید کی صورت میں حکم اپنے وجود میں محتاج دلیل مستقل کا

ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ طاعون میں دونوں قیدیہ منتفی ہیں کیونکہ اس میں نہ شیاطین کا تشکل اور تشل ہے اور نہ اُن کی آواز مسموع ہوتی ہے صرف کوئی اثر مبطن ہے جس کے بارہ میں یہ حدیث مرفوع آئی ہے۔

فما الطاعون قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخزاعدا کم من الحسن اخرجہ احمد عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہما فی بعض الرسائل عن فتح الباری للحافظ ابن حجر،

پس جب اس میں قیدیہ منتفی ہیں تو حدیث مذکورین سے اس میں حکم اذان کا بھی ثابت نہ ہوگا پس دوسری دلیل شرعی کی حاجت ہوگی، اور چونکہ بوجہ اشتغال اذان کے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح پر غیر صلوٰۃ کے لئے اذان کہنا حکم غیر قیاسی ہے اور ایسے حکم کا تعدیہ قیاس سے صحیح نہیں اس لئے وہ دلیل شرعی کوئی نص ہونا چاہئے محض قیاس کافی نہیں اور طاعون میں کوئی نص موجود نہیں، اگر کہا جاوے کہ حدیث مسلم میں صحابی کا سماع صوت شیطان کے وقت حکم بالا اذان کو محطل کرنا علت تو لی شیطان بالا اذان کے ساتھ مقتضی ہے صحت تعدیہ اس حکم کو دوسرے محل پر بھی جہاں دفع شیطان کی حاجت ہو اور طاعون میں اس کی حاجت ہے پس اُسی علت سے طاعون کو بھی سماع صوت پر قیاس کر لیا جاوے گا، جواب یہ ہے کہ اول تو دلیل مذکور یعنی بوجہ اشتغال اذان کے حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح پر غیر نماز کے لئے اذان کہنا حکم مخالف قیاس ہے اور ایسے حکم کا تعدیہ قیاس سے جائز نہیں ہوتا بلکہ مورد نص پر مقتصر رہا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ غیر صلوٰۃ کے جن مواقع پر اذان وارد ہوئی ہے اُن میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے، چنانچہ رد المحتار میں ایسے مواقع نقل کر کے کہا ہے:-

ان ما صح الخبر فيه بلا معارض فهو مذهب المجتهدين اور آگے کہا ہے ونقل الاحادیث الواردة في ذلك اور یہی وجہ ہے کہ جس میں نص نہ تھی اس کو علماء رد کر دیا ہے۔ چنانچہ شامی نے موقع مذکور میں کہا ہے

قيل وعند انزال الميت القبر قياساً على اول خروج للدنيا لكن رواه ابن حجر

فی شرح للباب،

اور احادیث بالا میں ممکن ہے کہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالخصوص یہ حکم سنا ہو جیسا غیر مدبرک بالسرائے میں حدیث موقوف کو مرفوع حکمی کہا جاتا ہے، اور حدیث

تولی کو ذکر کرنا تعطیل کے لئے نہ ہو بلکہ بیان حکمت منصوبہ کے لئے ہو، اور اگر اس سے غرض بصر کر کے اس حکم کو قیاس ہی مان لیا جاوے تب بھی صحت قیاس کے لئے اقل تو مجتہد ہونا قاس کا شرط ہے، اور طاعون میں اذان کہنا کسی مجتہد سے منقول نہیں، اور اب قیاس منقود ہے، دوسرے قیاس کی صحت کے لئے اشتراک علت موثرہ کا درمیان مقیس اور مقیس علیہ کے شرط ہے اور یہاں علت موثرہ اگر محض الی دفع الشیطان ہو تو لازم آتا ہے کہ جتنے امور از قسم تصرفات خفیہ شیطانیہ میں سب کے لئے اذان مشروع ہو، مثلاً استحاضہ کی نسبت حدیث میں ہے رکضۃ من رکضات الشیطان تو اس کا علاج بھی اذان سے مشروع ہونا چاہئے و لا قائل بہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں علت موثرہ میں کوئی اور وصف بھی معتبر ہے سو ممکن بلکہ غالب یہ ہے جیسا کہ ان مواقع میں تامل کرنے سے جہاں اذان بہیئت اذان صلوٰۃ وارد ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وصف یہ ہو کہ وہ حادثہ دفعۃً پیش آجائے اور فی الفور ہی اس کے علاج کی احتیاج ہو، چنانچہ وہ مواقع یہ ہیں۔

عند مزدحم الحیث وعند الحریق وعند تغول الغیلان وخلف المسافرين
لن ضل الطريق فی ارض قفر کذا فی رد المحتار۔
ان سب مواقع میں وصف مذکور مشترک ہے، اور جو اذان بہیئت اذان صلوٰۃ نہ ہو اس میں بحث نہیں۔

کالاذان فی اذن المولود والمہسوم والمصرع والغضبان ومن شاء خلقه
من انسان او بھیمة کما فی رد المحتار ایضاً

اور ظاہر ہے کہ طاعون میں یہ وصف نہ وقوعاً ہے، چنانچہ اس کا عروض و معالجہ دونوں اس قدر متدرج اور متند ہیں کہ عین اُس کے دوران میں خود نماز کی متعدد اذانیں ہو جاتی ہیں جو دفع اثر جنات کے لئے کافی ہے، خود اُس کے لئے مستقل اذان کی کچھ حاجت نہیں، اور یہی ستر ہے وصف مذکور کے علت موثرہ ہونے میں، کیونکہ جو امر فوری نہ ہو اس کے لئے اذان صلوٰۃ کافی ہو سکتی تھی، البتہ جہاں کان میں اذان کہی جاوے، چونکہ اذان صلوٰۃ کان سے منہ قریب کر کے نہیں ہوتی، لہذا اُس میں یہ علت نہ ہوگی، اور نہ طاعون میں یہ وصف عملاً ہے، کیونکہ جب مریض کو عین عروض مرض کا وقت ہو اُس وقت کوئی بھی اذان نہیں کہتا بلکہ شب و روز میں کیف ما اتفق یا کسی وقت کی تعیین کے ساتھ اذان کا معمول ہے خواہ عروض مرض اسکے قبل

ہو یا بعد ہو سوا۔ پر معلوم ہو چکا ہے کہ بلا وصف فوراً پانچ وقت کی اذان ہی کافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اذان میں جو علاوہ خاصیت تو لی شیطان کے اور خواص حدیثوں سے ثابت ہو گئے ہیں مثل اجابت دعا عند اللہ اور شہادت اشیار علی ایمان المؤمن اُن کی تحصیل کے لئے مستقل اذان کی کسی نے اجسا نہت نہیں دی کیونکہ اذان نماز کی اس کے لئے کافی ہے ورنہ چاہئے کہ جب دعا کرنا ہو پہلے اذان ہم لینا جائز ہو خواہ کوئی وقت ہو، یا اسی طرح جب اشیار کو شاہد ایمان بنانا ہو ولا قاتل بہ اور جاننا چاہئے کہ جواب ثانی میں جو کہ علی سبیل التَّنَزُّل ہے تبرعاً غرض بصر کر لیا گیا ہے تاکہ طاعون میں اذان کا ثبوت اس تقدیر پر بھی نہ ہو سکے، ورنہ نفس الامر میں یہ حکم غیر قیاسی ہے، پس اس قیاس سے زلزلہ وغیرہ کے وقت بھی اذان کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ تیسرے خود یہی امر معرض کلام میں ہے کہ آیا یہ طاعون مسببُ خرجن سے ہے جیسا کہ اطلاق حدیث اس کا مرجح ہے یا بعض طاعون اس کا مسبب ہے جیسا کہ مہملہ کا ثبوت جنزیمہ میں ہونا اس کا مصحح ہے جب خود مہملہ یعنی و خرجن ہی مشکوک فیہ ہے تو مہملہ یعنی اذان کا کیسے ثبوت ہو جاوے گا، چوتھے اس میں بہت سے مفاسد لازم آتے ہیں مثلاً التباس مصلین بوجہ غلبہ جبل اہل زمانہ کے اور تو حش ضعیف القلب لوگوں کا کہ وہ ان کے ذہن میں تخیل عیوم مرض کی تجدید کر دیتا ہے اور عوام الناس کا اذان کے بھروسے اصلاح اعمال و استغفار و دعا الہی سے بے فکر ہو جانا اور اس کو احکام مقصودہ سے سمجھنے لگنا وغیرہ تو ایسی حالت میں تو جائز بھی ناجائز ہو جاتا ہے، چنانچہ تغوی وغیرہ کے مواقع میں جو اذان وارد ہے اس میں بھی عدم لزوم مفسدہ شرط، پس تقریر مذکور سے ثابت ہو گیا کہ حدیث تغیل سے استدلال کرنا اس باب میں درست نہیں، اور یہ اذان محض احداث فی الدین ہے اور یہی وجہ ہے کہ طاعون عموماً اس میں باوجود شدت احتیاج کے کسی صحابی سے منقول نہیں کہ طاعون کے لئے اذان کا حکم دیا ہو یا خود عمل کیا ہو، اور سوال ثانی میں حدیث کا مدلول تو ظاہر، اگر اسکے متعلق کوئی خاص امر پوچھنا ہو تو تصریح اور تعیین کرنا چاہئے، اور سوال ثالث میں جس حدیث کی طرف اشارہ ہے اس کے تحقق کی صورت قریب الی الفہم یہ ہو سکتی ہے کہ و خرجن سے مادہ سمیہ کا حدوث ہو جاتا ہو جس سے ہیجان دم یا انصباب دم عارض ہوتا ہو خواہ ہمیشہ یا کبھی کبھی جیسا کہ اوپر گزرا، باقی حقیقت حال اللہ کو معلوم ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ۔

جواز دفع طاعون کیلئے دوا۔ سوال (۳۹۳) مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا مرض طاعون

کے ذمہ کے واسطے خاص طور پر دھار کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
الجواب، جائز ہے ۔

مسائل متفرقہ !

سوال (۳۹۴) اکثر لوگ دوکان دار اُدھار سود لینے والے کو گراں دیتے ہیں، مثلاً قیمت نقد دینے والے کو روپیہ کا ۲۰ سیرغلہ دیتے ہیں اور جو شخص ۶ ماہ میں قیمت دے گا اُس کو ۸ سیر دیتے ہیں۔ صفائی معاملات میں آپ نے اس کو جائز لکھ دیا ہے، مجھے کچھ شک نہیں رہا، مگر بعض علماء ربوبہ اُدھار گراں فروخت کرنے کو خلافِ مروت بتلاتے ہیں، آپ کے نزدیک بھی خلافِ مروت ہے یا نہیں، آپ کے فرمانے سے میری تسکین ہو جاوے گی، ازراہ عنایت جواب مرحمت فرمائیے، ایسا معاملہ کرنے میں کچھ نقصان ہے یا نہیں ؟

الجواب، خلافِ مروت اُس وقت ہے جب زیادہ گراں فروخت کرے ورنہ خلافِ مروت کچھ بھی نہیں۔ ۲۸ ربيع الثانی ۱۳۳۸ھ

سوال (۳۹۵) وعدہ معلق بالمشیۃ میں طبع کو تسکین نہیں ہونی، درختاً سے وعدہ باطل نہیں ہوتا۔ باب الاستشارة کی روایت سے بھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ تطبیق مبطل ہے، پس یوں خیال ہے کہ وقت وعدہ اگر ایفار کا قصد نہ ہو اور پھر تبدیل مصلحت سے ایفار نہ ہو تو گو تقویٰ کے خلاف ہوگا مگر بحیثیت فتویٰ حلف وعدہ نہیں، مثلاً کوئی شخص حلف کرے کہ وعدہ خلافی کبھی نہ کروں گا، اور وعدہ معلق بالمشیۃ میں حلف ہو تو حالف پر بندہ کے خیال میں کفارہ واجب ہوگا، یہ دل ضرور مانے ہوئے ہے کہ انشاء اللہ کو جیلہ حلف وعدہ بنا نامعصیت مستقلہ ہے، مگر جب وقت وعدہ عزم ایفار ہو اور بعد میں کسی خفیف مصلحت سے بھی ایفار نہ ہو سکے تو حلف وعدہ جو حرام اور معصیت کبیرہ ہے توجہ لازم نہ آوے گا، واللہ اعلم بالصواب ؟

الجواب، فی الدر المختار ولو بالامرو والنہی کا اعتقوا عہدی بعد موتی انشاء اللہ لم یصح الاستثناء، فی رد المحتار والفرق ان الایجاب یقع ندباً الی قوله والامر لا یقع لازماً الخ وفی رد المحتار اذا وصل المشیۃ بالتلفظ بالنیۃ لا تبطل لانہا للطلب التوفیق حموی ج ۳ ص ۱۰۹ و ۱۱۰،

ان روایات سے ایک قاعدہ ثابت ہوا کہ جو چیز لازم نہ ہو یا جہاں انشاء اللہ طلب توفیق کیلئے ہو وہاں مبطل نہیں ہوتا پس وعدہ نہ تو لازم ہے کیونکہ لازم کے معنی یہ ہیں کہ بدون وقوع اسکے یا اسکی موت کے دنیا میں اس سے تخلص ممکن نہ ہو، اور وعدہ غدر قوی سے ساقط ہو جاتا ہے پس لازم نہ ہوا اور نیز اس میں انشاء اللہ تعالیٰ اعراض طلب توفیق کیلئے ہوتا ہے، پس اس بنا پر وعدہ میں انشاء اللہ تعالیٰ کہنے کا وہی اثر ہوگا جو بدون کہے ہوتا ہے۔ ۲۹ رمضان ۱۳۲۸ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۴)

کفار کا نام لکھنا اگرچہ ان میں معنویات | سوال (۳۹۶) یہاں کے اکثر مسلمان مختلف اشیاء کے تاجریں ہیں باطلہ کی تعظیم ہو، بضرورت جائز ہے اور انکی زیادہ تر خرید و فروخت ہندوؤں کے ہاتھ ہو کبھی معاملہ بیع تعاطی کے مثل کرتے ہیں، اور بسا اوقات نسبتاً بغیر سود، اسلئے ہندوؤں کا نام ہندی میں اپنی ہی میں یادداشت اور معاملہ فہمی کیلئے لکھا کرتے ہیں اور بدون ہندی میں لکھے مفر نہیں، اور بغیر اس کے کام کا ہونا دشوار ہے، کیونکہ ہندی کا رواج ہے اور اکثر ہندوؤں کے نام ایسے ہوتے ہیں کہ جس کے شروع میں یا آخر میں انکے اصنام یا دیوتا اور انکے بزرگوں کے نام جیسے ہما دیو، رام، نرائن، پریشور، چھمن، وغیرہ ہوتے ہیں، مسلمانوں کو اپنی ہی میں ان کا نام ہندی یا اردو میں خصوصاً اس شخص کو کہ جو مسائل دینیہ سے کچھ واقف ہو لکھنا جائز ہے یا نہیں، وجہ شبہ یہ ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عتمہ کا نام عشر رکھا، تو آپ نے صحابہ کو عشر کو عتمہ کہنے سے منع فرمایا لہذا خطرہ یہ گزرتا ہے کہ یہ بھی اسی قبیل سے ہو؟

الجواب، وہاں تو ضرورت نہیں عشر بھی کہہ سکتے ہیں، اور یہاں ضرورت ہے کیونکہ یہ اعلام ہیں اور کوئی طریقہ سہل امتیاز کا نہیں،

وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا ابن المطلب لا یجوز التسمیۃ بعبد المطلب،

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (حوادث او ۲ ص ۱۴۱)

تحقیق حدیث فانوت کتابت للنسار | سوال (۳۹۷) ایک امرغجہ کو آپ کے ضروری دریافت کرنا ہو بطور تحقیق، وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے رسالہ بہشتی زیور میں خط و کتابت لکھنے کی بابت رغبت دلائی ہے حالانکہ حدیث وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعلموا نساءکم سو قیوسف ولا الکتابۃ، سے مانعت معلوم ہوتی ہے، لہذا ہر بانی فرما کر وہ حدیث جس سے آپ نے کتابت کی رغبت دلائی ہے، ضرور مرحمت فرماؤ تاکہ ہمارا خیال بھی کتابت کے جواز پر مستحکم ہو جاوے؟

الجواب، ابوداؤد میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کتابت سیکھنے کی اجازت مروی ہے، لامحالہ تطبیق کے واسطے کہا جاوے گا کہ یہی بصورت خوف فتنہ ہی اور اذن بصورت امن، خود حدیث نہیں میں اس کا قرینہ موجود ہے کہ اس میں سورہ یوسف کی تعلیم سے بھی نہیں ہے، تو کیا علی الاطلاق عورتوں کیلئے اس سورہ کے پڑھنے کا ناجائز ہونے کا حکم کیا جاسکتا ہے، ۲۲ ربیع الاول ۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۴)

سوال (۳۹۸) وردان البذاذۃ من الایمان وایضا قال
 میں منافات نہیں

وفی روایۃ الترمذی ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ فان کانت فی ارادة اثر النعمۃ شہرۃ فکیف التوفیق وان کان اللباس لباس شہرۃ ولم یرد اللباس الشہرۃ بل اسراۃ اثر النعمۃ فقط فیجوز فی حقہ ام لا،

الجواب، معنی قولہ علیہ السلام ثوب شہرۃ ای الثوب لشہرۃ فہا لم یقصد بہ الشہرۃ لا یدخل فی ہذا الوعد، والبذاذۃ مقابلہ للتکلف ولاہتمام لا التحمل المتوسط فقہ وردان اللہ یحب الجمال، ۲۲ ربیع الاول ۳۳۳ھ (تمتہ رابعہ ص ۱۹)

تحقیق معنی استکثار مال در حدیث | **سوال** (۳۹۹) جو کہ تعلیم الدین میں حضرت نے فرمایا ہے کہ جوئے بکثرت بنوائے جائیں، یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب، تعلیم الدین میں جس لفظ کا یہ ترجمہ ہے وہ استکثار ہے، اس کے معنی میں دو احتمال ہیں وہی جو میں سمجھا یعنی کئی کئی جوڑے رکھنا، دوسرے وہ جو اہل علم سمجھ میں یعنی اکثر اوقات جوتہ پہننا، اور ننگے پاؤں نہ رہنا، اور ظاہر ایہ دوسرے معنی ہی زیادہ صحیح ہیں (ترزیح الرابع، جلد ۵ ص ۱۰۹)

ایضاً | **سوال** (۴۰۰) کتاب تعلیم الدین باب پوشش و زینت میں ادب، جوئی کئی کئی جوڑی رکھو، یہ ادب ماخوذ ہے حدیث جابرؓ سے

قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ غزاہا یقول استکثروا من النعال فان الرجل لا یزال راكباً ما انتعل رواہ مسلم،

اس حدیث کا موقع بتا رہا ہے کہ سفر اور جہاد میں چلنا پھرنا بہت ہوتا ہے، ایک جوڑا کافی نہیں ہوتا ہے اور ٹوٹ جائے تو بے اس اوقات خریدنا دشوار ہے، لہذا جناب نے ارشاد فرمایا کہ کئی کئی جوڑے لے لو، تاکہ سہولت رہے اور ہر پہن پیر چلنا نہ پڑے، پس اگر ایسی ہی ضرورت ہو تو جوڑے رکھنے مسنون ہیں اور اگر بلا ضرورت محض فیشن کے لحاظ سے اپنا زمانہ کی تقلید سے

رکھے تو ناجائز اور یورپ کے ساتھ تشبیہ ہو، اور اگر بُرائی شان کا لحاظ ہو تو تکبر میں داخل اور حرام اس قسم کی حرکتوں سے اجتناب لازم ہے اور احتمال یہ بھی ہے کہ من النعال سے مراد من استعمال النعال ہو، جیسا کہ بیان فائدہ سے ظاہر ہے، تب تو فرمان شریف کا صرف یہ مطلب ہے کہ کثرت سے جوتی پہن کر چلا پھرا کرو، اگر ایک جوڑا کافی ہو تو ایک ورنہ زائد، واللہ اعلم بالصواب؟

الجواب، میری مراد بھی یہی ہے کہ جب مقتضی حاجت متحقق ہو اور مانع یعنی عوارض موجبہ کرامت مثل تفاخر و تشبہ مرتفع ہوں اور محل ثانی یعنی کثرت استعمال بھی محتمل ہے۔

۱۲ محرم ۱۳۳۱ھ (ترجمہ خامسہ ص ۱۲۶)

حضرت غوث اعظم کی بعض کرامات اور ان کی تصدیق کی شرط | سوال (۲۰۱) مولانا مفتی عنایت احمد صاحب نے اپنی کتاب الکلام المبین میں امام یامنیؒ کی کتاب مرآۃ الشیطان سے کرامات غوث الثقلین قدس سرہ العزیز میں لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک بُڑھیا کے بیٹے کو جناب حضرت غوث الثقلین سے بہت محبت تھی، آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہوتا، دنیا کے کاروبار میں کم مشغول ہوتا، ایک دن اس بُڑھیانے آپ کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اس بیٹے کو آپ کی نذر کیا، اور بٹا اپنا حق اس سے معاف کیا، آپ اسے تعلیم باطن فرمائیے، اسلئے کہ میرے گھر کے کام میں تو یہ رہتا ہی نہیں، ہر گھڑی یہیں حاضر رہتا ہے، اور اس لڑکے کو خانقاہ مبارک میں چھوڑ آئی، آپ نے اسکو ریاضت اور سبق باطن میں مشغول کیا، کبھی کبھی وہ بُڑھیا اپنے بیٹے کو دیکھنے آتی تھی، ایک دن آئی تو دیکھا کہ وہ بیٹا چنہ چار رہا ہے، اور بہت حقیر باتوں ہو گیا ہے، پھر وہ حضرت غوث الثقلینؒ کے پاس گئی تو دیکھا کہ آپ مرغی کا گوشت کھا رہے ہیں، اس نے کہا کہ حضرت آپ مرغی کا گوشت کھاتے ہیں اور میرے لڑکے کو چنہ کھلاتے ہیں، آپ نے مرغی کی ہڈیوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اٹھ کھڑی ہو اس خدا کے حکم سے جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا، فوراً وہ مرغی زندہ ہو گئی اور آواز کرنے لگی، سبحان اللہ! کیا تیرے اولیائے محمدیہ کا، جناب مفتی صاحب کے نزدیک قابل اعتبار نہ ہوتی تو اپنی تحریر میں ہرگز نہ لاتے، تاہم حضور والا سے عرض یہ ہے کہ یہ سند قابل ماننے کے ہے یا نہیں؟

الجواب، کرامات اولیاء سے صادر ہو سکتی ہیں اسلئے اس قصہ کے مان لینے میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے، بشرطیکہ اس قصہ سے کوئی اور نتیجہ خلاف شریعت اپنی رائے سے مستنبط نہ کر لیں۔

(تمتہ رابعہ ص ۳۹)

دفع اشکال و اعلمناہ الشعر | سوال (۲۰۲) مجازات معدلت کے ۳ میں قرآن اور تغنی کے ضمن میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے بعض جملوں میں مصراعیت کی شان ہو، اور بعض بالکل موزون

ہیں لیکن چونکہ وہ بلا قصد ہیں اسلئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ با علمناہ الشعر کے خلاف ہیں، شعروہ ہے کہ جس میں قصد وزن کا ہو، نہ کہ اتفاقاً وزن ہو گیا ہو اور حاصل آپ کی تقریر کا یہ ہے کہ کلام موزوں بلا قصد شعر نہیں اور جب شعر نہیں تو ما علمناہ الشعر کا خلاف لازم نہیں آتا، مگر اساتذہ فن نے لکھا ہے کہ شعر اصطلاح میں کلام موزوں مناسب الالفاظ کو کہتے ہیں، قصد موزونیت اگرچہ داخل صفت شعر ہے، لیکن وجود شعر میں اس کو دخل نہیں، جو شعر بلا قصد منہ سے نکل جاتا ہو اس کو فی البدیہہ کہتے ہیں، اس صراحت کا نتیجہ یہ ہے کہ کلام موزوں بلا قصد شعر ہے، اور اگر وہ پر آمادہ کہ ترجیح ہے، اگر سبیل تنزل مان بھی لیا جائے کہ کلام موزوں بلا قصد شعر نہیں تب بھی یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ قصد موزونیت نہ تھا، تو یہ موزونیت کہاں آگئی، قصہ مختصر اللہ پاک کی شان سے یہ بعید ہے کہ با وصف اہتمام نیز اتفاقاً بعض کلام موزوں ایسا صادر ہو جائے کہ اوزان متعارفہ پر بے تکلف تقطیع کیا جاسکے، امید ہے کہ آپ اس شبہ کے دور کرنے میں جواب تحریر فرمادیں گے؟

الجواب، شعر اصطلاحی وہ کلام موزوں ہے جس کے ایراد میں موزونیت من حیث الشعر العرفی کا قصد کیا گیا ہو، پس اس تعریف سے ایسی آیات احادیث خارج ہو گئیں جو اوزان شعریہ پر منطبق پائی جاتی ہیں، احادیث تو اس لئے کہ ان میں موزونیت کا قصد ہی نہیں، اور آیات اسلئے کہ ان میں موزونیت من حیث الشعریتہ کا قصد نہیں، پس صرف قصد کا التزام قول بالاضطرار سے بچنے کے لئے مضر نہیں، اور فی البدیہہ شعر میں عدم قصد کا شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ عدم قصد اسکے وجود میں ہے تو اس مرتبہ میں اسکے شعر ہونے پر کوئی دلیل نہیں، اور شعر ہونا اس کا مرتبہ ایراد میں ہے تو اس مرتبہ میں وہ شعر بھی ہے اور کلام نفسی باری تعالیٰ میں خود عدم قصد سے جواب ہو جاوے گا، کیونکہ وہ مرتبہ صفت کا ہے جو ارادہ کا متعلق نہیں ہے، اور تعریف مذکور میں عرفی کی قید سے دور کا شبہ جاتا رہا، اب جواب مذکور کی تائید کے لئے اہل ہمارت کی کچھ نقل پیش کی جاتی ہے،

فی کشاف اصطلاحات الفنون للقاضی محمد علی التہانوی، و هو رای الشعر الکلام الموزون المقفی الذی قصد الی وزنه، وتقنیته قصداً اولیاً الی قوله یشی لیس مقصودہ تعالیٰ ان یكون هذا الکلام شعراً علی حسب اصطلاح الشعراء

ص ۴۴۲،

اور مجادلات کی عبارت میں جو بلا قصد واقع ہے، مراد اس سے خاص قصد کی نفی ہے یعنی قصد وزن من حیث الشعریتہ اور اسی لفظ کا اتفاق سے تعبیر کیا ہے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح

اور جب باہرین نے تعریف میں قصد وزن کی تصریح کر دی تو کسی دوسرے کی تصریح نہ کرنا معارض
اس کے نہیں ہو سکتا لان الناطق بقضی علی الساکت اس تقریر میں تال کرنے سے تمام
شبہات مذکورہ فی السؤال مرتفع ہو جاوینگے، ۳۰ رجادی الاولیٰ ۱۲۸۶ھ (تمہ رابعہ ص ۳۷)

سوال (۲۰۳) اعانت علی المعصیۃ کی نسبت جزئیات عجب متعارض
چند جزئیات

ہیں، مکان کا بت خانہ وغیرہ بنانے کیلئے کرایہ پر دینا اذنی کیلئے خمر باجرہ
لے جانا امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، اور اسکی وجہ ہدایہ وغیرہ میں یہ لکھی ہے کہ معصیت عین
کے ساتھ قائم نہیں بلکہ درمیان میں فعل فاعل مختار عاقل ہے اسلئے نسبت منقطع ہو جاوے گی حالانکہ
اس وجہ کا مقتضی یہ ہے کہ بیع سلاح کی اپنی فتنہ کے ہاتھ جائز ہو، شانی نے اس مقام پر خود اپنا
تردد ظاہر کر کے چھوڑ دیا ہے، کتاب المحظورات والاباحہ فصل فی البیع وغیرہ، اس کی نسبت کچھ
اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا، بحر الرائق میں لکھا ہے کہ اگر کوئی راستہ بیعہ یا کنیسہ کا پوچھے تو
بتلانا درست نہیں کہ اعانت علی المعصیۃ ہے، کہاں تو یہ احتیاط اور کہاں مکان کے کرایہ پر دینے کی
اجازت، غرض کہ اس کا قاعدہ کلیہ امام صاحب کے مذہب پر کیا ہے؟

۲۔ ایک شخص نے سوال کیا ہے کہ ایک آدمی پھولوں کی تجارت کرتا ہے، چند بچاریوں سے
معاہدہ کیا، وہ روز پھول لے کر اپنے دیوتاؤں پر چڑھاتے ہیں، آیا اسکے ہاتھ بیچنا درست ہے یا
نہیں، علیٰ ہذا جانور کا ایسے آدمی کے ہاتھ بیچنا جو معلوم ہے کہ بت پر چڑھائے گا اور اس کے
نام پر ذبح کرے یا اور چیزیں جو چڑھائی جاتی ہیں ان کا خاص ایسے لوگوں کے ہاتھ بیچنا جن کا
تقرب الی غیر اللہ کیلئے استعمال کرنا یقینی طور پر معلوم ہے، اگرچہ ان مسائل میں صاحبین کے
نزدیک تو حکم ظاہر ہے، شبہ امام صاحب کے مذہب پر ہے، قیاس علی بیع السلاح کا
مقتضی مانعت اور دیگر مسائل کا مقتضی جواز ہے، یہ بھی اگر لحاظ رکھا جائے تو مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ آجکل حتی المقدور دائرہ اجازت کو وسیع کرنا مناسب ہے؟

الجواب، اس مسئلہ میں اصل مذہب اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر درمیان میں کسی
فاعل مختار کا فعل متخلل ہو جائے بشرطیکہ انتفاع اس شے سے وجہ محرم میں منحصر نہ ہو تو اسکی بیع
وغیرہ اعانت علی المعصیۃ نہیں ہے، گو کراہت بمعنی خلاف اولیٰ سے خالی نہیں ہے جس کا حاصل یہ
ہے کہ فتویٰ سے جائز ہے تقویٰ کے خلاف، اور واقعی اس بنا پر سلاح میں وسعت معلوم
ہوتی ہے لیکن اس میں جواز منقول نہ ہونا غالباً احد الامرین کی وجہ سے ہے، یا تو امام صاحب

کے حکم بکونہ خلاف الاولیٰ کو کراہت پر اور پھر کراہت کو تحریم پر محمول سمجھ لیا ہے اور پاجزیئاً میں امام صاحب اور صاحبین کے اقوال مختلف ہو گئے ہیں، یا میرے جی کو یہ لگتا ہے کہ معصیت لازمہ اور معصیت متعدیہ مضرہ للآخر میں فرق کیا ہے یعنی تخیل فعل مختار کو معصیت لازمہ میں قاطع نسبت قرار دیا ہے اور معصیت متعدیہ میں فایات اہتمام کے لئے قاطع نہیں قرار دیا جیسا دیانتاً میں جبکہ خواص کا فعل سبب ہو جائے انفساد عقیدہ عوام کا تو خواص کے لئے بھی مکروہ ہو جاتا ہے اور گو امام صاحب سے یہ کلیہ منقول نہ ہو لیکن جزئیات سے کلیات مستخرج کئے گئے ہیں، وھذا اقرب الوجوہ عندی، اس تقریر پر پھولوں وغیرہ کا بیچنا صورت مسئلہ میں جائز معلوم ہوتا ہے، اگر یہ تقریر مان لی جائے تو امید ہے کہ کسی جزئی میں اشکال نہ رہے گا۔

۱۳۲۲ھ رجب

کتاب الوصایا

سوال (۴۰۴) زید نے مرض الموت میں ایک وصیت نامہ لکھا | رزمویؒ نے وصیت را یا رجوع موصی ازو | کہ میرے ترکہ سے ایک ثلث میں وصیت ہو کہ ایک سو روپیہ میں بھینر و تکفین و اصال ثواب، اور ایک سو روپیہ فلاں عمر و کو اور بقیہ فلاں فلاں پانچ شخصوں کو جو وارث شرعی نہیں بحدہ مساوی دیا جاوے اور دو ثلث ورثہ شرعیہ کو تقسیم کیا جاوے، اس وصیت نامہ کو سن کر اور لوگوں نے اپنے اپنے دستخط کر دیئے، مگر پانچویں موصی نے دستخط کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ کو لینا منظور نہیں ہے، یہ سمجھ کر کہ یہ مال زکوٰۃ ہے، اس پر زید موصی نے کہا کہ تم منظور کرو، پھر لوٹ کر میرے ہی اوپر لگا دینا، اور دوسرے موصی نے بھی سمجھا یا کہ تم منظور کرو، یہ زکوٰۃ نہیں ہو سب کو ملا ہے اور میں نے بھی لیا، کیا میں تمہارے نزدیک زکوٰۃ کھانے والا ہوں، تب بھی نہیں مانا، تب زید موصی نے سمجھانے والے سے کہا کہ تم کیوں اصرار کرتے ہو، وہ نہیں منظور کرتے ہیں، نہ لیں، تم ان کا نام کاٹ دو اور جاری نام رہتے دو، تب دوسرے شخص نے کہا کہ نام کاٹنے سے کاغذ مشکوک ہو جاوے گا، تو زید موصی نے کہا کہ ان کے نام پر (ص) بنا دو پھر کہا گیا کہ قص کا مطلب بھی مشکوک رہے گا، تب زید موصی نے کہا کہ ان کے نام پر ان سے انکار لکھواؤ، چنانچہ زید موصی نے خود منکر کے ہاتھ سے اسکے نام پر اس کاغذ پر یہ الفاظ لکھوائے مجھ کو لینا منظور نہیں، فلاں قلم خود، پھر زید موصی نے اس وصیت نامہ پر اپنے دستخط کر کے

اپنے پاس رکھ لیا اور اپنے مرنے سے کچھ پیشتر ان چار اشخاص کے جن کو تقسیم بین الشراک کے لئے بموجب وصیت نامہ کے مقرر کیا تھا، ایک شخص کے پاس بھیج دیا، اس شخص نے اپنے پاس رکھ لیا، اب بعد انتقال زید موصی کے وہ شخص منکر کہتا ہے کہ میں نے زکوٰۃ کا مال سمجھا تھا اسلئے میں نے انکار کیا تھا، اب مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ زکوٰۃ کا مال نہیں ہے، اور میں نے مولویوں سے پوچھ لیا ہے اور مجھے لینا درست ہے، تو علمائے دین سے سوال یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں بعد انکار و رد و بدل منکر کے حق میں یہ وصیت رہی یا کالعدم ہو گئی، اور اس کا یہ غدر کہ میں نے مال زکوٰۃ سمجھ کر انکار کیا تھا، قبول ہو سکتا ہے یا نہیں، اور مال وصیت بعد ادا کے واپس روپے مصارف، تعمیر و تکفین وصیت در حق شخص واحد بقیہ ان پانچوں پر تقسیم ہو گیا یا نہیں، اگر کوئی شخص بلا رضا مندی دیگر شرکار کے تقسیم کر کے پانچویں شخص کو دیوے تو اس کو حلال ہے یا حرام اور ایسی تقسیم کرنے والا گنہگار ہو گیا یا نہیں، مینواتو جروا، ؟

الجواب، الروایۃ الاولى فی الہدایۃ ص ۶۴۱ وقبول الوصیۃ بعد الموفان قبلہا الموصی لہ فی حال حیوۃ اور دھا فذلک باطل، الروایۃ الثانیۃ فی الہدایۃ ص ۶۴۲ ویجوز للموصی الرجوع عن الوصیۃ واذا صرح بالرجوع او فعل ما یدل علی الرجوع کان رجوعاً، الروایۃ الثالثۃ فی الدر المختار باب الوصیۃ بثلاث المال واصلہ المعول علیہ اندہ متی دخل فی الوصیۃ ثم خرج لفقد شرط لا یوجب الزیادۃ فی حق الآخر ومتی لم یدخل فی الوصیۃ لفقد الاهلیۃ کان الكل للآخر کذا ذکرہ الزیلعی،

صورت مسئلہ میں اگر موصی بعد زید موصی لہ کے اس باب میں کچھ دخل نہ دیتا تو یہ رد انکار جو حیثیت موصی میں ہوا قابل اعتبار نہ ہوتا، بلکہ موت موصی کے بعد جب وہ قبول کر لیتا تو یہ وصیت بحال خود رہتی، بشرطیکہ موت موصی کے نوبت انکار موصی لہ کی نہ آئی ہو، تدل علیہ روایۃ الاولى، لیکن جب رد انکار موصی لہ کے بعد موصی نے کہا کہ ان کے نام پر ان سے انکار لکھواؤ تو موصی نے اس رد کو منظور کر لیا جو کہ فعل وال علی الرجوع عن الوصیۃ ہے، چنانچہ ظاہر ہے اس رجوع سے حق موصی لہ کا باطل ہو گیا تدل علیہ روایۃ الثانیۃ، لیکن اس شخص کا حصہ یعنی موصی بہ کا خمس ان چار باقی کو نہ ملے گا بلکہ حق وراثہ کا ہی، البتہ اگر موصی اس کے بعد کہہ دیتا کہ اب یہ مجموعہ ان چار کو ملے تو یہ خمس بھی علی السوار ان چاروں کو مل جاتا، لیکن اگر نہ کہا ہو تو ان اربعہ کا اس خمس کا مستحق ہونا محتاج وصیت ہے اور وہ پائی نہیں گئی تدل علیہ الروایۃ الثالثۃ، البتہ اگر سب وراثہ بالغ

ہوں اور اپنی رضا سے اس کو یہ خمس دیدیں یا جو بالغ ہوں وہ اپنا حصہ اس خمس میں سے اسکو دیدیا تو اس کا لینا جائز ہے، ورنہ دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم،

۲۷۔ سوال ۳۳۳ (اداء ج ۲ ص ۱۰۸)

وصیت للوارث | سوال (۴۰۵) وارث کے لئے وصیت کی، اور ورثہ نے بعد موت موصی اسکو رد کر دیا، پھر اگر اجازت دیں تو وصیت صحیح ہو جائیگی؟ اور لازم یا کہ جدید تبرع ہوگا اور دینے نہ دینے کا اختیار ہوگا، اسی طرح موصی نے وصیت کو قبول نہیں کیا تو وصیت صحیح ہو جائیگی یا نہیں؟

الجواب تصریح تلاش کرنے کا وقت نہیں ملا، لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت اول میں یہ تبرع جدید ہوگا، کیونکہ تصرف موقوف قبول یا رد پختہ ہو جاتا ہے و (احکم للشیء بعد انتہاء) جیسا کہ بیع موقوف و نکاح موقوف میں کہ بعد رد اصلاً اعتبار نہیں رہتا، اور صورت ثانیہ میں بھی اسی طرح وہ وصیت معتبر نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم، (۳۳۳) (اداء ج ۲ ص ۱۱۰)

وصیت للاجنبی وللوارث | سوال (۴۰۶) ایک مسئلہ کی نسبت یہاں پر برائے رد ہے، وصیت کی

نسبت فقہائے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر دو شخصوں کیلئے وصیت کرے اور ایک کو مل نہ سکے تو اگر اسکو ملنے کا احتمال ہی نہ ہو تو کل مال موصی لے ثانی کو مل جاوے گا، اور اگر احتمال ہو تو نصف ملے گا، مثلاً زید اور وارث کے لئے وصیت کی اور وارث کو نہ ملا تو جس قدر مال کی وصیت کی ہے اس کا نصف ملے گا، اور اگر زید و عمر کیلئے وصیت کی اور زید میت ہو تو کل مال عمر کو مل جاوے گا، سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے کل مال کی زید اور وارث کے لئے وصیت کی اور بقیہ ورثہ نے اسکو جائز نہ رکھا تو آیا یہ سمجھا جاوے گا کہ چونکہ کل مال کی وصیت نادرست ہے تو گو یا ثلث مال کی وصیت کی تھی زید و وارث کے لئے حتیٰ کہ زید کو ثلث کا نصف یعنی سدس ملے یا یہ نہ سمجھا جاوے گا، بلکہ اگر ورثہ راضی نہ ہوئے تو اجنبی کو ثلث مال دلایا جاوے گا، فقہاء کے قاعدہ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جہاں تنصیف کی جاتی ہے وہاں وجہ یہ ہے کہ موصی کو کل دلانا مقصود نہیں بلکہ تنصیف کرنا مقصود ہے، اسی لئے اگر کسی وجہ سے ایک شخص کو نہ مل سکا تو دوسرے کو اس کا حصہ نہ دیا جاوے گا، اور صورت مسئلہ میں یہ امر مفقود ہے، کیونکہ بہر حال اجنبی کو نصف کل مال بلکہ اس سے بھی کم ملے گا، اور اگر ورثہ راضی نہ ہوئے پھر ثلث کے نصف کرنے کی کیا وجہ؟ بادب تمام التماس ہے کہ اس کی نسبت جو اعلیٰ حضرت کی رائے ہو اس سے مطلع فرمایا جاوے، اور اگر منظرہ توجہات اعلیٰ حضرت کوئی روایت بھی تحریر فرمائی جاوے تو اور بھی اطمینان قلب ہو جائیگا۔

الجواب ہدایہ میں ہے ومن اوصی الاجنبی لوارث فلا جنبی نصف الوصیۃ تبطل

وصیۃ الوارث لانہ اوصی بھایم ملک الا یصاۃ بہ بما لا یملک نصم فی الاول و بطل فی الثانی ،
اس روایت سے صورت مسئول عنہا کا جواب ظاہر ہے کہ اس میں زید کو نصف ثلث ملے گا، کیونکہ تعلیل
ہدایہ کی اس میں جاری ہے، اوصی بھایم ملک بما لا یملک الخ کیونکہ روایت مذکورہ میں بھایم سے مراد ظاہر ہے کہ وصیت
للاجنبی ہے، اور مالایملک سے مراد وصیت للوارث ہے، قطع نظر مقدار موصی بہ سے کہ وہ دوسری دلیل مستقل سے
ثابت ہے، کہ ثلث سے متجاوز نہ ہوگا، اور اگر ثلث سے زائد ہو تو وہ بھی بمنزلہ ثلث کے ہوگا، اور وصیت
مسئول عنہا میں تفصیل احد ہما علی الآخر مقصود نہیں پس تساوی کا کیا جاوے گا، اس بنا پر صورت مسئول عنہا
بھی روایت مذکورہ کی ایک جزئی ہوگئی، پس حکم مذکورہ بھی اس کے لئے ثابت ہوگا، تو لکم وہاں وجہ یہ ہے کہ
موصی کو کل دلانا مقصود نہیں، الی تو لکم یہ امر مفقود ہے، قلت کل سے مراد کل متروکہ ہے یا کل موصی بہ
اگر شق اول پر تو مسلم نہیں، کہ یہ وجہ ہو کہ اسکے لئے حاجت نقل ہے، اور اگر شق ثانی ہے تو مسلم ہے، لیکن یہ
کہنا کہ مقصود ہے مسلم نہیں، کیونکہ جب دو کے لئے وصیت کی تو زید کو کل موصی بہ دلانا مقصود نہیں بلکہ دونوں
کی تساوی مقصود ہے اور کل مال معنی میں ثلث مال کے ہے، پس لزوم تساوی سے زید کو نصف ثلث
ملنا ہے، آپ فکر رغور فرمائیے، اگر کچھ شبہ رہے پھر لکھئے، واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم،

۲۵ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳، ص ۱۱۰)

سوال (۳۰۷) مسألت ذیل مدرسہ میں آئے ہوئے ہیں، اور کوئی قابل اسکین جو
خدام کی نظر سے نہیں گزرا، اسلئے اعلیٰ حضرت کو تکلیف دی جاتی ہے، امید کہ تکلیف فرما کر رفع تردد فرمایا جاوے
سوال سوم کی نسبت تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ درحقیقت وصیت انتفاع کی ہر نہ عین شے کی، اور انتفاع
عین حیات تک وصیت درست ہے اسلئے یہ جائز ہو جاوے، وہ سوالات یہ ہیں،

(۱) وصیت میں کسی قسم کی شرط میعاد انتقال ذات شئی میں کرے، تو وہ وصیت جائز ہے یا نہیں ؟
(۲) اگر زید ایک ثلث عین کی وصیت بحق اجنبی کرے اور شرط میعاد کی اس طرح کرے کہ بعد میرے
پانچ سال تک مثلاً قابض نہ ہوگا، بلکہ ورثہ قابض رہیں گے، اور بعد پانچ سال کے موصی لہ قابض ہوگا، یہ
میعاد شرط قابل پابندی ہوگی یا نہیں، اور وصیت جائز ہوگی ؟

(۳) اگر وصیت زید کل مال کی کرے بنام اجنبی کے، اور شرط میعاد تاحیات کرے یعنی بعد وفات
موصی لہ میرے ورثہ پائیں گے، اور حالت حیات میں اجنبی قابض رہے گا، تو یہ وصیت جائز ہوگی
یا نہیں ؟ اور ورثہ موصی بعد مرنے کے اس پر راضی ہو گئے،

الجواب، وصیت کی تفسیر درمختار میں ہے، تملیک مضاف الی ما بعد الموت، اور اسکے شرائط

میں سے یہ بیان کیا ہے، وكون الموصی به قابلاً للتملیک بعد موت الموصی بعقد من العقود ما لا او
نفعاً موجوداً للحال ام معدوماً ای وهو قابل للتملیک بعقد من العقود قال فی النهاية
ولهذا قلنا بان الوصیة بما تفرغ فخله العام او ابدًا تجوز وان كان الموصی به معدوماً لانه
يقبل التملیک حال حیوة الموصی بعقد المعاملة وقلنا بان وصیة بما تلد اغنامه استحسننا
لانہ لا يقبل التملیک حال حیوة الموصی بعقد من العقود الخ رد المحتار،

اس سے معلوم ہوا کہ سوال اول و دوم میں یہ اشتراط ناجائز ہے، کیونکہ حیات میں عین کی تملیک
اس طرح ناجائز ہے پس وصیت میں موت موصی کے بعد معاموصی لہ مالک ہوگا، اور جب یہ نہیں تو
وصیت باطل ہے اور سوال سوم میں وہی جواب صحیح ہے جو آپ نے تحریر فرمایا ہے واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہم السلام
۷ ربيع الثانی ۱۳۲۸ھ (امداد ج ۲ ص ۱۱۱)

سوال (۳۰۸) متعلق جواب بالا

وصیت کی نسبت جو اعلیٰ حضرت نے ترمیم فرمائی ہے صحیح ہے لیکن شبہ صرف اس قدر ہے کہ فی نفسه
وصیت ثلث جائز ہے، باقی شرط غایۃ ما فی الباب فاسد ہے، اور وصیت شرط فاسدہ صحیح نہیں ہوتی
وما لا یبطل بالشرط الفاسد القرض العیۃ والصدقات والنکاح والایصاء والوصیۃ والشرکۃ
در مختار مختصر قولہ الوصیۃ کا وصیت لک بثلاث مالی ان جائز فلان عینی وفيہ نظر لانہ مثال تعلیقها
بالشرط وليس الكلام فيه وفي البرازية وتعلیقها بالشرط جائز لانها فی الحقیقة اثبات
المخالفة عند الموت اھ ومعنی صحة التعلیق ان الشرط ان وجد كان للموصی له المال
والافلاشی لہ بمجراح الخ شامی،

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیت شرط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی بلکہ شرط لغو
ہو جاتی ہے اور تعلیق بالشرط وصیت میں صحیح ہے، یہاں چونکہ شرط فاسدہ ہے اس لئے لغو ہو جائے
اور وصیت صحیح ہو، آگے در مختار میں ہے :-

وما تصم اضافة الى الزمان المستقبل الاجارة وفسخها والمزارعة والمعاملة و
المضاربة والوكالة والكفالة والایصاء والوصیۃ والقضاء والامارة الخ والایصاء
ای جعل الشخص وصیا والوصیۃ بالمال فانهما لا یفیدان الا بعد الموت فیجوز تعلیقهما
واضافتهما در الا شامی،

اگر صورت مسئلہ اس میں داخل مانی جاوے اور یہ سمجھا جاوے کہ دراصل یہاں بھی اضافت الی الزمان المستقبل ہر تو یہ اضافت بھی صحیح ہو جانا چاہئے، خلاصہ الامر یہ ہے کہ اس میں تشفی نہیں ہوتی اس لئے اگر خدام اعلیٰ حضرت دوبارہ توجہ فرمائیں تو یقین ہے کہ رفع اشتباہ ہو جاوے ؟

الجواب، اضافت اور تعلیق دونوں کا صحیح ہونا ان عبارات سے مفہوم ہوا، لیکن مراد اس سے وہ صورت معلوم ہوتی ہے جہاں وہ مضاف الیه یا معلق بہ قبل موت موصی پایا جاوے کہ اس وقت موصی میں قابلیت تملیک ہو جیسا اصولیین نے تعلیقات میں کہا ہے، کہ تکلم بالجزار تقدیراً وجوہ شرط کے وقت ہوتا ہے پس یوں سمجھیں گے کہ موصی نے اب وصیت کی ہو، بخلاف مسئلہ متکلم فیہا کے وہ شرط ایسے وقت پائی گئی جب موصی میں تملیک کی صلاحیت نہیں، اور ایصار کے وقت کا صیغہ تملیک کے لئے کافی نہیں، یہ فرق ہے مقیس و مقیس علیہ میں، اور شرط فاسد سے مراد وہ ہے کہ بعد صحت تملیک کے ہو، مثلاً یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیز فلاں کی ہو جاوے لیکن پانچ سال تک دی جاوے، اس میں یہ شرط فاسد اور وصیت صحیح ہو جاوے گی، اور جب یہ کہا کہ یہ چیز فلاں شخص کی پانچ سال کے بعد ہوگی، یہاں تملیک ہی صحیح نہیں ہوتی، فالتفہم الفرق، آپ روایات درمختار و ردالمحتار سے اس تقریر کو ملا کر دیکھئے، اگر شبہ رہے تو ان عبارتوں کا پتہ بھی لکھئے، تاکہ میں بھی دیکھ سکوں، جو عبارتیں آپ نے لکھی ہیں معلوم نہیں کہاں ہوں گی، زیادہ فرصت ہوئی نہیں کہ تلاش کروں، واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و اعلم،

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۳، ص ۱۱۲)

سوال متعلق جواب بالا

سوال اول کی نسبت جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ شانی جلد ثالث کی ہے، باب السلم کے بعد باب المتفرقات میں بعنوان ما یبطل بالشرط الفاسد ولا یصح تعلیقہ بہ درج ہے، حضرت والا ملاحظہ فرمائیں، جس قدر جوابات اعلیٰ حضرت نے ترمیم فرمائے ہیں، سب کی نسبت اطمینان ہو گیا، البتہ جواب اول (وصیت) کی نسبت اب تک کچھ پوری تشفی نہیں ہوئی، ؟

جواب، میں نے آج شانی میں وہ مقام دیکھا، اس میں ایک جزئیہ مل گیا، جس سے سارا اشتباہ صاف ہو گیا، فی رد المحتار قوله والوصیۃ الخ وفي الخانیۃ لو اوصی بثلثہ لامرولده ان لم تتزوج فقیلت ذلک ثم تزوجت بعد انقضاء عدتها بزمان فلها الثلث بحکم الوصیۃ الی قوله ووجهہ انه اذا مضت مدۃ بعد العدة ولم تتزوج فیہا تحقق الشرط الخ

(ج ۲ ص ۲۵۵)

ظاہر ہے کہ معلق بہ عدم تزدج فی العدة تو ہے نہیں بلکہ عدم تزوج بعد العدة ہے، اور اس وقت موصی زندہ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تعلیق وصیت کی ایسی شے کے ساتھ بھی جائز ہے جو مدت موصی کے بعد متحقق ہو، اور تا یہ اس کی اسی کلیہ سے ہوتی ہے، الاضافة تصح فیما لا یسکن تملیکہ للحال شامی قبیل باب الصرف اس کلیہ میں کوئی قید نہیں لگائی، پس اس جزئیہ اور اس کلیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موصی کا یہ کہنا قابل عمل ہوگا کہ میرے بعد پانچ سال تک قابض نہ ہو اور پھر موصی قابض ہوا۔ اب میں تحریرات سابقہ سے رجوع کرتا ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ حجابی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۳ ص ۱۱۳)

وصیت برائے دفن در مکان معین | سوال (۲۱۰) ایک شخص نے وصیت کی کہ مر جانے کے بعد اس گھر میں جہاں میں عبادت کرتا تھا، دفن کرنا، اب اس شخص کو بعد مر جانے کے اس کے عبادت خانہ میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدار المختارہ ولا ینبغی ان یدفن المیت فی الدار ولو کان صغیرا الاختصاص هذه السنة بالانبياء اھ وفي رد المختار ومقتضاه انه لا یدفن فی مدفن خاص کما یفعلہ من بیئہ مدرستہ ونحوھا ویسبغ بقرہا مدفننا تامل ج ۱ ص ۹۳۵ وفي الدار المختار قبیل باب الوصیۃ بالخدمۃ فینبغی ان یکون القول بطلان الوصیۃ بالتطین مبني علی القول بالکراهۃ لانہا حینئذ وصیۃ بالمرکوهۃ، قالہ المصنف،

ان روایات سے ثابت ہوا کہ یہ وصیت باطل ہے، اس پر عمل جائز نہیں،

۷ صفر ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۳، ص ۱۱۴)

وصیت برائے وارث یا زنی | سوال (۲۱۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مورث واجازت وارث بعد رد نے وصیت کیا ہو قبل تین دن موت کے حالت بے ہوشی میں اپنی کل جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ کے بیچ تین وارث اور جو تھے محبوب الارث کے، بہ خلاف شرع محمدی کے اور انکار کیا ہو کسی وارث نے اس وصیت سے کہ جس کی حق تلفی ہوتی ہو بعد موت مورث کے اور پھر اقرار کرے وہی وارث بسبب جبر و دباؤ کے، تو ایسی حالت میں کہ جب اس نے پہلے انکار کیا ہو وصیت سے وصیت منسوخ ہو چکی یا نہیں، اور اگر وہ منسوخ ہو چکی تو دوبارہ اس کے اقرار سے پھر جواز اس کا ہو سکے گا یا نہیں؟

الجواب، اگر موصی وقت وصیت بالکل بے ہوش لا یعقل ہو، تو وصیت صحیح نہیں، کیونکہ موصی کا

عاقلاً بالغ ہو نا ضروری ہے، و شرائطها کون الموصی املًا للتملیک و مختار، اور اگر اس قدر ہوش ہو کہ قصد کر کے اور سمجھ کے کلام کرتا ہے، تو اگر کسی وارث کے لئے کچھ وصیت اس کے حق سے زیادہ کی ہے تو باطل ہے، ہاں اگر سب ورثہ بالغ ہوں اور راضی ہو جاویں تو جائز ہے، و لا لوارثہ و قاتلہ مباشرۃ الا باجازۃ ورثتہ و ہم کبار، و مختار اور اگر بعض بالغ ہوں اور بعض نابالغ اور بالغین جائز رکھیں یا نابالغین میں سے بعض جائز رکھیں، بعض رد کر دیں تو بقدر حصہ بالغین و مجوزین کے جائز ہے، و لو اجاز البعض و رد البعض جاز علی المجیز بقدر حصتہ و مختار، اور اگر اجنبی غیر وارث کیلئے وصیت کی ہے تو ثلث تک جائز ہے اگرچہ کوئی وارث راضی نہ ہو اور ثلث سے زیادہ باجائزت ورثہ بالغین مع تفصیل مذکور بلوغ بعض و عدم بلوغ بعض و قبول بعض و رد بعض جائز ہے،

و تجوز بالثلث للاجنبی وان لم یجز الوارث ذلک لا الزیادۃ علیہ الا ان یجوز ورثتہ بعد موتہ و ہم کبار و مختار،

اور اگر بعد اجازت کے رد کرے تو جائز نہیں، بخلاف ما اذا اوصی بالزیادۃ علی الثلث او لقاتلہ او لوارثہ فاجازتھا الورثۃ حیث لا یكون لہم المنع بعدا لاجازۃ بل یجبر علی التسلیم و مختار، اور اگر بعد رد کے اجازت دی جیسا صورت مسئلہ میں ہوا تو جائز ہے لان الموع یؤخذ باقرارہ او شرعا کراہ وہ ہوتا ہے جو قتل یا قطع یا حبس مدید یا ضرب شدید کے ساتھ ہو، اس میں مکروہ بالفتح اپنے اقرار سے رجوع کر سکتا ہے، اور یہاں کوئی صورت اکراہ کی معتبر نہیں اسلئے اقرار لازم نہ ہو جاوے گا، فلوا کرہ بقتل او ضرب شدید او حبس او قید مدیدین حتی باع او اشتری او اقرا او اجر او فسخا او امضی، و مختار۔

تنبیہ، چونکہ صورت سوال بوجہ انتشار بیان سائل متعین نہیں، اور محتمل وجوہ کثیر کو ہے اسلئے جواب شقوق کے ساتھ تحریر ہوا، و اللہ اعلم، ۲۶ ربیع الثانی دو شنبہ ۱۳۱۲ھ (امداد ج ۳ ص ۱۱۴) بعد معافی ہر کسی جائد او کی نسبت | سوال (۴۱۲) اگر ہندہ زوجہ زید اپنے خاوند زید کو ہر معینہ یہ لکھا کہ یہ بعوض ہر کے ہے | معاف کر دے اور پھر خاوند ہندہ زید کسی جائد او کی نسبت اپنے وصیت نامہ میں لکھ دے کہ فلاں جائد او جو میں نے اپنی زوجہ ہندہ کے نام پر براہ راست لی تھی وہ بعوض دین ہر ہے، اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں، تو اس کی بابت کیا حکم ہوگا، حالانکہ اصلی ہر پانچ سو روپیہ کا تھا اور وہ تقریباً ۴ سال قبل معاف بھی ہو چکا تھا، اور اب اسلئے کی حلیہ جو ہندہ کے نام سے خریدی گئی اسکو زید بعوض دین ہر قرار دیتا ہے، بینوا تو جروا ؟

الجواب، اگر اس لکھنے سے مقصود ہے کہ میں نے یہ جائداد بالفعل زوجہ کو دیدی ہی تو یہ سہیہ ہے پس اگر مرض الموت کے قبل ہی تو اسکی صحت و وقوف ہی وجود جمیع شرائط سہیہ پر حتیٰ کہ سہیہ بالحوض میں بھی وہ شرائط ضروری ہیں، اور اگر مرض الموت میں ہے تو حکم وصیت میں ہے، اور وصیت و ارث کے لئے جائز نہیں، اور اگر اس لکھنے سے مقصود ہے کہ میرے مرنے کے بعد ہندہ کو یہ جائداد دیدی جاوے تو بھی وصیت ہے، اور وصیت و ارث کے لئے ناجائز ہے جیسا ابھی بیان ہوا، اور اس لکھنے سے کہ بعض دین ہرے مشابیح کا نہ کیا جاوے، کیونکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ چونکہ اس نے میرے ساتھ احسان کیا ہے میں بھی احسان کرتا ہوں، اس سے بیع لازم نہیں آتی، کیونکہ لازم بیع سے ہر وجہ ب ائمن بعد البیع اور یہ یہاں منتفی ہے۔ ۲۱ رجب ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۹۶)

سوال (۳۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، عدم بطلان وصیت بر ذمہ موصی نہ در حیات موصی یا بخبرائے رد بعد موت موصی اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد جس کی آمدنی چونتیس روپے ماہوار تھی اس میں سے اپنی ایک حقیقی بہن اور دو ورثہ داروں کے لئے صرف ایسی مقدار کی جائداد کی وصیت کی کہ وہ جائداد موصیٰ بہا رقبہ زمین کے اعتبار تو ثلث کل سے کم ہی مگر آمدنی کے اعتبار سے ثلث سے زیادہ ہے، کیونکہ جائداد موصیٰ بہا کی آمدنی ۷۷ روپے اور کل کی آمدنی چونتیس روپے ہی، اس جائداد کی قیمت رقبہ زمین کے اعتبار سے کم و بیش نہیں ہوتی، بلکہ آمدنی کے اعتبار سے، مثلاً وہ جائداد جو پانچ گنر زمین پر ہے اور عہدہ راہوار کرایہ پر ہے، اس جائداد سے جو پندرہ گنر زمین پر ہے اور عہدہ راہوار کرایہ پر ہے زیادہ قیمت کی ہوگی، جائداد موصیٰ بہا ایک دوکان ہے عہدہ راہوار کرایہ کی، اور اس کی چھت پر ایک کمرہ ہے عہدہ راہوار کا، ہندہ نے اس میں سے عہدہ راہوار کرایہ کی دوکان دو رشتہ داروں کو اور عہدہ راہوار کمرہ ہمشیرہ حقیقی کو دلانا چاہا تھا،

دونوں رشتہ داروں نے محض اس خیال سے کہ حقیقی بہن سے نزل ہوگا، کیونکہ دوکان کی چھت یعنی کمرہ بہن کو ملے گا، ہندہ سے (وقت وصیت) کہا کہ ہم نہیں قبول کرتے، ہندہ نے پھر کچھ نہ کہا چہرہ سحر معلوم ہوتا تھا کہ رد وصیت ہندہ کی مرضی کے خلاف ہی اور مرضی یہی ہے کہ وصیت قبول کر لی جائے اور ہمشیرہ حقیقی نے بھی محض اس زعم سے کہ ہمیں نصف جائداد وراثۃ پہنچتی ہے (حالانکہ ہندہ کا پوتا ناجب) ہم کم کو کیوں قبول کریں، نیز اگر قبول بھی کر لیں تو ہماری وجہ سے ان دونوں رشتہ داروں کو بھی نفع پہنچ جائیگا، وصیت کو قبول نہ کیا، بعد وفات ہندہ کے وارث (حقیقی پوتہ) تمام جائداد پر قبضہ کر کے چند روز کے بعد پانچ ہزار روپے کو فروخت کر کے تمام روپیہ خود ہی خرچ کر ڈالا، اور حقیقی بہن اور دونوں

رشتہ داروں کو اس زعم سے کہ وصیت باطل ہوگئی کچھ نہ دیا، اور انھوں نے بھی مطالبہ نہ کیا، مگر صراحتاً رد بھی نہیں کیا، البتہ صرف دونوں رشتہ داروں نے کبھی بھی انھیں الفاظ کا کہ ہم نے ہندہ سے کہہ دیا کہ ہم وصیت قبول نہیں کرتے، اعادہ کیا، اور ہمیشہ حقیقی نے بالکل سکوت اختیار کیا آیا صورت مسئلہ میں وارث ان موصی الہم کا بنا براس روایت کے کہ بطل قبول ہوا ورنہ ہانی حیوۃ مفروض ہے یا رشتہ داروں کا ان الفاظ کا اعادہ کرنا، اور ہمیشہ و رشتہ داروں کا بطلان وصیت کے گمان پر ساکت رہنا بطل وصیت ہی، مگر آنکہ دونوں رشتہ داروں نے جو الفاظ مذکورہ امام الہندہ کا اعادہ کیا وہ محض اسی خیال سے کیا کہ یہ بطلان وصیت میں مؤثر ہو چکے ہیں، ورنہ عدم بطلان معلوم ہوئے پر ہرگز نہ کرتے، اور اعادہ اس واسطے کیا تاکہ ہمیشہ حقیقی کو رنج پہنچے، اعادہ سے انشاء و رد نہ تھا بلکہ اخبار رد جو ان کے زعم کی بنا پر صحیح ہو چکا تھا، گو بعد کو پشیمانی ہوئی، مگر اپنی زبان قبول وصیت کا ذکر محض اس وجہ سے نہ کیا کہ یہ سمجھتے رہے کہ وصیت تو باطل ہو ہی چکی ہے اب ہمارے اس کہنے سے کیا ہوگا بجز اس کے کہ خود کو تو نہ اہم ہوگی اور وارث جائز سے نزاع ہوگا،

الجواب، فی الدر المختار کتاب الوصایا وانما یصح قبولہا بعد موتہ لان او ان ثبوت علیہا بعد الموت فبطل قبولہا و ردھا قبلہ انما تلک بعد القبول اھ فی رد المحتار فان لم یقبل بعد الموت فہی موقوفۃ علی قبولہ لیست فی ملک الوارث ولا فی ملک الموصی لہ حتی یقبل او یموت ثم قال بعد اسطرانھا قت من جھتہ الموصی تماماً لا یلحقہ الفسخ ووقف علی خیار الموصی لہ فصار کالبیم بالخیار للمشتري لو مات فی الثلاث قبل الاجازۃ یتما الخ

ان روایات سے ثابت ہوا کہ وصیت رد نہیں ہوئی، موصی الہم کا حق باقی ہے، البتہ یہ حق ثلث کے اندر اندر ہے، ۱۹ رجب ۱۳۳۸ھ (تمتہ ثانیہ ص ۵۷)

سوال (۴۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مستی علیہ الدین بطلان وصیت للوارث و
نوشدن شرط در وصیت عرف المور نے اپنی حیات میں انتقال سے تین چار سال قبل ایک وصیت نامہ مرتب کر کر جسٹری کرایا، اس طرح پر کہ ایک ثلث اپنے چھوٹے بیٹے عبد اللہ کے نام اور ایک ثلث اپنے دونوں پوتوں کے نام کہ جو بیٹے عبد اللہ مذکور کے ہیں، اس وجہ سے کہ عبد اللہ مذکور نے اپنی بیوی اور بیٹیوں کے خلاف مرضی دوسرا نکاح کر لیا تھا اور ان دونوں بیٹیوں اور انکی ماں کے پاس کوئی سہا معاش کا نہ تھا، اور ایک ثلث اپنے بڑے بیٹے مسیحی عبد الرحیم کی زوجہ مسماۃ راج بی بی کے نام وصیت لکھی اور زبانی علیم الدین مورث اعلیٰ کے سنا کہ میں نے اس شرط پر یہ وصیت مسماۃ راج بی بی کے نام کرائی

ہے کہ اگر میرے گھر کو آباد رکھے اور نکاح ثانی نہ کرے دوسری جگہ نہ جائے تو وصیت راج بی بی کے نام جاری رہو ورنہ ساقط ہو۔ اب مسمیٰ عظیم الدین کا انتقال ہو گیا، اور جن کے واسطے وصیت کی تھی وہ سب زندہ ہیں، شرعیہ وصیت کس طرح تقسیم ہوگی، اور جو ترکہ بلا وصیت ہے وہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا تو جبروا، **الجواب**، عبد اللہ وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت باطل ہے، اور عبد اللہ کے دونوں بیٹوں اور عبد الرحیم کی بیوی کے لئے گو وصیت جائز ہے لیکن ثلث سے زائد باطل ہے بلکہ ایک ہی ثلث میں تینوں اس نسبت سے شریک ہوں گے جو کہ موصی نے تجویز کی ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ پس تقسیم ترکہ کی اس طرح ہوگی کہ ایک ثلث میں سے آدھا تو زوجہ عبد الرحیم کو اور آدھا عبد اللہ کے دونوں بیٹوں کو برابر ملے گا، اور دو ثلث جو بچادہ میراث میں عبد اللہ کو دیا جائیگا، اور یہ جواب اس صورت میں ہے کہ الموصی وصیت پر سب ورثہ رضامند نہ ہوں اور بجز عبد اللہ کے کوئی وارث نہ ہو، ورنہ سوال مکرر کیا جاوے اور الموصی یہ شرط لغو ہے کہ راج بی بی نکاح ثانی نہ کرے، اس کا وصیت ہی جو حق ہو نکاح ثانی کرنے پر بھی ساقط نہ ہوگا،

فی الدر المختار وما یعم ولا یبطل بالشرط الفاسد الی قوله والایضاء والوصیة فی رد المختار قوله الوصیة لو اوصی بثلثه وام ولدا ان لم تتزوج فقبلت ذلك ثم تزوجت بعد انقضاء عدتها بنومان فلها الثلث بحکم الوصیة اھ ج ۲ ص ۳۵۳ و ۳۵۴ و ۳۵۵، ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثانیہ ص ۷۳)

ایضاً سوال (۲۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ زینب نے اپنے انتقال سے ۱۲، ۱۳ سال قبل اپنا مکان مسکونہ اور اسباب خانہ جو خالص اس کی ملکیت تھا موجودگی و رضامندی اپنی دختر مسماۃ کلثوم مکان مذکور کو مع دیگر مالا مال اپنے لڑکے مسمیٰ بکر کو بذریعہ وصیت ناسہ منتقل کر دیا، اب بعد انتقال مسماۃ زینب کے مسماۃ کلثوم اپنے شرعی حصہ مکان کو اپنے بھائی مسمیٰ بکر سے طلب کرتی ہے، از روئے شرع شریف بعد ایسی وصیت کے مسماۃ کلثوم کچھ پانے کی مستحق ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو کس قدر؟

الجواب، یہ وصیت للوارث ہے جو بدون اجازت دوسرے ورثہ کے جائز نہیں اور دوسرے ورثہ کی اجازت وہ معتبر ہے جو بعد موت موصی کے ہو، اور وقت وصیت کی اجازت معتبر نہیں، لہذا یہ وصیت کالعدم ہے،

فی جمع الانہد ولا تعتبر اجازة الورثة فی حال حیوة الموصی حق کان لہم ان یرجعوا

بعد موت الموصی ج ۲ ص ۱۲۶

اور یہ حکم اس وقت ہو کہ جب یہ وصیت نامہ شرعاً ہو اور اگر محض عرفاً ہو اور شرعاً کہ فی دوسرا عقد ہو تو دوسرا حکم ہو، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس وصیت نامہ کی نقل دکھلا کر سوال کیا جائے۔

۱۵۔ اشوال ۳۳۶ (تمتہ خامسہ ص ۶۶)

عدم جریان ميراث در وصایا | سوال (۲۱۶) بعد سلام علیک عرض ہو کہ جناب والدہ صاحبہ کی یہ وصیت ہو کہ جو آمدنی پانچ حصہ لکھنؤ پیپر مل سے ہو وہ خیرات کی جایا کرے، اور دونوں میرے بیٹے نصف نصف خیرات کیا کریں، اب برادر عزیز عبد الحفیظ صاحب کا انتقال ہو گیا، اور کل پانچوں حصہ مذکورہ کی آمدنی میرے پاس آتی ہو، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا کل پانچوں حصہ کی آمدنی میں خود خیرات کیا کروں یا نصف کی، اور بقیہ نصف کی مولوی عبد الحفیظ صاحب کے ورثہ خیرات کیا کریں؟

الجواب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وصایت میں میراث جاری نہیں ہوتی، یعنی وصی کی اولاد و ورثہ یہ ضرورت نہیں کہ وصی ہوں، اس لئے کل پانچوں حصے آپ ہی خیرات کر سکتے ہیں،

۳۔ جادی الاولیٰ ۳۳۲ (تمتہ ثانیہ ص ۸۳)

سوال (۲۱۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا شوہر انتقال کر گیا اور اولاد نابالغ چھوڑ گیا شوہر کی کچھ جائیداد غیر منقولہ ہو اور وہ غیر منقسم ہو اب اسکی زوجہ اس جائیداد کی آمدنی سے کیا خیرات و صدقات کر سکتی ہو یا نہیں، اور زوجہ ہی یتیم بچوں کی مربی اور متکفل ہو، اگر وہ صدقہ و خیرات نہیں کر سکتی ہو تو کوئی ایسی صورت بتلائیے کہ جس سے وہ عورت جائیداد کے غیر منقسم ہونے کی حالت میں صدقہ و خیرات کر سکے اور اپنے شوہر کی روح کو ثواب مالی پہنچا سکے، اور اسے یہ بھی بتلائیے کہ وہ عورت اپنے خرچ میں کس قدر آمدنی اس مال غیر منقسم میں سے لاسکتی ہے، آمینوا۔ اجرکم علی اللہ عزوجل،

جواب (۱) فرائض کی رو سے اس زوجہ کے اور اس کی اولاد کے حصوں میں جو نسبت ہے اسکو دیکھ کر جس قدر خیرات دے اسکو اپنا حصہ قرار دیکر اسی نسبت سے اور رقم جدا کر کے اسے (اولاد کے لئے بطور امانت کے محفوظ رکھ دے بعد بلوغ ان کو دیدے مثلاً زید متوفی کے صرف زوجہ اور دوسرے میں تو اگر آمدنی مشترک ہو دوائے خرچ کرے تو چودہ آنے ان دو بیٹوں کے لئے محفوظ رکھ دے،

۲۔ خاص اس عورت کا حصہ اگر اتنا ہو کہ اس کے سب اخراجات کیلئے کافی ہو سکے تو اپنے حصہ کی قدر تک اسکو خرچ کرنے کا اختیار ہے، اور اس صورت میں اگر اولاد کا حصہ ان کے ضروری اخراجات

کے بعد بچتا ہو تو اس بچے ہوئے کو بطور امانت رکھے، اور اگر عورت کا حصہ اس کے ضروری اخراجات کیلئے کافی نہ ہو تو اپنی اولاد کے حصہ سے بھی بقدر ضرورت مختصر ملے کر اس کو بھی خرچ کر سکتی ہے،

۲۱۔ سوال ۳۳۶ (تمہ خامسہ ص ۶۷)

سوال (۴۱۸) کہا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مراد اس نے اپنے مرنے سے دو ماہ قبل ایک ایک شخص کو بلایا اور اس سے تنہائی میں کہا کہ میں نے اس قدر رقم اپنی زوجہ کے پاس رکھ دی ہے اور اس سے حسب ذیل وصیت کر دی ہے، احتیاطاً تجھ سے بھی کہے دیتا ہوں خیال رکھنا، اور وہ وصیت یہ ہے، وہ رقم جو میں نے اپنی زوجہ کے پاس رکھ دی ہے اس میں سے اس قدر رقم اپنی ہمشیرہ کی شادی کے واسطے اور اس قدر رقم اپنی بیوی کے واسطے اور اتنی رقم حج بدل کے واسطے اور اتنی رقم چھوٹے بھائی کے واسطے اور اس قدر رقم اپنے لڑکے کی تعلیم وغیرہ کے صرف کرنے کے واسطے وصیت کر دی ہے، اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور تیسرے روز ایک مجمع عام میں اس کی بیوی سے دریافت کیا گیا کہ تیرے شوہر نے تجھ سے کچھ وصیت کی تھی تو اس نے بھی وہی تفصیل کسی قدر بھی بیشی کے ساتھ بیان کی، جب رقم کو دیکھا گیا تو جتنی رقم متوفی نے بیان کی تھی اتنی رقم نہ نکلی، بلکہ نصف رقم کے قریب نکلی، اب اس صورت میں از روئے وصیت بہن اور بھائی کو ثلث مال سے حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب، زوجہ اور پسر کے لئے تو وصیت باطل ہے اور بھائی بہن کے لئے ثلث مابقی بعد التہیز والتکفین ادارال یون میں وصیت جائز ہے، اب دیکھنا چاہئے کہ آیا زوجہ نے صراحتاً یہ بھی اقرار کیا ہے کہ میرے پاس اتنی رقم رکھی ہو یا یہ اقرار نہیں کیا، فقط حساب ہی بتلایا، اگر یہ اقرار نہیں کیا تو زوجہ پر ضمان نہیں ہے اور اگر اس کا اقرار کیا ہو تو پھر اس میں تفصیل ہے کہ اگر زوجہ نے حفاظت میں کمی کی ہو تو اس پر ضمان ہو اور اگر کمی نہیں کی تو اس پر ضمان نہیں ہے، اور اس میں زوجہ ہی کا قول مع الیمین معتبر ہے، غرض جس قدر رقم زوجہ کے ذمہ قرار پائے وہ اگر ثلث سے زائد نہ ہو اس میں بھائی بہن کے لئے وصیت کی جاوے گی، لیکن اگر زوجہ اقرار کرے کہ مال زیادہ تھا اور باوجود حفاظت کے وہ ضائع ہو گیا ہے تو اس خاص صورت میں اس مجموعہ کو دیکھیں گے کہ ثلث سے کم بھی ہے، اگر وہ مجموعہ زیادہ ہو تو پھر ثلث میں وصیت ہوگی اور باقی ماندہ میں سے اسی نسبت سے لیں گے باقی ورثہ کا حق ہے، مثال اس کی یہ ہے کہ کسی کا ترکہ کل ساٹھ روپیہ ہو اور اس نے تیس کی وصیت کی، اور وہ زوجہ اس مقدار کا اقرار کرتی ہے، مگر اس میں سے پندرہ روپیہ باوجود احتیاط کے ضائع ہو گئے جس سے زوجہ پر ضمان لازم نہیں آیا، تو اب ظاہر میں تو یہ پندرہ نصف ہے اس تیس باقی کا اور ثلث ہے مجموعہ کا لیکن چونکہ

واقع میں کل ترکہ کا ثلث نہیں ہے بلکہ اس کا ثلث بیس تھا، اور یہ دس روپے زائد ورنہ کے تھے اسلئے اس مقدار گم شدہ میں سے بھی اسی نسبت سے دونوں کی رقموں کو کم کر دیا جائیگا، یعنی پانچ روپے ورنہ کے گئے اور دس وصیت میں سو گئے، پس باقی پندرہ میں سے پانچ روپے ورنہ کو واپس کر دیئے جائیں گے اور دس روپے میں وصیت جاری ہوگی، خوب سمجھ لیا جاوے، ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثالثہ ص ۲۴)

ابطال بعض تدابیر افراز حقوق بعض ورنہ | سوال (۴۱۹) (اول یہ خط آیا، جناب من آج کل ایک انتظام درپیش ہے، بعض تدابیر ان امورث، ہ، اس میں جناب والا کی رائے عالی کو اپنی اصلاح و بہبودی کا باعث سمجھتا ہوں، اسلئے حسب ذیل عرض خدمت ہے، جناب دادا صاحب کی جائداد مطابق حقہ شرعی لڑکے اور لڑکیوں میں تقسیم ہوئی تھی، مگر بہنوں کے انتقال کر جانے کے بعد سے والد صاحب کو ان کے بہنوں نے استغدر پریشان کر رکھا ہے کہ مار پیٹ تک کی بھی نوبت آگئی، اس لئے اب بھی اور اس سے قبل بھی اکثر کہتا کرتے ہیں اپنے لڑکوں سے کہ کل جائداد تم لوگ اپنے نام کر لو، پھر اپنی بہنوں کو کسی طرح راضی کر لینا، ورنہ تم لوگ بھی اسی زحمت میں مبتلا ہو گے، مگر میں ہمیشہ ہی جواب دیتا رہا کہ یہ شرعاً بالکل ناجائز ہوگا اور قیامت میں آپ مواخذہ ہوں گے، اسی لئے جس طرح آپ کی خیر خواہی مقتضی ہے، ہم لوگوں کو اس زحمت سے بچانے کی اسی طرح ہم لوگوں کی خیر خواہی مقتضی ہے کہ ہرگز خلاف شرع امر کا ارتکاب کر کے آپ کو مواخذہ اخروی میں مبتلا نہ کریں، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اگر آپ صرف لڑکوں کا نام چڑھانا چاہیں تو لڑکیوں و نیز والدہ صاحبہ کے حصوں کی قیمت کر کے بالقسط ادا کرنے کو وصیت کر جاویں، اور اگر لڑکے قیمت بالقسط حسب تحریر آپ کے ادا نہ کریں تو لڑکیاں اپنا حقہ شرعی جائداد میں سے لے لیں، مگر ان سب امور کے لئے مستانیر قانونی کا بھی ہونا ضروری ہے تاکہ آئندہ کسی کو کسی قسم کی درنگی نہ ہو سکے، لہذا جناب والا کی خدمت میں گزارش ہو کہ آیا یہ صورت جو اوپر بیان کی گئی اس میں کوئی شرعی خرابی تو نہیں، ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبکہ لڑکیوں کا حقہ گو قیمتاً ہو پورا پورا ادا کر دیا جاوے تو والد صاحب مواخذہ نہ ہونگے کیونکہ بالمعاوضہ پورا حق دلایا گیا ہے، صرف مصلحت متذکرہ بالا باعث اس صورت کے اختیار کرنے کی ہوئی ورنہ کوئی عذر بھی نہیں، یہ بھی تحریر فرمادیں کہ آیا والد صاحب کی حیات میں لڑکیوں کو راضی کرنا اور اس امر کی اطلاع کرنا بھی والد صاحب کے ذمہ ضروری ہوگا، والد صاحب کی درخواست سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایسی صورت کے اختیار کرنے سے والد صاحب مواخذہ اخروی سے بری ہوں گے یا نہیں، ورنہ بندہ تو خود اپنے حقہ شرعی سے زیادہ تجاویز کرنا مطلق نہیں چاہتا کہ کوئی بھی مصلحت ہو، فقط والسلام

اس کا یہ جواب گیا

یہ صورت قواعد شرعیہ پر منطبق نہیں ہوتی۔

پھر اس جواب پر یہ خط آیا

اگر تکلیف جناب کو نہ ہو تو کوئی صورت ایسی تحریر فرمائی جائے جو شرعی قواعد پر بھی منطبق ہو اور جس میں زحمت مذکورہ کا بھی دفعہ ہو۔

پھر یہ جواب گیا

فرد المختار قال القہستانی واعلم ان الناطقی ذکر عن بعض اشیا خدان المریض اذا عین لواحد من الورثة شیئاً كالدار علی ان لا یكون له فی سائر التركة حق یجوز وقیل هذا اذا رضی ذلك الوارث به بعد موته فحينئذ یكون تعیین المیت اکتعین باقی الورثة معه كما فی الجواهر اهراقلت وحکی القولین فی جامع الفصولین فقال قیل جازو به افتی بعضهم وقیل لا اه ص ۲۲ ج ۵۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مورث اپنے ترکہ میں اسی طرح وصیت کر جاوے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جاوے اور فلاں وارث کو فلاں چیز بشرطیکہ وہ انداز سے اس کے حق شرعی سے کم نہ ہو تو جائز ہے اور اگر کم ہو تو ناجائز ہے کہ وصیت لوارث سے جو کہ ناجائز ہے، اور بطریق مذکور تعیین کر دینا یہ تقسیم ہے اور اسکی ولایت مورث کو دی گئی ہے، اور یہی وجہ تطبیق کی ہے دونوں قولوں میں، جو کہ روایت مذکور میں ہیں پس اس بنا پر آپ کے والد صاحب ایسا کہہیں کہ سب ورثہ کے لئے موافق ان کے حقوق شرعیہ کے الگ الگ ایسے قریع بنا کر کہ لڑکیوں کے ساتھ لڑکوں کی شرکت نہ ہو وصیت لکھ دیں کہ اس کے موافق تقسیم ہو۔ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تمتہ رابعہ ص ۱۰)

تحقیق معنی مرض الموت | سوال (۲۲۰) صفائی معاملات میں اس کی تصریف میں جو عبارت ہر وہ ناتمام ہے، اس میں اتمام کی ضرورت ہے، وہ عبارت ناتمام یہ ہے "مرض الموت میں اپنی جس بیماری میں یہ شخص جانبر نہ ہوا الخ؟"

جواب، اور ہونا چاہئے اس طرح کہ "مرض الموت یعنی جس حالت میں اس شخص کے جانبر ہونے کی امید غالب نہ ہو، بلکہ غالب موت ہو الخ" پس جو امراض مدت دراز تک ایک حالت میں رہتے ہیں جیسے فلج وغیرہ اس سے خارج ہیں، کذا فی الدر المختار کتاب الوصایا ۵۱ بذیل قاعدہ ۲۲۵۱۵۱ ترجیح خامس ص ۲۲۲ مصنف غیر میں مرنے کی وصیت یعنی کسی | سوال (۲۲۱) عا ایک شخص جو گھر سے اتفاقاً ماہینہ شریف متروک کا قرض ادا کرنا یا یونیورسٹی میں دینا کے قریب انتقال ہو گیا انتقال سے قبل جو روپیہ اس کے پاس تھا وہ اپنے ہمراہ کو دیا، کہ اسکو نیک کام میں مرنے کو دینا جس جگہ تمہاری طبیعت چاہے اور چار سو روپے اپنے

گھر گھرے ہوئے بتلائے، اسکی بابت ایسا ہی کہا، جب اُنکے ساتھی کھتولی آئے انھوں نے بیان کیا،
میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ اس روپے سے بغرض ثواب کسی مقروض کو کہ قرضہ کی وجہ سے نہایت
پریشان ہو، پچاس روپے دیئے جاویں کہ وہ قرضہ سے چھوٹ جائے تو شرعاً درست ہی یا نہیں، اور جو روپیہ
گرا ہوا ہے وہ بدون۔۔۔ کسی عمدہ دار کے قبضہ میں آنا دشوار ہے، جو شخص وصول کرنے کے درمیان اسطرح
ہے وہ علیگڑھ کے خیال والوں میں ہیں، روپیہ وصول ہونے پر ضروری یونیورسٹی کے لئے اس میں سے طلب
کریں گے، اس صورت میں اس مد کے اندر دنیا کچھ حصہ کا اور باقی کسی صدقہ جاریہ میں لگا دینا
جائز ہے یا نہیں؟

علیٰ اور یونیورسٹی علیگڑھ میں کسی کا چندہ دینا کیسا ہے، اگر کسی صورت میں بھی ناجائز ہوگا تو میں
حتی الوسع اس قصبہ میں اس میں چندہ نہ دینے کی کوشش بذریعہ وعظائے سرورں گا،
الجواب، علیٰ اس مقروض کو بھی دینا درست ہے اور ایسی اضطراب کی حالت میں یونیورسٹی
میں دینا بھی درست ہے۔

علیٰ یونیورسٹی میں درست نہیں، مگر میری رائے میں آپ اس رحمت میں نہ پڑیئے،

۱، ربيع الاول ۱۳۳۸ھ (تمہ اولی ص ۲۰۹)

وصیت کی ایک مخصوص صورت کا حکم | سوال (۴۲۲) ہندہ کو کچھ نقد سرکار سے ملتا تھا، اس نے اس کو
اپنی بہر مسماۃ زینب کے نام جس کا شوہر سپر منڈہ سامنے اپنی ماں کے مگر گیا تھا، سہہ کر دیا، اور لکھ دیا کہ بعد
میرے وہ روپیہ میری بہو کو ملا کرے اور بعد وفات اس کے میرے ورثہ کو ملا کرے بعد وفات ہندہ کے مقدمہ
عدالت میں پیش ہو کر وہ بہر نامہ وصیت نامہ فرار پایا، اور ثلث زینب موصی ہما کو دیا گیا، باقی دو ثلث
ورثہ ہندہ کو اب موصی ہما مسماۃ زینب مگر کی پس دو ثلث زینب کے ورثہ کو ملے گا یا مسماۃ ہندہ کے
ورثہ کو؟ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ بموجب شرط بہر نامہ (جو وصیت نامہ فرار پایا) ورثہ ہندہ کی طرف مشتمل
ہو جاویگا، اور بعض کی رائے ہے کہ وصیت تملیک ہے لہذا جو شرط اس کے خلاف ہوگی وہ باطل ہے پس
اس ثلث کی مالک مستقل زینب ہے اس کی وفات کے بعد اس کے ورثہ کو ملے گا،؟

الجواب، چونکہ وصیت یا سہہ دونوں خاص ہیں ملک موصی و واجب کے ساتھ جو شرعاً ظاہر ہے
اور جو روپیہ سرکار سے ہندہ کو ملتا ہے وہ تبرع محض ہے قبل قبض اس میں کوئی ملک یا حق تملیک اس کو
حاصل نہیں، لہذا ہندہ کا یہ کہنا کہ وصیت ہے نہ سہہ ہے بلکہ تصرف حق طیر میں ہے لیکن جب سرکار نے
ایک ثلث زینب کو دیا اور دو ثلث ہندہ کے ورثہ کو، چونکہ یہ ابتداءً تبرع ہے اس لئے یہ دینا اور لینا

بھی درست ہو گیا، گو اس کی یہ بنا کہ اس کو وصیت قرار دیا صحیح نہیں ہے، اب بعد وفات زینب کے بھی بنا علی الوصیت کسی کا حق نہیں، جیسا بیان ہو چکا، بلکہ سرکار جس کو حسب قدر دیدے اس کو اسی قدر لینا درست ہے وہ سب تبرع مبتدا ہوگا، پس بعض کا یہ کہنا کہ ہندہ کی شرط کے موافق منتقل ہو جاوے گا، یا بعض کا یہ کہنا کہ وصیت تملیک ہوا اس لئے صحیح نہیں کہ شرط و تملیک دونوں مخصوص ہیں ملک و حق ملک کے ساتھ اور یہاں یہ مفقود ہے جیسا مذکور ہوا، اور قول ثانی اس لئے بھی صحیح نہیں کہ اگر یہ تملیک واقعی بھی ہوتی تو چونکہ موصی بہ عین نہیں حق محض ہے، اور حقوق میں وصیت کا بقار موصیٰ نہ کی حیات تک رہتا ہے اس کی موت کے بعد وہ موصی بہ ورثہ موصی کی طرف عود کرتا ہے۔

فی الدر المختار ورد المختار بموت الموصی له بعد موت الموصی يعود العبد والدار ای خدمۃ العبد وسکنی الدار وغلتها الی الورثۃ ای ورثۃ الموصی بحکم المملک ای مملک الموصی اور ورثۃ فلا يعود الی ورثۃ الموصی له اھ ملخصاً ومثلہ فی الہدایۃ،

۳ رذی الحجۃ ۱۲۸۶ھ (امداد ج ۲ ص ۱۰۷)

کتاب الفرائض

جریان میراث در اسباب خرید کردہ میت | سوال (۴۲۳) ترکہ ناموں صاحب میں کئی قسم کی چیزیں
برائے غرض خاص قول ذی الید وقت اختلاف ہیں، ایک خاص انہی کے استعمال کے لائق جیسے مردانہ کپڑے
وغیرہ، وہ تو یقیناً منقسم بین الورثہ ہوں گے، دوم خاص زنانہ چیزیں جیسے زنانہ کپڑے وغیرہ تو یہ زوجین
میں جو جسکے قبضہ میں ہر غالباً اسی کی ملک قرار دی جائے، اور وراثت جاری نہ ہو، سو ہم اثاث البیت جیسے
نوہ اپتیلی، صندوق، تخت چارپائی وغیرہ اسباب نہانہ داری، قسم ثالث کا یہ حال ہے کہ زوجین میں جو چیز
جسکے پاس ہو ہی اسکا ویرقا بعض ہی، یہ بھی اصل ترکہ ہی یا نہیں، کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ اسباب و اثاث
البیت حیات میں زوجین کو دیئے گئے تھے وہ دینا بطور ہبہ تھا، کچھ زن نے تھا، زوجہ اولیٰ کے پاس بغرض
نکاح احتقر تھے، ان کا کیا حکم ہے، عافی صاحبہ کے دینے کی صورت میں ان کا لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب، فی در المختار باب التحالف اختلاف الزوجان فی متاع فی البیت فالقول لکل
واحد منهما فیما صخر له مع یمینہ والقول له فی الصالح لهما وان مات احدهما واختلف

مع مراد اس سے زوج زوجہ نہیں بلکہ دونوں زوجہ ہیں کہ میت کے دو زوجین تھیں ۱۲

و ارثہ مع الحی فی المشکل فالقول فیہ للحدی (امداد ج ۳ ص ۱۱۵)

وارث شدن ابن الزنا از مادر خود | سوال (۴۲۴) ولد الزنا کو اپنی ماں کی طرف سے تو غالباً ضرور میراث ملے گی، البتہ باپ کی طرف سے بوجہ غیر ثابت النسب ہونے کے میراث نہ ملے گی، اور غیر ثابت النسب ہونے کا غالباً یہی مطلب ہو کہ باپ سے نسب ثابت نہیں ماں سے تو ماننا پڑیگا، جو رائے عالی ہوارثا و فرمائیں؟

الجواب، ماں سے ثابت النسب بھی ہے اور میراث بھی پاوے گا، فی الدار المختار ولد الزنا یرث من توأمہ الخ قلت فمن الام اولی واللہ اعلم، ۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ (امداد ج ۳ ص ۱۱۶) تقسیم بدین اختیار و تسلیم حصص | سوال (۴۲۵) زید نے انتقال کیا، اور خالد ولیہ، عمرو پسران و ساجدہ عابدہ و دختران و حامدہ زوجہ چھوڑی، ترکہ زید پر صرف خالد و ابض رہا، اس نے ترکہ زید کو بوجہ شرع شریعت تقسیم کیا، مگر مسماۃ عابدہ کو اس کے حصہ کا نصف ادا کیا، اور نصف کے دینے کا وعدہ کیا، بزرگ مسماۃ عابدہ نے انتقال کیا اور ایک پسر اور ایک دختر اور شوہر چھوڑا، وارثان متوفیہ نے خالد سے باقی نصف جو زر نقد تھا طلب کیا، تب خالد نے ایک ہفتہ میں ادا کر دینے کا وعدہ کیا، اسی طرح پسر خالد پر تقاضے ہوتے رہے اور وہ ہفتہ عشرہ میں دینے کا وعدہ کرتا رہا، آخر کار خالد نے کہہ دیا کہ میرے چوری ہو گئی، اور میرے مال کے ساتھ نصف حصہ عابدہ کا جو میرے پاس باقی تھا چوری ہو گیا، بعد اس کے خالد نے اپنے لئے جائیداد خریدی، اب یہ دریافت طلب ہے کہ جو نصف حصہ مسماۃ عابدہ کا خالد کے پاس باقی رہ گیا ہے، وہ از روئے شرع شریف خالد کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟

الجواب، فی الدار المختار من کتاب القسمة، و رکنہا هو الفعل الذی یحصل بہ الاقواز والتمیز بین الانصباء ککیل و زرع و فیہ ایضاً عن الخانیۃ مکیل او موزون بین حاضر و غائب او بالغ و صغیر فاخذ الحاضر او بالغ نصیبہ نفذت القسمة از سلم حظ الاخرین والا ان روایات بالا سے معلوم ہوا کہ تقسیم میں جب تک سب کا حصہ علیحدہ نہ ہو جائے وہ تقسیم مقبّر نہیں بلکہ مشترک بدستور مشترک رہیگا، اسی طرح اگر بعض شرکار اپنا حصہ علیحدہ کر لیں مگر بعض کو ان کا حصہ تسلیم نہ کیا جاوے تب بھی وہ تقسیم نافذ نہیں ہوتی پس صورت مسئلہ میں عابدہ کہ نصف حصہ اس کو تسلیم اور ادا نہیں کیا گیا تو وہ مشترک رہا اور سب کا چوری ہو گیا، اسلئے تمام ترکہ زید سے اس مقدار کو منہا کر کے جس قدر ترکہ باقی رہا اسکو از سر نو تقسیم کر کے بچیں گے کہ اس باقی میں سے عابدہ کا کتنا حق ہے، وہ سب ورثہ سے حصہ رسد اس مقدار حق کے تکمیل کرنے کیلئے مطالبہ کرنے کی مستحق ہی چونکہ مسئلہ ہذا میں وفات پا چکی ہے اسلئے اس کے ورثہ اسی طرح اس مطالبہ کے مستحق ہیں، فقط واللہ اعلم،

۱۲ صفر ۱۳۲۱ (امداد ج ۳ ص ۱۱۶)

سوال (۴۲۶) زید فوت ہوا ایک منکوحہ بی بی الف دو بیٹیاں ب، ج ایک منکوحہ کنیزک د اور ایک بیٹی کنیزک ہ جس کی پیدائش قبل از نکاح ہو اور ایک بیٹا اسی کنیزک سے نہ اور ایک حقیقی چھوٹا بھائی وارث چھوڑے، پھر بیٹا باپ سے پانچ سال بعد فوت ہوا، اندریں صورت زید کا ترکہ بردے میراث ہر لپیمانہ کو کتنا پہنچے گا؟

الجواب مسئلہ ۳۲۱ ۹۶

زوجه	زوجه	بنت	بنت	بنت مولود قبل نکاح	ابن	اخ
الف	د	ب	ج	ہ	ز	ط
$\frac{1}{4}$	$\frac{2}{4}$	$\frac{2}{21}$	$\frac{4}{21}$	$\frac{4}{21}$	$\frac{13}{21}$	$\frac{2}{21}$
مسئلہ						
ام	اخت لام	اخت لاب	اخت لاب	اخت لاب	اخت لاب	اخت لاب
د	ب	ج	ج	ج	ج	ج
$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{2}{21}$	$\frac{2}{21}$	$\frac{2}{21}$	$\frac{13}{21}$	$\frac{2}{21}$
الا حیلہ ۹۶						
الف	د	ب	ج	ہ	ز	ط
$\frac{1}{4}$	$\frac{2}{4}$	$\frac{2}{21}$	$\frac{4}{21}$	$\frac{4}{21}$	$\frac{13}{21}$	$\frac{2}{21}$

صورت مندرجہ بالا میں بعد تقدیم علی الارث مثل تجنیذ و تکفین و ادائے دیون جس میں ہر ہر دوزوم بھی ہے و تنفیذ وصایا بشرط حصر در شہ ترکہ زید کا ۹۶ سہام ہو کر الف یعنی زوجہ زید کو ۶ سہام اور د یعنی زوجہ ثانیہ کنیزک کو ۱۳ سہام اور ب و ج یعنی ہر دو دختران زید کو ۳۵ سہام دلائے جاویں اور ک یعنی وہ بیٹی جس کی پیدائش قبل از نکاح ہے وہ چونکہ زنا سے پیدا ہوئی ہے اسلئے شرعاً زید سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا تو اس سے تو وارث نہ ہوگی، لیکن نہ یعنی زید کے پسر کی چونکہ انخیانی بہن ہے، اس لئے اس سے وارث ہوگی، اس کے ترکہ سے ۸ کو ۶ سہام ملیں گے، ۸ رزی الحجۃ ۳۲۱ (امداد، ج ۳، ص ۱۱۷)

سوال (۴۲۷) زید و بکرو و عمرو و خالد و ہندہ و زینب حقیقی بھائی بہن ہیں، زید و بکر کی موجودگی میں عمرو و خالد کا انتقال ہو گیا، ان کی اولاد ذکور و اناث سے باقی رہی اسکے بعد بکر بھو، ایک زوجہ چھوڑ کر مر گیا، اس کے نام جو وظیفہ سرکار سے مقرر ہے اسکی تقسیم میں جھگڑا ہوا زید کا دعویٰ ہے کہ چونکہ میں مصیعی بھائی ہوں، اس واسطے زوجہ کا حق چھوڑ کر باقی کل میرے نام مقرر فرمایا جاوے زوجہ کا یہ ادعا ہے کہ شوہر کا کل ترکہ میرے نام مقرر ہونا چاہئے، اولاد عمرو و خالد اس بات کے دعویدار ہیں کہ وظیفہ مذکور سرکار سے بطور پیر و رش کل اولاد مقرر ہوا ہے اور ہنگام تقسیم وظیفہ مذکورہ سرکار نے

جائداد مکسود بہ قرار نہیں دیا ہے، بلکہ ایسا وظیفہ جائداد غیر مکسود بہ قرار دیا جاتا ہے، ایسی حالت میں تنخواہ مذکورہ ہم کل اولاد کو بھی ملنا چاہئے کیونکہ جو بعد ہمارے والد اور والدہ کی زندگی بوجہ سے بکمر کے درمیان تھا وہ ہماری والدہ کے فوت ہونے کی وجہ سے جاتا رہا، اور مثل زید ہم بھی قرب رکھتے ہیں، کیا یہ وظیفہ زید کی خواہش کے موافق تقسیم ہو سکتا ہے یا اسکی زوجہ کی خواہش کے مطابق، اور اولاد عمر و و خالد دلیل مذکور کی وجہ سے حصہ پاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب، چونکہ میراث مملوکہ اموال میں جاری ہوتی ہے، اور یہ وظیفہ محض تبرع و احسان سرکار کا ہر بدون قبضہ کے مملوک نہیں ہوتا، لہذا آئندہ جو وظیفہ ملے گا اس میں میراث جاری نہیں ہوگی، سرکار کو اختیار ہے جس طرح چاہے تقسیم کر دے، البتہ اگر یہ وظیفہ کسی جائداد مملوکہ کا نفع جائز ہے تو اس میں میراث جاری ہوگی، اور اس صورت میں بکمر کے ترکہ میں اس کی زوجہ کو ربع بوجہ اولاد نہ ہونے کے ملے گا، باقی زید اور اسکی دونوں بہنوں کا حق للذکر مثل حظ الانثیین، اور بھائی بہنوں کے ہوتے عمر اور خالد کی اولاد کا کچھ حق نہیں ہے، ۹ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۳ ص ۱۱۷)

اعتبار جہتین در میراث | سوال (۴۲۸) وارث علی فوت ہوا، اس نے ایک زوجہ مسماۃ امۃ اللہ اور تین ابن العم ایک ذوالفقار علی، دوسرا محمد علی اور تیسرا احمد علی وارث چھوڑے، اور احمد علی ابن العم بھی ہے اور ابن الام بھی ہے، دو جہت رکھتا ہے پس ترکہ وارث علی کا ان وارث پر کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب، بعد تقدیم حقوق مقدمہ کل ترکہ ۳۶ سہام پر تقسیم ہو کر زوجہ کو ۹ اور احمد علی کو ۱۳ اور ذوالفقار علی اور محمد علی کو ۷، ۷ ملیں گے،

فی الدر المختار و یاخذ ابن عمر ہواخ لامر السدس بالفرض ویقتسمان الباقي بینہما نصفین بالعصوبۃ حیث لا مانع من ارثہ بہما فیوث بجہتی فرض تعصیب والتخیریم ہکذا،

مسئلہ	زوجہ امۃ اللہ	ابن العم احمد علی	ابن العم ذوالفقار علی	ابن العم محمد علی	وارث علی
۹	۶	۶	۶	۶	۶
	۶	۶	۶	۶	۶

منہی شدن عصوبت با ولایعہ الجدا | سوال (۴۲۹) شرع محمدی کا مسئلہ یہ ہے کہ جب عصوب نہ ہوں... تو ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں، لیکن یہ امر ناممکن ہے کہ کسی متوفی کا کوئی عصوب نہ ہو، اگر حضرت آدم علیہ السلام کا رشتہ لگایا جاوے، مثلاً ایک علوی یا صدیقی وغیرہ کا انتقال ہوا، ایک غاصب نے متوفی کی جائداد

پر قبضہ حاصل کر لیا تب ذوی الارحام نے دعویٰ متروکہ کا کیا، غاصب یہ کہتا ہے کہ تم اس وقت وارث ہو سکتے ہو کہ جب عصبہ نہ ہو، علوی اور صدیقیوں کے بہت سے خاندان دنیا میں موجود ہیں، جب تک وہ موجود ہیں تم بحیثیت ذوی الارحام کے وارث نہیں ہو سکتے مگر تو ایسی حالت میں ذوی الارحام کو عصبہ کا عدم کس طرح ثابت کرنا چاہئے، یہ ظاہر ہے کہ عصبہ کا عدم ثابت کرنا قریب قریب محال ہے، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ذوی الارحام متوفی کے متروکہ کا کبھی وارث نہ ہو، یہ بات اگرچہ خلاف عقل ہے، بسکن اس کے لئے فقہ کی کسی مستند کتاب کی ضرورت ہو، عنایت ذرا کے فقہ کی کتب کے حوالہ سے جواب تحریر فرما کر منون فرمائیے؟

جواب، اس غاصب کے استدلال باطل کا یہی جواب کافی ہے کہ شریعت نے ذوی الارحام کو بھی وارث بنایا ہے، ورنہ اگر عصبہ میں اس قدر تعمیم ہوتی تو ذوی الارحام کے وارث ہونے کے کوئی معنی ہی نہ ہونگے اس کو خود شریعت باطل کر رہی ہے، اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی، اور جو ائمہ تو ریث ذوی الارحام کے قائل نہیں ہیں انھوں نے بھی کبھی یہ دلیل بیان نہیں کی، اور اس کے بعد کے مستحقین کو میراث دلائی حتیٰ کہ اخیر میں بیت المال مستحق قرار پایا، تو یہ سب احکام جو نصاً و اجمالاً ثابت ہیں سب باطل ہو جائیں گے، اور نص اور اجماع کا ابطال باطل ہے۔ اور جو دعویٰ مستلزم امر باطل کو ہو وہ خود باطل ہے، معلوم ہوا کہ یہ استدلال اور دعویٰ غاصب کا باطل ہے، تمام کتب فرائض و فقہ کی تصریح کے موافق کل عصبیات یہ ہیں:۔ ابن ثمال بن الابن و ابن سفیل، ابجد، محمد مصیم و ابن علاحق المادیم علیہ السلام جزء الاب و ابن سفیل، جزء الججد یعنی عم ثمال بنہ و ابن سفیل عم الاب ثم ابنہ و ابن سفیل، عم الججد ثم ابنہ و ابن سفیل،

بس اس پر عصبیات ختم ہو گئے، اور مفہوم تصانیف حسب تصریح علمائے حجت ہے، معلوم ہوا کہ اس سے آگے عصبیات نہیں، اور مرتبہ ثالثہ میں جد کے عموم و ابن علائق سے دوسرے مراتب میں عموم لازم نہیں بلکہ عدم عموم اس لئے لازم ہے کہ عموم کی صورت میں جزء الججد کے بعد کوئی مرتبہ نہ نکالنا چاہئے، کیونکہ عم الاب اور عم بھی کسی مرتبہ کے جد کے تو جزئی ہیں، اور بعض فحشین نے جو جزء الججد میں جد کو عام کہہ دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض متون میں کل مراتب کو چار عنوان میں منقسم کر دیا ہے، جزء، اصل جزء الاب، جزء الججد۔ اس پر شبہ عدم تناول عم الاب و عم الججد کا وارد ہوتا تھا اس کے دفع کے لئے عام کہہ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس عموم سے مراد مطلق عموم نہیں بلکہ عموم خاص ہے جو تناول عم الاب اور عم الججد پر منتہی ہو جاوے، جیسا شامی نے اس ایراد کو اسی طرح دفع کیا ہے، پس ثابت ہوا کہ دوسرے

مراتب میں جد سے خاص اب الاب مراد ہے، پس جو شخص میت کے اب الاب کے غم کی اولاد سے بھی نہ ہو وہ عصبہ نہیں ہے، اور یہ بہت ہی ظاہر ہے لیکن قدرے فہم رکارتے، بنی حدیث بعدہ یومنون، واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ الخ، ۳۰ رذیقہ ۲۲۲ (مراداد، ج ۳ ص ۱۱۸)

سوال (۴۳۰) زید مرگیا اور اس کے ذمہ کچھ قرض ایک بقال کا تھا، اور زید نے اس قدر روپیہ نہیں چھوڑا کہ قرض اس کا ادا ہو، اور زید کے مرنے سے پہلے وہ بقال مرگیا تھا، صرف اس کا ایک بھتیجا باقی تھا، کچھ مدت کے بعد ورثہ زید زید کا ایک مکان بیع کر کے چاہتے ہیں کہ قرضہ ادا کر دیں لیکن جس وقت ادا کرنا چاہا تو اس بقال کے کوئی وارث نہیں، اب سوال یہ ہے کہ وہ قرض کاروپیہ کس مصرف میں صرف کیا جائے، تاکہ زید سے اس کا مواخذہ نہ ہو!

الجواب، اصل قرض دار کے نزدیک دور کے رشتہ داروں کی اور اس کے بھتیجے کے نزدیک دور کے رشتہ داروں کی تحقیق ضرور ہے، اگر کوئی موجود ہو تو لکھیں، تاکہ مسئلہ بتایا جاوے، اور اگر کوئی موجود نہ ہو تو یہ روپیہ ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہئے، مساجد کی مرمت و خدمت، تیل بتی، لونا بدھنا، ڈول رسی، مؤذن امام کی تنخواہ، مدارس اسلامیہ میں علماء کی تنخواہ، طلبہ کی اعانت خورداک و پوشاک کی، اور جو لوگ بلا تنخواہ اللہ کے لئے علم دین پڑھا رہے ہیں، (والدلائل هذه)

فی کتاب الفرائض من الذم المختار ثم یوضع فی بیت المال لا ارثا بل فیما للمسلمین
وفی باب اللقطۃ منه الا اذا عرف انها الذمی فانها توضع فی بیت المال، فی رد المحتار
للنواب بحوط و فیہ قبیل باب المرتد وما اخذ منهم حربا بحرب ومنه تركة ذمی الی قوله
صالحنا ثم قال وكفاية العلماء والمتعلمین تجنیس الی قوله وبه یدخل طلبۃ العلم
فتحر فی رد المختار ومثله بناء مسجد وحوض الی قوله وكذا النفقة علی المساجد كما فی تركة
الخانیة فین خل فیہ الصراف علو اقامة شعائر من وظائف الامة والاذان ونحوهما
بحر فی باب المستامن من الذم المختار فان دانه حوی دینا ببيع او قرض وبعكسه او
غصب احدهما صاحبہ خوفا الی ان لم یقض لاحد بشئ ویفتی المسلم برد المصوب وبرد الذین
ایضا دیانة لا قضاء انتهى مختصرا قلت محصل من هذه الروایات ان هذا الذین الذی هو
من تركة هذا الرجل الكافر واجب رده دیانة سواء كان ذمیاً او حریاً ویكون علی

۱۲ اس سے حضرت رحم نے رجوع فرمایا ہے جس کی تفصیل کتاب میں درج ہونے سے رہ گئی ہے ۱۲: ۱۲

کل فیئاً یصرف فی مصارفہ فانطبق الجواب علی کلا القولین فی الہند اھودار الاسلام
ام دار الحرب فافہم فقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم

۵۔ ذیقعدہ ۱۲۲۳ھ (ایلاوج ۳ ص ۱۱۹)

سوال (۴۳۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع
درمیان ورثہ مختلفین اشتراکاً و انفراداً | صورت تقسیم میراث و استحقاق نفع و مطالبہ دین
متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ سولہ برس کا ہوا زید نے انتقال کیا
اور سات لڑکے محمود و عبد الحمید و احمد و عبد الحلیم و محمد سلیم و عبد المجید و محمد شبلی اور دو لڑکی اقلیمہ و نعیمہ اور
ایک بی بی سکینہ کو ورثہ چھوڑا، لیکن محمود زید کی حیات ہی میں جدا ہو گیا تھا اور ایک قطعہ مکان زید نے
اس کو دیا تھا، بقیہ لڑکے بعد وفات زید چند روز تک حسب یاقوت اپنے اپنے کام یکجا رہ کر رہے،
بعد اس کے عبد الحمید بھی کچھ روپے لے کر بلا اجازت عرصہ بارہ برس کا ہوا کہ کنارہ ہو گیا، بعدہ محمد سلیم عرصہ
چھ برس کا ہوا کہ کچھ روپیہ بلا اجازت ناجائز طور پر خرچ کر کے کنارہ ہو گیا، اور عبد المجید نے عرصہ سات
برس کا ہوا کہ انتقال کیا، باقی احمد و عبد الحلیم و محمد شبلی ابھی تک ایک جگہ ہیں، مگر عبد الحلیم زید کی حیات سے
اب تک روزگار کا کام کرتے آتے ہیں، اور احمد دس برس سے کام کرتے ہیں، اور محمد شبلی زید کی وفات
کے وقت ایک برس کا تھا، تین چار برس سے روزگار کا کام کرتا ہے، عرصہ تیرہ برس کا ہوا کہ اقلیمہ نے انتقال
کیا اور عرصہ دو برس کا ہوا کہ مسماہ سکینہ نے انتقال کیا، زید کا ترکہ ابھی تک تقسیم نہیں ہوا، زید کے
ترکہ سے اور کچھ ہماجنوں سے روپیہ لے کر لڑکوں نے روزگار کر کے مال زیادہ حاصل کیا ہے، اب
اس حالت میں مال کیونکر تقسیم ہوگا؟

الجواب، بعد تقدیم حقوق متقدّمہ علی المیراث ترکہ زید کا (۱۲۸) بہام منقسم ہو کر ساتوں
لڑکوں میں سے ہر لڑکے کو ۱۴، ۱۴ اور دونوں لڑکیوں کو ۷، ۷ اور زوجہ کو ۱۶ ملیں گے اور محمود کو جو مکان
زید نے دیدیا تھا، اگر مرض موت سے قبل دیا تھا، وہ بلا شرکت خالص اس کا ملوک ہے اور باقی ترکہ
حسب حصص بالامشترک ہے، پھر بقیہ لڑکے جو بچا کام کرتے رہے، اگر یہ کام سب حصہ داروں کی رضا مندی
سے تھا تو نفع میں بھی سب شریک ہوں گے، اور اگر بعض ورثہ راضی نہ تھے تو وہ نفع میں شریک نہ ہوں گے
البتہ یہ نفع بوجہ اس کے کہ مال غیر میں تصرف بلا اذن تھا جائز نہ ہوگا، بلکہ اس کا تصدق واجب ہوگا، پھر
عبد الحمید جب کچھ روپے لیکر جدا ہوا ہے اس وقت ترکہ زید کا جس قدر موجود تھا اس میں عبد الحمید کا حصہ
دیکھنا چاہیے کس قدر تھا، اگر دونوں برابر ہیں تو حساب برابر ہوا اور اگر دونوں میں تفاوت ہے تو کمی
بیشی کا حساب بقیہ ورثہ سے رہیگا، اسی طرح محمد سلیم کے جدا ہونے کے وقت دیکھا جاوے گا، پھر عبد المجید کے

انتقال کے وقت حسب قاعدہ مذکورہ جس قدر اس کا ترکہ قرار پادے گا اس کے ورثہ شرعیہ میں منقسم ہوگا۔ اسی طرح اقلیمہ اور سکینہ کے انتقال کے وقت یہی عملدرآمد ہوگا، اور شرکت فی النفع کے لئے کاا کرنے کی ضرورت نہیں، صرف رضا بشرط بلوغ کی ضرورت ہے، پس جو لڑکے نابالغ تھے اُن کے مال میں تجارت کرنے کا بھائیوں کو حق حاصل نہیں، اسی طرح جو راضی نہ تھے، اس لئے نہ وہ نفع میں شریک ہونگے نہ اُن پر قرضہ مہاجی کا پڑے گا، باقی ورثہ نفع اور قرضہ دونوں میں شریک ہوں گے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ اتم، (امداد، ج ۳، ص ۱۲۰)

تقدم حق مرتبین بر ہر وغیرہ در ترکہ | (یہ مسئلہ جلد سوم کتاب الہرہن صفحہ ۳۸۵ میں گنر چکا ہے)

جریان میراث در ہر | سوال (۳۳۲) مسماۃ زاہدہ بانویک برادر زادہ و دو دختر وارث گذاشتہ فوت شدہ دسوائے زر نقد بابت ہر خود چیزے ترکہ نہ کردہ، پس دریں صورت در عوص ہر میت مزبورہ بدختران چہ قدر میرسد و بر برادر زادہ چند روز ہر مال متروکہ محسوب است یا چگونہ، بینوا تو جبروا؟
الجواب، زر ہر ہر چودگیہر اموال ملوکہ در مال متروکہ محسوب است در ترکہ شمار خواہد شد پس زر نقد گذاشتہ میت مع ہر ہرہ را ترکہ قرار دادہ بر سہ حصہ منقسم خواہد شد، و وثاقت بدو دختر و یک ثلث باقی بہ برادر زادہ خواہد رسید پس مسئلہ از سہ شد و ایناں را اختیار است کہ از زوج متوفیہ تقاضا ہر کردہ وصول کنند واللہ اعلم، ۲۳ رجادی الثانیہ ۱۳۳۵ھ (امداد، ج ۳، ص ۱۲۲)

علم عطائے سرکار کسے را بخند متے برائے مدد و معاش او | سوال (۳۳۳) خدمت قضاوت حسب فرمان سلطان بنام زید مقرر بود و زید چہار پسر داشت مسمیون عمرو و بکرو و خالد و محمود و ازاں جملہ عمرو پسر کلاں رو بروئے زید بحصول سند سرکار برانعام خدمت مذکورہ قابض گردیدہ بموجب وصیت زید نصف معاش خدمت مذکورہ در قبضہ خود داشتہ در باقی نصف معاش بہ بکرو و خالد و محمود علی السوئیہ برائے قوت بسری آہنا تقسیم کردہ و ادگر اسناد سرکاری بشرط کلیم معاش بنام عمرو حاصل می شد بعد فوت عمرو ابراہیم پسرش بدستور پدید بحصول اسناد سرکاری بشرط کلیم معاش بر نصف حصہ خود تا حالت تحریر قابض و متصرف است پس در ملک مشروط الخدمت سوائے عمرو و ابراہیم صاحب سند بہ برادران و اعمام آہنا حصہ از روئے شرع شریف جواز فی شویہ یا نہ، و اگر ابراہیم بموجب سند خود معاش منقسمہ از بکرو و خالد و محمود واپس کردن خواہد دعوی ابراہیم در معاش منقسمہ درست می گردد یا نہ و فی زمانہ احکام سرکار اصفیہ حصہ در ملک مشروط الخدمت می کنند ایس چہ جواب موافق کتب یائے معتبر و فقہ یائے مستجلی زیرہ سطور ہذا از یب و مزین خواہند فرمود، بینوا تو جبروا؟

الجواب، ملک کہ زید قاضی را از سرکار عطاشد اگر سرکار زید را مالک کرده است بعد وفات در میراث جاری خواهد شد و ہمہ وراثتانش مستحق حصص خود با خواهند شد، و اگر آن ملک از سرکار بمقابلہ میں خدمت است پس ہر کہ بر آن خدمت مقرر باشد بہاں مستحق است بشرط اذن سرکار اصفیہ و در میراث جاری نخواہد شد، واللہ اعلم فقط، ۲۳ جمادی الثانیہ ۱۲۸۷ھ (امداد، ج ۳ ص ۱۲۲)

سوال (۲۲۵۱) احقر نے حدیث مالک بن انس کے متعلق دریافت کیا کہ حضرت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث (انورث انہ سے تسکین نہیں ہوئی اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضور میں اگر وراثت کے دعویدار ہوئے، جب انہوں نے بھی حدیث (انورث کی بنا پر ان کے دعوے کو خارج کر دیا تو اب بھی ان کو تسکین نہ ہوئی، اور انہوں نے تیسری مرتبہ پھر وراثت کا دعویٰ کیا، یہ تو نا ممکن ہے کہ ان حضرات نے شیخین کو روایت حدیث میں جھوٹا سمجھا ہو، کیونکہ اگر واقعی ان کی جلالت و عظمت سے قطع نظر بھی کر لی جاو تب بھی امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کا جو ان کی نسبت عقیدہ ہے وہ یہی ہے کہ شیخین تمام امت سے افضل ہیں، چنانچہ وہ کوفہ کے منبر پر علی رؤس الاشہاد اس کا اعلان فرماتے تھے، اور ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ سے یہ حدیث بیان کرتا ہے میں اس سے قسم لیتا ہوں مگر حدیثی ابو بکر و صدق ابو بکرؓ پس لامحالہ ان کو کوئی اور شبہ ہوگا، پس میں وہ شبہ دریافت کرنا چاہتا ہوں، اس وقت مجھے شیعوں کو جواب دینا مقصود نہیں، کیونکہ شیعوں کے لئے تو وہ جواب موجود ہیں کہ وہ دم بھی نہیں مار سکتے بلکہ مقصود صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی تسکین کے لئے غرر معلوم کرنا ہے ؟

اس کے جواب میں ارشاد فرمایا

کہ روایات صحاح میں اس کی کہیں تصریح نہیں ہو کہ ان حضرات نے صراحتہً حضرت عمرؓ کے اجلاس میں وراثت کا دعویٰ کیا، اسلئے یوں کہا جاو گیا کہ ان کو عدم موروثیت ترکہ نبوی کی تصدیق تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہی ہو گئی تھی، اور امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ کے اجلاس میں ابتدائے طلب تولیت کیلئے تشریف لائے تھے، مگر اپنے مقصود کو انہوں نے صاف صاف لفظوں میں ظاہر نہیں کیا بلکہ یوں کہا اذھنا لینا کما فی صحیح مسلم، پس چونکہ یہ الفاظ دعویٰ میراث اور طلب تولیت دونوں کا احتمال رکھتے تھے اور خلافت صدیقی میں یہ لوگ وراثت کا دعویٰ کر بھی چکے تھے، اس سے امیر المؤمنین یہی سمجھے کہ اب بھی یہ میراث ہی کا دعویٰ کر رہے ہیں، اسلئے امیر المؤمنین نے فرمایا کہ وراثت تو میں تم کو حدیث (انورث کی وجہ سے نہیں دے سکتا، ہاں اگر تم چاہو تو تولیت دے سکتا ہوں، چونکہ ان کا مقصود دعویٰ میراث

تھا ہی نہیں بلکہ طلب تولیت ہی مقصود تھی جسکو امیر المومنین نے خود منظور کر لیا، نیز انھوں نے سمجھا کہ اس وقت یہ کہنا کہ ہمارا مقصود دعویٰ وراثت نہ تھا جیسا کہ آپ نے سمجھا ایک گونہ خلاف ادب ہے کیونکہ بلا ضرورت تعلیل ہے امیر المومنین کے خیال کی، اس لئے انھوں نے اپنے مقصد کی توضیح کی ضرورت نہ سمجھی اور تولیت قبول کر کے چلے آئے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے قبول تولیت ہی کو اپنے مدعا کی توضیح کے لئے کافی سمجھا ہو اس لئے الفاظ سے توضیح کی ضرورت نہ سمجھی ہو، غرض کہ یہ تولیت لے کر آئے، کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؑ و عباسؑ میں تولیت کے متعلق جھگڑا ہوا، اور یہ دونوں طلب تقسیم تولیت کے لئے خدمت امیر المومنین میں حاضر ہوئے، اس وقت بھی انھوں نے اپنے مقصد کی توضیح نہیں کی، بلکہ حضرت عباسؑ نے ان الفاظ سے حضرت علیؑ کی شکایت کی، یا امیر المومنین ارحمنی من هذا الکاذب الاثم الغادر الخائن کہا فی صحیح مسلم، چونکہ اولاً یہ خلافت صدیقی میں دعویٰ وراثت کر چکے تھے، اور اسکے بعد ایک مرتبہ خود امیر المومنین کے اجلاس میں انھوں نے محل الفاظ میں تولیت طلب کی تھی، جسکو امیر المومنین نے دعویٰ وراثت سمجھا تھا، اور ان کے خیال کی غلطی بوجہ مذکورہ ظاہر نہ ہوئی تھی، اس لئے انھوں نے اس نزاع کو بھی دعویٰ وراثت سے متعلق سمجھا اور چونکہ امیر المومنین کے خیال میں ان کا دعویٰ وراثت دو دفعہ بحديث نبوی خارج ہو چکا تھا اس لئے ان کے بار بار دعویٰ کرنے پر امیر المومنین کو غصہ آگیا، اور آپ نے ابطال دعویٰ وراثت کے لئے اس قدر اہتمام کیا، کہ جو دعویٰ کرتے تھے ان کو حاضرین جلسہ اور خود ان متنازعین سے تسلیم کر لیتے تھے، جب یہ لوگ اس دعوے کو تسلیم کر لیتے تھے تب دوسرا دعویٰ کرتے تھے اسی گفتگو کے ضمن میں امیر المومنین نے معاتبانہ طور پر یہ بھی فرمایا کہ تم نے اولاً ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اجلاس میں وراثت کا دعویٰ کیا، انھوں نے تمہارے دعوے کو حایث لا نورث کی بنا پر خارج کیا، مگر تم نے دوبارہ پھر میرے یہاں وراثت کا دعویٰ کیا، چونکہ اس دعوے کی کوئی اور وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انھیں کاذب واثم و خائن و غادر سمجھا، اور جب میں نے بھی تمہارے دعوے کو اسی حدیث کی بنا پر خارج کر دیا اور تم کو تولیت دیدی، تو اب پھر تم وہی دعویٰ لے کر آئے ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مجھے بھی کاذب واثم و خائن و غادر سمجھا، کیونکہ اس کے علاوہ میرے فیصلہ کو منظور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، پس خواہ تم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اور مجھے کاذب واثم و غادر و خائن سمجھو، جیسا کہ تمہارے بار بار دعویٰ وراثت کرنے سے معلوم ہوتا ہے، مگر خدا شاہد ہے کہ ابو بکر صدیق بھی صادق و بار و راشد و تابع الحق تھے اور میں بھی، پس جبکہ سابق فیصلے مطابق حکم خدا و رسول میں تو اب میں انھیں منسوخ نہیں کر سکتا، تم کو تولیت منظور ہو رہا ہو، نہ منظور ہو

میرے حوالے رکھ دو، میں خود نہٹ لوں گا، امیر المومنین چونکہ ذاتی طور پر بھی باہمیت تھے اور رعب و جحمت اور غصہ نے اسکو اور بھی بڑھا دیا تھا، اور اس کے ساتھ ان حضرات کو ان کا ادب بھی ملحوظ تھا، ان وجوہ سے ان کو اس وقت بھی یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی، کہ امیر المومنین! ہم وراثت کے مدعی ہو کر نہیں آئے بلکہ تقسیم تولیت کی درخواست کے لئے آئے ہیں، اسلئے حضرت عباسؓ نے جو کہ مدعی ہو کر آئے تھے آئے تھے اپنے دعوے سے دستبردار ہی دیدی، اور تولیت پوری امیر المومنینؓ کے قبضہ میں آگئی، یہ قصہ ہے، اس میں نہ حضرت عباسؓ و علیؓ پر کوئی شرعی الزام عائد ہوتا ہے نہ شیخینؓ پر، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اُن کے مقصد سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی، جس میں وہ معذور تھے، اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ سے اپنے مدعا کی توضیح نہ کرنے میں کوتاہی ہوئی، جس میں وہ بھی معذور تھے انتہیٰ ما افادہ عم فیضہ و طال بقائہ علی رؤس المستفیدین مع توضیح۔

اس کے بعد میں نے روایت غضبت فاطمة و هجرتنا لم تکن مهاجرة حتی توفیت اونحوا کا جواب چاہا، تو اس کے جواب میں افادہ فرمایا کہ:-

ان کی نسبت یہ تو خیال نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سننے کے بعد بھی اپنے دعوے وراثت پر اصرار کیا ہو، اور یہ غصہ اور ہجر اس وجہ سے ہوا ہو کہ ان کو حقہ کیوں نہیں دیا گیا اور یہ بھی خیال نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے جبر منوع شرعی کا ارتکاب کیا ہو، کیونکہ یہ دونوں باتیں اُنکی جلالت شان سے نہایت ہی بعید ہیں، اسلئے بر تقدیر صحت واقعہ عدم خطا الناقل فی الفہم یوں کہہا جاوے گا کہ نازک مزاج شہزادی تھیں، یہ عقاب اُن کا بطور ناز کے تھا جو اپنے مخلصین پر ہوتا ہے اور وجہ اسکی ان کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکرؓ نے مخلص ہو کر ہم سے ضابطہ کا برتاؤ کیوں کیا، اُن کو زیبا تھا کہ جب ہم ترکہ کے مستحق نہ ٹھہرے تھے تو ہمیں خشک جواب دیتے اور نرمی سے فرماتے کہ ترکہ دینے سے تو میں اس لئے معذور ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں میراث جاری نہیں ہو سکتی، ہاں آپ اطمینان رکھیں، میں دوسرے طریقوں سے آپ کی خدمت کروں گا اس وقت نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کوئی شرعی الزام ہے، نہ ابو بکر صدیقؓ پر، یہ بات کہ پھر ابو بکر صدیقؓ نے ایسا کیوں نہ کیا، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہو کہ جسقدر حضرت فاطمہؓ نے درخواست کی تھی اتنی ہی بات کے جواب کو انھوں نے کافی سمجھا ہوا اور اس کی طرف ان کا ذہن نہ پہنچا ہو، کہ اس کا انکی طبیعت پر کیا اثر ہوگا، اور کوئی دلیل بھی اس کی نہ تھی، کہ خواہ مخواہ یہ طرز انھیں ناگوار ہوگا، نیز شرعاً ان کے ذمہ واجب بھی نہ تھا، اور یہ بات کہ معلوم ہونے کے بعد انھوں نے معذرت کیوں نہ کی، سو

اول تو اس کا وہی جواب ہو کہ شرعاً اُن پر واجب نہ تھی، دوسرے اس کی کوئی دلیل نہیں کہ انھوں نے معذرت نہیں کی، ممکن ہے کہ انھوں نے معذرت کی ہو، مگر حضرت فاطمہؓ کے دل سے یہ تکتہ رجوع محض ناز کے طور پر تھا نہ کیا ہو، اور یہ واقعہ اس لئے منقول نہ ہوا ہو کہ سلف نے محض واقعات کی روایت کا چنناں اہتمام نہیں کیا، اُن کی جہتیں نقل احکام یا اُن واقعات کی نقل میں مصروف تھیں جن کو احکام سے تعلق ہے، یا زائل ہو گیا ہو جیسا کہ روایت شعبی سے معلوم ہوتا ہے، کذا فی فتح الباری ج ۶ کتاب فرض الخمس، اور حضرت عائشہ رضہ کو اسکی اطلاع نہ ہوئی ہو، واللہ اعلم، انتہی بزیادۃ ما، ... ۱۲ شعبان ۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۱)

علم کسب حرام برائے ورثہ | سوال (۲۳۵) باپ نے بذریعہ حلال یا حرام کچھ مال حاصل کیا تھا، بیٹوں کو تحقیقی طور سے معلوم ہوا کہ ذریعہ حرام سے مال حاصل کیا، اس صورت میں بیٹوں کو وہ مال لینا حلال ہے یا حرام؟ الجواب، ہر چند بعض فقہار نے مطلقاً مال حرام کو وارث کے لئے حلال کہا ہے، لیکن یہ روایت صحیح نہیں، مفتی بہ اور مقتدیہ ہے کہ اُن کیلئے بھی حرام ہے، پس اگر ار باپ حقوق ورثہ کو معلوم ہیں تو اگر بعینہ اُن کی چیز محفوظ ہو تو اس کو ورثہ اس کی قیمت واپس کر دیں، اور اگر معلوم نہیں تو اگر مال حرام معین اور متمیز ہو تو اس کو مالک کی نیت سے تصدق کر دیں، اور اگر مخلوط غیر متمیز ہے تو اگر اس کی مقدار قیمت معلوم ہو اسکو تصدق کر دیں ورنہ تخمینہ کر کے تصدق کر دے انشاء اللہ تعالیٰ آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا،

لاناخذ بهذه الرواية وهو حرام مطلقاً على الورثة فتنبه در مختار في الشائع بعد البحوث الطويلة لحاصل انه ان علم ار باب الاموال وجب رده عليه والا فان علم عين الحرام لايجل له ويتصدق به صاحبه وان كان مالا مختلطاً مجتمعا من الحرام والحلال لا يعلم ار باب به ولا شيئا منه بعينه حل حكماً والا حسن ديانة التنزه عنه انتهى، في الدر المختار عليه ديون ومظالم جهل ار بابها فعليه التصديق بقدرها وسقط عنه المطالبة في العقبى، واللہ اعلم، ۸ صفر ۱۳۳۷ھ (امداد ج ۳ ص ۱۲۳)

تحقیق تقسیم منہ ثالث | سوال (۲۳۶) رضائی بیگم فوت شد و یک دختر برادر و یک پسر خواہر یک ذریۃ الارحام مختلف الاولاد دختر خواہر دیگر کہ ہمہ از بنی اعیان بودہ اند بگذاشت اند ریں صورت بچہ طور ترکہ میت

خواہ گشت !
الجواب، مسئلہ

رضائی بیگم

بنت اخت

ابن اخت

بنت اخ

جواب دیگر

رمضان بیگم

مسئلہ

بنت ۱ خت

بنت ۱ خ

ابن ۲ خت

جواب دیگر

رمضان بیگم

مسئلہ تصحیح من ۱۲

بنت ۲ خت

ابن ۲ خت

بنت ۳ خ

بینا اثلاثا

اقول متنبیہ و مسلمانہ و رشتہ ذوی الارحام صنف ثالث سے ہیں، اور قرب الی المہیت اور ولایت عصہ و قوت قرابت میں برابر لیکن مختلف الاصول ہیں، اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ ان فروع کا لحاظ کر کے للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم فرماتے ہیں اور امام محمد اصول پر تقسیم کر کے ذکور کو ایک طائفہ اناث کو ایک طائفہ فرض کر کے ہر ایک کے فروع کو للذکر مثل حظ الانثیین دیتے ہیں،

وان كانوا من بنی الاعیان او بنی العلات او بنی الاخیاف یقسم علی الابدان عند الخیر سف رحمہ و کذلک محمد رحمہ اللہ از اتفقت اصولہم و الا یقسم علی الخلاف ثم یجعل للذکور طائفۃ و الاناث طائفۃ علی قیاس ما سبق من الشیخ و العلوی،

پس جواب ثانی بنا بر مذہب ابو یوسف کے صحیح ہے اور جواب ثالث بنا بر مذہب محمد کے صحیح ہو، اور جواب اول دونوں کے خلاف ہو، اور دونوں مذہبوں کی تصحیح و ترجمہ میں اختلاف ہے کما ینظر لمن نظر فیہما السراج، لیکن صاحب السراج نے امام محمد کے قول کو ترجمہ دی ہے،

وقول محمد اشہر الروایتین عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ فی جمیع ذوی الارحام و علیہ الفتویٰ اقول الشیخ فالعمل بہ اولیٰ واللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الكتاب و الحق فی کل باب من شان رب الارباب، ۲۶ محرم ۱۳۵۰ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۲۳)

امانت شدن متاع زوج مفوضہ زوجہ سوال (۲۳۴) علمائے دین حین اس صورت میں نزدیک شریعت کے کیا فرماتے ہیں، سوال اول، شیخ بشارت علی نے زوجہ اولیٰ کے صلے میں مقام راجلہ سے روپیہ بیسہ نوکری پیدا کر کے ایک حویلی پختہ تیار کرائی اور ایک نشہ گاہ اور ایک بہل خانہ خرید کیا، اور

عہ یہ تینوں جواب مختلف مجیبوں کے لکھے ہوئے سوال کے ساتھ آئے تھے، سائل کا مقصود ان دونوں کا محنت و غلا کی تحقیق تھی، حقیقہ کا جواب اقول سے شروع ہوا ہے ۱۲ منہ

زوجہ اولیٰ سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں، اور زندہ ہیں، زوجہ مذکورہ نے انتقال کیا،
سوال دوم، بشارت علی نے بعد انتقال زوجہ اولیٰ کے نکاح ثانی کیا، اور اس سے دو لپسر
اور ایک دختر پیدا ہوئی، اور مقام سندھ سے روپیہ حاصل کیا، اور وہ روپیہ حوالہ زوجہ ثانیہ رہا، اور
دختر زوجہ ثانیہ نے اسی روپیہ سے جائداد اپنے نام سے خرید کی،

سوال سوم، ہر دو زوجہ کا ہر حسب دستور شیخ زادگان مبلغ پانچ پانچ ہزار روپے کا مقرر ہوا،
سوال چہارم، کچھ جائداد صدیقی شیخ صاحب موصوف نے چھوڑی، اب اس صورت میں ورثہ زوجہ اولیٰ
کو کس قدر حصہ پہنچتا ہے، اور ورثہ زوجہ ثانیہ کو کس قدر حصہ پہنچتا ہے، اور جو جائداد زوجہ اولیٰ کے
سامنے مندرجہ سوال میں پیدا کی یا تیار کرائی، اس میں کس قدر ورثہ ہر دو زوجہ کو پہنچتا ہے یا نہیں، اور جو
جائداد زوجہ ثانیہ نے بعد انتقال شیخ صاحب مذکور خرید کی، اس میں بھی ورثہ زوجہ اولیٰ کو پہنچتا ہے یا نہیں
اور اگر زوجہ ثانیہ دعویٰ کرے کہ مجھ کو بطور ہبہ روپیہ دیا ہے تو اس کے ذمہ گواہ لازم ہیں یا نہیں؟
الجواب، جو روپیہ شیخ بشارت علی نے زوجہ ثانی کو حوالہ کیا ہے حکم عرف وہ امانت ہی، صرف حوالہ
کرنے سے ملک نہیں ہو جاتا، اور اگر وہ دعویٰ ہبہ وغیرہ کا کرے تو گویا ملکیت شوہر کا اقرار کر کے
مدعی انتقال ملک کی ہے، پس گواہ لانے اس پر لازم ہیں،

والشامی فی بحث اختلاف الزوجین فی متاع البیت هكذا وفي البدائع وهذا كله
اذا لم تقر المرأة ان هذا المتاع اشتراه فان اقرت بذلك سقط قولها لانها اقرت بالملك
لزوجها ثم ادعت الانتقال اليها فلا يثبت الانتقال الا بالبيعة انتهى وكذا اذا ادعت
انها اشترته منه كما في الخانسية ولا يخفى انه لو برهن على شرائه كان كقرارها بشرائه فلا بد
من بيعة على الانتقال اليها منه بهبة ونحو ذلك ولا يكون استمتاعها بمشترية ورضاه
بذلك دليلا على انه ملكها ذلك كما تفهمه النساء والعوام وقد اقيمت بذلك مرارا بحج
شامی جلد رابع، ص ۳۴۴،

پس کسی شخص دانا کو حکم مقرر کر کے اس کے روپرو اپنے اس دعویٰ پر بیعت یعنی گواہ گزارے، اگر
وہ بیعت نہ لاسکے تو جو ورثہ اس سے نزاع اور مطالبہ روپیہ کا کرتے ہیں وہ اس حکم کے سامنے یہ قسم کھا دیں
کہ قسم خدا کی ہم کو معلوم نہیں کہ شوہر نے اس کو یہ روپیہ ہبہ کیا ہو،

البيعة على المدعى واليهمين على من انكر الحديث وفي الدر المختار مع الشامی
التحليف على فعل نفسه يكون على البنات اي القطع بانه ليس كذلك والتحليف على

وصیت برائے وارث یا اخی و اجازت وارث بعد رد (یہ مسئلہ جلد ہند کے صفحہ ۳۲۹ پر لکھا گیا ہے)
کسی کے نام جائیداد خریدنے سے اس کی ملک نہ ہونا (یہ مسئلہ بھی امداد الفتاویٰ جلد سوم صفحہ ۸ پر
اور بعد مرنے کے مثل دوسرے ترکہ کے تقسیم ہونا لکھا جا چکا ہے)

سوال (۴۳۸) نانی کا برادر زادہ محروم ہے یا نہیں؟
الجواب، فی الدار المختار باب توریث ذوی الارحام ثم عمات الذیاع والامہات
وانحوالہم الی قولہ واولادہ واولادہ واولادہ نانی کا برادر زادہ خال الام کی اولاد ہے، پس جو اس پر مقدم
ہیں ان کے فقدان کے وقت اس کو میراث ملے گی اور ان کے تحقق کے وقت یہ محروم ہوگا فقط
۶ رمضان ۱۳۳۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۹۹)

سوال (۴۳۹) قبل اولے دین وارث مالک مال کا ہوگا یا نہیں، فقط؟
الجواب، ترکہ کا مالک ہو یا نہیں، مالک ہو جاتا ہے مگر اس کی یہ ملک مشغول بحق غیر ہوگی، مثل اصل
مورث کے کہ وہ بھی اپنے مال کا مالک تھا، مگر مشغول تھا بحق غیر،

۶ رمضان ۱۳۳۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۹۹)
سوال (۴۴۰) زید تین بہنیں رکھتا تھا، ہندہ ان کے ایک بہن کی لڑکی
وصیت کا ثلث میں باری ہونا یعنی ہمشیرہ زادی زید کی مسماۃ ہندہ، زید سے جو کہ ماموں ہندہ کا تھا،
ایک لڑکا زمین کا مانگ کر اس میں مکان بنا کر رہنے لگی، زید چار لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر مر گیا، اور
ہندہ بعد وفات اپنے ماموں زید کے ایک لڑکی چھوڑ کر مر گئی، اور دختر ہندہ نے مکان مذکورہ جو ہندہ نے
زمین اپنے ماموں سے لے کر بنوایا تھا ایک غیر شخص کو بلا عوض کسی قیمت کے زبانی دیدیا اور بعد دینے کے
مر گئی، اور یہ وصیت کر گئی کہ میری اور چیزیں کسی کا رخیہ میں صرف کر دینا، اب ہندہ کے ماموں زاد بھائی
سب یہ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے ہندہ کو یہ مکان رہنے کو دیا تھا، ہندہ کی لڑکی کو کوئی حق اس کے
دینے کا یا کسی طرح سے منتقل کرنے کا نہیں تھا، نفع لے کر ناجائز اس کا ہے، علاوہ اسکے جتنی چیزیں اسکی ہیں سب کے
مالک ہم لوگ ہیں اور اسلئے سب چیزیں ہم لوگوں کو ملنا چاہئیں، اب اس میں کیا کیا جائے، امید کہ بموجب
حکم خدا و رسول کے اس سے نہ زبردستی اس کو بموجب اس کے عمل میں لایا جائے اور امید اسکے مکان
قفل سے بند کر دیا گیا، اور سب چیزیں ایک شخص کے یہاں امانت رکھ دی گئی ہیں، فقط؟

الجواب، اگر ہندہ نے زید سے یہ زمین بطور عاریت کے لی تھی تو ہندہ اس کی مالک نہیں ہوئی
اس لئے اس کا دینا غیر شخص کو جائز نہیں ہوا، البتہ تعمیر کی مالک ہندہ ہے اس کا ہبہ کرنا جائز ہو گیا،

فی رد المحتار عن الذخيرة هبة البناء دون الارض جائزۃ، ج ۵ ص ۷۸۶۔
اور باقی جو دوسرے اموال کی نسبت وصیت کی ہے تو اس کا ثلث تو بلا رضا مندی ورثہ کے
موافق وصیت کے نافذ ہو جاوے گا، باقی دو ثلث کے مالک ورثہ شریعیہ میں، اب ہندہ کے تمام ورثہ اوروں
کی تفصیل لکھنا چاہئے کون کون ہیں تاکہ سب کا حصہ بتلایا جاوے، ۶ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۹۹)
تقریم خال علاقائی برابن الخال یعنی سوال (۴۴۴) مسئلہ یہ ہے کہ میاں شیخ محمد کو جو ورثہ ملا وہ اس کی نانی کے
گھر کا تھا، میاں شیخ محمد نے بعد وفات کوئی وارث جدی یا پسری نہیں چھوڑا، ایک خالہ زاد بھائی ہی اور
ایک ماموں یعنی ماں کا علاقائی بھائی ہے، لہذا اس کا حق کس کو پہنچتا ہے؟

الجواب، فی الدار المختار باب تو دیش ذوی الارحام منہم اصناف اربعۃ جز اولیت
فماصلہ ثم جزء ابویہ ثم جزء جدیہ او جدتیہ الی قوله ویقدم الاقرب فی کل صنف ۱۷
بنا بر روایت ہذا صرف ماموں وارث ہے، اور خالہ زاد بھائی محسوم ہے۔

۸ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۹۳)

توارث سُنی و شیعی سوال (۴۴۲) زید کا انتقال ہوا جو سُنی المذہب تھا، اس کے صرف دو بیٹے
ہیں، ایک سُنی دوسرا شیعی، آیا دونوں وارث ہوں گے یا صرف سُنی؟

الجواب، جو اختلاف دین مانع تو ارث ہے وہ اختلاف کفر و اسلام نہیں کہ سنت و بدعت، پس جو
کلمہ کلمہ کفریہ عقائد کا قائل نہ ہو وہ سُنی کا وارث ہوگا، ۸ محرم ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۱۲)

بودن امور خیر بجائے بیت المال و رد علی النزوجین سوال (۴۴۳) ترکہ کی تقسیم میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی
وارث نہ ہو تو بیت المال میں داخل کر دیا جاوے، آج کل ایسی صورت میں کہاں صرف کیا جاوے اور
رد علی النزوجین آج کل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، امور خیر میں صرف کرنا قائم مقام بیت المال کے ہے، اور رد علی النزوجین اس
وقت جائز ہے جب کہ زوجین مصارف بیت المال میں سے ہوں،

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (حوادث ص ۲۱)

اشترط رد علی النزوجین بعدم ذوی الارحام سوال (۴۴۴) زید غرلا اس نے ایک زوجہ اور ایک ہمیشہ
زلوہ وارث چھوڑے، زوجہ کو ربع دینے کے بعد تین ربع کو گیا کیا جاوے یا زوجہ پر رکھا گیا جاوے کیونکہ
ذوی الارحام کا مرتبہ ترتیب ورثہ میں بعد زوہی ۱۲ مفتی باب یہ ہے کہ رد علی النزوجین جائز ہے، یا ذوی الارحام
کو بعد ادا کے قرض زوجہ دیا جاوے، قول در المختار ثم ذوی الارحام لمخطاوی محشی در مختار لکھتا ہے،

یعنی اذا عدم اصحاب الفروض النسبية والعصبات المذكور فمبدء في التركة بذوی الارحام
وانما قيدنا اصحاب الفروض النسبية لانه اذا كان في المسئلة احد الزوجين يعطى فرضه
الباقى لذوی الارحام لانهم ليسوا من اهل الرد فكما ان المال عند عدمه يقسم بين
ذوی الارحام يقسم ما بقى من فرضه بينهم

اب تامل یہ ہے کہ جب رد علی الزوجین مفتی رہے اور مرتبہ رد ذوی الارحام پر مقدم ہے تو زوجہ
پر رد کر کے ذوی الارحام کیوں نہ محروم کر دیا جاوے؟

الجواب، فی رد المختار عن القنیة ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال
وفیه قال المحقق احمد بن محمد بن سعدة لتفتازانی فی افتی کثیر من المشائخ بالرد علیہما
اذا لم یکن من الاقارب سواہما الخ وفیه عز المستصفی والفتویٰ الیوم علی الرد علی الزوجین
عند عدم المستحق لعدم بیت المال (ج ۵ ص ۱۱۷)

یہ روایات نفس میں اس میں کہ یہ رد علی الزوجین ذوی الارحام پر مقدم نہیں ہے بلکہ بیت المال
کے درجہ میں ہے جو سب مستحقین سے مؤخر ہے اور ذوالارحام کے ہوتے ہوئے زوجین پر رد نہ ہوگا، ...
لانعدام العلة وهو اظہر من ان یتعمد (اثباتاً ۲۸ روحانی الثانی ۳۳۳) (تمتہ ثالثہ ص ۲۶)
عدم تملک پسر تمام جائداد موروث | سوال (۳۴۵) جناب واد نیز گوار نے جس کی عرض پہلے کر چکا ہوا
راوت، جرمانہ و خسران، انتقال کیا، مبلغ تیرہ سو روپے اراضی رہن کا قرضہ ہے اور شرک میں شتعالی
پارچہ اور برتن، پار پائی وغیرہ اسباب خانگی و دو صد بیگہ اراضی خام و مکان سکونت وغیرہ چھوڑا، لیکن
یہاں کے ناقص رواج کے باعث موانع پیش آرہے ہیں، وہ یہ ہیں کہ یہاں لڑکیوں کو ترکہ میں سے نہیں
دیا جاتا اور بندہ دینا چاہتا ہو بلکہ حسب انتقال میں اراضی بموجب حکم شرع لکھوادی ہے مگر احکام مانع نہ ہو
تو آسان صورت ہے، کیونکہ اراضی کو فروخت کر کے مبلغ تیرہ سو روپے قرض کا ادا کر دیں گے، ورنہ اگر
بجائے لڑکیوں کے حقہ کے ترکہ جائداد میں بیٹیوں کا نام لکھا گیا جو شرعاً ترکہ سے محروم ہیں، تو ابتر وقت
ہوگی، کیونکہ پھر نصف قرضہ بموجب نصف حقہ جو مجھے ملے گا، ادا کر سکتا ہوں، اور لڑکوں سے ایسی امید
نہیں کہ وہ فروخت جا کر ادا کر کے قرضہ ادا کر دیں، میرے لئے ہر دو صورت میں نصف حقہ ہی ملتا ہے
کیونکہ شرعاً دو بہن اور ایک بندہ وارث نہیں جس میں نصف حقہ ہوتا ہے، اور یہاں کے رواج
پر بھی نصف میں بھتیجے اور نصف بندہ کا، بہر حال مجھ ناگوارہ کا نصف حقہ ہے، اور کوشش یہی ہے کہ
بموجب حکم شرع بجائے لڑکوں کے دونوں بہنوں کو حقہ ملے، اگر خدا نخواستہ یہاں کے قانون و

رواج کے موافق ترکہ تقسیم ہوا تو میرے لئے اس نصف حصہ لینے میں تو کوئی گناہ نہیں ہے، بلا ادائیگی قرض مبلغ تیرہ سو روپے کے گھر کی اشیاء یعنی سامان برتن وغیرہ و استعمالی پارچہ جات کا تقسیم کرنا کیسا ہے، کیونکہ اس سامان و پارچہ سے یہ کثیر رقم آدھ نہیں ہو سکتی، اور کم رقم میں اس مقدار سے حصہ رہن بھی رہا نہیں ہو سکتا، تو کیا کیا جاوے، علیٰ ہذا کسی جگہ سے لگان، وصول ہونے پر تقسیم کیا جاوے یا نہیں؟

الجواب، چونکہ جائداد کا ہر جزو آپ میں اور بہنوں میں شرعاً مشترک ہے اور تقسیم غیر مالک کی معتبر نہیں ہے، لہذا بھتیجیوں کے نام جتنا جاوے گا اس میں بھی آدھا آپ کا اور آدھا بہنوں کا ہوگا، اور جتنا آپ کے نام آوے گا اس میں بھی آدھا آپ کا اور آدھا بہنوں کا ہوگا، اسی طرح تمام اشیاء منقولہ میں اور محاصل و منافع جائداد میں آدھا آدھا ہوگا، اور جتنا بھتیجیوں کے پاس جاوے گا اس میں وہ غاصب ہوگا اور آپ اور بہنیں شرعاً اس کے استروداد کا حق رکھتے ہیں، مگر قرضہ چونکہ کل جائداد کے متعلق ہوا اس لئے جس قدر جائداد آپ کے قبضہ سے نکل جاوے گی، مثلاً نصف جائداد بھتیجیوں کو پہلی گئی اتنا ہی قرضہ آپ سے متعلق نہ رہے گا، اور نصف قرضہ آپ کی مقبوضہ جائداد سے آدھا کیا جاوے گا، سوال کی عبارت کہیں کہیں پریشان اور مبہم ہے، اگر اس جواب کے بعد بھی کوئی جزو سوال کا بلا جواب کے رہ گیا ہو تو طر پر پور چھڑ لیں،

۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۷)

سوال (۴۴۶) ایک مسئلہ میں یہ وارث ہیں، زوج، ام، اخت، لاب و ام، اخ، لاب، ان میں زوج اور ام کا حصہ نصف اور سدس ظاہر ہے، لیکن اخت لاب و ام میں تردد ہے کہ یہ اخ لاب کی ساتھ عصبہ ہے، یا ذی فرض ہو کر نصف کی مستحق ہے، اور دوسری صورت میں کیا اخ لاب ساقط ہے، سراجی میں ذات قرابتین سے ذات قرابت واحدہ کو ساقط کیا ہے، مگر مثال میں یہ شرط لگائی ہے کہ اخت عصبہ ہو اور یہاں عصبہ ہونا ثابت نہیں، سو اس تردد کا کیا حل ہے؟

جواب، یہاں اخت ذی فرض ہے اور اخ عصبہ ہے اور اس سے ساقط نہیں، مگر مسئلہ عالمہ تک اہل فرض سے کچھ بچا نہیں اس لئے اخ محروم ہو گیا، سراجی کے کلیات سے یہ حکم ظاہر ہے، مگر شریفیہ میں اس کا جزئیہ بھی مذکور ہے،

واذا المصير (الاخت لاب و ام) عصبہ بل كانت ذات فرض فلها فرضها والباقي

للاخت لاب الخ ص ۳۹ فقط، ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (النور ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ ص ۱۱)

سوال (۴۴۷) (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ زید بر میت مرأین را از امانت او، و عمرو و حقیقی بھائی تھے، زید بوجہ بڑے ہونے کے تمام گھر و نیز

تجارت وغیرہ کا کام کرتا تھا، چھوٹے بھائی سے کچھ سود کار کا روبا رکنا تھا، مگر جس سرمایہ سے کاروبار کرتا تھا وہ زید و عمرو کے باپ کی ملک تھا، اب چند ماہ کا عرصہ ہوا کہ زید مخ اپنی زوجہ کے فوت ہوا، ورثہ میں عمرو چھوٹا بھائی بالغ اور ایک پسر نابالغ اور ماں کو چھوڑا، دریافت طلب یہ ہے کہ زید متوفی نے کچھ روپیہ ایک شخص غیر کے پاس امانت رکھا تھا، وہ شخص امین زراعت کس کو دیوے، جب کہ وہ اپنے چچا عمرو و داری کی پرورش میں ہے،

(۲) اگر زید متوفی کچھ لوگوں کا قرضدار ہو، تو کیا شخص امین کے ذمہ یہ بھی فرض ہے کہ متوفی کا قرض زراعت سے ادا کرے جب کہ متوفی نے اس باب میں اس سے کچھ بھی نہ کہا ہو؟

الجواب: مسئلہ زید

م	ابن	خ
۱	۵	۳

چھ حصہ میں سے ایک حصہ زید کی ماں کو دیے اور پانچ حصے نابالغ کے ہیں، اس شخص کے سپرد کرے جس کی پرورش میں وہ لڑکا ہے

بشرطیکہ وہ شخص متدین ہو، (۲) ادائے قرض اس کے ذمہ نہیں، کہ وہ نہ وصی ہو نہ وارث نہ حاکم، ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۰۰)

تحقیق برات مورث جائز باصلاح وارث | سوال (۴۲۸) ایک مورث اپنے ورثہ میں سے ایک وارث کے لئے اس کے حق سے زیادہ وصیت کر کے مرگیا، پس یہ تو معلوم ہے کہ مورث سے اس حق تلفی کا مواخذہ ہوگا، لیکن اگر وارث بطور خود جائد اؤ مذکور کو ہر حق شرعی کو مطابق حصہ شرعی دیدیں تو مواخذہ حشر اور نشاء قبر سے جو اسکی حق تلفی کی وجہ سے ہوگا، مورث کی بریت و نجات ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: مورث پر دو مواخذے ہیں، ایک تو اس فعل سے دوسرا اس فعل کے اس اثر سے کہ ایک شخص دوسرے کا حق استعمال کر رہا ہے، سو قابض کے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دینے سے دوسرا مواخذہ مرتفع ہو جاوے گا، اور پہلا مواخذہ ان کے لئے دعا و استغفار کرنے سے جاتا رہے گا، مگر یہ دعا و استغفار اسی وقت نافع ہوگا جب اولاً ان کے فعل کے اثر کو منقطع کر دیا جائے، یعنی ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا جاوے، ورنہ بدون اس کے صرف دعا و استغفار کافی نہیں ہے،

۱۷ محرم ۱۳۳۴ھ (تمتہ رابعہ ص ۱۰)

سوال (۴۲۹) این خاکساری کے ازباشندہ ضلع اکیاب پوسٹ تنگ بازار بملاح دختر باید و خود بسبب لاعلمی موضع یورینچنگ برائے عقدہ کشائے مسئلہ نادرہ بصد نیاز مندی و تمنا از در درواہ آں ذی اقتدار ظل آہی عرس گذارد اینکہ شخصے نے رابطہ مطابق شرع شریف و رحیطہ عقد خود آورد پس از سائلے

از وہ دخترے پیدا گشت ہنوز آن شیر خوار بود کہ مادرش را بقتل آورده بدست حکام گرفتار شدہ در منزلیش بحزیرہ اندومان کہ کالایا فی نیزگویند رفت، بعد منقضي ایام بست سال آن نابینا بد شعرا از قید خلاصی یافتہ و رملک دیگر سکونت پذیر شد، اتفاقاً آن شیرخوارہ بعد مرور مدت بعید از خانہ آبائی سفر اختیار کردہ باوارہ گردی در آن شہر کہ آن شوم بخت خانہ دارد فرار رسید، آخر الامر حکم آتی آن شد کہ آن بد انجام و رحالت لاعلمی آن دختر را بنکاح شرعی در خانہ خود آورد، بعدہ از بطن او دو پسر متولد گشتند، اما چون آن مرد ازین واقع آگاہی گشت بخوف شہادت ہمسایہ آن روسیہ ازین دار خود کشتی کردہ بجنیم رسید نحو ذبات من فلک اکنون مال متروکہ اش در میان آن زن کہ فی الحقیقت دختر وے است و آن دو پسر کہ از بطن آن دختر پیدا شد نہ چنان منقسم گردید، اگر فی الحال ہر دو فریق ترکہ پدرانہ بچینید یعنی زن می گوید کہ پدر من است و آن دو پسر می گویند کہ پدر ما است، والا باہا صورت مسئولہ را تفصیل و ارجحہ تقسیم نمودہ این میچندان را از لاعلمی رہانایند و نیز عند اللہ مستاجر باشند فقط والسلام !

جواب، جواب لکھیہ ہے، لیکن اور علماء کہ بھی دکھلایا جاوے تاکہ پورا اطمینان ہو جاوے، فی الدر المختار ولا سید یوطأ اجنبیۃ زفت الیہ وقیل ہی عرسک، فی رد المحتار عن کافی الحاکمہ الشہید رجل تزوج فزفت الیہ اخی فوطئها لاخذ علیہ لا علی قاذفہ رجل فجوراً امرأة ثم قال حسبہا امرأتی کان علیہ الحد لیست ہذہ کالاولی لان الزفاف شبہتہ الا ترى انها اذا جاءت بولد ثبت نسبہ منہ وان جاءت ہذہ التی فجزیلمہا بولد لم یثبت نسبہ منہ الخ ج ۳ ص ۲۳۹ قلت علل الحکم بالشبہۃ والحلۃ متحققۃ فی المسئلۃ واصرح منہ ما فی الدر المختار ولاحد ایضاً لشبہۃ العقد ای عقد النکاح عندہ ای الامام کو طاً محرم نکحہا الی قولہ عن الفتح انہا من شبہۃ المحل وفيہا یشبہ النسب کما مر، وفي رد المختار والصحیح انہا شبہۃ عقد لانہ روی عن محمد انہ قال سقط الحد عند شبہۃ حکمیۃ فیثبت النسب ولہذا ذکر فی المنیۃ اھو ہذا صریح بان الشبہۃ فیہا یشبہ النسب علی بامراہ کلام النہی قلت وفي ہذا زیادۃ تحقیق لقول الامام لما فیہ من تحقیق الشبہۃ حتی ثبت النسب ویویدہ ما ذکرہ النخیر الرملی فی باب المہر عن العینی ومحمد الفتاویٰ انہ یشبہ النسب عندہ خلافاً لہما ج ۳ ص ۳۳۷۔

پس جب صرف وطی بالشبہہ بھی انفراداً ثبت نسب ہوگا اور الشیٰ اذا ثبت بلوازمہ ثبوت نسب کے بعد یہ لڑکا باپ کا وارث بھی ہوگا، البتہ اس منکوہہ کو زوجیت کی میراث نہ ملے گی، کیونکہ

واقع میں یہ نکاح فاسد ہے، اور نکاح فاسد میں میراث نہیں ملتی، البتہ یہ لڑکے اس عورت سے میراث بیٹے کی پاویں گے، ۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۸)

سوال (۴۵۰) ایک ترکہ میں میت کی زوجہ اور چچا زاد بھائی اور خارج نبودن مال وراثت از ملک وارث | یہ سب انکار و تدبیر خسرو ج | علاقائی چچا وارث تھے، اور چچا نے یہ کہہ دیا کہ میں کچھ لینا نہیں چاہتا اس کا جواب حسب ذیل لکھا گیا،

جواب، خط سے میں یہ سمجھا ہوں کہ مرحوم کے ایک چچا بھی ہیں، یعنی مرحوم کے باپ اور یہ چچا ایسے بھائی ہیں کہ دونوں کے باپ ایک اور ماں دو، اگر یہ ہی ہے تو ان کے چچا کے ہوتے ہوئے چچا زاد بھائی کا کچھ حق نہیں، اور ان کے انکار کرنے سے بھی وہ چچا زاد بھائی حقدار نہ ہوگا، اور اس انکار کے بعد بھی وہ ابھی مالک ہیں، اب ان سے مکرر پوچھنا چاہئے کہ آپ کا حصہ کس کو دیا جاوے، وہ جس کو بتلاویں اس کو دیا جاوے گا، لیکن چونکہ ہر چیز میں ان کا بھی حصہ ہے اس لئے ہر چیز مشترک ہے اور مشترک کا یہ ہیہ جائز نہیں، لہذا وہ جس کو دینا چاہیں یوں کریں کہ اپنا حصہ مثلاً پانچ روپے کو یا سو روپے کو مثلاً اس شخص کے ہاتھ جس کو دینا چاہتے ہوں زبانی فروخت کر دیں، اور وہ زبانی قبول کر لے پھر زمرن زبانی معاف کر دیں اور اگر اس میں کچھ ان کو غلجان معلوم ہو تو وہ ہر طریقہ اس مقصود کی تکمیل کا یہ ہے کہ یہ چچا ترکہ میں سے کوئی مختصر سی چیز مثلاً کوئی کپڑا کوئی کتاب بجائے اپنے پورے حصہ کے لئے لیں اور پھر وہ چیز کوئی خود ہی رکھ لیں یا زوجہ کو دیدیں، اس طریق سے بھی زوجہ ان کے حصہ کی مالک ہو سکتی ہے اور اگر اس طریقہ پر عمل کرنا خود بار ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ چچا اس کام کے لئے کسی کو زبانی وکیل کر کے دو باتوں کا اختیار دیدیں، ایک یہ کہ کوئی چیز ترکہ میں سے اس قسم کی علیحدہ کر لیں، دوسرے یہ کہ وہ چیز پھر زوجہ کو ہبہ کر دیں، سو وکیل کا ایسا کرنا بجائے ان چچا کے فعل کے ہو جاوے گا، اور ایک تیسرا طریقہ اور ہے، وہ یہ کہ ترکہ کو تقسیم کر کے ہر ایک کا حصہ جدا کر دیں، پھر چچا کا جو حصہ علیحدہ کیا ہوا ہو وہ زوجہ کو ہبہ کر دیں، اور اس کو بھی خواہ اصالۃ کر لیں یا وکالت، یہ تین طریقے ہیں ان میں سے جو سہل معلوم ہو اختیار کر لیں، ربیع الاول ۱۳۹۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۸۴)

مسئلہ وراثت | سوال (۴۵۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی... حنا مورت خاندان نے انتقال کیا، اور دو بیٹیاں ان کی ہیں، ایک مولوی حنا مرحوم کی حیات میں انتقال کر گئی تھی اور دوسری بقید حیات ہے، ایک بیوی کی اولاد میں سات لڑکے دو لڑکیاں اور خود زوجہ موجود ہیں، اور دوسری کی اولاد میں دو لڑکے اور چار لڑکیاں موجود ہیں، زوجہ موجود نہیں، مولوی صاحب نے اپنی

حیات میں کچھ روپے کی جائداد مہرانی اپنے لڑکے سید..... کے نام تصبہ تھانہ بھون میں خرید کر دی، اور وہ اس پر بحیثیت مالکانہ قابض ہے، اور ایک جائداد سکنائی دہلی میں بھی خرید کر دی ہے، جس کا مقدمہ شفیعہ لندن میں اس وقت دائر ہے، اسی طرح دوسری بیوی کے دو لڑکوں کے نام دہلی میں جائداد سکنائی خرید کر دی ہے جسکی رجسٹری وغیرہ ضابطہ میں ہو گئی ہے، ایسی حالت میں یہ جائداد عطیہ پدر داخل وراثت ہے یا نہیں، یا باستثناء اس جائداد کے وارثان کو ورثہ تقسیم کیا جائے، اور کیا حصہ ہر وارث کا ہوگا؟

الجواب، تقسیم ترکہ کی تو یہ صورت ہوگی کہ بعد تقدیم حقوق مقدمہ علی المیراث مولوی صاحب کا ترکہ (۱۹۲) سہام پر تقسیم ہو کر زوجہ موجودہ کو (۲۲۲) اور نو لڑکوں میں سے ہر ایک کو (۱۱۲) اور چھ لڑکیوں میں سے ہر ایک کو (۷) ملیں گے، اور تین لڑکیوں کے نام جو جائداد مولوی صاحب نے اپنے روپے سے خرید کر دی ہے وہ انہی لڑکوں کی ملک ہوگی، اس میں یا اس کی قیمت میں دوسرے ورثہ کا کچھ نہیں، اما اذا كان الولد صغيراً فالشراء من حيث انه ولي وينفذ البيع على الصغير ابتداءً و يكون اداء الثمن تبرعاً وان كان الولد كبيراً فالشراء من حيث انه فضولي ولما اضافه الى الكبير واجازة هذا الكبير ينفذ عليه بالاجازة ويكون اداء الثمن تبرعاً ايضاً والد لا مثل هذه رجل اشترى لولده الصغير ثوباً او خادماً ونقد الثمن من مال نفسه لا يرجع بالثمن على ولده الا ان يشهد انه اشتراه ليرجع عليه عالمگیری ج ۲ ص ۸۹ و کتاب البيوع وفيها امرأة اشترت لولدها الصغير ضيعة بماله على ان لا ترجع على الولد بالثمن جاز استحساناً وتكون الام مشترية لنفسها ثم يصير هبة منها لولدها الصغير وصلة وليس لها ان تمنع الضيف عزولها كذا في فتاویٰ قاضی خان اھ قلت لما لم تكن الام ولية لم يكن شراءها نافذاً على الصغير بل يكون نافذاً عليها ثم هبة منها له ويشبث هنالك احكام الهبة بخلاف الاب لكونه ولياً يكون شراءه نافذاً على الصغير يشبث احكام البيع كما دل عليه قوله لا يرجع بالثمن على ولده الخ لان احتمال الرجوع بالثمن يختص بالبيع فمست الحاجة الى نفيه وفي فتم القدير بيع الفضولي ذكر في شرح الطحاوی ولو اشترى رجل لرجل شيئاً بغير امره كان ما اشتراه لنفسه اجازاً الذي اشتراه له او لم يجز اما اذا اضافه الى اخربان قال للبائع بع عبدك من فلان بكذا فقال بعت وقبل المشتري هذا البيع لفلان فانه يتوقف اه

البتہ جس جائداد میں شفیعہ کا مقدمہ دائر ہے اگر اس پر عبد الغزیز کا قبضہ نہ ہوا ہو اور

شفیع کامیاب ہو جاوے تو زین جو واپس ہو گا وہ سب ورثہ کا ہو گا، اور اگر قبضہ ہو گیا تو شفیع کامیاب بھی ہو جاوے تب زین خالص عبد العزیز کا ہے، فی الہدایۃ ان حضرا الشفیع البائتہ ص ۳۸، کتاب الشفیعۃ، ۱۱ ربيع الثانی ۱۳۳۹ھ (تمہ خامسہ ص ۱۸۵)

حکم مفقود | سوال (۲۵۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید لعمر تقریباً ۵۵ سال عرصہ ۲۰ سال سے غیور الحواس یعنی دیوانہ تھا، اور اسی حالت میں وہ مفقود الخیر یعنی لاپتہ ہو گیا، جس کو اب عرصہ قریب سات آٹھ سال کے ہوا، لاپتہ ہونے کے وقت اُس نے یعنی زید نے ایک لڑکی، دو حقیقی بھائی اور ایک حقیقی بہن چھوڑی تھی، مگر اس کے لاپتہ ہونے کے قریب دھائی تین سال بعد اس کا ایک بھائی فوت ہو گیا، اور قریب ساڑھے تین چار سال بعد اس کی لڑکی کا انتقال ہو گیا، اب جواب طلب یہ امر ہے کہ فوت شدہ بھائی اور لڑکی کو مفقود زید کے ورثہ سے کس قدر شرعی حصہ پہونچا،

الجواب، فی السراجیۃ المفقود حی فی مالہ حتی لا یرث منہ احد ومیت فی مال غیرہ حتی لا یرث من احد لان بقائہ حیاً باستصحاب الحال وفی توریتہ من غیر اثبات مال یکن والاستصحاب حجتہ لدفع الاحی للاثبات) ویوقف مالہ حتی یصلح موتہ اویمضی علیہ مدۃ (تفسیر لقولہ حی فی مالہ) وموقوف الحکم فی حق غیرہ حتی یوقف نصیبہ من مال مورثہ فاذا مضت المدۃ فمالہ لورثتہ الموجودین عند الحکم بموتہ (والا یرث من مات قبل قضاء القاضی بموتہ) وما کان موقوفاً لاجلہ یرد الی وارث مورثہ الذی وقف من مالہ (تفسیر لقولہ میت فی حق غیرہ) اھ ملخصاً

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ خود مفقود کا مال تو اس کے ورثہ میں اس وقت تقسیم ہوتا ہے جب قاضی (حاکم مسلم) اس کی موت کا حکم کر دے باقی اس حکم بالموت کے قبل اگر اس کا کوئی مورث مر جاوے تو اس کے ترکہ میں سے اس مفقود کا حصہ امانت رکھا جاتا ہے، اگر یہ زندہ آگیا تو اپنا حصہ لے لے گا، اور اگر حکم بالموت کی نوبت آگئی تو جن جن وارثوں کا حصہ کم کر کے اس مفقود کے لئے رکھا گیا تھا، وہ سب رکھا ہوا اُن ورثہ کو مل جاوے گا، پس اس قاعدہ کی بنا پر جواب مسئلہ کا ظاہر ہو گیا، کہ اس صورت میں اس فوت شدہ بھائی اور فوت شدہ لڑکی کو اس مفقود کے ترکہ سے کچھ نہ ملے گا، البتہ اس فوت شدہ بھائی اور فوت شدہ لڑکی کے ترکہ میں اس مفقود کا حصہ شرعی جب تک ہوا وہ رکھ لیا جاوے گا، اگر زندہ آگیا اپنا حصہ لے لے گا، اور اگر حکم بالموت واقع ہوا تو وہ حصہ اس بھائی اور اس لڑکی کے اُن ورثہ کو دیا جاوے گا جن کا حصہ کم کر کے اس مفقود کیلئے رکھا گیا تھا،

۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ (تمہ خامسہ ص ۳۱۹)

جواب شبہ بر ملک بودن ترکہ مشغولہ بالدين | سوال (۲۵۳) چند روز ہوئے کہ ایک صاحب نے جو بریا و ضلع سورت کے رہنے والے ہیں اور رنگون میں مقیم ہیں، ایک استفتار جس میں جناب والا کے جوابات تحریر تھے مجھے دکھلایا، درختار کی عبارت پر اتفاقاً نظر پڑ جانے کی وجہ سے کچھ غلجھان سا پیدا ہو گیا ہے، اور یہ غلجھان سوال چہارم کے جواب کے متعلق ہے، سوال چہارم بحسنہ مع جواب منقول ہے،

سوال ۵۲: یہ تو یقینی بات ہے کہ جو میرے والد کا ترکہ ورثہ کو پہنچا ہے وہ شرعاً ناجائز ہے کیونکہ انھوں نے قرضہ ادا کرنے سے پہلے تقسیم کیا ہے، اور قرضہ ادا کرنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے، وہ لوگ اب اپنی ہی ملک سمجھتے ہیں، ان سے اگر میں اس طے ہوئے مال میں سے کوئی چیز خریدنا چاہوں تو اس کا خریدنا مشہوراً ناجائز ہے یا نہیں؟ علیٰ ہذا اگر کوئی چیز اس میں سے بطور ہبہ وہ لوگ مجھے دینا چاہیں تو مجھے لینا ناجائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب جناب والا نے دونوں صورت میں (جائز ہے) تحریر فرمایا ہے، درختار جلد راجح ص ۵۲، ولایۃ بیع التروکۃ المستغرقة بالدين للقاضي ولا للورثة لعدم ملکهم، لا للورثة کے تحت صاحب رد المحتار تحریر فرماتے ہیں لا للورثة ای الا برضاء الغرماء حتی لو باع الوارث ای بدون رضاء الغرماء لا ینفذ، اس عبارت سے غلجھان پیدا ہوا ہے، ایک دوسرے صاحب علم سے بھی اسکے متعلق دریافت کیا گیا، وہ عدم جواز کہتے ہیں، امید ہے کہ جواب شافی سے مطمئن فرمائیں گے،

الجواب، مجھ کو اپنا جواب نہ یاد ہے نہ میرے سامنے ہے کہ اس کو دیکھتا بہر حال اگر میرا جواب درختار کے خلاف ہے تو صحیح نہیں، درختار ہی پر عمل کیا جاوے گا۔

۹ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (ترجیح خامسہ ص ۱۵۳)

جواب شبہ بر تقدیم اولاد اخت عینیہ | سوال (۲۵۴) زید زندہ ہے اس کا کوئی وارث ذوی الفروض سے نہیں ہے لیکن اسکی حقیقی بہن کی اولاد اور حقیقی چچیری بہن کی اولاد ذکور و اناث موجود ہیں، اگر زید ان کو چھوڑ کر مر گیا تو حقیقی بہن کی اولاد وارث ہو گیا یا چچیری بہن کی اولاد یعنی ذوی الارحام جو عصبہ یعنی چچا کے ذریعہ سے ہے یا ذوی الارحام جو کہ حقیقی بہن کے ذریعہ سے ہے؟

الجواب، یہ بھی تو عصبہ یعنی باپ کے ذریعہ سے ہے، پھر ان دونوں عصبوں میں باپ کو ترجیح پس اس تقریر سوال میں مغلطہ ہے، اصل یہ ہے کہ ان دونوں قسموں میں عصبہ کی اولاد ایک بھی نہیں، دونوں اولاد بہن کی ہیں، ایک حقیقی بہن کی، دوسری چچیری بہن کی، پس اولیٰ جزر اصل قریب ہے وہ مقدم ہوگی دوسری پر کہ جزر اصل بعید ہے۔

۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۴۵)

لفظ چلی جائے سے عورت کا گھر سے نکل جانا اور بعدیت دراز کے | سوال (۴۵۵) ایک شخص نے اپنی عورت کو بعد موت خاوند کے آنے سے وہ مستحق میراث ہوگی یا نہیں، اپنے گھر سے نکالا، اور کہہ دیا چلی جا، اور عرصہ دس سال اس بات کو گزر گئے کہ وہ عورت اپنے خاوند کے گھر سے نکلی ہوئی ہے، اور اس دس سال کے عرصہ میں اس کے خاوند نے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا، اب وہ شخص عرصہ قریب چار سال سے فوت ہو چکا ہے، اور اس کے فوت ہونے کے بعد وہ عورت شریعت میں اپنے خاوند کے درجہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ اور صرف اس قدر مدت گھر سے نکال دینے سے طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب، یہ کہنا کہ چلی جا، اُن کنایات سے ہر جن میں ہر حال میں نیت طلاق کی شرط ہے اور نیت کا علم اب ہو نہیں سکتا، لہذا طلاق واقع نہیں ہوگی، اور وہ عورت مستحق میراث پانے کی ہے،

اور زیع الاول مسئلہ ۳۹ (تمہ اولیٰ ص ۱۱۱)

عاق کر بن پسر | سوال (۴۵۶) ایک شخص نے اپنے پسر کو عاق کر دیا، اب اس سے رجوع کرنا چاہتا ہے، پس وہ کیا کرے؟

الجواب، عاق دو معنی میں مستعمل ہے، ایک معنی شرعی دوسرے معنی میں کہ اولاد والین کی نافرمانی کرے، سو اس معنی کی تحقیق میں تو کسی کے کرنے نہ کرنے کو دخل نہیں جو والین کی بے حکمی کرے وہ عند اللہ عاق ہوگا، اور اس کا اثر فقط یہ ہے کہ خدا کے نزدیک ماحی و مرتکب گناہ کبیرہ کا ہوگا، باقی حرام میراث اس پر مرتب نہیں ہوتا، دوسرے معنی عرفی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو بوجہ ناراضی بے حق و محروم الارث کر دے، سو یہ امر شرعاً بے اصل ہے، اس سے اس کا حق ارث باطل نہیں ہو سکتا، کیونکہ وراثت ملک اضطراری و حق شرعی ہے، بلا قصد موثر و وارث اس کا ثبوت ہوتا ہے، قال اللہ تعالیٰ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین الا یہ اور لام استحقاق کیلئے ہے، پس جب اللہ تعالیٰ نے حق وراثت مقرر فرما دیا اس کو کون باطل کر سکتا ہے اور نیز قصہ حضرت بریرہؓ کا شاہد اس کا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اُن کو خرید کر آکر لے کر اپنے کا ارادہ کیا تھا، اس کے موالی نے شرط کی کہ ولاء ہماری رہے گی، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی شرط باطل ہے اور ولاء معتق کی ہے۔

کما روی النسائی عن عائشة رضی اللہ عنہا ارادت ان تشتري بريرة للعتق فامر
اشترطوا ولاءها فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم اشتريها واهتقها فان الولاء لمن اعتق الحديث،

جب وارث کہ حق ضعیف ہو، چنانچہ حسب فرمودہ پاک الولاء لحمة كل حمة النسب الی مراثی ضعیف اس کا کان تشبیہ سے ظاہر ہے، وہ نفی کرنے سے نفی نہیں ہوتا، پس حق نسب کہ اقویٰ ہے کیونکر نفی کو قبول کر سکتا، پھر جب واضح ہوا کہ اس معنی کا شرعاً کچھ ثبوت نہیں تو اس سے رجوع کی کچھ حاجت و ضرورت نہیں، بعد مرگ پدر اس کا وارث ہوگا، البتہ محروم الارث کرنے کا طریقہ ممکن ہے کہ اپنی حالت حیات و صحت میں اپنا کل اثاثہ کسی کو بہیہ یا مصارف خیر میں وقف کر کے اپنی ملک سے خارج کر دے، اس وقت اس کا بیٹا کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا۔

کما فی العالمگیریۃ لو کان ولده فاستقا و اراد ان یصرف ماله الی وجہ الخیر و یجزمہ عن المیراث ہذا خیر من ترکہ، کذا فی الخلاصۃ، ج ۳ ص ۶۵ واللہ اعلم۔
۲۲ ربیع الثانی، یوم پنجشنبہ ۱۳۳۴ھ (ادراج ۳ ص ۱۵۱)

مسائل شتی

گالی کے بدلے گالی دینا جائز نہیں | سوال (۴۵۷) زید کہتا ہے کہ گالی فحش منقلب کے بدلے گالی دینا جائز ہے اور ثابت ہے کہ کتاب اللہ سے اور سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور بکر کہتا ہے کہ گالی مذکورہ کے بدلے گالی دینا چاروں اماموں کے عقائد کے برخلاف ہے، ہرگز جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، اگر جائز ہوتا تو فقہاء تحریر کیوں مقرر کرتے، اور زید مذکور جب تک اپنی توبہ کا اظہار نہ کرے اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں، آیا بروئے شرع شریف کے ان ہردو صاحبان میں کس کا قول معتبر ہے، اور کس پر توبہ کرنا واجب ہے؟

اجواب، حدیث میں ملائمت منافقین سے فحش گالیاں دینے کو فرمایا ہے، واذا خاصم فحشا، اس سے غیر مشروع ہونا فحش، حافظ گالی کا ثابت ہوا، اور غیر مشروع پر اصرار کرنا فسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے، اسی طرح غیر مشروع کو مشروع کہنے والا بدعتی ہے، اور بدعت کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اگر توبہ کر لے تو فسق و بدعت مرتفع ہو جائیگا، اور اگر کسی کو آیۃ جزاء سیئتہ سیمۃ مثلہا سے شبہ ہو تو سبھ لینا چاہئے کہ اس عموماً بہت امور غیر مشروع مخصوص مستثنیٰ ہیں، چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ بد فعلی کر لے تو جزا میں بد فعلی کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، اسی طرح ایسی بد قولی بھی مستثنیٰ ہے۔ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۰)

قرضہ جنگ میں دوسرے سے سوال (۲۵۸) میرے سے قرضہ جنگ میں دو سو روپے کی طلبی ہے روپیہ داخل کرنیکی ایک صورت | ایک مثال نے یہاں یہ کر رکھا ہے کہ بیس روپے فی صدی کے کر دینے والے کی طرف سے روپیہ سرکار میں داخل کر دیتا ہے اور وہاں سے خود ہی وصول کر لے گا یعنی سرکاری دستاویز اپنے نام کی لیتا ہے، اس کی بابت کیا حکم ہے، یہ عقد کر کے اس سے روپیہ داخل کرادوں تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟

جواب، یہ عقد ایک تاویل سے آپ کے لئے جائز ہے، وذلك التأویل ان هذا الدفع وان كان ربواً صوریاً لکنه رشوةً معنی و یجوز دفعها للتوقی عن مثل هذا الاستقراض، الذی هو الزام لما لا یلزم واجاب للتبر ۶- ۳ شعبان ۱۳۳۵ھ (حوادث خامسہ ص ۹)

رسالہ جمع الدعاء والرضا بالقضاء

السؤال (۲۵۹) کمترین کو دعار کے متعلق مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر جو کچھ شبہ و غلط فہمی ہو گئی ہے، حضور والا اپنے کرم و عنایت سے دور فرمائیں گے، وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔
(۱) غلام کو ہر حالت میں ہر وقت ہر طرح سے راضی برضا کے مالک رہنا چاہئے (۲) ایسے شخص سے کچھ اپنی طرف سے کہنے میں شرم آتی ہے جو ہر لحظہ کر رہا عنایت بغیر ملنگے عطا فرماتے ہیں، (غلام کا کام صرف اطاعت اور خاموش رہنا ہے مانگنا غلامی کی شان نہیں) مصیبت ظاہری میں (جو درحقیقت راحت ہے) اور دوسرے اوقات میں کچھ خواہش کرنا یا مانگنا، ضد ہوتا ہے راضی برضا کے مالک ہونے کے۔ ایک اور گستاخی ہے کہ اپنی طرف سے رائے ہوتی ہے، مندرجہ بالا تین وجوہات کی بنا پر احقر یہ سمجھتا ہے کہ اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے دعار کرنا غلامی کی شان کے خلاف ہے، مگر جب سنت نبوی پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دین اور دنیاوی کاموں کے لئے اور دوسروں کے لئے دعار کرنا سنت ہے اور سنن ان کمالات سے خالی نہیں، مگر کمترین کو بے علمی کی وجہ سے کچھ خلاف سی معلوم ہوتی ہیں، اور تطبیق سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے سنت کے ترک کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا ہے اور غلامی کی شان ہاتھ سے جانے دینا، امید کہ حضور والا میری تفسی فرمائیں گے، فی الحال احقر بین میں کام کر رہا ہے، وہ یہ کہ صرف قرآن شریف کی دعائیں مانگتا ہے، اور اپنی طرف سے ارادہ میں اپنے دل کی آرزو کچھ نہیں کہتا؟

الجواب، رضا بالقضا کی دو تفسیریں ہیں، ہر تفسیر پر جدا جواب ہے، ایک تفسیر عرفی یہ کہ رضا بالقضار سے مراد اس واقعہ پر راضی رہنا ہے جس کی ساتھ قضا متعلق ہوتی ہے، مثلاً مرض پر راضی رہنا، فقر پر راضی رہنا و علیٰ ہذا،

دوسری تفسیر اصطلاحی یہ ہے کہ جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے واقع کیا ہے ان کے اس فعل معینی ایقاع پر راضی رہنا، پس تفسیر اول پر تو ہر واقعہ پر رضا کا حکم ہی نہیں، مثلاً جن امور کو حق تعالیٰ خود ناپسند فرماتے ہیں جیسے کفر و معاصی ان میں بندہ کو بھی یہی حکم ہے کہ ان پر راضی نہ ہو یعنی مثلاً یہ حکم ہے کہ کفر کو پسند نہ کرے بلکہ اُنکے زائل ہونے کی کوشش بھی کرے، دعا بھی کرے اپنے لئے بھی، دوسروں کے لئے بھی، تو اس مادہ میں تو دعا و رضا کے محارضہ کا شبہ ہی وارد نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں صرف دعا و امور بہ ہے، رضا و امور بہ ہے ہی نہیں بلکہ منہی عنہ ہے، البتہ جو امور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند نہیں جیسے کسی کا مرض، کسی کا فقر، ان میں رضا و دعا کے جمع ہونے پر ظاہر نظر میں اشکال ہو سکتا ہے جیسے مسائل کو ہوا، نیز بعض حضرات اہل حال کو بھی ہو گیا ہے جس میں وہ غلبہ حال کے سبب معذور ہیں، لیکن کلیات شرع میں نظر غائر کرنے سے کچھ اشکال نہیں رہتا، کیونکہ ایسے امور مذکورہ میں دونوں کے جمع ہونے کی صورت یہ ہے کہ بندہ کو یہ حکم ہے کہ چونکہ تو مرض کو اپنے لئے مضر اور صحت کو اپنے لئے نافع سمجھتا ہے تجھ کو تیرے علم کے موافق اجازت بلکہ ایک درجہ میں امر ہے کہ تو یہ دعا کر اور خوب الحاج اور عزم کے ساتھ دعا کر کہ اے اللہ مجھ کو صحت عطا فرما، اور مرض کو دور کر، لیکن چونکہ حقیقی نفع و ضرر کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اسلئے عین اس دعا کی حالت میں یہ اعتقاد اور عزم بھی دل میں رہے کہ اگر میرا مطلقاً حاصل نہ ہو یعنی صحت نہ ہوئی بلکہ مرض باقی رہا تو میں اسی کو خیر سمجھوں گا، اور اس پر راضی رہوں گا، اور چونکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ مشیت الہی بقا مرض کے ساتھ یقیناً متعلق ہو چکی ہے اسلئے عین رضا کی حالت میں دعا کو جاری رکھنے کا بھی حکم ہے، پس اس طرح دعا و رضا دونوں بلا تکلف جمع ہو گئے۔

یہ کلام تو تفسیر اول پر تھا، اور دوسری تفسیر پر کسی مادہ میں حتیٰ کہ امور غیر مرضیہ میں بھی سرے سے کوئی اشکال ہی واقع نہیں ہوتا، کیونکہ دعا تو واقعہ مفضیہ سے متعلق ہے، اور رضا ایقاع و قضا سے متعلق ہے، علماء کلام نے الرضا بالکفر کفر کے سوال میں یہی جواب دیا ہے کہ الکفر مقضی الاقضار، مولانا رومی نے بھی دفتر سوم کے دوسرے پر تحت ہرخی توفیق میان این دو حدیث الخ اسی جواب کو خاص عنوان سے ذکر فرمایا ہے، جس کے بعض اشعار نقل کئے جاتے ہیں، وہی ہذا ہے

عاشق صبیح تو ام در شکر و صبر عاشق مصنوع کے ہاشم چو گسر

در میان این دو فرقے بس خفی ست خود شناسد آن کہ در رویت صفی ست
پس تضارا خواہ از مقضی بداں تا شکالت حل شود اندر جہاں
کفر جہل ست و قضاے کفر و علم ہر دو یک کے باشد آخر حلم و حلم
زشتی خط زشتی نقاش نیست بلکہ از دے زشت را بنمود نیست
قوت نقاش باشد اُن کہ او ہم تواند زشت کردن ہم زکو
لیکن یہ تقریر عام فہم نہیں، طالب علموں کے لئے لکھ دی ہے، دوسرے حضرات اس میں خوص نہ
فرمائیں، واللہ اعلم، وسمیت ہذا المکتوب بجمع الدعا والرضا بالانقضاء۔

۲۶ سوال ۳۵۴ (النور فی قعدہ ۳۵۵ ص ۱۷)

بعض خاص دعاؤں کی تاثیر جو عدم اصابت سورائی ہے اس کے معنی مع جواب ہے، سوال ۳۵۴ (۴۰۱) حدیث بسم اللہ لا یضر مع اسمہ میں بچپن اکثر
اس دعا کو صبح و شام پڑھا کرتا ہوں، اور اکثر بلیات منصرہ سے
مامون رہتا ہوں، لیکن بعض دفعہ شاید و نادیدہ کچھ گزند مثل چوٹ وغیرہ کے بعد دعا کے بھی پہنچ جاتی
ہے تو طبیعت کچھ متزلزل ہو جاتی ہے تو اسکو کئی تاویلیں کر کر لے لیں دی جاتی ہے، اور تزلزل
اس وجہ سے ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں اس دعا کے پڑھنے والے کی نسبت عدم مضرت کا وعدہ آیا ہے،
پچھلے دنوں میں آپ کا وہ رسالہ جس میں سوید وغیرہ کی بحثیں ہیں اور ایک بحث تعویذ وغیرہ کی بھی دیکھنے
میں آیا، اس میں کچھ مضمون اس کی نسبت یہ لکھا تھا کہ ادویہ، تعویذ وغیرہ کی تاثیرات قطعی ضروری
نہیں جو بر تقدیر مختلف اُن کی نسبت، غلطی کی جاوے،

اب عرض یہ ہے کہ حدیث مذکورہ بالا کی نسبت ہی خیال کیا جاوے یا نہ، اگر ارشاد نبوی پر خیال
کریں تو دل دل جاتا ہے، وعدہ نبوی مختلف نہیں ہو سکتا، مگر جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ارشاد
نبوی تو کئی ادویہ مثل سنا وغیرہ کی نسبت بھی ایسا ہی آیا ہے، حالانکہ ادویہ بسا اوقات اپنی تاثیر نہیں
کرتیں، آخر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ارشاد نبوی صرف اسی قدر ہے کہ ادویہ اور ادویہ میں خاص خاص تاثیرات
جو خالق نے ان میں رکھیں موجود ہیں، لیکن ہر جگہ ان کا ظہور کلی طور پر ہو، یہ نہیں،

اب عرض یہ ہے کہ جو کچھ میں نے آپ کے رسالہ سے سمجھا ہے غلط تو نہیں، ارشاد فرمادے مجھے گا؟
الجواب معنی حدیث عدم مضرت کے یہ ہیں کہ فی نفسہ اس دعا کا یہ اثر ہے، اور مؤثر کی تاثیر
ہمیشہ مقید ہوتی ہے عدم مانع کے ساتھ پس کسی مانع سے ترتیب نہ ہونا نہ اس کے تحتضی ہونے میں خلل
ڈالتا ہے اور نہ خبر مخبر صادق میں کوئی مشبہ پیدا کرتا ہے اور میں نے جو لکھا ہے عاقلین کی ادعیہ کے

بارے میں لکھا ہے، نہ کہ ادعیہ نبویہ میں، اور ادویہ وارودہ فی الحدیث پر اس کا قیاس صحیح نہیں، کیونکہ وہ خبر منقول عن الخلق ہے، بخلاف خبر متعلق ادعیہ کے کہ مستند الی الوحی ہے۔

۲۳ رمضان ۱۳۲۵ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۲)

معنی حدیث من لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاہلیۃ | سوال (۴۶۱) ماقولکم اندریں کہ سلطان روم دریں وقت امام اندیانا، سلطان اگر امام اند بشرائط امام چہیت، بیان فرمودہ تسلی بخشند، اگر امام نیست بمطابق حدیث کہ اگر بلا نصب امام بمیرد آن میتۃ میتت زمان جاہلیۃ است، میتۃ جاہلیت لازم آید یا نہ، الحاصل دریں زمان امام ست یا نہ بر تقدیر اول بشرائط امام چہیت، و بر تقدیر ثانی میتۃ ایں زمان میتت جاہلیت لازم آید یا نہ، جواب بتوضیح عنایت فرمودہ شکوک را دفع فرمایند و جواب مسئلہ عنایت فرمایند؟

الجواب، مسئلہ مختلف فیہ بین العلماء راست بنا بر آن کہ شرط قریشیت و بعض حالات قابل سقوط است یا نہ و انچہ در سوال نوشته اند کہ مطابق حدیث اگر بلا نصب امام بمیرد الخ پس دریں حدیث نصب امام نیست، لفظ حدیث این ست من لم یعرف امام زمانہ و غیشش نزد بندہ آنست کہ عدم عرفان کنایہ است از عدم اطاعت بروقت موجود بودن اطلاقاً للسلزوم علی اللزوم لان عدم العرفان یستلزم عدم الاطاعت، البتہ نصب امام خود بدلیل دیگر واجب است و وجوب ہمہ واجبات مشروطی باشد بقدرت و چوں از شرائط قدرت علی النصب اتفاق مسلمین ست و آن نظر الی الحالتہ الحاضرہ کبریت اہم است لہذا نہ معصیت لازم می آید و نہ میتۃ جاہلیۃ، واللہ اعلم، ہذا ما غدی و لعل عند غیری احسن من ہذا،

۲، شوال ۱۳۲۵ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۲)

تمتید در بارہ رسالہ سوانح عمری حضور فخر عالم | تنقید (سوال ۴۶۲) در بارہ رسالہ سوانح عمری حضور سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام، مرتبہ سردہ پر کاش دیوجی | عالم صلی اللہ علیہ وسلم، مرتبہ سردہ پر کاش دیوجی پر چارک بر اہمہ و ہرم، بجواب استفسار عزیز الحق سب اؤر سیر کمالہ پارہا رنپور،

جواب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! پوری کتاب دیکھنے کی تو فرصت نہیں مل سکتی تھی ہتفرق مقامات سے دیکھا، صفحہ ۲۸ و ۲۹ میں وحی کی حقیقت میں اور صفحہ ۵۵ و ۵۶ میں معراج میں جو کلام کیا ہے، وہ بالکل خلاف تحقیق ہے اور اس کے قبل صفحہ ۳ میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہندو اور پارسیوں کے مقتداؤں کے مائل ٹھہرا دیا ہے، پھر جابجا نام مبارک بدون خاص تخطیمی القاب کے اور بعض جگہ صحابہ کا صرف نام نہ حضرت نہ صاحب لکھا ہے اُن کا اثر پڑھنے والے پر خصوص جب کہ ناواقف ہو یہ ہوتا ہے کہ

اس کے قلب میں آپ کی عظمت نہیں جیتی، اور یہ بڑے مقصود اسلامی کا فوت کر دینا ہے، اصل یہ ہے کہ جب مصنف خود معتقد نہیں ہے تو جتنا اثر اسکے قلب میں ہے اتنا ہی ناظرین کے قلب میں ہو سکتا ہے، اور ایک خرابی سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ جب مصنف کو بگمان عدم تعصب کے منصف و محقق سمجھ لیا جاتا تو اگر کسی وقت اپنی کسی تقریر یا تحریر میں اسلام کے خلاف بھی وہ کچھ کہے گا تو اسی انصاف و تحقیق کے خیال سے اس کو بھی حق سمجھا جاوے گا، بلکہ بعض کو تو یہ بھی پتہ نہ لگے گا کہ کون امر موافق اسلام کے ہے اور کون امر خلاف اسلام، لہذا یہ کتاب اور جو اس کے مثل ہو تدریس کے لائق نہیں ہے، اور نہ ناواقفوں کے مطالعہ کے قابل، البتہ غیر قوموں کے مقابلہ میں مناظرہ میں اس غرض سے پیش کی جاسکتی ہے کہ مخالفین بھی آپ کی نسبت ان خوبیوں کے قائل ہیں، تدریس یا مطالعہ کے واسطے کیا اہل اسلام کی تصانیف کم ہیں، یکم رمضان ۱۳۲۸ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۳)

سوال (۲۶۴) کسی امر جائز میں تعارض امر والدین | کسی امر جائز کے لئے لڑکے کو باپ منع کر رہا ہو اور ماں میں کس کی اطاعت کرے | کرنے کا حکم دے رہی ہے یا بالعکس، تو یہ کس کے حکم کی تعمیل کرے؟

الجواب، چونکہ عورت شرعاً خود محکوم شوہر کی ہے اس کا حکم کرنا خلاف شوہر کے خود معصیت ہے اور معصیت میں اطاعت ہے نہیں لہذا ماں کا کہنا نہ مانے، ۱۹ رجب ۱۳۲۸ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۴)

سوال (۲۶۴) پندنامہ میں جو شیخ عطار میں جو رات کو آئینہ دیکھنے اور جھاڑو دینے اور پندنامہ کا کپڑے سے صاف کر نیکی مانعت ہے، اس کی کیا اصل ہے، مصرعہ تحریر فرمایا ہر جا شب در آئینہ نظر کن زن خطاست دیواروں کا کپڑے سے صاف کرنا خواری لاتا ہے، یہ کس طرح سے ہے اور کس وجہ سے ہے، اور ایک یہ بات مشہور ہے کہ رات کو چار پانی کی اوداؤں کھینچنا منہوس ہے، یہ کس طرح سے ہے؟

الجواب، ان امور کی شرع میں کچھ اصل نہیں جو محض عوام میں مشہور ہیں، ان کی اصل دھونڈھنے کی تو کوئی ضرورت نہیں، البتہ جو بزرگوں کے کلام میں پایا جاتا ہے تو از قبیل حکمت و طب ہے، ورنہ یہ کہا جاوے گا کہ بعض بزرگوں پر حسن ظن غالب تھا، اسلئے بعض روایات کو سنکر تنقید راوی کی نہ کی، اس کو صحیح سمجھ کر لکھ دیا پس وہ معذور ہیں اور قابل عمل نہیں، (تمہ اولیٰ ص ۲۰۵)

سوال (۲۶۵) صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا | التزام و پابندی سے صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا کس امام کا مذہب ہے، اگر دو ہاتھ سے مصافحہ کرے تب بھی ایک ہاتھ سے کرنا کیسا ہے؟

الجواب، کسی خاص امام کا مذہب نہیں، اس میں وسعت ہے جس طرح چاہو کرو، ۲۳ محرم ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۵)

سوال (۲۶۵) صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا | التزام و پابندی سے صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا کس امام کا مذہب ہے، اگر دو ہاتھ سے مصافحہ کرے تب بھی ایک ہاتھ سے کرنا کیسا ہے؟

الجواب، کسی خاص امام کا مذہب نہیں، اس میں وسعت ہے جس طرح چاہو کرو، ۲۳ محرم ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۵)

سوال (۲۶۵) صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا | التزام و پابندی سے صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا کس امام کا مذہب ہے، اگر دو ہاتھ سے مصافحہ کرے تب بھی ایک ہاتھ سے کرنا کیسا ہے؟

۲۳ محرم ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۰۵)

گھوڑے کے اندر عیب شرعی ہونے کے کیا معنی ہیں | سوال (۴۶۶) یہ بات جو مشہور ہے کہ گھوڑے میں پانچ عیب شرعی ہیں، اس کی کیا اصلیت ہو، اور اگر صحیح ہے تو وہ پانچ عیب شرعی کون سے ہیں، معزز فرمایا جاوے گا ایک گھوڑا سیاہ تالو ہے اس کو کہتے ہیں کہ یہ عیب شرعی ہے !

الجواب، عیب کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ ویسا گھوڑا منحوس ہو سو اس کی تو شریعت میں کچھ اصل نہیں، بلکہ اس کی نفی فرمائی گئی ہے، لاطیۃ، اور ایک معنی یہ ہیں کہ ویسا گھوڑا کام دینے میں اچھا نہ ہو، تو یہ تجربہ کی بات ہے، شریعت نے اس کی نفی نہیں فرمائی، بلکہ ایک خاص قسم کی مذمت بھی آئی ہے عن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکیرۃ الشکال فی الخیل رواہ مسلم، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم شکال کو گھوڑے میں پسند نہ فرماتے تھے، یعنی جس کے دانے ہاتھ اور بائیں پاؤں میں یا بائیں ہاتھ اور داہنے پاؤں میں سفیدی ہو یا تین میں سفیدی ہو اور ایک چھوٹا ہوا ہو یا ایک میں سفیدی ہو اور تین چھوٹے ہوئے ہوں، اور باقی جو تجربہ سے اس قسم کا عیب ثابت ہوا اس کی بھی نفی نہیں اور نحوست تجربہ سے ثابت نہیں ہو سکتی، اور جو واقعات اس قسم کے مشہور ہیں اس کے خلاف واقعات اس سے زیادہ عدد میں ہیں - ۱۹ صفر ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۵)

ذاکرین کے جمع میں جہر سے قرآن مجید پڑھنا | سوال (۴۶۷) کچھ لوگ ذکر و اذکار میں مشغول ہیں ایسے وقت میں قرآن شریف پڑھنے والا بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ، دوسرا بھی بلند آواز سے قرآن پڑھے یا نہیں ؟

الجواب، بہتر یہی ہے کہ قریب جگہ نہ بیٹھے، لیکن اگر پاس بیٹھ کر جہر سے بھی پڑھے جائز ہے لان الامر بالانصات خارج الصلوۃ للاستحباب صریحاً (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۶)

ذاتی کوشور مزنیہ سے معاف کرنا ضروری ہے یا نہیں | سوال (۴۶۸) زید نے مساقہ ہندہ منکوحہ عمرو سے بحالت حیات عمرو زنا کیا، کیا زید سوائے حق اللہ کے عمرو کا بھی خطا وار ہو گیا، پھر یہ حق اللہ حق العبد دونوں توبہ سے معاف ہو جاویں گے یا نہیں، یا توبہ کے ساتھ عمرو سے بھی معاف کرنا ضروری ہوگا، اور کیا بائیں ہمہ بھی کچھ گناہ باقی رہے گا ؟

الجواب، کہیں تصریح تو دیکھی نہیں، لیکن قواعد شرعیہ اس کو مقتضی ہیں کہ چونکہ اس صورت میں یہ فعل موجب ہتک عرض شوہر ہوا ہے اس میں گناہ زیادہ ہوگا، جیسا کہ حدیث میں اسی بنا پر علیہ جہاد کی تخصیص وارد ہے، باقی یہ کہ کیا شوہر سے بھی معاف کرنا پڑے گا، سو قواعد ہی کا یہ بھی مقتضا معلوم ہوتا ہے کہ قبول توبہ کے لئے یہ شرط نہیں، کیونکہ یہ ہتک عرض لازم آگیا، اس کا قصد نہیں کیا گیا، وشتان بین اللہ والعموم، واللہ اعلم، ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۶)

سوال (۴۶۹) اللہ تعالیٰ سے دعا کہ مانگنا بجز کوشش عباد القادر باعث اجابت دعا ہے اور آداب دعا میں سے ہے اور افضل ترین طریقہ ہے اور اسمائے حسنیٰ کے ساتھ دعا مانگنا یہ دونوں برابر ہیں یا فرق ہے اور ان بزرگان دین سے امید رکھنی چاہئے کہ ان کی عزت اور حرمت سے اللہ پر اجابت ضروری ہوگی کیونکہ ان بزرگوں نے دین میں بڑے بڑے رتبے حاصل کئے ہیں، کیا عجب دعا میں ان کا سہارا ہو، موجب ثواب ہو اور دعا قبول ہوتی ہو؟

الجواب، تو نسل دعا میں مقبولان حق کا خواہ وہ احیاء ہوں یا اموات ہوں درست ہے، رتبتہ استسقا میں حضرت عمرؓ کا تو نسل حضرت عباسؓ سے اور رتبتہ خبر میں تو نسل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد وفات نبوی بھی احادیث میں وارد ہے، اس لئے جواز میں کوئی شبہ نہیں، ہاں اگر کہیں عوام کو ان کا غلو دیکھ کر بالکل بھی باز رکھا جائے یہ بھی درست ہے، مگر حق تعالیٰ پر اجابت کو ضرور سمجھنا یا ان بزرگوں سے سہارے کی امید رکھنا یا ان کے سہارے کو اسارا تہیہ کے برابر سمجھنا یہ زیادة علی الشرع ہے فقط۔

۳۱ رمضان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۷)

سوال (۴۷۰) اگر قوم کا جو لہا اپنے کوشیخ کے تو اس میں کوئی گناہ ہے، کیونکہ فیشح کا لفظ تو عام ہے، ہر قوم اپنے کوشیخ کہتی ہے، مثل عراقی وغیرہ یا بایں خیال کہ ہم کو سب آدمی بہت ہی ارذل اور حقیر سمجھتے ہیں، قوم جو لہا اپنے کوشیخ کہہ سکتے ہیں؟

الجواب، شیخ کہنے میں تلبیس ہے اس لئے جائز نہیں، اور جو غیر شیخ اپنے کوشیخ کہتے ہیں، وہ بھی براہ تلبیس ہی کہتے ہیں، اس سے اس کے مفہوم کا عام ہونا لازم نہیں آتا،

۶ رجب ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۷)

سوال (۴۷۱) بکرنے اور تکاب گناہ کیا، برادری نے اُسے چھوڑ دیا، اب بکر عام جماعت برادری کے سامنے معافی کی خواہش ظاہر کرتا ہے تو بکر سے بطور تاوان یعنی جرمانہ کسی کا رخیہ کے لئے (برائے عہدہ فساق و اہل معاصی کے) کچھ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، دوسروں کو لینا جائز نہیں، البتہ یہ درست ہے کہ بلا جبر بکر کو کہا جاوے کہ تو اپنے ہاتھ سے فلاں کام میں اس قدر لگا دے، ۲۲ رمضان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۷)

سوال (۴۷۲) شعر، اے خواہد چو جوی ز شب قدر نشانی بہر شب شب کا قرآن کے خلاف نہ ہوتا، است اگر قدر بدانی، یہ شعر کس کا قول ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ شعر قرآن مجید کے خلاف ہے، اس کو نہیں پڑھنا چاہئے، کیونکہ ہر شب شب قدر است کہنا غلط ہے؟

الجواب، تحقیق نہیں کس کا ہے مگر قرآن کے خلاف نہیں، کلام بنی تشبیہ پر ہے مثل زید اسد کے یعنی ہر شب مثل شب قد راست، اور در نفس ہتم بالشان بودن اگرچہ درجات اہتمام متفاوت باشند، مقصود از ازالہ غفلت ست اور قدر دانی قیام لیل فقط، ۹ سوال ۱۳۹۹ (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۸)

معنی شعر آدم ز حسن روئے تو گر بہرہ داشتے ۱۰ سوال (۴، ۳) اکثر اس شعر پر بحث کیا کرتے ہیں، مگر پوری تسلی نہیں ہے، وہ شعر یہ ہے ۵

آدم ز حسن روئے تو گر بہرہ داشتے از دیدنش بسجدہ پیرداختہ ملک

آپ اپنی رائے کے مطابق کچھ تحریر فرمادیں تو زری دل خوش ہو جاوے ؟

الجواب، یا تو یہ شعر مبالغہ پر محمول ہو، کیونکہ دیوان کی غزلیات میں بعض ابیات شاعرانہ مضامین کے بھی ہیں، اور اگر اسکو بھی عارفانہ مضمون قرار دیا جاوے تو یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ شعر نعت میں ہے، جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کا کمال بیان کرتے ہیں، اس کی تقریر سے پہلے چند مقدمات سمجھ لے جاویں، اول یہ کہ حق تعالیٰ کے احکام موافق حکمت کے ہوتے ہیں، دوم فرشتے بدون حکم خداوندی کچھ نہیں کرتے، سوم مقصود سجدہ آدم علیہ السلام سے تقرب الی اللہ تھا اس سجدہ کے ذریعہ سے چہارم تقرب کے طرق محصور نہیں، پنجم بعض عادی عارفین کے برہانی نہیں ہوتے فطنی واقناعی ہوتے ہیں، اب تقریر مدعا کی سننا چاہئے، کہ آپ کا حسن اکمل کیسا ہے، کہ اگر آدم علیہ السلام کے چہرہ میں ہوتا تو بجائے اس کے کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم ہوا یہ حکم ہوتا کہ آدم علیہ السلام کو دیکھا کر دو، کیونکہ آپ کا جمال دیکھنا ایسی طاعت ہے کہ اس سے وہی قرب ہوتا ہے جو سجدہ سے ہوا، کیونکہ تقرب کا یہ بھی ایک طریق تھا (بحکم مقدمہ چہارم) اور مقصود اصلی یہی تقرب تھا، (بحکم مقدمہ سوم) اور اس کو سجدہ پر ترجیح اسلئے ہوتی کہ کمال تقرب بمقابلہ کمال مشاہدہ پر، اور کمال مشاہدہ موقوف ہے اس پر کہ غیر حق کی طرف التفات نہ ہو، تو آدم علیہ السلام کا حسن اس درجہ کا نہ تھا کہ اس کے دیکھنے کو غیر حق کی طرف سے غیبت ہو جاتی، اسلئے وہاں سجدہ مناسب ہوا کہ اس سے یہ حالت ہوئی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن بوجہ اکمل ہونے کے اس کے لئے کافی تھا، اسلئے سجدہ کی حاجت نہ ہوتی، پس صرف اس کے دیکھنے پر اکتفا کرنا فریب حکمت ہوتا، اس لئے اسی کا حکم ہوتا (بحکم مقدمہ اولیٰ) اور چونکہ اس حالت میں زیارت جمال کا حکم ہوتا، اس لئے ملائکہ سجدہ میں مشغول نہ ہوتے (بحکم مقدمہ دوم) اور یہ مطلب نہیں کہ باوجود امر بالسجود کے سجدہ میں مشغول نہ ہوتے، البتہ فعل حق کلام میں مذکور نہیں، لیکن فعل ملائکہ جو کہ اس فعل حق کے لئے لازم ہے بجائے اس کے مذکور ہے، جو کہ ملزم پر دلالت کے لئے کافی ہے، اور یہ دعویٰ کہ اس حالت میں سجدہ کا حکم نہ ہوتا ایک فطنی دعویٰ ہے، مگر سب دعویٰ فن کے برہانی نہیں، اسلئے مضر نہیں (بحکم مقدمہ پنجم) واللہ اعلم،

۵ روزی الحجہ ۱۳۹۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۰۸)

مدرسہ کی ہر مثل نقشہ | سوال (۴، ۴) مثل نقشہ نعل مبارک کے مدرسہ کی ہر بنا نا جو ہر موقع بے موقع لگائی
نعل مبارک کے بنانا | جاتی ہے، مثلاً لفافہ وغیرہ پر کیسا ہے، نمونہ کے لئے ہر لفافہ مرسل ہے، ؟

الجواب، نقشہ کی بھی بے ادبی ہے اور اس نقشہ کے اندر جو الفاظ لکھے جاتے ہیں جیسے لفظ اللہ وغیرہ
اس کی بھی بے ادبی ہے کہ توبہ توبہ گویا نعل پر لکھا ہوا ہے، فقط واللہ اعلم، (تمہ اولی ص ۲۰۹)
حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ سوال (۴، ۵) حضرت علیؑ کے نام کیسا تھ کرم اللہ وجہہ کینے کی کیا وجہ ہے؟
کرم اللہ وجہہ کینے کی وجہ، | الجواب، بعض علماء سے سنا ہے کہ خوارج نے آپ کے نام مبارک کے بعد
سو واللہ وجہ بڑھایا تھا، اس کے جواب کے لئے کرم اللہ وجہہ عادت ٹھہرائی گئی، اور ایک بزرگ سے یہ سنا
تھا کہ چونکہ آپ عہد طفلی میں اسلام لے آئے، آپ کا وجہ مبارک کبھی بت کے سامنے نہیں جھکا، اس لئے یہ کہا
جاتا ہے، فقط ۲۱ رذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولی ص ۲۰۹)

پیر افضل ہے یا باب | سوال (۴، ۶) رتبہ میں والد افضل ہے یا پیر طریقت ؟

الجواب، حقوق خدمت میں تو والد مقدم ہے اور اطاعت واجبات میں پیر مقدم ہے۔ (تمہ اولی ص ۲۱۰)
اصلاح معاملہ با تمثال نعل شریف | نوٹ تمہید می (۴، ۷) نقشہ نعل شریف کے باب میں مولانا کفایت اللہ صاحب
نے بعض لوگوں کے سوال پر اپنے دو جواب بھیجے، اس پر یہاں سے ذیل کی تحریر گئی، اور اس تحریر کو اس مضمون
کا تمہ سمجھا جاوے جو النور محرم سیکمہ میں بعنوان تنبیہ بر اصلاح معاملہ با تمثال نعل
شریف شائع ہوا ہے،

تصحیح الجواب و توثیقاً من الاحقر الافقر اشرف علی عفی عنہ، بعد الحمد والصلوة احقر نے
دونوں جواب پڑھے جو بالکل حق ہیں، اور صحت معنی کے ساتھ فظی ادب خاص طور پر قابل داد ہے، جس کی
ایسے نازک مسائل پر سخت ضرورت ہے۔ اب ان مضامین کے متعلق بغرض توضیح بعض ضروری محروقات
پیش کرتا ہوں،

(۱) بدلائل ثابت ہو چکا کہ یہ اعمال شرعیہ نہیں اور ایسے اعمال کے لئے جن کا منشا حب و شوق طبعی اور
ادب ہو مستقل دلیل کی حاجت نہیں، خلاف دلیل نہ ہونا کافی ہے،

کما قال عثمان بن عفان ذکرہ بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابن ماجہ
ظاہر ہے کہ یہ رعایت بنا بر حکم شرعی نہیں، ورنہ ثوب نجس کا دلک یا عصر بھی یہیں سے جائز نہ ہوتا،
(۲) جب ان اعمال کی بنا رادب و حب و شوق طبعی ہے اور بعض اوقات صرف تشاکل و تشاہ بہ بھی
منشأ ان جسذبات کا ہو جاتا ہے تو وہاں بھی اجازت دی جاوے گی۔

کشافی الجلد الاول من مجموعة الفتاویٰ للعلامة عبدالحی ص ۳۲۲ نقل عیاض عن احمد ابن فصلویہ الزاهد الخازی قوله ما مست القوس بیدی الاعلیٰ طهارة منذ بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ ،

ظاہر ہے کہ مبنیٰ اس کا بجز دونوں قوس کے تشابہ کے اور کیا تھا، پھر تشابہ و تشاکل عام و ناقص ہو یا تام، اور کسی عین کا ہو یا تمثال کا، چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے تصویر روضہ منورہ و نقشہ مدینہ منورہ و مکہ مکرمہ واقعہ دلائل الخیرات کے باب میں جواب دیا ہے کہ ”بوسہ دادن و چشم مالیدن بریں نقشہ یا ثابت نیست و اگر از غایت شوق سرزد ملامت و عتاب ہم بر جان باشد احد من الفتاویٰ الامدادیہ جلد ثالث ص ۱۲۱“ اور نعل شریف کی تمثال اگر پوری مطابق بھی نہ ہو مگر کسی درجہ میں تو مشابہ ضرور ہے، جیسا روضہ شریفہ کا نقشہ واقعہ دلائل الخیرات، پس غایت مافی الباب تطابق تام کا دعویٰ و اعتقاد ناجائز و محتاج نقل صحیح اور واجب اللف ہوگا، باقی مطلق تشابہ تو مجملًا احادیث سے ثابت ہے۔

(۳) ایسے احکام جتنے شوقیہ میں تعدیہ نہیں ہوتا، اسلئے ضروری نہیں کہ نعل مبارک کے تمثال کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا مستلزم ہو و دوسرے تبرکات کے تائیل کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرنے کو، کما قال بعض العشاق ۷

امتر علی الدیارد یار لیلی اقبل ذ الجدار و ذ الجدا سرا
و ما ہدی الدیارد شغفن قلبی و لکن حب من سکن الدیاد سرا

و لم یقل اقبل ذی الشمار و ذی الشمار

اور مثلاً مساجد میں مستعمل ظاہر جوتہ پہن کر نہ جانا جس کی بنا منحصر ادب طبعی عرفی ہر اس کو مستلزم نہیں کہ تجربہ پس پہنکر بھی جانا مساجد میں قیاساً خلاف ادب سمجھا جاوے، اور مثلاً تقبیل تمثال روضہ شریفہ مذکورہ ۲۱ اس کو مستلزم نہیں کہ اصل قبر شریف کی تقبیل کی اجازت دی جاوے، بلکہ اس کا مدار اہل ادب کے ذوق و عادت پر ہے، باقی تمثال نعل شریف کی تخصیص اول تو بوجہ ذوقی ہونے کے محل سوال نہیں، لیکن ممکن ہو کہ داعی اس تخصیص عادی کا طالب اپنے لئے غایت تذلل اختیار کرے تاہو کہ اس سے زیادہ درجہ کی چیزوں تک میری کیا رسائی ہوتی، کما قیل ۷

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم زانکہ نسبت بسبب کوئے توشد بے ادبی

واللہ اعلم باسرار عبادہ

(۴) یہ سب تفصیل حکم فی نفسہ کی ہے، ورنہ جہاں احتمال غالب مفاسد کا ہو وہاں نقشہ کا تو کیا خود اصل

تبرکات کا انعام بھی بشرط عدم اہانت و عدم لزوم البقاء مطلوب و مامور بہ ہوگا، جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ قطع شجرہ کا منقول ہے۔

(۵) میں نے جب رسالہ نیل الشفا بنعل المصطفیٰ لکھا تھا، جس کو غالباً پچیس سال کا زمانہ ہو گیا، تو اس میں بھی کافی احتیاطیں کیں گئی تھیں، منشاء میں بھی کہ ثقات سے نقل کیا گیا اور ناشی میں بھی کہ آخر میں غلو سے اہتمام کے ساتھ روک دیا گیا تھا، مگر تاہم ان مفاسد محتملہ سے ذہن خالی تھا، لیکن پندرہ سال سے زائد مدت گزری کہ اس قسم کے شبہات قلب میں پیدا ہوئے کہ عوام غلو نہ کرنے لگیں، اسی کے چند روز بعد ایک صاحب توفیق نے اس کے متعلق استفتا کیا، جس کا جواب لکھ کر میں مطمئن ہو گیا، یہ جواب النور مجرم ۱۲۴ کے صفحہ ۹ میں بعنوان تنبیہ بر اصلاح معاملہ باتمال فعل شریف شائع ہوا ہے، پھر فرید احتیاط کے لئے النور شوال ۱۲۴ کے صفحہ ۲۰ میں اس تنبیہ کی تجدید اس عبارت سے کر دی... کہ نیل الشفا کے متعلق النور ۹ جلد ۳ میں ایک تنبیہ شائع ہوئی ہے اس کے خلاف نہ کریں۔ اب بحوالہ دوسرے علماء کی تحریر سے بھی میرے مقصود کی تائید ہو گئی، پس کسی کو غلو کی گنجائش نہ رہی، اور اس مفصل اور مکمل تحقیق کے بعد احقر کی تحریرات میں باہم بھی اور دوسرے حضرات اہل تحقیق کی تحریر سے بھی تعارض کا احتمال نہیں رہ سکتا، لیکن اگر اب بھی کسی کے خیال میں تعارض کا شبہ ہو تو اس کے لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ دوسرے حضرات کی تحقیق پر عمل کیا جاوے اور میری تحریر کو مرجوع بلکہ مجسروح و ممنوع عنہ بلکہ مرجوع عنہ سمجھا جاوے، فقط، ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ۔

پھر وہی سے دوسرا خط آیا جو مع جواب نیل میں منقول ہے

حضرت مخدوم محترم دام فیضہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مکرمیت نامہ نے معزز و مفتخر فرمایا، جزاکم اللہ تعالیٰ، مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں، امید کہ تسلی بخش جواب سے شاد کام فرمائیں گے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں:-

ما تغنیت ولا تمنیت ولا مست ذکرى منذ بايعت بهار رسول الله صلى الله عليه وسلم
اور اس میں باتیں مذکور ہیں اور تینوں اسلام میں ممنوع ہیں، تو کیا اس قول کا مطلب یہ ہو سکتا ہے یا نہیں کہ جب میں نے حضور سے بیعت کی یعنی اسلام لایا ہوں یہ کام نہیں کئے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول:-
ما بليت قسانما منذ اسلمت، رواه البزار ورجالہ ثقات کذا فی مجمع الزوائد ہے
اگر یہ مطلب ہو تو میں ذکر بائین نہ کرنے کی وجہ اسلام ہو گا نہ یہ کہ حضور کے دست مبارک سے مس کرنے

کی وجہ سے مس ذکر باہمین ترک کیا، دوسری بات یہ کہ احمد بن فضلویہ کا قول مامست القوس بیدی الاعلیٰ طہارۃ الخ ہر قوس کے متعلق ہے یا القوس میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے ایک خاص قوس مراد ہے، جس کے متعلق انھیں یہ علم ہوا تھا کہ اس قوس کو حضورؐ کے دست مبارک میں جانے کا شرف حاصل ہوا ہے، میرے خیال میں قوس معبود کا مراد لینا راجح ہے، کیونکہ عام قوس کا مراد لینا، اور محض اس خیال سے کہ کمان کو حضورؐ نے ہاتھ میں لیا ہے، اس لئے تمام کمانوں کو محض مشاکلت کی وجہ سے بے وضو نہ چھونا موجب نہیں، حضورؐ نے صرف کمان تو دست مبارک سے نہیں پکڑی تلوار، سکین، ازار، ردار، عامہ، قمیص اور بہت سی چیزیں دست مبارک سے چھوئی ہیں، تو اگر محض مشاکلت مراد ہوتی تو ان کا یہ جذبہ صرف قوس میں نہ پایا جاتا، اگر دوسرا احتمال مراد ہو تو معقول بات ہے اور جو چیز بھی ان کو ایسی مل جاتی کہ حضورؐ کے دست مبارک میں ملتی ہوتی تو سب کے ساتھ ہی معاملہ کرتے، مگر اور کوئی ایسی چیز نہ ملی صرف کوئی کمان ایسی ہاتھ لگی جس کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ کے دست مبارک سے مس کرنے کا شرف اس کو حاصل ہے تو ان کے جذبہ محبت نے اس کمان کو بے وضو چھونے سے باز رکھا، جناب نے اس عبارت کا حوالہ مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی کے ص ۳۲۲ کا دیا ہے، میرے پاس جو مجموعہ فتاویٰ ہے اس کے جلد اول و دوم کے ص ۳۲۲ میں یہ عبارت نہیں ملی اور جلد سوم کے صفحات ہی اتنے نہیں ہیں، براہ کرم جلد کی نقیین کے ساتھ کوئی مزید نشان بھی تحریر فرمادیں، ان دو باتوں کے علاوہ ایک اور بات بھی عرض کرنی ہے کہ جذبہ محبت سے جو افعال سرزد ہو وہ اختیار ہی ہوں گے یا اضطراری، اگر اختیاری ہوں گے تو احکام شرعیہ (وجوب، سنیت، ندب، اباحت، کراہت، حرمت) میں سے ان کے ساتھ کوئی حکم ضرور متعلق ہوگا، ہاں اگر اضطراری ہونگے تو ان احکام میں سے کوئی حکم ان سے متعلق نہ ہوگا، تو تصویر اور نقشہ کو بوسہ دینا، سر پر رکھنا اگر اختیاری ہو تو وہ کم از کم مستحب یا مباح ضرور ہوگا یا بصورت دیگر اس کو کم از کم مکروہ کہا جائیگا، پھر اس کو امور شرعیہ سے خارج کرنے کی کیا صورت ہے،

استحباب کی صورت میں اس کی تشریح اور عمل کی ترغیب بھی صحیح ہے، لیکن اگر اضطراری ہونے کی صورت میں اس کو جائز فرمایا جائے تو یہ کہنا تو صحیح ہے کہ وہ امور شرعیہ میں سے نہیں، شرع کا تعلق اختیار سے ہوا نہ اضطرار سے، مگر اس صورت میں مضطر کا یہ فعل (بوسہ دینا، سر پر رکھنا، توسل کرنا) یہ جواز یا استحباب یا اباحت یا کراہت کے ساتھ متصف نہ ہو سکے گا، بلکہ زیادہ سے زیادہ مسکو عنہ ہوگا اور اس کی تشریح اور ترغیب جائز نہ ہوگی، کیونکہ امور اضطراریہ کی تشریح اور ترغیب

غیر معقول ہے، وہ تواضطرار اور غلبہ شوق سے خود بخود سرزد ہو سکتے ہیں، نہ کسی کے کہنے اور ترغیب دینے سے، میری جرات کو معاف فرماتے ہوئے تسلی بخش جواب سے سرفراز فرمائیں،

الجواب، مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الطاف نامہ نے نمنون فرمایا فبارک اللہ تعالیٰ فی صوتکم للددین، جو احتمال منہ بالبعث بہا الخ میں اور اسی طرح مامست القوس کے الف لام میں ظاہر کیا گیا ہے گو ذوق اس سے آبی ہے، خصوصاً لفظ بہا پر نظر کر کے، مگر صون دین عوام کے لئے نافع ہے، باقی تخصیص قوس کی، سوا دل تو ایسے احکام ادبیہ میں تعدیہ نہیں ہوتا، کما ذکرہ فی ۲۱ من تحریری السابق، دوسرے کثرت استعمال فی عبادة الغرو فی ذاک الزمان، اس تخصیص کی ایک وجہ بھی ہو سکتی ہو کہ قوس کو دینی تلبیس زیادہ ہو سکتا ہے، اور یہ عبارت مجموعہ فتاویٰ کی جلد اول مطبوعہ شوکت اسلام گشتہ ص ۳۲۲ میں ہے، ص ۲۱۸ ہے کتاب النوادر کے تحت میں شروع ہو کر ص ۳۲۲ تک چلی گئی ہے، عجیب مولانا محمد اسماعیل صاحب ہیں، اور مولانا عبدالحی صاحب مصوبہ میں، اور امور شرعیہ سے خسار ج کرنے کے متعلق جو صورت پوچھی گئی ہے یہاں افعال مقصودہ فی الشرع مراد ہیں، نہ کہ احکام شرعیہ میں لے یہ عنوان آپ ہی کی رعایت سے اختیار کیا تھا، کہ آپ کی عبارت خط سابق میں ہے، اب اس کو مقاصد شرعیہ کے عنوان سے بدلتا ہوں، اور اس کے اختیار ہی ہونے اور اس کے ساتھ حکم شرعی کے متعلق ہونے سے انکار نہیں کرتا، اور وہ حکم اباحتہ فی نفسہ اور استحباب یا کراہت بغیرہ بالتسبب للمقاصد اور للمقاصد یہ تو طالب علمانہ کلام ہے، جس میں جابن کو بہت وسعت ہے، ہر جواب پر شبہ اور ہر شبہ کا جواب ہو سکتا ہے، لیکن شیرازی کا ارشاد یاد آتا ہے ۵

ندانی کہ مارا سر جنگ نیست وگرنہ مجال سخن تنگ نیست،

اس لئے مناظرانہ کلام کو بند کر کے ناظرانہ عرض کرتا ہوں کہ میں گو احتیاطی تحریرات ہمیشہ شائع کرتا رہا، چونکہ مکتوبات خبرت حصہ سوم بابت مسئلہ کے ص ۵ میں بھی ایک صاف مضمون ہے، مگر مسئلہ میں تردد نہ ہوا تھا، لیکن اب مجھ کو خواص کے اس اختلاف آراء سے نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہو گیا ہے، پھر اس کے ساتھ عوام کے اختلاف ابھارے جس سے میرا ذہن خالی تھا، مصلح دینیہ اسی کو مقتضی ہیں کہ حکم دے مایریبک الی مالا یریبک الحدیث، اپنے رسالہ نیل الشفا رجوع کرتا ہوں، اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہو گیا ہو اس سے استغفار اور کسی عاشق صادق کے اس فیصلہ کا استحضار اور تکرار کرتا ہوں ۵

علی انی راض بان احصل الہوی واخلص منہ لاعلی ولا لیا
والسلام

(نوٹ) اگر ممکن ہو کم از کم اس مضمون کو مکمل یا بالخصوص جلد ہی شائع فرمادیں، پھر خواہ مستقلاً و سواولی یا اخبار میں، اشرف علی ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ (النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ ص ۱۷)

ایک جدید مضمون کے کارڈ کا | سوال (۴۷۸) محمدہ نصی علی رسولہ الکریم، کیا فرماتے ہیں اس باب میں کہ سائل کو سلسلہ جاری رکھنے کی تحقیق، ایک دوست نے ایک خط روانہ کیا ہر میرے نام جس کا مضمون مجسبہ درج ذیل ہے،

دعا (اے خدا میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ تمام مخلوق پر رحم کر اور ہم سب کو برائیوں سے بچا، اور تو اپنے سایہ رحمت میں ہم کو رکھ) یہ دعا تمام دنیا میں پھیلنی چاہئے، اس کی نقل کر دو اور دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ دعا نہایت قدیم ہے۔ جنھوں نے اس کو کو لکھا ہے ان کی بڑی بڑی مصیبتیں دور ہوئی ہیں، اور جن لوگوں نے اس کے لکھنے سے درگزر کیا ہے وہ سخت مصیبت میں گرفتار ہوئے ہیں، اس کو رد و ن کے اندر لکھنا چاہئے۔ جو لوگ اس دعا کو نو دستوں میں بھیجتے ہیں ان کو چوتھے روز کوئی خوشخبری پہنچی ہے۔ اپنا نام مت لکھو۔ صرف تاریخ موصولہ لکھو۔

نہیں خط کا مضمون ختم ہوا، اب آپ مطلع فرمائیے کہ بروئے شرع شریف ایسی دعا بزرگان اردو، مذکور الصدر محدودہ خطوط و حدانی کو یا وصاف بالاموثر سمجھنا اور نتائج مذکورہ صدر مرتب خیال کرنا درست ہے یا نہیں، اور نیز دعا کا مخصوص دو دن کے اندر اندر لکھنا اور خصوصاً نو دستوں کو لکھ کر بھیجنا اور انکو مطلع کرنا خواص دعا سے اور چوتھے روز امیدوار خوشخبری رہنا اور لکھنے والے کا نام نہ لکھنا، گناہ بذریعہ خط یا کسی دیگر طرق سے خاص نو دستوں کو دعا کا پہونچانا، لیکن تاریخ موصولہ کا التزام یعنی تاریخ محض لکھنا ضروری خیال کرنا، غرض کہ جس طریقہ سے مضمون خط میں دعا کی اشاعت لکھی ہے سمجھنا اور ہاں سب سے پہلے اور ضروری یہ امر مسئلہ ہے کہ دعا کے لکھنے والے کی نسبت یہ اعتقاد کرنا اور رکھنا کہ (لکھنے والوں کی بڑی بڑی مصیبتیں دور ہوئی ہیں، اور جن لوگوں نے اس کے لکھنے سے درگزر کیا ہے وہ سخت مصائب میں گرفتار ہوئے ہیں، درست ہے یا نہیں، ان باتوں کا کوئی وجود قرآن یا احادیث نبویہ یا اقوال مجتہدین میں پایا جاتا ہے یا نہیں، بینوا تو جبروا؟

الجواب، اس فعل میں شرعاً چند خرابیاں ہیں، اول بلا دلیل شرعی نفع و ضرر کا اعتقاد کرنا، دوسرے غیر ضروری امر کا التزام ضروری سمجھ کر کرنا، تیسرے دوسروں کو اس اعتقاد التزام کی طرف دعوت دینا، چوتھے اسراف، پانچویں مسلمانوں کو وحشت و حیرت میں ڈالنا کہ یہ بھی ایک قسم ایذا و تحریف ہے، جو ناجائز ہے، اس لئے یہ فعل واجب التکرر و واجب الانسداد ہے، فقط

۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۱۰)

چندہ ہلالِ اہمر کی ضرورت کا اثبات | سوال (۴۷۹) چندہ ہلالِ اہمر کی فرضیت میں ایک شبہ ہے، وہ یہ کہ کثرتِ خزانہ شاہی ضرب المثل ہے، نواب، راجوں کے خزانے کروڑوں بلکہ اس سے زیادہ ہوتے ہیں چہ جائیکہ شاہانِ عظام، لہذا سمجھ میں نہیں آتا کہ خزانہ سلطانی ابھی سے قریب الختم اور ناکافی ہو، حالانکہ جنگِ بلقان شروع ہونے کے بعد زیادہ عرصہ نہیں ہوا، اور طرابلس کی جنگ ایک معمولی جنگ تھی، اور وہاں سے جو حکام نے اظہارِ ضرورت کیا بھی اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ خزانہ ناکافی ہے، کیونکہ ایسے وقت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے یہ جنگ کب تک رہے اور خزانہ و لشکر و مملکت کی واسطے بہت ضروری اور بمنزلہ بنیاد ہے اس وقت میں اس کو جس قدر بھی مدد اور قوت پہنچ سکے پہنچائی جائے، نہ یہ کہ خزانہ ناکافی ہے، ورنہ شاہانِ دنیا ایسے وقت میں چندوں ہی کے محتاج رہیں، ایسے واقعات کا تو ان کو ہمہ وقت اندیشہ رہتا ہے جس کے واسطے انتظام کافی خزانہ اور لشکر کا رکھتے ہیں، پس یہ ضرورت بمعنی عرفی ضرورت ہوگی، نہ فرض عین شرعی جس کا تارک گنہگار ہو، نیز اس فرضیت کے واسطے خزانہ کا ناکافی ہونا یقینی دلیل سے ثابت ہونا چاہیے، نہ تاریخی، نہ رعایا کا کہنا یقینی، اور اگر فرض ہو تو کیا مقدار فرض ہوگی، اور جس غیر مستطیع کو زکوٰۃ دینا پڑے، یا اولادِ صغار ان پر فرضیت ہوگی یا نہیں، جو شخص مثلاً پانچ روپے دے سکتا ہے تو ایک روپیہ یا ایک پیسہ دینے سے، اور جو بالکل محتاج ہے وہ ایک پیسہ دینے سے سبکدوش ہو سکتا ہے!

الجواب، زیادہ حصہ سوالات کا تو اوہام ہیں، ان سب کا جواب یہ ہے کہ ہم کو واقعات معلوم کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں، حق تعالیٰ کا صریح ارشاد ہے وان استنصتکم فی الدین فعلیکم النصیٰ اور استنصار تو اترے محقق ہے، پس نصیر ممکن فرض ہوگی، اور نصیر بالاموال ممکن ہے، اور ایسے فرائض کی مقدار معین نہیں ہو سکتی، یہاں کی وسعت اور وہاں کی کفایت پر ہر شخص کے لئے اس کے مناسب فرض ہوگی، (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۱)

چندہ گرفتہ از طوائف | سوال (۴۸۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو چندہ ترکوں کو بھجوا جا رہا ہے اس کی دو مدیں، مد اقل المدیٰ و مدین ویتامی و بیوگان، مد دوم، قرض حسنہ، کسبئی عورتیں ان دونوں مد میں چندہ دینا چاہتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ روپیہ ان کے پاس فعل حرام کے ذریعہ سے حاصل ہوا، محصلین و ہمتین چندہ کو ایسی عورتوں سے مداتِ بالا میں سے کسی مد کا چندہ لینا جائز ہے یا نہیں، جواب منقصل و مدلل ارقام فرمایا جاوے!

الجواب، جو صورت گنجائش کی ہے وہ عوام کی سمجھ میں نہ آوے گی، اس لئے ایسا کرنا موجبِ توجش ہے، البتہ ایک طریقہ سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے وہ یہ کہ وہ عورتیں کسی ہمارے قرض

لے لیں اور ان مدت میں دیدیں، پھر وہ قرضہ اپنے پاس سے ادا کر دیں،

۱۸۔ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۲)

مل اشکال تعلق وعید بخیل مردۃ | سوال (۴۸۱) بخیل کی تعریف لکھتے ہیں کہ جو صرف شرعاً و مردۃ ضروری
ہیں وہ کہہ لے ہیں، اس کے واسطے کوئی قاعدہ کلیہ جس سے سب جزئیات معلوم ہو جائیں حضور تحریر فرمائی
دوم جو شخص صرف مصارف شرعیہ ضروریہ بجالائے وہ بخیل اور اس وعید اور مذمت کا جو قرآن و
حدیث میں آئی ہیں، مورد ہے یا نہیں، اگر وہ بخیل اور مورد وعید ہے تو کیوں، جو صرف مباح یا مستحب،
ہو اس کے ترک پر تو وعید اور مذمت نہیں، اور اگر مصارف مردۃ شرعاً بھی ضروری ہیں تو مردۃ
کی عید کی کیا ضرورت!

الجواب، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ، مصارف جو مردۃ ضروری ہیں ان کا مدار عرف اور طبع مسلم پر
ہے، اس کے سوا کوئی ضابطہ معلوم نہیں، اور ایسے مصارف کا تارک بخیل تو ہے مگر یہ وہ بخیل نہیں جس پر
وعید ہے، البتہ برکات سخا سے ضروریہ شخص محروم ہے۔ ۲۵۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۳۱)
مفسد بعض بدازس | سوال (۴۸۲) ایک مدرسہ کے مہتمم نے مدرسہ کی روندا مع مضمون ذیل
کے بھیجی تھی، وہ مضمون مع جواب کے منقول ہے،

ایک روندا مدرسہ..... ارسال خدمت والا ہے، ایک نظر اسکے جملہ مضامین پر پڑھا تو
میرے لئے باعث ہدایت ہے، قابل اصلاح مقامات پر اسی کتاب میں اسی جگہ ہدایت درج ہو جاوے تاکہ
آئندہ مفید ہو، اور بعد ملاحظہ اگر کچھ اصلاح درج فرمائی جائے تو یہ کتاب میرے پاس واپس پہونچا دیجئے،
الجواب، روندا مدرسہ کے بارے میں جو ارشاد ہوا ہے میں نے اسے آخر تک گہ تعمق سے نہیں
مگر بالکل سرسری بھی نہیں، متوسط نظر سے دیکھا، اگر آپ کے خلوص اور بلند خیالی پر وثوق نہ ہوتا تو میرا
معمول ایسے مواقع میں یہ کہہ کر ٹال دیتا ہوں، اپنی رائے ظاہر نہیں کرتا، کیونکہ اس زمانہ میں اکثر طبائع
اس کی تحمل نہیں، لیکن چونکہ حسن اتفاق سے میرے مخاطب مکرم ہیں، یہ موافق مرفع ہیں اس لئے
مجھ کو تعمیل حکم کی گنجائش ہو سکتی ہے، اس بنا پر بہت ہی مختصر عرض کرتا ہوں، جو خیال اس مدرسہ کے
شروع میں اس کے متعلق ذہن میں تھا وہ بہت کچھ بدل گیا، ابتداء میں خوشی یہ تھی کہ یہ بچوں کی دینی
حالت درست کریگا، اور اب یہ ذہن میں آتا ہے کہ اگر دین دہی ہے جس میں بدعات کو مذموم نہ کہا جا
تو مشک ایسے دین کو ممکن ہو کہ درست کر دے، لیکن اگر دین میں بدعات مذموم ہیں تو پھر اس مدرسہ
سے بجائے اصلاح دین کے افساد دین بہت زیادہ ملتون، جس کا انتظام و انتخاب نصاب اہل بدعت

کے ہاتھ میں ہو (صفحہ ۲۱) جس میں چار روز کی تعطیل صرف بدعات کی شرکت کے لئے دی جاوے (صفحہ ۲) جس میں شیعہ کی مذہبی رعایت ہو (صفحہ ۲) جس میں مسئلہ شریعہ کی کہ نابالغ کا تبرع قبول کرنا جائز نہیں ملحوظ نہ ہو (۶۱) جس میں بچوں کو ابتداء ہی سے حال و قال و بیج آیت کا مختصر طریقہ سکھایا جاوے (صفحہ ۸۹) اور ان غیر مشروعات کے مجتمع ہوتے ہوئے صرف خوابوں اور اتفاقی واقعات سے اس کی مقبولیت پر استدلال کیا جاوے، کیا اس مدرسہ میں اصلاح علی منہاج السنۃ کا اثر ہو سکتا ہے، اگر یہ تقسیم تفصیلی میری محل نزاع ہو سکے تو ایک مختصر بات شہادت کے لئے کافی ہے، کیا حضرت مولانا قاسم سرور اگر زندہ ہوتے، ان کے ساتھ تعلق ہوتے ہوئے مدرسہ کا یہ رنگ ہو سکتا تھا،

۲ شعبان ۱۳۸۵ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۱)

سفر خیال حصول زیر سبب | سوال (۸۳) اگر کسی شخص نے مکان سے دور دراز کا سفر کیا، اور مکان ہی پر یہ خیال کر چکا ہے کہ ہم سفر میں جاتے ہیں، اور وعظ وغیرہ کہیں گے، اور لوگ ہماری خدمت روپیہ پیسہ دے کر کریں گے تو ہم لیں گے، لیکن ایسا نہ کریں گے کہ اس قدر روپیہ دہیں کہ ہم وعظ کہیں گے ورنہ نہیں، تو اس صورت میں اس خیال کے ساتھ روپیہ لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب، میری تحقیق اس باب میں یہ ہے کہ جنہوں نے وعظ کہلوایا ہے اگر وہ لوگ دین یا قرآن سے معلوم ہو جاوے کہ وعظ کے سبب مجھ کو دیا گیا ہے تو اس کا لینا مذموم ہے، اور جہاں یقین ہو کہ اگر وعظ بھی نہ ہوتا، جب بھی فلاں شخص مجھ کو دیتا، تو اس کا لینا درست ہے، گو یہ نیت کہ سفر کرنے کا باعث روپیہ ملنے کا خیال ہے خلاف اخلاص ہے، نقطہ ۳ شعبان ۱۳۸۵ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۲)

کشف تلبیس بعض غیر مقلدین و نقل | سوال (۸۴) السلام علیکم، ایک چوہ ورقہ انجمن اہل حدیث مراد آباد عبارت اختتامی بتائید خویش نے کلام المحققین نام رکھ کر شائع کیا ہے جو ہمراہ اس پرچہ کے ارسال خدمت کرتا ہے، جس میں الاقتصاد اور امداد الفتاویٰ مولفہ آنجناب اور مکاتیب رشیدیہ مرتبہ مولوی عاشق الہی صاحب میرٹھی سے یہ دکھایا گیا ہے کہ آنجناب تقلید شخصی کو اچھا نہیں سمجھتے، کیا جناب کی تحریرات کا یہی مطلب ہے جو مقلدین مراد آباد نے سمجھا ہے، جو بات جناب کے نزدیک صحیح اور قابل عمل ہو تحریر فرمادیں فقط والسلام،!

الجواب، چوہ ورقہ دیکھا، دوسرے حضرات کی تحریرات کی مفصل تحقیق انہی حضرات سے کرنا مناسب ہے کہ ان کی تحریر کی نقل میں کیا کیا کمی بیشی کی گئی ہے، باقی اپنی تحریرات کو میں نے اصل سے منطبق کرنا چاہا تو ناقل کی چند خیانتیں معلوم ہوئیں، اور حیرت ہوئی کہ یہ صاحب مدعی عمل بالحدیث کے ہیں اور پھر افتراء و کذب تلبیس کو کس طرح جائز اور گوارا فرماتے ہیں، چنانچہ سرسری نظر سے خاص میری طرف

منسوب کی ہوئی تحریر میں تین امر قابل تنبیہ تحقیق ہوئے،

اول تذکرۃ الرشید سے میرے خط کا جو مضمون نقل کیا ہے وہ میں نے بطور تحقیق اور رائے کے نہیں لکھا، بلکہ بطور اشکال کے پیش کیا ہے، یعنی بعض اعمال متکلم فیہا میں جن پر بدعت ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے اور تقلید میں فرق پڑھنا مقصود ہے، چنانچہ جہاں تک ناقل نے میری عبارت نقل کر کے چھوڑ دی ہے اسی کے ایک سطر بعد یہ عبارت کہ باوجود ان سب امور کے تقلید شخصی کا استحسان و جوب مشہور و معمول ہے، سو اس کا تج کس طرح مرفوع ہو گا، اہل دلیل صریح اس امر کی ہر کہ مقصود اس سے رفع شبہ ہے، باوجود تسلیم کرنے وجوب تقلید شخصی کے، ورنہ اگر اس کا وجوب تسلیم نہ ہوتا تو پھر اشکال ہی کیا تھا، اور سوال ہی کی ضرورت نہ تھی، سو ایک خیانت تو یہ کی کہ میرے سوال کو میری تحقیق بنایا، پھر میرے اس خط کے جواب میں مولانا نے یہ لکھا ہے جو صفحہ ۳۳ پر ہے، جس میں وہ فرق بتلایا ہے، اور جس کو میں نے تسلیم کیا ہے، اس پر ناقل صاحب نے نظر نہیں فرمائی، یا قصداً چھپایا، کیا یہ تبلیغ اور غش نہیں ہے؟ دوم اقتصاد سے جو عبارت نقل کی ہے وہ بھی ناتمام ہے، یہ مضمون ایک جزو ہے مقصد مغم کا اس کے اول میں تصریح ہے کہ اگر عالم متبحر کو خود یا اس کے قول سے دوسرے کو مجتہد کے قول کا مرجح ہونا بھی معلوم ہو جاوے، تو اگر اس میں دلیل شرعی سے عمل کی گنجائش ہو اور راجح پر عمل کرنے سے احتمال فتنہ و تشویش کا ہو تو مرجح پر عمل کرے، اور دو حدیثوں سے اس پر استدلال کیا ہے اس کے بعد یہ لکھا ہے، اور اگر گنجائش عمل نہیں بلکہ ترک واجب یا ارتکاب امر ناجائز لازم آتا ہے، اور بحزق قیاس کے اس پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی، اور جانب راجح میں حدیث صریح صحیح موجود ہے، اس کے بعد وہ عبارت چلی گئی ہے جو ناقل نے لکھی ہے، پھر آگے چل کر تصریح کی ہے صفحہ ۶۹ میں کہ ایسے مقلد کو بوجہ اس کے کہ وہ بھی دلیل شرعی سے متمسک ہے، اور اتباع شرع ہی قصد کر رہا ہے، برا کہنا جائز نہیں اصرار ہے پورا مضمون ملخصاً، اب اس کو ملاحظہ فرمائیے، اور ناقل صاحب نے جو اس سے ثابت کرنا چاہا ہے اس کو دیکھئے کہ اس کو اس عبارت سے کیا تعلق، سوم، امداد الفتاویٰ سے جو عبارت نقل کی ہے اس کا سیاق و سباق بھی اپنے لئے مضر سمجھ حذف کر دیا ہے، اس سے اوپر فقہار و مجتہدین کے مسلک کی مفصل تاریخ لکھ کر کہا ہے کہ یہاں تک کہ اس سے زیادہ فتنہ انگیز وقت آیا اور دونوں فریقوں میں تشدد بڑھا، اس کے بعد اول بعض مقلدین کے تشدد کا بیان ہے اور ناقل صاحب نے صرف اس کو نقل کیا ہے، اور اس کے بعد یہ عبارت ہے در اور بعض اہل حدیث نے قیاس و تقلید کو مطلقاً حرام اور اقوال صحابہ و تابعین کو غیر مستند ٹھہرایا، اور ائمہ مجتہدین کو یقیناً خاطی و غاوی اور کل مقلدین کو مشرکین و مبتدعین کے ساتھ ملقب کیا، اور سلف پر طعن و اور خلع پر لعن اور انکی تجہیل و تہلیل و تحقیق و تفسیق کرنا شروع کیا، حالانکہ اس تقلید کا جواز جمع علیہ امت کا اور داخل عموم آیت

واستبع سبیل من اناب الی اور آیہ فاستلوا اہل الذکر از کتبہم لا تعلمون کے برخیز ہے پورا مضمون ملخصاً، اب ناقل صاحب سے کوئی پوچھے کہ اس میں تقلید شخصی کی حرمت و مذمت علی الاطلاق کہاں ہے، اگر تقلید غیر مشروع پر کلام ہو تو غیر مقلدین کی بھی مذمت اور ان پر ملامت ہے تو دونوں خبروں پر عمل کرو، اور اگر ہم کو منصف سمجھتے ہو، اور عمل ہی کا متمہ یہ بھی ہو کہ ایک اشتہار اور چھپو او جس کی یہ سرخی ہو کہ غیر مقلدین کی خدمت میں اشرف علی کی تقریر اور بعض غیر مقلدین مدعیان اتباع کی تبلیغ کے لیے نصاب ہماری زندگی میں ہم پر یہ افتراء اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے۔

۲۰۔ جہادی الثانیہ ۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۵۵)

سوال (۴۸۵) چھ روزہ شوال میں حکم حدیث صحیح مسلم من صام رمضان شش عید و قول امام شہد اتبعہ ستامن شوال کان کصیام الدھواتی مسنون و مستحب ہیں مگر امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ بہر حال خواہ متتابع خواہ متفرق عید الفطر کے بعد ہوں، مکروہ فرماتے ہیں چنانچہ عالمگیری فقہ معتبرہ حنیفہ میں مرقوم ہو ویکرہ صوم ستہ من شوال عند ابی حنیفہ متفرقا کان او متتابعاً انتہی، لہذا امام نووی رحمہ اللہ حدیث مذکور کی شرح فرماتے ہیں:-

هذا الحديث الصحيح القوي واذ ثبت السنة لا تترك لترك بعض الناس واكثرهم كلهم لها، انتہی، نووی جلد اول ص ۳۶۹

لہذا عرض ہے کہ ہم مقلدین کو مطابق ارشاد امامنا الاعظم رحمہ اللہ کے ان روزوں کو مکروہ سمجھکر نہ رکھنا چاہیے، یا حسب تصریح حدیث شریف عمل کرنا چاہیے، مگر ایسی صورت میں کہ مطابق حدیث صحیح صریح ہے قول امام چھوڑنے میں ترک تقلید تو لازم نہ آوے گا، کیونکہ تقلید تو مسائل اجتہادیہ میں ہوتی ہے، نہ منصوص میں، اور نیز حسب وصیت مجتہدین اذا صح الحدیث فہو مذہبی انہ کو اقوالی بقول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ترک تقلید بھی لازم نہیں آتی، کیونکہ اگر مسائل منصوصہ میں تو محل تقلید بھی نہیں اتباع حدیث حسب تصریح ماہر فن محدثین واجب ہے، اور اگر اسکو بھی تقلید ہی کہا جاوے تو حسب مقولہ ائمہ رحمہم اللہ میں ترک تقلید رکھی اور عمل بالسنة کو مکروہ و ناجائز جانا تو اندیشہ ہے کہ حسب تحذیر ائمہ و علماء مور و عتاب نہ ہو جاوے چنانچہ امام بن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد ۱ ص ۲۸۴ مطبوعہ مصر میں فرماتے ہیں ویستفاد من ذلك ان امر صلحنا اذ ثبت لم یکن لاحد ان یخالفہ ولا یتحیل فی مخالفتہ بل یجعلہ الاصل الذی یرد علیہ ما خالفہ لا بالعکس کما یفعلہ بعض المقلدین یغفل عن قولہ تعالیٰ فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ الا بیتہ انتہی،

اور داشتہ داشتہ شرک فی الرسالة میں بتلانی ہو جاوے، معاذ اللہ منہ۔ یہ عرض فقیر حقیر عرض
بنظر تحقیق و اخلاص پر مبنی سمجھ کر جواب با صواب سے ممتاز فرمادیں، فقط والسلام؟

الجواب، فی الدر المختار و ندب تفریق صوم الست من شوال و لا یکرہ التتابع
على المختار خلافاً للثانی حاوی و الاتباع المکره ان یصوم الفطر و خمسة بعده فلو افطر
الفطر لم یکره بل یتحب و یسن ابن الکمال فی رد المختار قوله على المختار قال صاحب الهدی
فی کتابه التجنیس ان صوم الستة بعد الفطر منهم من کرهه و المختار انه لا یاس به الی اخر
ما قال و اطال و قال و تمام ذلك فی رسالة تحوید الاقوال فی يوم الست من شوال للعلا
قاسم و قد رد فیها علی ما فی منظومة التبانی و شرحها من غررة الکراهة مطلقاً الی
ابی حنیفة و انه الاصح بانه علی غیر رواية الاصول و انه صحیح ما لم یسبقه احد الی تصحیحه
و انه صحیح الضعیف و عمد الی تعطیل ما فیہ الثواب الجزیل بدعوی کاذبة ثم ساق کثیر
من نصوص کتب المذهب فراجعها فافهم ج ۲ ص ۲۰۱ مصدق، و فی العالمگیریة بعد نقل
قول الکراهة و الاصح انه لا یاس به کذا فی محیط السرخسی ج ۱ ص ۱۲۹، فعلم بهذه النصوص
المذهبية ان القول بالکراهة لم یصح نسبتها الی الامام و انه دعوی بلا دلیل فلا یلزم
اشکال ترک الحدیث و لا ترک قول الامام لانه یوافق الحدیث،

، شوال ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیه ص ۱۷۴)

بیعت غائبہ | سوال (۴۸۶) آیا بیعت غائبانہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب، درست ہے، بدلیل بیعت عثمان رضی اللہ عنہ غائب،

۵ اردی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیه ص ۱۸۵)

متن دفع اللہ فی شناعة فلم الحج

فہم حج کا حکم | السؤال (۴۸۷) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج بہت مجبور ہو کر اپنی پریشانی کی
اطلاع عرض کرتا ہوں، کہ دو چار دن سے امرتسر میں ایک فلم (تماشہ کمپنی) آئی ہے، جس میں حج کے
ارکان و افعال کی تصویریں اور ان کا معائنہ کرایا جاتا ہے، امرتسر کے کل اہل علم نے فتویٰ دیا کہ یہ
تماشہ دیکھنا منع ہے، اور ڈپٹی کمشنر سے درخواست کر کے اس تماشہ کو منع کرایا گیا، شہر کے بعض مسلمان
اشخاص نے دوبارہ درخواست کر کے اسکو پھر جاری کرایا، اور اشتہار دیا کہ علماء نے غلطی کی کہ

اس کے دیکھنے سے منع کیا ہے، اس میں حج کا شوق پیدا ہوتا ہے، کوئی امر سوائے حجاج کی تصاویر اور حرکات و عبادات کے نہیں، اور ان امور کا دیکھنا مباح اور ثواب ہے،

اس اطلاع سے یہ عرض ہے کہ حضرت والا کوئی عنوان موثر اور کوئی آیت یا حدیث جس کی دلائل اس فلم اور تماشہ کی حرمت پر ہو اس کی تعلیم فرماویں؟

الجواب، السلام علیکم، اب تو ایسے رنج و غم کا وقت ہی ہے، کس کس چیز کو روایا جائے، پھر جب کہ اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں غم کا سامان جمع ہو، میری حالت تو معلوم ہے کہ اب محنت کا کام نہیں ہو سکتا، مگر کچھ متفرق امور اجمالاً ذہن میں آئے انہی کو کوئی صاحب علم مع ان اضافوں کے جو ان کے ذہن میں آویں مبسوط اور مربوط کر لیں۔

(۱) فقہار نے تصریح کی ہو کہ تعریف یعنی واقفین عرفات کی نقل بدعت ہے، حالانکہ وہاں دوسرے منکرات نہیں، (۲) فلم کمپنی کا آلہ ہولعب ہونا ظاہر ہے، اور آلات ہولو کو مقاصد دنیویہ میں برتن سخت اہانت و استخفاف ہے دین کا، حدیث میں جاریہ مغنیہ کا یہ کہنا و فینا بنی یعلم ما فی غد نہی عنہ قرار دیا گیا، چنانچہ بعض شراح نے یہ وجہ بھی لکھی ہے اور گو اس میں دوسرا احتمال بھی ہے، مگر اس توجیہ پر بھی کسی نے نکیر نہیں کیا، تو اس وجہ کے موثر ہونے پر اجماع ہو گیا، گو اس محل میں متحقق نہ ہو، اور یہی مبنی ہے کہ موفون سے تلاوت سننے کی ممانعت کا، اور قرآن مجید میں جماعت کفار کی اس پر مذمت کی گئی ہے، کہ اتخذوا دینہم لعبا ولہوا، اور دین سے اسلام مرا ہے، کما مر حوا، حالانکہ وہ ان کا دین بالقوۃ تھا، باعتبار وجوب قبول کے، سو جن کا دین بالفعل اسلام ہو، ان کا اس کی ساتھ تلعب کرنا کس قدر شنیع ہوگا، (۳) پھر اکثر افعال حج کے تعدی غیر مدرک بالقیاس ہیں اور مخالفین اسلام بھی دیکھنے والوں میں شامل ہوں گے وہ سخریہ و استہزار سے پیش آویں گے اور یہ لوگ اس کا سبب بنیں گے (۴) اس میں تصویریں استعمال اور ان سے تلبذیر ہوتا ہے، اور اس کے قبیح میں کسی کو کلام نہیں، گو عابدین ہی کی تصاویر ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تمثال جو بیت اللہ کے اندر بنائی گئی تھیں ان کے ساتھ جو معاً فرمایا ہو معلوم ہے (۵) نیز اس سے اہل ہوی اس رسم کے جواز پر استدلال کریں گے، جو چند روز سے ایجاد ہوئی ہے، کہ ایک خاص بقعہ میں جمع ہو کر حج کی نقل کرتے ہیں، ممکن ہے کہ ابتداء میں تحریک حج کی نیت ہو، مگر اب اچھا خاصہ حج سمجھا جانے لگا ہے جس کے مفاسد میں سب کا اتفاق ہے، اس میں اور اس میں فرق کس طرح سمجھایا جاوے گا، اور جب اس عمل میں اباحت بھی نہیں تو اعتقاد ثواب تو

قریب کفر ہوگا، نیز فقہار نے جارس کیلئے رفع صوت بالہتلیل کو غرض ایقان میں استعمال کرنے کو معصیت فرمایا ہے، حالانکہ طاعت اور مباح میں اتنا بعد نہیں جتنا معصیت اور طاعت میں ہے اور معصیت یعنی فلم کو ترغیب حج کا ذریعہ بنا نا کس قدر اشنع ہوگا، (النور رجب ۱۵ ص ۱۰۰) جواب شبہ بر قول فقہار کرام | سوال (۴۸۸) کوئی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ولا تلقوا الخ کے معنی یہ کہ ازید کُل مراد گرفتہ نمی شود | ہیں کہ تم باعث ہلاکت نہ بنو، اور یہ اس موقع پر ہے کہ صنا کنزالذائق یہ فرماتے ہیں کہ یذ اور یجی اور دیکر کو بول کر تمام جسم مراد نہیں لے سکتے، اس پر یہ سوال عائد ہو سکتا ہو کہ ولا تلقوا آہ کے موقع پر یذ بول کر تمام جسم مراد لیا ہے، تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اسکے معنی ولا تلقوا باییدیم تک یہ ہیں کہ باعث مت بنو اور الی التہلک کے معنی ظاہر ہیں، پس تمام آیت کے یہ معنی ہوئے کہ مت باعث ہلاکت بنو، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ معنی صحیح ہیں یا غیر صحیح اطلاع دیجئے؟

الجواب، آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں، اور نہ اس سوال کا جواب اس پر موقوف ہے، بلکہ جواب یہ ہے کہ فقہار کی تفصیل اس قاعدہ میں باعتبار لسان کے نہیں تاکہ اہل لسان کے کلام میں واقع ہونے سے اشکال ہو، بلکہ باعتبار عرف بلد متکلم کے ہے، پس یہ کہنا کیرند سے مراد ذات نہیں، مراد اس سے یہ کہ عام میں متعارف نہیں، چنانچہ اگر عام میں متعارف ہوگا تو معتبر ہوگا، کذا حقہ الشافی جلد دوم ص ۱۵۰، ۵ رجمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۳۸)

نذرانہ بعض نوکر کنائیدن | سوال (۴۸۹) سوار لوگ جو اپنی ذات سے گھوڑا خرید کر سرکار میں نوکر ہوتے ہیں وہ سلیحہ رکھتے ہیں، بعد نوکر ہو جانے کے بعض تو خود نوکری کرتے ہیں اور بعض اپنی طرف سے کسی کو رکھتے ہیں، جس کو بارگیر کہتے ہیں، اکثر سلیحہ اور وقت تقریر بارگیروں سے نذرانہ کے نام سے سوار و بیہ یا اس سے کچھ کم زیادہ لیتے ہیں اور بارگیر کو سرکار میں پیش کر کے نوکر رکھواتے ہیں، یہ نذرانہ سلیحہ داروں کو لینا حلال ہے یا حرام؟

الجواب، نذرانہ اگر بعض نوکر کرانے کے ہے تو حرام ہے، اور اگر اپنے گھوڑے کا کرایہ ہے تو درست ہے، مگر کرایہ میں بیان مدت شرط ہے، اگر یہ شرط پائی جاوے تو جائز ہے۔ فقط

۲۳ رجمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۰۱)

احکام ازہیں اسلام | سوال (۴۹۰) اس ملک برہما میں جتنے مسلمانوں نے برہمن شادی کی، اب ان میں سے شاذ و نادر کوئی کلمہ طیب و چند باتیں مسلمانی جانتی ہو اور سب کی سب نہ کلمہ طیب جانتی ہیں نہ مسلمانی کو کہ مسلمانی کیا چیز ہے، اور مرتے وقت امین امین یا تو پھپھا پھپھا کر کے مرتی ہیں

ایہ ان برہمیوں کے مرنے سے مسلمانوں کی عورت سمجھ کر جنازہ پڑھنا ہو گا یا نہیں؟
الجواب، اگر وہ عورتیں پوچھنے کے وقت اپنے کو مسلمان کہیں، اور اگر ان کے سامنے اسلام کے
 ضروری اصول (مثلاً خدا ایک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہیں، قیامت آنے والی ہے)،
 بیان کر کے پوچھا جاوے کہ تم ان باتوں کی قائل ہو، اور وہ کہہ دے کہ ہاں، تو اس کو مسلمان کہیں گے
 اور جنازہ بھی اس کا پڑھیں گے، اور اگر اتنا بھی نہیں تو وہ مسلمان نہیں، اور مسلمان مرد سے اس کا نکاح
 بھی درست نہیں، ۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (حوادث اول ص ۱۱۰)

تحقیق وجوب اقطاب درہ قریہ | سوال (۴۹۱)، فتوحات مکرمہ میں یہ عبارت ہے ما من قرية مومنة
 كانت او كافرة الا وفيها قطب، اس کا مطلب وضاحت و صراحت کے ساتھ تحریر فرمائیے، یعنی
 قریہ کے معنی گاؤں کے لئے جاویں گے یا شہر کے، اور قطب کا ہونا آدمیوں میں سے کسی یا غیر جنس سے
 اور گاؤں کے معنی لئے جاویں تو بظاہر ایسے قریہ بہت سے پائے جاتے ہیں کہ جہاں کوئی بھی ہدایت کر نیوالا
 معلوم نہیں ہوتا، یا یہ مطلب ہو گا کہ اس پاس کہیں ایک آدمی ایسا ہو کہ جو قطب کہلانے کے قابل ہو اور
 اس جوانب کے تمام قریوں کا خبر گیر ہو، غرض کہ قریہ و قطب کے جو معنی مراد ہوں تشریح کیسا تھا ارقام فرمائے جاویں؟
الجواب، اگر یہ عبارت فتوحات میں ہو تو ظاہر اقریہ سے مراد عام اور فیہا سے ظاہر ظرفیت ہے نہ کہ
 محض تعلق، اور قطب کے لئے انسان ہونا ضروری ہے، مگر بادی ہونا ضروری نہیں، البتہ ہمدی ہونا ضروری
 ہے، ایسے لوگ قطب التکوین کہلاتے ہیں، کبھی ظاہر ان کا خراب ہوتا ہے مگر باطناً وہ معتوہ ہونے کی وجہ سے
 مخدور ہوتا ہے، کبھی ان کا معتوہ ہونا بھی عام طور پر محسوس نہیں ہوتا، امید ہے کہ ان تعمیرات کے بعد
 کوئی شبہ نہ رہا ہو، ورنہ مکرر لکھئے، ۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۲۳)

تحقیق افضلیت دعاء بر ترک دعاء | سوال (۴۹۲) جب یہ بات مسلم ہے کہ کسی دعاء کی وجہ سے تقییر کی زیادہ
 وجوہات مشہدات متعلقہ آں، نہیں مل سکتا اور دعاء مانگنے میں اپنے انتخاب کو انتخاب خداوندی پر ترجیح دینا
 بھی لازم آ رہا ہے، کیونکہ اس کی طرف سے جو کچھ واقع ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ وہ صالح اور اوفق ہے، اور جو کچھ
 مانگ رہا ہے ممکن بلکہ غالب ہے کہ اس میں خیر نہ ہو، جیسے عسی ان تحبوا شیئاً و هو الخ سے ظاہر ہے،
 پس ترک دعاء عزیمت ہی نہیں بلکہ ضرورت معلوم ہوتی ہے اور محض اپنا افتقار ظاہر کرنا اس شبہ کا
 رافع نہیں، اس لئے کہ دعاء سے مقصود اس شے کی طلب ہے، ہاں تہماً افتقار بھی ظاہر ہو گیا، یہ نہیں کہ دعاء
 سے مقصود بالذات افتقار ہو، خصوصاً جب کہ حدیث میں ہے ادعوا للہ و انتم موقنون بالاجابة
 جس سے ظاہر ہے کہ مطلوب اپنی حاجت برآری و حصول شے مدغولہ ہے اور وہ بھی یقین بالاجابة کے ساتھ

مقرنین، جو بظاہر شاہنشاہ تسلیم کے معارض اور مصلحت خداوندی ہر اپنے انتخاب کو ترجیح دینا اور امر مقدر کے سوال کی صورت میں عبث اور غیر مقدر کے طلب کی صورت میں طلب و منتفع بالغیر ورنہ کم سے کم غیر اصلح لنفسہ کی طلب کو مشتمل ہے،

الجواب، اصل وجہ افضلیت دعا کی انہماک و انتہا کا نکتہ نہیں ہے، بلکہ نصوص صریحہ ہیں، باقی رفع مشبہہ کا یہ ہے کہ بعض اوقات یوں ہی مقدر ہوتا ہے کہ بانگے گا تو ملے گا، اور دعا میں بھی چونکہ اس پر اعتقاد لازم ہوتا ہے کہ اگر نہ ملا تو نہ ملنا ہی خیر اور اصلح ہو گا، اس لئے اپنی تجویز کی ترجیح تجویز خداوندی پر بھی لازم نہیں آئی، پس تفویض تسلیم بھی باقی رہی ورنہ دعا ہی کی کیا تخصیص ہے ایسے شبہات تو تمام اسباب و مسببات میں لازم آتے ہیں، تو کیا علی الاطلاق ترک اسباب کی فضیلت کا التزام کیا جاسکتا ہے،

۴۱ رجاری الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثالثہ ص ۳۲)

تحقیق تفاضل در تلاوت قرآن تعلیم احکام | سوال ۴۹۳ (جیسا قرآن شریف پڑھنے سے ثواب ملتا ہے ویسا ترجمہ اردو پڑھنے کا ثواب ملے گا یا نہیں، خاکسار کا ارادہ ایسا ہے کہ ایک دفعہ اردو ترجمہ اچھی طرح سے پڑھ لیں بعد میں جیسا قرآن شریف تلاوت کرتے ہیں کریں گے، حضور عالی کے حکم کا امیدوار ہوں؟

الجواب، پڑھنے کا تو ثواب قرآن کا زیادہ ہے، مگر سیکھنے کا ثواب ترجمہ کا زیادہ ہے، بعد سیکھ لینے مقدار فرض قرآن کے۔ ۴۸ رجادی الثانی ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثالثہ ص ۴۵)

تحقیق حکم ندایا سمی اللہ علیہ وسلم | سوال ۴۹۴ (ما قولکم ایہا العلماء المحققین دام فیضکم الی یوم الدین فی مسئلۃ ندائہ صلی اللہ علیہ وسلم باسمہ الشریف یا محمد و یا احمد هل هو حرام ام لا، واذ اقلتم بالاول فهل هو مختص بزمنہ علیہ السلام ام عام بجمیع الزمنۃ واذ اقترن بذلک النداء ما یقتضی التعظیم مثل یا محمد الوسیلۃ و یا محمد الشفاعۃ فهل تنفی الحرمۃ ام لا، بینوا بالادلۃ التفصیلیۃ علی وجہ یندفع الشبہا والاولیٰ ہام الواقعۃ فی ہذہ البلاد لبعض الانام توجروا من اللہ الملائک العلام،؟

الجواب، فی ندائہ صلی اللہ علیہ وسلم باسمہ بعد وفاتہ جہتان الاول نداء من حیث انہ نداء الغائب فهو لا یمہامہ اعتقاد علم الغیب واعتقاد حضور الغائب ینہی عنہ سوا کان باسمہ او بشی من القاب العظیمة والثانی نداء من حیث انہ نداء بالاسم فهو لکونہ سوء الادب ینہی عنہ ینتفی ہذا النہی لا ینتفع العلة اذا اقترن بہ ما یقتضی التعظیم کما ورنہ فی الحدیث من تعلیمہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ یا محمد الخ واللہ اعلم

۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۶۰)

سوال (۴۹۵) جس کھانے کا ثواب کسی بزرگ کی روح طیبہ کو بروح بزرگان رسائیدہ شو؟
 سے، حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے صدقہ کے بارہ میں غسانۃ الناس وادساخ الناس، الناس سے مراد مصدقین ہیں اور جس کی روح کو ثواب پہونچایا گیا وہ حکماً متصدق ہے، اور بزرگوں کا ظاہر جسم کا میل کچیل متبرک ہوتا ہے تو باطن اُن کا جو جسم سے بدرجہا پاک اور نفیس ہے، اُس کا میل ظاہر کے میل سے بدرجہا قابل تبرک ہوگا؟

الجواب، اے اڈل تو جس کو ایصال ثواب کیا گیا وہ متصدق نہیں متصدق عنہ ہے، دوسرے غسانۃ وضو کا تبرک ہونا، اگر اس کا عموم تسلیم کیا جاوے تو جس بدن کے ہے، گو وضو نہ کیا جاوے وہاں روح سے کسی چیز کا مس نہیں ہوتا، اور مطلق تلبس کا موجب تبرک ہونا غیر ثابت، اور اگر عموم تسلیم نہ کیا جاوے جیسا فقہار کے اختلافات فی النجاستۃ والطہارۃ سے یہ معلوم ہوتا ہے، اور حدیثوں سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آب وضو کا تبرک ہونا ثابت ہوتا ہے، اس صورت میں سوال اصل ہی سے منقطع ہے۔ ۲۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۶۵)

سوال (۴۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین جواب مسئلہ ہذا کہ فرعون والی مصر نے ڈوبتے وقت کہا کہ انا من المسلمین، چنانچہ محی الدین ابن عربی نے اس کو اپنی تصنیف میں تحریر کیا ہے کہ فرعون نے بوقت مرگ اظہار ایمان کیا ہے، کیا عجیب ہے کہ وہ ایمان قبول ہو گیا ہو حالانکہ اگلی آیات میں اس کی نفی خود موجود ہے کہ الان وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین اور فالیوم ننہیک ببذاتک الخ فرعون کی نسبت بھی آیا ہے کہ جو مطمئن کرتا ہے کہ اس کا سوراخ نہ ہوا، اور وہ ایمان قبول نہ ہوا، مگر تابعین فلاں بدعتی کے تقریر کرتے ہیں کہ یہ دونوں آیتیں صرف زجر و تنبیہ پر دال ہیں نہ کہ نفی ایمان پر، کیونکہ مجرم پر جو دابر و گیر ہوتی ہے وہ تنبیہ ہوا کرتی ہے، اور فرقہ بدعتی گو پرست کہتا ہے کہ دوسری کوئی آیت یا حدیث شریف یا روایات فقہ جیسے راوی ثقہ ہوں تقریر میں پیش کرو، کہ جو قاطع تقریر ہوں کہ اس کا ایمان قبول نہ ہوا، پس التماس ہے کہ علمائے دین اس کا جواب دلائل کے ساتھ تحریر فرمادیں، بینوا تو جبر و افقظ؟

الجواب، کتب عقائد میں مصرح ہے کہ نفیوں ظواہر پر محمول ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو نفیوں و آیات قرآنیہ فرعون کے بارہ میں وارد ہیں، اگر ان کو ایک زبان داں عالم مشرائع کے رد و رد و جو کہ ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول مشہور سے خالی الذہن ہو پڑھا جاوے وہ بلا کسی

شک و شبہ کے کفر و فرعون کے دوام و لزوم پر صریح دلالت سمجھ گاہ، پس بنا بر قاعدہ مذکورہ کتب عقائد اسی کے موافق اعتقاد واجب ہوگا، اور اگر کسی موثق بہ سے اسکے خلاف منقول ہوگا، اس کو نصوص کی طرح راجع اور اس کو نصوص کے تابع بنایا جاویگا، نہ کہ بالعکس، اور اگر راجع نہ ہو سکے گا تو اس نقل اور نسبت کی تکذیب کی جاوے گی، پس شیخ کی عبارت اگر پوری دیکھی جاوے تو معلوم ہو، آیا اس کا مؤول کرنا ممکن ہے یا نہیں، اگر ممکن نہ ہوگا تو اس نسبت کی تغلیظ کریں گے، اور آماد امت کے کلام میں یہ امر مستبعد نہیں، چنانچہ شیخ عبد الوہاب شعرانی نے اپنی کتاب الیواقیت والحواہر میں اسی کو اختیار کیا ہے، اور اس کا قرینہ یہ ذکر کیا ہے کہ شیخ کی آخر تصانیف فتوحات ہر اور فتوحات میں فرعون کا مغلذ فی النار ہونا مصرح ہے، پس اگر وہ پہلا قول شیخ کا واقع میں بھی ہو تو اس سے رجوع کا تائل ہونا ضروری ہے، اور یہ احتمال کہ یہ دونوں آیتیں صرف زجر و توبیح پر دال ہیں الغرض بالکل تو اعدہ شرعیہ قطعہ کے خکلاف ہے، کیوں کہ جب یہ توبہ عن الکفر تھی، اور اسلام کا اثر ہے انہ یهدم ما کان قبلہ، پھر زجر و توبیح کس بات پر رہی اور اگر ایسا ہی احتمال غیر ناشی عن دلیل معتبر ہو کرے تو اگر کوئی دوسری نص بھی پیش کی جاوے گی، ایسے احتمالات تو اس میں بھی نکل سکتے ہیں، پھر تو کسی کافر کا کفر بھی نص سے ثابت نہ ہوگا، خود قرآن مجید میں ابلیس کی خشیت من اللہ جو کہ نبھ قرآنی خواص علم و ایمان سے مذکور ہے،

قال تعالیٰ فی الانفال حاکماً عنہ اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ، اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَفِیْ سُوْرَةِ الْحَشْرِ

اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

اور اس کے بعد اس کے غلو کا مضمون ہے، اس میں یہ احتمال نکال لیا جاوے گا کہ غلو یعنی ابدیت نہیں ہے، بمعنی مکث طویل ہی، اور یہ زجر انرا دیا ہے تو کیا ایمان ابلیس کا کوئی التزام کر سکتا ہے! تبرعات دوسری آیات و روایات بھی تائید کے لئے نقل کئے دیتا ہوں :-

قال اللّٰه تعالیٰ واستکبر هو و جنوده فی الارض بغیر الحق و ظنوا انهم الینا لا یرجعون، فاخذتہ و جنوده فنبذنہم فی الیم، فانظر کیف کان عاقبة الظالمین و جعلنہم ائمة یدعون الی النار و یوم القیمة لا ینصرون، و اتبعنہم فی هذه الدنیا لعنة و یوم القیمة هم من المقبوحین،

ان آیات میں فرعون و اہل فرعون کا عقیدہ کفریہ، الینا لا یرجعون، اور ان کا لقب ظالم جو بوقت عدم معارض کے قسراً ان میں معنی کافر آتا ہے اور پھر اس کفر کا لزوم آخر وقت تک جس پر عاقبت کا لفظ دال ہے، اور ان کا نار ہی ہونا جو کہ موت علی الایمان کے منافی ہے، اور ان کا غیر متصور قیامت میں ہونا

جو عام ہے، عدم نصرت من اللہ کو بھی جو مستلزم ہے عدم مغفرت کو، اور اُن کا ملعون و مقبوح ہونا جو موت علی الایمان کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتا، یہ سب مضامین منصوص ہیں، اس کے بعد موت علی الایمان کا کیا احتمال رہا، کیا کوئی مدعی ایمان فرعون کا ایسی کوئی آیت یا روایت کسی دوسرے مومن کی شان میں جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو یا موت ہی کے وقت وہ ایمان لایا ہو دکھلا سکتا ہے، ایمان لانے سے تو وہ ممدوح و محمود و مقبول و مرحوم ہو جاوے گا، پھر اُن کے افساد کا حکم اُن پر کیسے ہوگا،

وقال تعالى وحق بال فرعون سوء العذاب، النار يعرضون عليها غدواً و
عشيّاً، و يوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب،

کیا کسی مومن عند الموت کے لئے اشد عذاب کی وعید آئی ہے، اور احمد و داری و بیہقی نے بے نزاری کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کی ہے کہ وہ فرعون، ہامان، قارون و ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا، اس روایت میں فرعون کو دوسرے کفار متوفین علی الکفر کی فہرست میں شمار کرنا، اور اسے وعید کو شدید کرنا کیا اس کے موت علی الکفر پر متبادر دلالت نہیں کرتا، کیا کسی ایسی وعید میں کوئی کسی مسلمان کے ساتھ تشبیہ الحاق دکھلا سکتا ہے بس بات تو بالکل ظاہر ہے باقی کچھ کا کوئی علان ہی نہیں،

۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ، ص ۴۷)

سوال (۴۹) ایک شبہ یہ ہے کہ رسالہ نہایت الارشاد میں مولانا نے شیخ محمد الدین ابن العربی کے کلام اور نص قرآنی کے اند جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا تھا (کیونکہ نصوص الحکم کی عبارت سے ایمان فرعون کا مفہوم ہوتا ہے، عباسی، فقبضہ طأهرا مطهرا لیس فیہ شیئ من الخبیث لانہ قبضہ عند ایمانہ قبل ان یکتسب شیعنا من الاثام والاسلام یجب ما قبلہ، اور قرآن شریف میں: الان وقد عصیت قبل استغیام انکاری ہے، نیز وقت نزاع کے دوسری آیت سے جو لیست التوبۃ الیہ کا جزا خیر ہے، ایمان کی نفی مفہوم ہوتی ہے) مولانا موصوف نے اس تعارض کے متعلق لکھا ہے کہ عالم شہادت عالم غیب یا عالم مثال میں ایک کاثبوت ہے، اور دوسرے عالم میں اس کی نفی ہے، وحدت مکان و زمان جو تناقض شرط ہے متحقق نہ ہوئی، اسلئے تعارض نہیں، یہ تطبیق اُن کے ذہن میں نہیں آتی، کیونکہ ظاہر عبارت نصوص کی بھی ابا رکرتی ہے، جناب سے اس تطبیق کو سمجھنا چاہتے ہیں، مگر واقعی مشبہ یہ ہوتا ہے کہ تعارض معلوم ہوتا ہے، بعض شراح نصوص الحکم نے تطبیق یہ دی ہے کہ فرعون کا ایمان لانا بعض امور آخرت کا وقت النزاع منکشف عیاں ہونا جو جانے کی وجہ سے ہے، اسی کی امنت سے خبر دیتا ہے، لہذا یہ ایمان معتبر نہیں ہے، مگر نصوص کی عبارت اسکو بھی قبول نہیں کرتی چنانچہ قبضہ طأهرا

مطہر الخ وال ہے، کیا واقعی کوئی صورت تطبیق کی ہے؟

الجواب، اضمیمہ جواب بالا، اگر یہ عبارت شیخ ہی کی ہو تو معنی یہ ہیں کہ مقصود ایمان کا حکم کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے احتمال کا حکم کرنا ہے، مطلب یہ کہ بعض الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے، مگر تعبیر میں تسامح ہو کہ محتمل کو بصیغہ واقع بیان کیا، گویا ان جملوں کے آخر میں ظاہر کی تین مرادیں، قرینہ اس کا یہ ہے کہ اسی جگہ ایسی بھی عبارت ہو و امر ہو کول الی اللہ تعالیٰ، اگر صحت ایمان کی یقینی ہے تو اس جملہ کے کیا معنی، نظیر اس کی حکم بایمان اجداد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، باوجود ضعف دلائل کے، اور آپ اس قصہ میں کیوں پڑے، کیا کسی ضروری امر کا موقع علیہ ہو، اگر ہم فصوص کا بمقابلہ نصوص کے انکار ہی کریں تو کون امر مانع ہے، غایت مافی الباب شیخ کی شان میں گستاخی نہ کریں، ہم قسم ان میں غلطی کے قائل ہو جاویں۔ شعبان ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۵۳)

سوال (۴۹۸) مشہور ہے کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجہ کفر کی ہوں اور معنی عدم تکفیر دریک وجہ اسلام | **ایک وجہ اسلام کی تو اس پر کفر کا فتویٰ دینا نہ چاہئے، تو شائع علیہ الصلوٰۃ و النواہ و نہ وجہ کفر** والسلام نے بہت سے کلمات کو کفر کیلئے وضع کیا ہے تو پھر کلمات کفر کو کفر کے لئے وضع کرنے سے کیا فائدہ اگر محض زجر مقصود ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ فی زمانہ بڑے بڑے عالم بعض لوگوں کو ذرا ذرا سی بات پر بلکہ حقیقت میں کلمات کفر کے ارتکاب پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں، اس فتوے کو کس پر محمول کرنا چاہئے؟

الجواب اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ننانوے باتیں کفر کی موجب پائی جاویں تب بھی فتویٰ نہ دیں گے ننانوے تو بہت ہوتی ہیں، اگر ایک امر بھی موجب کفر یقینی پایا جاوے، تب بھی فتویٰ دیدینگے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ خود اس امر میں بہت سے احتمال ہیں، بعض احتمالات پر تو وہ موجب کفر ہے، اور وہ احتمالات ننانوے ہیں، اور بعض احتمال پر وہ موجب کفر نہیں اور وہ ایک ہے، تو اس صورت میں اس امر کو محمول اسی احتمال پر کرینگے جو موجب کفر نہیں، اور تکفیر سے احتیاط کرینگے۔

۱۲ سوال ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثالثہ ص ۹۰)

ابطال تاویل جسہ مثالی در معراج سوال (۴۹۹) ایک مسئلہ کے متعلق گزارش ہے جناب والا ارشاد فرماویں تاکہ اطمینان ہو، عالم سیدوخ کے عذاب و ثواب کے متعلق جناب نے غالباً زبانی بھی ارشاد فرمایا ہے اور بعض کتب میں بھی تحریر کیا ہے کہ جسہ مثالی کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے اسلئے اگر جسہ حستی پر آثار ظاہر نہ ہوں تو مشبہ کی گنجائش نہیں، اسلئے اگر منکرین یا مخالفین کے مقابلہ میں معراج کی نسبت بھی یہی توجیہ کی جائے تو کسی نص کی مخالفت تو لازم نہیں آئے گی، اور اس توجیہ کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں، اگرچہ یہ توجیہ

ظاہر نصوص کے خلاف معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اسٹوری بقیدہ الفاظ حدیث سے متبادر جسدِ حسی کے ساتھ جانا ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ معراج کا واقعہ ایسا ہے جس کو عالم برزخ کے ساتھ زیادہ تعلق ہے، غرض کہ بفضلہ تعالیٰ و ببرکت صحبت جناب جسدِ حسی کے ساتھ معراج ہونے میں عاجز کو مشبہ نہیں، صرف اطمینان قلبی کے لئے دریافت کرنا ہے کہ یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب ما عقائد میں مقرر و مسلم ہے کہ نصوص کو ظواہر پر محمول رکھنا واجب ہے، جب تک کوئی صارف عقلی یا نقلی نہ ہو، سو معاملات برزخ کے متعلق تو عامل علی التاویل متحقق ہے کہ ہم بدن مضمری کو ان آثار سے خالی مشاہدہ کرتے ہیں، بخلاف خبر معراج کے کہ وہاں کوئی صارف عقلی یا نقلی موجود نہیں، اسلئے وہاں صرف کسرنا بدعت اور منکر ہوگا، ۴۲۲ یقعدہ ۳۳۲ (تمتہ ثالثہ ص ۹۷)

سوال (۵۰۰) دارث دین مبین ایدہ اللہ بنصرہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، درخا صلی اللہ علیہ وسلم امام نبود یک واقعہ عظیمہ افتادہ کہ در مقلے بحث دریں سخن افتاد کہ ہر گاہ قوم برائے جماعت تیار شد و امام آن قوم تیار نبود، انتظار امام کنڈیانہ بعض گفتند انتظار کنند و بعض گفتند انتظار نہ کنند، زیر کہ در نماز صبح عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کرد و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم برکت دوم رسید بعد ادا کے صلوة فرمود اصبتم احسنتم، دریں ولا مردیکہ امام آن مقام بود گفت کہ رسول خدا امام نبود و ایں حادثہ بعد صلوة عصر بود کہ ہنوز قوم جملہ نشستہ بودند، حالاً مقدمہ عظیمہ دریں امر بہت کہ ایں لفظ بہت است یا نہ، بعض علماء گویند کہ امامت صغریٰ و کبریٰ برائے رسول خدا متواتر بہت و انکار متواتر کفر و خصوصاً امرے کہ منسوب بذات مطہرا و باشد بہت است، زیر کہ لفظ امامت قطع نظر از امور دیگر بلحاظ معنوی لغوی نیز وصفی از اوصاف عالیہ بہت کہ انکار او کفر بہت و نیز قرینہ و دلالت الحال شاہد حال بہت زیر کہ ایں مرد قائل قدرے سُست و قوم چست بود، ایں امام خود را فوقیت معنوی ثابت کردہ کہ ما امام انتظار مانی شود و رسول خدا امام نبود ازیں وجہ انتظار اونمی شد،

فرقہ دوم می گوید کہ ایں لفظ بہت نیست زیر کہ مراد از امامت امامت زمانہ حال است، کہ درجہ او و عزت او معلوم بہت، و نیز قائل می گوید کہ ما قصد تخفیف و اہانت نہ داشتیم بلکہ از کسیہ شنیدہ بودم و قصد در معاملہ بہت شرط بہت و نیز قائل از امامت رسول خدا خبر نبود اگرچہ قدرے علم داشت لکن ازیں مسئلہ جاہل بود و جاہل نیز نیز و بعضے غدر بہت و افتار بر کفر مسلمان ہما اکمن جائز نیست اگرچہ بروایت ضعیفہ عمل باشد یا غیر مذاہب اربعہ باشد، کما صرح بہ فی الحموی و الثانی و غیر ہما من کتب الفقہ، جواب فرقہ اولیٰ مراد از امامت امامت زمانہ ماضی بود زیر کہ بود ماضی بہت نہ زمانہ حال، انصران لفظ

از حقیقت بلاقرینہ خلاف قواعد علم ہست و قائل مذکور لفظ امام نبود گفتہ و قصد ابانت و تخفیف شرط نیست چنانچہ فاضل چلی و غیرہ گفتہ در مسائل سب و ان ظہر بدلیل حالہ انہ لم یصح ذمہ و لم یقصد سبہ و برحاکی جنیکہ اسم محلی عنہ یاد نہ کند و تقریر خود تمام کند ہماں حکم است کہ حکم قائل ہست کما صرح بہ الملا علی قاری و غیرہ و ایں امام روز دیگر گفتہ کہ از سوال شد کہ ایں سخن در کدام کتاب دیدہ یا از کسے شنیدہ گفت از کسے شنیدہ و در ایں وقت بلکہ در ایں روز ہم نگفتہ و جہل در عقائد و کہ رجوع او بہ سب و کفر باشد غیر نیست چنانچہ فاضل چلی و غیرہ می فرماید،

لا یبذراحد فی الکفر بالجهالة ولا بک دعوی رجل اللسان اذا کان عقله فی اصل فطرته سلیم الا من اکره و قلبه مطمئن بالایمان ،

پس ہرچہ آن و الاجادہ ہستم دین رسول اللہ را حق و ثواب معلوم می شود ایں سائلین را بر جواب مستطاب ممنون فرمایند کہ ایں لفظ سب ہست یا نہ ، اجر کم علی اللہ و صلکم الی ما یحب و یرضاه تا کہ حسب الارشاد تحصیل کردہ شود، نیز اگر حضور عالی فتویٰ چند علماء محققین ہمراہ افتار خویش مفارن فرمایند احسان فوق الاحسان باشد، والسلام علی من اہتم فی الاسلام، ؟

الجواب، کلام محتمل و صحیح اگرچہ با حتمال بعید باشد موجب کفر نمی شود و در ایں جا کلام مذکور محتمل ایں معنی است کہ امامت حضور اگرچہ واقع بود مگر مقصود و ملتزم نبود بلکہ تابع نبوت و لازم بود چون تقدم کسے در حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاف ادب بود بدین وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقدم می بودند و دعوی ثانیہ اش ایں است کہ وجوب انتظار مقتضائے امامت مقصودہ و ملتزم است نہ مقتضائے امامت لازم و تابعہ، پس ایں ہر دو مقدمہ خواہ محل کلام باشند، لیکن در منع از کفر کافی است،

۶ رذی الحجۃ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۱۴)

تحقیق حکم بعض مغلوبین | سوال (۵۰۱) بذیل حکایات (۳) مندرجہ الامام و جمادی الاخری ۱۳۳۰ھ، الزام (۴) کے جواب میں اس شخص کے حکم نقی سے تعرض نہ کرنے کی وجہ ذکر کر کے حضرات اہل علم کے فتاویٰ کا خلاصہ نقل کر کے وعدہ کیا گیا تھا، کہ کسی موقع پر ان کو بعینہا مع ایک مفصل تحریر ایک صاحب علم کی مرتب کر کے اگر کوئی صاحب شائع کرنے کیلئے مانگیں گے دیدیئے جاویں گے ۱۱ صفحہ ۲۳، چنانچہ اب موقع اس کا آگیا، اس فصل میں اس وعدہ کا ایفادہ ہے، اور وہ مشتمل ہے چند اجزاء پر،

جزو اول، سوال متعلق واقعہ جزو دوم، جواب بہار نیور، جزو سوم، جواب دیوبند، جزو چہارم، جواب سوال متعلق اصل جواب از دیوبند، جزو پنجم، جواب دہلی معہ ضمیمہ،

جزو ششم۔ تحریر صاحب علم موصوف بالا،

(نوٹ) اس مقام پر حکایت مذکورہ کے خاتمہ کی اس عبارت کو جس کا حاصل اپنی رائے کو ان فتاویٰ میں دخل نہ دینا اور ان فتاویٰ کو باعیا نہ نقل کر کے سبکدوش ہو جانا ہے، الامداد سے کمر نقل کرتا ہوں، اب میں اس باب علماء کی تحقیقات کو (جن میں بعض میرے اس شخص کو معذور سمجھنے کی بنا پر حکم فقہی سے تعرض کے ضروری نہ جاننے کی من کل الوجہ مؤید ہیں) ظاہر کر کے سبکدوش ہوتا ہوں، اب علماء اپنی تحقیق سے اور عوام اپنے معتقد فیہ علماء کی تقلید سے اور اسی طرح صاحب واقعہ بھی ان فتوؤں کی تنقیح سے حکم فقہی معلوم فرمائیں، ۱۸ شوال ۱۳۳۶ھ

جزو اول سوال متعلق واقعہ

۷۸۶

ایک شخص کہتا ہے کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتا ہوں، لیکن محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ زید کا نام لیتا ہوں، اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف پڑھنے میں، اس کو صحیح پڑھنا چاہئے، اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں، دل پر تو یہ ہو کہ صحیح پڑھا جاوے لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام زید نکلتا ہے، حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں، لیکن بے اختیار زبان سے ہی نکلتا ہے، دو میں بارجب ہی صورت ہوئی تو زید کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں، اور بھی چند شخص اس کے پاس تھے، لیکن اتنے میں میری یہ حالت ہو گئی کہ کھڑا کھڑا بوجہ اس کے کہ رقت طاری ہو گئی زمین پر گر گیا، اور نہایت زور کے ساتھ ایک چیخ ماری، اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ میرے

عہ البتہ کہیں کہیں ایک پہلو کے ساتھ دوسرے پہلو کا پتہ حاشیہ پر اسلئے دیدیا ہے کہ اہل علم کو دونوں پر نظر کر کے یہ تم میں سہولت ہو بدوین اس کے کہ ایک پہلو کو دوسرے پہلو پر ترجیح دی جائے ۱۲

عہ اس مقابلہ اس حاشیہ کا ارادہ ضروری ہے جو الامداد جلدی الاخر نے ۳۶ ص ۳۷ کی سطر اخیر پر ہے، وہی ہندہ اور اصل مدعا میں یہ سب فتویٰ متحد میں یعنی ۱۷ عدم حکم بالارتداد سے بقار نکاح زوج یعنی عدم بیعتہ زوجہ سے عدم جواز نکاح زوجہ از زوج ثانی، اور جو امور زائد اصل المدعی میں مثلاً امر بتجدید ایمان و نکاح احتیاطاً، ان میں گو نہ اختلاف یہ معتد بہ اختلاف نہیں پس ان فتوؤں کے باہم متخالف ہونے کا شبہ نہ کیا جائے ۱۲

اندہ کوئی طاقت باقی نہیں رہی، اس لئے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا۔ لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی، اور وہ اثر تا طاقتی بدستور تھا، لیکن حالت خواب و بیداری میں زید کا ہی خیال تھا، لیکن حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جاوے اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے، بایں خیال بندہ بیٹھ گیا، پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں، لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ اللہم صل علی سیدنا و نبینا و مولانا زید، حالانکہ اب بیدار ہوں، خواب نہیں، لیکن بے اختیار ہوں مجھ ہوں زبان اپنے قابو میں نہیں، اس روز ایسا ہی کچھ رہا، تو دوسرے روز بیداری میں رقت رہی خوب رویا، اتنی اس واقعہ کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں، ان کے متعلق جو حکم شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التسلیم کا موصاف اور مدلل ارشاد فرمایا جاوے،

نکسیر: صاحب واقعہ کے بیان سے بالکل واضح طور پر ظاہر ہے کہ وہ خواب میں تصدیح کلمہ پڑھنے کا کرتا تھا مگر اس کی زبان سے بلا قصد و اختیار غلط کلمہ نکلتا تھا، نیز اس کے الفاظ و اسنے میں خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف کے پڑھنے میں اتنی ظاہر کر رہے ہیں کہ غلط کلمہ پڑھنے کے وقت اسے اس غلطی کا احساس نہ تھا، پھر باوجودیکہ یہ حالت خواب تھی اور وہ اس حالت میں اگر با اختیار متخیل بھی غلطی کرتا جیسے کہ کوئی خواب میں اپنے اختیار متخیل سے زنا کرے تو وہ حکم رفع القسم عن نلتہ الخ معذور تھا، لیکن وہ اپنے حسن اعتقاد کی بنا پر بلا شعور اور بلا اختیار بھی اس غلطی کو اچھا نہیں سمجھتا، اور شعور و احساس غلطی کے بعد خواب ہی میں اس کا تدارک کرنا چاہتا ہے، اور تصحیح کلمہ پڑھنے کا قصد کرتا ہے، مگر وہ اس کا خیالی شعور و اختیار پھر فنا ہو جاتا ہے، اور بلا اختیار و شعور اس سے یہی غلطی سابق سرزد ہو جاتی ہے، اور جب کہ وہ بیدار ہوتا ہے تو وہ اپنی خوش اعتقادی کی بنا پر اس کو بھی گواہ نہیں کرتا کہ خواب میں بھی اور بلا شعور و اختیار بھی میری زبان سے الفاظ خلاف شریعت نکلیں، اور اس لئے پھر اس غلطی کا تدارک کرنا چاہتا ہے، مگر وہ پھر مسلوب الاختیار ہو جاتا ہے اور بلا قصد اور بلا اختیار اس سے اسی غلطی کا صدور ہو جاتا ہے، غرض کہ وہ اپنی صحت اعتقاد کو صاف صاف لفظوں میں ظاہر کرتا ہے، اور اس کے کسی لفظ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کے عقیدہ میں کوئی غلطی ہے، بلکہ اس کے بیان سے اس کا کمال خوش عقیدہ ہونا اور اپنی غلطی غیر اختیاری پر بھی سخت متوحش اور نادام ہونا ظاہر ہوتا ہے، اور جس غلطی کا وہ اقرار کرتا ہے اسکی نسبت وہ کہتا ہے کہ مجھ سے بلا میرے کسی قصد اور بلا کسی اختیار کے صادر ہوئی، ایسی حالت میں آیا

اس کو دعویٰ بطلان شعور و قصد و اختیار میں صادق سمجھا جائے گا یا کاذب، اگر کاذب سمجھا جائے تو کیوں، آیا اس لئے کہ عقلاً یا شرعاً ایسا ہونا ناممکن ہے یا کوئی اور وجہ ہے، جو صورت ہو اس کو موجب بیان فرمایا جائے، اور اگر صادق سمجھا جاوے تو پھر اس کا سقوط قصد و اختیار و سقوط غیر شرعی قرار دیا جاوے گا یا نہیں، اگر اس کو غیر شرعی نہ قرار دیا جاوے تو اس کی کیا وجہ ہے حالانکہ اصول امام فخر الاسلام ہر دو ص ۴۴ میں ہے ان السكران اذا تكلم بكلمة الكفر لم تبين منه امرأته استحساناً،

اور صاحب کشف نے اس کی شرح میں لکھا ہے :-

وجه الاستحسان ان الردة تبني على القصد والاعتقاد ونحن نعلم ان السكران غير معتقد لما يقول بدليل انه لا يذكر بعد الصحو وما كان غرقاً عقد القلب لا تنسى خصوصاً المذاهب فانها تختار عن فكر وروية وعما هو الاحق من الامور عندنا واذا كان كذلك كان هذا عمل اللسان دون القلب فلا يكون اللسان معبراً عما في الضمير فجعل كانه لم ينطق به كما لو جرى على لسان الصالحى كلمة الكفر

سقوط شعور کا حکم اصلاً حالت منام کے اعتبار سے ہی اور حالت یقظہ کے اعتبار سے دلالت اس طرح سے کہ صاحب واقعہ کہتا ہے کہ خواب میں دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ زید کا نام لیتا ہوں، اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوتا ہے کہ تجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف پڑھنے میں، اور اس کے ان الفاظ سے کہ اتنے میں خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی ظاہر ہوتا ہے کہ اول مرتبہ غلطی کے وقت اسے اس غلطی کا احساس نہ تھا اور بعد کی غلطیوں کا منشاء بھی حالت اولیٰ کے مماثل حالتیں تھیں، اس لئے ظاہر ہو ہی ہے کہ ان میں بھی اسے اس غلطی کا احساس نہ ہو، اور اس نفی شعور سے اس شعور کی مراد ہی جو معتد بہ ہو، ورنہ فی الجملہ شعور تو سکران اور مجانین اور معتویہ میں کو بھی ہوتا ہے جو کہ ناقابل اعتبار ہوتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ مسائل کے بیان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی یہ حالت جو منشاء غلطی تھی مستمر نہ تھی بلکہ دورہ کے طور پر طاری ہوتی تھی، اس وقت اس کا اختیار و شعور باطل ہو جاتا تھا، اور جب وہ حالت زائل ہو جاتی اس وقت شعور وغیرہ خود کمر آتا تھا، لیکن چونکہ حالت طاریہ میں شعور بالکل باطل نہ ہوتا تھا، اس لئے بعد افاقہ اسے خیال ہوتا تھا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، جیسا کہ بیداری کے بعد آدمی کو خواب کے واقعات یاد آتے ہیں اور یاد آنے کے بعد وہ پھر اس غلطی کا تذکرہ کرنا چاہتا تھا، مگر اس پر پھر دورہ پڑتا تھا اور وہ پھر مجبور ہو جاتا تھا، رہی یہ بات کہ اس دورہ کا سبب کیا تھا آیا جسمانی یا خارجی اسکی تعیین نہیں ہو سکتی واللہ اعلم

خطا کیف ولا ینجو سکران من التکلم بکلمۃ الکفر عادیۃ و هذا بخلاف ما اذا تکلم بالکفر
 هازلّا لانه بنفسه استخفاف بالدين وهو کفر وقد صدر عن قصد صحيح فيعتبر وقتساک
 بعضهم بماروی ان واحد امن كبار الصحابة سکر حین کان الشرب حلالاً فقال
 لرسول الله صلى الله عليه وسلم هل انتم الاعیادی وعبید ابائی ولم يجعل ذلك منه
 کفراً وقرأ سکران سورۃ قل یا ایہا الکفر من فی صلوۃ المغرب وترك اللات فتزل قوله
 تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا لا تقرؤوا الصلوۃ ولم یحکم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکفره ولا
 بالتفریق بینہ وبين امرأته ولا بتجديد الایمان فدل ان بالتکلم بکلمۃ الکفر فی حال
 السکر لا یحکم بالحدۃ کما لا یحکم بها فی حالة الخطاء والجنون فلا تبین منه امرأته و
 لقائل ان یقول هذا التمسک غیر مستقیم ہنا لان کلامنا فی السکر المحذور وکان
 ذلک السکر مباحا لان الشرب کان حلالاً ففیورثہ عذرنا فی عدم اعتبار الحدۃ لا یدل
 علی صیورۃ المحذور عذرا فیہ، انتهى

اس عبارت سے صراحت معلوم ہو گیا کہ اگر کسی کی زبان سے کلمہ کفر نکلے، مگر وہ نہ دل سے اس کا
 اعتقاد رکھتا ہو اور نہ اس نے بقصد و اختیار صحیح وہ کلمہ کہا ہو تو ایسے شخص پر روت کا حکم نہ کیا جاوے گا،
 خواہ منشا اس کا سکر ہو یا خطا یا جنون یا کچھ اور، کیونکہ مناط حکم عدم مواطات قلب باللسان و عدم
 قصد و اختیار صحیح قرار دیا گیا ہے نہ کہ خصوص سبب، لیکن بعض کے نزدیک صرف اتنی قید اور ملحوظ ہے
 کہ سبب مزیل اختیار منظور شرعی نہ ہو، اس تحقیق مناط کے بعد صاحب واقعہ کی معذوری ظاہر ہے
 کیونکہ وہ خود اس کا اختیاری نہ تھا، پس ایسی حالت میں اس کو معذور نہ کہنے کی کیا وجہ ہے اور جب کہ
 سکران کو معذور قرار دیا جاتا ہے حالانکہ اس نے اپنے اختیار کو ایک سبب اختیاری کے ذریعہ باطل
 کیا ہے، تو وہ شخص کیوں نہ معذور ہوگا جس کے اختیار کو زوال اختیار میں بھی دخل نہ تھا، یا جب کہ
 سکران کے عدم مواطات قلب ثابتہ بدلائل الحال کا اعتبار کیا جاتا ہے، تو ایسے شخص کے عدم مواطات قلب
 کا کیسے انکار کیا جاوے گا، جو ہزار زبان اس کلمہ کفر سے بیزار ہی ظاہر کر رہا ہے، اور جبکہ غلطی کو معذور قرار
 دیا جاتا ہے، حالانکہ اگر وہ فعل خطا کا قصد نہیں کرتا تو اس سے بچنے کا بھی اہتمام نہیں کرتا، تو صاحب واقعہ
 کو کیوں نہ معذور قرار دیا جائیگا، جب کہ وہ اس سے بچنے کا امکانی اہتمام بھی کر رہا ہے نیز جبکہ کلمہ کو
 معذور قرار دیا گیا، اگرچہ اس نے کلمہ کفر با اختیار جاری کیا، مگر چونکہ وہ اس اختیار میں مقصور
 بعد معتبر عند الشرع تھا اس لئے اس کے اختیار کو کالعدم قرار دیا گیا، اور اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا گیا

چنانچہ درمختار جلد خامس ص ۱۳۳ میں ہے :-

ولادۃ بلسانہ قلبہ مطمئن بالایمان فلا تبیز زوجہ لانہ لا یکفر بہ القول
لہ استحسنانا و فی رد المحتار تحت قوله لا یکفر بہ قال فی الہدایۃ لان الردۃ تتعلق
بالاعتقاد الا ترى لو کان قلبہ مطمئنا بالایمان لا یکفرو فی اعتقادہ الکفر شک فلا یشب
البینونۃ بالشک انتہی وقال تحت قوله استحسنانا و وجہ الاستحسان ان هذه اللفظة
غیر موضوعۃ للفرقة و انما تقع الفقة باعتبار تغیر الاعتقاد والاکسارۃ دلیل علی عدم
تغیرہ فلا تقع الفرقة و لهذا لا یحکم علیہ بالکفر، زیلعی انتہی،

تو جو شخص بالکل مسلوب الاختیار ہو وہ اس امر خاص میں جس میں اختیار ناقص بہ نقصان
معتبر عند الشرع کا لہام سمجھا جاتا ہے کیوں نہ معذور قرار دیا جاوے گا اور کیوں نہ اس کو مجنون یا مسکون
یا معتوہ کی حد میں داخل کیا جائے گا، اور اگر اس کو عند شرعی قرار دیا جائے تو اس پر زجر یا ملائت
کرنا یا اس کو تجدید ایمان و نکاح کا حکم کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے، اگر یہ کہا جاوے کہ احتیاطاً
اس کو تجدید ایمان و نکاح کرنا چاہیے تو پھر یہ سوال ہے کہ آیا یہ احتیاط واجب ہے یا مستحب، اگر
واجب ہے تو اس کی دلیل کیا ہے، اور اس وقت اس کے معذور ہونے کے کیا معنی ہوں گے و نیز
اگر اس صورت میں زوجہ قبول نکاح جدید پر راضی نہ ہو اور دوسرے سے نکاح کر لے تو اس
نکاح کا کیا حکم ہے، اور اگر مستحب ہے تو اس امر کی صاف طور پر تصریح ہونا چاہیے کہ نکاح اول بحالہ
باقی ہے اور عورت کو کسی دوسرے سے نکاح جائز نہیں، تاکہ وہ محل الفاظ سے مغالطہ میں پڑ کر
کسی اور سے نکاح کرنے پر جرأت نہ کر سکے،

نمبر ۲، اگر اس سوال کا جواب اس تفصیل سے دیا جاوے کہ صاحب واقعہ اگر واقعہ میں
بے اختیار تھا تب تو معذور ہے اور اس صورت میں تجدید ایمان و نکاح صرف رفع تہمت عوام کیلئے
مخض مستحب ہے اور اگر وہ واقعہ میں بے اختیار نہ تھا بلکہ وہ درحقیقت تکلم بکلمہ حقہ پر قادر تھا، مگر
اُس نے اسے ترک کیا، اور کلمہ کفر زبان پر لایا تو معذور نہیں ہے، اور اس صورت میں تجدید ایمان و نکاح
اس پر واجب ہے، اور معیار اس کے صدق و کذب کا اس کے تدین و صلاح کو قرار دیا جاوے
تو آیا اس واقعہ کا یہ جواب بروئے قواعد شرعیہ صحیح ہے یا نہیں؟

جزو دوم جواب سہارنپور

صورت مسئلہ میں خواب دیکھنے والے کے متعلق سائل نے سوال میں دو امور کا ذکر کیا ہے، اول یہ کہ صاحب خواب سے خواب میں کلمہ شریف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ غلطی سے بجائے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زید کا نام نکلتا ہے، اگرچہ وہ یہ جانتا ہے کہ میں کلمہ غلط پڑھ رہا ہوں اور صحیح پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن مجبوراً بے ساختہ بجائے نام مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زید کا نام بے اختیار زبان سے نکلتا ہے۔

دوسرے یہ کہ بعد بیداری بیداری کی حالت میں بھی کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دیر کیا جاوے اور پھر ایسی کوئی غلطی نہ ہو جائے کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے، اللہم صل علی سیدنا ونبینا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے نام مبارک کی جگہ زید کا نام لیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس بارہ میں بے اختیار ہو مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں یہ امر تو ظاہر ہے کہ دونوں حالتوں میں جو کلمہ اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ کلمہ کفر کا ہے، غیر نبی کو نبی یا رسول کہنا صریح کفر ہے لیکن امرا قبل ایک خواب کی حکایت ہے، اور جو کفر کا کلمہ حکایت تکلم کیا جائے خواہ وہ حکایت کسی دوسرے کافر کے قول کی ہو یا اپنے ہی اس قول کی حکایت ہو جو ایسی حالت میں سرزد ہو جس میں شرعاً وہ معذور ہو تو وہ تکلم بکلمۃ الکفر پر وبال نہ ہوگا، اور نہ موجب ارتداد ہوگا نہ دیانۃ نہ قضاۃ لہذا جو اس نے اپنے خواب کی حکایت کی ہے اور تکلم بکلمۃ الکفر حکایت کیا ہے، اس پر شرعی مولفہ نہیں ہے، البتہ بیداری کے بعد وہ جو یہ کہتا ہے اللہم صل علی سیدنا ونبینا زید جو امر دوم ہے یہ کلمہ کفر کا ایسی حالت میں کہتا ہے جو حالت معذوری نہیں، لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں، بالجملہ اس کے تمام سوق کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو کلمہ کفر کا تکلم کرتا ہے اعتقاد سے نہیں کرتا بلکہ اسکو برا جانتا ہے اور اسی کا تدارک کرنا چاہتا ہے، لیکن چونکہ زبان قابو میں نہیں سمجھتا اسلئے وہ اسی طرح درود شریف غلط پڑھتا ہے، لہذا اس کو دیانۃ فیہ بینہ و بین اللہ تعالیٰ کافر نہ قرار دیا جائیگا، لیکن باعتبار ظاہر جب اس کے غدر میں بغور نظر کی جاتی ہے تو اس کا یہ غدر اُن اغیار شریعہ میں سے نہیں معلوم ہوتا کہ جن کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے غدر معتبر فرمایا ہے، درمختار میں ہے۔

وشرائط اھتھا العقل والصحو والطوع فلا تصم دذۃ مجنون و معتوہ و موسوس و صبی لا یعقل و سکران و مکرہ علیہا،

یہ شخص عاقل اور صافی اور طائع ہونے کے باوجود متکلم بکلمۃ الکفر ہوتا ہے تو اس کا غدر ان اغیار شریعہ میں داخل نہیں، اس کا یہ دعویٰ کہ میں بے اختیار و مجبور ہوں اور زبان قابو میں نہیں ہے اس وقت

شرعاً معتبر ہو کہ جب اس کی مجبوری و بے اختیاری کا سبب منجملہ ان اسباب عامہ کے ہو کہ جو عامۃً سالب اختیار ہوتے ہیں، مثلاً جنون، سُکَر، اکراہ، عتہ، اور حالت موجودہ میں جو حالت اس شخص کو پیش آئی ہے اس کے لئے کوئی ایسا سبب نہیں ہے جو اسباب عامہ سالب اختیار سے ہو، کیوں کہ اس کی بے اختیاری کا سبب کوئی اس کے کلام میں ایسا نہیں پایا جاتا جس کو سالب اختیار قرار دیا جائے، اگر ہے تو وہ غلبہ محبت زید ہے، اور غلبہ محبت سواب اختیار میں نہیں ہے، غلبہ محبت میں اطرار کا تحقق ہو سکتا ہے جس کو شارع علیہ الحجۃ والتسلیم نے محظور و ممنوع فرمایا ہے لا تظرونی کما اظرت الیہود والنصارى ولكن قولوا عبد اللہ ورسولہ اور اگر غلبہ محبت اور اس کا شغف سالب اختیار ہوتا تو نہی عن الاطرار متوجہ نہ ہوتی بلکہ مغذوہ سمجھا جاتا، نہی عن الاطرار خود دال ہے کہ شغف محبت سالب اختیار نہیں ہے، اسی وجہ سے اطرار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہی فرما رہے ہیں، لہذا شرعاً اس کا یہ دعویٰ معتبر نہ ہوگا، علاوہ ازیں یہ شخص اگر اس کی زبان بوقت تکلم قابو میں نہیں تھی تو یہ تو اسکے اختیار میں تھا کہ وہ جب یہ جانتا تھا کہ میں بے اختیار ہوں اور مجبور ہوں اور صحیح تکلم نہیں کر سکتا تو تکلم بکلمۃ الکفر سے سکوت کرتا، لہذا ایسی حالت میں اس کلمہ کے تکلم کا یہ حکم ہوگا کہ اس کو اس میں شرعاً مغذوہ نہیں سمجھا جائیگا، علامہ شامیؒ نے حاشیہ رد المحتار باب المرتد میں لکھا ہے:-

وقولہ (لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محل حسن) ظاہر انہ (لا یفتی من حیث استحقاقہ للقتل) (لا من حیث المحکم ببینونہ ذوجتہ) وقد یقال المراد الاول فقط لان تاویل کلامہ للتباعد عن قتل المسلم بان یكون قصد ذلک التأویل وهذا لا یسافر فی مقام ملتہ بظاہر کلامہ فیما هو حق العبد وهو طلاق الزوجتہ بدلیل ما صرحوا بہ من انہ اذا اساد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فیخرج علی لسانہ کلمۃ الکفر خطا بلا قصد (لا یصد القاضی وان کان لا یکفر فیما بینہ و بین ربہ تعالیٰ فتامل ذلک)

اور علامہ شامیؒ دوسرے جگہ باب المرتد ہی میں لکھتے ہیں:-

وفی البحر عن الجامع المرفیع اذا اطلق الرجل کلمۃ الکفر عمداً لکنہ لم یعتقد الکفر قال بعض اصحابنا لا یکفر لان الکفر یتعلق بالضمیر علی الکفر وقال بعضهم یرکفرو هو الصحیح عندی لانہ استخف بدینہ اھ ما

تاثر علی ہذا باعتبار بعض احکام ظاہر اس قائل کو دعویٰ بطلان قصد و اختیار میں ظاہر اسباق نہیں سمجھا جائیگا، اور بطلان شعور و ادراک کا وہ خود ہی نہیں ہے بلکہ بطلان اختیار کا اور زبان

قابو میں نہ ہونے کا مدعی ہے، معلوم نہیں کہ سائل نے بطلان شعور اس کے کس لفظ سے سمجھا ہے،
تقریر بالا سے واضح ہو گیا کہ جو عبارت سائل نے اصول امام فخر الاسلام بنردوی سے نقل کی ہے
اس کو محبت مسئول عنہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، محل مسئول عنہ میں نہ سکروہی نہ اسکو تیار سائیکس میں
داخل کیا جاسکتا ہے، نہ یہاں خطا ہے، اور خطا میں بھی پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ خاطی کا عذر بھی قاضی نہیں
قبول کر سکتا، لہذا عبارت بنردوی میں حقیقی ردۃ کا حکم ذکر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کی زبان
سے کلمہ کفر نکلے مگر وہ دل سے اس کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تو ایسے شخص پر ردۃ حقیقیہ کا حکم نہ کیا جائے گا، اور
تمام احکام مرتد کے اس پر جاری نہ کئے جاویں گے، کیونکہ جب تک موافقۃ قلب باللسان نہ ہو اور صدور
قصد و اختیار صحیح سے نہ ہو اس وقت تک اس کو دیانۃ و قضا مرتد نہیں کہا جاسکتا، اور یہ اسکو منافی نہیں
ہے، کہ باعتبار بعض احکام ظاہر اس کو احتیاطاً تجدید ایمان اور تجدید نکاح اور استغفار و توبہ کا حکم کیا جاوے
اور اسی طرح سوال میں جو عبارت درمختار جلد خامس کتاب الاکراہ سے نقل کی گئی ہے ولادۃ بلسانہ
و قلب مطمئن بالإیمان فلا تبین زوجتہ، اس عبارت کا بھی یہی جواب ہے جو عبارت اصول
بنردوی کا جواب دیا گیا ہے، درمختار باب نکاح الکافر میں ہے۔

ما یكون كفراً اتفاقاً یبطل العہل والنکاح واولادہ اولاد زنا و ما فیہ خلا یومر
بالاستغفار والتوبۃ و تجدید النکاح،

اس پر علامہ شامی رحمہ فرماتے ہیں :-

قولہ و تجدید النکاح ای احتیاطاً و قولہ احتیاطاً ای یا مرہ المفتی بالتجدید لیكون
وطوہ حلاً لا بالاتفاق وظاہراً انہ لا یحکم القاضی بالفرقۃ بینہما و تقدم ان المراد بالاختلاف
ولو رواية ضعيفة ولو فی غیر المذاہب اھ

صورۃ موجودہ میں جو کلام کہ صاحب رائے نے زبان سے نکالا ہے اس کا کلمہ کفر ہونا باعتبار
ظاہر مختلف فیہ نہیں ہے، اور یہ حسب روایات مذکورہ اس کو مقتضی ہے کہ اس کو بالضرورۃ تجدید ایمان و
نکاح کا حکم کیا جائے، اور وجہ اس کی وہی ہے جو پہلے مذکور ہو چکی، کہ تکلم بکلمۃ الکفر ہونا مختلف فیہ نہیں
ہے، اور سبب اختیار جس کا قائل مدعی ہے اس کا سبب کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کو شرعاً سبب
سلب اختیار قرار دیا جاوے، اور اگر بالفرض اس کو مسلوب الاختیار مانا بھی جائے تو اس کا سبب حلاً
موجودہ میں بجز فرط محبت زید اور کوئی نہیں ہے، اور یہ سبب شرعاً سبب اختیار قرار نہیں دیا جاسکتا
شرعاً اور نہ سناہ حکم نہیں قرار دیئے گئے ہیں، کما مر۔

گزشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ صاحب واقعہ کا حادثہ زوجہ تین ہے، ایک جہت وہ ہے کہ جس سے فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ اس کو موہن قرار دیا جاتا ہے، دوسری جہت ظاہر اطلاق کلمۃ الکفر کی ہے، جس پر اس کو مامور بتجید الایمان و النکاح کیا جاتا ہے، ادھر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ تصریح کرتے ہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے :-

وفي الخلاصة وغيرها اذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع فعل المفتي ان يميل الى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم زاد في البرازية الا اذا صرح باسادة موجب الكفر فلا ينفعه التاويل،

یہی وجہ ہے کہ اس کو مامور بتجید النکاح احتیاطاً کیا جاتا ہے، اس صورت میں فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ نکاح اول بحالہ باقی ہے، لہذا اس کی زوجہ کو جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے یا تجدید نکاح سے انکار کرے، نقطہ

کتبہ احقر خلیل احمد رفقہ اللہ تعالیٰ للتزود و لغد،

جز و سوم جواب دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واقعہ مذکورہ میں یہ امر ظاہر ہے کہ صاحب واقعہ کی زبان سے کلمہ کفر نکلا، اور اگر وہ باختیار خود یا کسی جبر اکراہ کے ایسا کلمہ کہتا تو اسکے کافر ہونے میں کچھ تردد نہ تھا، اور اجبر احکام کفر اس پر یقینی تھا، لیکن خواب میں بجانب نوم جو اس نے اپنے کو متکلم اس کلمہ کفر کے ساتھ دیکھا اور ساتھ میں بذلت اور اپنی غلطی کا احساس بھی ہے تو اس پر کفر کا حکم نہ ہونا ظاہر ہے، کہ اس حالت میں وہ مکلف نہیں ہے اور مرتد یا عاقل نہیں ہے، باقی بعد بیداری کے جو اس نے بتدریک غلطی کلمہ شریف درود شریف پڑھا، اور اس میں بھی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے زید کا نام نکلا، اسکے متعلق صاحب واقعہ کا بیان ہے کہ بلا اختیار و قصد اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا، پس موافق اس کے بیان کے اس حکم کفر و یمینونہ زوجہ کا نہ کیا جاوے گا، کیونکہ ارتداد کے لئے باختیار کلمہ کفر کا زبان سے نکالنا شرط کیا گیا ہے، درختا میں ہے :-

وفي الفتح من هزل بلفظ كفر ارتداد قوله من هزل بلفظ كفر اي تكلم به باختيار الخ شامی و شرائط صحتها العقل و الطوع و درختا قوله و الطوع اي الاختيار، شامی،

اور بلا اختیار و قصد اگر کسی کی زبان سے خطا کلمہ کفر نکل جائے تو اس کو مرتد و کافر نہیں کہا گیا، قال
والشامی ومن تكلم بها مخطئاً او مكرهاً لا يكفر عند الكل الخ اور جبکہ حسب تصریح فقہاء
مختل میں بھی حکم کفر کا نہیں کیا جاتا، اور تاویل ضعیف کے امکان کی صورت میں بھی حکم کفر منفی کیا گیا ہے تو
جس کے بارے میں فقہاریہ لکھتے ہیں ومن تكلم بها مخطئاً او مكرهاً لا يكفر عند الكل وہاں حکم کفر
وینونہ زوہ کیسے ہو سکتا ہے،

اور جب کہ قائل دعویٰ خطا کا کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ بالارادہ اس نے ایسا نہیں کہا بلکہ ارادہ
اس کے خلاف کا کیا تو قول اس کا مصدق ہوگا، جیسا کہ غاصہ وغیرہا سے علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے
اذا كان في مسئلة وجوه توجب التكفير وجه واحد يمنع فعل المفتي ان يميل
الى الوجه الذي يمنع التكفير تحسیناً للظن بالمسلم، زاد في البرازية الا اذا صرح بارادة
موجب الكفر فلا ينفعه التأويل،

پس جب کہ مفتی خود بالبیان متکلم بکلمۃ الکفر اس کے کلام میں حتیٰ الوسع تاویل کرنے کا اور
تحسین الظن بالمسلم کا مامور ہے تو جب متکلم خود مصدق کلمۃ الکفر عن الخطا کا مقرر ہے تو بالضرور اسکو اس
بارہ میں صادق مانا جاویگا، جیسا کہ الا اذا صرح بارادة موجب الکفر بھی اسکو مقتضی ہے، بلکہ وہ خلاف ارادہ
موجب کفر کی تصریح کر رہا ہے، لہذا اس کو معذور رکھنے اور حکم کفر و ارتداد کرنے میں کچھ تردد نہیں ہے، اور جبکہ
حکم کفر و ارتداد اس پر صحیح نہیں ہے تو حکم بینونہ زوہ بھی متفرع نہ ہوگا، استحباباً بتجدید کر لینا بحث سے خارج
ہے، لیکن ضروری کہنا خلاف ظاہر ہے، باقی علامہ شامیؒ کا قول در مختار لا یفتی بکفر مسلم الخ کی شرح میں
یہ کہنا کہ وقد يقال المراد الاول فقط، اس کو خود علامہ موصوف قابل تامل سمجھ رہے ہیں، اور اس کی
تصریح کہیں نہ دیکھنے کا اقرار کرتے ہیں، جیسا کہ آخر میں کہا قائل ذلك وحده نقلاً فانی لم ار التصريح به
اور اس کے بعد جو نعم سید کو الشارح الخ نقل کیا ہے وہ اس واقعے سے متعلق نہیں، کیونکہ واقعہ
مذکورہ میں عدم کفر کا حکم اتفاقی ہے اور اس موقع پر جہاں در مختار میں یہ تفصیل مذکور ہے مایکون کفراً
اتفاقاً الخ خود علامہ موصوف خود صاحب فصول عمادیہ سے ناقل ہیں:-

قوله وتجدید النکاح ای احتیاطاً کما فی الفصول لعمادیة وزاد فیہا قسمًا ثالثاً فقال
وما كان خطأً من الالفاظ ولا یوجب الکفر فقاٹله یقر علی حاله ولا یومر بتجدید النکاح ولكن
یومر بالاستغفار والرجوع عن ذلك،

اس روایت فصول عمادیہ میں تصریح ہے کہ خطا رجوا لفاظ کفر صادر ہوں اور بوجہ صدور عن الخطا

کے وہ موجب کفر نہیں ہیں، تو قائل کو اس کے حال پر رکھا جاوے گا، اور امر بتجید النکاح نہ کیا جاوے گا۔
پس احقر کے نزدیک سوال میں جس روایت اصول بنزدی اور اس کی شرح سے استدلال
کر کے صاحب واقعہ کو معذور قرار دیا گیا ہے اور حکم کفر و بینوۃ زوجہ نہیں کیا گیا، اور تجید النکاح کو
واجب نہیں کہا گیا رہ حق ہے، اور جو جواب سوال مذکور کا ضمن سوال میں درج کیا گیا ہے بقولہ
اگر اس سوال کا جواب اس تفصیل سے دیا جاوے الخ وہ جواب صحیح ہے فقط، واللہ تعالیٰ اعلم،
کتبہ الاحقر، عزیز الرحمن عفی عنہ ۲۶ ج ۲ ص ۳۶

الجواب صحیح

شیر احمد عفی اللہ عنہ

الجواب صواب، حاصل جواب کا یہ ہے کہ یہ کلمہ کفری، لیکن چونکہ حسب بیان سائل بلا اختیار
زبان سے نکلا، اور اس کی تکذیب کا مفتی کو کوئی حق نہیں، تو قائل بالاتفاق کافر نہیں، اور نہ اس پر کوئی
حکم کفر کا جاری ہوگا، اور فرق ان دونوں صورتوں میں کہ کوئی کلمہ کفر کا کہہ کر بعد میں دعویٰ عدم اختیار کا
کرسے یا یہ کہ وہی قائل اپنی زبان سے حکایت کرتا ہو کہ مجھ سے کلمہ کفر خطاً بلا قصد صادر ہوا، اور صورت
اولیٰ میں قاضی اس کی تصدیق نہ کرے گو دیانۃً متصدق ہو، اور صورت ثانیہ میں قاضی کو تکذیب کا
حق نہیں، صحیح فرق معلوم ہوتا ہے، اور رد المحتار کی عبارت بذیل ماصرحوابہ من انه اذا اراد ان
یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاً بلا قصد لا یصدقہ القاضی و ان
کان لہ لا یکفر فیما بینہ و بین ربہ تعالیٰ اھ اس کے معارض و دوسری عبارت انکی موجود
ہے، و مافیہ اختلاف یومر بلا استغفار و التوبۃ و تجدید النکاح اھ در مختار قولہ و
تجدید النکاح ای احتیاطاً کما فی الفصول لعمادیتہ و قولہ احتیاطاً ای یا مرہ المفتی
بالتجدید لیکون وطوہ حلالاً بالاتفاق و ظاہرہ انہ لا یحکم القاضی بالفرقۃ بینہما
اھ رد المحتار الحاصل عدم تکفیر اس قائل کی بحسب بیان اس کے کہ بلا اختیار اس سے
یہ کلمہ صادر ہوا دیانۃً متفق علیہ ہے، البتہ زوجہ اس کی اگر تصدیق نہ کرے تو غایت یہ کہ زوج
کو حلف دے، واللہ اعلم، فی انور عفا اللہ عنہ

جزو چہارم جواب سوال متعلق اصل جواب از دیوبند

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ الْكَرِيمِ

علمائے دین و مفتیان شرع میں اس صورت میں کیا ارقام فرماتے ہیں کہ زید نے بحالت خواب کلمہ طیبہ میں بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مولوی صاحب کا نام لیا، اور بحالت بیداری اسی طرح درود شریف میں جس کے الفاظ میں ”اللہم صل علی سیدنا ونبینا و مولانا“ تک شامل ہیں انہی کا نام پڑھا، اور پھر مولوی صاحب کو یہ واقعہ لکھ بھیجا، اُن مولوی صاحب نے اس پر زید کو کوئی تنبیہ نہیں کی اور نہ اس خیال کے بدلنے کی کوئی صورت بتائی، بحالت موجودہ سوال یہ ہے کہ :-

(۱) زید کا اس طرح کلمہ طیبہ اور درود شریف میں تغیر و تبدل کرنا کفر ہے یا نہیں؟
(۲) جن مولوی صاحب کے رویہ و رویہ نے یہ واقعہ پیش کیا ان کا اس پر ناپسندی و ناراضی ظاہر نہ کرنا کفر ہے یا نہیں؟

(۳) زید کا مذکورہ خواب اضغاث احلام (شیطانی دسگو) میں شمار ہوگا یا روگیا صادقہ (سچے خواب) میں سے؟
(۴) زید اور وہ مولوی صاحب جب تک ان کلمات سے گہر نہ کریں ان کو مسلمان سمجھنا یا اُنکے پیچھے نماز پڑھنا یا اُن مولوی صاحب کو پیر بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا،

جزاکم اللہ خیر الجزاء، خادم العلماء والطلبار، ۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ

الجواب، اس واقعہ میں زید کا یہ بیان ہے کہ کلمہ نہ کورہ بلا اختیار اور بلا ارادہ زبان سے نکلا اور اس غلطی پر نہ امت پر اور اس کی تصحیح کا قصد اور تدارک کا ارادہ ہو اور اسی خیال سے غلطی نہ کور کا تدارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے سے کرنا چاہا، مگر بلا اختیار پھر زبان سے بھائے نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہی دوسرا نام نکلا، اس حالت میں موافق کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و روایات، کتب معتبرہ اس شخص پر حکم کفر کا اتفاق نہیں ہے :-

قال الله تعالى رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْسَا نَا وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
رفع عن امتی الخطاء والنسيان، قال في الدر المختار وفي الفتح ومن هزل بلفظ كفارت
قول ومن هزل ای تکلم باختیاره الخ شامی وفي الدر المختار باب المرتبة ابضا وشرائط
صحتها العقل والصحو والبلوغ الخ وقوله والطوخ الاختيار شامی وفيه اذنتا ومن
تکلم بها مخطئا او مکرها لا یکفر عند الكل، ص ۲۸۵

الحاصل زید پر بحالت مذکورہ جبکہ وہ کہتا ہو کہ بلا اختیار کلمہ کفر زبان سے نکل گیا، حکم کفر باتفاق فقہاء نہیں ہوگا مگر عن الشامی لا یکفر عن الكل، اور جبکہ قائل خانی پر حکم کفر کا نہیں ہوگا اگر اُن مولوی صاحب نے

بوجہ اس کے مجبور اور معذور ہونے کے اس کو بلا امت اور تنبیہ نہ کی تو موجب ملامت و اعتراض نہیں ہے پھر غیر کافر کو جس کو نقصان دینے کا فرہم نہیں کیا، اور جو شخص عند اللہ کافر نہیں ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو مرفوع القلم فرمایا، کافر نہ کہتا موجب کفر کیسے ہو سکتا ہے، احادیث صحیحہ میں ہے:-

وعن انس رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اشد فرحاً بتوبة عبده حين يتوب عليه من احدىكم كان راحلته بارض فلاة فانفلتت منه وعليها طعامه وشرابه فايس منها فاق شجرة فاضطجع في ظلها وقد ايس من راحلته فبينما هو كذلك اذ هو قائم عند غداة فاحذ بخطامها ثم قال من شدة الفرح اللهم انت عبدی وانا ربک اخطأ من شدة الفرح رواه مسلم،

اس حدیث سے واضح ہے کہ اگر خطا بلا اختیار کلمہ کفر نکل جاوے تو اس پر حکم کفر کا نہیں ہو اور اس پر کچھ طعن اور ملامت نہیں ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے اس کلمہ کفر پر سبوا اُسکے کچھ نہیں فرمایا اخطا من شدة الفرح، اور یہ پہلے معلوم ہوا کہ خطا و نسیان اس امت سے مرفوع ہے، رفع عن امتی الخطاء والنسيان نقلاً، واللہ تعالیٰ اعلم،

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند، ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ
اور یہ خواب اس کا بیشک شیطانی اثر اور خیال تھا، اور یہ بیداری میں جو کچھ اس کی زبان سے نکلا وہ بھی شیطانی اثر تھا، لیکن چونکہ بلا اختیار ہوا اس لئے اس پر مواخذہ نہیں، اور نہ اُن مولوی صاحب پر ترک ملامت معذور کی وجہ سے کچھ مواخذہ ہے، نقلاً واللہ تعالیٰ اعلم،

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند،

جزو پنجم جواب دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال میں صاحب واقعہ کے دو حالتوں کے دو واقعے مذکور ہیں، ایک حالت خواب کا، دوسرا حالت بیداری کا، حالت خواب کے واقعہ کا تو اصول شرعیہ کے موافق حکم صاف ہے کہ حسب ارشاد ربح القلم عن ثلاثہ الخ ناظم مرفوع القلم ہے، اور حالت نوم کا کوئی فعل اور کلام شرعاً معتبر نہیں، بلکہ

عن ملاحظہ ہو مسئلہ الامداد جمادی الاخریٰ ۱۳۶۷ھ قولہ دوسرا احتمال و منہ قولہ یا یہ کہ یہ شیطانی تصرف ہوائی قولہ نہ عاجز

حالت نوم کا کلام کلام ظیور کے مشابہ اور اسی کے حکم میں ہے،

وفي التحوير وتبطل عباداته من الاسلام والردة والطلاق ولم توصف بخبر ولا
انشاء وصدق وكذب كالحان الطيور اه ومثله في التلويع وهذا صريح في ان كلام النائم
لا يسمي كلاماً لغة ولا شرعاً بمنزلة المهمل الخ (رحمہ المحتار)

پھر اس خواب کے واقعہ کی حکایت ایک ایسے واقعہ کی حکایت ہو کہ وہ کفر نہیں تھا، اگرچہ الفاظ
کفریہ ہیں، لیکن الفاظ کفریہ کی محض نقل کافر نہیں بناتی، اگر کوئی کہے نصاریٰ کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں
تو اس کہنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ الفاظ کفریہ کی نقل تو قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔
قال الله تعالى وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله،

یہ الفاظ کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور مسیح خدا کے بیٹے ہیں یقیناً کفر کے کلمات ہیں، اور مسلمان
انھیں رات دن تلاوت قرآن مجید اور نماز میں پڑھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے یہ کلمات نقل کرتے
ہیں، تو جب کہ ان کلمات کا نقل کرنا باوجودیکہ منقول غنیم نے ان کا حکم بحالت اختیار کیا تھا، اور ان پر انہیں
کلمات کے تکلم کی وجہ سے کفر کا حکم کیا گیا، کہا قال تعالى وقالوا اتخذ الرحمن ولداً لقد جئتم شيئا لا
ناقلين کے لئے موجب کفر نہ ہوا تو یہ حالت خواب کے وہ کلمات کہ انکا قائل کافر ہوا، اور نہ نوم کی حالت میں
ان کلمات کو کلمات کفر کہا جاسکتا ہے، نقل کرنے سے کفر کا حکم بارجہ اولیٰ نہیں دیا جاسکتا، رہا دوسرا
واقعہ جو حالت بیداری کا ہے اس کے متعلق صاحب واقعہ کا بیان یہ ہے کہ وہ اپنی حالت خواب
کی غلطی سے نادم اور پریشان ہو کر چاہتا ہو کہ درود شریف پڑھ کر اس کا تدارک کرے، اور وہ
درود شریف پڑھتا ہے لیکن اس میں بھی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے زیر
کا نام اس کی زبان سے نکلتا ہے، اُسے اس غلطی کا احساس تھا، مگر کہتا ہے کہ زبان بہر قابو نہ
تھا، بے اختیار مجبور تھا،

اس واقعہ کے متعلق دو باتیں نتیج طلب ہیں، اول یہ کہ حالت بیداری میں ایسی بے اختیار
اور مجبوری کہ زبان قابو میں نہ رہے، بغیر اسکے کہ نشہ ہو، جنون ہو، اکراہ ہو، غتہ ہو مگر اور متصور
ہے یا نہیں، کیونکہ ان چیزوں میں سے کسی کا موجود ہونا سوال میں ذکر نہیں کیا گیا تو ظاہر یہی ہو کہ
ان اسباب میں سے کوئی سبب بے اختیاری پیدا کرنے والا نہ تھا، دوسرے یہ کہ اگر بے اختیار
اور مجبوری مگر اور متصور ہو تو صاحب واقعہ کی تصدیق بھی کی جائے گی یا نہیں،
ام اول کا جواب یہ ہو کہ بے اختیار کے بہت سے اسباب ہیں، صرف مسکر و جنون اور

اکراہ و عتہ میں منحصر نہیں، کتب اصول فقہ و فقہ میں ان اسباب کے ذکر پر اختصار کرنا تحدید و حصر پر مبنی نہیں، بلکہ اکثری اسباب کے طور پر انھیں ذکر کیا گیا ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ متعدد کتب فقہیہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ خواہ کسی وجہ سے عقل مغلوب ہو جاوے وہ مغلوبیت موجب رفع قسَم ہو جاتی ہے، الا فی بعض المواقف حیث یکون الزجر مقصوداً، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: من اصابه برسام او اطعم شیئاً فذهب عقله فہذی فارتد لم یکن ذلک ابتداءً و کذا لو کان معتوہاً او موسوساً او مغلوباً علی عقله بوجہ من الوجوہ فہو علی هذا کذا فی السراج الوہاج (ہندیہ مطبوعہ مصر، ج ۲ ص ۳۸۲)

اس عبارت میں لفظ موسوس اور لفظ بوجہ من الوجوہ قابل غور ہے لیکن واقعہ مسئول عنہا میں نہ تو زوال شعور و زوال عقل کی تصریح ہے، اور نہ میں واقعات مذکورہ کی بناء پر زوال شعور کا ہونا صحیح سمجھتا ہوں کیونکہ صاحب واقعہ بحالت تکلم اپنی غلطی کا ادراک بیان کرتا ہے، اور غلبہ میں صرف بے اختیاری، مجبوری، زبان کا قیام میں نہ ہونا ذکر کرتا ہے، اس لئے میں صرف اسی بات کو ٹھیک سمجھتا ہوں کہ وہ باوجود شعور و ادراک کے کلمہ کفریہ کہتا ہے مگر بے اختیاری سے مجبوری ہے، اور عین تکلم کی حالت میں بھی اسے غلط اور خلاف عقیدہ سمجھتا ہے اور بعد الفراق من التکلم بھی اس پر نادم ہوتا ہے، پریشان ہوتا ہے، روتا ہے، اسباب معلومہ (سکر جنون، اکراہ، عتہ) کے علاوہ کبر سنی، مرض، مصیبت، غلبہ خوشی، غلبہ حزن، فرط محبت وغیرہ بھی زوال عقل یا زوال اختیار کے سبب بن سکتے ہیں اور جہاں زوال عقل یا زوال اختیار ہو وہاں حکم ردت ثابت نہیں ہو سکتا، در فختار میں ہے:-

وما ظہر منہ کلمات کفریۃ یقتصر فی حقہ و یعامل معاملۃ موقوۃ المسلمین حملاً علی انہ فی حال زوال عقلہ، انتہی،

یعنی قریب موت و نزاع روح اگر مختصر سے کچھ کلمات کفریہ ظاہر ہوں تو انھیں معاف سمجھا جائے اور اس کے ساتھ اموات مسلمین کا سا معاملہ کیا جائے، اور ظہور کلمات کفریہ کو زوال عقل و اختیار پر محمول کیا جائے، اس عبارت سے صرف یہ غرض ہے کہ اسباب مذکورہ معلومہ میں سے یہاں کوئی سبب نہیں، پھر بھی ایک اور چیز یعنی شدت مرض یا کلفت نزاع روح کو زوال عقل کے لئے معتبر کیا گیا، اور میت کے ساتھ مرتد کا معاملہ کرنا جائز نہیں رکھا گیا، اگرچہ نزاع کی سخت تکلیف کی وجہ سے ایسے وقت زوال عقل متصور ہے، لیکن تاہم یقینی نہیں، صرف تحسیناً للظن بالمسلم احتمال زوال عقل کو قائم مقام زوال عقل ذکر کیا گیا، فیحکم مسلم کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے گنہگار بندے کے توبہ

کرنے پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے کہ ایک مسافر کا جنگل میں سامان سے لدا ہوا اونٹ گم ہو جائے اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ناامید ہونے کے بعد مرنے پر تیار ہو کر بیٹھ جائے اور اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ جائے، تھوڑی دیر کے بعد اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کا اونٹ مع سامان اُس کے پاس کھڑا ہے،

اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس شخص کی زبان سے غایت خوشی میں بیساختہ یہ لفظ نکل جاتے ہیں اَنْتَ عبدی وانا ربک یعنی وہ خدا کی جناب میں یوں بول اٹھا کہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا ہوں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اخطا من شدة الفرح یعنی شدت خوشی کی وجہ سے اس سے خطائے لفظ نکل گئے، اس حدیث سے صراحت ثابت ہو گیا کہ شدت فرح بھی زوال اختیار کا سبب ہو جاتا ہے، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ الفاظ کفریہ کا یہ تکلم جو خطا ہوا تھا، موجب کفر اور فریال ایمان تھا، اسلئے آپ کے سکوت سے معلوم ہو گیا کہ الفاظ کفر کا تلفظ جو خطا کے طور پر ہو مثبت ردّت نہیں۔

صلح حدیبیہ کے قصہ میں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے ذکر کیا گیا ہو کہ جب صلح مکمل ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ سر منڈاؤ الود اور قربانیاں ذبح کرو، تو صحابہؓ بوجہ فرط حزن و غم کے کہ اپنی تمنا اور آرزو بامید کے خلاف خانہ کعبہ تک نہ جاسکے، ایسے بیخود ہوئے کہ باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمر سے کمر فرمانے کے کسی نے فرمان عالی کی تعمیل نہ کی، آپؐ غمگین ہو کر خیمہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے پریشانی کا سبب دریافت کر کے عرض کیا کہ آپؐ باہر تشریف لیجا کر اپنا سر منڈاویں، اور کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ آپؐ باہر تشریف لائے اور حلق کو بلا کر اپنا سر منڈا دیا، جب اصحاب کرام نے دیکھا تو ان کے ہوش و حواس بجا ہوئے، اور ایک دم ایک دوسرے کا سر موڑنے لگے

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فرط حزن بھی موجب زوال اختیار ہو جاتا ہے، کیونکہ قصد و اختیار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کا اصحاب کرام کی جانب و ہم بھی نہیں سکتا امتحان تقریری کے وقت جن طلبہ کی طبیعت زیادہ مرعوب ہو جاتی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی زبان سے باوجود ادراک و شعور کے بے قصد غلط الفاظ نکل جاتے ہیں حالانکہ صحیح جواب ان کے ذہن میں ہوتا ہے مگر فرط رعب کی وجہ سے زبان قابو میں نہیں ہوتی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں عدل کی پوری رعایت کر کے فرماتے، اللہم

هذه قسمتی فیما املك فلا تاخذ فی فیما تملك ولا املك، یعنی اسے خداوند! میں نے اختیاری امور میں برابر کی تقسیم کر دی، اب اگر فرط محبت عائشہ کی وجہ سے میلان قلب بے اختیاری طور پر عائشہ کی طرف زیادہ ہو جائے تو اس میں مواخذہ نہ فرمانا، کیونکہ وہ میرا اختیاری نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر فرط محبت کی وجہ سے بے اختیاری طور پر کوئی امر صادر ہو جائے وہ قابل مواخذہ نہیں۔ رہا اطرار ممنوع جو فرط محبت سے پیدا ہوتا ہے وہ اختیاری حد تک ممنوع ہے اگر وہ بھی غیر اختیاری حد تک پہنچ جائے تو یقیناً منوع القلم ہوگا، نیز حدیث لا تطرونی الخ میں اطرار کی نہی ضرور ہے، لیکن یہ ضرور نہیں کہ اطرار کا سبب فرط محبت ہی ہو، بلکہ جہالت تعصب غلط فہمی وغیرہ اسباب بھی موجب اطرار ہو سکتے ہیں، پس نہی عن الاطرار مستلزم نہی عن غلبۃ المحبت کو نہیں ہو سکتی، اسی طرح غلبۃ محبت منحصراً فی الاطرار الاضطراری نہیں۔ اس لئے نہی عن الاطرار کو مستلزم نہی عن غلبۃ المحبت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

حدیث مذکور اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ غلبۃ محبت بسا اوقات غیر اختیاری طور پر محبوب کی طرف میلان پیدا کر دیتا ہے، اور یہ میلان قابل مواخذہ نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ غیر اختیاری ہے، اور اس کو غیر اختیاری کس نے بنایا، غلبۃ محبت نے۔

بخاری شریف کی وہ حدیث دیکھئے جس میں امم سابقہ میں سے ایک شخص کا یہ حال مذکور ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں سے موت کے وقت کہا تھا کہ مجھے جلا کر میری خاک تیر ہو میں اٹھ اؤینا، فواللہ لئن قد راہلہ علی الخ ان الفاظ کے (اس تقدیر پر کہ قدَر قُدِّرَتْ سے مشتق مانا جائے) الفاظ کفریہ ہونے میں شبہ نہیں لیکن اس کا جواب دہ خشیتاً اسے کفر سے بچا کر مغفرت خداوندی کا مستحق ٹھیرا دیتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خوف خداوندی نے اس کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلا دیئے اور بے اختیار ہی کی وجہ سے وہ مواخذہ سے بچ گیا، بہر حال وجوہ مذکورہ سے صاف ثابت ہو گیا کہ اسباب معلومہ (سکر، جنون، اکراہ، عتہ) کے علاوہ بھی بہت سے اسباب ہیں جن سے شعور و ادراک یا ارادہ و اختیار زائل ہو جاتا ہے، پس اگرچہ واقعہ مسئول عنہا میں سکر، جنون، اکراہ، عتہ نہیں ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ محض ان اسباب اربعہ کے عدم کی وجہ سے لازم کر دیا جائے کہ اس نے الفاظ مذکورہ ضرور ارادے اور اختیار سے کہے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا امر تنقیح طلب یہ تھا کہ اگر بے اختیاری اور مجبوری ممکن ہو تو صاحب واقعہ کی تصدیق بھی کی جائے گی یا نہیں؟ اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس سے پہلے کہ اس کی تصدیق یا عدم تصدیق

کی بحث کی جائے اول یہ بتا دینا ضروری ہے کہ صاحب واقعہ اپنی بے اختیاری کسی قسم کی ظاہر کرتا ہے اور اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے، سو واضح ہو کہ صاحب واقعہ کا قول یہ ہے (لیکن حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے) بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لے کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں، اللہم صل علی سیدنا ونبینا و مولانا زید، حالانکہ اب بیدار ہوں خواب نہیں لیکن بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں، اس کلام سے صاف واضح ہے کہ اُسے اپنی خواب کی حالت میں غلطی کرنے کا افسوس اور پریشانی بیداری میں لاحق تھی، اور اسی غلطی کا تدارک کرنے کیلئے اس نے درود شریف پڑھنا چاہا، اس کا قصد یہ تھا کہ عام طور پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر اپنی منافی غلطی کا تدارک کرے، لیکن اب بھی اس سے بے اختیاری طور پر وہی غلطی سرزد ہوتی ہے اور اس کی زبان اس کے ارادے اور اعتقاد کے ساتھ موافقت نہیں کرتی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ غلطی اس سے خطا سرزد ہوئی، یعنی وہ اپنی اس غلطی کو خطا سرزد ہونا بیان کرتا ہے، کیونکہ خطا کے معنی یہی ہیں کہ انسان کا قصد اور کچھ ہو اور جوارح سے فعل اس کے قصد کے خلاف صادر ہو جائے، مثلاً کوئی ارادہ کرے کہ اللہ واحد کہوں اس ارادے سے زبان کو حرکت دے لیکن زبان سے بے اختیار اللہ عابد نکل جائے، خطا کے یہ معنی عبارات ذیل کو صراحتاً ثابت ہوتے ہیں :-

الخاطی من یجری علی لسانہ من غیر قصد کلمۃ مکان کلمۃ (فتاویٰ قاضی خاں)
 الخاطی اذا جری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطا بان کان یرید ان یتکلم بما لیس بکفر
 فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطا (قاضی خاں) اما اذا اراد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجری
 علی لسانہ کلمۃ خطا بلا قصد (بزازیت)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ خطا کے معنی یہی ہیں کہ بلا قصد شعور و ادراک کی حالت میں جو کلمہ زبان سے نکل جائے وہ خطا ہے، تو صاف ظاہر ہے کہ صاحب واقعہ کا ان الفاظ کفریہ کے ساتھ تکلم کرنا خطا ہے، کیونکہ اس کا قصد اس کے خلاف الفاظ مباحہ کہنے کا تھا، اور بلا قصد اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔

اور جب ان الفاظ کا خطا صادر ہونا ثابت ہو گیا تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر الفاظ کفر خطا کسی کی زبان سے نکل جائیں تو ان کا حکم کیا ہے، اس کے لئے کتب فقہ میں مختلف عبارات ملتیں ہیں،

اول یہ کہ الفاظ کفریہ کا خطا زبانی سے نکل جانا موجب کفر نہیں :-

رجل قال عبد الحزیز عبد الخالق عبد الغفار عبد الرحمن بالحق الکاف فی اخلاصہم قالوا ان قصد ذلک یکفرون جری علی لسانہ من غیر قصد او کان جاهلاً لا یکفرون علی من سمع ذلک منه ان یجلسہ الصواب (قاضی خان) الخاطی اذا جری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاء بان کان یرید ان یتکلم بما لیس بکفر فجرى علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاء لم یکن ذلک کفراً عند الكل (کذا فی العالم کبریۃ نقلاً عن الخانیۃ)

دوسرے یہ کہ الفاظ کفریہ کا خطا تکلم اگرچہ ریائتہ بالاتفاق موجب کفر نہیں مگر قضاء تصدیق نہ کیجیگا
اما اذا اراد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجرى علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاء والعیاذ باللہ لا یکفر لکن القاضی لا یصدق علی ذلک (بزازیت) بدلیل ما صرحوا بہ من انه اذا اراد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجرى علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاء بلا قصد لا یصدقہ القاضی ان کان لا یکفر فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ فتأمل ذلک اه (رد المحتار)

اگر کہا جائے ممکن ہو کہ قاضی خاں کی دونوں عبارتیں صرف حکم دیانت بتاتی ہوں، کیونکہ بزازیت اور رد المحتار کی عبارتوں میں بھی حکم دیانت ہی بتایا گیا ہے کہ کافر نہیں ہوگا، لیکن اسکے بعد حکم قضاء یہ بتایا کہ قاضی تصدیق نہ کرے، اور حکم قضا کی قاضی خاں کی عبارتوں میں نفی نہیں، بلکہ وہ حکم قضا سے ساکت ہیں۔ اس کے متعلق گزارش ہو کہ ہاں بیشک یہ احتمال ہے، لیکن اول تو مفتی کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ حکم دیانت بتائے، اسلئے صورت مسئلہ میں مفتی کو یہ فتویٰ دینا لازم ہے کہ قائل مرتد نہیں ہوگا۔
دوم یہ بھی دیکھنا ہے کہ جبکہ شرائط صحت ردۃ میں طوع و اختیار بھی داخل ہے، اور بے اختیاری ردۃ معتبر نہیں ہوتی، تو یہ عدم اعتبار صرف مفتی کے اعتبار سے ہوتا ہے، یا قاضی بھی غیر اختیاری ردۃ کو معتبر نہیں سمجھتا، اس کا جواب یہ ہے کہ بے اختیاری کے اسباب اگر ظاہر ہوں تو اس میں مفتی اور قاضی دونوں بے اختیاری کو تسلیم کرتے اور ردۃ کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں جیسا کہ جنون معروف یا سکر ثابت عن القاضی یا طفولیت مشاہدہ وغیرہ۔ پس صورت مسئلہ میں اگر اسکی حالت بے خودی و بے اختیاری کو اور لوگوں نے بھی محسوس کیا ہو جب تو ظاہر ہے کہ قاضی کو بھی اس کا اعتبار کرنا پڑیگا، ورنہ زیادہ سے زیادہ قاضی کو صاحب واقعہ سو اسکی اس حالت بخودی و بے اختیاری کے متعلق قسم لینے کا حق ہوگا۔
سوم یہ کہ اگر قاضی کے سامنے یہ واقعہ اس طرح جاتا کہ اس شخص نے فلاں الفاظ کفریہ کا تکلم کیا ہے اور پھر یہ شخص قاضی کے سامنے غدر بے اختیاری پیش کرتا تو ضرور تھا کہ قاضی اس سے بے اختیاری کا

ثبوت مانگتا، اور صرف اس کے کہنے سے حکم ردّت کو اس پر سے مرتفع نہ کرتا، لیکن یہاں یہ واقعہ نہیں ہے بلکہ قاضی کے سامنے اگر اس قائل کا بیان جائے گا تو اس طرح جائیگا کہ میں بحالت بخود ہی بے اختیار کی کہ زبان قابو میں نہ تھی، یہ الفاظ کہے ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ الفاظ بایں حیثیت کہ بخود اور بے اختیاری سے سرزد ہوتے ہوں موجب کفر نہیں ہیں۔

چہارم یہ کہ ردّت حقوق اللہ خارجہ میں سے ہے، اور اگرچہ بعد ثبوت ردّت بعض عباد کے حقوق متعلق ہو جاتے ہیں لیکن ان کو نفس ثبوت و اثبات ردّت میں دخل نہیں، بلکہ وہ بعد ثبوت ردّت مترتب ہوتے ہیں، جیسا کہ بزازریہ میں اس کی تصریح ہے،

پس کسی تکلم کے دعویٰ خطا کرنے سے کوئی حق عبد زائل نہیں ہوتا، اور اس لئے قاضی کو اس کی تصدیق کر لینا ہی راجح ہے، جیسا کہ حدیث اخطأ من شدّة الفرح اور حدیث واللہ لئن قدر اللہ علیّ اور مختصر کے کلمات کفریہ کے اعتبار نہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔

اسکے بعد یہ بات باقی رہی کہ آیا صاحب واقعہ کے اس قول میں کہ ان الفاظ کا قصد و بے اختیاری ہوا تصدیق کی جائیگی یا نہیں، اس کا جواب ضمناً تو آچکا، لیکن زیادت و وضاحت کی غرض سے عرض کیا جاتا ہے اگر کسی کلام میں مقصود جوہ کفر کے ہیں اور ایک وجہ اسلام کی تو مفتی اسی وجہ کو اختیار کرے جس سے حکم کفر عائد نہ ہو، کیونکہ جہت اسلام راجح ہے اور مسلمان کے ساتھ حسن ظن لازم ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ مفتی کی تاویل فی الواقع صحیح نہ ہوگی تو اس کا فتویٰ قائل کو حقیقی کفر سے نہیں بچا سکے گا تو اس صورت مسئلہ میں جب کہ قائل خود اپنا کلمہ کفر سے ڈرنا پریشان ہونا اور پھرتا راک کے خیال سے درود شریف پڑھنا اور اس میں بے اختیاری سے غلطی کرنا اور پھر اس پر افسوس کرنا اور رونا بیان کرتا ہے تو پھر اس بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں کہ اس نے یہ الفاظ کفریہ اپنے ارادے اور اختیار سے کہے ہیں، یہ خیال کہ جب اُسے معلوم تھا کہ میری زبان قابو میں نہیں، تو سکوت کرنا چاہئے تھا، لیکن اس نے سکوت نہ کیا، اور کلمہ کفر زبان سے نکالا، تو گویا قصد کلمہ کفر کے ساتھ تکلم کیا، صحیح نہیں، کیونکہ اس نے قصد تو درود شریف صحیح پڑھنے کا کیا تھا مگر تلفظ کے وقت زبان سے دوسرے لفظ نکلے، پھر قصد کیا کہ صحیح پڑھوں، پھر لفظ نکلے، تو گویا ہر مرتبہ بقصد اصلاح تکلم کیا نہ بقصد الفاظ کفریہ، اور سکوت محض تکلم بقصد اصلاح والتدارک سے افضل نہیں ہو سکتا پس ممکن ہو اور اقرب الی القیاس یہی ہے کہ اس کے دل پر کوئی ایسی حالت طاری ہوئی جس کی وجہ سے اس کے جوارح کے افعال مختل ہو گئے خود اس کے بیان میں موجود ہے کہ بیداری کے بعد بھی بدن میں بدستور بے حسی اور اثر ناطق قتی

بدستور تھا، اسلئے مفتی کے ذمہ صورت واقعہ میں لازم ہے کہ اس طرح فتویٰ دے کہ جب صاحب واقعہ نے اپنے اختیار اور ارادے سے الفاظ مذکورہ نہیں کہے ہیں، تو وہ بالاتفاق مرتد نہیں ہوا اور چونکہ ان الفاظ کا اس کی زبان سے صدور نہ نظر ہوا ہے، اور اس صورت میں اتفاقاً کفر عائد نہیں ہوتا جیسا قاضی خاں کی عبارت سے معلوم ہو چکا، اس لئے اس کو تجدید نکاح یا تجدید ایمان کا حکم بھی نہیں کیا جائے گا، احتیاطاً تجدید کر لینا بحث سے خارج ہے، اس کی منکوحہ قطعاً اس کے نکاح میں ہے، اور اسے ہرگز دوسرا نکاح جائز نہیں، ہاں اگر اس کی یہ حالت بخودی وجہ اختیاری معروف ہو جب تو حکم تضا و دیانت میں کوئی فرق ہی نہیں، اور اگر یہ حالت معروف نہ ہوتا ہم بوجہ مذکورہ بالاتفاق بھی بلا قسم یا زیادہ سے زیادہ قسم کے ساتھ تصدیق کیا جائے گی۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولانا ،

درس مدرسہ امینیہ دہلی، ۳۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۶ھ

ضمیمہ فتویٰ دہلی

جو ایک خط کے ساتھ بعد میں آیا

خط

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ مسئلہ معلومہ کے متعلق مضامین ذہن میں تھے جنہیں اس وقت مجلّت کی وجہ سے ضبط تحریر میں نہ لاسکا اور بعد میں اس سوال کی عبارت موجود نہ ہونے کی وجہ میں نے ایک دو سطر پر سوال قائم کیا، اور اس کا جواب لکھا، میرے خیال میں اس واقعہ کا خطا پر محمول ہونا ہی متعین ہوا اسلئے صرف خطا کے متعلق جو مضمون ذہن میں تھا اسے قلمبند کر کے بذریعہ اس عرضشہ کے پیش کرتا ہوں..... محمد کفایت اللہ عفا عنہ مدرسہ امینیہ دہلی

۶ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ

سوال :- زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر آج میں مغرب کی نماز ادا نہ کروں تو تجھ پر تین طلاق پھر اس نے مغرب کی نماز پڑھی لیکن قرأت میں غلطی کی، کہ بجائے عَمَلِی اَدُم رَجَبۃ کے میم پر زبر اور رَجَبۃ کی باپ پر پیش پڑھ گیا۔ اس کی زوجہ نے یہ غلطی سُن لی تھی، زوجہ نے قاضی کے یہاں دعویٰ کیا کہ میرے خاوند نے میری طلاق کو مغرب کی نماز ادا نہ کرنے پر معلق کیا تھا، اور اس نے نماز ادا نہیں کی، کیونکہ مذکورہ بالا غلطی اس نے کی ہے، جس سے اس کی نماز فاسد ہو گئی، اسلئے وجود شرط کی وجہ سے میں مطلق ہو گئی ہوں

قاضی نے زید سے دریافت کیا، اس نے غلطی کا اقرار کیا، مگر کہا کہ چونکہ یہ غلطی مجھ سے خطا ہوئی ہے، قصداً میں نے غلط نہیں پڑھا، اس لئے میری نماز صحیح ہوئی، اور وجود شرط نہیں ہوا، قاضی نے روج کے اقرار بالخطا کو تسلیم کر کے اسکی صحت نماز کا حکم کر دیا اور زید کا دعویٰ طلاق بوجہ اسکے کہ شرط طلاق نہیں پائی گئی، خارج کر دیا، اسکے بعد عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ چونکہ کلمہ مذکورہ ایک کلمہ کفریہ ہو گیا تھا، اور زید نے کلمہ کفریہ کا تکلم کیا ہے اسلئے وہ مرتد ہو گیا اور ارتداد کی وجہ سے دعویٰ فسخ نکاح کا مجھے حق حاصل ہو گیا ہے، میرا نکاح فسخ کر دیا جائے، یعنی فسخ نکاح کا حکم کر دیا جائے،

سوال یہ ہے کہ قاضی کا پہلا حکم دربارہ صحت نماز صحیح واقعہ ہوا یا نہیں، اور کیا اب قاضی زید ارتداد کا حکم کر کے فسخ نکاح کا حکم دے سکتا ہے، بینوا تو جبروا، !

الجواب۔ زید کا دعویٰ دربارہ صدور غلطی عن الخطا اور عدم قصد واختیار مقبول ہو، کیونکہ نماز اور اسکے ارکان و شرائط حقوق اللہ خالصہ میں سے ہر اور حقوق اللہ خالصہ میں دعویٰ خطا دیانہ وقتناظر مقبول ہے۔

والخطاء وهو عند رصاص لسقوط حق الله تعالى ويصير شبهة في دفع العقوبة حتى لا ياتم الخاطئ ولا يواخذ بمجد او قصاص (كذا في نوها لا توار) فان زنت اليه غير امراته فظنهما انها امراته فوطئها لا يحد ولا يصير اثماً (نوها لا توار)

جیسے خطا غیر عورت سے وطی کر لی، یا شکار سمجھ کر کسی انسان کو مار ڈالا، تو ان صورتوں میں دعویٰ خطا قضا بھی مقبول ہے اور حد قصاص واجب نہیں ہوتا، کیونکہ مدد و حقوق اللہ خالصہ میں سے ہیں، اور ان میں دعویٰ خطا مقبول ہے، پس جب کہ دعویٰ خطا مقبول ہوا، تو اسے دیکھنا یہ ہے کہ قرأت میں خطا غراب غلط پڑھنے کا کیا حکم ہے، تو متقدمین اگرچہ ایسی غلطی میں جس سے معنی میں تغیر فاحش ہو جائے، فساد صلوٰۃ کے قائل ہیں لیکن متاخرین میں سے بہت سے حلیل القدر فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز صحیح ہو جائے گی فاسد نہ ہوگی۔ اور یہی قول مفتی بہ ہے،

واما المتأخرون كابن مقاتل وابن سلام واسماعيل الزاهد وابي بكر البلاءي والهندواني وابن الفضل والمحلوفي فاتفقوا على ان الخطاء في الاعراب لا يفسد مطلقاً ولو اعتقاد كفراد من المختار، وكذا وعصی آدم ربه بنصب الاول ورفع الثاني يفسد عند العامة وكذا افساء مطرا لمندرين بكسر الذا ل و اياك نعبد بكسر الهمزة

والمصور بفهم الواو في النوازل لا تفسد في الكل وبه يفتى بنوازية وإحلاصة (رسم النظم) وهو التشبه كذا في المحيط وبه يفتى كذا في العناية وهكذا في الظهيرية (عالمگیری) پس اس قول مفتی بہ کے موافق قضاہ اول یعنی صحت نماز کا حکم صحیح ہو گیا، اور جب نماز صحیح ہو گئی تو وجود شرط نہ ہوا، اور طلاق معلق واقع نہ ہوئی۔

اس کے بعد عورت کا ارتداد زوج کی وجہ سے دعویٰ فسخ نکاح کرنا غیر مسموع ہے، کیونکہ قاضی اس صورت میں ارتداد زید کا حکم نہیں کر سکتا، جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں :-

۱۔ اب اگر حکم بالارتداد کیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں، اول یہ کہ قضاہ اول بحالہ باقی ہے اور قضاہ بالارتداد بھی کر دی جائے تو اس میں صریح طور پر اجتماع ضدین بلکہ نقیضین ہے، کیونکہ قضاہ اول کا مقتضی صحت نماز ہے اور قضاہ ثانی کا بطلان نماز، قضاہ اول کا مقتضی بقا نکاح ہے اور قضاہ ثانی کا بطلان نکاح قضاہ اول کا مقتضی اسلام زید ہے (کیونکہ صحت صلوٰۃ کے حکم کیلئے اسلام مصلیٰ شرط ہے) اور قضاہ ثانی کا مقتضی کفر زید، اور معنی ان دونوں متناقض حکموں کا وہی کلام واحد ہے۔ دوم یہ کہ قضاہ اول کو باطل کر دیا جاوے اور قضاہ ثانی کو واجب النفاذ سمجھا جاوے، مگر یہ دونوں صورتیں باطل ہیں، پہلی تو بوجہ لزوم اجتماع نقیضین، کئے اور دوسری اس وجہ کہ قضاہ اول جب کہ مسئلہ مجتہد فیہ میں واقع ہو جائے تو پھر یہ واجب العمل و انتفیہ ہو جاتی ہے اور خود اس قاضی کو یا کسی دوسرے قاضی کو اسکے ابطال کا اختیار نہیں رہتا،

وإذا رفع اليه حكم قاض آخر قيد اتفاق اذ حكم نفسه مثل ذلك (ای الرفع) كذا لك تنذره ای الزم الحكم مقتضاه لو مجتهد فيه (در مختار) قوله نفذه ای يجب عليه تنفيذه (رد المحتار) اعلم انهم قسموا الحكم ثلثة اقسام قسم يرد بكل حال وهو ما خالف النص والاجماع وقسم يفتى بكل حال وهو الحكم في محل الاجتهاد (رد المحتار) ۳۔ حکم بالردت حقوق اللہ خالصہ میں سے ہے اور حقوق اللہ خالصہ میں دعویٰ خطا و قضاہ مقبول ہے، ورنہ وظمی بالثبہ میں دعویٰ خطا مقبول نہ ہوتا اور عذرنا لازم آتی، رمی الانسان بالخطا میں دعویٰ خطا مقبول نہ ہوتا اور قصاص لازم آجاتا، حالانکہ لازم باطل ہے یعنی قضاہ وجوب حد یا قصاص کا حکم نہیں کیا جاتا کیونکہ حد و حقوق اللہ میں سے ہے، اور قصاص میں اگرچہ حق عید بھی ہو لیکن اس کا بدل دیت کی صورت میں ادا کر دیا گیا، اور اس کی شکستگی خاطر کا جبر ہو گیا اور انکار عالم کون انسان جب موجب قصاص تھا بوجہ دعویٰ خطا اس کا حکم مرتفع ہو گیا، یہ بات کہ حکم بالردت حقوق اللہ میں سے ہے اس عبارت سے ثابت ہے بخلاف الارتداد لانه معنى بقره به المرد لا حق فيه لعبره

من الادیتین (بنازدہ) پس جبکہ صورت مسئلہ میں زید تکلم بالخطا کا معنی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کا قول قضاۃ مقبول نہ ہو۔

۳۔ ردۃ کی حقیقت فقہائے اس طرح بیان کی ہے اجراء کلمۃ الکفر علی اللسان یعنی کلمۃ کفر قصداً زبان پر جاری کرنا، قصد کی قید لفظ اجراء سے مفہوم ہوتی ہے ورنہ جریبان کلمۃ الکفر کہا جاتا، پھر جہاں شرائط صحت ردۃ بیان کئے ہیں وہاں طوع یعنی اختیار کو شرائط صحت میں بھی ذکر کیا ہے پس جب تک کہ قصد اور اختیار نہ متحقق ہو ردۃ کا تحقق ہی نہیں ہو سکتا، اور کسی چیز کے تحقق سے قبل اس کا حکم کر دینا بد اثر باطل ہے، مثلاً وضو شرائط نماز میں ہے، تو جو نماز بے وضو پڑھی جائے وہ صحیح نماز نہ ہوگی، تو قبل تحقق وضو کے صحت نماز کا حکم کر دینا یقیناً غلط اور باطل ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ قصد اور اختیار امور قلبیہ میں سے ہیں اس پر سوائے صاحب معاملہ کے کسی دوسرے انسان کو اطلاع نہیں ہو سکتی، جب تک صاحب معاملہ خود واقف نہ کرے، پس تحقق شرط ردۃ کے لئے صاحب معاملہ کا یہ اقرار کہ اس نے قصد اللفاظ کفریہ کا تلفظ کیا ہے ضروری ہے اور چونکہ اس کے اقرار کے سوا اور کوئی سبیل اس کے علم کی نہیں، اس لئے اس کے اقرار و انکار کی تصدیق ضروری ہوگی۔

ہاں کبھی اس کے عدم انکار قصد کو قائم مقام اقرار قصد کے حکم قضا میں کر لیا جائے تو ممکن ہی لیکن اس کے انکار صریح کی کہ تعدد سے صراحت منکر ہو تصدیق نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، نیز اقرار صرف تلفظ بالاختیار کا ثبوت ردۃ کیلئے کافی ہے، اس کے معنی کا قصد کرنا اور مراد لینا شرط نہیں، کیونکہ ہازل و لاعب کے ارتداد کا حکم فتح القدیر و تجرید وغیرہ کتب معتبرہ میں مصرح ہے، اور ان دونوں کے کفر کی وجہ ان کا یہ کلمہ کفریہ غیر مقصود و المعنی نہیں بلکہ استخفاف فی الدین ہے، پس یہ قول کہ ادعاء خطا کی صورت میں ارتداد کا حکم نہ کرنا چاہئے یقیناً راجح بلکہ صواب ہے۔

قال فی الجواہر الحاصل ان من تکلم بکلمۃ الکفر ہا زلاً ولا عباً کفر عند الكل ولا اعتبار باعتقاد کما صرح بہ فی الخانیۃ ومن تکلم کما غلطاً او مکروہاً لا یکفر عند الكل (رد المحتار) اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ خطا اور اکراہ کی صورت میں دیاتہ و قضاۃ بالاتفاق کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ خطا اور اکراہ کو ایک مد میں شامل کیا ہے اور اکراہ میں قضاۃ کافر نہ ہونا مسلم ہے، لہذا ای الخطا اگر مشہد کیا جائے کہ ردۃ زوج کے ساتھ زوجہ کا حق نسخ و ختم عن الملك متعلق ہے تو ممکن ہے کہ خطا ادعاء سے اس پر فیما بینہ دین اللہ کفر کا حکم عائد نہ ہو لیکن اگر قاضی ادعاء خطا کی تصدیق کرے تو زوجہ کا حق باطل ہے اور اسی وجہ سے بنیاز یہ اور مشامی میں لکھا ہے کہ خطا میں اگر وہ بانہ کافر نہیں ہوتا مگر قاضی تصدیق

نہ کرے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم خود بنیادیہ سے نمبر میں نقل کر چکے ہیں کہ ردۃ کا حکم کرنے میں کسی آدمی کا حق متعلق نہیں، پس اس کی یہ عبارت خود اس حکم عدم تصدیق قاضی کے منافی ہوشامی نے اس قول کو صرف بلفظ بدلیل ماصرحوایان کیا ہے اور تصریح کرنے والوں کا نام نہیں بتایا، اسلئے یہ نقل چنداں قابل اعتماد نہیں۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ زوجہ کا حق نفس تکلم بکلمۃ الکفر کے ساتھ متعلق نہیں، بلکہ ردۃ کے آثار مرتبہ طبعیہ میں سے ہے اور ترتیب آثار بعد وجود حقیقت ہوتا ہے، اور جب تک کہ طوع و اختیار ثابت نہ ہو جائے حقیقت ردۃ نہ متحقق ہوتی، نہیں اس پر آثار کا ترتیب کیسا،

پھر خود شامی نے جامع الفصولین و نور العین وغیرہ و بجز نقل کیا کہ ایسے الفاظ کفریہ جن میں کوئی بعید تاویل بھی ہو سکتی ہو بولے پھر بھی حکم بکفر نہ کیا جائے،

اور علامہ شامی فرماتے ہیں و مفہومہ اند لا یجزم نفسہ اسکا ح یعنی جامع الفصولین نور العین کی عبارتوں کا مفہوم یہ ہے کہ نسخ نکاح کا حکم نہ کیا جائے، پس جامع الفصولین و نور العین و ضریبہ کی نقول شامی کی بحث سے بدرجہ اولیٰ بالعمل والقبول ہیں۔

اور پھر یہ اس صورت کا حکم ہے کہ قائل نے کلمۃ کفریہ کا یقیناً تکلم کیا، اور خود کوئی صورت بچاؤ کی پیش نہیں کی حالانکہ صورت مسئلہ میں قائل خود ہی اپنی معذوری اور بے اختیار بیان کرتا ہے، پس یہاں بدرجہ اولیٰ حکم روت نہیں ہو سکتا۔

۴۔ تعلیقات طلاق کا رد ان دخلیت الدائم فانہ طالق؛ جس میں عورت کا حق متعلق بالذات ہوتا ہے حکم یہ ہے کہ اگر زوج تعلیق باوجود شرط کا انکار کرے اور زوجہ تعلیق یا وجود شرط کی مدعی ہو تو بیہ زوجہ کے ذمہ ہے، ورنہ قول زوج کا معتبر ہوتا ہے۔

وان اختلفانی وجود الشرط فالقول له الا اذا برهنت وما لا یعلم الا منها فالقول لها فی حقہا رد عالمگیری، فان اختلفانی وجود الشرط فالقول له مع البین لانکار الطلاق رد مختار قوله فی وجود الشرط ای اصلاً او تحقیقاً کما فی شرح المجمع اختلفانی وجود اصل التعلیق بالشرط او فی الشرط بعد التعلیق و فی البرازیة ادعی الاستثناء او الشرط والقول له لمذاذ المختار پس دعویٰ نسخ نکاح میں گویا زوجہ وجود شرط کی مدعی ہو اور وہ تکلم بکلمۃ الکفر طوعاً یا اختیاراً ہو زوج اس کا منکر ہے، لہذا حسب قاعدہ مذکورہ قول زوج تھا نہ بھی معتبر ہونا چاہئے۔

بلکہ یہاں بدرجہ اولیٰ قول زوج کا اعتبار ہوگا کیونکہ عورت کا حق بالذات ثبوت روت کے ساتھ

متعلق نہیں، بلکہ احکام روت میں سے ہر حکم الشیء ثمرتہا و اثرہ المرتب علیہ (سواء المختار)

الحاصل

جس شخص کی زبان سے کوئی کلمہ کفر نکل جائے اور وہ خطا نہ نکلنے کا مدعی ہو جیسا کہ اکثر نماز میں خطا ایسے الفاظ جن کا نعت کفر نکل جاتے ہیں، دیانہ حکم ارتداد کا عائد نہ ہونا تو متفق علیہ ہے، قضا بھی اسکے قول کی معین تصدیق کی جائیگی، اور قاضی کو کوئی حق نہیں کہ اس پر ارتداد کا حکم لگائے اور اس کی قسم کا اعتبار نہ کرے، یا اس کی زودہ کا نکاح نسخ کر دے، نیز خطا کسی کلمہ کے زبان سے نکلنے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ مستکلم بے ہوش ہو یا بخنوں ہو بلکہ ہوش و حواس صحیح ہونے اور اوراک شعور قائم ہونے کی حالت میں بھی بلا قصد الفاظ زبان سے نکل جاتے ہیں، اُنہی طالق کہنے کے بعد قضا یہ تاویل کہ میری مراد طالق عن وثاق تھی اسلئے معتبر نہیں کہ الفاظ طلاق خود موجب حکم ہیں، اور ان کے صدور کے ساتھ بالذات حق عورت متعلق ہو جاتا ہے بخلاف کلمہ کفر کے کہ یہ بالذات موجب روت نہیں، بلکہ طوع و اختیار شرط صحت روت سے ہے اور اس کے ساتھ کسی انسان کا حق بالذات متعلق نہیں پس انکار اختیار در حقیقت انکار سبب ہے نہ انکار حکم مع الاقترار بالسبب، ہذا واللہ اعلم بالصواب،

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دلی

۱۳۳۶ھ رجب ۱۳

جزو ششم تحریر صاحب علم موصوف بالا

در تمہید
مُلَقَّب بـ

القول المجوب فی حکم المغلوب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً و مُصَلِّیاً و مُسَلِّماً، اما بعد گزارش ہو کہ جس وقت سے واقعہ خواب الامداد میں شائع ہوا ہے اُس وقت سے لوگوں میں ایک شورش پیدا ہو گئی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس واقعہ پر

ایک تفصیلی بحث لکھ دیا دے، پس ہم اس پر ایک تفصیلی بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ پر انکار کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں، ایک تو وہ لوگ ہیں جو صرف اپنے اختلاف کو نفس واقعہ تک محدود کرتے ہیں اور حضرت مولانا ظہیر العالی پر طعن و تشنیع نہیں کرتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مولانا نے اس واقعہ میں مہمیت سے کام نہیں لیا، بلکہ وہ صاحب واقعہ کو معذور سمجھتے تھے، اور اسی بنا پر انھوں نے اس واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا، لہذا وہ معذور ہیں اور ان پر ملامت نہیں کی جاسکتی،

دوسرے وہ لوگ ہیں جو خود مولانا کو بھی پسینے میں، ایسے لوگ بھی دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن کے اعتراض کا منشأ خلوص اور محبت ہے اور وہ خیر خواہانہ نکتہ چینی کرتے ہیں، اور دوسرے وہ جن کے اعتراض کا منشأ حسد اور عداوت ہے اور جو کہ طرح طرح سے حضرت مولانا کی دل آزاری پر کمر بستہ ہیں اور انھوں نے یہاں تک ایمان اور انصاف سے آنکھ بند کر لی ہے کہ واقعہ کی صورت بدل کر اور اس میں تخریف کر کے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور جھوٹ اور بہتان سے بھی نہیں بچتے، پس معاندین اور عاصدین سے خطاب کرنا بے کار ہے، اور ان کی نسبت تو ہم صرف اس قدر عرض کر لے ہیں کہ

آنکہ او باشد حسود آفتاب	کور میگردد ز بود آفتاب
اینت درو بے دوا کورست آہ	اینت افتادہ ابد در قعر جاہ
نفی خورشید ازل بایست او	کے برآید این مراد او بگو
تو بنخشا بر کسے کاندہر جہاں	شد حسود آفتاب کامراں
تانیش پوشیدہ تیج از دیدہا	داز طراوت دادن بوسیدہا
یا ز نور بچدش تانند کاست	یا بدفع جاہ او تانند خاست
تا بر آید ہمنہ را تار و پود	چشم در خورشید نتواند کشود
تو حسودی کنز فلاں من کمتر	می فزاید کمتری در اخترم
خود حسد نقصان دیندیگرست	بلکہ از جہلہ کیہا بدتر است
آن بلیس از ننگ عیار کمتری	خویشتن افگندہ در صد ابتری
از حسد می خواست تا بالا بود	خود چہ بالا بلکہ خوں بالا بود
آن ابو جہل از محمد ننگ داغدت	وز حسد خود را ببالا می فراست
بوا حکم نامش بدو بوجہل شد	اے بسا اہل از حسد نا اہل شد
در گذر از نفس در چستی و فن	کار خدمت دارد و خلق حس

صد ازینہا گر بگویم تو کری | بشنوی و ناشنودہ آوری |
 رہے وہ لوگ جو کہ بلا عناد و حسد محض مخلص و محبت سے نفس واقعہ یا حضرت مولانا کے فعل پر توجہ
 کرتے ہیں ان کے سامنے ضروری چاہتا ہے کہ واقعہ کی پوری تفصیل پیش کر دی جاوے، اور چونکہ انھوں
 نے ہمدردی اور دل سوزی کو کام فرما کر حضرت مولانا کو ان کی ایک ایسی لغزش پر متنبہ کیا ہے جس کو وہ
 اپنی دانست میں لغزش سمجھتے تھے، تو ہماری دل سوزی کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس واقعہ کے ان تمام پہلوؤں پر
 بحث کر کے جو کہ ہماری نظر میں منشا و انکار ہو سکتے ہیں (خواہ وہ خود ہمارے غور و خوض کا نتیجہ ہوں یا دیگر
 حضرات کے افکار کا) اصل حقیقت کو ان کے سامنے خیر خواہانہ پیش کر دیں۔ واللہ المستعان وہ ہو الموفق
 للصلواب

اس گزارش کے بعد معروض ہے کہ اس واقعہ کے متعلق لوگوں کے جس قدر اعتراضات ہیں ان
 سب کا حاصل کل تین اعتراض ہیں:-

(۱) واقعہ قابل اعتراض تھا (۲) مولانا نے اس پر اعتراض نہیں کیا (۳) اسے شائع کر دیا جو کہ
 فتنہ عوام کا باعث ہوا، پس مولانا کا عذر تو یہ ہے کہ نہ واقعہ کے دیکھنے سے ہمارے ذہن میں کوئی اعتراض
 آیا، اور نہ ہم کو اس کی اشاعت میں کسی مفسدہ کا احتمال ہوا، بلکہ ہم کو اس کی اشاعت میں دینی فائدہ
 یہ نظر آیا کہ اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آوے تو وہ اس واقعہ سے نہ پریشان ہو اور نہ اپنے عقیدہ کو بگڑنے
 دے اسلئے ہم نے اسے شائع کر دیا، پس مولانا کی معذوری تو ظاہر ہے، رہا یہ امر کہ خود واقعہ
 قابل اعتراض تھا یا نہیں، اس کا فیصلہ ایک بحث طویل کے بعد ہو سکتا ہے، اسلئے ہم اس پر بحث کرتے ہیں
 اور کہتے ہیں کہ جو لوگ واقعہ کو قابل اعتراض کہتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ صاحب واقعہ کو تجدید ایمان نکاح
 کرنی چاہئے، پس اب ہم کو اس واقعہ کا شرعی حکم معلوم کرنا چاہئے، سو اس کی تحقیق حسب ذیل ہے:-

تحقیق حکم واقعہ زیر بحث

تجدید ایمان و نکاح موقوف ہو تحقیق ارتداد پر اور حقیقت برت یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنا عقیدہ
 بدل دے، اور خلاف اسلام عقیدہ رکھے، یا وہ بقصد صحیح کوئی ایسا فعل کرے جو موجب کفر ہو، کما
 قال الامام فخر الاسلام فی اصولہ (الردۃ تبنی علی القصد والا اعتقاد) پس جبکہ یہ حقیقت واقع میں
 بھی متحقق ہوگی اور قاضی کو بھی اسکے تحقق کا علم مقبر عنہ الشرع ہوگا، تو وہ شخص جس سے اس حقیقت کا
 تحقق ہوا ہے دیانہ بھی مرتد ہوگا اور قصاص بھی اور اگر واقعہ میں اس کا تحقق ہوا اور قاضی کو اس کا علم نہ ہوگا

تو وہ دیانۃ مرتد ہوگا، مگر قضا مرتد نہ ہوگا، اور اگر واقع میں اس کا تحقق نہیں ہوا ہے لیکن قاضی کے نزدیک اس حقیقت کے تحقق کا بطریق معتبر عند الشرع ثبوت ہو چکا ہو تو یہ شخص دیانۃ مرتد ہوگا مگر قضا مرتد ہوگا۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب واقعہ زیر بحث میں دو امور تفتیح طلب ہیں، اول یہ کہ واقعہ میں حقیقت ردت متحقق ہوئی یا نہیں، دوم یہ کہ صورت موجودہ میں قاضی کو تحقق حقیقت ردت کا علم معتبر عند الشرع ہو سکتا ہے یا نہیں، اور وہ اس پر ارمہ او اور بینونت زوجہ کا علم لگا سکتا ہے یا نہیں، سو امر اول کے متعلق تو کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کا علم خدا تعالیٰ کو ہے یا صاحب معاملہ کو، کہ آیا وہ الفاظ در حقیقت بالاضطرار اس کی زبان سے نکلے، یا اس نے قصداً کہے، ہم کو اس کے متعلق کچھ علم نہیں، لہذا دیانت کے متعلق تو اس کے معاملہ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔

رہا امر دوم سو وہ منقح ہو سکتا ہے، پس ہم اس کے متعلق بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحب واقعہ بیان کرتا ہے کہ میری زبان سے بالاضطرار کلمات معلومہ نکلے، اس میں دو جزو ہیں، ایک یہ کہ میری زبان سے کلمات کفر نکلے، دوم یہ کہ میں اس وقت مجبور اور بے اختیار تھا، اور میں نے بقصد یہ الفاظ نہیں کہے، جزو ثانی تو منقح ہے جزو اول کی، جو کہ اس کے متصل ہی ہے اور اس کے رد و قبول کا حق اصابت و شخصوں کو ہو سکتا ہے، اول قاضی کو جو کہ خلیفۃ اللہ ہے، دوسرے زوجہ کو، کیونکہ ردت کا تعلق فی الجملہ بینونت سے بھی ہے، اور المباحۃ کا قاضی مخرج ہے، سو قاضی کے متعلق تو یہ تفصیل ہے کہ فقہاء میں دو جماعتیں ہیں، ایک وہ لوگ جو نفس معاملہ ارتداد و تکفیر کو اہمیت نہیں دیتے، بلکہ قتل مسلم کو اہمیت دیتے ہیں، اسلئے وہ شبہ کی حالت میں حق قتل میں ارتداد کا حکم نہیں کرتے، ہاں حق بینونت زوجہ میں ارتداد کا حکم کرتے ہیں اور اس پر بینونت مرتب کرتے ہیں، دوسری جماعت فقہائے محتاطین کی ہے جو نفس حکم ارتداد کو بھی اہمیت دیتے ہیں اور اس کو حد و دو قصاص سے کم نہیں قرار دیتے۔

ایسے لوگ اونی شبہ کے ہوتے ہوئے بھی ردت کا حکم نہیں کرتے اور جہاں ذرا سا بھی شبہ ہوتا ہے وہاں نہ قتل کا حکم کرتے ہیں اور نہ بینونت کا، چنانچہ درختار میں ہے :-

الكفر لغة الستر وشراً تكذيبه صلى الله عليه وسلم في شئ مما جاع به من الدين ضرورة والفاظه تعرف في الفتاوى بل افردت بالتأليف مع انه لا يفتى بالكفر بشئ منها الا فيما اتفق المشائخ عليه كما سيبي قال في البحر وقد الزمت نفسي ان لا افتي بشئ منها انتهى
اور رد المحتار میں ہے :- سبب ذلك ما ذكره قبله بقوله وفي جامع الفصولين روى الطحاوي عن اصحابنا لا يخرج الرجل من الايمان الا بجحد ادخله فيه ثم ما يتقن

لہذا وہ محکمہ ہا و مایشک اندر نہ لایحکمہ ہا اذ الاسلام الثابت لا یزول بالشک مع ان
 الاسلام یلوی و ینبغی للعالم اذ ارفع الیہ هذا ان لا یبادر تکفیر اهل الاسلام مع انہ
 یقنی بصحة اسلام المکرہ اقول قد قدمت هذا لیسیر میزاننا فیما نقلتہ فی هذا الفصل
 من المسائل فانہ قد ذکر فی بعضها انہ کفر مہم انہ لا یکفر علی قیاس هذه المقدمة فلیتأمل
 انتہی ما فی جامع الفصولین و فی الفتاوی الصغری الکفر شی عظیم فلا اجعل
 المؤمن کافراً امتی وجدت انہ لا یکفر انتہی، و فی الخلاصہ و غیرہا اذ کان فی المسألة
 وجوب توجب التکفیر و وجہ واحد یمنع قطع الفتی ان یمیل الی الوجہ الذی یمنع التکفیر
 تحسیناً للظن بالمسلم زاد فی البیازیة الا اذا صرح بارادة موجب الکفر فلا یمنع
 التأویل حیث و فی التتارخانیة لا یکفر بالمحتمل لان الکفر نہایتہ فی العقوبة فلیستدعی
 نہایتہ فی الجہانۃ و مع الاحتمال لانہایتہ انتہی، والذی محمد لا یفتی بکفر مسلم امکان حمل
 کلامہ علی محمل حسن او کان فی کفرہ اختلاف و لور وایتہ ضعیفہ معطیٰ هذا اکثر الفاظ
 التکفیر المذکورۃ لا یفتی بالتکفیر فیہا و قد التزم نفسی ان لا افتی بشئ منها انتہی کلام
 البحر باختصار انتہی کلام رد المحتاس،

ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ فقہاء نفس تکفیری کو ہتم بالشان سمجھتے ہیں، اور انکی احتیاط
 کا منشاء صرف تباہی و قتل المسلم نہیں ہو بلکہ اس کا منشاء خود اہمیت تکفیر ہے اور اس کا لازمی نتیجہ
 یہ ہے کہ محل شبہ پر نہ تکفیر من حیث استحقاق القتل کی جائے گی، اور نہ من حیث بطلان النکاح، کیونکہ اگر
 تکفیر من حیث البینونت کا حکم کیا گیا تو اس میں صرف قتل سے اجتناب ہوگا، نفس تکفیر سے نہ ہوگا،
 حالانکہ فقہاء نفس تکفیر سے احتیاط کرتے ہیں، نیز اس وقت فقہاء محتاطین فی التکفیر و مشددین کے مسلک
 میں کچھ فرق نہ ہوگا، کیونکہ قتل مسلم میں تو مشددین بھی لا محالہ احتیاط کریں گے، اور محل شبہ میں قتل کا حکم
 نہ دیں گے، تو پھر دونوں مسلکوں میں فرق کیا ہوا، اس سے ظاہر ہو گیا کہ فقہائے محتاطین فی التکفیر کا
 مطلب یہی ہے کہ محل شبہ پر نہ تکفیر من حیث القتل کی جائے گی، اور نہ من حیث بطلان النکاح، شاید
 کسی کو اس کے ماننے میں اسلئے تاقل ہو کہ علامہ شامی کو اس میں تردد ہے، اس لئے ہم اس مضمون
 پر مزید بحث کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ صاحب درمختار نے لکھا تھا، لا یفتی بکفر مسلم امکان حمل
 کلامہ علی محمل حسن الخ، اور یہ بیان تھا فقہاء محتاطین کے مسلک کا، اس پر علامہ شامی نے
 حسب ذیل گفتگو کی :-

قوله لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن الخ ظاہراً انه لا یفتی به من حیث استحقاقه للقتل ولا من حیث المحکم ببنونہ زوجته، وقد یقال المراد الاول، فقط لان تاویل کلامه للتباعد عن قتل المسلم بان یكون قصد ذلك التأویل وهذا الینافی معاملته بظاہر کلامه فیما هو حق العبد وهو طلاق الزوجة وملكها لنفسها بدلیل ما صرحوا به من انه اراد ان یتکلم بکلمة مباحة فحیر علی لسانه کلمة الکفر خطاءً بلا قصد لا یصدق القاضی وان کان لا یکفر فیما بینہ بین ربه تعالیٰ فتأمل ذلك وحرره نقلاً فانی لم ار التصحیح به نعم سید کر الشارح ان ما یكون کفرًا اتفاقاً یبطل لعمل والنکاح وما فیہ خلاف یدوم بالاستغفار والتوبة وتجديد النکاح اھ وظاہراً انه امر احتیاطاً الی آخر ما قال رحمہ اللہ ۲

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ قولہ لا یفتی بکفر مسلم الخ کا ظاہر مطلب تو یہی ہے کہ نہ ایسے موقع پر من حیث استحقاق القتل کفر کا حکم کیا جائے گا، نہ من حیث البینونہ، لیکن یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کی مراد صرف تکفیر من حیث القتل کی ممانعت ہو، اور تکفیر من حیث البینونہ کی ممانعت مقصود نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قائل کے کلام کی تاویل کا منشاء اس کے قتل سے احتراز کرنا ہے، اور یہ حکم بالبینونہ کے منافی نہیں ہے، اس لئے بینونہ کے بارے میں اس کی تاویل نہ کی جاوے گی، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ فقہار نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ مباعد بولنا چاہے اور بلا قصد اس کی زبان سے کلمہ کفر نکل جاوے تو فیما بینہ و بین اللہ کافر نہ ہوگا، لیکن اگر قاضی کے یہاں وہ یہ غدر کرے کہ یہ کلمہ بلا قصد اور خطائے میری زبان سے نکل گیا تھا، تو قاضی اس کو نہ مانے گا، اور بینونہ کا حکم کر دیگا، اس کے بعد علامہ نے فتاویٰ الخ میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ فقہاء محتاطین کے اس کلام مذکور فی المتن کے یہ دو محمل ہو سکتے ہیں، تم اس میں غور کرو، مجھے ان کے کلام میں کوئی محمل مصرح نہیں ملا ہے، ہاں ان کی بعض دوسری تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی مراد یہی ہے کہ ایسے موقع پر نہ من حیث القتل کفر کا فتویٰ دیا جائیگا، اور نہ من حیث البینونہ، چنانچہ شارح کہے گا کہ جو کفر اتفاقاً ہو اس سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے، اور جس میں اختلاف ہو اس میں توبہ واستغفار اور تجدید نکاح کا حکم کیا جاوے گا، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفر اختلافی میں بطلان نکاح کا حکم نہ کیا جائیگا، بلکہ احتیاطاً تجدید نکاح و توبہ واستغفار کا حکم کیا جائیگا، الی آخر ما قال، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر شای کو شرر صدر نہیں ہوا، اور وہ کوئی تحمل متعین نہیں کر سکے۔ اب ہم وجہ تردد کو رفع کرتے ہیں

تاکہ محل اول جس کو علامہ موصوف ان کے کلام کا محل ظاہر اور تصریحات سے مؤید فرماتے ہیں متعین ہو جاوے اور اس میں کچھ تاثر نہ رہے، پس ہم کہتے ہیں کہ فقہاء محتاطین کی احتیاط کا منشاء صرف یہ نہیں ہے کہ مسلمان کو قتل سے بچایا جاوے، بلکہ اس کا اصل منشاء یہ ہے کہ اس کو اصل کفر سے بچایا جاوے، کیونکہ کفر ایک ایسا جرم ہے جس سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں، کما فی التتارخانیۃ الکفر نہایۃ فی العقوبۃ فیستدعی نہایۃ فی الجناۃ الی غیر ذلک، پس جس وقت تک واقعہ میں بچاؤ کا پہلو ہو اس وقت تک کسی مسلمان کو اتنے بڑے جرم کا مرتکب قرار دینا جائز نہیں، بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ مکفر مسلم کیلئے حدیث میں اس قدر سخت وعید آئی ہو کہ اگر اس میں تاویل نہ کی جاوے تو خود مکفر کا نسر ہو جاوے، اور اس بنا پر انہوں نے تکفیر میں احتیاط فرمائی ہے۔

منجملہ اوردلائل کے ایک دلیل نفس تکفیر قطع نظر عن استحقاق القتل کے واجب الاختیار ہونے کی یہ بھی ہے کہ اگر تکفیر میں احتیاط صرف تبعاً عن القتل کی وجہ سے ہوتی تو آجکل کسی خاص واقعہ میں احتیاط فی التکفیر لازم نہ ہوتی، کیونکہ اس زمانہ میں قتل کا اندیشہ نہیں ہے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا پس معلوم ہوا کہ نفس تکفیر خود قابل احتیاط ہے اور جب کہ نفس تکفیر سے احتیاط کی گئی تو حکم بالبینونہ سے اجتناب لازم ہوگا، کیونکہ بینونہ متکلم فیہا شر ہے کفر کا، جب کفر ثابت ہو تب بینونہ ثابت ہو۔ پس بینونہ کو ثابت کرنا نفس کفر کو ثابت کرنا ہوگا، اور یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ ہم اسے کافر نہیں کہتے یا کافر نہیں سمجھتے، پس حکم بالبینونہ احتیاط فی التکفیر کے ساتھ جمع نہ ہو سکے گا، لہذا فقہاء کے کلام میں وہ محمل نہ ہو سکے گا جو عبارت مذکورہ میں معترض نے قرار دیا ہے، رہا معترض کا ہذا لاینا فی معاملتہ بظاہر کلامہ کہنا، سو اس کا اگر یہ مطلب ہو کہ ہم اس کے کلام سے کفر ثابت نہ کریں گے اور بینونہ ثابت کر دیں گے، تو اس کا بے معنی ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اس کلام کا اثر بالذات بینونہ نہیں ہے بلکہ کفر ہے، اور اس سے اقلاً کفر ثابت ہوتا ہے پھر کفر سے لزوماً بینونہ ثابت ہوتی ہے، پس اس سے کفر ثابت نہ کرنا اور بینونہ ثابت کرنا کیا معنی،

اور اگر یہ مطلب ہے کہ ہم اس سے ابتداءً کفر ثابت کریں گے اور پھر اس سے بینونہ ثابت کریں گے تو پھر احتیاط کہاں رہی،

پس خلاصہ یہ ہے کہ بینونہ شر ہے ارتداد کا، اگر بینونہ ثابت کی جائے تو ارتداد کا ثابت کرنا لازم ہوگا، اور احتیاط فوت ہوگی، اور اگر احتیاط کو کام میں لایا جائے گا تو بینونہ کا حکم نہیں کیا جاسکتا، اور فقہاء احتیاط سے کام لیتے ہیں، تو عدم حکم بینونہ لازم ہے، رہا عبارت مذکورہ میں معترض کا استدلال

بروایت لایصدقہ القاضی، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تو مسلمات سے ہو کہ قول مثلاً الفاظ خاصہ اور فعل مثلاً تکلم بالحد یا بالخطار دونوں کا حکم یکساں ہے، پس اگر قول محتمل الوجہ قابل تاویل ہوگا تو فعل محتمل الوجہ بھی قابل تاویل ہوگا، حالانکہ غلطی اپنے فعل کی تاویل محتمل بیان کرتا ہے، مگر فقہاء کہتے ہیں کہ بنیونہ زوجہ کے بارے میں قاضی اس کو نہ مانے گا، اور جب کہ تاویل فعل کو نہ مانے گا تو لازم ہے کہ تاویل قول کو بھی نہ مانے، کیونکہ دونوں کا حکم یکساں ہے، پس ثابت ہوا کہ قول فقہاء کا مطلب یہی ہے کہ صرف دربارہ استحقاق قتل قول و فعل مسلم کو محمل حسن پر محمول کیا جائے گا، اور دربارہ بیسنونہ تاویل نہ کی جائے گی، انتہی حاصل استدلال،

سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ یہ انہی فقہاء کا قول ہے جو تکفیر میں اتنی احتیاط کرتے ہیں کہ لایکفر بالاحتمال کہتے ہیں، اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اس وقت تک اس سے استدلال صحیح نہیں، اور ہم کو دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ جنہ یہ مصرحہ فقہاء محتاطین نہیں ہیں، بلکہ ان کا مصرح ہے جو تکفیر میں تشدد کرتے ہیں، پس ان کے قول سے فقہاء محتاطین کے قول کے معنی متعین نہیں کئے جاسکتے، اور ایک قرینہ اس کا یہ بھی ہے کہ فقہاء محتاطین کے بعض جزئیات جن کو ہم شافی سے نقل کر چکے ہیں اس کے خلاف ہیں۔

الحاصل بیان بالا سے معلوم ہوا کہ فقہاء محتاطین کا مسلک یہی ہے کہ جس مسلمان کے قول یا فعل میں کوئی ایسا پہلو ہو جو اس کو کفر سے بچا سکتا ہو تو اس کو نہ من حیث استحقاق اقتل کا ذکر کیا جائیگا اور نہ من حیث بطلان النکاح، اور جب کہ وہ شخص اپنے قول یا فعل کا کوئی محمل محتمل بیان کرے تو اسے قبول کیا جائیگا، خواہ وہ خلاف ظاہر ہی کیوں نہ ہو، پس اگر قاضی فقہاء کی اس جماعت میں سے ہو تب تو ظاہر ہے کہ اس کو صاحب واقعہ کے عذر مقبول اور محتمل کو رد کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اور اگر قاضی فقہاء کی اس جماعت میں سے ہے جو معاملہ ردت کو اہمیت نہیں دیتے، تو صرف اس شوق پر یہ بات قابل تحقیق رہ گئی کہ آیا وہ اس عذر کو رد کر دے گا یا قبول، اور اس کو کیا کرنا چاہئے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

قاضی خان ص ۲۲ ج ۲ میں ہے :- قال فی السیر الکبیر اذا اختلف الزوجان فقال الرجل قلت للمسیح ابن الله فی قول النصارى وقالت المرأة لم تقل قول النصارى کان انقول قول الزوج مع یمینہ فان جاءت المرأة بثهود فقالوا سمعنا بقول المسیح ابن الله ولم یقل شيئاً اخر وقال الزوج قلت قول النصارى الا انهم لم یسمعوا فان القاضی یجب ان

شہادہم ویفرق بینہ و بین المرأة وان قال الشہود لا ندی قال ذلک ام لا الا انما لہ
ذہم من شئیاً غیر قولہ المسیم ابن اللہ لا یقبل لقاضی شہادۃم حتی یشہدوا انہم یقل معہا
غیرہا وجعلوا دعوی الاستثناء فی الطلاق کذلک اھ

اس سے معلوم ہوا کہ جب خاوند اور بیوی میں تحقق ردت میں نزاع ہو اور زوج کلمہ کفر کے
صدور کو تسلیم کرے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس کلمہ کے بموجب کفر ہونے کا انکار کرے تو بار شہوت
زوجہ کے ذمہ ہوگا اور اگر زوجہ اس کلمہ کے صدور کو شہادت سے بھی ثابت کر دے لیکن شہود زوج
کے عذر کے انتفاع پر شہادت نہ دیں تب بھی قاضی زوجہ کے دعوے کو خارج کر دیگا اور زوج کے عذر
کو تسلیم کرے گا۔

پس واقعہ زیر بحث میں جب کہ بظاہر زوجہ منازع بھی نہیں ہو اور اگر منازع بھی ہو تو اس نے
صدور کلمات کفریہ کو شہادت سے ثابت نہیں کیا بلکہ ان کا صدور صرف زوج کے اقرار سے ثابت ہے
اور اگر وہ شہادت سے بھی ثابت کر دے تو زوج ایک ایسا عذر یعنی عدم قصد اختیار بیان کر رہا ہے
جس کے ساتھ کلمات معلومہ موجب کفر نہیں رہتے اور زوجہ اس کے انتفاع کو شہادت سے ثابت بھی نہیں
کر سکتی تو پھر قاضی اس کے عذر کو کس دلیل سے رد کرے گا اور جب کو قاضی اس روایت قاضی خاں میں
زوج سے مینہ نہیں طلب کرتا حالانکہ اس کا عذر بوجہ قابل سماع ہونے کے ایک ایسا امر ہے جس پر
شہادت قائم ہو سکتی ہو تو پھر وہ صاحب واقعہ کے ایسے عذر کو جس پر شہادت بھی نہیں مانگی جاسکتی کیونکہ
رو کرے گا پس ثابت ہوا کہ جو قاضی فقہاء کی اس جماعت میں سے ہو جو کہ معاملہ ردت کو اہمیت نہیں
دیتے اسکو بھی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس کے عذر کو قبول نہ کرے کیونکہ اس کے ارتداد کے لئے
بجز اس کے بیان کے اور کوئی دلیل نہیں ہے اور وہ اپنے ارتداد کا نہ صراحتاً اقرار کرتا ہے اور
نہ دلائل اس لئے کہ وہ صدور بالا اقرار کا اقرار کرتا ہے اور یہ قرار نہ صراحتاً اقرار کفر ہے اور نہ
دلائل لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ روایت لا بصرفہ القاضی سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب واقعہ کے عذر کو
قبول کرے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں
کہ قاضی خاں کی اس وقت تصدیق نہ کرے گا جب کہ وہ اس کو اہم سمجھے اور واقعہ بدایں صاحب
واقعہ کو متہم سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے لہذا قاضی اس کے عذر کو نہ قبول نہیں کر سکتا۔

اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ روایت لا بصرفہ القاضی مطلق نہیں ہے بلکہ مقید بشرط اتہام ہے لہذا
واقعہ ردت بھی مقید بشرط اتہام ہوتا تفصیل اس کی یہ ہے کہ قاضی خاں میں ہے :-

لو قال الزوج طلقنا امس وقلت انشاء الله في ظاهر الرواية يكون القول قول الزوج وذكر في النوادر خلافاً بين ابی یوسف و محمد فقال علی قول ابی یوسف یقبل قول الزوج ولا یقع الطلاق وعلی قول محمد یقع الطلاق ولا یقبل قوله وعلیه الاعتماد والفتوی احتیاطاً لا امر الضرج فی زمان غلب فساد الناس، انتهى جلد ثانی، ص ۲۴۳،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زوج طلاق کا اقرار کرے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہے کہ میں نے انشاء اللہ کہہ لیا تھا، تو اصل مذہب تو یہی ہے کہ اس صورت میں زوج کا قول مقبول ہوگا لیکن نوادر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمدؒ نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ زوج کا قول بدون شہادت کے مقبول نہ ہوگا، پس چونکہ روایت نوادر کی ہر اسلئے اس کو ظاہر روایت کے مقابلہ میں متروک ہونا چاہئے تھا، مگر حرج فقہار نے زمانہ کارنگ بدلا ہوا دیکھا اور سمجھا کہ بدینی بہت پھیل گئی ہے اس امر فرج میں احتیاط کی ضرورت ہے تو انھوں نے اس روایت نوادر پر اعتماد کیا اور اس پر فتویٰ دیا، یہ تو طلاق کا واقعہ تھا، اس پر غالباً بعض فقہار نے رد کے واقعہ کو قیاس کیا ہے اور انھوں نے اس میں بھی لایصدقہ القاضی کہہ دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو فقہار روایت نوادر پر فتویٰ دے رہے ہیں ان کا کیا مطلب ہے، سو ان کا مطلب یہی ہے کہ جب ظاہر حال پر نظر کرنے سے زوج اپنے بیان میں متہم معلوم ہو، اس وقت اس کے قول کو بدون بینہ کے قبول نہ کیا جائیگا، اور اگر بنا بر ظاہر حال متہم نہ معلوم ہو اس وقت اس کے قول کو اصل مذہب کی بنا پر قبول کیا جائیگا، کیونکہ وہ لوگ رد قول زوج کا معنی خلاف ظاہر حال اور فساد زمان بتلاتے ہیں، پس اگر ظاہر حال مخالف نہ ہوگا تو اس وقت اصل مذہب کو نہ چھوڑا جائیگا، کیونکہ عدول عن اصل الذہب بنا بر ضرورت تھا، والضروریات تنقذ بقدر الضرر واقعہ، پس جب کہ مقیس علیہ تحقیقت میں مقید ہے تو مقیس لائحہ مقید ہوگا، اور معنی یہ ہوں گے لایصدقہ لواطہم، لیکن چونکہ واقعہ زیر بحث میں صاحب واقعہ متہم نہیں ہے، کیونکہ اتہام کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، اسلئے اس جزئیہ کو اس واقعہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور وہ روایت سیر کبیر کے مقابلہ میں پیش نہ ہو سکے گا، یہ گفتگو اس وقت سے جب کہ یہ مان لیا جاوے کہ رد کے واقعہ طلاق پر قیاس کرنا صحیح ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ رد کے طلاق پر قیاس ہی صحیح نہیں ہے اور جب کہ قیاس ہی صحیح نہیں ہے جو کہ منی تھا اس جزئیہ کا تو خود یہ جزئیہ بھی صحیح ہوگا اور جب جزئیہ صحیح نہ ہوگا تو اس سے معارضہ بھی نہیں ہو سکتا۔

اب عدم صحت قیاس کی وجہ سنو اس کی وجہ کئی ہیں، بل کہ ان اطلاق موضوع میں بنیوت

کے لئے بر خلاف الفاظ کفر کے :-

قال در المختار ولا حجة بلسانه وقلبه مطمئن بالايمان فلا تبين زوجته لانه لا يكفر به و
القول له استحسانا وفي رد المختار والقياس ان يكون القول قولها حتى يفرق بينهما لان كلمة
الكفر سبب لحصول للفرقة فيستوي فيه الطائعت والمكروه كلفظة الطلاق ووجه الاستحسان
ان هذا اللفظة غير موضوعة للفرقة وانما تقع الفرقة باعتبار تغير الاعتقاد والا كراه دليل
على عدم تغيره فلا تقع الفرقة ولهذا لا يحكم عليه بالكفر اهـ۔

اس سے ثابت ہوا کہ طلاق کا تعلق نفس الفاظ سے ہے نہ کہ قصد اعتقاد سے اور کفر کا تعلق قصد و
اعتقاد سے ہے نہ کہ نفس الفاظ سے، پس جبکہ زوج الفاظ طلاق بولنے کا اقرار کرتا ہے، لیکن اسکے ساتھ
ہی یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے انشاء اللہ کہا تھا، تو وہ اس وقت بظاہر مدعی ہے اور فی الحقیقت منکر،
بظاہر مدعی اس لئے ہے کہ اس کا تکلم بطلقت کا اقرار کرنا اقرار ہے ایقاع طلاق اور زوال ملک نکاح کا پس
جب وہ کہتا ہے کہ میں نے انشاء اللہ کہا تھا، تو اب وہ اس اقرار کے موجب کو باطل کرتا ہے اور اس طرح
وہ گویا کہ استقلال زوجہ پر وجود ملک کا دعویٰ کرتا ہے، پس جب کہ زوجہ کہتی ہے کہ تو نے انشاء اللہ نہیں کہا
تھا تو وہ اس حق کا انکار کرتی ہے جس کا وہ بعد اقرار زوال کے دعویٰ کرتا ہے، پس زوجہ پر لازم ہے کہ وہ
اپنے دعوے کو بینہ سے ثابت کرے اور عورت کے لئے انکار کافی ہے، اور درحقیقت منکر اس لئے ہے کہ
جب وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے طلقت کے ساتھ انشاء اللہ بھی کہا تھا، تو اس کا حاصل یہ ہے کہ میں نے اس
طلقت کا تکلم کیا ہے جو مقید بانشاء اللہ تھا، جس سے میری ملک زائل نہیں ہوئی پس اس کے مقابلہ میں
زوجہ کا یہ کہنا کہ تو نے انشاء اللہ نہیں کہا تھا، اس کا یہ مطلب ہوگا کہ تو نے اس طلقت کا تکلم کیا تھا جو
محرل ملک تھا، لہذا تیری ملک زائل ہوگئی، پس اس وقت زوجہ مدعیہ زوال ملک ہے اور زوجہ منکر لہذا
بار ثبوت زوجہ کے ذمہ ہوگا اور شوہر کیلئے انکار کافی ہوگا، ظاہر روایت میں حقیقت پر نظر کی گئی ہے
اور کہا گیا ہے کہ جب زوج استنار کا دعویٰ کرے اور عورت اسکو تسلیم نہ کرے تو بار ثبوت عورت
کے ذمہ ہے، اور روایت نوادر میں بضرورت احتیاط فرج وفساد زمان ظاہر پر نظر کی گئی ہے، اور کہا گیا ہے
کہ بینہ زوج کے ذمہ ہے، اور جب کہ زوج تکلم بکلمہ کفر کا اقرار کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ ایک ایسے
امر کا بھی دعویٰ کرتا ہے جو مانع کفر ہے، تو اس وقت وہ صرف منکر ہے اور کسی حیثیت سے بھی مدعی نہیں ہے
کیونکہ جس امر کا اس نے اقرار کیا ہے یعنی نفس تکلم وہ بنفسہ موجب کفر نہیں ہے، بلکہ موجب کفر وہ قصد
ہے جو کلمہ کفر سے متعلق ہو اور قصد کا نہ وہ حقیقت اقرار کرتا ہے اور نہ ظاہر، پس وہ کسی حیثیت سے بھی مدعی

نہیں ہے، اس حالت میں زوجہ کا اس کے غدر کو قبول نہ کرنا اور ارتداد و زوال ملک کا دعویٰ کرنا ایک ایسا دعویٰ ہوگا جس کو زوج نہ صراحۃً تسلیم کرتا ہو نہ دلالتاً، لہذا باریت سراسر زوجہ کے ذمہ ہوگا اور شوہر کے لئے انکار کافی ہوگا، فافترقا، پس ردّت کو طلاق پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر بعض احکام میں طلاق کو ردّت پر قیاس کیا جاوے جیسا کہ فقہائے تنابع زوجین فی انہ قال فی قول النصارى ام لا پر دعویٰ استثناء کو قیاس کیا ہے، کیا انہم من روایۃ قاضی خاں السابقۃ تو یہ قیاس قیاس اولویت ہو اور مقبول ہوگا، کیونکہ جب طلاق میں زوج ایک جہت سے مقرباً بینونت ہو کما مر، اور باہیں ہمہ اس کا قول بلا تینہ کے مقبول ہو سکتا ہو تو ردّت میں جہاں وہ کسی جہت سے بھی بینونت کا اقرار نہیں کرتا اس کا قول بالا و لے مقبول ہوگا، ہمارے اس بیان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام محمد نے واقعہ طلاق میں تو اختلاف فرمایا اور زوج پر تینہ لازم کئے، مگر واقعہ ردّت میں زوج پر تینہ لازم نہیں کئے بلکہ صرف زوجہ سے شہادت طلب کی اور کہا کہ اگر عورت شہادت نہ قائم کر سکے تو دعویٰ خارج کر دیا جائے گا، بادی النظر میں شاید کسی کو بیان مذکورہ بالا پر یہ شبہ ہو کہ سیر کبیر میں مذکور ہے کہ اگر زوجہ شہادت سے ثابت کرے کہ زوج نے فی قول النصارى نہیں کہا تو تفریق کر دی جائیگی، حالانکہ اس شہادت سے صرف تکلم بکلمہ کفر ثابت ہوگا، اور صرف تکلم کا ثابت ہو جانا کفر کا ثابت ہونا نہیں ہوتا، جیسا تم نے اوپر کہا ہے پس شہادت سے کفر ثابت نہ ہوا، تو اس شہادت کی بنا پر تفریق کیوں کیجاوے، اس کا جواب یہ ہے کہ واقعہ مذکورہ میں شہادت سے کفر ثابت نہیں کیا گیا، اور اس کی بنا پر تفریق نہیں کی گئی، بلکہ کفر جس چیز سے ثابت ہوا کرتا ہے یعنی قصد زوج اس کا اقرار خود کرتا ہو، مگر ساتھ ہی اس کے ایک واقعہ کا بھی دعویٰ کرتا ہو یعنی حکایت عن النصارى، اور یہ متعلق شہادت کا ہو سکتا ہے اور جب زوج نے اس واقعہ انظار شہادت سے ثابت کر دیا، اور تکلم بکلمہ کفر قصد خود زوج کے اقرار سے ثابت تھا، اس طرح کفر ثابت ہو گیا، لہذا قاضی کیلئے تفریق کا حکم لازم ہو گیا۔ دوسری وجہ عدم صحت قیاس کی یہ ہے کہ واقعہ طلاق میں طرر روایت کے خلاف امام محمد رحمہ کی روایت موجود تھی فقہائے بضرورت اس کو اختیار کر لیا، اور واقعہ طاق میں ظاہر روایت کے خلاف ہمارے علم میں اصحاب مذہب کی کوئی روایت نہیں ہے جس پر مہر حسین ذیاد، رد القاضی اعتماد کر سکیں، پس ان کا واقعہ ردّت کو واقعہ طلاق پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا، تیسری وجہ عدم صحت کی یہ ہے کہ واقعہ طلاق میں امر فرج اہم تھا، اور اس کا کوئی معارض موجود نہ تھا، لہذا انہوں نے ابتدائی روایت نو اور پر اعتماد کر لیا اور ظاہر روایت کو چھوڑ دیا، لیکن واقعہ ردّت میں امر بیان سرفرج سے زیادہ اہم ہے اسلئے اس کو معاملہ فرج پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اگر وہاں

فرج قابل حفاظت ہو تو واقعہ ردّ میں ایمان اس سے زیادہ قابل حفاظت ہے، اور وہاں اگر حفاظت فرج میں احتیاط ہے تو یہاں حفاظت ایمان میں احتیاط ہے، اس لئے بھی واقعہ ردّ کو واقعہ طلاق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، یہ گفتگو تو اس وقت ہے جب کہ روایت لا یصدقہ القاضی کا مبنی قیاس بر طلاق ہو، جیسا کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر اس کا مبنی کچھ اور ہو تو اس وقت گفتگو یہ ہو کہ اس وقت وہ یا مطلق ہو یا مقید بشرط اتہام، پس اگر وہ مقید ہے تو واقعہ سے غیر متعلق ہے، اور اگر مطلق ہے تو اس کا جواب یہ ہو کہ وہ روایت سیر کبیر کا معارضہ و مقابلہ نہیں کر سکتی، کیونکہ روایت سیر کبیر ظاہر الروایت اور اصل مذہب ہے اور اس کا مبنی معلوم نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس روایت لا یصدقہ القاضی کا مبنی بناء بر ظن غالب ایک قیاس غیر صحیح ہو لہذا یہ جزئیہ قابل اعتماد نہیں ہو سکتا، اور اس بناء پر اصل مذہب یعنی روایت سیر کبیر کو نہیں چھوڑا جاسکتا اور اگر روایت مذکورہ کو چھوڑا بھی جائے اور اس جزئیہ پر اعتماد بھی کیا جائے تب بھی واقعہ زیر بحث میں اس سے ہمارے مقصود کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا، کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت قاضی غلطی کو متہم سمجھے جیسا کہ اوپر ص ۴۸ میں بقولنا اب دیکھنا یہ ہے الخ بیان کیا گیا، اس وقت اس میں کی تصدیق نہ کرے۔ اور واقعہ زیر بحث میں صاحب واقعہ کو متہم سمجھنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے اور محض احتمالات ناشی عن غیر دلیل و وجہ اتہام نہیں ہو سکتے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ روایت لا یصدقہ القاضی سیر کبیر کے معارضہ میں اس وقت پیش ہو سکتی ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ اس کا مبنی قیاس بر طلاق نہیں ہو بلکہ روایت سیر کبیر کے خلاف اصحاب مذہب میں سے کسی کی روایت ہے، پھر یہ معلوم ہو کہ اس روایت مخالفہ پر اعتماد ہے، پھر یہ معلوم ہو کہ وہ مقید بشرط اتہام نہیں ہو بلکہ مطلق ہے، اور جب تک یہ امور طے نہ ہوں اس وقت تک یہ روایت روایت سیر کبیر کے مقابلہ میں نہیں پیش ہو سکتی اور یہ امور ہر مورد طے نہیں ہوئے، لہذا اس روایت سے معارضہ نہیں ہو سکتا۔

عدم قبول قاضی غدر صاحب واقعہ کی بحث تو ختم ہوئی، اور ثابت ہو گیا کہ نہ قاضی محتاط کو اس کے غدر کے رو کرنے کی گنجائش ہے اور نہ قاضی مشدّد کو۔

اب ہم کہتے ہیں کہ زوجہ کو بھی حق نہیں ہے کہ اس کے غدر کو قبول نہ کرے، کیونکہ زوجہ کے پاس اس کے انتفار کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یعنی نہ اس کے پاس اس کے انتفار کی شہادت ہے اور نہ ذاتی طور پر اس کو اس کا انتفار معلوم ہے اور نہ زوج کسی درجہ میں اس کے انتفار کا اقرار کرتا ہے پس وہ زبردستی اس پر ردّ کا الزام کیسے لگا سکتی ہے،

پس حاصل کلام یہ ہے کہ واقعہ زیر بحث میں عذر عدم اختیار عند القاضی بھی مقبول ہو اور عند الزوج بھی، پس کسی کو گنجائش نہیں ہو کہ وہ اس پر ردّت کا الزام قائم کرے اور اس کی زوجہ کو بائن کہے، اس تحقیق کے بعد ہم ان شبہات کو تفصیل وار نقل کر کے ان کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں جو کہ واقعہ زیر بحث پر ہو سکتے ہیں۔

شبہ اول: ہم نہیں مانتے کہ وہ غیر مختار تھا، کیونکہ اگر اس کو زبان پر قابو نہ تھا تو سکوت ہو تو اختیار تھا، انتہی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے اس کا قصد تکلم بکلمہ کفر ثابت نہیں ہوتا، جو کہ رکن ردّت ہو زیادہ سے زیادہ یہ لازم آتا ہے کہ اس نے احتیاط سے کام نہیں لیا، پس اگر کوئی احتیاط سے کام نہ لے اور اس کی بے احتیاطی کے سبب بلا قصد اس سے کلمہ کفر صادر ہو جائے تو اس کو یہ نہ کہا جائے گا، کہ اس نے بقصد و اختیار کلمہ کفر کا تکلم کیا، مثلاً سکران قبل از سُکر جانتا تھا کہ شکر کے بعد میری زبان میرے قابو میں نہ رہے گی، اور ممکن ہے کہ ایسی حالت میں میری زبان سے کلمہ کفر نکل جاوے، تو اگر بحالت سُکر اس کے منہ سے کلمہ کفر نکل گیا، تو اس کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اس نے قصد کلمہ کفر زبان سے نکالا، کیونکہ اگر اس کو زبان پر قابو نہ تھا تو ترک سُکر پر تو قابو تھا، پھر اس نے اس کو ترک کیوں نہ کیا، اور جب کہ سُکران کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا، اگرچہ اس نے اس سُکر کا ارتکاب کیا ہو، جس کی شریعت نے اس کو ممانعت بھی کی تھی، تو صاحب واقعہ کی نسبت کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ترک تکلم کیوں نہ کیا حالانکہ صاحب واقعہ کئی وجہ سے سُکران سے زیادہ معذور ہے، اول اس لئے کہ سُکران بالقصد سبب مزیل اختیار کا ارتکاب کرتا ہے اور صاحب واقعہ کے قصد و اختیار کو سبب مزیل اختیار میں کچھ دخل نہ تھا، دوم اس لئے کہ سُکران جس امر کا قصد کرتا ہے اس کے لئے زوال اختیار لازم ہے، یعنی شرب سُکر اور صاحب واقعہ جس کا قصد کرتا ہے اس کے لئے زوال اختیار لازم نہیں، یعنی تکلم بکلمہ صحیحہ (و بین الوجہین فسرق فلیتنبہ) سوم اس لئے کہ سُکران شرب سُکر کے وقت اس کا خیال نہیں کرتا کہ اس کے منہ سے کیا نکلے گا، اور صاحب واقعہ تکلم کے وقت حتی الوسع اس کا اہتمام کرتا تھا کہ میرے منہ سے صحیح کلمہ نکلے اور غلط نہ نکلے، پس جب کہ باوجود ان وجوہ فرق کے سُکران کو سُکر کی بنا پر مختار نہیں کہا جاسکتا ہے، تو صاحب واقعہ کو ترک سکوت کی بنا پر کیسے مختار کہا جاسکتا ہے، رہا یہ امر کہ اس نے سکوت نہ کیا، سو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جس وقت تکلم کا قصد کرتا تھا اس وقت سمجھتا تھا کہ میں صحیح تکلم کر سکوں گا، لیکن صبر و کلمات کے وقت اس پر سبب مزیل اختیار طاری ہو جاتا تھا، اور اس سے غلطی ہو جاتی تھی، رہی یہ بات کہ جب وہ ایک دو دفعہ آزما چکا تھا تو پھر اس کو یہ شبہ کیوں نہ ہوا کہ شاید مجھ سے پھر غلطی ہو جائے

تو اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ وہ بیچارہ ہمیشہ کیلئے خاموش ہو جائے، کیونکہ یہ کھٹکا تو اس کو اپنے ہر تکلم کے وقت ہو سکتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ یہ محض احتمالات عقلیہ ہیں، اور اثباتِ ردّ کے لئے احتمالات عقلیہ کافی نہیں ہو سکتے اور جو حالت اس پر طاری تھی اس کا اندازہ دوسرے کو نہیں ہو سکتا، اور وہ نہیں جان سکتا کہ داعی الی التکلم کیا چیز تھی، بلکہ اسکو وہ خود ہی سمجھ سکتا ہے،

مشبہ دوم:- ہم نہیں ملتے کہ اُسے اختیار نہ تھا، کیونکہ وہاں کوئی سبب مزیل اختیار نہ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ آخر اس دعوے کی دلیل کیا ہے، اس پر کہا جاسکتا ہے کہ اگر ہوتا تو وہ لکھتا، حالانکہ اس نے کوئی سبب نہیں لکھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا نہ لکھنا تو درکنار خود اس کا نہ جاننا بھی اس کے عدم کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ بہت سے آثار آدمی کے اندر ایسے پیدا ہوتے ہیں جن کے اسباب کا اس کو علم نہیں ہوتا۔

مشبہ سوم:- اگر فی الواقع وہاں کوئی سبب ہو تو وہ محبتِ زید ہوگی اور محبتِ آدمی کو درجہ اضطراب و سقوط اختیار تک نہیں پہنچاتی، کیونکہ اگر محبتِ درجہ اضطراب تک پہنچا دیتی، تو حدیث میں اطرار سے ممانعت نہ ہوتی، اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ احتمال بسببِ محبتِ زید محض ناشی عن غیر دلیل ہے اور صاحبِ واقعہ کے کلام میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے یہ امر مفہوم ہو، بلکہ یہ احتمال دو وجہ سے خلاف واقعہ ہے اول اسلئے کہ صاحبِ واقعہ واقعاتِ مذکورہ فی مکتوبہ کو اپنی محبت کا معنی بتا رہا ہے اور محبت کو واقعاتِ مذکورہ کا سبب نہیں کہتا، دوسرے اس لئے کہ محبت اولاً بالذات دل پر اثر کرتی ہے نہ کہ زبان پر۔ پس اگر محبت اس کا سبب ہوتی تو خیالات اور عقیدہ پر اس کا اثر پڑنا چاہئے تھا، محبت سے زبان کا بے قابو ہو جانا اور دل پر کچھ اثر نہ ہونا یعنی عقاید کا تغیر سے محفوظ رہنا محض بے معنی ہے، ثانیاً یہ کہنا کہ محبت مزید سقوط اختیار تک نہیں پہنچاتی، ایک ایسا دعویٰ ہے جس کو نہ عشاق تسلیم کرتے ہیں نہ اطباء، عشاق تو یہ کہتے ہیں :-

چوں بکوشم تا سرش نہاں کنم	سر بر آرد چوں علم کا ینک منم
رغم انقم گیسوم تا کہ دو گوش	کائے نہ تیغ چوں ہی پوشی پوش
ایضا کہتے ہیں :-	
عشق آمد عقل او آوارہ مند	صبح آمد شمع او بیچارہ شد
عقل چوں شمع است چوں سلطان سید	شمع بیچارہ در کئے خندید

اور اطباء عشق کو جنون کی قسم قرار دیتے ہیں، ثانیاً دعویٰ مذکور پر نہی اطرار سے استدلال صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ محبت کے درجات متفاوت ہوتے ہیں، بعض درجات مزیل اختیار ہیں اور بعض غیر مزیل ہیں، پس اسکے مخاطب ارباب ہوش و اختیار ہیں، نہ کہ عشاق مسلوب العقل اور مجاہلین غیر مکلف،

شعبہ چہارم: اگر بالفرض محبت آدمی کو عداً اضطرار و سلب اختیار تک پہنچا دیتی ہے تو وہ نادر ہے اور ان اسباب عامہ سے نہیں ہے جن کا فقہار نے اعتبار کیا ہے، اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ اس کا سبب محبت زید نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے جس کو ہم متعین نہیں کر سکتے، اور نہ ہمارے ذمہ اس کی تعیین لازم ہے، ہمارے لئے اتنا جاننا کافی ہے کہ اس کا سبب ایک ایسا سبب ہے جو مزیل اختیار ہے۔

ثانیاً یہ کہ اگر بالفرض محبت ہی اس کا سبب ہو تو اسکو نادر کہنا عجیب ہے، اور اس سے زیادہ اسکو اسباب عامہ معتبرہ عند الفقہار سے خارج کہنا عجیب ہے، کیونکہ اسباب معتبرہ عند الفقہار میں جنون بھی داخل ہے اور عشق جنون کی ایک قسم ہے، کما صرح بہ الاطباء و یعرفہ من جربہ اور معرف احوال العشاق،

شعبہ پنجم: اگر محبت اس کا سبب نہ ہو بلکہ کوئی اور سبب ہو تو چونکہ وہ ایک ایسا سبب ہے جس کا فقہار نے اعتبار نہیں کیا، اسلئے اس کا اعتبار نہ ہوگا، اور وہ سلب اختیار جو سبب مذکور کا نتیجہ ہے اس کو کالعدم سمجھا جائے گا، پس گو صاحب واقعہ حقیقتہً مختار نہ ہو مگر اس کو حکماً مختار کہا جائے گا،

اس کا جواب یہ ہے کہ واقعہ زیر بحث میں حکم عدم ردوت کا منشاء یہ نہیں ہے کہ رکن ردوت پایا جاتا ہے، لیکن مانع خارجی کی وجہ سے اس کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا، تاکہ اس پر یہ سوال ہو سکے کہ اس مانع کو فقہار نے بھی مانع قرار دیا ہے یا نہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ میں نہ قصد فعل موجب کفر تحقق ہے

اور نہ تبدل اعتقاد جو کہ رکن ردوت میں، پس یہاں انعام رکن کی وجہ سے حقیقت ردوت ہی متحقق نہیں ہے، اسلئے صاحب واقعہ کو کافر و مرتد نہیں کہا سکتا، مثلاً روایت سیر کبیر منقولہ عن قاضی خاں میں زوج نے کلمہ کفر المسیح ابن اللہ کہا ہے، لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے فی قول نصاریٰ بھی کہا تھا، اور اس عند رکو قبول کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہاں کوئی مسبب اسباب عامہ مثل جنون یا سکر مباح یا نوم

وغیرہ میں سے متحقق ہے، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں حقیقت ردوت یعنی تغیر اعتقاد یا قصد فعل موجب کفر نہیں پایا گیا، یا مثلاً کسی نے سکر محرم کا ارتکاب کیا، اور اس حالت میں اس نے کلمہ کفر زبان

کہا تو فقہار کہتے ہیں کہ نہ وہ مرتد ہوگا اور نہ نکاح ٹوٹے گا، حالانکہ سکر محرم عند شرعی نہیں ہے، لیسکرہ چونکہ وہاں تبدل اعتقاد یا قصد فعل موجب کفر نہیں پایا گیا، اسلئے اس کو مرتد نہیں کہا جاسکتا، چنانچہ

کشف الاسرار شرح اصول بندوبست میں ہے:-

تولہ لان السكر جعل عذراً اشارۃ الى الجواب عما يقال قد جعل السكر المحظور عذراً في الردة حتى منع صحتها فيجوز ان يجعل عذراً في غيرها ايضاً فقال عدم صحة الردة لغوات ركنها وهو تبدل الاعتقاد لان السكر جعل عذراً فيها بخلاف ما رتبته على العباد من الاحكام مثل الطلاق والعقاق والعقود لان ركن التصرف قد تحقق فيها من الادل مضافاً الى المحلل فوجب القول بصحتها،

پس اس وقت یہ پوچھنا صحیح نہ ہو گا کہ بتلاؤ عذر صاحب واقعہ اعذار معتبرہ عند الفقہاء میں سے کس میں داخل ہو یہ جوابات تو ان اعتراضات کے تفصیل وار تھے، اب ہم سب کا ایک جواب اجمالی دیتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ان تمام شبہات کا حاصل یہ ہے کہ صاحب واقعہ مجبور نہ تھا، بلکہ مختار تھا اور اس کا نتیجہ ہونا چاہئے کہ وہ دیناً بھی مرتد ہو اور قضا بھی نہ اس پر مرتد کے تمام احکام جاری کئے جائیں، کیونکہ اُس نے بحالت صحت عقل و درستی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ بلکہ محض اپنی خوشی سے ایک ایسا فعل کیا جو موجب کفر تھا، اور ایسے ہی شخص کو مرتد حقیقی کہتے ہیں، پس اس پر احکام مرتد حقیقی کیوں جاری نہ کئے جائیں، حالانکہ واقعہ کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر کوئی مفتی ایسا فتویٰ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا، پس لازم ہے کہ یہ تمام خدشات مخدوش ہوں۔

شبہ ششم:- اچھا ہم مانتے ہیں کہ صاحب واقعہ فی الحقیقت مجبور تھا، لیکن قاضی اسکو نہیں مان سکتا، کیونکہ جب وہاں سبب مجبوری ظاہر نہیں تو یہ اُس کا بیان خلاف ظاہر ہونے کے سبب نامسروع ہو گا اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ یہ کہنا ایک حد تک اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ واقعہ صدور کلمات قاضی کے نزدیک کسی اور دلیل سے ثابت ہو یا اولاً وہ اقرار صدور کلمات کرے اور دوسرے وقت وہ عذر کرے، لیکن یہاں نہ واقعہ کسی اور دلیل سے ثابت ہو، اور نہ صاحب واقعہ ایک وقت اقرار کر کے دوسرے وقت عذر بیان کرتا ہو، بلکہ وہ اقرار ہی عذر کے ساتھ کرتا ہو، اسلئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا عذر نامقبول، ثانیاً اس کو خلاف ظاہر صرف اتنی ہی بات سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا سبب ظاہر نہیں، بلکہ اس کے لئے اور امور کو بھی پیش نظر رکھا جائے گا مثلاً یہ کہ اصل واقعہ کا ثبوت اُس کے بیان سے ہوا یا کسی اور دلیل سے، اور اگر اس کے بیان سے ہوا تو اُس نے کیوں اقرار کیا، اور کن الفاظ سے اقرار کیا، اور جو عذر وہ بیان کرتا ہے اقرار سے کچھ دیر کے بعد کرتا ہے یا اقرار کے ساتھ ہی یا خود اس اقرار ہی میں عذر موجود ہے، اور اقرار کرنے والا کیسا شخص ہے، آیا دیندار ہے یا بدین، چالاک ہے یا بھولا وغیرہ

جب ان تمام پہلوؤں پر نظر کر لی جاوے، اور اس کے بعد بھی وہ متہم معلوم ہو، اس وقت کہا جاسکتا ہے کہ اس کی تاویل خلاف ظاہر ہے۔

ثالثاً یہ کنج کا وہ خلاف ظاہر ہے یا کیا طلاق و خلع وغیرہ حقوق العباد میں کیجاتی ہو، اور ردت میں یہ کاوش نہیں کی جاسکتی، دیکھئے واقعہ سیر کبیر میں باوجودیکہ گواہتے ہیں کہ ہم نے زوج کو مسیح ابن اللہ کہتے سنا، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے فی قول النصارى نہیں سنا، حالانکہ فی قول النصارى ایک ایسا فقرہ ہے جو مسموع ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ زوج کہتا ہے کہ میں نے یہ لفظ کہے تھے، اس لئے صرف اس کے بیان پر قاضی عورت کا دعویٰ خارج کرتا ہے، اور ردت یا مینوت کا حکم نہیں کرتا اور یہ نہیں کہتا کہ (زوج کا بیان خلاف ظاہر ہے کیونکہ جن لوگوں نے مسیح ابن اللہ سنا، انہوں نے فی قول النصارى کیوں نہ سنا، پس معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت اس نے یہ لفظ نہیں کہے، اور اس وقت جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ کہے تھے تو یہ ثبوت مینوت و ردت سے گریز کرتا ہے پس ضرور عورت کے دعوے کو قبول کرنا چاہئے) پس جبکہ قاضی اس قائل سے یہ نہیں کہتا تو وہ بیچارہ صاحب واقعہ کے بیان کو کیونکر خلاف ظاہر کہہ سکتا ہے، **مشہم** ہے فقہار کہتے ہیں کہ جس وقت کوئی شخص ایک کلمہ مبہم بولنا چاہے اور اسکی زبان سے کلمہ کفر نکل جاوے تو وہ ینابینہ و بین اللہ کافر نہ ہوگا، لیکن قاضی اسکی تصدیق نہ کریگا، اس تصریح کی بناء پر صاحب واقعہ کی تصدیق نہ ہونی چاہئے۔

اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ یہ روایت فقہار محتاطین کے مسلک خلاف ہے، کماتر۔
ثانیاً روایت سیر کبیر اس کے مخالف ہے، اور یہ روایت سیر کبیر کی روایت کا معارضہ بھی نہیں کر سکتی، اس کے مقابلہ میں راجح ہونا تو درکنار،
ثالثاً اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اس جزئیہ کا مبنی بظن غالب ایک قیاس غیر صحیح ہے، یا کم از کم اس کا مبنی معلوم نہیں،

رابعاً فقہار تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی روایت ضعیف اور غیر مذہب کی بھی مل جاوے تو مسلمان کی تکفیر اور حکم بالبدینوت نہ کرنا چاہئے، کماتر، لیکن یہ نہیں کہتے کہ اگر تکفیر اور بدینوت کے لئے کوئی روایت ضعیف بھی مل جاوے جس کا مبنی معلوم نہ ہو، یا اس کا مبنی ایک قیاس غیر صحیح ہو، تب بھی اس کی تکفیر کر دینی چاہئے اور بدینوت کا حکم کر دینا چاہئے، پس ان وجوہ سے یہ جزئیہ ناقابل التفات ہوگا، اور اگر اس کو مان بھی لیا جاوے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب قاضی غلطی کو متہم سمجھے اس وقت اسکی تصدیق نہ کرے اور واقعہ زیر بحث میں اتہام صاحب واقعہ کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، اور احتمالات ناشی عن غیر دلیل اسے متہم نہیں کر سکتے،

پس یہ جزئیہ ناقابل التفات ہے، یا واقعہ زیر بحث سے غیر متعلق، اس لئے اسکو اس واقعہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

مشتبہ ہشتم :- اچھا اگر ضابطہ سے اس پر تجدید ایمان نکاح لازم نہیں ہے تو بنا بر احتیاط تو اس کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ احتیاطاً بھی تجدید ایمان و نکاح کا فتویٰ نہ دیا جاوے، کیونکہ اس فتوے کے معنی یہ ہوں گے کہ گو تم کافر نہیں ہوئے مگر ہم تمہیں احتیاطاً کافر کہتے ہیں، لہذا تم تجدید ایمان و نکاح کرو، و ہو کماتری، پھر ہم امام محمد رحمہ اللہ سے زیادہ احتیاط کا دعویٰ نہیں کر سکتے، جو کہ سیر کبیر میں معاملہ ردّت کا فیصلہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گواہ یہ نہ کہیں کہ زوج نے فی قول النصاری نہیں کہا تو عورت کا دعویٰ خارج کر دیا جاوے گا، اور مینونت کا حکم نہ کیا جاوے گا، اور احتیاطاً بھی تجدید ایمان و نکاح کا حکم نہیں دیتے،

مشتبہ نہم :- فقہاء کہتے ہیں ما یكون کفراً اتفاقاً یبطل العمل بالنکاح وما فیہ خلاف یومر بالتوبۃ والاستغفار و تجدید النکاح، اور صاحب واقعہ نے جو کلمات کہے وہ بالاتفاق کلمات کفر ہیں تو پھر تجدید ایمان و نکاح کا حکم کیوں نہ کیا جاوے،

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اگر کسی کی زبان سے ایسا کلمہ نکلے جو بالاتفاق کلمہ کفر ہو تب تو اس سے نکاح یقیناً باطل ہو جاوے گا، خواہ اس نے وہ کلمہ بالقصد کہا ہو یا بلا قصد، اور اگر کسی کی زبان سے ایسا کلمہ نکلے جس کا کلمہ کفر ہونا مختلف فیہ ہو تب احتیاطاً اس کو توبہ و استغفار و تجدید نکاح کا حکم کیا جاوے گا، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی سے قصد کوئی ایسا فعل صادر ہو جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو تو وہاں بطلان نکاح کا حکم نہ کیا جاوے گا، بلکہ احتیاطاً اس سے کہا جاوے گا کہ توبہ و استغفار اور تجدید نکاح کر لے تاکہ تیری زوجہ بالاتفاق حلال ہو جاوے، قصد کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ بدون قصد کے ردّت متحقق ہی نہیں ہو سکتی، نہ بالاتفاق نہ بالاختلاف، کیونکہ قصد رکن ردّت ہے۔

مشتبہ دہم :- عالمگیری میں ہے رجل اقر انہ کان اقر و هو صبی لفلان بالف درهم وقال الطالب بل اقررت بهالی بعد المبلوغ فالقول قول المقر مع یمنہ وكذلك لو قال اقررت له بها فی حاله نومی وكذلك لو قال اقررت بها قبل ان اخلق ولو قال اقررت له انا ذاهب العقل من برسام المسموفان کان عرفاً انہ کان اصابہ لم یلزمه شیء وان کان لا یعرف ان ذلک اصابہ کان ضامناً للمال، کذا فی المبسوط،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقرر کوئی ایسا غدر بیان کرے جس کا وجود معلوم ہو تو وہ غدر

مقبول ہوگا، اور اگر کوئی ایسا عذر بیان کرے جس کا وجود معلوم نہ ہو تو وہ مقبول نہ ہوگا، گو اقرار کے ساتھ موصول ہی ہو پس چونکہ صاحب واقعہ کا عذر بھی ایسا ہے جس کا وجود معلوم نہیں ہے اس لئے اس کا عذر بھی مقبول نہ ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس ہی ردّت کا اقرار پر، اور جس طرح ردّت کا طلاق پر قیاس صحیح نہیں کما تر یونہی اس کا قیاس اقرار پر بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ جس طرح الفاظ طلاق بینونت کے لئے موضوع ہیں یوں ہی اقرار ثبوت حق غیر کے لئے موضوع ہے، پس جب کہ وہ اقرار کا اقرار کرتا ہے تو گویا کہ وہ ثبوت حق غیر کا اقرار کرتا ہے، پس جب کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے حالت برسام وغیرہ میں اقرار کیا تھا تو اب گویا کہ وہ حق ثابت کو دفع کرتا ہے اس لئے اس کا بیان بدون دلیل کے مقبول نہ ہوگا، برخلاف صاحب واقعہ کے کہ وہ صدور الفاظ کا اقرار کرتا ہے، اور نفس صدور الفاظ نہ موجب ردّت ہے، اور نہ ان کا تعلق بالذات حق غیر یعنی بینونت زوجه سے ہے، کیونکہ ردّت کا تعلق تو قصد و ارادہ سے ہے نہ کہ الفاظ سے اور بینونت کا تعلق بطور لزوم کے ردّت سے ہے نہ کہ الفاظ کفر سے، کیونکہ وہ بینونت کے لئے موضوع نہیں، پس صاحب واقعہ کا الفاظ معلومہ کا اقرار کرنا، نہ اقرار ردّت ہوگا، نہ اقرار بینونت، پس اس کا عذر بیان کرنا موجب اقرار کا ابطال نہ ہوگا، فافترقا،

جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ کفر صاحب واقعہ نہ اتفاقی ہے اور نہ اختلاقی، لعدم تحقق حقیقۃ الردّہ کما سبق تفصیل، پس اس کو وجوباً یا استحباباً تجدید نکاح کا فتویٰ تو نہیں دیا جاسکتا، لیکن اگر کوئی تنزہاً تجدید نکاح کر لے تو اس کو اختیار ہے۔

حاصل تحقیق و تنقید مذکورہ بالا یہ ہے کہ رد و لوہ واقعہ کو پیش نظر رکھ کر نہ صاحب واقعہ پر دیانۃ کفر و ارتداد و بطلان نکاح کا حکم دیا جاسکتا ہے نہ قضا اور نہ بنا بر احتیاط تجدید ایمان نکاح کا فتویٰ دیا جاسکتا، ہاں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ صاحب واقعہ نے یہ الفاظ بحالت صحت و عقل و درستی ہوش و حواس اختیار اور بالقصد کہے ہیں تب تو اس پر تجدید ایمان و نکاح لازم ہے، اور اگر در حقیقت وہ معذور اور مجبور تھا، اور یہ الفاظ اس سے بلا قصد و اختیار صادر ہوئے تو وہ معذور ہے، اور نہ اسے تجدید ایمان کی ضرورت ہے، اور نہ تجدید نکاح کی، اب وہ خود فیصلہ کرے کہ کیا صورت تھی، هذا ما عندنا واللہ اعلم بالصواب،

دو ضروری باتوں پر عامہ مسلمین کو تنبیہ

یہ تو واقعہ کی تحقیق فقہی تھی، اب ہم عام مسلمانوں کو دو ضروری اور قابل تنبیہ امور پر متنبہ کرتے ہیں۔
 اول یہ کہ فقہاء جو تکفیر مسلم میں احتیاط بلایع سے کام لیتے ہیں جس کا تحقیق مذکورہ بالا میں تفصیلی
 بیان ہو چکا ہے، اس سے مسلمانوں کو جرأت نہ ہونی چاہئے، کیونکہ جب محتاط فقہاء مسلمان کی طرف کفر کی
 نسبت کرنے کو اتنا بُرا سمجھتے ہیں کہ جب تک اُن کو گنجائش ملتی ہے اس وقت تک وہ کسی مسلمان کی طرف
 اس کو منسوب نہیں کرتے، تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خود کفر کا ارتکاب کس قدر بُرا ہوگا، پس مسلمانوں
 کو چاہئے کہ جس توہل یا فعل میں کفر کا احتمال بعید اور وہ ہم بھی ہو اس سے بھی نہایت درجہ احتراز کریں،
 کیونکہ کفر سے بڑھ کر حق سبحانہ کے نزدیک کوئی جرم نہیں ہے، چنانچہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ
 حق سبحانہ تمام جرموں کو معاف کر دیں گے مگر کفر کو معاف نہ کریں گے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے
 کہ وہ کس قدر شدید جرم ہے اور اس سے بچنا کس قدر ضروری ہے۔

دوم یہ کہ اہل اللہ سے وخواہ وہ کوئی ہوں، عداوت اور کینہ نہ رکھیں، اور خواہ مخواہ ان پر بدگمانی
 اور طعن تشنیع نہ کریں، کیونکہ حدیث شریف میں اُن سے دشمنی رکھنے والوں کیلئے سخت وعید آئی ہو، اور فرمایا
 ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرے میں اُسے اعلان جنگ دیتا ہوں،

تذیب متضمن توضیح بعض اجزائے اصل واقعہ از صاحب واقعہ

احقر سلیخ شوال ۱۳۶۷ھ کو کانپور گیا ہوا تھا، ہر ذیقعدہ کو جو وطن واپس آیا تو ایک نو وارد صاحب
 نے جو مشاہدہ و مکالمات سے صالح الدین و صالح العقل معلوم ہوئے، مجھ کو ذیل کا رقعہ دیا، جس سے معلوم
 ہوا کہ وہ واقعہ جس کے متعلق رسالہ ہذا میں فتاویٰ مذکور ہیں، انہی صاحب کا ہے، چونکہ اس رقعہ سوانحی
 معذوری کی مزید توضیح ہوتی ہے اور خصوص اس شبہ کا کہ جب یہ جانتا تھا کہ میں بے اختیار ہوں اور مجبور
 ہوں اور صحیح تکلم نہیں کر سکتا تو تکلم بکلمہ الکفر سے سکوت کرتا ہوں ایک دوسرا جواب علاوہ تقریر مذکور قولہ
 یہ خیال کہ جب اُسے معلوم تھا الخ و قولہ شبہ اول الخ کے نکلتا ہے فی قولہ ہذا الخ واقعہ جب دیکھا کہ اس کی
 تصحیح اب اس وقت قنوت سے خارج ہے، الی قولہ سکوت لازمی ما، جو کہ اس وقت یہی اختیار ہی امر تھا،
 فقط، اس لئے اس رقعہ کا رسالہ ہذا سے الحاق مناسب معلوم ہوا، وہی ہذا۔

(بعد القاب و آداب)

احقر غالباً ۲ روز قیعدہ کو خانقاہ امدادیہ میں حاضر ہوا، حضور کا پور تشریف لے گئے تھے، میری خوش قسمتی سے دوسرے ہی روز حضور تشریف لے آئے، جس روز تشریف لائے تھے اُس روز تو عرض حال بیان کرنے کا موقع ہی نہیں ملا، اور دوسرے روز موقع تو ملا لیکن چند عوارض درپیش آنے سے سکوت ہی اختیار کیا گیا آخر تا جگہ بغیر عرض کے نہ میرا مطلب ہی مل ہوتا ہے اور نہ حضور کو میرے حال سے واقفیت ہو سکتی ہے یہ مسکین اس لائق تو ہے نہیں کہ زبانی عرض کر سکے اور نہ تحریری، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس ناچیز کا ادبے شورش پسندوں نے حضور پر ناجائز حملے کئے جو کہ غضب بے بنیاد اور نفس پرستی سے ملوث تھے، کاش ایسا خواب اس پر معاصی کو نہ آتا، تو حضور پر ظالموں کو زبان درازی کا موقع ہی ملتا، اس لئے حضور کو منہ نہیں دکھا سکتا، کہ حضور پر جو کلفتیں اہل دنیا کی طرف سے زبان درازی کی پڑی ہیں، اُن کا سبب یہ عاجز ہے، لیکن کیا کروں خواب کو آتے ہوئے کور و کنا میرے اختیار میں نہ تھا، اس لئے معذور ہوں، لیکن ایسے خواب کا صدور اس نالائق سے ہونا موجب ندامت ہے، وراں حالیکہ اس مسکین نے حالت بیداری میں اپنی ایسی حالت پر ندامت بھی کی، اور دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ کی شان میں بڑی سخت گستاخی ہوئی ہے اس واسطے اس غلطی کے تدارک میں ارادۃ رسول علیہ السلام پر درود شریف پڑھا، لیکن وہاں بھی وہی غلطی ہوئی۔ گویا کہ جس معصیت سے توبہ کرتا ہوں اور ارادۃ دور بھاگتا ہوں، وہی صورت مجبوراً درپیش ہوتی ہے، جب دیکھا کہ اس کی تصحیح اب اس وقت قدرت سے خارج ہے تو محض سکوت اختیار کیا گیا، وراں حالیکہ صدور معصیت پر توبہ سے ارادۃ توقف خود معصیت ہے، لیکن جب کہ توبہ ہی معصیت ہو گئی تو معصیت اور توبہ (معصیت پر معصیت) دونوں سے سکوت لازمی تھا اس لئے سکوت اختیار کیا گیا جو کہ اس وقت ہی اختیاری امر تھا، اس واقعہ پر شورش پسندوں نے غل مجا دیہا، ان ظالموں کے فہم و ادراک پر سخت افسوس ہے کہ جو کچھ اُن کے منہ میں آیا دل کھول کر کہا، حالانکہ میں خود اپنی ایسی حالت کو معیوب اور قابل ندامت تصور کر رہا ہوں، افسوس کہ نہ تو میں ایسے خواب کا ارادۃ خواہشمند تھا اور نہ خواب آنے پر ہی خوش ہوا، اور نہ بطور آزمائش ایسے الفاظ کا تکرار ہی کیا، کہ اب دیکھیں وہی زبان سے نکلتا ہے یا کچھ اور نہ شوقیہ ہی اس کی طرف رغبت تھی۔ صرف غلطی تو یہ ہوئی کہ میں نے اس خواب کو حضور کی خدمت میں لکھ بھیجا، سو یہ حرکت اس لئے ہوئی کہ نہ تو میری نیت میں کوئی فساد تھا، اور نہ ہی علم غیب تھا، کہ اس کو الٹا سمجھنے والے بھی موجود ہیں، اپنے مکان پر آج تک ایسے بے بنیاد شورش کا علم ہی نہیں ہوا، صرف ایک دوست سے معمولی سی بات سنی تھی کہ کسی پرچہ میں اس خواب پر مولانا صاحب کے برخلاف مضمون شائع ہوا ہے، پھر اسی دوست نے اُن دھیانہ سے مجھ کو کارڈ کے ذریعہ سے تحریر کیا کہ مولانا صاحب کے برخلاف بڑی

شورش ہوئی، اور اس کا سبب تم ہو، اس لئے مناسب ہے کہ تم کسی پرچہ میں اس شک کو رفع کرو جو مولانا صاحب کی نسبت لوگوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے اس کے جواب میں بحوالہ آیت جعلنا کل نبی عدو لہ یہ لکھا کہ جب ہر نبی کے دشمن ہوئے تو مولانا صاحب وارث الانبیاء ہیں، اس واسطے اگر مولانا صاحب کے ناحق درپے ہو جاویں تو کیا تعجب ہے، بلکہ لوگوں کا ناحق درپے آزار ہونا مولانا صاحب کے لئے موجب ترقی درجات ہے۔ یہی تصور کر کے کسی پرچہ میں مخالفین کے برخلاف مضمون شائع کرنے سے باز رہا، اور نہ مجھ کو اتنی لیاقت ہی ہے کہ پرچہ میں میرے مضامین شائع ہونے کے قابل ہوں، اب حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گاڑی پر سوار ہوا تو لڑھکیا نہ میں چونکہ والدین میں ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا اسلئے لڑھکیا نہ چند روز ٹھہرا، تو معلوم ہوا کہ شورش پسندوں نے اس واقعہ کو بہت دور تک پہنچا یا ہے، آخر تھانہ بھون میں حاضر ہوا تو اتفاقاً الہ آباد میں وہی مضامین تھے، مسجد میں ایک ذاکر صاحب کے پاس رسالہ الہ آباد بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۷ مطالعہ سے گزرا، اس میں وہی مضامین تھے، ایک ذاکر صاحب سے ملاقات ہوئی جو رامپور ریاست کے باشندے ہیں، اور انہی کی مسجد میں یہ واقعہ مجھ پر گذرا تھا، کچھ انہوں نے بھی واقعہ تازہ کر دیا، اس لئے طبیعت پر رنج پر رنج تھا، اور حضور سے زبانی عرض معروض کرتے ہوئے شرم آتی تھی، اور نیز حالت بھی میری درست نہیں تھی، اس لئے دست بستہ عرض ہے کہ حضور میری بدلیاقتی سے درگزر فرما کر معافی عطا فرما دیں، واقعی مجھ سے حضور کو بہت تکلیف پہنچی ہو۔ باقی کچھ حالات پھر بذریعہ پیچہ عرض کروں گا، اور کچھ زبانی، یہ صرف بطور معذرت نامہ کے عرض کر دیا گیا، زیادہ حقائق۔

جواب: جو ان کو زبانی دیا گیا اس کا حاصل یہ ہے: ”آپ رنجیدہ و شرمندہ نہ ہوں، لاتنذر و ازیر آخری آپ کا اس میں کیا جرم ہے، اور اگر میرے رنج سے رنج ہے تو خود مجھ ہی کو اس لئے زیادہ رنج نہیں ہوا کہ میرا اس سے کوئی ضرر نہیں ہوا، آپ مطمئن رہئے، اور جو حالات آپ کو اپنے کہنا ہوں بے تکلف کہئے، جو خدمت میرے لائق ہوگی اس میں دریغ نہ ہوگا،

جس سے ان کی تسلی ہوگی، چنانچہ اس کے جواب میں ان کے کلام سے ظاہر ہوئی جیسا کہ بالکل ان کے ابتدائی خط کے جواب میں بھی پریشانی میں ان کی تسلی کی گئی تھی،

اب میں خاتمہ پر اپنے اور ان دینی بھائیوں کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ سے دعا کرتا ہوں،
 رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِإِخْوَانِيْ وَآذِ خَلَتْنَا فِيْ دَحْشَتِكَ وَأَنْتَ أَدْعُمُ الْمَذْجِيْنَ (ترجمہ خامس، ص ۲۶)

۵۰۲) **سوال** لَا تَقُولُوا لِمَنْ آتَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ

پہلے س (سارہ ۱۲) تو کیا جو کوئی آج کل بھی مسلمانوں کو سلام علیکم باللفظ یا بالمعنی جیسے آپ پر سلام ہو

۱۵ اس سے آگے کا مضمون کتاب کے آخر میں منہم کے عنوان سے ملتی ہے

یا آپ کی سلامتی کا خواستگار ہوں، کہے تو اس کو بنے ایمان نہ کہیں؟

الجواب، مراد وہ سلام ہے جس کے معارض دوسرے دلائل کفر نہ ہوں، پس جب کہ دوسرے دلائل سے اس کا کفر معلوم ہو وہ اس آیت میں داخل نہیں، (تمتہ ثالثہ ص ۱۲۳)

سوال (۵۰۳) میرے بھائی کا انتقال ہو گیا، اس کا ایک شاگرد ہندو بغرض اہتمام ایصالِ ثواب ہے، اس نے پانچ سو روپے دیئے ہیں کہ اپنی بھائی کو قرآن پڑھوا کر بخشوادے، کیا کرنا چاہئے؟

الجواب، وصولِ ثواب کیلئے اس عمل پر اول عامل کو ثواب ملنا شرط ہے، اور ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے، پس غیر مومن کے اس عمل یعنی اعطارد اتفاق کا ثواب تو پہونچ نہیں سکتا، اور اگر قرآن خوانی کے ثواب کا پہونچنا محتمل ہو تو ملے ہو چکا ہے کہ جو قرآن اجرت پر پڑھا جاتا ہو اس کا ثواب بھی نہیں ملتا ہے، پس صورتِ مسئلہ میں اگر اس شاگرد کو زیادہ اصرار ہو تو صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ وہ شخص یہ پانچ سو روپے کسی مسلمان کی ملک کر دے، اور وہ اگر چاہے وہ روپیہ کسی مستحق کو دے کر اس کا ثواب اس میت کو پہونچا دے، لیکن بعد ملک ہو جانے کے اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ روپیہ کسی کو نہ دے، ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۲۱)

سوال (۵۰۴) احقر کو ایک غلجان ہے جس کو ظاہر کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ دفع تعارض درمیانِ تحیر بین الموت والحیات و عدم اہمالِ سلیمان علیہ السلام حضور نے دعواتِ عبدیت کے چوتھے حصے ملقب بہ اصلاح النفس کے ص ۸۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے تیار ہونے تک کی ہمت طلب کی مگر قبول نہیں ہوئی، ظاہر یہ حدیث مامن بنی مرض الاخیار بین الدنیا والاخرۃ کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یہ غلجان مدت سے ہے، امید کہ تسکین بخش حل تحریر فرمایا جاوے، ؟

الجواب، یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحیر درمیانِ مکث فی الدنیا (لا الی مدۃ معلوۃ) اور سفرِ آخرت کے ہوئی ہو، اور مکث الی مدۃ معلومہ کا اختیار نہیں دیا جاتا، انہوں نے ایک مدت معلومہ تک ہمت چاہی، اور منظور نہیں ہوئی، اور پھر کہا گیا ہو کہ یا تو لا الی مدۃ مکث فی الدنیا کو اختیار کر دو، ورنہ سفرِ آخرت ہوگا، انہوں نے اس مکث کو پسند نہ کیا اور سفرِ آخرت کو قبول کیا، اور اس قبول و اختیار کے بعد میت آئی، غایت مافی الحدیث میں تفصیل مذکور نہیں، مگر اس کے کوئی منافی بھی نہیں۔

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ (تمتہ رابعہ ص ۳۰)

سوال (۵۰۵) حضور نے دستِ غیب کے عمل کو ممنوع تحریر فرمایا ہے

ہذا بندہ کر نہ سکتا تو نہیں لیکن اگر غیر مناسب نہ ہو تو بندہ کہو جو اسکے اندر کم فہمی ہو اسکو رفع فرماویں،
مسئلہ :- دست غیب کا عمل جو بغیر قواعد تسخیر اجنہ کے ہو بندہ ریہ اسمائے الہی و کلام اللہ کے بغیر غلط
کرنے کسی دوسرے کلام کے جائز ہے یا نہیں، بر تقدیر اول مخالفت ظاہر کی لازم آتی ہے اس کے
لئے دلیل مثبتہ ہونا ضرور ہے،

وظہور الثانی ظاہر و مؤید بالاولیٰ و خلافی وجود ما لم یکن موجوداً من اللہ تعالیٰ کا محب
و البغض فانہ لم یقل بواسطۃ الاجنۃ فیہما احد ولا فرق بین المحب و بین النقود باعتبار الموجد
حتی یقرب الی واسطۃ فی احدهما دون الآخر لا اعتبار القدر لا باعتبار العادۃ لانہ کلاہما خلاف
العادۃ ولا سماء اللہ تعالیٰ دخل فی ظہیر خوارق العادۃ و ایضاً یؤید جوازہ ما جاء فی بعض
الاثار و عدۃ جابر فی غنیۃ خندق و عدم نقصان الطعام باکلہم لان البرکۃ تكون باقامۃ
مثل ما انقص مقامہ بالتسلسل و ما شاع فی کرامات الاولیاء مثل قصۃ وضع التعویذ
فی الشعیر لشیخ الشاہ ابی المعالی و عدم وقوع النقصان فی الشعیر حتی اخرجت عنہ و ان
هذا الا لکون الاولیاء و منعہم سبباً و وجود الاشیاء من اللہ تعالیٰ فلا یستبعد ان یکون
کلامہ کذ لک -

بندہ کہو یا و آتا ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ احق ما اتخذتم بہ اجراً کتاب اللہ اور
یہ اس کے اندر داخل ہو اور احق کو یا سبق کہ کلام سے مناسبت لطیفہ ہو، کیونکہ یہ ارشاد حضور م کا
سانپ کے کاٹے ہوئے کے سورۃ فاتحہ کے ذریعہ سے شفا پانے کے قصہ میں وارد ہوا ہے تو اس سے
مستنبط ہوا کہ کلام الہی سے جو خوارق ظاہر ہوں اس کو ذریعہ معاش بنانا درست ہے، اور نیز
وجود غیر موجود میں دونوں شریک ہیں، وہو الشفا رہمنا۔

الجواب، یہ سب اس پہنچی ہو کہ اس عمل میں جن کی نفی کر دی جائے، سو واقفان فن کے نزدیک
یہ امر تجربہ سے ثابت ہے، اس میں ذرا شبہ نہیں، اور احتمالات سے جواز ثابت نہیں ہو سکتا،

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تمہ رابعہ ص ۳۶)

متعلق نفس نار | سوال (۵۰۶) حدیث شریف میں آیا ہے کہ اشتکت النار الی رہا فقال تیاریب
اکل بعضی بعضاً فاذن لہا بنفسین فی کل عام نفس فی الشتاء و نفس فی الصيف، اکثر علمائے
اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا ہو، بنا بریں یہ شبہ واقع ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ بعض خطاط ارض میں
(جہاں ہمیشہ سردی پڑتی ہے) نفس فی الصيف کا اثر ظاہر نہیں ہوتا؟

الجواب، حدیث میں ممکنہ کہاں مذکور ہے جو اشکال لازم آوے، اصل یہ ہے کہ نفس فی الصیفت کا اثر بواسطہ آفتاب کے خاص اوضاع کے پہنچتا ہے، پس جہاں اوضاع خاصہ شمس کے نہ ہوں گے وہ اثر بھی نہ پہنچے گا۔ ۹۔ سوال ۳۳۴ (تمتہ رابعہ ص ۵۶)

متعلق کفار ہندوستان | سوال (۵۰۷) ہمارے ہندوستان میں جو کفار لوگ ہیں ذمی ہیں یا حربی مسلمان لوگوں کو امور دینیہ میں ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کرنا چاہئے؟

الجواب، لازمی لعدم دخولہم تحت حمایتہ وال مسلم ولا حربی محارب بل حربی بمسألہ مستامن واكثر احکامہم كالذمیین، ۱۴۔ سوال ۳۳۵ (تمتہ رابعہ ص ۵۶)

اعدل الاقادیں در باب شیخ ابن العربی | سوال (۵۰۸) ان دنوں ایک قدیم کتب خانہ شہر ہند میں کتب اب رد الفصوص تھی گو نہ کرم خوردہ میری نظر سے گذری، جس کا چیدہ چیدہ اقتباس بقید صفحات ملفوف ہوا ہے، اگر یہ کتاب طبع اور ملاحظہ اقدس سے گذر چکی ہے تو اس سے عزیمت فرمایا جاوے تاکہ طلب کیمیا کے اور اگر اب تک غیر طبع اور کتب خانہ والا وغیرہ میں معدوم ہے تو فی زمانہ جب کہ جاہل صوفیوں کا زیادہ غلو ہے، ایسے رسالہ کا ترجمہ کے ساتھ شائع کرنا ضروریات سے معلوم ہوتا ہے، مجھے امید ہے کہ عالی حضرت اس کو قدر کی نگاہ سے ملاحظہ فرمائیں گے، اس کتاب کا حضرت کی خدمت میں پہنچانا تو متعذر رہا مگر عالی حضرت اگر مولوی عاشق الہی صاحب میرٹھی وغیرہ کی توجہ دلا کر اس کو مترجم حامل المتن طبع فرمانے کی سعی فرمادیں گے تو یہ ناچیز اس کی نقل کر کے بہت جلد ابلاغ خدمت کرنے کی عزت حاصل کرے گا، اقتباس رد الفصوص،

بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله المتعال عما يقول الظالمون علواً كبيراً، والصلوة والسلام المتوالی علی نبینا الصادق بالحق بشیراً ونذیراً، وعلی الہ وعترة الحافظین لشریعتہ، وصحابتہ الناصرین لدینہ، وبعد فیقول الفقیر الی اللہ الفقی مسعود بن عمرو والمدعو بسعد التفتازانی ہذا اللہ الی سواہ الطریق واذاقہ حلاوة التحقيق لیسارایت اباطیل کتاب الفصوص انطقنی الحق علی هذا النسق، شعر

ورین القلوب نقیض الحکم	کتاب الفصوص ضلال الحکم
ومدک بخرطمی وانسجم	کتاب اذا رمت ذمالہ
ورطب جیب الدیک القلم	وکان نبات الثری یا بس،
ن والاخرون وهزالہم	وعمرت ما عمر الا ولس،

عجزت عن العشر من ذمه، وعشر عشر وما ذاك ذم
ثم اعلم ان صاحب الفصوص لقد تجاهر بالوقاحة الظلم وجاوز في المحامقة
الامد الاقصى حيث فضل نفسه الدين بفرط شقائه على الذي ادم ومزدونه تحت
لوائه بان جعل في تكسيل الدين لبنة الذهب نفسه الغوى المبين ولبنة الفضة
خاتم النبیین، بل كذب الملحد رب العلمین، حيث زعم ان الدين لم يكمل بسيد
البشر المبعوث الى كافة العجم والعرب بل كان بقى منه موضع يسده لبنتان فضة
وذهب فلبنة الفضة النبي الذي ختم به النبوة، ولبنة الذهب الولي الذي ختم الولاية
يعني نفسه الباطل المبطل لمرتاب الاو قم من مسيلة الكذاب حيث لم يرض ذلك
الوجه الغاوي بما رضى به مسيلة من ادعاء رتبة التساوي ولذا التسمية الملاحدة
من الاشقياء بخاتم الاولياء وفضلونه لعنهم الله على خاتم الرسل الانبياء، ثم ان خيال
الحشيش وخباط السوداء على ترويح هذه الزندقة الشقاء باختلاط رويالا يصدقها
الا انبياء من الاغوياء، وهي ما اودعها في ديباجة الفصوص انه راي النبي عليه السلام
في المنام وقد اعطاه الفصوص وامره باشاعته بين الانام، وهل سمعت عاقلا يروج
الزندقة المخالفة للعقل والشرع الباطلة بأسرها من الاصل والفرع بان النبي عليه
السلام بعد مضي ست مائة عام من وفاته عليه السلام امر في المنام باظهار ما
يهدم الملة التي مهد ما في مدة ثلاث وعشرين سنة الى اخرجيات الخ
فقد صرح عن صاحب المواقف عضدا للملة والدين اعلى الله درجته في عليين
انه لما سئل عن كتاب الفتوحات لصاحب الفصوص حين وصل هناك قال افتطمعون
عن مغربي يا بس المزاج مجرمكة وياكل حشيشا غير الكفر وقد تبعه في ذلك ابن الفارض
حيث يقول امر في النبي عليه السلام في المنام بتسمية التائبة نظم السلوك الخ
مؤ وقيل الشرع في تفصيل طاماتهم وابطال شكوكهم شبهاتهم فهدم مقدمة
ترشد الى بطلان او هامهم وزعماتهم فنقول وبالله التوفيق سائل الله الهداية الى
سواء الطريق الخ -

مك فكيف يحل للمسلم ان يسمى بالتصوف هذه الزندقة واولئك الكفرة الزنادقة
بالتصوفة بل التصوف في لسان القوم عبارة عن التخلق بالاخلاق النبوية والتمسك

بقوایم الشریعة المظہرة الاحمدیة فی العلمیة والعملیة لا عن عقیدة المعطلة والسوفسطائیة
والدهریة وما یرید لضلال اولئک الملحدین کشفًا وایضاحًا ومحال اولئک المبطّلین
هتکًا وافتضاحًا انہم یجمعون فی اثبات تلك الزندقة الملعونة بین اقامة الحجة البرہان
وبین ادعاء ظهورها علیہم بالکشف والعیان الخ

ص ۳۱۰ اخر، فہذہ جملہ ما ہدایہ صاحب القصص بنیان الدین المرصوص و
جحدہ ما ثبت ببدیہۃ العقل وقواطع النصوص وزعم ان الزندقة الملعونة الباطلة
ببدیہۃ العقل والشرع ذریعة الی التعرف ولذلك سول له الشیطان ان سماها
علم التصوف وصدقہ فی ذلک الجہلۃ الملحدون وقلدہ الزنادقة المجاہسون و
سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون الخ، قدیمت الرسالة بعون اللہ الملک المنان فی
یوم الاحد من تسع وعشرين بشہر ذی القعدة قبل الزوال لستہ وستین بعد المائتہ
الواقعة علی الالف،

الجواب، دینی مصالح کے ایک پہلو کا تو اقتضای ہی ہے کہ ایسے رسالہ کی اشاعت ہو،
مگر دوسرا پہلو اس سے مانع ہے وہ یہ کہ بعض اکابر نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ شیخ پر افترا ہیں، بعض نے ان
کلمات کو مؤول فرمایا ہے، پس ان احتمالوں کے ہوتے ہوئے کسی مدعی اسلام کی تکفیر یا تضلیل شرعاً بھی
ناجائز ہے، دوسرے اس باب کی توسیع میں شاید پھر کوئی امام یا مجتہد یا ولی یا عالم بیج سکے، پھر
شیطان اسکو اہل بطالت کیلئے اس کا ذریعہ بنا دے گا، کہ جب ایسے لوگ گمراہ تھے تو اوروں کا کیا
اعتبار، پھر جب عالمین علوم سے اعتبار ہی اٹھ گیا تو نہ احکام نقلیہ صحیحہ نقل رہے، نہ احکام اجتہادیہ
معتبر رہے، لفقہ الشرائط فی النقلة والمستنبطین وفساد هذا لا یخفی، البتہ اگر شیخ مقبول عام
نہ ہو چکے تو یہ دوسرا مفسدہ نہ ہوتا، گو پہلا مفسدہ تب بھی تھا، اسلئے عامۃ الناس کو اتنا کہنا کافی ہے
کہ نہ ان اقوال کے ظواہر کے محقق ہوں نہ ان کے قائل کو کچھ کہیں،

قال اللہ تعالیٰ ولا تقف ما لیس لك بہ علم وفی الدر المختار ان من قال عز فصول الحکم
الی قوله فعلیک وباللہ التوفیق وانظر ما فی ہوامش رد المختار علی تلك العبارة ج ۳ ص ۴۵
بعد تحریر ہذا ایک کتاب تحفۃ الاخوان صفحہ ۳۳۳ و ۳۳۴ میں علامہ سعد الدین تفتازانی کو مع اکابر کثیرین
کے ابن حجر مہتمی نے شیخ ابن العربی کے مدحین و معتقدین میں سے لکھا ہے، اور چند سطروں کے
بعد یہ عبارت بھی ہے، منها ما ذکرہ شیخنا فی شرح الروض نقلاً عن العلامة التفتازانی بانہ مدح

ابن العیاض، حالاً مزید علیہ اھ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کرم خوردہ رسالہ کی نسبت فتنا زانی کی طرف صحیح نہیں ہے، کیونکہ دوسری معتبر معروف کتاب کے معارض ہے،

۲۶ رجادی الاخر ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۱)

توجیہ زیارت کعبہ حسنا بنیہ اولیاء | سوال (۵۰۹)، بابت استقبال قبلہ شامی و بحر الرائق لطحاوی بہر مرقی الفلاح و باب ثبوت النسب و در مختار و شامی و غیرہ معتبرات فقہیہ سے جو حواذی آنے بیت اللہ شریف کا واسطے زیارت اولیاء اللہ کے بلکہ طواف اولیاء کرنے کے ممکن و منجملہ کرامات ہونا لکھا ہے، اور روض الریاضین میں امام یافعی وغیرہ میں وقوع اس کا اور دیکھنا ثقات ائمہ و علماء کا اس کرامات کو منقول ہے، اس کو غیر مقلدین لغو و غلط امر کہتے ہیں، اُن کا قول و خیال یہ ہے کہ کعبہ ایسا معظم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اشرف المخلوقات تھے اس کی تعظیم طواف سے کی وہ دوسرے اپنے سے کم درجہ کی زیارت و طواف کے لئے جائے یہ قلب موضوع و ناممکن امر ہے، ہاں اگر قرآن و حدیث سے یہ امر مدلل کیا جاوے تو قابل تسلیم ہو سکتا ہے، لہذا علمائے احناف کی جناب میں گزارش ہے کہ عقیدہ کو نصوص قرآن و احادیث سے یا باستنباط از آیات و احادیث مدلل و ثابت فرما کر کتب فقہ خفیہ و روض الریاضین وغیرہ تالیفات ائمہ سلف کو ردیہ غیر مستند ہونے سے بچائیں، اور جہاں تک جلد ممکن ہو جو اس سے سرفراز فرمائیں۔ اس امر کی نسبت سخت نزاع درپیش ہے، ۹

الجواب

حدیث نمبر ۱۔ عن ابن عمرؓ انہ نظر یوماً الى الکعبۃ فقال ما اعظمہ و ما اعظم حرمتک و المؤمن اعظم حرمة عند الله تعالى منك، اخوجه الترمذی و حسنہ (ص ۲۲ ج ۲) مطبوعہ مجتہاتی، و رواہ ابن ماجہ مرفوعاً عن ابن عمر و لفظہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف بالکعبۃ یقول ما اظہیک و اظہیک و اعظم حرمتک و الذی یفسر محمد بیدہ بحرمۃ المؤمن اعظم عند الله حرمة منك الخ ص ۲۰۹، اصح المطابع،

حدیث نمبر ۲۔ عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رایت الجنة فرایت امرأة ابی طلحة و سمعت خشخشة اما فی فاذا بلال رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۵۶) حدیث نمبر ۳۔ عن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اهتز العرش لموت سعد بن معاذ و فی رواية قال اهتز عرش الرحمن لموت سعد بن معاذ و فی رواية قال اهتز عرش الرحمن لموت سعد بن معاذ متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۵۶)

حدیث نمبر :- عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الجنة تشتاق الى ثلثة علي وعمار وسلمان رواه الترمذی (مشکوٰۃ ص ۵۰۰)
حدیث نمبر :- عن انس قال قال ابوبکر لعمر بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم انطلق بنا الى اماريمن نزورها كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزورها الحديث رواه مسلم (مشکوٰۃ ص ۵۲۰)

حدیث نمبر :- عن جابر في حديث طويل فلما راى (صلى الله عليه وسلم) ما يصنعون طاف حول اعظمها بيدرا ثلث مرات الحديث رواه البخارى (مشکوٰۃ ص ۵۲۹)
حدیث نمبر :- عن جابر انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لما كذبني قريش قتلت في الحجر فجعل الله لي بيت المقدس الحديث متفق عليه (مشکوٰۃ ص ۵۲۲)
وفي اللامعات جاء في حديث ابن عباس فجيئ بالمسجد حتى وضع عنقه ارفعيل وانا انظر اليه

بدنقل ان امادیت کے جواباً عرض کرتا ہوں کہ سوال میں معترض کے دو قول نقل کئے ہیں، ایک یہ کہ یہ قلب موضوع ہے، دوسرا یہ کہ یہ نامکن ہے، قول اول کی دلیل یہ بیان کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعظیم طواف سر کی، اور قول ثانی کی کوئی دلیل بیان نہیں کی، سو قلب موضوع کا جواب حدیث نمبر سے ظاہر ہے، کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے کو فضل بتا رہے ہیں، اور اول تو یہ امر رک بالرائے نہیں اسلئے حکماء فروع ہوگا، اور اگر اس سے قطع نظر بھی کی جاوے تاہم کسی صحابی سے اس پر تکبر متقول نہیں، پھر اس کی صحت میں کیا شک رہا پھر ابن ماجہ میں تو اس کے رفع کی تصریح ہے، اور سنہ بھی اچھی ہے اب کلام مذکور کی بھی حاجت نہیں رہی، رہ لیا طواف فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کا اور اس کی تعظیم کرنا، سو یہ ایک امر تعبدی ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مساجد کا احترام فرماتے تھے تو کیا مسجد کا آپ سے افضل و اعظم ہونا لازم آگیا، اسی طرح بیت معظم بھی آپ سے افضل نہ ہوگا پھر جب آپ اس سے افضل ہوئے اور پھر آپ نے اس کا طواف کیا تو اس سے ثابت ہو گیا کہ مفضول کا طواف افضل کر سکتا ہے، سو اگر مومن بیت معظم سے مفضول بھی ہوتا تب بھی افضل کا طواف کرنا مفضول کے لئے جائز ہوتا، چہ جائے کہ مومن کا افضل ہونا بھی ثابت ہو گیا، پھر تو کچھ بھی استبعاد نہ رہا، باقی یہ ظاہر ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ انسان کو بہت سجدہ بھی بنایا جائے یا انسان کا کوئی طواف کرنے لگے، اور یہ سب اس وقت ہے کہ طواف بطور تعظیم ہو، اور اگر یہ

طواف لغوی ہو معنی آمد و رفت جو مقارب ہر زیارت کا تو وہ اپنے مقتول کے لئے بے تکلف ہو سکتا ہے جیسا حدیث نمبر ۶۵ و ۶۶ میں مصرح ہے اور محض ایسے امور سے افضلیت کا لزوم کیسے ضروری ہوگا جب کہ حدیث نمبر ۲ میں تقدم بلال کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر منقول ہے، اسی لئے اس تقدم کو شراح حدیث نے تقدم الخادم علی الخدم سے مستر کیا ہے، پس ایسا ہی یہاں ممکن ہے، نیز عرش جو کہ تجلی گاہ خاص حق ہے اور اس کی صنعت میں کسی بشر کو دخل نہیں، ظاہراً بیت معظم سے افضل ہے، باوجود اس کے اس کی حرکت ایک امتی کیلئے حدیث نمبر ۳ میں مذکور ہے، سو اسی طرح اگر بیت معظم کسی مقبول امتی کے لئے حرکت کرے تو کیا استبعاد ہے، نیز روح اس حرکت کی اشتیاق ہے، سو جنت جو کہ حق تعالیٰ کے تجلی خاص کا دار ہے، حدیث نمبر ۱۱ اس کا مشتاق ہونا بعض امتیان مقبولین کی طرف وارد ہے، تو کعبہ کا اشتیاق بھی کسی مقبول امتی کی طرف کیا مستبعد ہے،

پس ان حدیثوں سے خود زیارت و طواف کا استبعاد تو دفع ہو گیا، جو کہ بحث نقلی تھی، اب صرف یہ بحث عقلی باقی رہی کہ خانہ کعبہ اتنا بھاری جسم ہے کہ کیسے منتقل ہو سکتا ہے، سو اول تو اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ میں اس کا جواب عام موجود ہے، دوسرے حدیث نمبر ۷ کے ضمیمہ میں جواب خاص بھی ہے جو خصائص کبریٰ جلد اول ص ۱۶۰ میں نقل کیا ہے، تخریج احمد و ابن ابی شیبہ النسائی و البرزازی و الطبرانی و ابی نعیم بسند صحیح، اور یہ سب گفتگو قول اول کے متعلق تھی، رہا قول ثانی کہ یہ ناممکن ہے سو استفسار یہ ہے کہ آیا عقلاً ناممکن ہے یا شرعاً یا عادیۃ۔ اول کا انکار ظاہر ہے، اگر شوق ثانی ہے تو مقروض کے ذمہ اس کا ثبوت ہی، و اِنِّیْ لَفٰیْکَ، اور اگر شوق ثالث ہے تو مسلم ہی، بلکہ مفید ہی کیونکہ کرامت ایسے ہی واقعہ میں ہے، جو عادیۃً منع ہو ورنہ کرامت نہ ہوگی، اب ایک شبہ باقی ہے وہ یہ کہ جس اس کی مکذب ہے کیونکہ تاریخ میں کہیں منقول نہیں، کہ کعبہ اپنی جگہ سے غائب ہوا ہو، سو ایسا ہی شبہ حدیث سابع کے ضمیمہ میں ہوتا ہے، سو جو اس کا جواب ہے وہی اس کا جواب ہے، اور وہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اتفاق سے کعبہ کا دیکھنے والا کوئی نہ ہو، اِذَا ارَادَ اللہُ شَیْئًا ہِیَا سَبَابٌ، اور یہ اس وقت ہے جب یہی جسم منتقل ہوا ہو ورنہ اقرب یہ ہے کہ کعبہ کی حقیقت مثالیہ اس حکم کا محکوم علیہ ہے جس طرح حدیث نمبر ۱۱ میں آپ نے بلالؓ کی مثال کو دیکھا تھا، ورنہ بلالؓ یقیناً اس وقت زمین پر تھے، اب صرف ایک عامیانہ شبہ رہا کہ اس کی سند جب تک حسب شرائط حدیثین صحیح نہ ہو اس کا قائل ہونا درست نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ خود حدیثین نے غیر احکام کی احادیث میں سند کے متعلق ایسی تنقید نہیں کی، یہ تو اس سے بھی کم ہے، یہاں صرف اتنا کافی ہے کہ راوی ظاہراً ثقہ ہو، اور اس واقعہ کا کوئی مکذب نہ ہو۔

اس تقریر سے اس کا جواب بھی نکل آیا جو سوال میں ہے کہ اگر قرآن و حدیث سے دلیل کیا جاوے
الخ وہ جواب یہ ہے کہ اگر مدلل کرنے سے یہ مراد ہے کہ بعینہ وہی واقعہ یا اس کی نظیر قرآن و حدیث میں
ہو تب تو اس کے ضروری ہونے کی دلیل ہم قرآن و حدیث ہی سے مانگتے ہیں، نیز ائمہ محدثین کی کلمات
تو کیا اس طرح ثابت کیا جاسکتا ہے، اور اگر یہ مراد ہے کہ جن اصول پر وہ مبنی ہے وہ قرآن و حدیث
کے خلاف نہ ہوں، تو بحمد اللہ تعالیٰ یہ امر حاصل ہے۔

تنبیہ :- یہ سب اصلاح تھی غلو فی الانکار کی، باقی جو غالی فی الاثبات میں علمایا عملاً،
ان کی اصلاح بھی واجب ہے۔ واللہ اعلم۔ ۸ رجب ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۴)
دفع درخواست فاتحہ مریدہ بجیلہ | سوال (۵۱۰) اکثر لوگ مسجد میں نیاز کے واسطے کچھ شیرینی وغیرہ لاکر
رکھتے ہیں، مثل گیارہویں وغیرہ کے اور نیاز کے واسطے کہتے ہیں کہ دید و، تو اب ایسے موقعہ پر کیا
کرنہ چاہئے، نیاز دیوے یا صاف جواب دیدے،
جواب، یوں کہہ دے کہ ہم کو نیاز دینا نہیں آتا،

۱۰ رجب ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۹)

عل بعض عبارات مکتوبات قدوسیہ | سوال (۵۱۱) آج کل اتفاق سے شیخ عبدالقدوسؒ کے مکتوبات کا
موجہ مقصد و ریت مستنح لذاتہ، مطالعہ کبھی کبھی کرتا ہوں، اس میں دو جگہ قابل دریافت سمجھ کر عرض ہر
اگر جواب دینا فضول تصور فرمایا جاوے تو تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں ہے،
مکتوب صد و ہفتاد و ہفتم میں فرماتے ہیں

”ممكن الوجود این نیز بر سه قسم است يك ممکن لغیرہ و متنع لذاتہ و آن از جمله محالات است کہ وجود
آن بنظر حس و عقل متنع است و اما بنظر قدرت حق ممكن است“

گزارش یہ ہے کہ متنع اور واجب کے تو البتہ عقلا نے دو قسم بالذات اور بالغیر کیا ہے، مگر ممکن
کی بالذات اور بالعرض اب تک سُننے نہیں گئے بلکہ اہل فن عموماً لامکان بالغیر فرماتے ہیں، گو بطور احتمال
عقلی امکان کی بھی دو قسم ہو سکتی ہیں، مگر لاطائل تحتہ اور پھر متنعات عقلیہ اور ذاتیہ کو تحت قدرت
باری داخل کرنا عقل سے بالکل باہر ہے، شیخ رحمہ اللہ کا کیا مطلب ہے۔ ؟

الجواب، اس قسم کا مضمون میں نے دوسرے اکابر کے کلام میں بھی دیکھا ہے جو اس وقت مستحضر
نہیں، میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ مراد اس سے وہ محالات عادیہ ہیں جو عقل متوسط کو نزدیک
سے اصل میں اسی طرح ہے مگر بظاہر کوئی عبارت رہ گئی ہے ۱۲ محمد شفیع۔

محال ہیں، مگر عقول عالیہ قدسیہ کے نزدیک ممکن ہیں، اس کا اقرار خود حکما کو بھی ہو کہ بعض حقائق و اربع عقول متوسطہ کے احاطہ ادراک سے خارج ہیں، رہا اس کا لقب ممکن وغیرہ و متمنع لذاتہ کہنا یہ ان کی خاص اصطلاح ہے برخلاف اصطلاح جمہور کے و لامشافتہ فیہ، اور وجہ تفہیم اس کی یہ ہے کہ غیر سے مراد قدرت حق ہے، یعنی قدرت حق کے اعتبار سے ممکن ہے، لیکن خود اس کی ذات پر اگر نظر کی جاوے یعنی عقل متوسط نظر کرے تو اس پر امتناع کا حکم کرے، اور شیخ کے کلام میں جو یہ ہے کہ وجود ان بنظر حس و عقل الخ، اس کو محالات کی قید و اتعی نہ کہا جاوے بلکہ قید احترازی کہا جاوے تو خود بھی تفسیر موحیہ کی مراد مذکور کی، یعنی سب محالات اس کا مصداق نہیں بلکہ وہ محالات جو بنظر حس و عقل متوسط میں محال ہوں،

کتبہ اشرف علی، ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۲)

توضیح بعض عبارات مکتوبات | سوال (۵۱۲) اور مکتوبات صد و ہشتاد و دوم میں شیخ جلال الدین قدوسیہ دربارہ جواز اعراس کو تحریر فرماتے ہیں۔

”واعراس پیراں لسماع و صفائی جاری و از نہ انتہی“ تو پھر خباب والا و دیگر اپنے اکابر کیوں ان دونوں کو ممنوع فرماتے ہیں؟

الجواب، ظاہر ہے کہ یہ دونوں امر تبیہ بالغیر میں، شیخ کے وقت میں یا ان کی مجالس میں وہ غیر متحقق نہ ہوں گے، اور انضایا مستقبل کی طرف التفات نہ ہوگا، پس شیخ مخدور ہیں مگر متبوع نہ ہونگے، اب ہمارے زمانہ میں وہ مفاسد متحقق بھی ہیں، اور اگر کوئی مجلس بری بھی ہو مگر مغضی یقیناً ہے، اور یہ انضام مشاہد ہے اس لئے منع واجب ہے، فلا تعارض، کتبہ اشرف علی،

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۲)

پھر اس کے متعلق یہ سوال آیا جو ذیل میں مع جواب منقول ہے

اعادہ شبہ بر جواب سابق متعلق عرس | سوال (۵۱۳) نیازمند کے عریفہ کا جواب رمضان ہی میں آگیا تھا و تحقیق فتویٰ منسوب بہ شاہ ضاد دہلوی، بالکل اطمینان ہو گیا، ہاں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اعراس پیراں بر

سنت پیراں لسماع و صفائی جاری و از نہ انتہی میں لفظ و صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی نظر قباحیت عارضی پر تھی، مگر عرس و سماع خالی عن الحوارض کو بہت ہتم بالشان سمجھتے ہیں، کہ اس کے اجراء کی تاکید فرماتے ہیں اور اس کو اپنے پیروں کا طریقہ بتلاتے ہیں، اور عوارض لاحقہ کی وجہ سے اس کو قابل ترک نہیں فرماتے، بلکہ امور عارضہ کو رفع کرنے کا حکم فرماتے ہیں، اور امرین مذکورین فی حد ذاتہما کے جاری کرنے کی تاکید کرتے ہیں، شیخ رحمۃ اللہ کی یہ رائے معلوم ہوتی ہے کہ عرس و سماع فی نفسہ ایسے محمود

اور مفید ہیں کہ قباحت عارضہ کی وجہ سے لائق ترک نہیں، بلکہ ان دونوں کو کیا کیا جاوے اور قباحت لاحقہ کو چھوڑ دیا جاوے، اور جناب والا دیگر حضرات کا یہ مسلک ہو کہ اگر کسی مستحب یا مباح کو قباحت عارض ہو جاوے تو اس وجہ سے نفس شے ہی واجب ترک ہو جاتی ہے، تو اب تک ہم ناقص میں تعارض باقی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

اور نیز عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے وقت تو شیخ کے بزرگوں کا یہ اجماعی مسئلہ تھا کہ قباحت عارضہ کو رفع کر کے عرس و سماع کو جاری رکھا جاوے نہ کہ اس قباحت عارضہ کی وجہ سے ان دونوں امور کو بھی ترک کر دیا جاوے، فقہاء حنفیہ کا تو واقعی وہی مسلک ہو جو جناب الا کا ہے، مگر غالباً صوفیائے کرام کا یہ مسلک نہیں معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم عند اللہ۔

اور جناب شاہ..... صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تحریر سے جو فلاں مثنیٰ..... مرحوم کے اس طعن کے جواب میں لکھا ہے جو حضرت شاہ صاحب پر عرس کرنے کے بارے میں کیا تھا یہی معلوم ہوتا ہے کہ عرس فی نفسہ محمود امر ہے، کسی عارض کی وجہ سے اس کو ترک نہیں کیا جائیگا، بلکہ اصل شے کو باقی رکھ کر امور لاحقہ کو رفع کیا جائیگا، طعن اور جواب دونوں حسب ذیل ہیں:-

طعن، عرس بزرگان خود بخود مثل فرض دانستہ سال بسال بر مقبرہ اجتماع کردہ طعام و شیرینی در انجا تقسیم نموده مقابر را و ثنا بعد می کنند۔

جواب، قولہ عرس بزرگان خود الخ اس طعن مبنی ست بر جہل باحوال مطعون علیہ زیر کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ رائج کس فرض نمی داند، ارے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشان بامداد ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب ست باجماع علماء و تحسین روز عرس برائے آنست کہ آن روز مذکر انتقال ایشان میباشد از دارالعمل بدارالثواب والا ہر روز کہ اس عمل واقع شود بموجب فلاح و نجات ست، و خلف را لازم ست کہ سلف خود را باین نوع برو احسان نمایند چنانچہ در احادیث مذکور ست وَلَدُّ صَاحِبٍ يَدِّ عَوْلَةٍ و تلاوت قرآن و اہل کئے ثواب را عبادت قبر و دن مبنی بر کمال بلاست و افراط جہل است، اگر کسی سجدہ طواف و دعا بخواب فلاں فعل کند بعمل آورد البتہ مشابہت بعبادۃ الاوثان کردہ باشد، و چون چنین نیست پس چرا محل طعن باشد، و در منشور و میو طی مرقوم است:-

والخرج ابن المنذر و ابن مردويه عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأتي أحدًا كل عام فاذ القوه الشعب سلم على قبور الشهداء فقال سلام عليكم

بما صبرتم فنعم عقبی الدار، و آخر ج ابن جریر عن محمد بن ابراہیم قال کان النبی صلعم یاتی قبور الشهداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار، و ابوبکر و عمر و عثمان، و فی التفسیر الکبیر عن رسول اللہ صلعم انه کان یاتی قبور الشهداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار، و الخلفاء الاربعہ فکذا یفعلون انتهى (زبدۃ النصارح فی مسائل الذبائح، مطبوعہ مطبع محمدی کانپور ۱۲۶۲ھ صفحہ ۴۱ و ۴۲)

خلاصہ نیاز مند کے شبہ کا صرف اسی قدر ہے کہ فقہاء اور صوفیہ اس قاعدہ کلیہ ہی میں مختلف ہیں کہ جب کسی امر شرعی غیر ضروری کو فی الحال امر قبیح عارض ہو جاوے یا انصاف فیما یستقبل کا اندیشہ ہو تو وہ امر شرعی قابل ترک ہو، فقہاء اس کے قائل ہیں، اور صوفیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ خدا صدا و غما کہ رکے موافق معروف من حیث ہو ہو قطع عن العارض پر عمل کرتے ہیں اور عارض قبیح کو ترک کرتے ہیں، اور اندیشہ انصاف فیما یستقبل کی حین العمل پر وہ نہیں کہتے، ہاں وقت عارض کے عارض کو ترک کر کے معروف من پر عمل کرتے ہیں، اس اصل کے مختلف فیہ فیما بینہما ہونے کی وجہ سے دونوں کے تعامل میں بکثرت تفاوت پیدا ہو گیا۔ جو کچھ عرض کیا گیا صوفیہ اور فقہاء کے اقوال سے اپنی بد فہمی کی وجہ سے سمجھا ہے، ان کا منی ومن الشیطان فنعود بالذکر منہ، اب جناب والا سے عرض ہے کہ جو کچھ غلطی ہو اس سے تنبیہ فرمایا جاوے۔

الجواب، لفظ صفائی تو اس دلالت میں نص نہیں، اس سے صفائی نیت کی جس کو خلوص کہتے ہیں، مراد ہو سکتی ہے یعنی ریاء و شہرت مقصود نہ ہو یا اگر اس دلالت کو تسلیم بھی کر لیا جاوے یا باوجود عدم دلالت خود ابتداءً ان مفاسد کا تحقق اس وقت تسلیم کر لیا جاوے تب بھی جواب اول میں میز یہ قول انصاف فیما یستقبل کی طرف التفات نہ ہوگا، جواب میں کافی ہی، توضیح اس کی یہ ہے کہ ان کو اس طرف التفات نہ ہوگا کہ ہم کو کوئی مقتدا جان کر ہمارے فعل کو پسند بناوے گا، اور اپنے فعل کی تنزیہ کو کافی سمجھا، اور عدم التفات کی حالت میں جب کہ کوئی متنبہ نہ ہو وہ محذور سبب کا نہیں معلوم ہوا، پس معذور ہیں، پس اتنی عبارت سے فقہاء اور صوفیہ میں اس فرق کا مستنبط کرنا جو آپ نے لکھا ہے بلا دلیل ہے۔ باقی حضرت شاہ صاحب کا فتویٰ اول تو اس کے ثبوت و صحت کیلئے سند صحیح یا تو اس کی ضرورت ہے، وانی لہذا ذلک، دوسرے یہ تحریر مجتہدانہ ہے، تو شاہ صاحب کا اجتہاد فقہاء کے اجتہاد کے خلاف حجت نہ ہوگا، اور اسی طرح اگر وہ مسلک صوفیہ کا ثابت بھی ہو جاتا تب بھی مسائل

میں فقہاء متبوع ہوں گے، فقط ۲۶ شوال ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۲۸)

فتح تعارض در میان کلام امام شہرانی **سوال** (۵۱۳) علامہ عبد الوہاب شہرانی البحر المورود میں تحریر فرماتے ہیں
 وکلام فقہاء در باب انکار علی السائل
 (اخذ عندنا العهد، ان لا ندع احد من اخواننا ينكر على احد من
 الفقراء الطوائف على الابواب يسألون الناس لوالحوا عليهم
 غير حق

لان الفقراء ربما يريدون ان يحملوا عنهم ائواءا من البلاء يطفوا عنهم مجارا من الخطايا
 وفي الحديث هدية الله للمومن وقوف السائل على بابہ وكان محمد بن الحسين رضي الله عنه
 اذا رأى سائلا على بابہ يتبسم في وجهه يقول له مرحبا بمن يحمل زادي الى الآخرة بغير اجرة
 وكذلك لا يمكن اصحابنا من قولهم هؤلاء قادرون على انكسب فيهم عليهم السؤال لان ذلك
 حجة في البخل قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطي السائل وان كان عينا ويقول
 للسائل حق وان جاء علف من سر بيما كان هذا السائل من لم يقسم الله عز وجل له حرفة
 في دار الدنيا غير السؤال لله تعالى او العبادۃ الخ

شیخ کی یہ عبارت عمل مشائخنا رحمہم اللہ کے بالکل خلاف معلوم ہوتی ہے مگر دلائل کی جہت سے
 کلام شیخ قوی معلوم ہوتا ہے، اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ فقیر کو یہ کہہ کر ٹال دینا کہ یہ تو ہٹا کٹا کماؤ ہے
 اکثر اوقات حجت نخل ہوتا ہے، فمما قولکم ارحمکم اللہ فی ذلک جزاکم اللہ خیر الجزاء ؟

الجواب شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اور ہمارے فقہاء و مشائخ کے کلام میں کوئی تعارض
 نہیں اور دونوں کے دعوے صحیح ہیں، اور ہر ایک کے پاس دلائل قویہ ہیں، شیخ کی قوت دلیل تو خود سوال
 میں مسلم ہے، اور فقہاء کی دلیل کے دو مقدمے ہیں، کہ سوال ایسے شخص کو حرام ہے للاحادیث الصحیحہ اور حرام پر
 انکار مشروع ہے، اور عام تعارض اس لئے ہے کہ تناقض کے شرائط میں سے وحدت ثنائیہ بھی ہیں، جن میں
 ایک وحدت شرط بھی ہے، اور وہ یہاں مفقود ہے، شیخ کا خاص اس صورت میں منع کر رہے ہیں جب یہ انکار
 کسی مفسدہ دار تکاب منہی عنہ کی طرف مفضی ہو، مثلاً تکبر علی السائل و تفریت نخل، پس اس تکبر کا یہ علاج
 بتلایا ہے کہ اس کو اپنا محسن سمجھے گو سائل کا قصد احسان کا نہ ہو، احسان تو اپنی حقیقت میں احسان ہی ہے
 گو عدم قصد کے سبب اجبر نہ ملے گا، اور نخل کا یہ علاج بتلایا ہے کہ اس سائل میں استحقاق سمجھے، چنانچہ
 ان کا قول رہا کان الخ اس میں نص ہے، اور احتمال استحقاق پر اس سائل کا حدیث للسائل الخ کے عموم
 میں داخل ہونا محتمل ہے، گو اس احتمال پر عمل واجب یا جائز نہ ہو، مگر یہ احتمال علی الاطلاق حرمان سائل
 کے جزم کا تو انسداد کرے گا، اور یہ علاج ہے نخل کا، اور چونکہ حرمت سوال غیر مستحق مسئلہ مشہور ہے

اس لئے اس کے مرتکب کو نہیں کرنا واجب تو نہیں، غایت مافی الباب مستحب ہے، اور خود فقہار نے لکھا ہے کہ جو مستحب مفسد الی المفسدہ ہو اس کو ترک کر دینا واجب ہے، اور یہ مستحب غیر کامل کے لئے مفسد ہے کبر و نجل کی طرف اس لئے واجب ترک ہوگا، یہ شرح ہے کلام شیخ کی، اور فقہار اس صورت میں انکار کو مشروع کہتے ہیں، جب یہ مفاسد نہ ہوں، اور گو فقہار نے یہ قید نہیں لگائی، جیسے شیخ نے قیدیں لگا دی ہیں، مگر فقہار کا قاعدہ انفسار الی المفسدہ اس کی دلیل ہی باقی چونکہ انکی نگاہ ایسے مفاسد کم جاتی ہے لہذا تعرض جزئی نہیں کیا فافہم۔ ۲۵۔ سوال ۳۳۳ (تمتہ خامسہ ص ۳۶)

رِسَالَةُ مَلَا حَةِ الْبَيَانِ فِي فَصَاحَةِ الْقُرْآنِ

السؤال ۱۵۱۵ پرچہ اہل حدیث کا ایک تراشہ ملفوف خدمت ہے، حسب فرصت اس مضمون کے متعلق اپنی اجمالی رائے عالی سے مطلع فرمایا جاوے، یہ محض اپنے اطمینان خاطر کیلئے چاہتا ہوں، کسی اخباری بحث و مباحثہ سے مطلق تعلق نہیں،

نقل تراشہ، تعاقب کا جواب، علمی مضامین میں اختلاف ہونا اور علمی طریق سے اس پر گفتگو ہونا مستحسن اور علمی طریق ہے، اخبار اہل حدیث میں اس کا سلسلہ ابتداء سے جاری ہو مخالف مضمونوں کو بھی جگہ دیا جاتی ہے، آج بھی اس کی نظیر پیش ہے۔ اہلحدیث ۸۰ رجوں ۳۱۹ میں ایک فتویٰ درج ہوا تھا جو دراصل ضلع اعظم گڑھ کے ایک اہل علم کے حق میں تھا، جس نے لکھا تھا کہ قرآن مجید میں بعض الفاظ غیر مناسب محض سجع کے لحاظ سے آئے ہیں۔ موصوف کے حق میں لکھا گیا کہ یہ ان کی علمی غلطی ہے، کفر، فسق نہیں، معاصر محمدی دہلی نے اس پر تعاقب کیا، تعاقب کے الفاظ یہ ہیں (مدیر)

۸۰ رجوں کے اہل حدیث میں صفحہ ۱۱۱ سوال نمبر ۵۷ کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے، ہمارے خیال میں اس میں تسامح ہو گیا ہے، لہذا فاضل مفتی صاحب نظر ثانی کریں تو بہتر ہے۔ اصول زبان کی حیثیت سے بعض الفاظ قرآنی کو غیر النسب اور غیر احسن کہنا، اسماء سور کو بجائے رہبری کے غلط خیال پیدا کرنے والے کہنا سوائے دہریت کی رہنمائی کے اور اپنی نیچریت کے اظہار کے اور لوگوں کے دلوں سے تعظیم قرآن دور کرنے کے کسی نیک نیتی پر محمول نہیں ہو سکتا، پھر نیت کا علم کسی کو نہیں، شرعی فتوے ظاہر پر ہیں، پس شخص مذکور کی علمی غلطی کے ساتھ ہی اس کے فسق و فجور کا بھی اس میں پورا دخل ہو واللہ اعلم (جواب مرقوم المثلث) اخبار اہلحدیث ۸۰ رجوں صفحہ ۳۱۱ میں سوال نمبر ۱۵۱۵ (قرآن میں سجع کے لئے غیر النسب لفظ کا مستعمل ہونا اور اسماء سور کا مضمون سور کی طرف رہبری نہ کرنے کا جو جواب دیا گیا ہے

اس پر اخبار محمدی دہلی یکم جولائی صفحہ ۱۷ میں تعاقب کیا گیا ہے، کہ ایسا خیال دہریت اور نہجرت اور فسق و فجور کا ہے، اللہ معاف کرے، فاضل متعاقب سے اس میں شدید تسامح ہوا ہے، اجلہ صحابہؓ سے نہ محض صحیح و فواصل میں بلکہ آیتوں کے فرائض و اوساط کے بعض الفاظ کی بابت اسی قسم کا قول منقول ہے۔ ابن عباس رضی فرماتے ہیں کہ آیت سورہ رد اقلو میئس الذین امنوا میں اقلو میئس کی جگہ اقلو میئسین مناسب تھا، وقضی ربک (امرار) کی جگہ ووصی ربک بہتر تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آیت نسار والمقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ میں اصل زبان کی رو سے المقیمون النسب تھا، آیت مائدہ والصابغون میں الصابغین زیادہ اچھا تھا کیونکہ ان کے اسم پر عطف ہونے کی وجہ سے اس کا مرفوع ہونا غیر مناسب ہے، ان کے حوالوں کے لئے دیکھئے الكلمات الحسان فی الحروف السبعة للقرآن (طبع مصر) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شان میں وارد ہو وکان رسولاً نبیا چونکہ ہر رسول نبی ہونا لازمی ہے اسلئے نبی کا لفظ یہاں زائد ہے، محض صحیح کے لئے آیا ہے (المثل للسائس) حافظ سیوطی اتقان میں آیت لا تجد لك علينا تبیعا کی بابت ناقل ہیں الاحسن الفصل بینہما الخ (صفحہ ۳۳) یعنی زیادہ اچھا تھا کہ دونوں مجبوروں لك اور علينا کو الگ الگ کر دیا جاتا، مگر جمع اور فاصلہ کی رعایت سے دونوں مجبوروں کو ایک ساتھ جمع کر دیا ہے اور تبیعا کو پیچھے ذکر کیا ہے، پھر چالیس مثالیں قرآن سے ایسی لکھی ہیں جن میں رعایت قافیہ کے لئے اصول زبان کی خلاف ورزی کی گئی ہے، آیت سورہ طہ لا یخرجنکما من الجنة فتشیۃ آیا ہے، اصول زبان کی رو سے فتشقیان مناسب تھا، آیت فرقان واجعلنا للمتقین اماما کی جگہ ائمۃ مناسب تھا، مگر رعایت فواصل کے باعث دونوں جگہ واحد کے صیغہ اور صورت میں بولا گیا ہے (اتقان صفحہ ۳۳) حدیثوں میں بھی اسکی مثالیں بہت ہیں، حسن حبیب کی دعا رکلمہ اعیدکم ابکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ میں اصول زبان کی رو سے لامۃ کی جگہ ملئمۃ انسب تھا، لیکن صحیح کا لحاظ کرتے ہوئے یہی لامۃ انسب ہے، فتح الباری میں ہے قال لامۃ لیوافق لفظ ھامۃ لکونہ اخف علی اللسان،

ایک حدیث میں ہے، عورتوں کو آپ نے فرمایا ارجعن ما زورات غیر ما جورات (او کما قال) اصول زبان کی رو سے ما زورات کی جگہ موزورات انسب تھا (الفاوق)

ایک حدیث میں ہے خیر المال سکۃ مابوسۃ ومہرقۃ ماموسۃ، باعتبار اصول زبان ماموسۃ مؤمرۃ ہونا چاہئے تھا (الفاوق للزمخشری) محض صحیح کی رعایت سے اصول زبان کو چھوڑ دیا پس صحیح کے لحاظ سے یہی انسب ہے گو اصول زبان کی رو سے غیر انسب ہے۔

اسی طرح اسماء سور کی بابت صحابہ سے متعدد ناموں کا ثبوت ملتا ہے، وہ فرمایا کرتے کہ سورہ نسا قرآن میں تین ہیں (۱) سورہ بقرہ یہ سورہ نسا کہی ہے (۲) سورہ نسا یہ سورہ نسا کہی ہے (۳) سورہ طلاق یہ سورہ نسا کہی ہے یا صغریٰ ہے، اسی سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک سورہ بقرہ کا نام اسکے پورے مضامین کی طرف رہبری نہیں کرتا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورہ انفال کو سورہ بدر فرماتے، سورہ حشر کو سورہ بنی نضیر کہتے، سورہ توبہ کو سورہ فاضلہ، بلکہ سورہ توبہ کے دس سے زیادہ نام منقول ہیں فتح الباری، اور سورہ فاتحہ کے تو بکثرت اسماء ہیں، اس کے اکیس ناموں کی فہرست مولانا سیالکوٹی نے اپنی تفسیر واضح البیان میں دی ہے، ان کے علاوہ اور بھی نام لکھے گئے ہیں، یہ متعدد نام ان کے مختلف مضامین کی مد نظر رکھ کر ہی مقرر کئے گئے ہیں، جلالین میں بعض سورتوں کے نام کچھ اور مرتوم ہیں، ہندوئی مطالع کے مصاحف میں کچھ اور، اور مصری چھاپوں میں کچھ اور، آتقان میں ہے یسمون الجملة من الکلام والقصيدة بما هو اشهر فيها وعلى ذلك جرت اسماء سور القرآن (ص ۱۶۹) بنی عرب نثر اور قصیدوں کا نام اس میں کسی مشہور کے نام سے رکھ دیتے ہیں، اسی اصول پر قرآن کی سورتوں کے نام بھی ہیں، بلکہ بائبل کے صحائف و اسفار کے نام بھی اسی طرز سے رکھ لئے ہیں، گلستان، بوستان، کرمیا، مامقیاں کے نام بھی، یہ مضمون علمی ہے اور بسط چاہتا ہے، اخباری گنجائش اور اس کے ناظرین کے ملال طبع کے خوف سے اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے، ولعل فيه كفاية لمن لندراية (اخبار کا مضمون ختم ہوا)

الجواب، (من المدرس) قال تعالى في الكهف انزل على عبده الكتب ولم يجعل له عوجاً، عوج مقابل، براستقامت کا کسی شے کی استقامت یہ کہ اس میں کسی قسم کا اختلال نہ ہو پس عوج عام ہوگا ہر اختلال کو، اور یہ نکرہ ہے تحت نفی کے، پس ہر قسم کا عوج منفي ہوا، اسی بنا پر روح المعانی میں اس کی یہ تفسیر کی،

ای شیاً من العوج باختلال اللفظ من جهة الاعراب ومخالفة الفصاحة وتناقض المعنى وكونه مشتقاً على ما ليس بحق اوداعياً لغير الله اه وقال تعالى متحد يا وان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة من مثله،

ان نصوص قطعیت سے قرآن مجید کا ہر قسم کے نقص سے منزہ ہونا، اور اس تنزیہ میں اس کا معجز ہونا مصرح ہے، نیز اس پر تمام امت کا ایسا اجماع ہے کہ اس عقیدہ کو اس درجہ ضروریات دین سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے انکار پر بالاتفاق کفر کا حکم کیا جاتا ہے، اور اہل ایمان توبہ بجائے خود رہے قرآن

اس اعجازی کمال کا اقرار ہمیشہ کفار کو بھی رہا، اگر نہ یزید باشد اس میں شائبہ بھی کسی قسم کے نقص کا ہوتا تو کیا وہ خاموش رہتے، اور جس طرح اس کے اعجاز پر یہ نصوص دلیل نقلی قطعی میں ثبوتاً بھی دلالت بھی آتی طرح بُرے بُرے اساطین کلام کا عجز اس کی دلیل عقلی قطعی بھی ہو ثبوتاً بھی دلالت بھی، اور قاعدہ متفق علیہ بین اہل ملت و بین اہل عقل ہے کہ ایسے قطعی کا معارض ایسا قطعی تو ہو نہیں سکتا، الاستلزام الجمع بین النقیضین، اگر معارض ظنی ہو تو اگر معصوم سے منقول ہو تو ثبوت کا انکار رداۃ کی غلطی سے واجب اور رداۃ کی تاویل واجب ہو، اور اگر غیر معصوم سے ہو، اگر وہ محل حسن ظن نہیں تو رد و ابطال واجب اور اگر محل حسن ظن ہے تو سند میں جرح یا تاویل مستحسن ہے۔

اس مقدمہ کی تمہید کے بعد جتنی روایات و اقوال موہم تعارض پائی جاویں یا تو وہ معارض ہی نہیں جیسے بعض کلمات کا اصول کے خلاف ہونا، کیونکہ درحقیقت وہ مطلق اصول کے خلاف نہیں، صرف اصول مشہورہ کے خلاف ہیں، تو اصول کا انحصار مشہورہ میں یہ خود غلط ہے، اکثر تو اہل مقابل دوسرے اصول بھی پائے جاتے ہیں، اور اگر بالفرض مطلقاً اصول کے خلاف ہونا بھی ثابت ہو جائے، اگرچہ یہ فرض تقریباً باطل ہے لیکن اس کو فرض کر لینے کے بعد بھی، اصول کی تدوین کو ناقص کہا جاوے گا، اصول کی مخالفت سے ایراد نہ کیا جاوے گا، کیونکہ اصول خود فصحاء اہل لسان کے کلام کے تتبع سے جمع کئے جاتے ہیں، فصحاء اہل لسان اُن کے تابع نہیں ہوتے، اور اس کے تسلیم میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا جیسے اصول فقہ مجتہدین کے فروع سے مستنبط ہوتے ہیں، مجتہدین اپنے فروع کو اُن پر مبنی نہیں کرتے، یا اگر معارض ہیں تو واجب الروایا مآول ہیں، اس تحقیق کلی سے تمام جزئیات کا فیصلہ ہوتا ہے، بعضے جزئیات بطور مثال کے ذکر بھی کی جاتی ہیں، مثلاً فواصل کی رعایت سے اصول کی مخالفت یہ محض بعض اصول کی مخالفت ہے مطلق اصول کی مخالفت نہیں کیونکہ اس رعایت کی تقدیم یہ بھی ایک صحیح اصل ہو کما صرح بہ فی الاتقان نوع ۹ فصل ۲، اور یہ اس وقت ہے جب صرف یہی رعایت موجب ہو، مگر خود اسی میں کلام ہے، قرآن مجید میں بے شمار مواقع ایسے ہیں کہ فواصل میں سب جمع کا سلسلہ شروع ہو کر ایک آیت میں سلسلہ ٹوٹ گیا، اور اس کے بعد پھر عود کر آیا، اس سے معلوم ہوا کہ صرف رعایت فواصل کی اس مخالفت کی داعی نہیں، بلکہ اس میں اور بھی اسباب غامض ہوتے ہیں، چنانچہ اتقان کی نوع تاسع و خمسوں میں ایسے امثلہ کے بعد بعنوان تنبیہ ابن الصائغ کا قول نقل کیا ہے: لا یمتنع فی توجیہ الخرج عن الاصل فی الآیات المذکورہ امور اخروی مع وجہ المناسبة فان القرآن کما جاء فی الاثر لا تنقضی عجائبہ، اور مثلاً ابن عباسؓ سے ایک ایسی ہی روایت منقول ہے، اس کی نسبت ابو حیان کہتے ہیں:۔

من روی عن ابن عباسؓ انه قال ذلك فهو طاعن في الاسلام ملحد في الدين وابن عباس برئ من ذلك القول (كذا في روح المعاني تحت قوله تعالى حتى تستانسوا مع كلام علي بن حيان والذي تكلم اختار توجيهها آخر،

اور مثلاً ایک ایسی ہی روایت کے متعلق روح المعانی میں تحت آیت افلم یبأس الذين امنوا من كذبها اما قول من قال انما كتبه الكاتب وهو ناعس فسوى اسنان السان فهو قول زنديق ابن ملحد علی ما فی البحر علیہ فروایہ ذلك كما فی الدر المنثور عن ابن عباسؓ غیر صحیحہ، اور اس کے غیر صحیح ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اتقان نوع سادس ثلاثون کی فصل سوم کے سوال عامر کے جواب میں خود ابن عباسؓ سے اس کے خلاف منقول ہے، اسی طرح ہر مقام کے متعلق خاص خاص تحقیقات ہیں، جن کا ذکر موجب تطویل اور اجمال مطلوب فی السؤال کے خلاف ہے اور ایک ان سب روایات کا مشترک جواب ہے جس کو اپنی تفسیر بیان القرآن حاشیہ عربیہ متعلقہ آیت حتی تستانسوا سے نقل کرتا ہوں :-

والذي تحرى عندی فيه فيما ورح من امثاله على تقدير ثبوت هذه الروایات ان هؤلاء رضی اللہ عنہم سمعوا القراءات التي اختاروها من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم يستمعوا القراءات الموجودة ثم ان تلك القراءات نسخت ولم يبلغهم الخبر فداوموا علیہا وانكروا غیرها لمخالفة لظاهر القواعد وعدم سماعہ كما كان ابو الدرداء يعير والذكر والانثى وكانت عائشة تقرأ خمس رضعان اه

اور اسما سور کے تعدد کا اس بحث میں کچھ دخل نہیں، ان میں تعارض ہی کیا ہے، مگر ان اسماء میں سے کسی کو غیر مناسب کہنا بدعت شنیعہ ہے، کیونکہ بعض اسماء خود احادیث صحیحہ مرفوعہ میں وارد ہیں، علیہذا احادیث کے ایسے مقامات کا جواب بھی ان ہی اصول سے معلوم ہو سکتا ہے، مثلاً موزورات کی جگہ مازورات فرمانا یہ بھی ایک اصل میں داخل ہے، اس اصل کا اصطلاحی نام ہے از و واج، کذا فی الفاہ ولنسم هذا المجموع ملاحۃ البیان فی فصاحتہ القرآن

(اشرف علی، للسادس والعشرين ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ)

ضمیمہ موضحہ از مفتی مدرک

بہر حال جس قدر روایات جواب تعاقب میں مذکور ہیں چونکہ وہ ظاہراً ارشاد خداوندی انزل

علی عبدہ الكتاب ولم يجعل له عوجاً کے معارض اور قرآن میں اختلال کو مستلزم ہیں، اس لئے بمقتضائے اصول حدیث ان سب کا رد کرنا واجب ہے، جیسا بعض روایات کا غلط و موضوع ہونا تفسیر روح المعانی سے نقل بھی کر دیا، اسی طرح ظاہر یہ ہے کہ دوسری روایات بھی غلط اور مختصر ہیں، اگر اسکے رجال و رواۃ سے بحث کی جائے گی تو امید ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے گی، پس جو شخص ان روایات کی بنا پر تعاقب کا جواب دے رہا ہے اس کے ذمہ ان روایات کی صحت کا ثابت کرنا لازم ہے، ورنہ خریط الفتاویٰ بدون اس کے ان روایات سے ایسے مضمون پر استدلال کرنا جس کی نفی خود قرآن اور اجماع و تواتر عقلی نقول سے ہو چکی ہے ہرگز جائز نہیں، اور بعد ثبوت صحت کے ان کا جواب وہ ہے جو اوپر مفصلاً بیان کیا گیا، پس کسی کا یہ کہنا کہ بعض مواقع پر محض قافیہ و ربندش کے لئے قرآن میں غیر نسب لفظ مستعمل ہوتا ہے، یقیناً نہایت سخت کلمہ ہے، جس کا سننا بھی گوارا نہیں ہو سکتا، اور حتمی عبارتیں جواب تعاقب میں نقل کی گئی ہیں کسی کا بھی یہ یقینی مدلول نہیں کہ محض قافیہ و ربندش کے لئے قرآن میں کوئی غیر نسب لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح اسماء سور کے تعدد سے کس کو انکار ہے، مگر یہ کہنا کہ موجودہ اسماء سور قرآنیہ بجائے رہبری کے غلط خیال پیدا کرتے ہیں نہایت کبریم اور تشبیح کلمہ ہے کہ اس کا بھی سننا گوارا نہیں ہو سکتا، اور یقیناً قرآن کریم کی عظمت و حرمت کی حفاظت زید و عمر راویوں کی عظمت و حرمت سے بدرجہا زائد و لازم ہے، اور ایسے کلمات شنیعہ کی حمایت کے لئے اگر روایات موضوعہ ضعیفہ سے سہارا لیا جائے گا تو زندہ اور الحاد کا باب مفتوح ہو جائیگا، کیونکہ زنادقہ و قضا عین و کذابین نے بہت حدیثیں اور روایتیں وضع کی ہیں، نیز کفار اہل اسلام کے مقابلہ میں ان سے احتجاج کرینگے، اس لئے روایات میں تحقیق سننا اور تحقیق رجال کو علمائے امت نے واجب فرمایا ہے۔ انتہت الضمیرۃ۔

(النور ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ص ۷۷)

اثبات کرامات از اولیاء اللہ بعد حیات | سوال (۵۱۶) اولیائے کرام کے انتقال کے بعد کرامت شریعت سے ثابت ہے یا نہیں، میں اس کا قائل اس وجہ سے نہیں ہوں کہ زندگی میں اولیائے کرام سے جو کرامات صادر ہوتی ہیں اس سے مخالفین راہ مستقیم اختیار کرتے ہیں، اور انتقال کے بعد منشا رنوت ہے اور جو شخص کرامت کا قائل نہ ہوگا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب، حدیث میں حضرت نجاشی رحمہ کی قبر پر نور کا نمایاں ہونا وارد ہے، یہ کھلی کرامت ہے، اور جو دلیل نفی کی لکھی ہو خود یہ قابل نفی کے ہے، اس لئے کہ اول تو اس حکمت میں انحصار کی کوئی دلیل نہیں،

دوسرے اس کرامت میں بھی یہ حکمت حاصل ہو کہ اس سے ہدایات پاکر احیاء سے طریق مستقیم تلاش کریں گے، اور منکر کرامات مبتدع ہے۔ (تمہ خامسہ ص ۴۵)

سوال (۵۱، ۵۲) امام حسینؑ کی شہادت محض تقلید الشیعہ حضرات اہل سنت و الجماعت مانتے ہیں، یا اس پر کوئی دلیل شرعی بھی ہو، میرے خیال ناقص میں تو اس پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہو اور محض شیعوں کی تقلید سے یہ بات مانی جاتی ہے، کیونکہ صرف جان دینا شہادت نہیں، بلکہ جان دینا واسطے اعلاء کلمۃ اللہ کے شہادت ہو، کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من قال فی سبیل اللہ لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیاء، اور کربلا کے معرکہ میں یہ بات کہاں پائی جاتی ہے، وہاں تو صرف یہ بات تھی کہ یزید کے لشکر نے حکم یزید یہ چاہا کہ آپ یزید کی سلطنت میں داخل ہو جائیں اور یزید کو بادشاہ وقت تسلیم کریں، مگر امام حسینؑ نے یزید کو بادشاہ وقت نہیں تسلیم کیا، اور صاف انکار کر کے یہ فرمایا اور ما عندی ہذا جواب، پس ایسی صورت میں یزید کے لشکر اگر سیاست سے کام نہ لیتے تو کیا کرتے، کیونکہ اسلام میں بھی تو سیاسی احکام موجود ہیں، اور سیاست کا اقتضار تو یہی ہے کہ جو کوئی بادشاہ وقت کی سلطنت سے انکار کرے اور بادشاہ کا مد مقابل بننا چاہے تو اس کو مار ڈالو، چنانچہ صحاح ستہ میں تقریباً انہی الفاظ کی حدیث موجود ہے۔

اذا اجتمع امرکم علی احد ثم جاء الاخریدعی الامر فاضربوا عنقہ ، یعنی جب کہ امر سلطنت کسی ایک پر مجتمع ہو اور سلطنت کی باگ کسی ایک کے قبضہ میں آوے اور اس کے بعد کوئی دوسرا شخص مد مقابل بننا چاہے تو اس کی گردن مارو اور اس میں شک نہیں کہ احکام شریعت عام ہیں، اہلبیت وغیرہ سب اس میں یکساں شامل ہیں پس اگر یزید کے لشکر نے اس حدیث پر عمل کیا، اور امام حسینؑ جو ان کے مد مقابل بننا چاہتے تھے تو انھوں نے جو کیا بیجا کیا، کیونکہ امام حسینؑ مکہ معظمہ سے اسی خیال پر گئے تھے کہ تخت نصیب ہوگا، باوجودیکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما و غیرہ تجربہ کار اصحاب کرام ان کو منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ اہل کوفہ کے خطوط پر اعتماد نہ کیجئے، مگر امام حسینؑ نے نہیں مانا، اور اہل کوفہ نے جو متعدد خطبہ ان کو لکھے تھے کہ آپ آئیے، جب آپ تشریف لائیں گے تو ہم سب تمہارے ساتھ ہو جائیں گے، اور یزیدیوں کو نکال کر آپ کو تخت سلطنت پر بٹھائیں گے چنانچہ آپ نے ان کے خطوط پر بھروسہ کیا، اور گئے، مگر اہل کوفہ نے وفا نہیں کی، اور کسی نے ساتھ نہیں دیا اور اسی لئے کوفی لاف پی مشہور ہوا، چونکہ یزیدیوں کو خبر لگی کہ امام حسینؑ ہمارے مد مقابل بننے کے لئے آتے ہیں اس لئے انھوں نے یہ چالاکی کی کہ آپ کو کوفہ میں آنے ہی نہیں دیا، بلکہ راہ میں

رود فرشتے اس بار آپ کو روک رکھا، طرح طرح کی کوشش کی کہ امام حسینؑ یزید کو بادشاہ وقت تسلیم کریں اور قتال کی نوبت نہ آئے، چنانچہ پانی بند کیا اور قسم قسم کی تکالیف دیں، تاکہ امام صاحب کسی طرح مان جائیں اور قتال کا موقع درمیان میں نہ آئے، جب یزید ہی مجبور ہوئے تو انھوں نے عملاً بالحدیث مذکور سیاست سے کام لیا، پس شہادت کیوں ہوئی، اور یہ بھی نہیں کہا جاتا ہے کہ یزید کو بادشاہ وقت تسلیم کرنا ناجائز تھا، اس لئے امام حسینؑ نے تسلیم نہیں کیا اور جان دیدی، کیونکہ یزید کو بہت سے صحابہ کرامؓ نے بادشاہ وقت مان لیا تھا، اور ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو مرتبہ میں بحکم قرآن امام حسینؑ سے بڑے تھے، قال اللہ تعالیٰ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا، یعنی فتح مکہ سے قبل جنہوں نے جہاد مالی و نفسی کیا ہے ان کا مرتبہ بہت بڑا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے بعد فتح مکہ کے جہاد مالی و نفسی کئے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امام حسینؑ و امام حسنؑ نے نہ جہاد مالی اور نہ نفسی قبل فتح مکہ کئے، کیونکہ دونوں حضرات تو قبل فتح مکہ کے کم سن بچے تھے، پس وہ اصحاب کرامؓ جنہوں نے قبل فتح مکہ کے جہاد مالی و نفسی کئے ہیں بحکم قرآن مرتبہ میں بڑے ہوئے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حضرات صحابہؓ میں سے بہت سے یزید کی سلطنت میں شامل تھے، اور اس کو بادشاہ وقت تسلیم کر لیا تھا، اس لئے یہ کہنا بھی غیر ممکن ہے کہ یزید کو بادشاہ وقت ماننا گناہ کبیرہ تھا، اور اس حدیث پر (لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق)، امام حسینؑ نے عمل کیا اور جان دیدی، کیونکہ اگر ایسا مانا جائے گا تو ان صحابہؓ پر فسق کا الزام عائد ہوگا جس کو کوئی سنی کہہ نہیں سکتا، پس معلوم ہوا کہ یزید کو بادشاہ وقت تسلیم کرنا گناہ نہ تھا، کیونکہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے، یا تو فاسق مسلمان مانا جائے گا، یا کافر مانا جائیگا، اگر کافر بھی مانا جائیگا تو کافر کی اطاعت بھی فی غیر معصیۃ اللہ در وقت مجبوری جائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلن یس من اللہ فی شئ الا ان تقوا منهم تقۃ

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعہ کربلا میں یزید کے غلبہ کو دیکھ کر ضرور یہ کہنا صحیح ہے کہ امام حسینؑ کو اس آیت پر عمل کرنا ضرور جائز تھا، مگر انھوں نے کیوں عمل نہیں کیا، یہ دوسری بات ہے کہ ان کی شان میں واروہے سید شباب اہل الجنة، کیونکہ اس سے اور شہادت سے کوئی تعلق نہیں، اور یہ حدیث بھی بر تقدیر صحت کے بطور عموم کے قابل نہیں، کیونکہ صحابہ کرامؓ

میں بہت سے شباب ہوں گے جو من انفق من قبل الفتح وقاتل میں داخل ہیں، پس ان کا مرتبہ یقیناً امام حسینؑ سے بڑا ہے، اور یہ بھی نہیں کہ شہادت پر اجماع ہے، کیونکہ اجماع کے لئے سند و رکاز (و این ہو) یہ البتہ ممکن ہو کہ کہا جائے کہ امام حسینؑ سے غلطی اجتہادی ہوئی ہے، اسلئے انھوں نے جان دیدی، مگر اس میں میرا کلام نہیں، میرا کلام تو اس میں ہے کہ ہم لوگ کس دلیل کی بنا پر ان کو شہید سمجھیں گے، کیونکہ مجتہد کی غلطی صرف ان کے حق میں کام آنے والی ہے کہ کم از کم ایک اجسر ان کو ملا، غیروں کے لئے حجت نہیں ہو سکتی فقط

جناب کی عادت شریفہ یہ ہے کہ ضرور جواب دیتے ہیں، مگر نہ معلوم کس وجہ سے آپ مجھے جواب نہیں دیتے، بہر حال متمسک ہوں کہ جواب سے ارشاد فرمائیے (بیرنگ ارسال فرمائیے) جواب تفصیلی ہوتا کہ دوبارہ تکلیف دہی کی نوبت نہ آئے۔

جواب، میں بعض مصلحتوں سے بی رنگ خط بھیجتا نہیں۔ جب آپ کو جواب منگانا ہو ٹیکٹ بھیج دیا کیجئے،

یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے، دوسرے صحابہؓ نے جائز سمجھا حضرت امامؑ نے ناجائز سمجھا، اور گواہی میں انقیاد جائز تھا، مگر واجب نہ تھا، اور متمسک بالحق ہونیکے سبب یہ مظلوم تھے، اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے، شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں، پس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے، باقی یزید کو اس قتال میں اسلئے معذور نہیں کہتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا، خصوصاً جب کہ حضرت امامؑ آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا، اس کو تو عداوت ہی تھی، چنانچہ امام حسنؑ کے قتل کی بنیاد ہی تھی، اور مسلط کی اطاعت کا جواز الگ بات ہے، مگر مسلط ہونا کب جائز ہے، خصوصاً ناپل کو، اس پر خود واجب تھا کہ معذور ہو جاتا، پھر اہل حل و عقد کسی اہل کو خلیفہ بناتے۔ ۵ ہجری اولیٰ ۳۶۳ھ (تمتہ خاصہ ص ۱۸) رنج مشہ قائل بودن امام غزالیؒ | سوال (۵۸) اکثر فلاسفہ یونان و شیخ بوعلی و غیرہ فلاسفہ اسلام

عذاب روحانی را | عذاب یا ثواب روحانی کے قائل ہیں، مگر حضرت امام غزالیؒ کی بعض توفیقات سے صاف طور سے عیاں ہے کہ پس مرگ عقاب یا ثواب کا ترتیب صرف روح پر ہوتا ہے حالانکہ عقاب ثواب جسمانی ہونے پر صراحتہً نصوص قرآنیہ و حدیث نبویہ شاید ہیں، اندریں صورت امام صاحب علیہ الرحمۃ کے مقولات اور نصوص معروفہ میں تعارض واقع ہوتا ہے جس کی وجہ سے قلب پر غایت و رعب انقباض رہتا ہے، خصوصاً کتاب مضمون علی غیر اہلہ، مصنفہ امام صاحب مدوح کی عبارت ذیل سے روح پر بھی عذاب و

ثواب ہونا محض وہی سمجھا جاتا ہے :-

فصل فی عذاب النفس اذا فارقت البدن حملت القوة الوهمية معها كما ذكرناها وتجرد
عن البدن منزوعة ليس يصحبها شيء من الهيئات البدنية وهي عند الموت عالمة بسفارتها
عن البدن وعن دار الدنيا متوهمة نفسها الا انسان المقبور الذي على صورته كما كان في
الدنيا تتخيل وتتوهم بدنهما مقبوراً وتتحيل الالام الواصلة اليها على سبيل العقوبات الحسية
علم ورحمة الشرائع الصادقة فهذا عذاب القبر وان كانت سعيدة تتخيل على صورة ملائمة
وفق ما كانت معتقدة من الجنة والانهار والحدائق والفلان والولدان والحوار العين والكأس
من المعين فهذا ثواب القبر فلذلك قال النبي صلى الله عليه وسلم القبر روضة من رياض الجنة
او حفرة من حفر النيران فالقبر الحقيقي وعذاب القبر وثواب ما ذكرناهما، هذا ما نقل
المولوي شبلي في الغزالي في مؤلفه،

پس امام صاحب کے قول نہ کور کی بمقابلہ نصوص قطعیہ کیا تاویل کی جاوے، بلکہ امام صاحب
کا قول مذکور اس لئے بھی مخدوش ہے کہ مثلاً ملاحظہ ہو یہ کہ جن کو تم عذاب و ثواب کا کسی وقت بھی
نہیں ہوتا ہے، یا وہ اجساد کہ بعد الممات مقبور نہیں کئے جاتے ہیں بلکہ محروق کئے جاتے ہیں، ان پر تو ہوتا
نہ کور کا جریان کیسے ہو سکتا ہے، امید کہ جواب مدلل سے شفاً قلب مرحمت فرمائی جاوے !

الجواب، فی احیاء العلوم کتاب الموت بیان عذاب القبر و سوال منکر نکیر بعد سر
وروايات عذاب القبر ما نصه فامثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسرار خفية ولكنها
عند ارباب البصائر واضحة فمن لم تنكشف له حقائقها فلا ينبغي ان ينكر ظواهرها بل اقل
درجات الايمان التصديق والتسليم فان قلت فحق شاهد الكافر في قبره مدة ونراقبه
ولا شاهد شيئاً في ذلك فوجه التصديق على خلاف المشاهدة فاعلم ان لك ثلاث
مقامات في التصديق بامثال هذا احدها وهو الاظهر والا صحر والا يسر ان تصدق بانها
موجودة وهي تلدغها الحية لكن لا تشاهد ذلك فان هذه العين لا تصلم المشاهدة الامور
الملكوئية وكل ما يتعلق بالآخرة فهو من عالم الملكوت فالحيات والعقارب التي تلدغ
في القبر ليست من جنس احيات عالمنا بل هي جنس آخر وتذكر بحاسة اخر المقام الثاني
ان تذكر امر النائم وانه قد يري في نومه حية تلدغه وهو يتالم بذلك وانت ترى ظاهراً
سأكلنا اذا كان العذاب من المالدغ فلا فرق بين حية تتخيل او تشاهد المقام الثالث

انک تعلم ان الحیۃ بنفسها لا تؤلم بل الذی یلقاک منها و هو السم ثم السم لیس هو الا لسم بل عذابک فی الاثم الذی یحصل فیک من السم فلو حصل مثل ذلک الاثر من غیر سم لکان العذاب قد تفر و هذه الصفات المہلکات تنقلب موزیات و مؤلمات فی النفس عند الموت فتکون الامہا کالامر لدغ الحیات من غیر وجود حیات اہل مخلصاً و فیہ کتاب قواعد قواعد العقائد عذاب القبر و هو ممکن فیجب التصدیق بہ لا یمنع من التصدیق و بہ تفرق اجزاء المیت فی بطون السباع و حواصل الطیور فان المدرك لا لہ العذاب من الحيوان اجزاء مخصوصة بقدر الله تعالى على عادة الادراك اليها،

ان عبارات سے تصریحاً ثابت ہے کہ حضرت امام غزالی کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح جمہور اہل اسلام اور تصریحاً اسی طریق کو اظہار و اصرار اور اسلام بتا رہے ہیں اور باقی طریق کو غیر اظہار اور غیر اصرار اور غیر اسلام فرماتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے، گو بالکل انکار سے وہی طریق غنیمت ہیں، جب یہ مہم ہو چکا تو اب سمجھنا چاہئے کہ اگر ان کے کلام میں اسی طریق اصرار کے علاوہ کوئی دوسرا طریق مذکور ہو جیسا سوال کی عبارت میں ہے تو تعارض سے تطابق مقدم ہوگا، اور تطابق میں محتمل کو صریح کی طرف راجع کیا جاتا ہے نہ کہ بالعکس، پس عبارت من رجب سوال میں تاویل واجب ہوگی، اور یہ جب ہے کہ نقل صحیح اور تمام ہو، اور اگر صحیح نہ ہو گو یہ احتمال بعید ہے یا تمام نہ ہو جیسا کہ احتمال قریب ہے تو صحیح نقل و اتمام نقل کی ضرورت ہے، اس کے بعد شاید مستقل تاویل کی ضرورت نہ رہے، اور اگر اس کو صحیح اور تمام بھی مان لیا جائے تب بھی تاویل اس کی بالکل ظاہر ہے وہ یہ کہ قوت و ہمیت سے مراد قوت اختراع و غیرہ اہل اقیات نہیں، بلکہ قوت مدرکہ للمعانی الجزئیہ ہے جیسا کہ فلاسفہ کی اصطلاح ہے، اور یہ ادراک سب کیلئے عام ہے، معتقدین کیلئے تو ظاہر ہے اور منکرین کے لئے اس عبارت سے ثابت ہے وہی (ای النفس مومنة كانت او کافرة) عند الموت عالمة الی قولہ بنوہم، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ موت کے وقت سب کو حقائق منکشف ہو جاتے ہیں گو حیات میں انکار کرتا ہو، کما قال تعالیٰ وان من اهل الكتب الا لیومنن بہ قبل موتہ علی احد التفسیرین، و هو ظاہر مشاہد پس اس سے یہ شبہ رنج ہو گیا کہ مثلاً ملاحدہ یورپ الخ اور امام کے قول اجزائے مخصوصہ بقدر الله تعالیٰ سے یہ شبہ بھی رنج ہو گیا کہ وہ اجساد کہ بعد الممات الخ وجود فتح یہ ہے کہ حرق سے انہدام نہیں ہوتا، استحالہ ہوتا ہے، پس اجزاء باقی ہیں اور وہ اجزاء جہاں ہیں وہی ان کی قبر ہے، حقیقت قبر کی محل وجود میت

(تمتہ خامسہ ص ۶۸)

سوال (۵۱۹) اگر کوئی شخص سودے میں خریدار کو بغرض ثواب کم قیمت پر مال دیدے مثلاً ۲۵ روپے کو ۲۰ روپے کا مال دے دے تو کیا اس کی قیمت پر ثواب ملے گا، یا قیمت پوری لے کر اور پھر اس پر سے کچھ معاف کر دے اس پر ثواب ملے گا؟ نقطہ۔

جواب، دونوں عمل موجب ثواب ہیں، رعایت فی المعاملہ بھی اور برابر و معافی بھی اور ہر ثواب جدا نوع کا ہے۔ نقطہ یکم ذی الحجۃ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۶)

سوال (۵۲۰) تبلیغ الدین صفحہ ۵۵ کی (خرابی چہارم) میں جو کہ اکثر ظالم و فاسق کی مدح کی جاتی ہے اور وہ اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے تو فاسق کو خوش کرنے والا ممدوح بھی عاصی و نافرمان ہوا، حدیث میں آیا ہے کہ فاسق کی تعریف سے حق تعالیٰ کا عرش کانپ اٹھتا ہے؟ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فاسق کی بقا و عمر کا دعار گو بھی فاسق ہے لہٰذا سو آب ارشاد فرمادیں کہ اس توجیہ سے کیا فاسق کا معالج بھی فاسق ہوگا،

الجواب، اصل یہ ہے کہ کافر سے محبت ناجائز ہے، اور رحمت و ہمدردی جائز ہے، پس مدح کا منشاء چونکہ محبت ہے اسی طرح حسن کے نزدیک دعار کا منشاء بھی، اسلئے اس سے منع کیا جاوے گا، اور معالجہ کا منشاء رحمت ہے اس لئے جائز ہے، فقط قرب ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۸)

سوال (۵۲۱) حقوق العباد ایک مسلمانوں کے مسلمانوں پر ہوتے ہیں، ایک مسلمانوں پر ہندوؤں کے، اور ان کی معافی کے کیا طریقے ہیں، اور اگر یہاں معافی کسی وجہ سے نہ ہووے تو آخرت میں اس کا معاوضہ کس طرح ہوگا، اور معافی کی صورت وہاں کیا ہو سکتی ہے، اگر کوئی شخص خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان لوگوں کے کہنے سننے سے یا ظاہری طریقہ سے معاف کر دے اور دل میں کدورت باقی رہے تو وہ معافی سمجھی جاوے گی یا کیا، کیونکہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے معاف کیا اور دل میں کدورت باقی رہے، جو مسلمان مر گیا ہو اس کو اگر ایصال ثواب کوئی شخص کرے جس پر اس کے حقوق ہوں تو وہ معاوضہ ہو سکتا ہے یا نہیں، اسی طرح ایصال ثواب سے ہندوؤں کا حق ادا ہو سکتا ہے یا نہیں، اور ان کو کوئی ثواب پہنچتا ہے یا نہیں، اگرچہ یہ مضمون وسیع ہے اور اس کی تحریر میں دیر ہوگی، مگر ایک مسلمان کی ضرورت سمجھ کر مفصل جواب سے مطلع فرمایا جاوے،

الجواب، حقوق کے معاف کرنے کا تو طریقہ ایک ہی ہے، خواہ مسلمان کے ہوں یا ہندوؤں کے یعنی ان حقوق سے درخواست کیجاوے کہ معاف کر دیں، اور اگر وہ حقوق مالیہ ہوں تو ایک طریقہ برائت کا

اُن کا ادا کر دینا بھی ہے، اور معافی نہ ہونے کی صورت میں من علیہ الحق کے حسنات من لہ الحق کو قیامت میں دوائے جائیں گے اور اگر وہ کافی نہ ہوں گے تو من لہ الحق کے سیئات اُس پر ڈالے جاویں گے، یہ تفصیل اُس وقت ہی جب من لہ الحق مسلمان ہو، ورنہ صرف دوسری ہی صورت ہوگی جس سے من لہ الحق کے غائب میں کچھ تخفیف ہو جاوے گی اگرچہ نجات نہ ہوگی، اور معافی عند اللہ وہی معتبر ہے جو دل سے ہو، ایصالِ ثواب معاوضہ حقوق کا تو نہیں ہو سکتا، مگر اس عمل سے یہ امید غالب ضرور ہے کہ من لہ الحق اس سے خوش ہو کر خود معاف کر دے، لیکن ہندو کہ ایصالِ ثواب نہیں ہو سکتا، اس کو نفع بھی نہیں ہوتا، اور کوئی شوق رہ گئی ہو تو بے تکلف مکرر تحریر فرمایا جاوے (تمتہ خامسہ ص ۱۳۷)

جواب شبہ بر التزم بالایلیزم | سوال (۵۲۲) دو شبہ ذہن میں گھومتے ہیں، اگر مناسب ہو تو جواب سے تشفی از استجاب دوام عمل | فرمائی جاوے، اول یہ کہ مجلس میلاد جو ممتنعات شرعیہ سے خالی ہو اس کے استحسان کی طرف اکثر حضرات مائل ہیں، لیکن چونکہ اس قسم کے مجالس کے انعقاد سے عوام کے خیالِ فارسہ ہوں گے کہ ضروری ہی یا واجب ہی، خصوصاً قیام سے، اس بنا پر خواص کو بھی احتراز چاہئے، اور سنتِ اوی عالمگیری سے جو اس کی تائید کی گئی ہے۔

وَمَا يَفْعَلُ عَقِيبَ الصَّلَاةِ مَكْرُوهُ لَانَ الْجَهَالِ يَعْتَقِدُ وَنَهَا سُنَّةٌ وَاجِبَةٌ وَكُلُّ مَبَاحٍ يُؤَدِّي إِلَيْهِ فَمَكْرُوهُ أَيْضًا، اِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ لَا يَجْعَلُ أَحَدٌ كَمِ الشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ الصَّلَاةِ يَرَى أَنْ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصُرَ إِلَّا عَنِ يَمِينِهِ، الْحَرْبُ شَرْحٌ مَا عَلَى قَارِيٍّ مِنْ أَمْرٍ عَلَى أَمْرٍ مَذْذُوبٍ وَجَعَلَهُ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَحْمِلُ بِالرَّخْصَةِ فَقَدْ أَصَابَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنَ الْإِضْلَالِ فَكَيْفَ مِنْ أَمْرٍ عَلَى بَدْعَةٍ وَمَنْكَرٍ،

نیز رکعات نفل بین الاذان و الاقامة وقت مغرب کی کراہت کی وجہ راوی ان یثخن ہا الناس سبنة بیان فرماتے ہیں، نیز اس قسم کی جزئیات فقہیہ سے انعقاد مجلس میلاد کو خواص کے لئے بھی اجتناب مفہوم ہوتا ہے، لیکن اس قسم کے جزئیات پر خود شبہ ہوتا ہے اول یہ کہ التزم بالایلیزم مثلاً یہ کہ کوئی شخص ایامِ بیض کے روزہ کا پابند ہو، یا دو چار پارے قرآن شریف کے تلاوت کا پابند ہو، ویکر کا مقدار معین پابند ہو یا مثل اس کے جس کی شریعت نے کوئی تحدید نہ کی ہو تو اس قسم کی پابندی کو شریعت نے محمود بلکہ تاکید کی ہے، حدیث احب الاعمال الى اللہ ادومها، نیز وضو نماز کے اندر سننِ موکدہ و غیر موکدہ واجباً و فرائض سب کچھ موجود ہیں بلکہ مستحبات مندوبات بھی ہیں، عوام ہر ایک مستحب واجب سنت وغیرہ کو

سے جس کا ماخذ نہایت الارشاد ہے ۱۳

یکساں خیال کرتے ہیں اور ہر ایک کو ضروری جانتے ہیں، اسی وجہ سے کچھ بھی اگر مثلاً رکوع یا سجدہ کی تسبیح نہ پڑھیں تو سمجھتے ہیں کہ نماز ہی نہ ہوئی، تو جس طرح عام خلق خواص و عوام اس ایہام کو دفع نہیں کرتے اسی طرح وہ جن بنیات مذکورہ بالا بھی باقی رہتے تو کیا حرج تھا، وجہ فرق سمجھ میں نہیں آتی، خیال گذرتا ہے کہ اسی طرح مجلس میلاد جس میں ممنوعات شرعیہ نہ ہوں تو مستحسن ہو، اگر اس پر کوئی احتیاط سے دوام کرے تو احب الاعمال الی اللہ الخ میں داخل ہو سکتا ہے، باقی عوام کے عقائد فاسدہ مثلاً لزوم یا ضروری وغیرہ کا احتمال تو اس کی احتیاط جیسے نفل و مستحب وغیرہ میں نہیں کی گئی تو اس میں کیا ضرورت ہے دوسرے یہ کہ جلسوں میں اس کے مفاسد و غلطیوں کو بتلاتا رہے کہ اعتقاد لزوم نہ ہو تو کیا خدشہ ہے؟

الجواب، وہ تو عقد فقہیہ ثابت بالکتاب و السنۃ ہیں، ان کی صحت میں شبہ نہیں، باقی مواقع شبہ ان کا جواب یہ ہے کہ وہ امور مطلوب شرعی ہیں ان میں مفسدہ ہونے سے وہ متروک نہ ہوں گے اور عمل متکلم فیہ مطلوب شرعی نہیں، اسلئے متروک کر دیے جائیں گے، دوسرے تنبیح سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحبات ثابتہ کے ترک پر کوئی ملامت نہیں کرتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر دوام ہے، التزام نہیں، اور متنازع فیہ میں ملامت پر جس سے معلوم ہوا کہ اصرار و التزام ہے، فافترقا، (تمتہ خامسہ ص ۱۵۲)

ایضاً سوال (۵۲۳) ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں، امید ہے کہ جواب سے سرفرازی فرمائی جاوے گی، گاہے گاہے نماز تہجد عمدۃ ترک کر دیتا ہوں صرف اس خیال سے کہ کہیں یہ التزام عملی التزام اعتقادی تک منقضی نہ ہو جائے، اور دیگر نوافل میں بھی گاہے گاہے ایسا کرتا ہوں، اگرچہ اس وقت تک التزام عملی سے التزام اعتقادی تک نوبت نہیں پہنچتی ہے، مگر خیال ہو جاتا ہے کہ اگر بلا غدر ہمیشہ التزام عملی تہجد کا کیا جاوے تو کہیں التزام اعتقادی لازم نہ آئے، آیا یہ خیال صحیح ہے یا غلط، اور دیگر اوراد کے بارے میں بھی یہ سوال ہے،

الجواب، یہ تو بڑی سخت غلطی ہے، دوام اور چیز ہے التزام اور چیز ہے، دوام میں تمام عمر بھی اعتقاد یا معاملہ لزوم کا نہیں ہوتا، التزام میں اعتقاد یا معاملہ لزوم کا یعنی ایہام یا اصرار ہوتا ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ تارک پر ملامت کرتا ہے، ورنہ احادیث دوام بے معنی ہو جاویں گی۔

۸ رجب الاول ۱۳۴۲ھ

قائد :- فی بعض الدلائل علی قول ابی حنیفۃؒ اولاً بجواز القراءة بالفارسیۃ فی التلویح احتمالاً او حمل قولہ تعالیٰ فاقروا ما تیسر من القرآن علی وجوب رعایۃ المعتمدون النظم لدلیل لاح لہ فی الحاشیۃ کان ذلک الدلیل ما نقل عن بعض الافاضل من ان من فی الآیۃ للتبعیض وبعض ما یقرأ من القرآن نوعان بعض ترکیبی کالآیۃ مہاو بعض

من التمام وبعض بسیطی کا المعنی بد و النظم العربی فیکون کل منها جائزاً للقراءة من غیر عجز
لعموم البعض لہما وهذا انما یظهر اذا جعل القرآن عبارة عن مجموع اللفظ والمعنی اھ قلت کما
فی التوضیح ومشائخنا قالوا ان القرآن هو النظم والمعنی والظاهر ان مرادہم النظم الدال علی المعنی
اھ قلت و یمکن ان یکون ذلك الدلیل قوله تعالى ولو جعلناه قرآنا اعجمیاً لقالوا الولا فصلت
آیاتہ، تقریہ ان اللہ تعالیٰ جعل الوحی العجمی قرآناً باعتبار المعنی ومن لوازم القرآن صحیح
الصلوۃ بقراءۃ لقوله تعالى فاقروا ما تیسر من القرآن ولہما احتمال ان یکون من شرائط
هذا النزول کونہ وحیاً مقصوداً بالانزال فلا یستلزم الصلحۃ وقت الانزال القصدی و
المعنی منزل لا قصد ابل تبعاً للنظم لا یثبت المد عاجزاً ولعل رجحان هذا الاحتمال
حمل الامام علی الرجوع عن هذا القول، (تمتہ خامسہ ص ۴۰۲)

حقیقت خواب | سوال ۵۲۴۱ نمبر، آنچہ عوام الناس در خواب دیدہ شود روح ایشان بحکم الہی
بصورتی مصور شدہ دیدہ می شود یا صورت مثالی ایشان یا ملکی یا شیطانی بدین صورت نمودار می شود یا
گاہے چنینی گاہے چنان،

نمبر، حدیث شریف من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل بی، دریں مقام
تمثیل شیطان بنفس صریح منافی است، چنینی در حق دیگر انبیاء علی نبینا علیہم الصلوۃ والسلام بوجہ مشارکت
در نفس نبوت و نیز در بعض تحریرات حضور پرنور بنظر آمدہ کہ شیطان متمثل بشیخ کاہل نمی شود پس دریں مقام
آنچہ دیدہ می شود جسم مثالی باید گفت یا روح یا ملک یا امر الہی متمثل بصورت شیخ یا نبی شدہ نمودار
می شود یا گاہے چنینی گاہے چنان۔

نمبر، و آنچہ حق تعالیٰ بخواب دیدہ شود فرشتہ یکم الہی بصورتی مصور شدہ بصاحب خواب
نمودار می شود و بے حکمت الہی چنان خیال می کند کہ خداوند تعالیٰ را دیدم یا نہ ؟
نمبر، آنچہ باغات و جبال و دریا با و غیرہ دیدہ می شوند بصورت مثالی می باشند یا نہ و ہر شیء را صورت
مثالی ہست یا نہ و شدہ این ناچیز را از گرداب جہالت و اربابانند، جز انکہ اللہ تعالیٰ فی الدارین خیر الجزاء
و جعل الجنة لکم المثلوی، ؟

الجواب آنچہ در خواب نظری آید گاہے تصرف متخیلہ می باشد بنفسہا یا از القار شیطان و این
غالب است در اہل نفوس و گاہے انکشاف عالم مثال میباشند و این غالب است در اہل قلوب و این عام
است ہر موجود را، و این منافی تنزیہ حق تعالیٰ نیست زیرا کہ تنزیہ از مثال است قال تعالیٰ لیس کمثله

شیء نہ از مثال قال تعالیٰ مثل نورہ کہ مشکوٰۃ الخ و مخصوص ست ازین رویت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نصاً و رویت دیگر انبیاء علیہم السلام با شتر اک العلة کہ اس جارح حجب میشود از عین حقیقت نہ کہ مثال و احتمال است کہ اس ہم مثال باشد و منافی نص نیست چہر کہ منفی مثل شیطان ست نہ مطلق تشل، و قولہ فقد رأی فی شال باشد رویت مثال مقبول را کہ در حکم حقیقت ست چنانچہ در حدیث رأیت ربی فی احسن صو سرة دیدن مثال معتبر بصورت را رویت رب نامیدند و گاہے انکشاف حقیقت می باشد و اس در مکاشفات روحیہ می باشد چنانچہ بکثرت واقعات با عیانہا مکشوف می شود و دریں قسم حاجت بہ تعبیر نباشد۔

۳ رذیقہ ۳۳۳ (تمتہ خامسہ ص ۱۵۸)

تحقیق سبب وقوع سر یہ عبد اللہ بن حذافہ | سوال (۵۲۵) حضرت مولانا دام فیضہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جناب نے نشر الطیب میں صفحہ ۱۲۵ پر تحریر فرمایا ہے ”سر یہ عبد اللہ بن حذافہ سہمی“ اور اس پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے کہ وہ قبیلہ ای میں ہوا کہ انہوں نے ایک دن غصہ میں آکر آگ جلوائی الی آخرہ لیکن یہ ارتقا نہیں فرمایا کہ یہ سر یہ کس قبیلہ یا کس مقام کو بھیجا گیا تھا، امید ہے کہ جناب اس تحقیق سے فقیر کو مستفیض فرمائیں گے، اسی طرح صفحہ ۱۲۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ پھر ایک لشکر عبد اللہ بن حذافہ سہمی کے ساتھ روانہ کیا، کیا یہاں بھی وہی شکل درپیش ہے؟

الجواب، صحیح بخاری جلد ۲ کے حاشیہ میں قسطلانی کا قول طبقات ابن سعد سے منقول نظر پڑا معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تتمہ تھا و اقوال علقمہ بن مجززہ لہجی کا بمقابلہ حبشہ کے جو صفحہ ۱۲۹ میں مذکور ہے، اور صفحہ ۱۲۵ میں ہوا ہے، پس صفحہ ۱۲۵ میں اس کا ذکر کرنا تسامح ہے کیونکہ یہ سہمی کے بعد ہوا ہے، غالباً اسکے ماخذ میں تاریخ نہ ہوگی، چنانچہ اسی صفحہ کے اخیر میں عدم تمیز تاریخ کا ذکر بھی کیا ہے۔

۹ سوال ۳۳۴ (ترجمہ خامس ص ۱۶۴)

جواب اعتراض بر عبارت ہشتی زیور | السؤال (۵۲۶) ہشتی زیور مؤلفہ آنجناب کے حصہ اول صفحہ ۱۵ سطر مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور میں تحت سرخی (بعضے بڑے بڑے گناہ جن سے گناہ ہوتا ہے جن پر سختی آئی ہے) علاوہ اور ان فقرہ جات کے جن کے استعمال سے وعید گناہ پر جناب والا نے ایک فقرہ یہ بھی لکھا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر یا بے ایمان یا خدا کی ماریا خدا کی پھٹکار وغیرہ کہنا، یعنی وہ فقرے ہیں کہ اگر ان کو زبان سے کسی مسلمان کی نسبت ادا کیا جائے تو یہ گناہ ہوا اور ان پر سختی آئی ہو، لیکن اسی ہشتی زیور کے چھٹے حصہ میں جہاں سیاہ کی رسموں کا بیان کیا گیا ہے صفحہ ۴۸ کی سطر ۱۹ مطبوعہ مطبع انتظامی کانپور پر آنجناب نے خوب دل کھول کر یہ فقرہ لکھا ہے (کم نختوں پر خدا کی مار) اور بے حیا اور خدا سمجھے اور خدا غارت کرے، یہ فقرے

بھی اپنے اپنے موقع سے اسی بیاہ کی رسموں کے بیان میں استعمال ہوئے ہیں، خیر اوروں سے تو مجھے بحث ہی نہیں، مجھے تو صرف خدا کی مار سے بحث ہے، اور دریافت طلب بھی یہی امر ہے کہ یہ کس تاویل سے جائز ہے، اگر آپ فرمائیں کہ جہاں خدا کی مار کہنے کی ممانعت ہو وہاں لفظ مسلمان خاص کر دیا ہے، یعنی مسلمان کو خدا کی مار نہ کہنا چاہئے، تو میں یہ عرض کروں گا کہ جہاں آنجناب نے خدا کی مار استعمال کیا ہے وہاں کسی ہندو عورت کو خاص طور پر مخاطب نہیں فرمایا ہے، اور یہ بھی ضرور نہیں کہ دو منیاں ہندو ہی ہوں اکثر مسلمان ہی ہوتی ہیں، پس یہ کس طرح خیال کر لیا جاوے کہ آنجناب نے خاص طور سے یہ فقرہ ہندو دو منیوں کے لئے ہی استعمال کیا ہے، اگر درحقیقت ایسا ہے تو اس کی کوئی تشریح کتاب میں نہیں ہے جسکے ہونے کی ضرورت ہے، ورنہ یہ خدا کی مار کس طرح جائز خیال کیا جائے جہاں حقہ اول میں آنجناب نے خدا کی مار کہنے کی ممانعت فرمائی ہے وہاں اس امر کی تخصیص و تشریح نہیں فرمائی ہے کہ حالت غیض و غضب میں کہہ دینا جائز ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے فقروں کا استعمال غصہ کی حالت میں ہی ہوتا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ آنجناب مجھے تسلی بخش جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

الجواب، ممنوع خطاب معین ہے، اور مستعمل خطاب عام ہے، جیسا لعن ظالم معین ناجائز ہے، اور عام ظالمین پر لعن وارد ہے۔ ۴۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۶۶)

سوال (۵۲۱) مولوی..... صاحب کی خدمت میں ایک عبارت نقل کرتا ہوں اس کا محمل حسن کیا ہے، جب سے اس کا مطالعہ کیا ہے اتنے خلجان فاسد پیدا ہو گئے ہیں جن کو بیان نہیں کر سکتا، امید ہے کہ جواب باصواب سے عزت بخشیں؟

شرح السیر الکبیر جلد اول از صفحہ ۲ تا ۴، دیباچہ للامام الشریح رحمۃ اللہ علیہ، اعلیٰ بان السیر الکبیر آخر تصنیف صنف محمد رحمہ اللہ فی الفقہ ولہذا لم یروہ عنہ ابو حفص رحمہ اللہ تعالیٰ لانہ صنف بعد انصرافہ من العراق ولہذا لم یذکر اسم ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ فی شیء منہ لانہ صنف بعد ما استحكمت النفقۃ بینہما فکلما احتاج الی روایۃ حدیث عنہ قال اخبر فی الثقۃ وهو مرادہ حیث ذکر ہذا اللفظ واصل سبب ثلاث النفقۃ علی ما حکى المعلى قال جرى ذکر محمد رحمہ اللہ فی مجلس ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فأتی علیہ فقلت لہ مرۃ تقع فیہ ومرۃ تشنی علیہ فقال الرجل محمود و ذکر ابن سماعۃ ان ابا یوسف رحمہ اللہ فی اول ما قلد القضاء کان یرکب کل یوم الی مجلس الخلیفۃ فمربہ طلبۃ العلم فیقول ابی یوسف ۛ الی این تذهبون فیقال لہ الی مجلس محمد رحمہ اللہ فقال او بلغ من قدر محمد ان

یختلف الیہ واللہ لافقہن حجامین بغداد وبقالہا وعقد مجلس الاملاء لذلک ومحمد رحمہ
 اللہ مواظب علی الدرس فلما کان فی آخر حال ابو یوسف رأی الفقہاء یمررون بکرتہ فقال
 الی ابن تذهبون فقالوا الی مجلس محمد رحمہ اللہ فقال اذهبوا فان الفتی محسود سببہا
 الخاص ما یحکى انہ جرى ذکر محمد فی مجلس الخلیفۃ فاشنی علیہ الخلیفۃ فخان ابو یوسف انہ
 یقر بہ فخلی بہ وقال اترغب فی قضاء مصر فقال ما غرضک فی هذا فقال قد ظهر علنا بالعلم
 واحب ان یتھم مصر فقال محمد حتی انظر واشاء وری ذلک اصحاب فقالوا لہ لیس غرضہ
 قضاءک ولكن یرید ان ینحیک عن باب الخلیفۃ ثم امر الخلیفۃ ابا یوسف ان یحضر مجلسہ
 فقال ابو یوسف ان بہ داء لا یصلح معہ لمجلس امیر المومنین فقال وما ذاک قال
 بہ سلس البول بحيث لا یمکنہ استدامة الجلوس قال الخلیفۃ فاذن لہ فی القیام
 عند حاجتہ ثم خلی محمد رحمہ اللہ فقال ان امیر المومنین یدعوك وهو رجل من اول
 فلا تطل الجلوس عنده واذا اشريت الیک فقم ثم ادخلہ علی الخلیفۃ فاستحسن الخلیفۃ
 لقائه لابنہ کاذا جہال وکلام فاستحسن کلامہ واقبل علیہ وکلمہ وجعل یکلمہ فلما
 کان فی خلال ذلک الکلام اشار الیہ ابو یوسف رحمہ اللہ ان قم فقطع الکلام وخرج
 فقال الخلیفۃ لو لم یکن بہ هذا الداء لکننا نتجمل بہ فی مجلسنا فقیل لمحمد لم خرجت
 فی ذلک الوقت فقال قد کنت اعلم انہ لا ینبغی لی ان اقوم فی ذلک الوقت ولكن
 ابو یوسف استاذی فکرہت ان اخالف ثم محمد علی ما فعلہ ابو یوسف فقال اللهم
 اجعل سبب خروجه من الدنیا ما نسبني الیہ فاستجیبت دعوتہ فیہ ولذلك قصۃ
 معروفۃ ولما مات ابو یوسف رحمہ اللہ لم یخرج محمد رحمہ اللہ الی جنازۃ وقیل انما
 لم یخرج استحياء من الناس فان خدمۃ ابی یوسف کن یعرضن فیما یمکینہ علی ما یحکى
 ان خواد مہ کن یقلن عند الاجتياز بباب محمد رحمہ اللہ ۛ

اليوم یرحمنا من کان یحسدنا اليوم نتبع من کانوا لنا تبعاً

اليوم نخضع للاقوام کلہم اليوم نطهر من الحزن والجزعاً

فہذا بیان سبب النفرة ، انتهى بلفظہ ،

ۛ ہکذا بالاصل ومثله فی نسخۃ السیر الکبیر المطبوعہ بمجید راباد وجعل الصحیح اصحوی ۛ محمد شفیع

الجواب الاول علی سبیل التاویل، احقر کے نزدیک یہ مضامین شیعہ موضوع معلوم ہوتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم، اور علاوہ اس کے کہ قلب ان کو قبول نہیں کرتا، ان کے موضوع ہونے پر رد فرماتے ہیں، اول یہ کہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کی اکابر نقاد حدیث نے مدح کی ہے پس مسدوح عند النقاد سے ایسے افعال کا صدور سخت بعید ہے، اور جنہوں نے جرح کی ہر انھوں نے بھی ان مضامین کو نہیں لکھا، حالانکہ اس سے کم درجہ کے مضامین کو محل ذم میں محدثین نقل کرتے ہیں، دوسرا قریبہ یہ ہے، (تجیل المنفعة ص ۳۶۲) قال ابن ابی حاتم عن ابیہ کتاب السیر لمحمد اصلہ للواقدي رواہ محمد عن الواقدي فروی اصحاب محمد عن الواقدي بعض احادیث و رواہ الباقی عن محمد عن مشائخ الواقدي و حذقوا الواقدي اھ

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کتاب السیر میں تغیر و تبدل واقع ہوا ہے، پس اس کے مضامین کیسے مستند ہو سکتے ہیں، اور واقعات مذکورہ ممکن ہے کسی مخالف کے اضافہ کئے ہوئے ہوں، یا کسی غیر منقذ موافق ہی نے لکھ دیئے ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم،

الجواب الثانی۔ من اشرف علی سبیل التنزل، اول تو منقولات محتاج سنہ صحیح ہیں بلا سند مقبول و محجت نہیں، وقد حقق فی الجواب بطلان القصۃ، ثانیاً اکابر میں بھی بشریت ہوتی ہے مگر اصاغر کی سی نہیں، ومن ثم تبیل ھ

کارِ پا کاں را قیاس از خود مگیر گم چہ ماند در زوشتن شیر و شیر
حضرات صحابہؓ سے اکمل تو کو کوئی جماعت امتیوں میں نہیں، پھر کیا ان میں مشاجرات نہیں ہوئے مگر ان کا منشأ رخسار اجتہادی بتلایا جاتا ہے، جو اس کا مصداق ہے، اس خطا از صد ثواب اولیٰ تراست، ممکن ہے کہ وہ محسود کو علوم میں اس درجہ کا محقق نہ سمجھتے ہوں کہ فقہاء و خلیفہ کے متبوع بنیں اور اس متبوعیت میں کوئی ضرر غامض سمجھتے ہوں، اور چونکہ اس مقصود کو وہ مذہبوم نہ سمجھتے ہوں، اس لئے اس کے ان طرق میں بھی مسامح سمجھتے ہوں، جیسا کذب کو احيائے حق کیلئے مباح کہا گیا ہے، ان کا تو یہ غارتھا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس غارت کو غیر معتد بہ جانتے ہوں اسلئے ان کو ناگوار ہوا ہو، اور ناخوش ہو کر بددعا کر دی ہو، پس دونوں معذور تھے۔ یہ تفصیل تو تحقیق عقلی کے مرتبہ میں تھی، باقی طبقاً امام محمدؒ قلب میں زیادہ محبوب نظر آتے ہیں، واللہ اعلم، ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ (تمہ خامسہ ص ۱۶۸)

سوال (۵۲۸) نماز کو احادیث میں مکفر سیئات فرمایا ہے
مکفر کبار بودن دماغے ثورہ بعد تشہد در صورت خواندن بقسم
استغفار و نہ مکفر بودن در صورت خواندن درورد اور شارحین نے فرمایا کہ مراد صغائر ہیں، اور جناب دالا کی

تحریر میں بھی نہیں دیکھا تھا، کہ کیا سر توبہ سے اور سفارن اعمال سے معاف ہو جاتے ہیں خیال یہ ہوتا ہے کہ کیا یہ بھی معاف ہو جائیں، کیونکہ بعد تشہد دعائے ماثورہ میں توبہ واستغفار بھی موجود ہے تو مایہ کافی نہ ہوگی البتہ اگر یہ بات ہو کہ اس کے لئے مستقل توبہ خاص کی ضرورت ہوگی، اور یہ توبہ عام ہے تو پھر اس خیال کا جواب ہو جائے گا، یا کوئی اور خاص جواب ہو بغرض اطمینان عرض کیا،

جواب، اگر قصہ استغفار خواندہ برداشت از مغفرت کیا سر مرتب خوابہ بود و اگر محض بطور روخوانہ شود مثل دیگر طاعات و اذکار مکفر صغائر خوابہ بود، ۲۴ رذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۷۲)

سوال (۵۲۹) ایک عورت جو نسباً سیدہ ہے اس کے کسی شخص نے جو نسباً سید نہیں ہے نکاح کیا، تو اس کو لوگ کافر کہتے ہیں؟

جواب، کیا دہیات ہے، حضرت علیؑ سید نہ تھے اور حضرت فاطمہؑ سیدہ تھیں، حضرت عثمانؓ سید نہ تھے، حضورؐ کی دو صاحبزادیوں سے اُن کا نکاح ہوا، اور یہ سب نکاح حضورؐ ہی نے کئے تو حضورؐ نے اُن کو کافر بنایا۔ (تمتہ خامسہ ص ۱۷۲)

سوال (۵۳۰) ایک قصہ درمیان دو غطین کے مشہور معروف ہے جس کی صحت کی ضرورت ہے، اس واسطے حضورؐ کو تکلیف دیتا ہوں، مع حوالہ کتاب کے جواب باصواب سے مشرف فرمایا جاؤں۔

حضرت عمرؓ کے کوئی بیٹے اُسامہ نامی تھے حافظ قرآن، اُن پر کسی عورت نے دعویٰ زنا کا کیا تھا، اور اُس سے بچہ پیدا ہوا، جس کو برسر اجلاس حضرت عمرؓ کے روبرو رکھ دیا، اس پر حضرت عمرؓ نے ثبوت زنا ہونے پر اُسامہ کے دُڑے لگائے، پورے دُڑے ہونے پائے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا، بقیہ دُڑے اُس کی قبر پر یا اش پر مارے رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت اُسامہ جنت المادوی کے اندر قرآن شریف پڑھتے ہیں، حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے باپ اگر آپ بقیہ دُڑے نہ مارتے تو مجھ کو ہرگز یہ مقام نصیب نہ ہوتا، اور زیادہ لمبا چوڑا قصہ ہے، یہ مختصر عرض کیا گیا، لہذا یہ قصہ کہاں تک صحیح ہے،

الجواب، اس قسم کا قصہ جن کا مستہوری اُن کا نام ابو شحمہ ہے، اور وہ قصہ اس طرح منقول ہیں جیسا سوال میں لکھا ہے، اور طرح منقول ہے، مگر محققین نے اس کو موضوع و باطل کہا ہے چنانچہ اللآئی المصنوعہ بل ثانی کتاب الاحکام والحدود میں یہ روایت شیرویز بن شہریار کی سند سے نقل کر کے کہا ہے موضوع فیہ مجاہیل قال الدارقطنی حدیث مجاہد عن ابن عباس فی حدیث ابو شحمہ لیسن صحیحہ وقد روی عن طریق عبد القدوس بن الحجاج عن صفوان عن عمرو عبد القدوس

یضم و صفوان بینہ و بین عمر رجال،

اور اس کے بعد اس کی جس قدر اصل ہے اس کو اس طرح نقل کیا ہے :-

والذی ورد فی ہذا ما ذکرہ الزید بن بکار وابن سعد فی الطبقات وغیرہما ان
عبدالرحمن الاوسط من اولاد عمر و یکنی اباشحمة کان بمصر غازیاً فشرب لیلۃ نبیذاً فخرج
الی السکة فجماء الی عمر بن العاص فقال اقم علی الحد فامتنع فقال لہ انی اخبرانی اذا قدمت
علیہ فضر بہ الحد فی دارہ ولم یخرجہ فکتب الیہ عمر یومہ ویقول الا فعلت بہ ما تفعل
بجميع المسلمين فلما قدم علی عمر ضربہ اتفق انه مرض فمات

۵۱ محرم ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۷۲)

معنی عبارت صراط مستقیم وہم استاذ انبیاء سوال (۵۳۱) بدعتیوں کے اتہامات و اہیہ حضرات اساتذہ و
علماء رحمہ کے اوپر بیت ہے میں نے جملہ ان کے ایک اعتراض صراط مستقیم مصنفہ حضرت مولانا اسماعیل
صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ ص ۳ کی اس عبارت (پس در کلیات شریعت و حکم احکام ملت اور اشاکرد
انبیاء ہم میتوان گفت وہم استاذ انبیاء ہم) پر ہے کہ صدیقین کو نبی بنادیا اور انبیاء کا استاد کہدیا،
بندہ اس عبارت کا مطلب سمجھنا چاہتا ہے، کہ حضرت جبریل کو بھی استاد انبیاء نہیں کہہ سکتے ہیں، چہ
جائیکہ صدیقین کو اس جگہ کہدیا ہے، تو اس عبارت سے کیا مطلب ہے، امید ہے کہ مطلع فرمائیں گے اور
جواب بھی مسکت لکھیں ہو، کیونکہ ہم کو خصم کے سامنے پیش کرنا ہے، یہ عبارت بندہ نے استاذ
مولانا صاحب مدظلہ سے بھی استفسار کیا تھا، لیکن استاذ موصوف نے حضور ہی کے
پاس لکھنے کیلئے فرمایا، شاید حضور کے پاس کتاب صراط مستقیم نہ ہو، تو اس لئے اوپر سے عبارت
نقل کئے دیتا ہوں :-

”پس اگر صدیق زکی القلب است رضا و کبرایت حضرت حق در افعال و اقوال مخصوص
و صحت و بطلان در عقائد خاصہ و محمودیت و مذمومیت در اخلاق و ملکات شخصیت و
صلاح و فساد و نظام واجب المحفوظ و در وقائع و معاملات جزئیہ بنور حلی خود در ریافت
می نماید مثلاً بشہادت قلب خود میداند کہ فلاں قول مخصوص یا فعل مخصوص مرضی حق است
یا غیر مرضی و فلاں عقیدہ خاصہ حق است یا باطل و فلاں خلق مخصوص محمود است یا مذموم
و فلاں معاملہ خاصہ کہ فیما بین اہل منزل یا اہل مدینہ منعقد شدہ یا فلاں رسم مخصوص کور
فلاں قوم ترویج یافتہ موافق نظام اہم است یا مخالف آن پس احکام ایں امور مذکورہ

اور رابد و وجہ معلوم می شود یکے بشہادت قلب خود خصوصاً و دیگر بسبب اندراج اور کلیات
شرع عمویاً و علم کہ بوجہ اول حاصل شدہ تحقیقی است و ثانی تقلیدی، و اگر زکی العقل است پس
نور جملی او بسوی کلیات حق منعقدہ در خبطہ القدس کہ برائے تربیت نوع انسان
عموماً متعین گردیدہ اور در مہمونی میفرمایند آن کلیات در ذہن او علی مرالہ ہور و الاعصار
مخفیہ فی ماندہ و استنباط جزئیات از آن کلیات میتواند کرد پس علوم کلیہ شرعیہ اورابد و واسطہ
میرس بوساطت نور جملی و بوساطت انبیاء علیہم السلام مثلاً بشہادت قلب خود میبایند
کہ ہر فعلی کہ چپس و چپناں باشد و مترتب بر فلاں چیز مقرر فلاں ثمرہ پس آن فعل مرضی حق است
یا غیر مرضی و ہر عقیدہ کہ متعلق بفلاں حقائق باشد یا حاکی از فلاں صفات و اسمائے الہیہ
یا دال بر فلاں وقائع و از فلاں طریق حاصل شدہ باشد پس آن عقیدہ حق است در تربیت
نوع انسان معاشیاً یا معاداً و دخلے میباید و ہر عقیدہ کہ متعلق بفلاں حقائق است یا بفلاں
اسما و صفات یا بفلاں وقائع یا مانوہ از فلاں طریق پس آن عقیدہ باطل است یا در تربیت
نوع انسان معاشیاً و معاداً بکار نمی آید و تعلیم و تعلم آن فضولی مینماید و ہر خلقی و ملکہ کہ منتج
فلاں نتائج باشد و در تحصیل آن بغاں فلاں امور حاجت اقتحماً و است و الا مذموم، و ہر
معاذتہ و رسم و سیاستی کہ منجر بفلاں فایاں مصالح شود پس مقبول و موافق نظام اتم است
والا واجب الرد و مخالف نظام پس در کلیات شریعت و حکم احکام ملت اورا شاگرد انبیاء
ہم میتوان گفت و ہم استاذ انبیاء ہم اہ (صراط مستقیم، مؤلف مولانا اسماعیل شہید رحمتہ
اللہ علیہ، مطبوعہ قیومی کانپور ص ۳۱)

جواب، استاذ انبیاء کا کہاں فرمایا ہے ہم استاذ انبیاء کہا ہے ہم استاذ کے معنی استاذ بھائی
یعنی ایک استاد کے دو شاگرد، چونکہ مبداء فیض و نوری کا ایک ہوا سلسلے مشابہ ہم استاد کے ہوئے، فرق
یہ ہے کہ نبی کی تلقی طریق قطعی سے ہے، اور صدیق کی طریق ظنی سے۔ و هذا ظاہر واضح من العبارة
(تتمتہ خامسہ ص ۱۷۳)

سوال (۵۳۲) وقت مطالعہ بیان القرآن بعض شبہات واقع ہوئے ہیں جو
موضح تفسیر بیان القرآن خدمت والا میں عرض کرتا ہوں، التجاہ ہے کہ ان کے دفع سے شفا بخشی ہو جاوے

(۱) جلد ۸ صفحہ ۱۱۶، سطر ۲۰، ترجمہ آیت فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَقَعَ بَارَهُ
أَمَّنْ خَلَقَ مِنْ دَمٍ أَدَاسَ سے قوم عادیہ ہے، تفاسیر موجودہ مشہورہ عندنا میں اس کا ماخذ نہیں ملتا ہے

سب یہی لکھتے ہیں کہ مراد اس سے قوم لوط ہے، اور علامہ طبری نے بھی حضرت ابن عباسؓ و قتادہؓ سے یہی روایت کیا ہے، خادم کا گمان ہے کہ سباق و سیاق آیت کا لحاظ کر کے شاید یہ تفسیر کی گئی ہے پس اس بنا پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیا سیاق و سباق کو روایت پر ترجیح ہے؟

جواب، اس وقت تو یاد نہیں میں نے کہاں سے لیا ہے، اس وقت تفسیریں بھی میرے پاس متعدد نہیں، صرف روح المعانی موجود ہے، اس میں اول قوم لوط کے ساتھ تفسیر کی ہے اور اس وقت میرے ذہن میں قوم لوط کے باب میں ایک آیت سورہ قمر کی بھی گذری، اس میں بھی ان کے عذاب کو صاحب تفسیر کیا ہے اور عجیب نہیں کہ قوم لوط کے ساتھ تفسیر کرنے کا منشا یہی ہوا ہو، وہ آیت یہ ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّا اَلْ لُّوْطَہُ اور تفسیر لوط کے بعد یہ کہا ہے :-

وقال ابن عطية يشبه ان يدخل عاد في ذلك لان ما اهلكوا به من الريح كانت شديدة وهي لا تخلو اعز الحصب بامور موزية والحاصب هو العارض من الريح او سحاب اذ ارمي بشئ اهر

اس قول کا حاصل یہ ہے کہ آیت عام ہو سکتی ہے قوم لوط و عاد کو، اور تیسرا قول کہ صرف عاد سے تفسیر کیا جائے مجھ کو نہیں بلا، لیکن قرآن مجید میں غور کرنے سے جی کو یہ تیسرا قول لگتا ہے، کیونکہ اس مقام پر عاد و ثمود سے پہلے جن مغبین کا ذکر ہے ان کے ساتھ ان کے عذاب کا بھی ذکر ہے، اور وہ قوم لوط اور مدین ہیں پھر عاد و ثمود اور قارون و فرعون و ہامان کا ذکر ہے، پھر آیت فَاَخَذْنَا مِنْ عَذَابِ كَاذِبِ اِجْمَالِ ہے، پھر منہم میں اس کی تفصیل اور اصل عدم تکرار ہے، اس کا مقتضایہ یہ ہے کہ جن کے عذاب کی تفصیل اوپر ہو چکی ہے ان کا یہاں مذکور نہ ہو، اور قوم لوط کے عذاب کا اوپر تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے، تو یہاں ان کا ذکر نہ ہونا چاہیے مگر اس کا حاصل استدلال بالسوق ہے جو کہ اس مدلول میں نہیں، ہاں کم از کم اس کو باطل کہنا بھی بعید ہے، رہا یہ کہ روایت کو سوق پر ترجیح ہونا چاہیے، سو اگر قرآن سے ثابت ہو جائے کہ یہ روایت مسموع من صاحب الوری ہے تو بیشک اس کو ترجیح ہوگی، اور اگر نطن غالب وہ بھی ایسی رائے سے ہو تو ترجیح کا دعویٰ مشکل ہے، اسی لئے خود ایسی روایات میں بھی بسا اوقات اختلاف ہوتا ہے تو کیا ہر ایک کو دوسری سے راجح کیا جاوے گا، اور قوم لوط کے ساتھ تفسیر نطن غالب رائے سے ہے جو سورہ قمر کی آیت سے ماخوذ ہے، اور علی بن عیسیٰ التنزیل اگر روایت کو ترجیح بھی دے تب بھی تفسیر بعد کو باطل کہنا غیر موجب ہے، خواہ کل المدلول ہو کما اخترت یا بعض المدلول کما اختار ابن عطیہ،

سوال اس جلد ۹ صفحہ ۱۰۹ سطر ۴ شروع سورہ الصفات میں وَمَا بَيْنَهُمَا کا ترجمہ رہ گیا ہے؟

جواب (۲) واقعی یہ بُرہانا چاہئے (اور ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں) سوال (۳) جلد ۱۰، صفحہ ۶۱ و ۶۲، سورۃ شوریٰ کی آیت اللہ لطیف بعبادہ کے آغاز میں سرخی ہو، یہی برانکار بر اغترار الخ لفظ ہی کا تعلق آیت سے سمجھ میں نہیں آتا،

جواب (۳) واقعی یہی لفظ قابلِ حذف ہو، شاید ازل ذہن میں یہ ہوگا، یہی از اغترار پھر لفظ انکار مناسب سمجھا ہوگا، اور اس کو کھلکھل لفظ ہی کا ٹنا بھول گیا ہوں گا، ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۹۹ (تمتہ خامسہ ص ۱۸۷) الخلفاء ثلاثون سنة | سوال (۵۳۳) معنی این قول الخلفاء ثلاثون سنة ثم بعدہا ملک و امامۃ لقولہ علیہ السلام الخلفاء بعدی ثلاثون سنة ثم یصیر بعدہا ملکاً عضوہا وقد استشهد علی فیہ اس ثلاثین سنة من وفاة النبی فمعاویۃ ومن بعدہ لا یكون خلفاء بل ملوکاً و امراء الخ، پیست و رائے مبارک آن قبلہ و کعبہ دریں امر پہ، ؟

الجواب، معنی حدیث این ست کہ خلافت راشدہ متصلہ سی سال است و بعد ازیر، سی سال غالب سلطنت باشد یعنی با خلافت نباشد یا باشد مگر راشدہ نباشد، مگر متصل نباشد مثل خلافت عمر بن عبد العزیز۔ (تمتہ خامسہ ص ۱۹۰)

مطلع بودن کرنا کا تبیین بر ارادہ مردم | سوال (۵۳۴) آیا کرنا کا تبیین کو ارادت و نیات قلبیہ پر اطلاع ہوتی ہے یا نہیں، آیہ کریمہ ما لہذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصیہا لے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معلوم ہوتا ہے، ؟

جواب، حدیث میں ہے کہ من ھم بحسنۃ کتبت لہ حسنۃ واحداۃ او کما قال ال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ پر اطلاع ہوتی ہے، اور یہ بعید ہے کہ اس کا تب کو غیر کرنا کا تبیین کہا جاوے، ۵ رجب ۱۳۹۹ (تمتہ خامسہ ص ۱۹۱)

رسالہ

تعییل حقوق الوالدین

تعییل حقوق الوالدین | ۵۳۵، بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، قال اللہ تعالیٰ: ان اللہ یا مکرہ ان تؤدوا الامانات الی اہلہا و اذا حکمتہ بین الناس ان تحکموا بالعدل الا یہ اس آیت کے عموم سے دو حکم مفہوم ہوئے، ایک یہ کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق واجبہ

اور اگر نا واجب ہو، دوسرے یہ کہ ایک حق کے لئے دوسرے شخص کا حق ضائع کرنا ناجائز ہے، ان دونوں حکم کلی کے متعلقات میں سے وہ خاص دو جزئی واقع بھی ہیں جن کے متعلق اس وقت تحقیق کرنیکا قصد ہے، ایک اُن میں سے والدین کے حقوق واجبہ وغیرہ واجبہ کی تعمین ہو۔ دوسرے والدین کے حقوق اور زویہ یا اولاد کے حقوق میں تعارض و تنزاع کے وقت ان حقوق کی تعدیل ہو، اور ضرورت اس تحقیق کی یہ ہوئی کہ واقعات غیر محصورہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح بعض لوگ بے قید والدین کے حق میں تفریط کرتے ہیں اُن کی وجوب الاماعت کی نصوص کو نظر انداز کرتے ہیں، اور اُن کے حقوق کا وبال اپنے سر لیتے ہیں، اسی طرح بعض دیندار والدین کے حق میں افراط کرتے ہیں، جس سے دوسرے صاحب حق کے حقوق مثلاً زویہ کے یا اولاد کے تلف ہوتے ہیں، اور اُن کے وجوب رعایت کی نصوص کو نظر انداز کرتے ہیں، اور اُن کے اتلاف حقوق کا وبال اپنے سر لیتے ہیں، اور بعض کسی صاحب حق کا حق تو ضائع نہیں کرتے لیکن حقوق غیر واجبہ کو واجب سمجھ کر اُن کے ادا کا قصد کرتے ہیں، اور چونکہ بعض اوقات اُن کا تحمل نہیں ہوتا اس لئے تنگ ہوتے ہیں، اور اس سے سو ہوئے لگتا ہے کہ بعض احکام شرعیہ میں ناقابل برداشت سختی و تنگی ہے اس طرح سے ان بیچاروں کے دین کو ضرر پہونچتا ہے، اور اس حیثیت سے اس کو بھی صاحب حق کے حقوق واجبہ ضائع کرنے میں داخل کر سکتے ہیں، اور وہ صاحب حق اس شخص کا نفس ہو، کہ اس کے بھی بعض حقوق واجبہ ہیں، کما قال صلی اللہ علیہ وسلم ان لنفسك عليك حقا، اور ان حقوق واجبہ میں سب سے بڑھ کر حفاظت اپنے دین کی ہے، پس جب والدین کے حق غیر واجب کو واجب سمجھنا مفسی ہو، اس معصیت مذکورہ کی طرف، اس لئے حقوق واجبہ کا امتیاز واجب ہوا، اس امتیاز کے بعد پھر اگر اُن ان حقوق کا التزام کرے گا مگر اعتقاد واجب نہ سمجھے گا تو وہ مذکور تو لازم نہ آویگا، اس تنگی کو اپنے ہاتھوں کی خریدی ہوئی سمجھے گا، اور جب تک برداشت کرے گا اس کی عیالی ہمتی ہے، اور اس تصور میں بھی ایک گونہ حظ ہوگا کہ میں باوجود میرے ذمہ نہ ہونے کے اس کا تحمل کرتا ہوں، اور جب چاہے گا سبکدوش ہو سکے گا، غرض علم احکام میں ہر طرح کی مصلحت ہی مصلحت ہو، اور جہل میں ہر طرح کی مضرت ہی مضرت ہے۔

پس اسی تمیز کی غرض سے یہ چند سطور لکھتا ہوں، اب اسی تمہید کے بعد اول اس کے متعلق ضروری روایات حدیثیہ و فقہیہ جمع کر کے پھر اُن سے جو احکام ماخوذ ہوتے ہیں اُن کی تقریر کر دوں گا اور اگر اس کو تعدیل حقوق الوالدین کے لقب سے نامزد کیا جائے تو نازیبا نہیں، واللہ المستعان علیہ

فی المشکوۃ عن ابن عمر قال كانت تحتی امرأة اجبتها وکان عمر یکرهها فقال لی طلقها
فایبت فاق عمر رسول الله ﷺ لم فذكر ذلك له فقال لی رسول الله ﷺ طلقها
طالقها رواء الترمذی فی المرقاة طلقها امر ندب او وجوب ان کان هنالك باعث اخرو قال الامام
الغزالی فی الحديث فهذا يدل علی ان حواله الدائم ویکن والد یکرهها لا لغرض فاسد مثل عمر
(احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۶ کستوری) فی المشکوۃ عن المعاذ قال اوصانی رسول الله ﷺ
وساق الحديث وفيه لا تعمل والديک وان امراک ان تخرج من اهلك ومالك الحديث
فی المرقاة شرط للمبالغة باعتبار الاكمل ایضا اما باعتبار اصل الجواز فلا يلزم طلاق زوجة امرأ
وان تاذی ببقاء اذاع شديد الا انه قد يحصل له ضرر بها فلا یکلف لاجلها اذ من شأن
شفقة ما انهما تحققا ذلك لهما صرا به فالزام به مع ذلك حمق منهما ولا یلتفت الیه و
کذلك اخراج ماله فمختصرا قلت والقريبة علی کونه للمبالغة اقترانه بقوله علیه السلام
فی ذلك الحديث لا تشرك بالله واز قتلنا او حرقت فهذا للمبالغة قطعاً والا فتنفس الجواز
بتلفظ كلمة الکفر وان یفعل ما یقتضی الکفر ثابت بقوله تعالى من کذب بالله من بعد ایمانه
الا من اکراه الآية فانهم

فی المشکوۃ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من اصرح مطبقاً
لله فی والديه الحديث وفيه قال رجل وان ظلمناه قال وان ظلمناهم وان ظلمناهم
رواه البیهقی فی شعب الايمان فی السقاة فی والديه ای فی حقهما وفيه ان طاعة الوالدین
لم تکن طاعة مستقلة بل هی طاعة الله التي بلغت توصيتهما من الله تعالى بحسب طاعتها
طاعة الی ان قال ويؤيده انه ورد لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق وفيه وان ظلمناه قال
الطیبی يراد بالظلم ما يتعلق بالامور الدنيوية لا الاخروية قلت وقوله صلى الله عليه وسلم
هذا وان ظلمناه كقوله عليه السلام فی ارضاء المصدق ايضاً ومن قیام ان ظلمتم، رواء
ابوداود وكقوله عليه السلام فيه وان ظلمناهم اذ عليهم الحديث رواء ابوداود ومغناه
علی ما فی المعاني قوله وان ظلمناهم ای بحسب زعمكم او علی الفرض من التقدير مبالغة
ولو كانوا ظالمين حقيقة كيف یامروهم یا ربنائهم من حال، فی المشکوۃ عن ابن عمر
عن النبی صلى الله عليه وسلم فی قصة ثلثة رجل من اشون واخذهم المغر فما لو
انی غار فی الجبل فانهطت علی فم غارهم صخرة طبقت علیهم فذا کواحد منهم من امرة

فقت عند رؤسہما رای الوالدین الذین کاناشیخین کبیرین کما فی ہذا الحدیث، اکرہ
ان اوقظہما واکرہ ان اوقظہما واکرہ ان ابدأ بالصبیۃ قبلہما والصبیۃ یتضاغون عند
قوی الحدیث متفق علیہ، فی المرقاة تقدیمہا لاحسان انوالدین علی المولودین لتعارض
منہم بکبرہما فان الرجل لکبیر یتقی کالطفل لصغیر قلت وھذا التضاعی کما فی
قصۃ اضیاف ابی طلحہ قال فعلیہم بشئ ونومیہم فی جواب قول امرأتہ لما سألہا هل
عندک شئ قالت لا الا قوت صبیانی ومعناہ کما فی اللہعات قالوا ھذا محمول علی ان
الصبیان لم یکنو محتاجین الی الطعام وانما کان ضججہم علی عادۃ الصبیان من غیر جوع
والا وجب تقدیمہم وکیف یتربکان واجبا وقد اتفقوا علیہا ماہر قلت ایضو مما یؤید وجوب
الاضطار الی ھذا التاویل تقدم حق الولد الصغیر علی حق الوالد فی نفسہ کما فی الدر المختار
باب النفقة ولولہ اب وطفل فالطفل احق به وقیل ربصیغۃ التمریض یقسمہا فیہما فی کتاب
الانار للامام محمدؒ عن عائشہؓ قالت افضل ما اکلتم کسبکم وان اولادکم من کسبکم
قال محمدؒ لا یاس بہ اذا کان محتاجا ان یاکل من مال ابنہ بالمعروف فان کان غنیافاخذ
منہ شیئا فھو دین علیہ ھو قول ابی حنیفہؒ محمدؒ قال اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم
قال لیس للاب من مال ابنہ الا ان یحتاج الیہ من طعام او شراب او کسوة قال محمدؒ وبہ
ناخذہ وھو قول ابی حنیفہؒ فی کنز العمال عن الحاکم وغیرہ ان اولادکم ھبۃ اللہ تعالیٰ لکم
یھب لمن یشاء انا تاد یرھب لمن یشاء الذکور فھم واموالھم لکم اذا احتجتم الیہا ماہر قلت دل
علیہ قولہ علیہ السلام فی الحدیث اذا احتجتم علی تقیید الامام محمدؒ قال عائشہؓ ان
اولادکم من کسبکم بما اذا کان محتاجا ویلزم التقیید کونہ دینا علیہ اذا اخذ من غیر حاجۃ
کما ھو ظاہر قلت وایضو فسر ابوبکر الصدیقؓ بھذا قولہ علیہ السلام انت ومالك لابیک
قال ابوبکر وانما یعنی بذلک النفقة رواہ البیہقی کذا فی تاریخ الخلفاء ص ۶۵ وفي الدر المختار
لا یفرض القتال علی صبی بالغ لہ ابوان او احدھما لان طاعتھما فرض عین الی ان قال
لا یحل سفرفیہ خطر الاباذنھما وما لا خطر فیہ یحل بلا اذن ومنہ السفر فی طلب العلم
فی رد المحتار انھما فی سعة من منعہ اذا کان یدخلھما من ذلک مشقة شدیة وشبھل
الکافرین ایضو واحدھما اذا کرہ خروجہ مخافة ومشقة والایل لکراہۃ قتال اھل دینہ
فلا یطیعہ ما لم یخف علیہ الضیعة اذا لو کان معسرا محتاجا الی خدمتہ فرضت علیہ ولو

کافر اولیس من الصواب ترک فرض عین لیتوصل الی فرض کفایۃ قوله فیہ خطر الجہاد وسفر البحر قبلہ ما لا خطر کالسفر للتجارة والحج والعمرۃ یحل بلا اذن الا ازخیف علیہا الضیعة سرخسی قوله ومنہ السفر فطلب العلم لانه اولی من التجارة اذا کان امانا ولم یخف علیہم الضیعة سرخسی اھ قلت ومثله فی البحر الرائق والفتاویٰ الہندیۃ وفیہا فی مسئلۃ فلا بد من الاستیذان فیہ اذا کان لہ منہ ج ۶ ص ۲۲۲ فی الدر المختار باب النفقة وكذا تجب لہا السكنی فی بیت خال عزائلہ واهلہا الخ وفي رد المحتار بعد ما نقل الاقوال المختلفة ما نصہ فی الشریعۃ ات الیسار لا بد من افرادہا فی وارد بتوسطہ الحال یکفیہا بیت واحد مزدان والطال الی ان قال واهل بلادنا الشامیۃ لا یسکنون فی بیت مزدان مشتملۃ علی اجانب وهذا فی اوساطہم فضلا عن اشرافہم الا ان تكون دارا موروثۃ وبین اخوة مثلا فیسکن کل منہم فی جہۃ منہا مع الاشتراک فی مرافقہا ثم قال لا شک ان المعروف یختلف باختلاف الزمان والمکان فعلى المفتی ان ینظر الی حال اهل زمانہ وبلادہ اذ بدون ذلک لا تحصل المعاشرة بالمعروف اھ

ان روایات سے چند مسائل ثابت ہوئے :-

اول جو امر شرعاً واجب ہو اور ماں باپ اس سے منع کریں اس میں ان کی اطاعت جائز بھی نہیں واجب ہونے کا تو کیا احتمال ہے اس قاعدہ میں یہ فرع بھی آگئے، مثلاً اس شخص کے پاس مالی وسعت اس قدر کم ہے کہ اگر ماں باپ کی حاجت کرے تو بیوی بچوں کو تکلیف ہونے لگے تو اس شخص کو جائز نہیں کہ بیوی بچوں کو تکلیف دے اور ماں باپ پر خرچ کرے، اور مثلاً بیوی کا حق ہے کہ وہ شوہر کے ماں باپ سے جدا رہنے کا مطالبہ کرے، پس اگر وہ اسکی خواہش کرے اور ماں باپ اسکو شال رکھنا چاہیں تو شوہر کو جائز نہیں کہ اس حالت میں بیوی کو ان کے شال رکھے بلکہ واجب ہوگا کہ اس کو جدا رکھے، یا مثلاً حج وغیرہ کو یا طلب علم بقدر الفریضہ کو نہ جانے دیں تو اس میں بھی ان کی اطاعت جائز نہ ہوگی،

دوم جو امر شرعاً ناجائز ہو اور ماں باپ اس کا حکم کریں اس میں بھی ان کی اطاعت جائز نہیں مثلاً وہ کسی ناجائز نوکری کا حکم کریں یا رسوم جہالت اختیار کریں وغیرہ،

تسوم جو امر شرعاً نہ واجب ہو اور نہ ممنوع ہو بلکہ مباح ہو بلکہ خواہ مستحب ہی ہو اور ماں باپ اس کے کرنے یا نہ کرنے کو کہیں تو اس میں تفصیل ہے، دیکھنا چاہیے کہ اس امر کی اس شخص کو ایسی ضرورت ہے

کہ بدو ان اس کے تکلیف ہوگی، مثلاً غریب آدمی ہے پاس پیسہ نہیں بستی میں کوئی صورت کمائی کی نہیں مگر ماں باپ نہیں جانے دیتے یا یہ کہ اس شخص کو ایسی ضرورت نہیں، اگر اس درجہ کی ضرورت ہو تب تو اس میں ماں باپ کی اطاعت ضروری نہیں، اور اگر اس درجہ کی ضرورت نہیں تو پھر دیکھنا چاہئے کہ اس کام کے کس نے میں کوئی خطرہ و اندیشہ ہلاک یا مرض کا ہے یا نہیں، اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس شخص کے اس کام میں مشغول ہو جانے سے بوجہ کوئی خادم و سامان نہ ہونیکے خود ان کے تکلیف اٹھانے کا احتمال قوی ہے یا نہیں، پس اگر اس کام میں خطرہ ہے یا اسکے غائب ہو جانے سے ان کو بوجہ بے سرو سامانی تکلیف ہوگی تب ان کی مخالفت جائز نہیں، مثلاً غیر واجب لڑائی میں جاتا ہے یا سمندر کا سفر کرتا ہے یا پھر کوئی ان کا خبر گیری نہ رہے گا، اور اس کے پاس اتنا مال نہیں جس سے انتظام خادم و نفقہ کا نہ کر جاوے اور وہ کام یا سفر بھی ضروری نہیں، تو اس حالت میں ان کی اطاعت واجب ہوگی، اور ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں یعنی نہ اس کام یا سفر میں اس کو کوئی خطرہ ہو اور نہ ان کی مشقت و تکلیف ظاہری کا کوئی احتمال ہو تو بلا ضرورت بھی وہ کام یا سفر باوجود ان کی مانعت کے جائز ہے، گو مستحب یہی ہے کہ اس وقت بھی اطاعت کرے، اور اسی کلیہ سے ان فروع کا حکم بھی معلوم ہو گیا، مثلاً وہ کہیں کہ اپنی بیوی کو بلا وجہ معتد بہ طلاق دیدے تو اطاعت واجب نہیں و حدیث ابن عمر و یحییٰ علی الاستیجاب او علی ان امر عمرہ کان عن سبب صحیح، اور مثلاً وہ کہیں کہ تمام کمائی اپنی ہم کو دیا کر تو اس میں بھی اطاعت واجب نہیں، اور اگر وہ اس پر جبر کریں گے تو گنہگار ہوں گے،

وحدیث انت و مالک لا بیك محمول علی الاحتیاج کیف وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منه، اور اگر وہ حاجت ضروریہ سے بلا اذن زائد لیں گے تو وہ ان کے ذمہ دین ہوگا، جس کا مطابہ دنیا میں بھی ہو سکتا ہے، اگر یہاں نہ دیں گے قیامت میں دینا پڑے گا، فقہاء کی تصریح اس کے لئے کافی ہے، وہ احادیث کے معافی کو خوب سمجھتے ہیں خصوصاً جب کہ حدیث حاکم میں بھی اذا اجتمع کی قید مصرح ہے، واللہ اعلم،

۲، جمادی الاخر ۱۳۳۲ھ مقام تھانہ بھون (تمتہ ثانیہ ص ۲۰۴)

ماخذ کراہت التزام بالایلیزم | سوال (۵۳۶) فقہاء کا یہ کلیہ کہ التزام بالایلیزم من شایع حکم ہے اور ممنوع کہ جس کو آپ نے بھی اپنی تصنیفات میں جا بجا ذکر فرمایا ہے کہاں پر ذکر ہے، اگرچہ ضمناً کسی جگہ سے مجھے بھی معلوم ہے تاہم تصریح سے ناواقف ہوں، براہ کرم بتا دیجئے کہ کس موقعہ میں صراحت ذکر ہے اور فقہ میں ہے یا اصول فقہ میں؟

جواب، غاص اس عنوان سے تو یاد نہیں، مگر معنوں اس کا کتاب و سنت و فقہ سب میں موجود ہے، اَمَّا الْكِتَابُ فَقَوْلُهُ تَعَالَى لَا تَحْرُمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا مِمَّا ضُمِرَ سَبَبُ النُّزُولِ إِلَيْهِ وَأَمَّا السُّنَّةُ فَحَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَرَى حَقَّانَ لَا يَنْصَرِفُ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ وَأَمَّا الْفَقْهَةُ فَحَيْثُ ذَكَرُوا كِرَاهَةَ تَعْيِينِ السُّورَةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ،

۵۔ رجب ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۹۱)

حکم تعویذ فقری یا طلائی | سوال (۵۳۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندر اس مسئلہ کہ سونے چاندی کے تعویذ خصوصاً لڑکیوں کے گلے میں ڈالنا جائز ہے یا نہ ؟

جواب، نہیں، لانہ کا لائیتہ لا کا الحلیۃ (تمتہ خامسہ ص ۱۹۳)

جواز شبہ تعارض در عبارت سوال (۵۳۸) شکر النعمۃ میں حضور نے فرمایا کہ انگشت مبارک سے شکر النعمۃ و قبلہ نما پانی جاری ہوا، اور اس برتن میں کچھ پانی نہ تھا، انگشت کی برکت سے پانی جوش میں آیا۔ مگر مولانا قاسم رحمہ اللہ قبلہ نما میں فرماتے ہیں کہ حضرت کی انگشت سے پانی نکلا، قبلہ نما میں اس کی تصریح موجود ہے، اور حضور نے شکر النعمۃ میں جو فرمایا وہ اقرب الی ظاہر الحدیث معلوم ہوتا ہے، سو مولانا قاسم رحمہ اللہ کی کوئی تاویل ہے؟ ارشاد فرمائیں۔

الجواب، احتمال تو دونوں میں، حضرت مولاناؒ نے ایک احتمال لیا اور میں نے ایک احتمال لیا، قطعی دلیل کسی احتمال کی تعیین کی نہیں، ۲۲ رفیعہ ۳۳۹ (تمتہ خامسہ، ص ۱۹۹)

جواب شبہ از یک عبارت
تفسیر بیان القرآن

سوال (۵۳۹) ایک شبہ تو ہی میں مبتلا ہوں، تفسیر بیان القرآن میں آیت
لَقَطَعْنَا مَنَهِ الْوَتِينَ کی تفسیر میں مذکور ہے (مذہبی نبوت) یا ہلاک ہوتا ہے

یا ظہور کذب سے رسوا و ذلیل ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قطع و تین عام ہی، سو ہلاک سے کیا مراد ہے، اگر موت ہے تو معتاد ہے یا غیر معتاد، در صورتِ اول کوئی خصوصیت نہیں، در صورتِ ثانی فادیا نی کو گنجائش ہے، کیونکہ مرزا بیضہ سے مرا ہے، اگر کہا جاوے کہ آیت معلوم بیت فی الحجۃ کو بھی شامل ہے، جیسا کہ تتمۃ امداد القناوی سے ظاہر ہے تو کلامِ ذرا کمزور معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ہر فریق صادق ہونے کا قائل ہے، اور سورۃ احقاف کی آیت امر یقولون افتریہ الخ کی تفسیر سے ظاہر ہے کہ عقاب آسمانی مراد ہے اور جملہ اتنے روز تک عقاب نازل ہونے سے لزوم پر شبہ ہوا الخ اسی پر مال ہو، امید قوی ہے کوئی تسکین ارشاد ہو،

الجواب، عبارت تفسیر کی نا تمام نقل کی گئی، پوری عبارت یہ ہے ”یہ کنایہ ہے امانت سے

اس جواب میں یہ لفظ: امانت آ رہا ہے، اصل نسخہ میں اسی طرح ہے مگر لفظ اس پر یہ سہو کا تب جو صحیح لفظ ان تینوں جگہ میں امانت بالتاثر معلوم ہوتا ہے ۱۲ محمد شفیق

نفساً یا حجتہ یعنی جھوٹا مدعی نبوت مؤید بالحجتہ نہیں ہوتا بلکہ یا ہلاک ہوتا ہے یا ظہور کذب سے رسوا و ذلیل ہوتا ہے۔ پس مطلق امانت کو اخذ نہیں قطع و تبیین سے تشبیہاً تعبیر فرما دیا گیا کہ ما فی الخازن فکان کمین قطع و تبیین، اس سے معلوم ہو گیا کہ قطع و تبیین بنفسہام نہیں بلکہ خاص ہے امانت کے ساتھ، پھر امانت خواہ عام ہو اور اس کے واسطے سے خواہ قطع و تبیین کا عموم لازم آجائے اور ہلاک سے مراد ہلاک غیر مصادیہ اور مرزا کے ہیضہ میں مرنے سے اس وقت گنجائش ہوتی جب بالتبیین ہلاک غیر مختار ہی کو لازم و غوئے کاذب کا کہا جاتا، اب تو لازم احد الامرین ہے، بطور مانتہ لخلو یا ہلاک یا مغلوبیت فی الحجۃ اور اصل لازم یہی ہے، اور حجت سے مراد معجزہ ہے، یعنی مانتہ کاذب کے معجزہ صادر نہیں ہوتا کہما صرحوا، اور عدم صدور معجزہ عن القادیانی ظاہر ہے، یہ تو محل ہے عبارت تفسیر کا جس کے نہ سمجھنے سے سوال پیدا ہوا،

اب ایک مستقل فائدہ عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ حکم قطع و تبیین کا احتمال تحقق نبوت تک ہے، کہ اس کے مرتب نہ ہونے سے خلق کو اشتباہ ہوتا، اور جب یہ احتمال قطع ہو جائے جیسا اب ایک نبی مؤید بالحجتہ کی نص سے انقطاع نبوت ثابت ہو چکا، اب قطع و تبیین کا نہ ہونا مضر اور موجب اشتباہ نہیں ہو سکتا، پس قطع و تبیین بھی لازم نہیں، اور تتمہ کی عبارت پیش کی جاوے تو اسکے متعلق عرض کیا جاسکتا ہے،

۳ رخرم ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۱۰)

ایضاً سوال (۵۴۰) تفسیر بیان القرآن و کبیر سورۃ احقاف میں ہر قولہ ان افتریتہ، جوابہ مقدار ای عاجلتی بالعقوبۃ، عقوبۃ سے کیا مراد ہے، عبارت سے مفہوم ہے کہ عذاب آسمانی مراد ہے، اور یہی لازم ہے افتراء پر اور آیت ولو تقول علینا بعض الاقاویل کے حل میں حضرت کا ارشاد ہے کہ لازم بطور مانتہ لخلو احد الامرین ہو یا ہلاک یا مغلوبیت فی الحجۃ ای المعجزہ معلوم ہوا، جمع الامرین لازم نہیں بلکہ جائز ہے، اور مغلوبیت فی الحجۃ کے ساتھ ہلاک لازم نہیں، عبارت ذیل سے سمجھیں آتا ہے کہ جمع الامرین لازم ہے، وہ عبارت یہ ہے ”دعوی نبوت کے وقت معجزہ کا ظاہر کرنا یا نہ کرنا رفع تبلیس کیلئے کافی ہے اور در صورت کذب اور عدم ظہور معجزہ کے پھر عقاب ہونا اس تبلیس کی تاکید کے لئے ہے“ بیان القرآن سورہ احقاف، یہ بندہ کی سمجھ کی رسائی ہے، بہت امید ہے کہ گرواب عدم وقوف نے نجات حاصل ہو۔

الجواب، ہاں عذاب آسمانی مراد ہے، اور ہاں افتراء پر یہ لازم ہے، مگر لازم مادی کماید لعلیہ قولی موافق اپنی عادت کے، اور عادت سے مراد عادت اکثریہ، کماید لعلیہ قولی دعوت نبوت کے وقت معجزہ کا ظاہر کرنا یا نہ کرنا، الی قولی، اکمل وجوہ سے یہی تاکید مراد ہے، مطلب یہ کہ رفع تبلیس تو لازم کلی ہے اور وہ عدم ظہور معجزہ سے متحقق ہے اور معاہلت بالاعتبار اثر اکثریہ ہے جس پر رفع تبلیس موقوف

نہیں، صرف تاکہ رفع تلبیس موقوف ہو، اور نہ تاکہ موقوف علیہ نہیں رفع تلبیس کیلئے، پس آیت لوتقول اور آیت ان افتریتہ کا ایک ہی حاصل ہوا، آپ نے مقام کی پوری عبارت میں غور نہیں کیا، بہت صاف مطلب ہے۔ ۲۳ مکرّم شمس (تتمہ خامسہ ص ۲۱۴)

تحقیق معنی واسطہ فی الاثبات | سوال (۵۲۱) میں نے آپ کی مصنفہ کتاب کلید مشنوی جلد اول صفحہ ۱۰۰ پر ایک رسالہ کی تدوین میں امداد لی تھی، کتاب مذکور کے صفحہ ۱۰۰ پر آپ نے واسطہ کے اقسام بمعہ تعریفات اور مشلہ ذکر فرمائے ہیں، میں نے اس عبارت کو بعینہا نقل کیا، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تاریخ واسطہ فی الاثبات کی اصطلاح غلط ہے، بلکہ جس کو کلید میں واسطہ فی الاثبات کہا گیا ہے، وہ دراصل واسطہ فی الثبوت کا قسم اول ہے، حسب اصطلاح مناطہ اور جسے کلید میں واسطہ فی الثبوت تعبیر کیا گیا ہے، وہ حقیقت میں واسطہ فی الثبوت کا ایک دوسرا قسم ہے، رہا واسطہ فی الاثبات وہ نام ہے جو واسطہ کا دوسرے الفاظ میں بیان آئی کا، عبد العلی حاشیہ میرزا بہ ملاجلال بحث عرض ذاتی وغیرہ میں اسی قائل کے خیال کی تصریح بھی مکتی ہے آپ بواسطہ مطلع فرمائیں کہ یہ کیا راز ہے، آیا یہ کاتب کی غلطی ہے یا آپ نے کوئی نئی اصطلاح تعبیر کی ہے، قائل مذکور کے جواب کے لئے میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔

جواب، یہ کاتب کی تو غلطی نہیں ہے، عبارت میری ہی ہے، اور اس وقت میرے ذہن میں دونوں اصطلاحیں تھیں، واسطہ فی الثبوت قسم اول اور واسطہ فی الاثبات، اول اصطلاح کو بوجہ تطویل عبارت کے قصداً ترک کر دیا تھا، مگر یہ اس وقت یاد نہیں آیا کہ یہ اصطلاح ذہن میں کہاں سے حاضر ہو گئی تھی، یا کہ ذہن کا خلط تھا، اگر کسی ماریس مزاولی معقولی سے تحقیق ہو جاوے کہ یہ بھی ایک اصطلاح ہے تو جواب ظاہر ہے ورنہ میں رجوع کرتا ہوں اور مشورہ دیتا ہوں کہ اس پر ایک حاشیہ لکھ دیا جاوے کہ مراد اس سے واسطہ فی الثبوت قسم اول ہے، یہ تعبیر باقرار مؤلف اسکے ذہن کا خلط ہے۔

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ (ترجمہ خامس ص ۱۱۴)

فتح تحارض در میان آیت من قتل مؤمناً خطاً | سوال (۵۲۲) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
وحدیث ان اللہ تجاوز عن امتی الخطار
اما بعد فقد تلوت امس سورة النساء فاقصی بعض آیات فی القتل والتخیر ونیس عندی کتاب من کتب التفاسیر احقّ فیہ ذلک وہی ہذا (۱) وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمناً الا خطاً ومن قتل مؤمناً خطاً فمحریر رقبۃ مؤمنۃ وودیۃ مسلمۃ الی اہلہ الا یہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان رواہ ابن ماجہ واصحہم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ وعنہما فہذا الحدیث ینادی با علی النداء
مع اصل نسخ میں اسی طرح ہے مگر بظہر سہو کاتب معلوم ہوتا ہے صحیح لفظ تعریف ہوگا فقط واللہ اعلم محمد خضیع۔

انہ لیس للخطی والناسی شیء من المواخذة ان صدر عنه من المعاصی شیء،
الجواب، المراد التجاوز عن الاثم والافما معنی قوله عليه السلام من نام عن
 صلوة او نسیها فليصلها اذا ذكرها الحديث،

جزر السؤال، والفقه فيه از الخطاء والنسيان خارجان عن دائرة الاختيار۔
الجواب، لكن التدارك ليس خارجا عن الاختيار والامر تعلق بالتدارك
 لا بالنسيان مثلاً۔

جزر السؤال، والامر والنهي وارد في الامور الاختيارية والمواخذة لا تكون الا فيما ورد
 الامر والنهي فيه فاذا كان الخطاء من الامور الاضطرارية الخارجة عن وسم البشرية فكيف اوجب
 الله التحريم والدية على القاتل الخطي في حالة الاستطاعة والصوم في عدمها،

الجواب، قد مر السرفيه،

جزر السؤال، وما التطبيق بين الآية والحديث،

الجواب، قد سبق وجب التطبيق،

جزر السؤال، وليست التوبة للذين يصلون السيئات حتى اذا حضر احد الموت
 قال اني تبت الان لآية اقول ان هذه الآية دالة على ان توبة الياس غير مقبول فكيف يصح
 قول صاحب الدر توبة الياس مقبول دون ايمان الياس،

الجواب، المراد بحضور الموت حضور الملائكة ومعائنة المحتضر لهم لا الياس
 من الحيوة فلا اشكال، ۶ صفر ۱۳۴۲ھ (تمت خامسه ص ۲۱۵)

اثبات لقار وسام حسن بصرى باطلى رضى الله عنه | **سوال** (۵۴۳)، رفع خلیج اطمینان قلب کیلئے عرض
 ہے کہ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ سے تقار ثابت ہو یا نہیں غالباً
 امام ترمذی اس کے قائل ہیں کہ تقار ثابت نہیں، اور اسمار رجال کی کتابیں بھی شاید اسی کی شاہد ہیں
 ایسی حالت میں حضرات چشت علیہم الرضوان کا سلسلہ نامکمل ہو جاتا ہے، بحث مباحثہ اور محجت و
 تکرار مرکز نہیں، صرف اپنی تحقیق کے لئے یہ عرض ہے کہ اگر حضور کو فرصت نہ ہو تو ایسی کتابوں کا حوالہ
 عطا فرمائیے کہ میں اس سے دیکھ سکوں اور تحقیق کر لوں، والسلام،

الجواب، فی تمهید التهذیب ترجمۃ الحسن البصری قال ابن سعد ولد لسنتین
 یقیناً من خلافتہ عمرو بن شاذان القری وکان فصیحاً رای علیاً، وفیه روی عن ابی بن کعب و

سعد بن عبادہ وعمر بن الخطاب ولم یدرکہم وعن ثویان وعمار بن یاسر وابی ہریرۃ
وعثمان بن ابی العاص ومعل بن سنان ولم یسمع منهم وعن عثمان وعلی الخ

اس میں نص ہے روایت و روایت پر اور روایت بھی بلا واسطہ، ورنہ اس کے ساتھ بھی لم یدرکہ
یا لم یسمع ہوتا، و فیہ قتادۃ والشماعہ ثنا الحسن البصری مشافہۃ، اس سے بعوم لفظ سماع عن علی کی
نفی ہوتی ہے، مگر یہ بھی احتمال ہے کہ قتادہ نے کسی بدری کی روایت ان سے نہ سنی ہو،

وفیہ سئل ابو ذرۃ هل سمع الحسن احدا من البدریین قال راہم ووقتہ راہی
عثمان وعلیاء، قيل هل سمع منها احدا یشاء قال لا، رأی بالمدينة وخرج علی الی الکوفۃ و
البصرۃ ولم یلق الحسن بعد ذلک وقال الحسن رايت الزید بن یبایع علیا وقال علی بن المدنی
لم یر علیا الا ان کان بالمدينة وهو غلام،

اس سے روایت کا اثبات و سماع کی نفی ہوتی ہے و فیہ حدیث احمد بن زید بن ایوب
قال ما حدثنا الحسن عن احد من اهل بدر مشافہۃ اس سے نفی سماع کی ہوتی ہے،

وفی حاشیۃ من تہذیب الکمال عن یونس بن عبید سالت الحسن قلت یا ابا سعید
انک تقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانک لم تدرکہ قال یا ابن اخی لقد
سالتنی عن شئ ما سالتی عنہ احد قبلك ولولا انزلتک منی ما اخبرتک انی فی زمان کما
تروی (وکان فی عمل الحجاج) کل شئ سمعتنی اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فہو عن علی بن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا ہ

اس سے ظاہر روایت بلا واسطہ مفہوم ہوتی ہے، گوا احتمال بواسطہ کا بھی ہو مگر اس واسطہ کے
ذکر نہ کرنیکی کوئی وجہ نہیں، اس لئے ظاہر احتمال اول ہے، اور اس غدر پر نظر کرتے ہوئے بقولہ ما حدثنا
الحسن عن بدری مشافہۃ سے نفی سماع پر استدلال ہوگا، اور اسی طرح خلافت علی کی ابتداء تک
مدینہ میں رہنا عدم سماع کو مستبعد کرتا ہے، کیونکہ آخر خلافت عمر میں ولادت ہونے سے اس وقت تک
وہ بالغ یا قریب بہ بلوغ ہوتے ہیں، اور غلام خاص نہیں ہے صغیر کے ساتھ تو کبیر ہو کر حدیث کا نہ سنا
از بس مستبعد ہے، خصوص جب کہ مثبت مقدم ہوتا ہے نافی پر،

وفی منها ج السنة المجلد الثالث وفيها ان الحسن صحب علیا وهذا باطل باتفاق اهل
المعرفة فانهم متفقون علی ان الحسن لم یجتمع بعلی وانما اخذ عن اصحاب علی اخذ عن الراحف
ابن قیس وقیس بن عباد وغیرہما وهکذا رواه اهل الصحيح اه

اس سے صحبت و اجتماع کی نفی ہوتی ہے، اور مراد اس سے صحبت طویلہ و اجتماع مدیدہ ہے بقدرینہ
 اوپر کی روایات کا خلاصہ یہ ہوا کہ روایت تو بالاتفاق ثابت اور صحبت طویلہ بالاتفاق منفی اور روایت بالسمع
 مختلف فیہ مگر راجح اس کا اثبات ہے، پس اگر فیض باطنی کے لئے صحبت و اجتماع قصیر بھی کافی ہو تب تو کچھ
 اشکال ہی نہیں، اور اگر طول شرط ہو تو فیض بواسطہ ممکن ہو، تو فیض بلا واسطہ کے عدم سے مطلق فیض کا انتفاء
 کیسے لازم آیا، پس سلسلہ کا نامکمل ہونا کہاں ثابت ہوا،

۲۰۔ صفر ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۱۷)

اثبات اخذ سبحی | سوال (۵۴۴) ایک شخص دینار پر ہیزگار صاحب طریقت نے جو بولے اللہ اسم ذات یا
 دوسرا اسم یا کہ ذکر کرنے کے لئے ہزار دانہ کی تسبیح بنائی ہے، فقط اللہ کو یاد کرنے کے واسطے نہ کہ لوگوں
 کو دکھانے کے واسطے، آیا یہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب، جائز ہے، یہ حدیث تقریری اس کی دلیل ہے :-

عن سعد بن ابی وقاص انہ دخل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی امرأة و بین یدیهما
 نوى او حصی تسبیحہ الحدیث رواہ الترمذی و ابوداؤد، مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح،
 قلت عدم انکاسہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التسبیح بالنوى او الحصی حجة ظاهرة علی
 مشروعیة السبحة المتعارفة لانہا لا تزید علی المنقول الا بخیط ومثله لا یوتر فی المنعم واللہ اعلم،
 (تمتہ خامسہ ص ۲۱۸)

حکم مصافحہ وقت رنتن | سوال (۵۴۵) رخصت کے وقت مصافحہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب، اختلاف ہے، مجتہزین کی دلیل یہ حدیث فعلی ہے :-

عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ودع رجلاً اخذ بیدہ فلا یدعہا
 حتی یکون الرجل هو یدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقول استودع اللہ دینک و امانتک
 و اخر عملک و فی روایتہ و خواتیم عملک رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و روایتہما
 لم یذکروا اخر عملک، مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات،

قلت و الاخذ بالید هو حقیقة المصافحة لا سیما اذا کان من الجانبین کما یشعر بہ
 لفظ الحدیث یدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

اور یہ حدیث قولی ہے :-

عن ابی امامة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال و تمام تحیاتکم بینکم المصافحة

رواہ احمد و ترمذی و ضعفہ مشکوٰۃ باب المصافحۃ.

قلت وظاہر ان التیمیۃ یعنی السلام علیکم مشروع وقت الوداع فکذا المصافحۃ و الضعف لا یضر فی القضاء ثل، وإیضا اعلو. ۶ ربيع الاول سنۃ ۱۲۹۹ (تمتہ خامسہ ص ۲۱۹) **سوال** (۵۴۶) اگر کوئی شخص کسی کے پاس ملاقات کرنے گیا تو واپس آتے وقت اس کو مصافحہ کرنا چاہئے یا نہیں، کوئی کوئی آدمی کہتے ہیں کہ واپسی میں مصافحہ نہ کرنا چاہئے، (احقر کا خیال ہے کہ مصافحہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ مصافحہ میں دعا پڑھی جاتی ہے، جو ایک مفید چیز ہے، مسئلہ کیا ہے اس سے احقر ناواقف ہے، !

الجواب، دونوں طرف گنجائش ہے، مانعین کی دلیل عدم النقل ہے، مجوزین حدیث قولی ان من تمام تحیاتکم المصافحۃ، اور فعلی اذا ودع رجلا اخذ بیدہ وقال استودع اللہ دینکم و امانتکم و خواتیم عملکم سے استدلال کرتے ہیں، مانعین تحیات سے اول لقار کی تحیت اور اخذ بالید سے مراد اخذ بلا قصد مصافحہ لیتے ہیں، والکل واسم،

۲۰ ربيع الثاني سنۃ ۱۳۰۹ (النور رجب سنۃ ۱۳۰۹ ص ۹)

سوال (۵۴۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کیا وظیفہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیناؤ پر ہنا جائز ہے یا نہ کیا ائمہ اربعہ سے اس قسم کے وظائف ثابت ہیں؟ جواز و عدم، قرآن و حدیث و روایات معتبرہ فقہیہ سے مدلل و مزین فرمایا جاوے،

مسئلہ کیا بنام بزرگان نذر مثل شیرینی و جانور بنام حضرت پیران پیر حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جائز ہے یا نہ، کیا نذر دائمہ اربعہ خصوصاً نذر دیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مطابق اصول خفیہ جواز ہے یا نہ، اور کیا اس قسم کی نذر حلال ہے یا حرام، !
مسئلہ کیا جو جانور بنام دیہی یا بنام کسی چیز دیگر زندہ چھوڑ دیا جاوے تو حلال ہے یا حرام، اور اگر حرام ہے تو ما جعل اللہ من بحیۃ ولا سائبۃ الخ میں تو تحریم مشرکین پر انکار ہے جو منافی حرمت ہے، اور اگر حلال ہے تو ما اهل به لغير الله سے کس طرح خارج ہے، اور درمیان عدت جانور بنام دیہی اور حرمت جانور بنام امام حسینؑ و پیران پیر کے مابہ الفرق کیا ہے، بینوا تو جبروا،

الجواب، عدم جواز و عدم نقل عن الائمہ ظاہر ہے، دلیل بھی ظاہر ہے، ومنہ قولہ تعالیٰ من اضل من یدعو من دون الله من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وہم عندنا غفلون،

۱۔ اگر مقصود نذر سے تقرب لغیر اللہ ہے اس کا معصیت ہونا ظاہر ہے اور معصیت میں نذر کا غیر صحیح ہونا بھی ظاہر ہے، قال علیہ السلام لا نذر فی معصیۃ۔
 ۲۔ اس مسئلہ میں اقوال مختلف ہیں، احقر جو سمجھا ہے یہ ہو کہ یہ محض غیر اللہ کے نامزد ہونے سے تو کسی شے میں حرمت نہیں آتی، البتہ جب اس میں کوئی تصرف اس کے مناسب اسی نیت کے بقا کے ساتھ نافذ کیا جاوے تب حرمت کا حکم کیا جاوے گا، پس جانور کو جب اسی نیت پر ذبح کیا جاوے گا، حرام ہو جاوے گا ولو ذکر علیہ اسم اللہ کما فی الدر المختار وغیرہ۔ اس سے سب آیات جمع ہو گئیں، آیت اولیٰ میں قبل ذبح حرمت کی نفی ہے، اور آیت ثانیہ میں بعد ذبح حرمت کی نفی ہے، باقی سائبہ میں ملک غیر کے سبب حرمت ہونا غیر مالک کے لئے یہ اور بات ہے، اور غیر بہیمہ میں تصرف مناسب کسی کو دیدیتا ہے، خواہ اعطار سے یا اذن سے، پس اگر اس تصرف کو نسخ کر دیا جاوے مثلاً واپسی کے بعد نیت کو درست کر لیا جاوے اب حرمت نہ رہے گی۔ مگر غیر بہیمہ میں یہ حکم قیاسی ہے، اور بہیمہ میں منصوص لا یراد بما اهل هو البیمۃ بدلالة المقام۔

۳۔ رجب ۱۲۴۴ (تمتہ خامسہ ص ۲۲۲)

جوابات سوالات متعلقہ غیر مقلدین | سوال (۵۴۸) : اول کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شریعہ متین ان مسائل میں کہ آیا فی زمانہ غیر مقلدین (جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں اور تقلید شخصی کو ناجائز بہیمہ کذاً یہ داخل اہل سنت و الجماعت ہیں، یا مثل فرقی ضالہ ووافض وخواارج وغیرہا کے ہیں، ان کے ساتھ مجالست و محاورت و مناکحت عامی مقلدین کو جائز ہے یا نہیں، اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا درست ہے یا نہیں؟

سوال دوم۔ دوسرے اُن کے پیچھے نماز پڑھنا یا اُن کا عامی مقلدین کی جماعت میں شامل ہونا درست ہے یا نہیں؟

الجواب عن السؤال الاول والثانی، مسائل فرعیہ میں کتاب و سنت و اجماع و قیاس مجتہدین سے تمسک کر کے اختلاف کرنے سے خارج از اہل سنت نہیں ہوتا، البتہ عقائد میں خلاف کرنے سے یا فریضہ میں حج اربعہ مذکورہ کو ترک کرنے سے خارج از اہلسنت ہو جاتا ہے اور مجتمع کی اقتدار مکر وہ تحریمی ہے۔ اس قاعدے سے سب فرقوں کا حکم معلوم ہو گیا

۳۔ ذیقعدہ ۱۲۴۴ (تمتہ خامسہ ص ۲۲۰)

سوال (۵۴۹) : زید کہتا ہے کہ چونکہ ترمذی شریف کی

روایت لال از جواب ام سلمہ بروز
قتل امام حسینؑ ہر جواز خاک بر سر ریختن

حدیث: باب مناقب حسین بن علی رضی اللہ عنہما، حدیثی سلمیٰ قالت دخلت علی ام سلمۃ وہی تبکی فقلت ما یبکیک قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعنی فی المنام وعلی راسہ وحیثہ التراب فقلت مالک یا رسول اللہ قال شہدت قتل الحسین انفا سے ظاہر ہوا کہ عشرہ کے دن اگر تم بھی خاک ڈالیں یا سیاہ کپڑے پہنیں یا پٹنیں اور رکوئیں تو جائز ہے، کیا زید کا یہ کہنا ٹھیک ہے، اگر نہیں تو حدیث کا کیا جواب ہے۔ بینوا تو جبروا؟

الجواب، اول تو خواب میں یہ ضروری نہیں کہ ہر واقعہ اپنی حقیقت پر نظر آوے اکثر صورت مثالیہ میں مثل ہوتا ہے اور اسلئے اس میں حاجت تعبیر کی ہوتی ہے، پس راس و لجمہ مبارک پر تراب نظر آنا یہ صورت مثالیہ حزن کی تھی، تو اس سے خاک ڈالنے کا جواز کہاں سے نکلا، دوسرے خاک کا پڑ جانا اور بات ہو اور خاک کا ڈالنا اور بات ہے، سو خواب میں تو خاک پڑی ہوئی نظر آئی جو مسافر کے بدن پر مسابغہ کے قطع کرنے سے پڑ جاتی ہے، اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ آپ نے قصداً خاک ڈالی تھی، تیسرے جب دلائل شرعیہ سے ان افعال کی حرمت ثابت ہے تو خواب سے وہ دلائل منسوخ یا متروک نہیں ہو سکتے۔ پس زید کا یہ استدلال سراسر باطل اور تحریف ہے شرع کی۔

۱۸ محرم ۱۳۴۱ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۳۱)

معنی قول جنیدؒ وکان امر اللہ قدراً مقدراً | **سوال (۵۵۰)** السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، معروضہ در جواب سوال اینز فی العارف ہے کہ بندہ ایک شبہ میں مبتلا ہے، وہ یہ ہو کہ مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ارشاد الطالبین میں لکھتے ہیں کہ بزرگان گفتہ اندہ القطب قدیر فی ما عررضی اللہ عنہ از اصحاب رسول اللہ بود از دے بزد و تقدیر زنا واقع شد انتہی۔ اور وعظ مظاہر الاحوال میں حضرت کا ارشاد ہے، حضرت جنیدؒ سے ایک شخص نے سوال کیا اینز فی العارف فاطرق ملیا ثم رفع رأسہ وقال وکان امر اللہ قدراً مقدوراً عارف سے زنا نہیں ہو سکتا ہو، اسلئے کہ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کے واسطے گناہ کو مقدر ہی نہیں فرماتا، ذات با برکت سے امید ہو کہ بیان توفیق سرسفر از فرمایا۔

الجواب، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، کیا خط کشیدہ عبارت مظاہر الاحوال کی ہے یا آپ کی، شوق اول پر اس کا منہ لکھئے، میں دیکھوں کس نے تصرف کیا ہو، کیونکہ اس مقولہ جنیدؒ کے یہ معنی کبھی بھی میرے ذہن میں نہیں آئے، تو میرے بیان کا یہ کیسے جبر ہو سکتا ہے۔ اور شوق ثانی پر مظاہر الاحوال کی عبارت کے ختم پر لہر و غیرہ کوئی علامت ہونا چاہئے تھا، تاکہ غلط نہ ہوتا۔ اور اس صورت میں یہ جواب ہے کہ مقولہ جنیدؒ کے یہ معنی ہی نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے

تو واقع ہو سکتا ہے۔

خط ثانی بر جواب بالا

معنی قول عارف سے زنا نہیں ہو سکتا ہے | سوال (۵۵۱) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد از سلام مسنون حضرت روحی فدائے کی خدمت میں عرض کرتا ہے، خط کشیدہ عبارت یعنی عارف سے زنا نہیں ہو سکتا، براہ مظاہر الاحوال کے ص ۳۴ میں ہے، اور اسی صفحہ میں یہ بھی ہے، حقیقت یہی ہے کہ عارف سے نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ اس کو بُعْد ہوتا ہے لہٰذا مظاہر الاحوال ص ۳۴،

الجواب، وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جواب اول لکھنے کے وقت نہ اس وقت کا بیان کیا ہوا مضمون ذہن میں حاضر تھا، اور نہ آپ کے سوال میں پوری عبارت مع سیاق و سباق منقول تھی، اس لئے جواب ثانی نہیں دے سکا، اب اس خیال سے کہ کسی نسخہ کا تصرف نہ ہو گیا ہو، اصل مسودہ نکلو اگر دیکھا، عبارت اس میں بھی یہی ہے، پھر سیاق و سباق کو جمع کر کے دیکھا تو اشکال حل ہو گیا جس کی مختصر تفسیر یہ ہو کہ عارف من حیث ہو عارف سے گناہ نہیں ہوتا، جیسا حدیث میں ہے (لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مومن) اس کا محل بھی یہی ہے اور جو اس کے امکان کے قائل ہیں اُن کی مراد عارف کی ذات ہے، قطع نظر اس وصف سے، خلاصہ یہ کہ عارف سے جس وقت ایسی معصیت ہوتی ہے اُس وقت عارفیت کی صفت مضمحل کا منعدم ہو جاتی ہے، اور پھر اس صفت کا عود ہو سکتا ہے، اس اعتبار سے دونوں حکم صحیح ہیں فلا تعارض۔ ۱۹ محرم ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۳۲)

بدون تحریرت دین اخراج مکر | سوال (۵۵۲) چشتیہ - قادریہ - مجاہدویہ - نقشبندیہ - سہروردیہ، طریقہ چشتیہ و قادریہ وغیرہ ازین اسلام | یہ طریقے ماننا اور اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرنا اور جو نہ مانے اس کو اسلام سے خارج کرنا کیسا ہے؟

الجواب ماننا اور منسوب کرنا مبہم الفاظ ہیں، اُن کی تفسیر کر کے سوال کرنا چاہئے، باقی ماسے سے خبر درج عن الاسلام کا حکم کرنا یہ دین کی تحریف و تغیر ہے (تمتہ خامسہ ص ۳۳۳) حکم مقبہ کردن کے رابلقب رہانی | سوال (۵۵۳) جو لوگ اہل حدیث و محدثی کہلاتے ہیں ان کو جو دینی کہا جاتا ہے کیا یہ لقب خدا و رسول نے دیا ہے یا لوگوں نے، اگر خدا و رسول نے نہیں دیا تو پھر اس لقب کے ساتھ مقبہ کرنا درست ہے یا نہیں

الجواب، اس لقب کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص مسلک میں ابن عبد الوہاب کو تابع یا موافق ہو پس اگر یہ اتباع یا توافقی مطابق واقع کے ہو تو یہ اتباع و مستحب ہے، ورنہ کذب اور لا اتباع و موافق

بالا لقا کی مخالفت ہے، جیسے وہ لوگ مقلدین کو بدعتی اور مشرک کہتے ہیں (تمہ خامسہ ص ۲۳۳)
 معنی اطاعت غیر رسول اللہ ص ۱ سوال (۵۵۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کی
 پیروی کو اپنے اوپر لازم سمجھنا کیا یہ امر شرعاً درست ہے؟

الجواب پیروی کی دو قسم ہیں، ایک ایسی اطاعت کہ اس کے کہنے سے شریعت کو بھی چھوڑ دے
 یہ حرام بلکہ شرک ہے۔ دوسری قسم یہ کہ نیت تو قرآن و حدیث ہی کے اتباع کی ہے، مگر ایک عالم کو
 قرآن و حدیث کو سمجھنے والا مان کر اس کے فتوے پر عمل کرتا ہے، یہ جائز اور عمل مستقیمت کا ہے۔

۲ صفر ۱۳۴۱ھ (تمہ خامسہ ص ۲۳۴)

حکم مروج یافتن بعض سوال (۵۵۵) خادم نے اس سے پیشتر کے عریضہ میں یہ تحریر کیا تھا کہ مجھے حنفیہ کے
 مسائل مجتہد مقلد خود بعض مسائل کے رجحان میں تردد ہے، اور ائمہ کا مذہب اب فوق بالنصوص معلوم ہونے
 کی وجہ سے راجح معلوم ہوتا ہے۔ اگر حضرت اجازت دیں تو حضرت کی خدمت میں مفصلاً لکھ کر اپنے شبہات
 اور مسائل کو دفع کر لوں، حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ مذہب راجح
 ہے، دعویٰ تو یہ ہے کہ مذہب بے اصل نہیں، اس ارشاد عالی کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، کہ مقصود
 واقعیت پر یا بزرگ مقلد۔ اگر مقصود واقعیت ہے تب تو یہ امر صحیح ہو سکتا ہے کہ مذہب حق بے اصل
 نہیں ہیں، سب کا منشاء قرآن و حدیث ہی ہے، اور اگر بزرگ مقلد ہے تب اپنی قلت علمی اور زانیہ کی
 وجہ سے یہ امر دل نشیں نہیں ہوا، اس لئے کہ اگر مقلد کو یہ محقق ہو کہ مثلاً فلاں مسئلہ میں فلاں قول
 راجح ہے اور فلاں قول مرجوح ہے تو قول مرجوح پر عمل کیسے جائز ہو سکتا ہے، نظیر اسکی رفع سبنا
 کی ترجیح ہے لیکن افتاء جائز نہیں، اور حنفیہ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ نہ افتاء جائز نہ عمل جائز۔
 جب یہ امر ہے کہ مرجوح پر عمل بھی جائز نہیں ہے تو مقلد کے نزدیک اپنے مذہب کے مسائل کا
 راجح ہونا ضروری ہے۔ اور یہ خیال میں نہیں آتا کہ اگر اس امر کی یعنی مذہب کے راجح ہونے کی
 مقلد کے لئے ضرورت نہیں تو صاحب ہدایہ وغیرہ کو اس طرز کی کیا حاجت تھی کہ جملہ اقوال اور
 دلائل نقل کر کے پھر حنفیہ کی دلیل مع جواب اولہ فریق مخالف بیان کرتے ہیں، جو طرز عمل صاف بتاتا ہے
 کہ دعویٰ مذہب کے رجحان کا ہے، ورنہ اپنے مستدلات سے صرف استلال کافی تھا۔

الجواب اس کی شرح کو یہ بھی سمجھ کر نہیں لکھا تھا، اب نظریت کے احتمال پر لکھتا ہوں،
 مطلب میرے قول کا یہ ہے کہ مقلد کو اجمالاً تو اپنے قبوع کے مذہب کو راجح سمجھنا ہے، اسی لئے اس کا
 اتباع کرتا ہے، مگر تفصیلاً راجح ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا، تفصیلی رجحان سے مراد اثبات التزجیم بالدلیل

یعنی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں ہر قول کے رجحان کو دلیل سے ثابت کر سکتا ہوں، اور رائج و مرجوح میں موازنہ کر کے مرجوح کا ترک کرنا یہ وظیفہ بھی مجتہد ہی کا ہے، گو مجتہد مقید ہی ہو۔ البتہ اگر مقلد محض کو یہ یہ معلوم ہو جائے کہ اپنے مذہب کی کوئی دلیل ہے ہی نہیں تو اس پر بھی واجب ہے کہ اس قول کو ترک کر دے غالباً اس سے آپ کے سب شبہات کا جواب ہو گیا۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۳۶)

جواب: ہر قول کا غیر ضروری باندیشہ | سوال (۵۵۶) بر قاعدہ شرعیہ کہ کار غیر ضروری بوجہ اندیشہ مفاسد علمی فساد عقیدہ عوام ترک باید کردن خواص را ترک کردن ضروری است، بعض اعتراض می نمایند کہ اگر چنین است پس بنا علیہ زیارت مقابر اولیاء عامہ مومنین ہم خواص را ترک باید کرد، زیرا کہ ہر مقابر ہم عوام سجد و بوسہ وغیرہا و استسناد غیر شرعیہ و دیگر بدعات می نمایند، جواب تحقیقی شانی مطلوب است نہ الزامی۔

الجواب، ایں قاعدہ بوجہ تائید بالکتاب و السنۃ بالکل صحیح است باقی جواب اعتراض ظاہر است کہ ایں قاعدہ در مقامے ست کہ صورت عمل خواص و عمل عوام متحد باشد صرف تغاوت در نیت و عقیدہ باشد و در محل اشکال صورت اعمال ہم متمایز است۔ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۳۸)

تطبیق در میان حدیث مانعت از سوال صبر | سوال (۵۵۷) مناجات مقبول مطبوعہ تھانہ بھون کے دیباچہ میں منقول و حدیث دعائے صبر فرعون خود بخود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے کہ کسی صحابی نے صبر کی دعا کی تھی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم نے بلا کی درخواست کی۔ صفحہ ۶ کی آخر سطر اور صفحہ ۷ کی اول میں یہ مضمون ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کی دعا مانگنا ممنوع ہے۔ منزل ثالث یوم الاثنین کے اول میں اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا کا لفظ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کی دعا مانگنا جائز ہے، کیونکہ مترجم راقم ہے کہ یا اللہ کر دے مجھے بڑا صبر والا۔ یہ جو دو عبارتیں ہیں ان کا توافق مطلوب ہے۔

الجواب، وہ حدیث یہ ہے۔ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً وهو یقول اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصَّبْرَ فَقَالَ سَأَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ فَاسْئَلْهُ الْعَافِيَةَ رواہ الترمذی مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الدعوات فی الاوقات، اور دوسری حدیث خود سوال میں مذکور ہے تطبیق ان میں یہ ہے کہ صبر کے دو درجہ ہیں ایک خلق و ملکہ، دوسرا صدق و فعل، اول کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک ایسی قوت پیدا ہو جائے کہ اگر کوئی بلا آوے تو اس کا تحمل کر سکے، اور یہ بلائی پر موقوف نہیں، بدون اس کے بھی وہ قوت متحقق ہو سکتی ہے، اور یہ مطلوب ہے۔ دوسری حدیث میں بجا درجہ مراد ہے جیسا کہ صفت کا صیغہ اس کا قرینہ ہے۔

اور دوسرے درجہ کا حاصل یہ ہے کہ فی الحال اس کا وقوع ہوا اور یہ بلا آنے پر موقوف ہے۔ اور حدیث اول میں یہ درجہ مراد ہے جیسا کہ صیغہ مصدر کا اس کا قرینہ ہے، پس دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو گئی۔ (تمتہ خامسہ ص ۲۴۶)

طریق عمل آسیب مندرجہ قربات عند اللہ | سوال (۵۵۸) تمتہ قربات عند اللہ و صلوة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم تھانہ بھون میں جن کے اثر کے اُتار نے کا طریقہ آپ نے جو لکھا ہے کہ فاتحہ سے آخر تک پڑھے، پس عرض یہ ہے کہ قرأت کر کے اُس پر دم کرے یا پانی پر دم کر کے اس کو پینے کے لئے دے، یا کوئی اور طریقہ ہے، ہر بانی فرما کر مفصل تحریر فرمادیں،

الجواب، اول اولیٰ ہے اور جائز سب میں۔ ۶ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۴۶)

نہ بودن عدم استجابت دعاء | سوال (۵۵۹) بعض امراض مثل کثرت احتلام و کثرت ریح و ریزش قوی دین مردودیت | اور ماغیہ بالکل مفصل کردہ، آنجناب دعاء کنائیدہ مگر انسوس کہ از شامت اعمال من اثر دعاء ہویدا نگشتہ، و الحال کہ ہمیں حدیث در بیاض مخدوم عبدالواحد سیوستانی کہ یکے از اجلہ علماء ایران و یار بودیدہ یسے مایوس گشتہ ام، الحدیث القدسی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا قی علی الناس زمان یدعو المومن للعامة فیقول اللہ تعالیٰ ادع لخاصة نفسك استجب لك فاما العامة فانی علیهم سخط، رواہ ابو نعیم، انتہی۔ آیا اس حدیث صحیح است!

الجواب، از سیاق عبارت سائل ظاہر میشود کہ عدم استجابت دعاء و حق خود علامت سخط حق پندار است و از ہمیں جا مایوس شدہ پس جوابش اگر حدیث ثابت باشد (کہ بتحقیق سند موقوف ست لم اظفر بہ) آنست کہ در حدیث ریلیے نیست بر انحصار علت عدم استجابت و سخط حق، نظیرش این ست کہ گفتہ شود فلما صلا ثلاث ففاسدة لانك تكلمت فيها بكلام الناس، ظاہر ست کہ مفسدات صلوة دیگر امور نیز ہستند۔ ہمیں سال و در موارد استجابت نیز تعدد ست، بجملة آنها سخط حق است و بجملة آنها خلاف حکمت بودن استجابت ست چنانچہ خود سرکار نبوی در باب دعائے خود کہ متعلق اتفاق امت بود ارشاد فرمودند متعینہا، اکنون بعد جواب تبرئاً بر معنی حدیث مستنبہ می گم چرا کہ احتمال بود کہ کسی از حدیث مانعت دعاء برائے عامہ فہمہ پس ظاہر ست کہ مدلول لفظ محض عدم استجابت ست چنانکہ مقابلہ جملہ فاما العامة الخ بقول استجب قرینہ است بران را اگر کسی این نہی را ذوقاً و راک نہایت پس بعد تسلیم جواب آنست کہ مراد دعائے خاصہ رفع عقوبات دنیویہ است از ایشان یا قضاائے حاجات دنیویہ ایشان کہ آنرا معین اعمال سخط سبب

کہ اس چٹیس دعا، تسبیح ست معاصی یا بعنوان دیگر اُن حاجات منشا منشا معاصی است، یا اُن عقوبات ناشی است ازاں معاصی نہ کہ دعائے اصلاح دین ایشان کہ عین مطلوب شرعی است بدلیل وجوب یا استحباب امر بالمعروف ونہی عن المنکر، قتال حق التال۔

۱۶ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۵۴)

سوال (۵۶۰) یہاں ہم کرایہ پر مکان لے کر رہتے ہیں، اس مکان کی چھت کے قریب شہد کی مکھیوں نے شہد بنایا ہے، یہ شہد کس کی ملک ہے۔ اگر اس کو کرایہ دار اٹار لیوے تو مالک مکان کو دیدے یا خود کھاوے

الجواب، وہ گھرا لے کی ملک ہے اُس کے اذن سے استعمال کرنا جائز ہے۔

فی الهدایۃ المسائل المنشورہ بخلاف ما اذا غسل النخل فی ارضہ (فہو لصاحب الارض فتم) لانہ عد من انزالہ فیملکہ تبعالارضہ کالشجر النابت فیہ والتراب المجمع فی ارضہ لجریان الماء ھ، رجب ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۶۹)

سوال (۵۶۱) زید اپنے ایک جائز مقصد کے پورا ہونے کی ایک عرصہ تک خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، لیکن اس کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا، اس کو خیال ہوتا ہے کہ شاید خدا تعالیٰ کو یہ پسند ہو کہ وہ اپنے اس مقصد کے پورا ہونے کی آرزو کرنا چھوڑ دے یا کم از کم اس مقصد کے پورا ہونے کی دعا کرنے سے باز رہے، اس کے اس خیال کو کسی بزرگ کے اس شعر سے تقویت ہوتی ہے ۵

آرزو بگذار تا رحم آیدش آرزو دم بارہا کیں بایدش

بخلاف اس کے جب ارشاد خداوندی اَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کا خیال اس کو آتا ہے تو وہ اسی کو بہتر اور اسی کو حصول مقصد کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہے کہ حسب دستور اپنے مقصد کے لئے دعا کرتا رہے، ایسی حالت میں برائے خدا آنحضرت رائے عالی سے مطلع فرما دیں کہ زید کو کیا کرنا چاہئے، ترک دعا یا دعا کو جاری رکھنا

جواب، آرزو ترجمہ تمنا کا ہے، سوال یا دعا کا نہیں، پس اس شعر کا مضمون مراد ہے مضمون آیت لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ کا اور منافی نہیں ادعونی کا چنانچہ خود بھی عن التمنّا کے بعد بھی واسم اللہ میں دعا کا امر ہے، اور یہ علم منافات دونوں آیت کی تفسیر جاننے والے پر پوشیدہ نہیں اور اگر آرزو کو مجازاً بمعنی دعا ہی لے لیا جاوے تو مراد وہ دعا ہوگی

جس میں تسلیم و تقویٰ نہیں ہو، تب بھی منافات نہ ہوتی اور ہر حال میں جب اس خیال کی پستی نہ ہو، مستحکم ہے تو دعا کو جاری رکھنا چاہئے، بشرطیکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو۔

۴۔ رمضان ۱۴۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۹۴)

تیسری رکوع دوم سورہ واقعہ | سوال (۵۶۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سورہ واقعہ کا دوسرا رکوع کہاں سے شروع ہوا ہے، ثلثہ من الاولین سے شروع ہوا ہے یا واصحاب الشمال سے شروع ہوا ہے

الجواب ۱۔ صاحب رکوعیہ میں ثلثہ سے شروع ہوا ہے، مگر مضمون کے اعتبار سے واصحاب الشمال سے مناسب ہے، اور میرا بھی معمول یہی عمل اخیر ہے، اور چونکہ یہ رکوعات ائمہ اربعہ سے منقول نہیں اسلئے اتنا اجتہاد ان میں ناجائز نہیں۔ چنانچہ بعض مصاحف میں یہ رکوع بھی نہیں لکھے گئے صرف خاص خاص مواقع پر لفظ مقرا لکھا ہوا ہے، اسلئے ان کو اجماعی بھی نہ کہا جاوے گا جس کا اتباع واجب ہو۔ اور اگر علی سبیل التنزل وجوب کو بھی مان لیا جاوے تو کتابت میں وجوب ہوگا نہ کہ رکعت ختم کرنے میں۔ غیر رکوع پر رکعت ختم کرنا بلا نیکر تمام اُمت کا معمول ہو پس اس کے جواز میں کچھ شبہ نہیں۔ ۲۔ سوال ۱۴۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۱۱)

تطبيق برميان حديث سوال | سوال (۵۶۳) قربات عند اللہ میں یہ دعا ہو کہ اللہم اے عینی مسکینا مسکنت و حدیث استعاذہ ازل اور تعوذات میں یہ ہو کہ اللہم اے اعوذ بک من المسکنة اور ایک مقام میں ہے اللہم اجعل اوامر رزقک علی عند کبر سنی الخ ان عبارتوں کے درمیان بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، پڑھنے کے وقت کس طور پر تطبیق دے کر پڑھنا چاہئے۔

الجواب ۱۔ مال کی مسکنت درجہ ضیق تک قابل تعوذ ہے اور طبیعت کی مسکنت اور اس طرح حد طغیان تک مال کی کثرت نہ ہونا یہ مطلوب ہے۔ ۲۔ سوال ۱۴۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۱۳) رفع شبہ در حدیث اللہم احسن خلقی | سوال (۵۶۴) قربات میں ہے، اللہم احسن خلقی فاحسن خلقی فاحسن خلقی اگر آدمی بد صورت خواند تو جس کی خلقت قبیح ہو کیا وہ بھی ایسا ہی کہے؟

الجواب ۱۔ حسن و قبح اضافی ہو، بد شکل آدمی اپنی اپنی نوع میں قبیح ہو مگر دوسرے انواع میں حسن ہے۔ احسن خلقی کہے ہی معنی ہیں، کما قال اللہ تعالیٰ فاحسن صورہ و قال تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویر۔ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۱۶)

تحقیق ہزار معنی و فن شدن او بامیت بذریعہ | سوال (۵۶۵) احقر کو ایک شبہ ہو کہ اعمال قرآنی

حصہ اول مطبوعہ قاسمی دیوبند صفحہ ۷۰۷ پر آیت منها خلقنکم و فیہا نعیدکم و منها نخرجکم
تاسعہ اخوی کی خاصیت مشائخ سے منقول ہے کہ اگر میت پر دفن کے وقت تین بار اس آیت
کو پڑھ کر مٹی دیوے تو اس کا ہمزاد شیطان بھی اس کے ساتھ دفن ہو جاوے گا اور
اس عبارت میں ہمزاد کا کیا مطلب ہے۔ میری فہم ناقص میں تو اس کا متبادر بین العوام و
العوائل مطلب وہی سمجھ میں آتا ہے جو کہ مشہور ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے
جس کو ہمزاد کہتے ہیں، کہ ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی مرتا ہے اور زندہ گی بھر ہر وقت ساتھ
رہتا ہے اور عال لوگ اس کو تالاج کرنے کے لئے عملیات کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ساتھ
مرتا نہیں ہے۔ اور دوسروں کو مستاتا ہے، جیسا کہ عوام میں بعض کا یہی خیال ہے، تو پھر بدوین فرے
دفن کرنا کیسا، اور اگر ساتھ ہی مرتا ہے تو میت کے ساتھ ہی دفن کرنے کی کیا ضرورت و غرض کیا
میت سے علیٰ ہ دفن ہو گیا ہو تو کچھ نقصان ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق اگر کوئی روایت معلوم ہو اور
اس کا حسیقہ رثوت اور حسیقہ انکار محقق ہو اس سے مطلع فرمادیں اور عبارت مذکورہ بالا اعمال
قرآنی کی توفیح بھی فرمادیں۔ احقر کا مبلغ علم تو اس قدر ہے کہ مشکوٰۃ شریف باب الوصیہ
فصل اول میں حدیث ہے:-

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما منكم من احد الا وقد
وكل به قرينه من الجن وقرينه من الملائكة الحديث،
اس سے تو ہمزاد وہم مرد کچھ نہیں معلوم ہوتا، اور کسی دوسری روایت کی مجھ کو خبر نہیں،
ایک شخص نے اعمال قرآنی کی عبارت مذکورہ دکھا کر مجھ کو بھی شبہ میں ڈال دیا، اسلئے عرض کیا گیا۔
اگر سوالات زیادہ مختلط ہونے کی وجہ سے اس کا جواب دینا خلاف مصلحت اور طبیعت پر گراں ہو تو
اس شبہ کے جواب کو رہنے دیں، پھر کسی دوسرے وقت دریافت کر لوں گا۔
الجواب۔ یہ کوئی روایت حدیث کی نہیں، بعض بزرگوں سے منقول تھا لکھ دیا۔ واقع میں
یہ عبارت محتاج توفیح ہے، در نہ ایہام کا احتمال ہے۔ اجزاء توفیح کے یہ ہیں:-
(۱) کسی حجت سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

(۲) ہمزاد سے مراد یہ نہیں کہ اس کو ساتھ اس کی ماں کے پیٹ سے پیدا ہو، بلکہ انسان کے
مقابلہ میں ایک شیطان بھی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے جو مرنے تک اس کا مشارک ہے
اسی بنا پر اس کو ہمزاد کہہ دیا، نہ محل میں مشارک ہے نہ زمان تو لہ میں۔

(۳) مرنے میں مشارکت کہیں منقول نہیں، تو انسان کے مرنے کے بعد وہ اور کسی پر مسلط ہو جاتا ہے تو اس خاصیت کا حاصل یہ ہے کہ اس کی برکت سے وہ مسجون ہو جاتا ہے جیسے برکات رمضان میں مروی ہے صفدت الشیاطین، اور طریق ثبوت اس کا محض کشف ہے جس کی نہ تصدیق واجب ہے نہ تکذیب۔ اور چونکہ ثبوت اس کا اس ضعیف درجہ میں ہے اسلئے میری رائے یہ ہے کہ اگر یہ توضیح ساتھ نہ ہو تو اس مضمون کا چھینا مناسب نہیں، کہ عوام کے لئے موہم غلطی کا ہے۔

۱۵ محرم ۱۳۲۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۱۷)

بے اصل بودن محل برائے سوال (۵۶۶) عشرہ محرم میں کلام نجی کو سجا کر نکالتے ہیں اور اسکے نیچے ہو کر نکلتے برآمدن مصحف و عشرہ محرم میں اور چومتے ہیں اور سر سے لگاتے ہیں اور آگے تا شا بختا ہے بکریا درست ہے یا نہیں مفصل حالات سے مطلع فرمائیے گا۔

الجواب۔ بالکل بے اصل ہے۔ ۲۳ محرم ۱۳۲۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۲۰)

معنی حدیث نیت المؤمن خیر من عملہ سوال (۵۶۷) نیت المؤمن خیر من عملہ، ثنوی معنوی سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ہے ؟

الجواب، اگر اس میں ہے تو اس میں ہونا حجت نہیں جب تک سند نہ ہو۔ (تمتہ خامسہ ص ۳۲۱)

سوال۔ بر تقدیر ثبوت اس حدیث کا کیا مطلب ہے ؟

الجواب۔ نیت المؤمن بدون العمل خیر من عملہ بدون النیۃ۔

۲۳ محرم ۱۳۲۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۲۱)

حرمت جبر بر خیرہ سوال (۵۶۸) اگر کسی محلہ کی مسجد میں مؤذن کی خوراک وغیرہ کے لئے کچھ لوگ محلہ کے چندہ دیتے ہیں اور کچھ مسلمانوں کو دینے سے انکار ہے تو ایسی حالت میں زمیندار مالک محلہ اگر بجز ان کو چندہ میں شریک کرے تو جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب۔ نہیں۔ (تمتہ خامسہ ص ۳۲۱)

تطبیت در میان ماثورہ بودن تعوذ سوال (۵۶۹) کتاب مناجات مقبول میں جن موقعوں سے پناہ مانگی از بعض امور وہ بود کہ موجب غلبت گئی ہے، مثلاً کسی سواری سے گر کر مر جانے اور سانپ کے کاٹنے اور دزدے سے، آگ میں بہ جانے سے، اور مرض جزام سے، اور پانی میں ڈوب مرنے وغیرہ وغیرہ سے، مگر بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ ان ہی باتوں میں سے بعض میں درجہ شہادت پانے کا لکھا ہے۔ بلکہ جناب نے شوق وطن میں تحریر فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی کا مرتبہ بڑھانا منظور ہوتا ہے، تو کسی جسمانی

مرض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور شوقِ وطن میں کسی بزرگ کی ایک حکایت لکھی ہے کہ مرض طاعون کے خوف سے بستی والوں کو جب بھاگتے دیکھا تو بزرگ صاحب نے کہا کہ اے طاعون ہم کو لے لے۔ مناجات مقبول میں جب ان باتوں سے پناہ مانگی گئی ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول کر لیا تو پھر صحنہ والا گویا رتبہ شہادت سے محروم رہا۔

الجواب، ان اسباب موت میں دو حیثیتیں ہیں بعض حالتوں میں بلا اور بعض حالتوں میں نہایت تو پناہ مانگنا پہلی حیثیت سے ہے۔ اگر یہ دعائیں قبول ہو جائیں تو یہ حوادث پہلی حیثیت سے واقع نہ ہونگی گو دوسری حیثیت سے ہو جائیں۔ اسی طرح طاعون میں بھی، بلکہ خود قتل میں بھی کہ شہادت کبریٰ کا سبب ہے، تمنا بھی آئی ہے وددت ان اقل فی سبیل اللہ اور پناہ بھی آئی ہے لا تسلط علینا من لا یوحنا اور اعدوہ بلک از اظلم او اظلم معروف و مجهول۔ ۶ صفر ۱۳۴۳ھ (تمہ خامسہ ص ۳۲۲) حکم مانعیت کردن از تعلیم زبان اردو | سوال (۵۰۱) ہمارے ملک برہما میں کثیر التعداد مسلمان آباد ہیں چونکہ اس ملک میں سرکاری علم (یعنی انگریزی) برہمی زبان سے سکھائی جاتی ہے۔ اور برہما زبان کے سیکھنے والوں کی حالت مسلمانی حیثیت سے ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے چنانچہ جو مسلمان برہمی زبان کے وسیلہ سے انگریزی سیکھ کر بڑے بڑے عہدوں کے فائز المرام ہوئے ہیں ان کو عموماً باعتبار لباس و طور طریق کے قوم برہما سے امتیاز کرنا از بس دشوار ہو جاتا ہے۔ اکثر نماز پجگانہ اور روزہ رمضان سے کچھ سروکار نہیں رکھتے ہیں، مسلمانوں کے ساتھ جمعہ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ہیں۔ قوم برہما کے ساتھ کھانے پینے میں پرہیز کم کرتے ہیں اسلئے عامہ مسلمین اپنے بچوں کو برہما زبان سکھانے سے محترز رہ گئے۔ اب قریب تیس برس سے مسلمانوں نے سرکار گورنمنٹ سے بہت منت و سماجت کے ساتھ اپنے بچوں کی تعلیم اردو کے لئے امداد کی درخواست کی، چنانچہ اس وقت سرکاری مدد سے بالخصوص مسلمانوں کے واسطے مدارس اردو جا بجا قائم ہوئے، اور مدرسوں کو تنخواہ سے لے کر لے تک درجہ بدرجہ منجانب سرکار شرف رہی۔ ان مدارس میں مسلمانوں کے لڑکے لڑکیاں دینیات میں قرآن شریف اور صوم و صلوة کے مسائل، دنیوی کارروائی کے واسطے حساب، جغرافیہ، سبق الاشیاء اور اردو کی تکمیل کے واسطے قریب فارسی بھی سیکھتے ہیں، اس وقت مسلمانوں نے اردو علم کو جبکہ دینی و دنیوی دونوں مفاد کیلئے متکفل سمجھ کر اس کی طرف زیادہ توجہ منحطف کی ہے ایک مسلمان جو برہمی زبان سے انگریزی بی اے تک پاس کئے ہوئے ہے اور برہما بستی کے ان رائے مندروں کے نعل میں برہما کے قومی اسکول میں برہما زبان سے انگریزی پڑھانے کے عہدہ ماسٹری

سرفراز ہے، وہ اردو کی خدمت اور اردو دانوں کی ہتک و حرمت کو بذریعہ اخبار شائع کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مسٹر عین الدین اور مسٹر قادر مرحوم نے تعلیمی سرشتہ میں رہ کر مدت دراز کے تجربوں سے اردو کی برائیاں پہلے سے دیکھی تھیں۔ اور اس گمراہ خیال (تعلیم اردو) کی مخالفت میں سخت کوششیں بھی کیں، جس کے صلہ میں وہ ہمارے ادب و فکر کا حق ہے۔ اردو پڑھانے والے مولویوں کے حق میں وہ لکھتا ہے کہ مولوی لوگ بچوں کو عربی پڑھاتے تھے جیسے پھونگی چاؤں میں پھونگی لوگ مفت پڑھاتے ہیں، ان مولویوں کو ماہواری تنخواہ کے وعدے سے دام فریب میں پھنسا یا گیا۔ بیچارے مولویوں نے کانٹے کا شبہ نہ کر کے چارہ پر نظر جمائی، اور مسٹر بی اے اپنی تقریر میں اردو کے نقصان کو ناقابل ترمیم بنا کر تحریر کرتے ہیں کہ اردو میں کھوکھلا پن ملا اور اردو دل فریب بے مغز کیلا ہے۔ اور اردو دانوں کے حق میں دھوبی کے کتے کی بابت جو مشہور کہاوت ہے (نہ گھاٹ کا بنے نہ گھر کا) پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اردو دانوں نے پانی کے اندے کے سایہ کو پکڑنے کی کوشش میں اپنے منہ کی چیز بھی کھو ڈالی (جو شاید کسی گتے یا بندر کی کہانی ہے) ایک مولوی صاحب جو ڈسٹرکٹ کونسل کے ممبر ہیں، انھوں نے کارروائی کو نسل کو اردو میں ترجمہ کرنے کی درخواست کونسل میں پیش کی تھی، اس درخواست کی نامنتظوری پر غلیں بجاتے ہوئے مسٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اس کی درخواست بالائے طاق رکھ دی گئی۔ شاید کونسل نے یہ بہت ٹھیک کام کیا ہے۔

اس طرح سے مسٹر موصوف کی تقریروں کی ہر رگ ریشہ میں اردو کی استہزار و استحقاف مستحق ظاہر ہوتے ہیں حتیٰ کہ مسٹر موصوف مسلمانوں کو اپنی تقریر کے خاتمہ پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ اردو ہمارے واسطے ٹھیک علم نہیں ہے اسلئے ہمیں اردو کا خاتمہ کر دینا چاہئے، کیونکہ وہ ہمارے لئے ضرر رساں ہے، فی الحال ہمارا یہ فرض ہونا چاہئے کہ ان کی حالت کو سدھاریں اور آیہ الی نسل کو اس غلطی میں گزرنے سے روکیں۔ لہذا اردو کی بہت افزائی نہ کرنا چاہئے اور حتی الامکان موجودہ اردو اسکولوں کو بند کر دینا چاہئے۔

ہم اکثر بلکہ ہر سبیل تغلب کل مسلمانان ہما آپ پر اعتقاد رکھتے ہیں اور آپ کو شریعت اور طریقت کا مقتدا مانتے ہیں، آپ کا جواب بالفرض اس شخص خاص پر کوئی تاثیر بھی نہ کرے مگر عام مسلمانین پر بایں اثر دکھائے گا، لہذا حضور پر نور کی خدمت شریف میں عرض ہے کہ مسٹر موصوف کی تقریر مذکورہ بالا استہزار بالذین، استحقاف بالذین اور استحقاف بالذین ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اول از روئے

شرع شریف اُن پر کیا حکم مایہ ہو سکتا ہے۔ بینوا تو جبروا۔

الجواب، روی القومذی عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلا هذه الآية وان تتولوا يستبدل قوما غيركم ثم لا يكونوا امثالكم، قالوا يا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من هؤلاء الذين ذكر الله ان تولينا استبدلوا بنا ثم لا يكونوا امثالنا فصر ب علی فخذ سلمان الفارسی ثم قال هذا وقومه ولو كان الدين عند الثريا لتناولہ رجال من الفرس اھ وفي الدر المختار كما صح (الشرح ۶ فی الصلوٰۃ) لو شرع بغير عربیۃ ای لسان کان ونحصہ البروعی بالفارسیۃ لمزیتہا للحديث لسان اهل الجنة العربیۃ والفارسیۃ الدریۃ بتشدید الراء فی قہستانی اھ۔

قرآن مجید سے بواسطہ تفسیر مرفوع اور حدیث سے بلا واسطہ فضیلت علمائے فارس کی اور زوات فقہیہ سے فضیلت زبان فارسی کی صاف ظاہر ہے، اور مشاہد ہے کہ علمائے فارس کا عظیم المقدار ذخیرہ علم دینی جو کہ بنا رہے فضیلت ادبی کی زبان فارسی میں موجود ہے، تو اس سے بھی اس واسطہ سے زبان فارسی کی فضیلت مفہوم ہوتی اور امام بروعی ومن دانقہ من العلماء کی تصریح سے معلوم ہوا کہ عربی کے بعد ائمہ اسلام کی ایک جماعت کے نزدیک درجہ فارسی کا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ فارسی اور اردو اپنے مادہ کے اعتبار سے بالکل متقارب ہیں، گویا کہ وہ فارسی ہی سے متعین ہے دونوں میں صرف روابط و مصادر اور قلیل لغات ہی کا تفاوت ہے، چنانچہ اصل بانی اردو کے وہی لوگ ہیں جن کی زبان فارسی تھی، صرف بعض اتباع کی رعایت سے بعض لغات دوسری زبان کے مغلوب طور پر اس میں داخل کرنا گوارا کر لیا بلکہ عربی لغات اردو میں اصلی زبان فارسی سے بھی زیادہ مستعمل ہیں، تو اسی بنا پر اردو عربی اور فارسی ہی کے توابع و لواحق سے ہے۔ اور تابع و لاحق بحکم متبوع و ملحق بہ ہوتا ہے۔ پس فارسی کی سی فضیلت اور ترجیح دوسری زبانوں پر اردو کو بھی حاصل ہوگی۔ پس ایسی زبان کی مذمت کرنا قواعد شرعیہ کی رو سے نہایت مستقیم اور مستنکر ہے۔ اور اگر علی سبیل التنزل اس تفاضل سے قطع نظر کر کے سب السنہ کی تساوی ہی تسلیم کر لیجاوے تو وہ تساوی صرف فی نفسہ ہوگی نہ کہ مطلقاً، کیونکہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ ہمارے ملک ہند میں بعد عربی کے علوم دینیہ کا ذخیرہ جس قدر فارسی اور اردو میں ہے کسی اور زبان میں نہیں خصوصاً انگریزی اور برہمی میں تو ہے ہی نہیں۔

اس اعتبار سے فارسی اور اردو کو دوسری زیر بحث زبانوں پر شرعی طور پر فوقیت

حاصل ہوگی، اور چونکہ علوم دینیہ بلا کام مطلوب ہیں اور مقدمہ مطلوب کا سمعاً و عقلاً مطلوب ہوتا ہے اس لئے غیر فارغ للتحریہ کو اردو و فارسی میں مناسبت پیدا کرنا شرعاً مطلوب ہوگا۔ و لو غیرہ پس اس حالت میں اس کی تحصیل جہاں دوسرا سہل ذریعہ علوم دینیہ کے سہل ہونے کا مفقود ہے ضروری ہے اور اس سے مزاحمت کرنا مقصود شرعی کی مزاحمت ہے۔ نیز اردو و فارسی جاننے والوں میں صلحاء کثرت سے پائے جاتے ہیں اور انگریزی و برہمی جاننے والوں میں اتنی کثرت نہیں۔ اردو و فارسی میں مشغول ہونے والے کو آسانی سے صحبت صلحاء کی میسر ہو سکتی ہے۔ بخلاف انگریزی و برہمی کے اور جس طرح مقدمہ مطلوب کا مطلوب ہے اسی طرح مقدمہ متروک کا شرعاً متروک ہے اس حیثیت سے بھی اردو فارسی میں محمودیت و مطلوبیت اور انگریزی و برہمی میں مذمومیت و متروکیت کی صفت ثابت ہوگی۔ اور اس بحث میں احقر کا رسالہ تحقیق تعلیم انگریزی قابل مطالعہ ہے۔ باقی دینیوی یا دینی ضرورتیں ہر حال میں مستثنیٰ ہیں۔ اشرف علی، ۲۲ صفر ۱۳۳۳ھ۔

اکمل لادیان فاسرہل اللسان

در توضیح و تسہیل جواب بالا از مفتی عبدالواحد صاحب

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

صوبہ برہما سے ایک برہمی مسلمان کے متعلق جو ایک سوال آیا تھا کہ وہ اس صوبہ میں اردو زبان کی تعلیم کو بند کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس سلسلہ میں اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے اس نے اسلام اور مسلمانوں کے مولویوں کی توہین کا بھی ارتکاب کیا ہے، لہذا دریافت کیا گیا ہے کہ شخص مذکور کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت اقدس حکیم الامتہ مجید الوقت مولانا شاہ اشرف علی صفا تھانوی ادام اللہ فیوضہ العالی نے حنفی حوالہ قلم فرمایا ہے وہ ہر طرح حق اور واجب الاتباع ہے۔ صوبہ برہما ہندوستان کا ایک حصہ ہے اور وہاں مسلمان بکثرت آباد ہیں جو اردو زبان کو اپنی قومی زبان سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ دوسرے کونسل کی روئداد تک کو اردو زبان میں شائع کرانے کے لئے کوشاں ہیں، ایسی صورت میں اس برہمی مسلمان کا فعل شرعی حیثیت سے تو نہایت کبیح اور منکر ہے ہی جیسا کہ حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا ہے، اقتصادی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے لئے مفرت رساں ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کی قومی زبان کی تعلیم بند کرانے کا مفہوم سوائے اس کے

اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ قومی حیثیت سے اس حصہ ملک میں مسلمانوں کی کوئی بھی وقعت نہیں ہے حالانکہ صوبہ مذکور میں بفضلہ تعالیٰ مسلمان ایسے ہی صاحب ثروت ہیں جیسے ہندوستان کے دوسرے حصص میں، بلکہ بعض مسلمان تاجر تو اس حیثیت کے وہاں موجود ہیں جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں پائے بھی نہیں جاتے، ایسی صورت میں اس صوبہ میں اردو زبان کی تعلیم کا بند کیا جانا مسلمانوں کی بہت بڑی حق تلفی اور توہین ہے معلوم نہیں کہ وہ برہمنی مسلمان کس قماش کا ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے پیروں میں کھارڑی مار رہا ہے۔

یہ سمجھ ہے کہ اس نے برہمنی زبان کے ذریعہ انگریزی زبان میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی ہے اور ایک برہمنی قومی اسکول میں ماسٹر ہو گیا ہے اور اس پاس نمک ہی کی وجہ سے وہ بجائے اردو کے برہمنی زبان کی حمایت کر رہا ہے، لیکن اپنے اس تھوڑے سے نفع کی وجہ سے اپنے قومی مفاد کو نظر انداز کر دینا ایک تعلیم یافتہ گریجویٹ سے بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے، کیا اعلیٰ تعلیم کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے کہ اپنی قومی حیثیت اور اسلامی وقعت کو مٹا دیا جائے، ایسے لوگ اگر تعلیم ہی نہ پاتے تو بہتر تھا۔ اسلئے کہ اگر برہمنی کا کوئی بدہشت ایسی نامعقول حرکت کا مرتکب ہوتا تو اس کو یہ کہہ کر خاموش کیا جاسکتا تھا کہ وہ غیر قوم کا آدمی ہے، اس کو مسلمانوں کے خلاف کچھ کہنے کی جرات نہیں کرنی چاہیے لیکن یہ شخص مسلمان ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہا ہے، لہذا اس کی مثال ایسے پامرد ہاتھی کی سی ہے جو اپنی ہی فوج پر حملہ کر دیتا ہے۔ برہمنی کے تمام مسلمانوں کو اس شخص کی تحریروں اور تقویروں پر اظہار نفرت کرنا چاہئے اور یوں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شخص ان کی جماعت ہی سے الگ ہے۔ جب تک وہ اپنی اس نامعقول حرکت سے باز نہ آئے اور مسلمانوں کی قومی زبان کی مخالفت پر بدستور مصر ہے۔

مسلمانوں کو اپنی قومیت قائم رکھنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ انگریزی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم سے بھی پرہیز نہ کریں، اگر وہ مذہبی تعلیم سے بالکل بے پرہیز رہیں گے تو ان کی قومیت کا شیرازہ ہرگز قائم نہیں رہ سکتا، اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم سوائے اردو زبان کے ہندوستان کے کسی دوسری حصہ کی مروجہ زبان میں نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ جن حصص ملک میں ہندی، گجراتی، دکنی، بنگلہ وغیرہ زبانیں بولی جاتی ہیں، وہاں مسلمانوں کے بچوں کو ہندوستان کی اسی عام زبان میں جسکو اردو کہتے ہیں مذہبی اور بقدر ضرورت دنیاوی تعلیم دی جا رہی ہے اور چونکہ حکام وقت نے بھی اپنی ضروریات پر لحاظ کر کے

مذہبی تعلیم کا دیا جانا ضروری سمجھ لیا ہے اور اسلئے اردو داں استادوں کی جگہ جملہ ماہرین سرکاری میں رکھی جاتی ہے جس پر علی العموم مسلمان ہی مقرر ہوئے ہیں۔ اگر برہمن مسلمانوں کے اس نادان دوست کی تقریر پر خدا نخواستہ عمل ہو تو ہندوستان بھر کے مدارس میں سے مسلمان استادوں کو یک لخت الگ ہونا پڑے جو مسلمانوں کے لئے ایک دوسرا نقصان ہے جسکی تلافی اس برہمن مسلمان کے کسی برہمن قومی اسکول میں ٹیچر ہو جانے سے نہیں ہو سکتی، کیا اسکی تنخواہ اس قدر ہے کہ وہ ان مسلمان استادوں کی تنخواہوں کی برابر ہو سکے جو ہندوستان بھر کے سرکاری مدارس میں مسلمان بچوں کو مذہبی تعلیم دیتے ہیں۔ اردو زبان کے جو عیوب اس برہمن بی، اے نے بیان کئے ہیں ان کی کیفیت یہ ہے:-

(۱) پہلے مولوی لوگ بچوں کو مفت عربی پڑھاتے تھے، اب انکو ماہواری تنخواہ کے وعدے دام فریب میں پھنسا یا گیا، اور انہوں نے کانٹے کا شبہ نہ کر کے چارے پر نظر جمائی۔ اس میں بظاہر اردو کا کوئی بھی قصور معلوم نہیں ہوتا، نہ یہ امر قیاس آسکتا ہے کہ اردو پڑھانے کیلئے اس صوبہ کے تمام مولوی تنخواہ دار ہو گئے ہوں اور اس وجہ سے عربی کی مفت تعلیم بالکل بند ہو گئی ہو، بلکہ سرکاری مدرسوں میں اردو کی تعلیم جاری رہنے سے یقیناً اسلامی اعلیٰ تعلیم کا شوق پیدا ہوگا اور وہ فکر معاش سے فارغ ہو کر اپنے قومی مدرسے کھولیں گے، جس میں عربی زبان پڑھائی جائے گی اور ہندوستان کی طرح اس صوبہ میں بھی علمائے اسلام نظر آنے لگیں گے۔

(۲) اردو زبان میں کھوکھلا پن ظاہر ہے، مگر یہ نہیں بتایا کہ برہمن زبان اردو کے مقابلہ میں ٹھوس اور بھاری ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اردو زبان میں عبارت بہت لمبی چوڑی ہوتی ہے اور مطلب کم، تو یہ بالکل غلط ہے، اسلئے کہ دنیا بھر کی کل زبانیں (فارسی عربی اور ترکی کے سوا) مختصر نویسی اور تھوڑی عبارت میں زیادہ مطلب ظاہر کرنے میں اردو زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، پھر اسکو کھوکھلا بتانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

(۳) اردو زبان کو دفریب بے مغز کیا بتانا بھی غلط ہے۔ اسلئے کہ جو کیلا بے مغز ہوتا ہو وہ شیریں نہیں ہو سکتا، اور اردو ایسی شیریں زبان ہے کہ جو ہندوستان کے تمام صوبوں میں پسند کی جاتی ہے اور سب جگہ اس کے بولتے اور سمجھنے والے موجود ہونے کی وجہ سے اسی کو ہندوستان کی عاز زبان کہا جاتا ہے۔

(۴) اردو دانوں کو دھوبی کا کتا بتانا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ مثل ایسے شخص کے لئے استعمال

کی جاتی ہو جو نکما ہو مگر یہ بات نہیں۔ اردو پڑھنے سے اول تو مسلمانوں کے بچے اپنی مذہبی باتوں سے واقف ہو کر بچے مسلمان بن جاتے ہیں، جو ایک بہت بڑی دولت ہے، اور قومی حیثیت قائم اور مضبوط رہنے سے مسلمانوں کی قومیت کے لئے بالضرورت نافع ہو، برہمن یا کسی دوسری زبان کے سیکھنے سے یہ بات ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اس برہمنی مسلمان کی طرح مذہبی امور سے جاہل رہ کر اپنی قوم ہی کے لئے ضرر رساں بن جائے گا اندیشہ ہو، اور ایسا شخص جو مذہب سے ناواقف یا لامذہب ہو گورنمنٹ کے لئے بھی مفید ثابت نہیں ہوتا، بلکہ بہت سی خرابیوں کا باعث ہوتا ہے جن کی بنا پر گورنمنٹ نے سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم کی ضرورت کو محسوس کیا ہے، دوسرے اردو داں اشخاص بالکل بیکار ہی نہیں رہتے بلکہ اس برہمنی مسلمان سے جس نے اردو نہیں پڑھی زیادہ معاش پیدا کر سکتے ہیں اور اپنی قوم کو نفع پہنچاتے ہیں، یہ اور بھی مفید کام ہے، جو اردو نہ جاننے والے شخص نہیں کر سکتے۔

(۵) اردو دانوں پر یہ مثل بھی صادق نہیں آسکتی کہ انھوں نے پانی کے اندر کے سایہ کو پکڑنے کی کوشش میں اپنے منہ کی چیز بھی کھو ڈالی، جیسا کہ اوپر درج ہوا، مسلمان اپنی مذہبی ضرورتوں سے واقف ہو جاتے ہیں جو برہمنی سیکھنے سے ہرگز واقف نہیں ہو سکتے تھے، اور اس کے علاوہ معاش پیدا کرنے میں بھی اس برہمنی مسلمان سے جو برہمنی قومی اسکول میں غیر قوم والوں کا نمک خوار بنا ہے پیچھے نہیں رہتے، لہذا یہ طعن اس کا بالکل فضول اور عقل کے خلاف ہے۔

(۶) کارروائی کو نسل کا ترجمہ اردو میں کیا جانا منظور نہ ہونے پر اس برہمنی مسلمان کا خوش ہونا بھی اسکی نا فہمی کی دلیل ہے، کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس نقصان میں وہ خود بھی شریک ہے، اسکے علاوہ کو نسل میں کسی درخواست کا ایک دفعہ نام منظور ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ سوال اُندہ کبھی نہیں اُٹھ سکے گا، بلکہ ایسی ذمائیہاں جو کسی قوم کی جانب سے ہوں بار بار پیش ہو سکتی ہیں، اور آخر کار منظور ہو کر رہتی ہیں، اسلئے امید ہے کہ مسلمان ممبر صاحب پھر یہ تحریک پیش کریں گے، اور ضرور منظور ہوگی، اسلئے کہ مسلمانوں کی تعداد اس صوبہ میں اتنی کم نہیں کہ ان کی درخواستوں پر لحاظ نہ ہو۔

بہر حال اس برہمنی مسلمان کی یہ کارروائی نہایت ہی افسوسناک ہے، مذہبی حیثیت سے وہ ایک ایسے گناہ کا مرتکب ہوا ہے جو نہایت ہی قبیح اور منکر ہے، جیسا کہ حضرت اقدس کے فتوے سے ظاہر ہوگا، اور قومی حیثیت سے اس کو مسلمانوں کا نادان دوست کہا جاسکتا ہے جو اسلام کے دشمنوں کی خدمت انجام دے رہا ہے، اور اس کے نتیجہ سے جو اسکے لئے بھی مضرت رساں ہے

بالکل بے خبر ہے، لہذا وہ سرے مسلمانانِ صوبہ برہما کا فرض ہے کہ اس کی برادرانہ طریقہ پر فہمائش کریں اور جب تک وہ اس ناجائز حرکت سے باز نہ آجائے یہ سمجھ لیا جائے کہ گویا وہ قومی جماعت سے باہر ہے، اور اس کے مقابلہ میں ایسی کوشش کریں کہ صوبہ برہما میں مسلمانوں کے قومی مفاد کو نقصان نہ پہنچ سکے، بلکہ اس سرگرمی سے اردو زبان کی حمایت کی جائے کہ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کی حق تلفی نہ کرنے پائیں۔ کتبہ محمد عبدالواحد فاروقی تھانوی (تمتہ خامسہ ص ۳۲۴)

تحقیق حدیث تواتر جناب | سوال (۵۱۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم، نجمہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، کیا فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، | ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ نے کبھی کسی جلسہ میں جس میں ایک سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی موجود تھے، ان میں سے کسی شخص نے کچھ اشعار پڑھے جس سے حضور کو توجہ ہوا، اور ردائے مبارک جسم اقدس سے گر گئی، اور وہ ردائے مبارک ٹشو ٹکڑوں میں پھاڑی گئی اور سو موجودہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ایک ٹکڑا تقسیم کر لیا، بینواتو جبروا،

الجواب، عوارف المعارف باب خامس و عشرين فی القول فی السماع تاویلاً و اعتباراً کے اخیر میں یہ روایت کسی قدر تغیر کے ساتھ موجود ہے۔ پھر اس کو نقل کر کے شیخ نے یہ فرمایا ہے:-

فهذا الحديث اوردناه مسنداً كما سمعناه و وجدناه وقد تكلم في صحته اصحاب الحديث و ما وجدنا شيئاً نقل عن رسول الله صلى الله عليه وسلم يشاكل وجداهل الزمان و سماعهم و اجتماعهم و هيئتهم الا هذا و ما احسنه من حجة للصوفية و اهل الزمان في سماعهم و تمزيقهم الخرق و قسمتها ان لو صح و الله اعلم و يحتاج لسري انه غير صحيح و لما وجد في ذوق اجتماع النبي صلى الله عليه وسلم مع اصحابه و ما كانوا يتمدونه على ما بلغنا في هذا الحديث و يابى القلب قبوله و الله اعلم بذلك،

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ محدثین بھی اس روایت کو ثابت نہیں کہتے، اور حضرت شیخ بھی غیر صحیح فرماتے ہیں، اور اپنی شہادتِ قلب سے عدمِ صحت کی تائید کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں اس سے احتجاج کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ ۱۵ ربيع الثانی ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۶۰) علت نہ مرنے کا حق تعالیٰ | سوال (۵۱۲) خدا تعالیٰ جل شانہ نظر کیوں نہیں آتا، کیا وجہ ہے، اگر کہا جاوے کہ مرنے کا حق تعالیٰ اس کی ذاتی صفت ہے چونکہ رویت کے لئے جہت مکان تحت فوق وغیرہ لازم ہے چونکہ حق تعالیٰ ان امور سے منزہ ہے، اس لئے مرنے کیوں نہیں ہو سکتا، اس پر یہ کہا جاتا

کہ اسی قاعدہ کے لحاظ سے دیگر موجودات مثلاً روح، ملائکہ، بُو، مزہ وغیرہ مرئی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کو بھی جہت مکان جسم وغیرہ نہیں ہے تو جیسا کہ حق تعالیٰ میں مرئی نہ ہونے کی صفت موجود ہے علیٰ ہذا بعض مخلوق میں بھی وہی صفت موجود ہوگی جیسا امتناع رویت واجب کا خاصہ ہے، ایسا امتناع رویت ممکن کا خاصہ ہو جائیگا۔ جب یہ بات جائز ہوئی تو خالق و مخلوق کا خاصہ و صفت ایک ہو جاوے گی حالانکہ یہ خلاف عقائد و صریح البطلان ہے، اگر کہا جاوے کہ اکثر صوفیائے کرام نے روح، ملائکہ کو ملاحظہ کیا ہے، اُن کی رویت محال نہیں ہے۔ پھر یہاں یہ خدشہ ہوگا کہ جس میں رویت کے شرائط مفقود ہوں تو پھر کیونکر وہ چیز مرئی ہو سکتی ہے، الحاصل اس کا مفصل جواب عنایت فرمائیے جواب۔ وجہ عدم رویت حق یہ ہے کہ رائی میں اس کی استعداد نہیں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ یہ استعداد پیدا فرمادیں گے۔ ۸ رزقیدہ ۳۴۳ (تمتہ خامسہ ص ۳۷۱)

رفع تعارض در آیت لا تدركه الابصار | سوال (۵۷۳) حق تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ
وَدَوِّجُوهُ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ | الَابْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَنِيزُ فَرَمَاتَا هِيَ لَنْ تَوَانِيْ تُو
معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا ادراک ابصار سے محال ہے تو جو چیز محال ہوتی ہے وہ ہمیشہ محال رہتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ حق تعالیٰ اسی کلام پاک میں دوسری جگہ فرماتا ہے وَجُوَّةٌ يُّوْمِئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلَى رِبِّهَا
نَاطِرَةٌ، تو معلوم ہوا کہ دیدار بھی حق ہے، جب ایک امر کی نفی کی گئی پھر اس کا اثبات، کیونکہ جو بات محال ہو وہ کیونکر ممکن ہوگی۔ کلام پاک میں یہ منافات کس لئے، اس سے تو لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت اب کچھ ہے اور آخرت میں کچھ ہوگی، حالانکہ صفات حق میں تبدل و تغیر جائز نہیں۔ بہر حال اس کا جواب با صواب بدلائل عقلیہ مرحمت فرمایا جاوے تو نہایت ثواب اور مہربانی ہوگی۔

جواب، دونوں آیت میں امکان کی تو نفی نہیں، صرف وقوع کی نفی ہے، اور وہ بھی دوسرے دلائل سے مقید بالہ نیا ہے، اور اس کا سبب بھی وہی مانع منجانب الہائی ہے نہ کہ منجانب المرئی، اور اثبات پر آخرت میں، پس نفی و اثبات کا موطن ایک نہیں جب اتحاد زمان نہیں تو تناقض نہیں۔ ۸ رزقیدہ ۳۴۳ (تمتہ خامسہ ص ۳۷۱)

رفع شبه بر سماع صوفیہ | سوال (۵۷۴) سماع بالزما میر کے متعلق میرا اعتقاد یہ ہے کہ وہ علمائے فقہ کے نزدیک اور محدثین کے نزدیک قطعاً حرام ہے، اور عوام الناس کے لئے اس کا سننا گناہ اور موجب فسق و فجور ہے۔

متقدمین حضرات صوفیائے کرام کی اس جماعت کے متعلق جن کا سماع بالزما میر سننا نقل متواتر ہے

ثابت ہے اور ان کی ہستیاں بڑے بڑے اکابرین سے سمجھی گئی ہیں اس فعل کے متعلق جو فقہاء و محدثین کے خلاف ہے، کیا اعتقاد ہیں رکھنا چاہئے، کیا ایسے کا ملین کو اس حکم سے مستثنیٰ سمجھنا چاہئے یا معاذ اللہ ان کو بھی عامۃ الناس کی فہرست میں داخل کرنا چاہئے؟ اگر فقہاء و محدثین اور صوفیہ کرام کے مذاہب سماع مطلق یا سماع بالقرامیر کے متعلق جو آراء ہوں ان سے بھی مطلع فرمائیں تو احتیاط مزید ہو اور عین نوازش ہو۔

الجواب، جمہور علمائے محدثین و فقہاء و صوفیاء کا وہی مذہب ہے جو سائل نے نقل کیا باستثنا مواضع خاصہ مثلاً طبل غزاة و طبل سحر و مثلاً، بلکہ فقہائے مطلق سماع کی بھی اجازت نہیں دی، البتہ بعض صوفیہ نے اس میں وہی توسع کیا ہے جس کو سائل نے نقل کیا ہے، اب ان بعض میں خواہ وہ مقدس ہستیاں بھی داخل ہوں جن کا ذکر سائل نے کیا ہے یا نہ ہوں، اول صورت میں غدر ان کا یا غلبہ حال ہو بدرجہ خروج عن التکلیف کے یا اجتہاد و قیاس علی مواضع الاستثناء ہے، کما فی الدر المختار:-

فلو للتنبيه فلا بأس به كما اذا ضرب في ثلثة اوقات لتذكير ثلث نفحات الصور الخ وفي رد المحتار اقول وهذا يفيد ان الاله الله وليست محرمه لعينها بل لقصد الله الى قوله وفيه دليل لسادتنا الصوفية الخ ج ۵ ص ۳۲۳، اور ثانی پر تو اتر نسبت الہیم کو تسلیم نہ کیا جائیگا، بلکہ ان کے تقدس کو ثابت بالتواتر اور اس فعل کا منافی تقدس ہونا باللیل مان کر ان سے اس کی نفی کیجاوے گی، اور غیر مقدس عوام کے فعل کی تاویل ضروری نہ ہوگی، خصوصاً وہ عوام جن میں تہیج بغیر ہونے کی تقدیر پر علت تحریم بھی یقیناً متحقق ہے، ان کے فعل کو یقیناً فسق کہیں گے۔ ولعل ما حرتہ هو مصداق ما قل ودل و الحمد لله عز وجل، ۹ رد یقعدہ سلمہ (تمہ خامسہ ص ۳۷۲)

جواز اطلاق لفظ خدائے برحق تعالیٰ اسوال (۵، ۵) بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله وكفى وسلاماً علی عبادہ الذین اصطفیٰ، ونسترشدکم ایھا العلماء بکتاب ربنا فعلمونا فما علمکم الله اجرکم الله، قال الله فی القرآن المجید والله الاسماء الحسنیٰ فادعوه بها وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ سیجرون ما کانوا یعملون (اعراف جز ۹ و رکوع ۲۲) ای یمیلون فی شانہا عن الحق الی الباطل اما بان یسموه بما یوهم معنی فاسداً قالہ ابو السعود،

الوجه الثاني وهو قول اهل السعاف ان الاتحاد في اسماء الله تعالى هو تسمية

بما لم یسمه به نفسه ولم یرد فیہ نص من کتاب ولا سنة وان اسماء الله تعالى كلها توقیفیة کما تقدم فلا یجوز فیها غیر ما ورد فی الشرع بل ندع باسمائه التي وردت فی الکتاب والسنة علی وجه التعظیم اھ خازن وفتح البیان و ترکوا تسمیہ الذین یمیلون علی الحق، والصواب فیھا یتسموہ بغير الاسماء الحسنی وذلك ان یتسموہ بما لا یجوز علیہ وان یقولوا یا سخی یا رفیق لانه لم یسم نفسه بذلك مدارک، وقال اهل المعانی الاتحاد فی اسماء الله تعالى تسمیته بما لم یتسم به ولم ینطق به کتاب الله ولا سنة رسول الله صلوات الله علیہ وسلم وجملته ان اسماء الله تعالى علی التوقیف فانه یتسمی جوادا ولا یتسمی سخیاً وان کان فی معنی الجواد ویسمی رحیماً رفیقاً ویسمی عالمًا ولا یتسمی ما قلا، وقال الله تعالى یُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ، وقال عز من قائل وَمَكْرُؤًا وَمَكْرًا لِلَّهِ وَلَا یقال فی الدماء یا فحاد یا مکار بل یدعی باسماء الله التي ورد بها التوقیف علی وجه التعظیم فیقال یا الله یا رحمن یا رحیم یا عزیز یا کریم ونحو ذلك، معالم التنزیل وجمل حاشیہ جلالین، اما قوله فادعوه بها فقیہ دلیل علی ان الانسان لا یجوز ان یدعو اربہ الابتک الاسماء الحسنی بعد ان عرف معانیها اھ قاله الیمسا پوری فی تفسیره ۱۲ المسئلة الرابع قوله تعالی وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا یدل علی انه تعالی حصلت له اسماء حسنة و انه یجب علی الانسان ان یدعو الله بها وهذا یدل علی ان اسماء الله توقیفیة لا الاصطلاحیة مما یؤكد هذا انه یجوز ان یقال یا جواد ولا یجوز ان یقال یا سخی ولا ان یقال یا عاقل یا طیب یا فقیہ وذلك یدل ان اسماء الله تعالی توقیفیة لا اصطلاحیة ۱۲ تفسیر کبیر، روح البیان،

فالطلاق لفظ (خدا) و پروردگار، ونحوه علی الله تعالی ودعائه بها جائز لا، وما معنی قول المفسرین اسماء الله تعالی توقیفیة لا اصطلاحیة فلا یجوز فیها غیر ما ورد فی الکتاب والسنة، بینوا توجروا،

الجواب، من الاسماء التوقیفیة علم ومنها القاب والوصاف و ترجمة اللفظ بمنزلته فالاسماء العجمیة ترجمة تلك الالقاب والوصاف ولذا انعقد الاجماع علی اطلاقها نعم لا یجوز ترجمة العلم فالله علم والباقي

القاب و اوصاف بخلاف المرادف العربی للاسماء العربیة لانها لا ضرورة الى اطلاقها فلا یوزن فیها اما العجم فیتاجون الى الترجمة للسهولة فی الفهم هذا ما عندی ولعل عند غیری ما هو احسن من هذا

۱۰ رذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (تمہ خامسہ ص ۳۷۳)

سوال (۵۷۶) انحرار للمخلوق سے نہی کی گئی اور تقبیل بند و رجل کا اذن دیا گیا، حالانکہ دونوں فرد میں تعظیم کی وجہ فرق کیا ہے؟

جواب، اولاً تقبیل کا تعظیم ہونا مسلم نہیں، بلکہ وہ تبرک ہو یا انعام اور یہ دونوں مستلزم تعظیم نہیں، شجرہ زیتونہ کو مبارکہ فرمایا گیا، حالانکہ معظم نہیں، ضیف یا کریم قوم کا اکرام مامور بہ ہے جو اپنے اطلاق سے کافر کو بھی شامل ہے، جو کہ معظم نہیں،

ثانیاً اگر تعظیم بھی ہو تو مطلق تعظیم منہی عنہ نہیں، بلکہ وہی تعظیم منہی عنہ ہے جس کو تبارع نے تعظیم کی عبادت تجویز کیا ہے، جیسے سجود اللہ کہ حق تعالیٰ کی عبادت کا ایک طریق قرار دیا ہے، اور جیسے انحرار اللہ یعنی رکوع اور جیسے قیام اللہ، پس ان افعال کو غیر حق کی تعظیم کے لئے ناجائز رکھا گیا، گو بقصد عبادت نہ ہو کیونکہ صورت عبادت کی ہے۔

بخلاف تقبیل کے کہ اس کی کوئی فرد مقبل کی عبادت نہیں، کیونکہ تقبیل معبود حق محال ہے، تو اس کا وقوع ہی ممکن نہیں، اور غیر معبود کی کوئی تقبیل اگر بطور دیانت و عبادت کے ہو، جیسے تقبیل حجر اسود یا تقبیل مصحف نورہ مقبل کی عبادت نہیں بلکہ تقبیل غیر المعبود للمعبود ہے، تو مخلوق کی تقبیل میں صورت عبادت نہ ہوئی پس اسلئے قیام و رکوع و سجود للمخلوق سے نہی کی گئی اور تقبیل مخلوق ولو للتعظیم اجازت دی گئی، اور قیام للقاء الی وقت قیامہ سے کہ حقیقت اس کی موافقت فی فعلہ جس کی بناء مخالفت فی الفعل کا عرفاً ترک اور بوجہ، وذلک الفعل کون القیام علی حالتہ غیر مستقرۃ ہاں تک نہ کیا جاوے، کیونکہ اس قید سے اس کی بھی کوئی فرد عبادت نہیں، البتہ بدون اس قید کے عبادت ہے، چنانچہ قیام فی الصلوٰۃ میں یہ قید یقیناً منغی ہے، سو اس کی غیر اللہ کے لئے اجازت نہیں، جیسا قیام اعاجم کے یہاں معمول تھا۔ ۲۳ رذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (تمہ خامسہ ص ۳۷۴)

جواب شبہ بر قول موسیٰ رب اربی الخ سوال (۵۷۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول رب اربی انظر الیک کے متعلق یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت نے سوال کیوں کیا، حالانکہ کلمہ رب سے ہر قسم کا اطمینان ہو رہا تھا، شارح تعرف نے اس کا یہ جواب دیا کہ کلمہ رب سے بے خود ہو کر مقام غیبت سے یہ سوال کیا گیا

گویا کہ غلبہ حال کی تاویل کی، ورنہ مقدمہ در کی ناقابلیت کا مسئلہ ان پر یکشوف تھا۔ اب حضرت اپنے مذاق پر مطابق اصول کیا جواب عنایت فرماتے ہیں، یا وہی جواب کافی ہے جو ابراہیم کے سوال رب ارنی کیف تھی الموقی میں دیا گیا ہے۔

الجواب، حصول اطمینان کو معنی اس مطلب کا قرار دینا بلا دلیل ہے، نہ غلبہ حال کی تاویل کی کوئی ضرورت ہے، بلکہ کلام سے انبساط ہوا، انبساط سے شوق ہوا، وہ شوق سبب اس طلب کا ہوا، اور تاویل کی ضرورت کی طرف جو اس قول میں اشارہ کیا ہو کہ مقدمہ در کی قابلیت کا مسئلہ ان پر یکشوف تھا شاید مراد اس سے یہ ہے کہ ممکن کے لئے رویت کا امتناع ان کو معلوم تھا، اگر یہی مراد ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ امتناع عقلی ہو یا شرعی، اگر کہا جاوے کہ عقلی ہو تو غیر مسلم بلکہ باطل کیونکہ آخرت میں رویت ثابت، اور امتناع عقلی اختلاف موطن سے مرتفع نہیں ہوتا، اگر شرعی کہا جاوے تو اس کا علم درود شرع پر موقوف ہو، موسیٰ علیہ السلام پر اس وقت تک دلیل شرعی وارد نہ ہوئی تھی، اس لئے سوال جائز تھا، باقی یہ کہ جواب میں دلیل شرعی یعنی لن ترانی کافی تھا، تعلیق باستقرار الجبل کی کیا ضرورت تھی، میری تفسیر میں اس کا جواب موجود ہے۔ (تمہ خامسہ ص ۳۹۲) **ایضاً سوال (۵، ۸)** ایک سوال گزشتہ عریضہ میں حضرت موسیٰ کی درخواست رویت کے متعلق کیا تھا جس کا جواب شافی اور دلچسپ حضرت کی طرف سے آیا تھا جو بہ نسبت دیگر مجاہدین کے بہتر تھا، مطالعہ کتب سے معلوم ہوا بعینہ یہی سوال شیخ عبد الوہاب شعرائی نے اپنے شیخ سید علی خواص سے کیا تھا اور شیخ اکبر سے بھی کسی نے کیا تھا، جواب و سوال معروض ہیں:-

سالت رضى الله تعالى عن قوله تعالى عن موسى قال رب ارنى انظر اليك قال لن ترانى، كيف سأل الروية في الدنيا ورسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لن يراحدربه حتى يموت فهل ثم مقام في الرسالة يطلب الروية في الدنيا ام لا واذالم يطلبها فهل قوله لن يراحدربه نفى عام او خاص، فقال رضى الله عنه قد سئل الشيخ محي الدين سج عن مثل ذلك فقال هذا لا يحمله رسول، فما بقى الا ان في مقام الرسالة مقاماً يطلب الروية في الدنيا وقوله نفى عام فان موسى ما رأى ربه حتى خر صعباً ميتاً فراه في صعبه قلت موتاً قال موتاً كما اخبر بذلك عليه السلام حين اجتمع به من طريق الكشف الروحاني

خط کشیدہ عبارت کا کیا مطلب ہے، اور کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب، مطلب یہ ہے کہ گوئی روایت فی الحیوة الدنیا جو حدیث میں وارد ہو عام ہے، اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا، مگر رسالت کے مقامات میں کوئی مقام ایسا ہے (گو وہ بعض ہی رسل کو عطا ہوتا ہے) جس میں روایت کا تقاضا ہوتا ہے، (نہ بالمعنی المنفی فی الحدیث بلکہ اس طور پر کہ جو اس کی شرائط میں ان شرائط کے ساتھ روایت کی طلب ہوتی ہے) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس شرط کے ساتھ دیکھا، جو کہ حدیث میں مذکور ہے، یعنی بعد موت (تو وہ حیات دنیا میں نہ ہوئی) اور یہ صحتہ موت کا تھا، اور اس کو وہ خود موسیٰ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، جب ان کی ساتھ روحانی و کشفی ملاقات ہوئی تھی، یہ تو عبارت کامل ہے، باقی یہ کہ یہ صحیح ہے یا نہیں، قرآن تو اس سے ساکت ہے، اور کسی شرعی قاعدہ کے خلاف نہیں، مگر کشف حجت قطعیہ نہیں، اس لئے دونوں احتمال میں صحت بھی غلط بھی، (تمتہ خامسہ ص ۳۹۳)

رداء کبریائی مانع از روایت ذات حق نیست | سوال (۵۹۱) علمائے اہل سنت والجماعت اور جناب کے کسی وعظ میں دیکھا ہے کہ وہاں بھی روایت کے لئے ردائے کبریائی حائل ہوگا، جو حجاب مانع عن الرویۃ للذات ہو تو محققین معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں، اب ہماری جماعت کی طرف سے کیا جواب ہوگا۔
الجواب، رداء کبریائی کو مانع عن روایت الذات اہل سنت میں سے کس نے کہا ہے، یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے، اہل سنت اس رداء کو مانع اور اک کہتے للذات کہتے ہیں نہ مانع عن الرویۃ، وشتان بین الرویۃ وادراک الکائنۃ فمخبر نری الشمس لا ندرک کہنہ۔ (۲۸ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ و تتمہ خامسہ ص ۳۹۴)
نہ بدوین تعطل صفات مبنی تجد و امثال | سوال (۵۸۰) تجدد امثال کی بنیاد ملاوہ کشفی ہونے کے اسبق ہے کہ تعطل صفات اس کے عدم تسلیم سے لازم آتا ہے،

مشبہ، قبل از وجود کائنات کے تعطل کا کیا جواب ہوگا، الایہ کہ قدم بالغیر کے قائل ہوں نیز قیامت کبریٰ میں جب ہر شے فانی ہوگی اس کی تاویل کیا ہوگی؟
الجواب، لزوم تعطل کو بنا اس قول کے کہنے کے کوئی دلیل نہیں، اگر کسی نے ایسا کہا ہے یا محض غلط ہے، یا مؤول، فارتفعت الاشکالات کلہا، یہ تعطل صفات کا محذور تو فلاسفہ منتسبین الی الاسلام نے اثبات قدیم عالم کے لئے اختراع کیا ہے، جو بالکل باطل ہے۔

۱۷ صفر ۱۳۴۴ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۹۴)

مذت بیفار کی شیرازہ بندی کی | سوال (۵۸۱) صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے جو خطبہ صدارت خاطر اپنے اختلافات کو مٹانا، اس موقع پر میں نے پڑھا تھا، علماء کرام کی سرفخی سے جو مضمون میں نے

اس میں درج کیا ہے چاہتا ہوں کہ حضور خاص طور پر ملاحظہ فرما کر اطلاع بخشیں کہ میری رائے کس حد تک درست ہے۔

الجواب، بہت ضروری ہے مگر قدرے تفصیل طلب ہے، یعنی جن عقائد میں شرعاً گنجائش ہے اس میں تو دوسروں سے مطلق تعرض نہ کیا جائے جیسے حنفی و شافعی کا اختلاف اور جن میں گنجائش نہیں جیسے شیعہ کا اختلاف، اس میں سکوت تو جائز نہیں، خصوصاً جب سنی اُدھر جانے لگے یا سنی کو اُدھر کوئی لیجانے لگے، اس وقت تعرض ضروری ہوگا، لیکن شفقت و محبت و خیر خواہی و نرمی سے جیسا اپنا کوئی جوان بیٹا مریش بد پر ہیزی کرنے لگے، جس طرز سے اسکو بد پر ہیزی سے روکا جاتا ہے بس وہ طرز ہونا چاہئے، تاکہ باہم عداوت ہو کر دوسری اقوام مخالفین اسلام کے مقابلہ میں ضعیف نہ ہو جائیں۔

(نوٹ، خلاصہ مضمون سُرخ میز مذکور سوال :- میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ملت بیضیاری شیرازہ بندی کی خاطر اپنے اختلافات کو مٹا کر مسلمانوں کو اس خطرہ سے بچالیں، جس کا موجودہ کشمکش کی صورت میں پیش آنا ناگزیر ہے (النور، سوال ۳۵۳ ص ۸)

جواب شبہ تناقض در دو قول ابن ہمام | سوال (۵۸۲) شیخ ابن ہمام نے فتح میں بحث تسمیہ فی ابتداء الوضو میں لا کو یہ فرمایا ہے کہ لنفی الکمال مجاز و لنفی الاصل حقیقۃ اور بحث قرأۃ فاتحہ میں لا کو نفی کمال اور نفی اصل میں مشترک فرمایا ہے، دونوں کلام میں تناقض ہے،
الجواب، تناقض کے متعلق اگر فتح میں ایسا ہو، سیار بھی بات تو یہ ہے کہ مقصود اصل کسی مدعا کی توجیہ ہوتی ہے، کسی وقت ایک طریق ذہن میں آتا ہے، کسی وقت دوسرا طریق، اور ایسا اکثر کی تصنیفات میں شائع ہے، لیکن طالب علم اس جواب کو کیوں پسند کرنے لگے، اس لئے دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حقیقت و مجاز کا فرق باعتبار حقیقۃ لغویہ کے ہو اور اشتراک باعتبار

مسائل نے عبارت فتح القدر کو نہیں سمجھا ہے فی الفتح و فیہ انہ مشتوک الدلالة لان النفی لا یرد الا علی النسب لا نفساً لمفرد والخبر الذی هو متعلق الجار محذوف فیہ ممکن تقدیر وہ صحیحۃ فیوفاً رایہ او کاملۃ فیخالفہ و فیہ نظران متعلق الجور والواقم خبراً استقرارہا ۳ فالحاصل لا صلوة کائنۃ وعدم الوجود شرعاً هو عدم الصیحة اہ ابن ہمام نے فیہ نظر سے اشتراک کو رد فرمایا ہے نہ کہ اسکے قائل ہوئے ۱۲ لطف رسول علیہ یہ قید اسلئے لگائی کہ مجیب نے فتح کی عبارت نہیں دیکھی ۱۲ منہ

حقیقت شرعیہ کے یعنی خود نفی کمال کے لئے بھی نصوص میں اس کثرت سے وارد ہو کہ گویا وہ بھی اصطلاح شرع میں مثل حقیقت کے ہو گیا ہو، پس دونوں حکم مختلف اعتبارات سے صحیح ہیں،
۳ رزیح الاول ۳۴۴ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۰۱)

حکم عدم استحضار نیت ثواب عمل | سوال (۵۸۳) گذارش یہ ہو کہ حضرت ہم بہت سے کام کرتے ہیں جس میں کچھ نیت نہیں ہوتی محض کام کا ارادہ ہوتا ہے، آیا اس میں ثواب ہو گا یا نہیں، نہ ثواب کی نیت کا خیال رہتا ہے، اگر نہ ہو تو خیال رکھنے کیلئے کیا تدبیر ہونی چاہئے؟
الجواب، گو جزئی ارادہ ثواب کا نہ ہو مگر کلیاً تو ہوتا ہے، وہ کافی ہے، دوسرے ارادہ ثواب کا نیت عمل پر ہے، مع عدم ارادۃ الدنیا، گو اس کے ساتھ ثواب کا بالاستقلال ارادہ نہ ہو اور انما الاعمال بالنیات کے یہی معنی ہیں۔ البتہ اگر عمل ہی کی نیت نہ ہو، جیسے بارش میں دن تر ہو گیا یا غوطہ لگانے سے تر ہو گیا، تو وضو ہو گیا مگر ثواب نہیں ہوا، اور اگر قصد وضو کیا گو ثواب کی نیت سے نہیں کیا، مگر شرط یہ ہو کہ دنیا کی کسی غرض سے نہیں کیا، تو ثواب ہو گا،
۱۲ رجب ۳۴۴ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۲۲)

تحقیق ایقلے وعدہ | سوال (۵۸۴) ایقلے عہد کے باب میں یہ شبہ ہو گیا ہو کہ آیا واجب ہو یا مستحب ہے، قرآن مجید و احادیث میں تو نہایت تاکید ہے، کسی مقام پر اَوْفُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا کسی مقام پر کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ط ہے، کہیں اَوْفُوا بِالْعَقُودِ ط ہو اور علیٰ ہذا القیاس احادیث میں خلاف وعدہ کی سخت مذمت ہو حتیٰ کہ ایۃ المنافق ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ الحدیث موجود ہے، لیکن امام نوروی ازکار صف ۱۳۹ میں تحریر فرماتے ہیں:-

وقد اجمع العلماء علی ان من وعد انسانا شیئاً لیس بمنہی عنہ فینبغی ان ینفی بوعدہ وهل ذلک واجب ام مستحب فیه خلاف بینہم وذهب الشافعی و ابو حنیفۃ و الجمهور الی انہ مستحب فلو ترکہ فاته الفضل و ارتکب المکروہ کراہۃ تنزیہیۃ شدیدہ ولاکن لا یأثم وذهب جماعۃ الی انہ واجب قال الامام ابوبکر العربی المالکی و رجل من ذہب الی هذا المذہب عمر بن عبد العزیز اھ بقدر الضرورة،

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور اور امام ابو حنیفہ و شافعی کے نزدیک خلاف وعدہ کبر نے سے گنہگار نہیں ہوتا، پھر آیت ان العهد کان مسئلاً کا کیا مطلب، اور آیت المنافق کس طرح

خلاف وعدہ ہوگا؟ بنیوا تو جبروا۔

الجواب، جو حضرات اس کو مستحب سمجھتے ہیں وہ مویہمہ وجوب کو ان عبود و عقود پر محمول کرتے ہیں کہ حقوق آئینیہ ہوں یا وہ حقوق العباد ہوں جن کے عوض کا دوسرے نے التزام کر لیا ہے تو عاقدین کا حق بد لین کے ساتھ متعلق ہو گیا، یعنی مبادلات، یا وہ حقوق العباد جن کے اغلال خود مہر کا ضرر ہو، یعنی جنگ و صلح کے معاملات اور آیت کبر مقتا کا محمل دعویٰ عمل و کذب عند الامتحان ہے اور حدیث اذا وعد اخلف کا محمل نیت عدم ایفاء وقت الی وعد ہے، واللہ اعلم۔

یوم سہ شنبہ، ۱۷ شوال ۱۳۴۴ھ (تمتہ خامسہ ص ۴۲۳)

تحقیق متعلق رویت ام محمد ذائق آسمان | سوال (۵۸۵) حضرت مخدوم منا و معظمنا و مقتدا انامہ ظہ العالی

بعد سلام مسنون و اشتیاق قدم بوسی عارض مدعا ہوں کہ ۲۲ فروری ۱۳۴۴ھ کو جسے دہیہ چھ روز ہوئے ہیں، میں آلہ آباد میں تھا، وہاں یہ خبر مشہور ہوئی کہ دیہات سے بچے لوگوں نے اور کچھ لوگوں نے شہر کے، بعد مغرب کے آسمان پر پچیم جانب لفظ ”محمد“ لکھا ہوا دیکھا، یہ خبر اس قدر مشہور ہوئی کہ اخبار والوں نے اکثر پرچوں میں شائع کر دیا، مجھے اس خبر کے صحیح ہونے کا نہ تو پوچھنے کا طور سے یقین ہوا، نہ قطعاً دل میں انکار رہا، اس لئے کہ زمانہ کی جو حالت ہر وہ ظاہر ہے، آج چار پانچ روز ہوئے موضع ستنا سے ایک شخص آئے اور انھوں نے خود مجھ سے اس واقعہ کا تذکرہ اس صراحت سے کیا کہ تاریخ مذکورہ بالا کو بعد غروب آفتاب آسمان پر ایک سیدھا خط چمکتا ہوا نہایت تیزی کے ساتھ مثل بجلی کے ظاہر ہوا، اس کے بعد اس میں حرکت پیدا ہوئی، اس حرکت سے پہلے یتیم اس کے بعد آج اس کے بعد پچیم اس کے بعد آل کا لفظ پیدا ہوا کہ بخط عربی ”محمد“ (صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کا) پورا نام مبارک منقش ہو گیا، قریب دس پندرہ منٹ کے یہ صورت قائم رہی، مواضع منجگوان، ستنا، جبلپور، کٹنی، ٹرورہ وغیرہ میں ہندو، مسلمان، عیسائی، آتش پرست، غرض کہ ہر قوم کے لوگوں نے اس کثرت سے دیکھا کہ اس سے کسی کو بھی انکار نہیں، لہذا امیدوار ہوں کہ اس معاملہ کے متعلق حضور کو جو تحقیق ہو اس سے مطلع فرمایا جاوے۔ تاکہ قلب کو اطمینان ہو جاوے، نیز ان لوگوں کو بھی اس سے مطلع کر دوں۔ چونکہ یہ واقعہ ایک نہایت عظیم الشان اور بالکل نیا ہے اس لئے لوگ اپنے اپنے خیال کے موافق اس میں چھ میگوئی کیا کرتے ہیں، خدام محمد گمراہ چائل ضلع الہ آباد۔

الجواب (شعر) بشری فقد انجز الایقان ما وعدا، و کوکبا المجد من افق العلیٰ صعدا،

ایسے واقعات کی دلالت کسی خاص معنی پر کسی دلیل شرعی سے تو ثابت نہیں، اس لئے کسی خاص مدلول پر استدلال جازم نہیں کیا جاسکتا لقولہ تعالیٰ ولا تقف ما لیس لك بعلم الایۃ لیکن قرآن اور اشارات واردہ فی النصوص سے اسکی دلالت علوشان رفوت مکان حالاً یا مآلاً پر منطوب ضرور ہے، بعض نصوص مذکورہ فی المواہب نشر الطیب سے نقل کئے جاتے ہیں،

ما حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا، اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہو گیا تو انہوں نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے پروردگار میں آپ سے بواسطہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت ہی کر دیجئے، سو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا، حالانکہ ہنوز میں ان کو پیدا بھی نہیں کیا، عرض کیا کہ اے رب میں نے اس طرح پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور اپنی (شرف دی ہوئی) روح میرے اندر بھونکی تو میں نے جو سراٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، الی آخر الحدیث، روایت کیا اس کو بیہقی نے اپنے دلائل میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم کی روایت سے، اور کہا کہ اس کے ساتھ عبد الرحمن متفرد ہیں، اور روایت کیا اسکو حاکم نے اور اس کی تصریح کی، اور طبرانی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے (فصل دوم)

اور فضائے آسمانی گود درجہ میں عرش کے برابر نہیں مگر جبرم علوی ہونے میں باہم متشارك ہیں، تو اس فضا میں ظاہر ہونا حضور کے نام مبارک کا دلالت مذکورہ میں اگر مائل نہیں تو متقارب ضرور ہے اور اس سے اخف آثار کو مخالفین تک نے دلالت میں کافی سمجھا ہے، چنانچہ نشر الطیب میں مواہب سے روایت بیہقی والوہیم حضرت حسان بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ شب ولادت شریفہ کی صبح کو ایک یہودی نے چلانا شروع کیا، لوگوں نے کہا کہ تجھ کو کیا ہوا، کہنے لگا کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ستارہ آج شب میں طلوع ہو گیا جس کی ساعت میں آپ پیدا ہونے والے تھے (فصل ششم)

اسی طرح بعض واقعات کو آپ کے احوال کی نسبتی دنیا کی طرف اشارہ سب موافقین و مخالفین نے سمجھا ہے، چنانچہ کسری کے ایوان کا زلزلہ اور چودہ کنگروں کا گر پڑنا، اور بحیرہ طبریہ کا دفعہ خشک

ہو جانا اور تشککہ فارس کا بچہ جانا کما رواہ البیہقی و ابونعیم و الخرائطی و ابن عساکر کذا فی المواہب
زوال سلطنت فارس و روم کی طرف اشارہ سمجھا گیا (فصل ششم عشر الطیب)

پس اصول مذکورہ پر مبنیوں بظن قوی یہ ہے کہ یہ اشارہ ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دین
کے ظہور علوی کی طرف، اور غالب یہی ہے کہ مقصود اس نشان سے حضور ہی کا نام مبارک ہے اور اس صورت
میں بجائے آسمانی نام احمد کے ارضی نام محمد کا (کما ورد فی الحدیث ظاہر ہونا علوی الارض کی طرف
اشارہ ہوگا، اور احتمال مرجوح یہ بھی ہے کہ اس سے امام ہمدی علیہ السلام کا نام مراد ہو کما فی الحدیث
یواہی اسمہ واللہ اعلم بأسرارہ وما اوتیتہ من العلم الاقلیل، ارشوال ۱۳۴۷ھ۔

تصدیق مزید و توثیق اکید واقعہ مذکورہ سوال بالا از خط مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد و صلوة احقر محمد مصطفیٰ بجنوری مقیم میرٹھ محلہ کرم علی عرض رسا ہے کہ فروری ۱۳۴۷ھ میں
یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی کہ مختلف مقامات پر بعد مغرب آسمان پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کا نام مبارک نہایت صاف حروف میں دکھائی دیا، اور جملہ اخبارات میں یہ خبر اس طرح شائع ہوئی
کہ ایک ہی وقت اور ایک ہی طرح سے یہ واقعہ دیکھا گیا۔

یہ واقعہ ۸ فروری ۱۳۴۷ھ مطابق ۵ شعبان ۱۳۴۷ھ بعد مغرب کا ہے، سب اخباروں نے
قریب قریب متفق اللفظ روایت کیا ہے (ان اخبارات کے نام و نمبر و پتہ سب آگے لکھے
جاویں گے، یہاں ہم وہ تحریر شائع کرتے ہیں جو ہم کو ایک نہایت معتبر ذریعہ سے پہونچی ہے،
بیان اس کا یہ ہے کہ میرے ایک دوست نے جن کو میں عرصہ سے جانتا ہوں اور برابر ان سے
خط و کتابت رہتی ہے خود اپنا چشم دید یہ واقعہ مجھ کو لکھا، بجواب اسکے میں نے ان کو لکھا کہ یہ
واقعہ ایسا نہیں ہے کہ تنہا آپ نے دیکھا ہو، آسمانی شہادت ہے اس کو صد ہا آدمیوں نے اور
ہندوؤں اور مسلمانوں اور ہر قوم نے دیکھا ہوگا، براہ ہر بافی جب قدر آدمی دیکھنے والے آپ کے
علم میں ہوں ان کے دستخط اور نشان انکو ٹھانگوا کر بھیجے، چنانچہ انہوں نے ۵۴ آدمی دیکھنے
والوں کی تصدیق مع نام و پتہ و ولایت و سکونت ثبت کر کے بھیجے، وہ سب ہمدیہ ناظرین ہیں
ان مخلص دوست کا نام و پتہ یہ ہے (غلام مرتضیٰ ولد محمد علی صاحب مستاجر موضع مرہی تحصیل
دیوری گورنمنٹ بھوپال) یہ صاحب نہایت دیندار اور ذاکر و شاعر آدمی ہیں، ان اخبارات

کے نام اس کے اخیر میں لکھے جاویں گے،

محمد مصطفیٰ مؤرخہ ۱۵ شوال ۱۳۷۹ھ ۱۸ اپریل ۱۹۲۷ء بروز دوشنبہ
نقل خط، واقعہ ۱۵ شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ یوم سہ شنبہ یعنی منگل مطابق ۸ ماہ فروری ۱۹۲۷ء
۲۲ ماہ ۱۳۳۲ھ فصلی کو بعد نماز مغرب ہم لوگوں نے جنگل موضع پراسیا پر گنہ جتھاری تحصیل
دیوبری گورنمنٹ بھوپال میں یہ واقعہ دیکھا کہ مغرب یعنی چھم کی طرف جہاں ایک چمکدار ستارہ
شام سے نکلتا ہے اس ستارہ کے قریب سے ایک بہت روشن ستارہ ٹوٹا اور کچھ دور اس ستارہ
سے شمال یا اتر کی جانب جا کر غائب ہو گیا، جہاں سے یہ روشن ستارہ ٹوٹا تھا اور جہاں تک
جا کر غائب ہوا تھا، ایک روشن لکیر پہلے بنی مثل سانپ کے، پھر رفتہ رفتہ وہ لکیر موٹی ہو کر نام مبارک
(محمد) صلی اللہ علیہ وسلم قریب قریب اسی صورت کا جیسا کہ میں نے بنایا ہے بن گیا، وہ بہت بڑا تھا،
کاغذ میں چھوٹا بنایا گیا ہے، اور محمد کے میم سے ایک بہت باریک لکیر اس مقام تک گئی تھی جہاں سے
ستارہ ٹوٹا تھا، تقریباً نصف گھنٹہ یعنی تیس منٹ تک یہ نام مبارک قائم رہا، پھر کم ہوتے ہوئے
غائب ہو گیا۔ اور جن حضرات نے یہ واقعہ ظہور نور مبارک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا
وہ ذیل کے نقشہ میں اپنے تصدیقی دستخط کر دیں تاکہ دوسرے مقامات پر اطلاع دی جاوے، فقط
المقدم یکم ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ یوم یکشنبہ، راقم غلام مرتضیٰ مستاجر
موضع مرہٹی، تحصیل دیوبری گورنمنٹ بھوپال،

اس کے بعد نقشہ تھا جس میں دیکھنے والوں کا نام و ولدیت و سکونت و دستخط تصدیقی درج تھے،
اختصار کے لئے بجائے نقشہ کے فہرست مسلسل عبارت میں لکھ دی گئی، وہ فہرست یہ ہے (مدیر)
۱۔ غلام مرتضیٰ ولد محمد علی مستاجر موضع مرہٹی تحصیل دیوبری، نمبر دار۔

۲۔ نذر محمد ولد شیخ ننھے، پٹواری موضع پرتاب گڈھ۔ دستخط ہندی میں۔

۳۔ سید ناظم حسین ولد سید شاہ فدا حسین صاحب، پرتاب گڈھ تحصیل دیوبری۔

۴۔ صبیح الدین ولد مسیح الدین صدیقی، موضع مرہٹی تحصیل دیوبری۔ دستخط طغریٰ میں۔

۵۔ محمد مصطفیٰ ولد غلام مرتضیٰ شیخ صدیقی۔ موضع مرہٹی تحصیل دیوبری، بھوپال۔

۶۔ سعید محمد ولد نظر محمد موضع پرتاب گڈھ تحصیل دیوبری۔ بھوپال۔

۷۔ بنظرف علی پنشنروا اصل باقی نویس ولد اصغر علی مرہٹی تحصیل دیوبری، بھوپال۔

۸۔ محمد زماں خاں صاحب ولد دھومن خاں، پرتاب گڈھ، دیوبری بھوپال۔ دستخط درانگریزی۔

- ۹ حسن یار خاں ولد محمد یار خاں ناکیدار سائپر تاپ گڈھ، دیوری بھوپال۔
- ۱۰ پنڈت رگھونندن پرشاد ولد جودھیا پرشاد نائب مدرس مدرسہ پرتاب گڈھ مرہٹی دیوری بھوپال
- ۱۱ کچھیدی لعل ولد چھٹکے قوم بقال، مرہٹی دیوری بھوپال۔ (دستخط ناگری میں)
- ۱۲ عبد العظیم ولد عبد الکریم پرتاب گڈھ، دیوری بھوپال۔
- ۱۳ کچھیدی لعل ولد راجیا قوم کٹوار، مرہٹی، دیوری، بھوپال (نشان انگوٹھا)
- ۱۴ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل طالب علم درجہ ششم پرتاب گڈھ، دیوری بھوپال۔
- ۱۵ نتھو ولد کرن سنگھ چوکیدار موضع پرتاب گڈھ مرہٹی دیوری علاقہ بھوپال (دستخط ہندی)
- ۱۶ احسان علی صاحب ولد نسیم علی صاحب سائپر متعینہ پرتاب گڈھ دیوری علاقہ بھوپال۔
- ۱۷ جگت عبد الحمید خاں صاحب ولد علی داود خاں مارسٹ کارہ متعینہ پرتاب گڈھ۔
- ۱۸ جگت سنگھ ولد گجرام سنگھ مستاجری نمبر دار موضع پرتاب گڈھ دیوری بھوپال (دستخط ہندی)
- ۱۹ محمد اسماعیل ولد شیخ امیر پرتاب گڈھ، دیوری بھوپال (نشان انگوٹھا)
- ۲۰ سید حامد حسین صاحب ولد سید شاہ فدا حسین صاحب کاشت کار پرتاب گڈھ دیوری بھوپال
- ۲۱ امراؤ ولد نند رام قوم لوہار مرہٹی دیوری بھوپال (نشان انگوٹھا)
- ۲۲ کاشی ولد بھورا قوم کہار، مرہٹی دیوری بھوپال (نشان انگوٹھا)
- ۲۳ پیر لعل ولد اندر قوم لوہار، مرہٹی دیوری بھوپال (نشان انگوٹھا)
- ۲۴ شیخ کلہ ولد شیخ امیر پرتاب گڈھ، دیوری بھوپال۔
- ۲۵ سیتل پرشاد ولد منجی قوم بقال، مرہٹی دیوری بھوپال (دستخط ہندی)
- ۲۶ سکندر ولد کلاسنگھ موضع پرتاب گڈھ تحصیل دیوری بھوپال شہر ساگری پی علاقہ انگریزی (نشان انگوٹھا اور دستخط)
- ۲۷ منشی احمد حسن صاحب ولد سید شاہ فدا حسین صاحب محرار انسپکٹر سائپر دیوالپور سکے پرتاب گڈھ دیوری بھوپال۔
- ۲۸ عبد الشکور ولد امام بخش سکے موضع پرتاب گڈھ دیوری بھوپال، موضع دیوری تحصیل کیلی ضلع ساگر، علاقہ انگریزی،
- ۲۹ جمن ولد امام بخش سکے ساگر علاقہ انگریزی، وارد حال پرتاب گڈھ، تحصیل دیوری علاقہ بھوپال، موضع نبرہ متصل شہر ساگر علاقہ انگریزی (دستخط ہندی)

- ۳۰ منور ولد پیر بخش سکند موضع پرتاب گڑھ، بھوپال، مرہٹی دیوری۔
- ۳۱ محب اللہ خاں ولد عبداللہ خاں مستاجر موضع نگپورہ تحصیل دیوری بھوپال۔
- ۳۲ شیون بخش صاحب ولد صاحب سنگھ مستاجر بیکل پور تحصیل دیوری بھوپال (دستخط ہندی)
- ۳۳ سلیمان خاں پوسٹ ماسٹر ولد صاحب خاں سکند جتھاری۔
- ۳۴ عبد الجبار مدرس اقل جتھاری سکند جتھاری۔
- ۳۵ شیخ و مینو، ولد شیخ کالے کاشتکار جتھاری۔
- ۳۶ عبد الرحیم خاں ولد مصطفیٰ خاں کاشتکار جتھاری بریلی۔
- ۳۷ منشی اکرام الدین ولد محمد عبدالباقی سکند بھوپال، حال جتھاری۔
- ۳۸ اسماعیل ولد رسول خاں مؤذن مسجد جتھاری (نشان انگوٹھا)
- ۳۹ محمد شکور خاں ولد نور خاں سکند جتھاری۔
- ۴۰ شہزاد علی ولد اکبر علی سکند جتھاری۔
- ۴۱ زین الدین ولد منو کاشتکار جتھاری۔
- ۴۲ شیخ جان محمد ولد شیخ ابونابینا، جتھاری (نشان انگوٹھا)
- ۴۳ رادھے لال بلب بقال سکند جتھاری (دستخط ہندی میں)
- ۴۴ پیارے لال سنار سکند جتھاری (دستخط ہندی میں)
- ۴۵ نرنڈ پرشاد ولد منشی گیا پرشاد قوم کاستھ، سکند چنویٹیا، مستقر جاگیر۔

میں بھی اس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ مضمون حسب مندرجہ بالا بالکل صحیح ہے، میں نے بھی بروز مقررہ بالاکچشم خود دیکھا ہے، بلکہ از ابتداء آغاز علامات فلکی تا انتہا بغور دیکھتا رہا، جو علامت اسم مبارک (آنحضرت) بتلائی گئی ہے اور تقریباً ایک گھنٹہ تک حروف نمایاں شدہ خود بخود بڑھتے گئے، اس کی جو شکل پیدا ہوئی تھی وہ یہ تھی (حسب) میں نے اپنے قرائن عقلی سے اسے محشر پڑھا، گو اس کے شوشے نہ ہونے سے دوسرا لفظ بھی سمجھا جاسکتا ہے، مگر بامعنی لفظ اس سے بہتر اور کوئی میرے خیال نافص میں نہیں آیا، اب ناظرین و الا تمکین اگر کوئی اور لفظ بامعنی تصور کر سکیں تو ان سب سے خاکسار نے اپنے خیال کا اظہار کیا ہے جس سے جو کچھ نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے وہ ذی ہم اصحاب اخذ فرمائیں۔ فقط

۱۳ مارچ ۱۳۲۵ھ

نوٹ: اگر ایسا ہوا ہو تو ظاہر تو یہی ہے کہ تبارک نامب ہونے کے لئے ایسے تغیرات لازم ہیں لیکن اگر

اس ہیئت کو مقصود بھی سمجھا جاوے تو یہ محسر ہے سین ہملہ سے تحسیر بمعنی الایقاع فی المحسرة سے، سو یہ اشارہ ہو سکتا ہے اس طرف کہ یہ نشان آپ کے بدخواہوں کو حسرت میں واقع کرے گا ۱۲ (اخبارات)
اس واقعہ کی خبریں ”آئینہ“ اخبار میرٹھ، مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۲۲ء میں کسی قدر جمع کر کے چھاپی گئی ہیں۔

شہر جیلپور کی خبر بھوالہ سیٹھ احمد علی رجب علی جنرل مرچنٹ کمائیہ گیٹ جیلپور سے، اور بریلی کی بھوالہ منظور حسین اسپیشل ماسٹر بریلی، اور ساگر سے بھوالہ محمد عباس خاں، محمد ابراہیم خاں، ہمتا ب خاں، وندہار صاحب، فیاض خاں، محمد شکور خاں، عبدالحکیم صاحب، محمد اسحاق خاں، عبد اللہ خاں، نیز ساگر سے بھوالہ ساکنان موضع کہوئی و راحت گڑھ و مینا جنکشن و دموہ، و مختلف اقوام سکھ ہنود اور رائپور سے بھوالہ نور محمد، عبد الشکور اسٹیٹ کنور وہ ضلع رائے پور سی پی، اور بھوپال سے بھوالہ محی طیف کریم میڈیکل انسپکشن گورنمنٹ بھوپال۔ انھوں نے بذریعہ موٹر خود جا کر بیس بیس میل تک تحقیق کیا، نیز ساگر سے بھوالہ خورشید علی صاحب نقل کیا ہے، اخبار ”مدینہ“ بجنور میں ۱۳ فروری ۱۹۲۲ء کے پرچہ میں یہ خبر چھپی ہے، اور بکثرت اخبارات میں جن کے نام اس وقت محفوظ نہیں یہ واقعہ موجود ہے، مضمون تصدیقی ختم ہوا۔

ضہیمہ :- تقریباً دس سال ہوئے کہ ایک مقام پر ایک ٹھیلی شکار کی گئی تھی، اس کے پھیلے حصہ پر ایک جانب لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور دوسری جانب شان اللہ منقوش تھا، اس کا مفصل واقعہ حسن العزیز جلد چہارم کے حصہ مکتوبات کے نمبر ۲، ۴، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴

آیت و رفعنا لک ذکرک کا ایک تازہ اور شاندار ظہور شائع ہو چکا ہے، اور وہیں روایات و قصوں کا ایک مچھلی کا دوسرا انڈے کا حوالہ بھی بطور ضمیمہ ذکر ہے، جو اسی کی نظیر تھے، چونکہ ذیل کے دو واقعے بھی اسی قبیل سے ہیں، لہذا ان کو بھی اس مضمون کا ضمیمہ ثانیہ بنایا جاتا ہے۔

(۱) ہمایوں جز دیوبند، رجون شہید، ایک مچھلی پر بسیم اللہ اور سورہ فاتحہ، نابھہ سے سید محمود صاحب انسر انچارج تار گھر نابھہ اطلاع دیتے ہیں کہ ضعیف العمر سید صاحب درگاہ پٹنم سے وہاں ایک مچھلی لائے ہیں جسکی پیٹھ پر بسیم اللہ اور سورہ فاتحہ عربی خط میں لکھی ہوئی ہے، نابھہ کے تمام پاشندے نیز اطراف سے صد ہا مخلوق اسے دیکھنے کے لئے چلی آتی ہے، سید صاحب اس مچھلی کو اعلیٰ حضرت شاہ افغانستان کی خدمت میں پیش کرنے والے ہیں، آپ شمالی ہند کے بعض مقامات اور وہلی بھی تشریف لیجائیں گے۔

(۲) ایضاً ”ہمایوں جز دیوبند“، اکتوبر ۱۹۲۲ء تا مئی ۱۹۲۳ء اندیا رتمپرانہ ہے کہ آٹھ سال کا ذکر ہے کہ زنجبار (افریقہ) میں ایک عجیب غریب مچھلی پکڑی گئی تھی، جس کی دم پر ایک سمت پر لا الہ الا اللہ اور دوسری جانب شان اللہ مرقوم تھا۔ اسے ایک ہندوستانی نے بہت سستے داموں خرید لیا، لیکن جب یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اس مچھلی کی دم پر مذکورہ کلمات قدرتی طور پر منقوش ہیں، تو لوگوں میں اسکی خریداری کا اشتیاق پیدا ہوا، چنانچہ پہلے دن اس کی قیمت تین ہزار تک پیش کی گئی، دوسرے دن پانچ ہزار تک پہنچ گئی، آخر کار فیصلہ ہوا کہ اسے محفوظ رکھا جائے، زنجبار گزٹ رتمپرانہ ہے کہ حال ہی میں اسی نوعیت کی ایک اور مچھلی ماہی گیر نے پکڑی ہے جسے اس نے اپنے سلطان کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا، سلطان نے اسے ”پیش میہوریل میوزیم“ (وہ عجائب گھر جو صلح کی یاد زندہ رکھنے کے لئے بنایا گیا ہے) میں داخل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے، اس مچھلی کی دم کے ایک پہلو پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر شان اللہ مرقوم ہے (تمتہ خامسہ ص ۶۲۵)

ثبوت نفخ فی الماء بعد تلاوت سوال (۵۸۶) پانی یا مریض پر جو بغرض حصول شفا آیات قرآن شریف آیات قرآنیہ برائے شفا وغیرہ پڑھ کر پھونکا جاتا ہے یہ پھونکنا جائز ہے یا نہیں، جس حدیث شریف میں سانس لینے سے ممانعت ہے، اس سے شبہ عدم جواز ہوتا ہے۔

الجواب، ابوداؤد عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تنفس فی الاناء او ینفخ فیہ فی شرحہ ای لحوق بمرضی من ريقہ فیقعم فی الماء وفیہ فأنہ لا یفعلوا النفخ غالباً من بزاز یتقذر منه، وفي مشکوٰۃ عن مسلم قالت عائشہؓ کان اذا مرض

احد من اهل بيته نفث عليه بالمعوذات وفي الحاشية عن المرقاة في النهاية النفث بالضم وهو شبيه بالنفخ وهو اقل من التفل لان التفل لا يكون الا ومعه شئ من الريق، شرح ابوداؤد سے معلوم ہوا کہ نہی عن النفخ تعبدی نہیں، بلکہ محلل ہے تحریر عن وقوع الريق سو اور برکت کے لئے جو دم کراتے ہیں وہاں اس سے تحریر ہی مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کو گوارا کیا جاتا ہے اور اس غرض سے اس کو گوارا کرنا مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، نیز حدیث بسم اللہ تبرکہ عننا بریقہ بعضنا سے بھی، نیز ان احادیث سے بھی جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مضمضہ کا پانی برکت کیلئے لیا جاتا تھا، اور بدن اور پانی میں کوئی فرق نہیں جب ایک محل میں بلا کر اہت جائزہ دوسرے محل میں بھی بلا کر اہت جائز ہے۔ ۲۹ ربيع الثاني ۱۳۸۶ (تمہ خامسہ ۶۵۸)

جواز واپس گرفتن زیر بیمہ موت | سوال (۵۵۷) ایک شخص نے اپنی خوشہ امن کا بیمہ موت فیتہ میں بہرہ ریق کہ ممکن باشد۔ | کرار کھا تھا، اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ درست نہیں۔ اس کی بابت کیا حکم ہے، اور اس بیمہ کو پانچ سال ہو چکے ہیں۔ بارہ روپے سالانہ کے قریب دیا جاتا ہے۔

الجواب، واقعی یہ سود اور قمار کے جامع ہونے کے سبب حرام ہے، مگر جتنا روپیہ اصل ہوگا ہے اس کا وصول کر لینا جس جیلہ اور عنوان سے ممکن ہو جائز ہے، ۳۶ (حوادث خامسہ ص ۱۱) تحقیق بعض عبارات متعلقہ | سوال (۵۸۸) بہشتی زیور حصہ نمبر ۸ صفحہ ۶۴، ذکر حضرت زینبؓ بانجام اسلام حضرت زینبؓ | سطر ۳ میں ”جب یہ مسلمان ہو گئیں“ اس کی اصلاح چاہیے، کیونکہ یہ جملہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان معصومہ پہلے سے مسلمان نہ تھیں، والحال یہیں نذیک کہنا ہو۔ کم علم کچھ کچھ خیال کرتے ہیں، یہ فلم نسخ سے ہے، میں نے بلا مشورہ و اجازت آپ کے اس لفظ کو کاٹ دیا ہے۔ وعار کا امیدوار ہوں۔

جواب، اول روایتیں ملاحظہ ہوں،

روایت اولیٰ، فصل فی حکمہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الزوجین یسلم احدهما قبل الآخر قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب ابنتہ علی ابی العاص ابن الربیع بالنکاح الاول ولم یحدث شیئاً رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی وفي لفظ بعد ست سنین ولم یحدث نکاحاً قال الترمذی یس باسنادہ باس وفي لفظ کان اسلامها قبل اسلامه بست سنین ولم یحدث

شہادۃ ولا صد اقامہ شافی زاد المعاد بلفظہ،

روایت ثانیہ، کان الاسلام قد فرق زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حین اسلمت و بین ابی العاص بن الربیع الا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کان لا یقدر ان یفرق بینہما فاقامت معہ علی اسلامہا و هو علی شریک حتی ہاجر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۳، سیرۃ ابن ہشام، جلد اول،

روایت ثالثہ، قال ابن اسحاق فاما القاسم والطیب والظاهر فہلکوا فی الجاہلیۃ
(۱)، بناتہ فکلہن اہرکن الاسلام فاسلمن و ہاجرن معہ صلی اللہ علیہ وسلم
سیرۃ ابن ہشام، جلد اول ص ۱۰۱،

روایت رابعہ، قال بعضهم وانما صح اسلامہ علی ما انہم اجمعوا علی انہ لم
یکن یبلغ الحلم لان الصبیان کانوا اذا ذاک مکلفین لان القلم انما یرفع عن الصبی
عام خیبر وعن البیہقی ان الاحکام تعلقت بالبلوغ فی عام الخندق و فی لفظ و فی
عام الحدیبیۃ و كانت قبل ذاک منوطۃ بالتمیزاہ ملخص ما فی السیرۃ الحلبیۃ،
روایت خامسہ، و فی الکلام الحافظ ابن کثیر الظاہر ان اہل بیتہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم امنوا قبل کل احد خدیجۃ وزید و زوجۃ زید و ام ایمن علی رضوان اللہ تعالیٰ
عنہم فلیتأمل قولہ امنوا قبل کل احد و کذا ینال قول ابن اسحاق اما بناتہ
صلی اللہ علیہ وسلم فکلہن ادرکن الاسلام فاسلمن اہ ما فی سیرۃ الحلبیۃ،

نقل لی ہذا الروایۃ کلہا جی المولوی حبیب احمد الکیرانی

ان روایات میں سے روایت اولیٰ و ثانیہ و ثالثہ میں عبارات و کان اسلامہا قبل اسلام
بست سنین اور حین اسلمت اور فاسلمن بہشتی زیور کے مضمون میں نص ہیں۔

اور اگر بعثت کے وقت ان کا عدم بلوغ ثابت ہو جائے تو اس کا حکم اسلام کا استبعاد
روایت رابعہ سے مندرج ہے باقی اس کے مقابل کوئی روایت نظر سے نہیں گذری، بجز اس کے کہ
روایت خامسہ میں اس حکم میں کذا یتال کہہ کر صرف ایک شبہ نکالا گیا جو بمقابلہ نص کے مؤثر نہیں
واللہ اعلم (ترتیب خامس ص ۸۱)

تحقیق بعض حکایات | سوال (۵۸۹) حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ نے فرمایا تھا کہ
جب تو حضرت کی خدمت میں خط لکھے تو میرا بھی سلام لکھ دیجئے، اور یہ کہ میرا ارادہ کئی مرتبہ ہوا کہ

اس قصہ کے متعلق لکھواؤں جو مرزا بیدل اور ایرانی کا ہے، کہ ایک ایرانی فاضل میرزا کے مضامین تصوف دیکھ کر اُن سے مستفید ہونے آیا تھا، اور اُن کو ڈاڑھی تراشتے یا منڈولتے دیکھ کر کہا تھا کہ اُن کا ریش می تراشی الخ اس قصہ کو حضرت کی زبانی کسی وعظ میں قتیل کی طرف منسوب کرتے سنا تھا، حالانکہ مرزا بیدل کا قصہ ہے۔ قتیل تو مہندہ و بچہ تھا، مسلمان ہو کر رافضی ہو گیا تھا، اس کو تصوف سے کچھ تعلق نہ تھا، اہ یہ مضمون اُن کے ارشاد کے موافق لکھ دیا۔

جواب، میرا سلام اور تصحیح قصہ کا شکریہ عرض کیجئے (ترجیح خامس ص ۸۳)

تحقیق مضمون تظلیل غمام | سوال (۵۹۰)، (خط مولوی محمد اسحاق بیدروانی،

الامداد ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۰ ص ۳۰ کے مضمون عدم الظل تظلیل الغمام کے متعلق عرض ہے: سید احمد و علان فی السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ میں ص ۱۹۳ میں حدیث ہجرت کے اس جملہ کے تحت میں (حتی اصاب الشمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اقبل ابو بکر حتی ظل علیہ بردائہ الخ لکھا ہے ولا یرد ان تظلل الغمام یعنی عن تظلیل ابی بکر لان ذلک کان قبل البعثۃ ارھا صال النبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم ینقل احد وقوع ذلک بعد البعثۃ اھ،

اس سے حضرت والا کی اول زمانہ کی سمجھ کی تائید ہوتی ہے۔ اور حدیث زکوان اگر ثابت بھی ہو تو ارباب قبل النبوتہ پر محمول ہونا بظاہر حین ان مستبعد نہیں،

الجواب، واقعی اس میں یہ بھی ایک احتمال ہے، اور دوسری توجیہ بھی، جو کہ اس رسالہ میں مذکور ہے محتمل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ باوجود ابرہہ ہونے کے بھی آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا اور خمر شمس محسوس ہوتا ہو جس سے توفی کے لئے تظلیل ابو بکر کی حاجت ہوئی، فقط۔

قرب ۱۳۶۰ھ (ترجیم الرابع خامس ص ۹۵)

تحقیق بعض مقامات | اقتصاد | سوال (۵۹۱) ایک صاحب علم کا خط، رسالہ الاقتصاد کے جواب شبہ بستم کے متعلق میں نے اس شبہ کے جواب میں یہ لکھا تھا کہ غنیہ مجھ کو نہیں ملی، ان صاحب نے غنیہ دیکھ کر جواب کے لئے ذیل کی تقریر لکھی ہے، وہ ہوندا۔

جواب شبہ بستم، فرقہ فسادہ مرجہ حنیفہ مراد یہاں فرقہ مرجہ میں سے ایسا گروہ ہے جو اپنے آپ کو بطریق افترا جناب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منسوب کرتا تھا، جیسا کہ شرح موانع کی عبارت سے بھی ظاہر ہے، ورنہ جناب امام ابو حنیفہ صاحب کو تو جناب پیر صاحب اپنی اسی کتاب

کتاب شریف غنیۃ الطالبین میں امام قسیم فرماتے ہیں، اور اُن کا اجتہاد عوام کی نفع رسانی کے لئے بیان فرماتے ہیں، جیسا کہ ص ۱۷ پر غنیۃ الطالبین مطبع اسلامیہ لاہور فی باب الصلوٰۃ خطر باہم و امر باجسیم میں فرماتے ہیں وقال الامام ابو حنیفۃ لا یقتل الخ سے ظاہر ہے (ترجمہ) اور فرمایا امام ابو حنیفہؒ نے کہ وہ (یعنی تارک صلوٰۃ) نہ قتل کیا جاوے بلکہ قید کیا جاوے الخ اور نیز امام ابو حنیفہؒ کے مقلدین فقہار پر اور ان کے مختلف فیہ اجتہاد پر اپنے یعنی امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب والوں اور امام شافعیؒ کے مذہب والوں کو انکار کرنے سے منع فرماتے ہیں، کہ انکار نہ کیا جاوے اور اپنے مذہب کو اُن پر ترجیح نہیں دیتے گویا باہمی ایک سمجھتے ہیں (کما ہونی الحقیقۃ) جیسا کہ ص ۱۲۰ پر فی باب امر بالمعروف فصل والذی یومر بہ سے ظاہر ہے، عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے واما اذا کان الشئ ممّا اختلف الفقہاء فیہ الخ (ترجمہ) لیکن جب ہو وہ چیز (بیان امر وغیرہ) اُن چیزوں میں سے جن میں اختلاف کیا ہے فقہاء نے اور گنجائش ہے اس میں اجتہاد کو جس سے پینامانی کا نبیذ کو تقلید کر کے امام ابو حنیفہؒ کی اور نکاح کرنا عورت کا بغیر اذی ولی کے جیسا کہ مشہور ہے اُن کے مذہب میں تو نہیں ہے کسی کو اُن میں سے جو امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب پر اس کا (یعنی مذکورہ اجتہاد امام ابو حنیفہؒ کا یا ایسا ہی اور مختلف فیہ مسائل کا) انکار کرنا، کیونکہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے مروزی کی روایت میں نہیں ہے جائز فقیہ کو یہ کہ اٹھاوے لوگوں کو اپنے مذہب پر اور نہ سختی کرے اُن پر الخ ۱۲۶ نیز اگلے بیان سے اس کے اور زیادہ تصدیق ہوتی ہے، کہ مرجیہ حنفیہ کے ساتھ ہی آگے آپ تحریر فرماتے ہیں والمعاذیۃ جس سے فرقہ مرجیہ میں سے ایسا گروہ مراد ہے جو اپنے آپ کو بطریق افتراء حضرت معاذؒ سے منسوب کرتا ہے (ایک وجہ تسمیہ مرجیہ کی جو جناب پیر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ لا بہاز عمت الخ یعنی انھوں نے زغم کر لیا کہ تحقیق ایک تکلیف دہی گمبوں سے جب کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور کرے بعد اس کے گناہ تو نہیں داخل ہوگا دوزخ میں ہرگز ۱۲۷ یہ حضرت معاذؒ کی روایت کی ہوئی اسی حدیث سے استدلال بطریق غلط مرجیہ نے کیا ہے، جو آپ نے اپنے انتقال کے وقت اقرار شہادتین کی بابت بیان فرمائی تھی جس سے وجہ نسبت کرنے کی آپ کی طرف (یعنی حضرت معاذؒ کی طرف) ظاہر ہے، ورنہ حضرت معاذؒ اصحاب اُن سرور مسلم میں سے ہیں اور آپ کی اقتدا (راست) بموجب حدیث شریف باہم اقتدیتم اہتدیتم عین ہدایت ہے، اور آپ کے مقتدی (راست) اہل سنت والجماعت،

تقریب واضح ہو گیا کہ جناب پیر صاحب ان ہر دو اصحاب کی اقتدا کرنے والوں کو (نعوذ باللہ)

مرجیہ نہیں شمار فرماتے، بلکہ مرجیہ کے ایسے گروہ کو بیان فرماتے ہیں جو بطریق انفرادی اپنے آپ کو ان حضرات کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنا نام مرجیہ حنفیہ، مرجیہ معاذیہ قرار دیتے ہیں، فقط۔

قرب ششم (ترجمہ خامس ص ۱۹۵)

سوال (۵۹۲) میں آج الاحادیث متعلقہ محرم ۱۳۳۶ھ سے متمتع تھا، صفحہ ۱۹ پر بعض مواضع منقولہ الاحادیث حضرت قطب عالم قدس سرہ العزیز کا قصہ متعلق بیعت کر نظر سے گزرا، مجھے اس کے متعلق اب تک یہ تحقیق تھی کہ حضرت قطب عالم قدس سرہ العزیز کی ولادت حضرت مخدوم احمد عبدالحق ردو لوی قدس سرہ العزیز کو وصال سے تیس سال کے بعد ہوئی، سنا بھی تھا، اور عرصہ ہوا انوار العیون مصنفہ حضرت قطب عالم قدس سرہ میں دیکھا تھا، جناب کی تحقیق الحق الی الحق ہے، اگر جناب کو یہ امر کہ حضرت مدوح نے ایک زمانہ پایا ہے متحقق ہو تو مجھے بھی مطلع فرمایا جاوے، جواب، جو قصہ اس پرچہ میں نقل کیا گیا ہے واقع میں تحقیق سے صحیح ثابت نہیں ہوا، میں نے مدت ہوئی یاد نہیں کسی کی زبان سے سنا تھا، غالباً راوی کی غلطی ہے یا میرے ذہن کو غلط ہوا ہے، میں نے اس سے رجوع کر کے اپنی افلاط کی فہرست میں لکھ دیا ہے جو وقتاً فوقتاً بصورت ایک رسالہ مسیحی یہ ترجمہ الراجح کے قصص کے شائع ہوتا رہتا ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ علی الصلاح، (ترجمہ خامس ص ۱۰۲)

تحقیق بعض مقامات امواج طلب | سوال (۵۹۳) رسالہ امواج طلب بابا غ طرب کی تمہید ص ۵ میں ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول الہم اس کے متعلق عرض ہے فی البخاری ص ۲۵ وقال عمرو اذا قال متوس فقد امنه ان الله يعلم الا لسنة كلها اھ پس یہ اثر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہے، اطلاعاً عرض ہو،

الجواب، جذاکما اللہ دللتونی علی الصواب (ترجمہ الراجح خامس ص ۱۰۲)

تفہیم بعض حوالجات تفسیر | سوال (۵۹۴) بیان القرآن جلد ۹ ص ۱۵ س ۱۸ میں یہ لکھا ہے... فن سورۃ قصص کے آخری رکوع سے ذرا اوپر الخ حالانکہ وہ آیت سورۃ نمل میں ہو اور صحت نامہ میں دیکھا دیاں بھی تصحیح نہ تھی، اسلئے اطلاعاً عرض ہے، یا میری فہم میں عبارت نہیں **الجواب** میرے ہی لکھنے کی غلطی ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ علیٰ ہذا التنبیہ (ترجمہ خامس ص ۱۰۸)

تحقیق بعض حوالجات | سوال (۵۹۵) الاحادیث بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ احادیث الفقہی ص ۲۳ میں بذیل مضمون ”باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست پوٹ“ درج ہے، مولوی وحید الزماں تو

اور غضب دُعا یا، اپنی کتاب نزل الابرار جو یاہنام مولوی ابوالقاسم بنارس میں چھپی ہو اس کے صفحہ ۳ میں صاف لکھ دیا ہے کہ شادیوں میں ہر طرح کا باجا و گانا بہتر ہی نہیں بلکہ واجب اور ضروری ہے اور جو حرام کہتا ہے، وہ گمراہ ہوا انتہی، واقعی تعجب خیز اور افسوسناک ہے، نزل الابرار کا صفحہ ۳ دیکھا۔ بعنوان کتاب الایمان مضمون صفات باری تعالیٰ درج ہیں، حوالہ میں غالباً سہو ہوا ہے، اس کتاب کے مختلف مقامات کو دیکھا گیا، مضمون حوالہ نظر نہ آیا، بزرگوں کو حوالہ کی فصیح فرمائے مضمون مندرجہ ادا الفتاویٰ کہاں سے دیکھا جائے، امید کہ جواب با صواب سے مطلع فرمادیں گے۔

الجواب، من المولوی حبیب احمد صاحب، بروضہ صاحب الفتاویٰ، شاید جناب نے
الامداد کو غور سے ملاحظہ نہیں فرمایا، مضمون ”باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ“ ضمیمہ اخبار
الفیقہہ امرتسر سے ماخوذ ہے، حضرت مولانا نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر نہیں لکھا ہے۔ اور حضرت مولانا نے
اسی فتوے میں اس کی تصحیح بھی فرمادی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں تھوڑا زمانہ ہوا کہ ایک مضمون جو ضمیمہ اخبار
الفیقہہ امرتسر، ۵ نومبر ۱۹۱۹ء بعنوان ”باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ“ شائع ہوا ہے،
نظر سے گذرا، الخ الامداد ص ۲۲ بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ، پس جناب یہ سوال اخبار الفیقہہ سے فرمادیں
یا اصل مضمون نویس ابو اسحاق انصاری محی آبادی سے، والسلام، (ترجمہ خامس ص ۱۱۰)

مراد آبادی کی کہ جو مولانا مولوی مجہود الحسن صاحب مرحوم دہ مغفور کی سوانح عمری میں تحریر فرمایا ہے، اور اس میں بعض بزرگان کو ایسے تلفظ سے یاد فرمایا کہ جو آپ کی شان سے نہایت بعید ہے، جو واقعہ تحریر فرمایا ہے اس جلسہ میں جناب شریک نہ تھے اور حضرات اس وقت موجود تھے اب بھی بعض ثقافت بقید حیات ہیں، جناب مولوی عبدالحی صاحب مدرس مدرسہ عبدالحرب دہلی، جناب مولوی داکم علی صاحب مراد آباد، جناب مولوی ظہور الحسن صاحب رامپور، جناب مولوی منور علی صاحب محدث رامپور وغیرہم، ان حضرات سے اس کی تحقیق بخوبی ہو سکتی ہے، مناسب ہے کہ تحقیق کر کے انصاف کو کام میں لاکر تصحیح فرمائی جائے۔

الجواب، راوی کے ثقہ ہونے میں وقت روایت کے مجھ کو شبہ نہیں ہوا، نقل کی بنا تو یہ ہوئی اور باوجود اس کے یہ احتیاط کی گئی کہ صاحب قصہ کی تعبیر میں ابہام رکھا، اب عبارت سوال پر مطلع ہو کر میں اس معنوں و عنوان دونوں سے رجوع کرتا ہوں، جن حضرات کو معنوں کی تحقیق فرمانا ہو بزرگان مذکورین فی السؤال سے تحقیق فرمائیں، اور جن صاحبوں کو اس عنوان سے اس وجہ کہ ان کے اذہان میں وہ ابہام نہیں ہو گرائی ہوئی لے معاف فرمادیں، وانی استغفر اللہ تعالیٰ منہا۔

۲۳ رذیقہ ۱۳۳۹ھ (ترجمہ خامس ص ۱۲۱)

سوال (۵۹۱) نقشہ نعل مبارک جو کہ خدمت والا میں مرسل ہے، ایک نعل شریف مذکورہ زاد السعید رنگونی مشمول سیٹھ صاحب نے مستقل طور پر کثیر تعداد میں چھپوا کر یہاں رنگون میں مسلمانوں کو تقسیم کیا، اس غرض سے کہ اس کا ادب و تعظیم بجا لاکر فوائد دارین حاصل کریں، غیر مقلدین اور بعض مقلدین نے یہ چرچا دیکھ کر بہت کچھ شور و شغب اور چھیڑ چھاڑ شروع کر دی، اور بعضوں نے غلو کر کے یہاں تک کہہ دیا کہ ایک تو یونہی لوگوں کے ایمانوں میں کمزوری تھی، صرف رائی کے دادہ کے برابر ایمان باقی رہ گیا تھا، اب اس نقشہ مزینہ و متلو نہ بالوان مختلفہ کی بدولت رہا سہا رائی برابر ایمان بھی جاتا رہا، اس میں ہدایات مطبوعہ کے مطابق سروں پر رکھ کر بوسہ وغیرہ دے کر اس سے زیادہ معظم و مکرم چیزیں نیچے پڑ گئیں، حتیٰ کہ قرآن پاک و کتب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر آثار و علامات وقعت و عظمت اُن کے غملہ آمد سے نظر آنے لگے، جو مسلمان اُن کی جیسی تعظیم و تکریم بجا نہ لائے اس کو یہ نظر حقارت دیکھیں، اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کریں، اس کو بے ادب و گستاخ بتائیں، التزام بالایلزم، اور حدود شرعیہ سے تجاوز کا پورا انتظار پیش ہو جائے، پھر تعجب پر تعجب ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو متبع سنت اور اہل حق

کہہ کر بہت سے امور کو جن کو اہل بدعات بدعات حسنیہ یا شاعر اظہار محبت رسولؐ وغیرہ قرار دیتے ہیں، بنا بر مفسد عینینہ ناجائز، حرام، شرک، بدعت قبیحہ کہتے ہیں، اور نقشہ نعل مبارک بایں آب تاب چھپوا کر ذریعہ نجات بتاتے ہیں، باوجودیکہ عوام کا الانعام کی حالت اور اس کے صد ہا امثال و نظائر میں ان کی افراط و تفریط خود بھی مشاہدہ کر چکے اور کر رہے ہیں۔

نقشہ مذکور کے نیچے گرد اگر دشعار و عبارات و فضائل وغیرہ ہوتے ہوئے یہ غدار کرنا کہ ہم نے نقشہ مذکور کے نیچے یہ بھی چھاپ دیا ہے، مگر خلاف شرع علونہ کر میں الخ بالکل لچر ہے، خواہشات نفسانہ کا غلبہ ہوتے ہوئے اور ربح حاجت دنیاوی کا سہل نسخہ ہاتھ آتے ہوئے عوام کا حدود شرعیہ پر قائم رہنا قطعاً خلاف بدعت و مشاہدہ ہے، اتنی عبارت کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں، اور نہ اس کا شائع کنندہ مسلمانوں کو ایک نئے فتنہ میں پھنسانے کی وجہ سے مواخذہ اخروی سے بری الذمہ ہو سکتا ہے، اس نقشہ تحلیل مبارک کو زوال السعید حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی کے ساتھ ملانے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کا ماخذ یہی کتاب ہے، اس میں کوئی شرعی دلیل قائم نہیں کی گئی، کتاب فتح المتعال فی مدح النعال کا حوالہ اس میں بھی دیا گیا ہے، یہ کتاب بھی اثبات مطلوب کے لئے کافی نہیں ہے۔ انتہی بتقریر المخالفین وفق ما صدر منہم بلسان القال و اقلہ بلسان الحال۔

پس جناب والا کی خدمت میں امور ذیل معروض ہیں،

۱۔ مخالفین کی تقریر کہاں تک صحیح ہے اور کہاں تک غلط؟

۲۔ نقشہ مرسلہ کی وجہ سے عوام کا مفسد میں مبتلا ہو جانا محتمل قوی ہے یا نہیں؟

۳۔ نقشہ مرسلہ کا بوسہ دینا، سر پر رکھنا وغیرہ کے مشروع ہونے پر دلیل شرعی کیا ہے؟ اگر بطور عمل اور حصول خیر و برکت کے لئے جائز کہا جائے تو کیا وجہ ہے کہ قیام مولود و فاتحہ و تعزیر، و نقشہ ہائے موعظ مبارک و جبہ و عمامہ مبارک وغیرہ بے شمار اعمال کے بارہ میں اسی وجہ کو کیوں نہ کافی سمجھا جائے، بلکہ ان میں سے بعض اعمال کو بدرجہ اولیٰ کیوں نہ جائز قرار دیا جائے اور اگر نہیں تو مابہ الفرق کیا ہے؟

۴۔ قرون ثلاثہ مشہور و لمہا بالخیر و زمانہ مجتہدین عظام میں اس طرح بوسہ دینے، سر پر رکھنے وغیرہ کا دستور تھا یا نہیں، اگر تھا تو اس کی تصریح نقل فرمادیں، خاص موعظ مبارک و ملبوسات شریفہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ فیوض و برکات حاصل کرنا امر آخر ہے، اور شبیبہ

دوسری چیز ہے، اس لئے یہ امر قابل خیال ہے کہ اصل کے ساتھ کسی برتاؤ کا ذکر کھلا نا وہی برتاؤ نقل کے لئے ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہوگا۔!

۵۔ جب کہ نقشہ نعل شریف اس درجہ واجب التعظیم قرار پائے کہ سر پر رکھ کر اسکے وسیلہ عار مانگنا باعث حصول خیر و برکت ہو تو دوسری صورت میں اگر کوئی مثل نقشہ نعل چربی یا چوبی بنوا کر اتباعاً پہننا چاہے جس کا پاک و ناپاک جگہ آمد و رفت میں ملوث ہونا ظاہر ہو کیا حکم رکھتا؟

۶۔ کیا اصل نعلین کے ساتھ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ معاملہ کرنا ثابت ہے جو کہ اسکی نقل کے ساتھ تجویز کیا گیا ہے، بروقت جواب عریفہ بذکاء کتاب امداد الفتاویٰ جلد سوم صفحہ ۱۴۰ مسائل شتی مطبع مجتہائی دہلی اور مضمون کتاب زوائد السعید متعلق نعل شریف کے تعارض کو ملاحظہ فرمایا جاوے، فقط،

الجواب، اس مسئلہ میں دو مقام پر کلام ہے، ایک یہ کہ فی نفسہ قطع نظر عوارض سے اس تمثال کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کا کیا حکم ہے، دوسرے یہ کہ عوام کے مفاسد حالیہ یا مالیہ محتملہ باحتمال غالب کے اعتبار سے کیا حکم ہے،

سوا ماول میں یہ تفصیل ہے کہ اگر دین اور عبادت سمجھ کر ایسا کیا جائے تب تو بدعت ہو کیونکہ اسکی کوئی دلیل وارد نہیں، اور اگر ادب و شوق طبعی سے کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، ایسے امور طبعیہ کے جواز کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، خلاف دلیل نہ ہونا کافی ہو، اور جو سلف سے اس کی نظیر منقول ہو اس کا محل یہی ادب حب طبعی ہو، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے:-

ولا حبسک ذکرى بهیمنی منذ بايعت بهار رسول الله صلى الله عليه وسلم رواه ابن ماجه فى باب كراهة الذكر باليمين،

ظاہر ہے کہ یہ رعایت بنا بر حکم شرعی نہیں، ورنہ ثوب بخش کا دلک یا عصر بھی بین جائز نہ ہوتا، اور جیسے قاضی عیاضؒ نے عبد الرحمن سلمیٰ سے احمد بن فضلویہ زائد غازی کا قول نقل کیا ہے

مامست القوس بیدی الاعلى طهارة منذ بلغنى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذ القوس بیده، من فتاویٰ العلامة عبدالحی، ص ۳۳،

ظاہر ہے کہ مبنی اس کا بجز دونوں قوس میں تشابہ ہونے کے اور کیا تھا، اور اس تقریر سے امداد الفتاویٰ و زوائد السعید کا تعارض بھی مرتفع ہو گیا، جو سوال سادس میں سائل نے لکھا ہے کہ اول میں حکم شرعی کا بیان ہے اور ثانی میں شوق طبعی کا، چنانچہ خود امداد الفتاویٰ کی اسس عبارت میں شوق کی بناء پر ایسے نعل ہو جانے پر ملامت کی نفی مصرح ہے، یہ تو تفصیل ہے حکم کی

کی، اور اردو کی تحقیق یہ ہے کہ جہاں احتمال مفاسد کا غالب ہو وہاں رد کا جاویگا، اور واقعی اس وقت عوام کی حالت پر نظر کر کے احتیاط ہی مناسب ہے، چنانچہ اسی بنا پر ہمیشہ خیال ہوتا تھا کہ زاد السعید کے مضمون کے متعلق اس پر تنبیہ کروں، الحمد للہ اس وقت اس کی توفیق ہوئی، لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری جانب میں بھی اصلاح ضروری ہے، مثلاً اس تمثال کے ساتھ قصداً اہانت کا معاملہ کرنا کھلی علامت بر قساوت کی، کیونکہ گو وہ اصل نہیں ہو مگر تشاکل و تشابہ کے سبب جو اصل سے ملا بہت و مناسبت ہو اس کی مانعیت کے لئے کافی ہے، چنانچہ اس کا انکار تو مانعین بھی نہیں کر سکتے، کہ جس طرح اصل نعل شریف پر باوجود اس کے ظاہر ہونے کے بھی کلمات طیبہ اسم مبارک لکھنا سو رادب ہے، اسی طرح تمثال پر اس کا لکھنا سو رادب ہے، جیسا اس تمثال میں اس کا ذکر کیا گیا، جو قلب پر ہیج نقل معلوم ہوتا ہے، جس سے یہ نقشہ میری رائے میں قابلِ دفن ہو گیا، کیونکہ اس کے ابقار میں جائز رکھنا بر اہانت اسم مبارک کا، نحوذ بانہ منہ، یا جس طرح اصل نعل شریف کو قرآنی شریف کے ساتھ ایک غلاف میں رکھنا درست نہیں اسی طرح تمثال نعل کو بھی، تو ان احکام کا مبنی اگر تشابہ نہیں تو کیا ہے، صاف معلوم ہوا کہ من وجہ اصل اور نقل کو بعض آثار میں تشارك ہے، پس تمثال کی قصداً اہانت کرنا بھی گوارا نہ ہوگا، اور جس طرح ان کلمات کی کتابت کا وجوب اجتناب حجت ہے مانعین پر اور مثبت ہو من وجہ تشارك اصل و نقل فی بعض الآثار کا، اسی طرح اس کتاب کا وجود ارتکاب حجت ہے، مجوزین پر اور نافی ہو من کل الوجوہ تشارك اصل و نقل فی کل الآثار کا، ورنہ اگر تشارك منفی نہیں تو کیا وجہ کہ اصل پر یہ کتابت ناجائز ہو اور نقل پر جائز۔

اس تحقیق سے ضروری احکام کا ایضاح اور افراط و تفریط جانین کی اصلاح دونوں امر حاصل ہو گئے، اور اسی سے سب سوالوں کا جواب بھی نکل آیا، واللہ اعلم،

۸ رمضان ۱۳۳۵ھ (ترجمہ خامس ص ۱۳۸)

مزید تحقیق متعلق تعیین ابراہیم سوال (۵۹۹) حضرت سلامت، سلام مسنون، ایک از زیادة المقامات در نسب نامہ ہائے فاروقیان، مطالعہ کرتا تھا، اس کے صفحہ ۸۸ پر حضرت مجد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب نامہ دیکھا، وہ ہوا،

حضرت محمد روح ابن شیخ عبد الاحد، ابن شیخ زین العابدین، ابن شیخ جلالی، ابن شیخ محمد ابن شیخ حبیب اللہ ابن شیخ امام رفیع الدین، ابن شیخ نصیر الدین، ابن سلیمان، ابن یوسف، ابن اسحاق، ابن عبد اللہ ابن شعیب، ابن احمد، ابن یوسف، ابن فرخ شاہ کابلی، ابن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود، ابن

عبد اللہ الواعظ الاصحرا بن عبد اللہ الواعظ الاکبر، ابن ابوالفتح بن اسحاق بن ابراہیم، ابن ناصر بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم،

اس کو پڑھتے ہی خیال ہوا کہ حضور کے نسب نامہ میں بھی یہی فرخ شاہ کا بی بی ہیں چنانچہ وجوہ المثانی کے آخر کو دیکھا اور ملایا تو ٹھیک پایا، البتہ بعض ناموں میں قدرے اختلاف ہے، وہو فرخ شاہ کا بی بی، ابن محمد شاہ، ابن نصیر الدین شاہ بن محمود شاہ بن سلیمان شاہ بن مسعود شاہ ابن شاہ عبد اللہ بن شاہ واعظ الاصحرا بن شاہ واعظ الاکبر ابن شاہ ابوالفتح ابن شاہ محمد اسحاق (ابن سلطان محمود) ابن السلطان ابراہیم بن ادہم، ان دونوں نسب ناموں کو بغور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ فرخ شاہ آپ کے اور حضرت مجدد صاحب کے جدا علی ہیں، حضرت مجدد صاحب کے نسب نامہ میں جو آگے چل کر ابراہیم ہیں وہ ابراہیم ادہم نہیں ہیں کوئی اور ابراہیم ہیں، اس لئے مجدد صاحب کے فاروقی ہونے میں کوئی کلام نہیں، تمام ارباب سیرۃ مذکورہ مجدد صاحب کو فاروقی ہی لکھتے ہیں۔ پھر زبدۃ المقامات ہی میں لکھا ہے کہ شیخ فرید الدین گنجشکر کا نسب بھی فرخ شاہ متصل ہوا ہے اور بابا فریاد کو بھی سب فاروقی لکھتے چلے آئے ہیں، غرض ان دو صاحبوں کی فاروقیت مسلم ہے تو پھر آپ کی فاروقیت میں کیونکر کلام ہو سکتا ہے، ہاں ان ابراہیم کو ابراہیم ادہم مانا جائے تو البتہ کلام و اختلاف کی گنجائش ہے، مگر اکثروں نے ان کو غیر ابراہیم ادہم مانا ہے، اس لئے ان کو ابراہیم ادہم کہنا ہی غلط ہے، اگر یہ شبہ ہو کہ تاریخ فرشتہ میں جو فاروقیوں کا نسب نامہ مذکور ہے اس میں ابراہیم ادہم مذکور ہیں تو یہ صحیح ہے، مگر تاریخ فرشتہ والے نسب نامہ میں فرخ شاہ نہیں ہیں، اور درحقیقت ان دونوں نسب ناموں میں سے اور اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ حضور ان ہر سہ نسب ناموں پر غور فرما کر یہ شائع کر دیں کہ یہ ابراہیم ادہم نہیں ہیں، جیسا میں اس وقت تک سمجھتا ہوں، اگر یہ میرا لکھنا گستاخی سے خالی نہیں، مگر تاریخی حیثیت کی بنا پر لکھنے کے لئے مجبور ہوں، امید ہے کہ جواب سے محروم نہ رکھیں گے، جناب کی تحریرات سے لڑو نا و بعض دیگر اکابر کی تحریرات سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ تحفظ نسب بھی ضروریات شرع سے ہے اس لئے اس کا تحفظ کرنا بہتر ہے جو خدا کی ایک خاص نعمت ہے، ۸ رمضان ۱۳۸۷ھ،

جواب، مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کے خط سے بڑی گنجائش رہی ہوئی، جزاکم اللہ تعالیٰ علیٰ ذہلہ الافادہ، اب آپ کی تائید و سرے بعض نسب ناموں کے دیکھنے سے سمجھ میں آتی ہے جن کو میں نے ایک زمانہ میں جمع کیا تھا، مگر اس وقت اس طرف ذہن نہیں گیا، اب جو کر دیکھا

تو اس طرح تائید ہوئی کہ جن میں فرخ شاہ مذکور ہیں اُن میں تو ابراہیم کو ابن ادہم نہیں لکھا، اور جن میں ابراہیم کو ابن ادہم لکھا ہے اُن میں فرخ شاہ کا ذکر نہیں کیا، چنانچہ مشفق شاہ محمد سلیم علی پوری کے نسب نامہ میں اس طرح ہے

فرخ شاہ ابن مسعود ابن عبد اللہ ابن واعظ اصغر ابن واعظ اکبر ابن ابو فتح ابن اسحاق ابن ابراہیم ابن سالم ابن عبد اللہ بن عمرؓ،

اور مولوی ابوبکر صاحب جو پوری کے نسب نامہ میں اس طرح ہے۔

شہاب الدین علی الملّقب بہ فرخ شاہ کا بی ابن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبد اللہ واعظ اصغر ابن عبد اللہ واعظ اکبر ابن ابو الفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبد اللہ ابن عمرؓ،

اور قاضی محمد مصطفیٰ صاحب نے مچلی شہر اور بھدوئی کے فاروقیوں کے مورث اعلیٰ شاہ ابوالحسن ملّقب بہ شاہ عبد الملّک، پھر اُن کا نسب اس طرح لکھا ہے،

شاہ ابوالحسن بن زین العابدین بلخی ابن شمس الدین بلخی ابن عبد اللہ بلخی ابن حمید الدین بلخی ابن راج الدین بلخی ابن ابراہیم بن ادہم بن سلیمان بن منصور بن عبد اللہ بن عمرؓ،

اس اخیر کے نسب نامہ میں فرخ شاہ نہیں ہیں، اس سے فرخ شاہ کا فاروقی وغیرادہم ہونا متفق علیہ معلوم ہوتا ہے، اور آپ کے مدعا کے اثبات کے لئے یہ کافی ہے، اور تمھانہ بھون کے نسب نامہ میں جو فرخ شاہ سے ابراہیم تک کا سلسلہ اس طرح لکھا ہے،

فرخ شاہ بن محمد شاہ بن نصیر الدین بن محمود بن مسعود بن عبد اللہ بن واعظ اصغر بن واعظ اکبر ابن ابو الفتح بن اسحاق بن ابراہیم،

یہ تو مجدد صاحب و شاہ محمد علیم و مولوی ابوبکر صاحب کے نسب ناموں سے قریب قریب موافق ہے، اور ویسے تھوڑا تھوڑا تفاوت اسار کی کمی بیشی یا تقدیم و تاخیر کا سبب میں ہے، جو کہ اصل مقصود میں مضر نہیں، باقی آگے جو ابراہیم کا سلسلہ بیان کیا ہے، ابن ادہم بن سلیمان بن ناصر الدین ابن حضرت عبد اللہ بن عمرؓ،

سو اس میں ناصر نام تو مجدد صاحب و مولوی ابوبکر صاحب کے نسب نامہ میں مشترک ہے اور اسی طرح سلیمان بھی، گواہ ابراہیم سے پہلے ہی، مگر کاتب کے ذہول سے ایسی تقدیم و تاخیر مستبعد نہیں صرف ادہم کا نام زائد ہے، سو اکثر اسار کا اشتراک قرینہ اس کا ہے کہ ابراہیم تو وہی ہیں جو اور نسب

میں ہیں۔ ادہم میں کچھ خلط ہوا ہے، سو تعجب نہیں کہ یہ نام سالم ہو، جیسے شاہ محمد علیم کے نسب نامہ میں ابراہیم کے بعد سالم ہے۔ کتابت غیر مستنبیہ میں کسی غیر محقق نے ادہم پڑھ لیا، رہا پچھلی شہر کے نسب میں ابراہیم سے ادہم پر منصور نام کا ہونا اور ابراہیم سے نیچے ناموں کے ساتھ ملجی ہونا اور ان میں سے بعض کا بلخ سے ہند کو منتقل ہونے کا منقول ہونا یہ بظاہر مر ج ہے ان کے ابن ادہم ہونے کو، چنانچہ تہذیب میں ادہم کو ابن منصور لکھا ہے، باقی ان کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف ممکن ہو، کہ ان کی اقبات میں کوئی فاروقی ہوں، جیسا بعض نے کہا بھی ہے، واللہ اعلم اعلان، اس کے قبل جو کچھ اس تحقیق کے خلاف میری تحریر ہو اس سے رجوع کرنا ہو جیسا کہ ایک بار مختصر اس کے قبل بھی ضمیمہ تہ سادہ میں بابت نصف آخر ۳۳۶ء میں ایک دلیل کی بنا پر اسی طرح رجوع کر چکا ہوں۔ اب مکرر اس رجوع کو مؤکد کرتا ہوں،

نصف رمضان ۱۳۸۴ھ (ترجمہ خامس ص ۱۴۵)

تحقیق کلمات واقعہ منیجات مقبول | سوال (۶۰۱) مناجات مقبول جو حال میں مولانا شبیر علی صاحب نے
 صح اضافہ و ترمیم جدید کے طبع کرائی ہے اس میں بعض الفاظ میں شبہ معلوم ہوتا ہے جس کو ترجمہ
 نے اور بھی پختہ کر دیا، ورنہ غلط کاتب پر محمول ہو سکتا، مثلاً قربات عند اللہ ص ۹۴ کی آخری سطر
 میں ان کشر کنفا فی صالحہ ماند عوٹ فیہ لکھا ہے جو بحیثیت معنی بھی مرتبط نہیں معلوم ہوتا،
 اور غالباً حزب الاعظم میں بھی اسی طرح ہے فی صالحہ ماید عوٹ فیہ، قربات کے ترجمہ میں بھی
 انہی الفاظ کی پابندی کی گئی ہے، اس لئے گزارش ہے کہ کیا عبارت صحیح ہے؟

الجواب، غالباً صحیح یہ عنوانک ہی معلوم ہوتا ہو اگر حزب میں اسی طرح ہو گوند عنوانک
بھی باعتبار معنی کے اس کی طرف راجع ہو سکتا ہو، شاید ابتداء میں حزب اعظم کا کوئی نسخہ غلط مل گیا
ہوگا۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ (ترجمہ الراجح ص ۱۶۵)

تغائر بنار حجتہ شرائع سابقہ وینار حجتہ
 حدیث تقریری متعلق منہج غرائب الغرائب
 سوال (۶۰۱) النور ماہ جمادی الاولیٰ والثانیہ ۱۳۴۲ھ مضمون
 غرائب الغرائب، غریبہ ہنقا و، مشتم در تنبیہ متعلق بہ قاعدہ حجتہ
 شرائع من قبلنا کے تحت میں دو تفریعیں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے متعلق مذکور ہیں جس کو بعینہ
 نقل کرتا ہوں،

وفي المقام تفريعان لطيفان يتعلقان بقصة موسى عليه السلام مبنيان على كون ما قصر الله ورسوله علينا من غير تكبر حجة لنا أحدهما إيا جة مال الحربي برضاة

ولو بعقد فاسد فان استیجار الام لارضاع الابن عقد فاسد وهو مذهب الحنفیة والثانی کون المعاهدة التي تحرم دم المحرّب علماً للقاتل وللحالی فان موسى علیہ السلام لم يعاهدہم قالوا فلم یعقد العہد بالحال کان دم القبطی مباحاً فلا یعم تسمیة قتله عمل الشیطان واستخفاره منه، هذا انتهى،

تفریع اول کے متعلق یہ شبہ ہے کہ بیان القرآن میں اسی کے متعلق حضرت نے تحریر فرمایا ہے وہو ہذا، تیسرا جواب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ اس وقت کسی شریعت کا وجود ہی خود متحقق نہیں، رائے سے ایسا کیا ہو جو قبل شرع موجب ملامت نہیں، تو جب اس وقت شریعت کا وجود نہ تھا تو شرائع من قبلنا سے اس مسئلہ کے جواز پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے،

دوسری تفریع کے متعلق یہ شبہ ہے کہ یہ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے، جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، قال فعلتها اذا وانا من الضالین طفرت منکم لما خفتکم فوہب لی ربی حکماً وجعلنی من المرسلین، تو جب ریاست و حکم ملنے سے قبل کا یہ واقعہ ہے تو اس مسئلہ کی تفریع کیونکر درست ہو سکتی ہے، اپنی فہم ناقص کے مطابق عرض کیا گیا، اگر صحیح نہ ہو تو جواب کی ضرورت نہیں،

الجواب، ان تفریعات کی اصل بنا حدیث تقریری کی حجیت ہے اور حق تعالیٰ کا کسی کے قول یا فعل کو بلا تکثیر نقل فرمانا سکوت سے بھی ابلغ ہے پس اس کی حجت اور بھی اسبغ ہے، میرا پہلے یہ خیال تھا کہ حجیت شرائع من قبلنا اذا قصھا اللہ ورسولہ علینا بھی اسی اصل پر مبنی ہے چنانچہ عبارت عربیہ میں مبنیان علی کون ما قص اللہ ورسولہ علینا من غیر تکثیر کے عنوان سے تعبیر کرنے کا منشاء یہی ہے اس لئے اس تنبیہ کو حجیۃ شرائع من قبلنا کے متعلق قرار دیا گیا، جیسا کہ سرخی تنبیہ کی عبارت کا منشاء یہی ہے، مگر کتب اصول کی مراجعت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ حجیت شرائع من قبلنا مسئلہ مستقلہ ہے، اور اس کی بناء دوسری ہے، اور حدیث تقریری کی بناء دوسری، جو کہ غیر شرائع کو بھی عام ہے، مگر یہ تغائر بنائیں میرے مقصود میں مضر نہیں، کیونکہ ایک دلیل کے انعدام سے دوسری دلیل کا انعدام اور پھر اس سے مطلوب کا انہدام لازم نہیں آتا، اگر حجیت کی ایک بناء مفقود ہے تو دوسری بناء موجود ہے، پس سوال ایک بناء کے فقدان سے تھا اور جواب دوسری بناء کے وجدان ہو گیا، فزال الاشکال۔

البتہ بعض کتب حدیث میں حدیث تقریری میں اس قول یا فعل مسکوت علیہ میں یہ شرط لگائی ہے

کہ اس کا ثبوت متنازعہ للشرع ہے، اور یہ قید گو مشہور نہیں مگر ضروری ہے، کیونکہ عدم انقیاد خود رفع ابہام میں کافی ہے، اور موسیٰ و ام موسیٰ علیہما السلام کا انقیاد ظاہر ہے گو بوجہ عدم تحقق کسی شریعت کے اس وقت اس کا ظہور نہ ہو۔ پس اس پر سکوت ضرور حجت ہے۔ خصوصاً جب کہ سیاق سے قائل و فاعل کی مدح بھی مفہوم ہوتی ہو، واللہ اعلم۔

۲۷ محرم ۱۳۸۵ھ (ترجمہ خامس ص ۱۶۶)

اصلاح و تبدیل بعض عبارات رسالہ یاریاں | (۶۰۲) تذکرہ (۱۳) کے نصف پر یہ عبارت ہو "چنانچہ چند بار جانہیں سے تحریرات ہوئیں، اور وہ تحریرات سوانح میں چھپ چکی ہیں، بالجملة نتیجہ یہ ہوا "اس عبارت مذکورہ کا ایک جزو بدل لایا ہے، اور وہ جزو عبارت ذیل ہو "اور وہ تحریرات سوانح میں چھپ چکی ہیں" یعنی اس عبارت کو حذف اور خارج کر کے بجائے اس کے عبارت ذیل لکھی جاوے گی "جن کی نقل دو چار جگہ محفوظ بھی ہے،

اور اس عبارت پر حسب ذیل ملاحظہ لکھا جاوے گا:-

۱۔ پھر بعد تالیف رسالہ ہندوہ تحریرات (جن کا لقب ضیاء الانہام من علوم بعض الاعلام تجویز کیا گیا ہے چنانچہ التابۃ للثابۃ نقشبۃ ۳ فہرست رسائل کے ۱۸۲ میں شائع بھی ہوا ہے) سوانح ملقبہ بہ تذکرۃ الرشید میں چھپ چکے ہیں ۲۔ منہ۔

۳۔ (ترجمہ خامس ص ۱۶۹)

تحقیق حیات خضر علیہ السلام | سوال (۶۰۳) خواجہ خضر علیہ السلام در قید حیات ہیں یا نہیں، پانچویں مذہب والے کہتے ہیں کہ نہیں، اگر حیات ہوتے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیوں نہ کرتے، اس کا جواب رقم فرمادیں:-

الجواب، حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کا زندہ رہنا جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تک ثابت ہے، چنانچہ بعد وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے پاس تشریف لائے اور تعزیت فرمائی، اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے، چنانچہ روایت ذیل سے معلوم ہوتا ہے:-

ودخل رجل اشهب اللحية جسيم مبيح فخطى رقابهم فبکی ثم التفت الى الصحابة رضي الله عنهم فقال ان في الله عزاء من كل مبيحة وعوضا من كل فائت وخلفا من كل هالك فالى الله اني بوا واليه فارغبوا ونظرو اليكم في البلاء فانظروا فانما المصاب من لم يجبر وانصر فقال ابوبكر وعلی رضي الله عنهما هذا

الخضر علیہ السلام ۱۲ مس یعنی مستدرک، حاکم، ظفر جلیل ترجمۃ حصین
حامل متن حزب پنجم ص ۱۲۲

اور اب تک زندہ ہونے پر تمام اہل باطن و صلحا کا اتفاق ہے، اور ہمیشہ ایسے لوگوں سے
ملاقات کرتے رہے اور کرتے ہیں، مولانا نظامی فرماتے ہیں ”مرا خضر تعلیم گریہ و دوش“ اور اکثر بزرگوں
سے حکایات بمنزلہ خبر متواتر ان کی زندگی کے منقول و مشہور ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

(امداد، ج ۲، ص ۱۲۶)

جواب تنگی از دوستی عوام | (نقطہ ہدایت نمط نذر عزیز ہے کہ شکایت عوام از بے طاقتی کرد۔)
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا اظہار نامہ آیا، مکرر لکھتا ہوں کہ جس کام کو آپ
نے اختیار کر رکھا ہے، یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے خالی نہیں، یا اس کا تحمل ہو یا نہیں، اگر تحمل
ہے تو عوام کی شکایات بے معنی، جتنا وقت اس حکایت و شکایت میں صرف کیا جاتا ہے اپنے کام میں
کیوں نہ صرف کیا جائے، اور اگر تحمل نہیں تو اس کو ترک کر دینا چاہئے، کہ صرف مستحب کیلئے اس قدر
صعوبت برداشت کرنا ضروری نہیں ہے

سرمہ گلہ اعتصاری باید کرد یک کار از یں دو کاری باید کرد

یا تن برضائے دوست می باید دار یا قطع نظر زیار می باید کرد

فقط کتبہ اشرف علی، از تھانہ بحون (امداد، ج ۲، ص ۱۳۷)

تحقیق معنی مولیٰ | سوال (۶۰۵) لفظ مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف در کلام عرب منقول است یا نہ
و نیز در کتب لغت معنی مولیٰ محبوب ہم آمدہ است یا بایں مساسی ندارد اگر آمدہ است در کدام
لغت باید جست، بینوا تو جبروا،

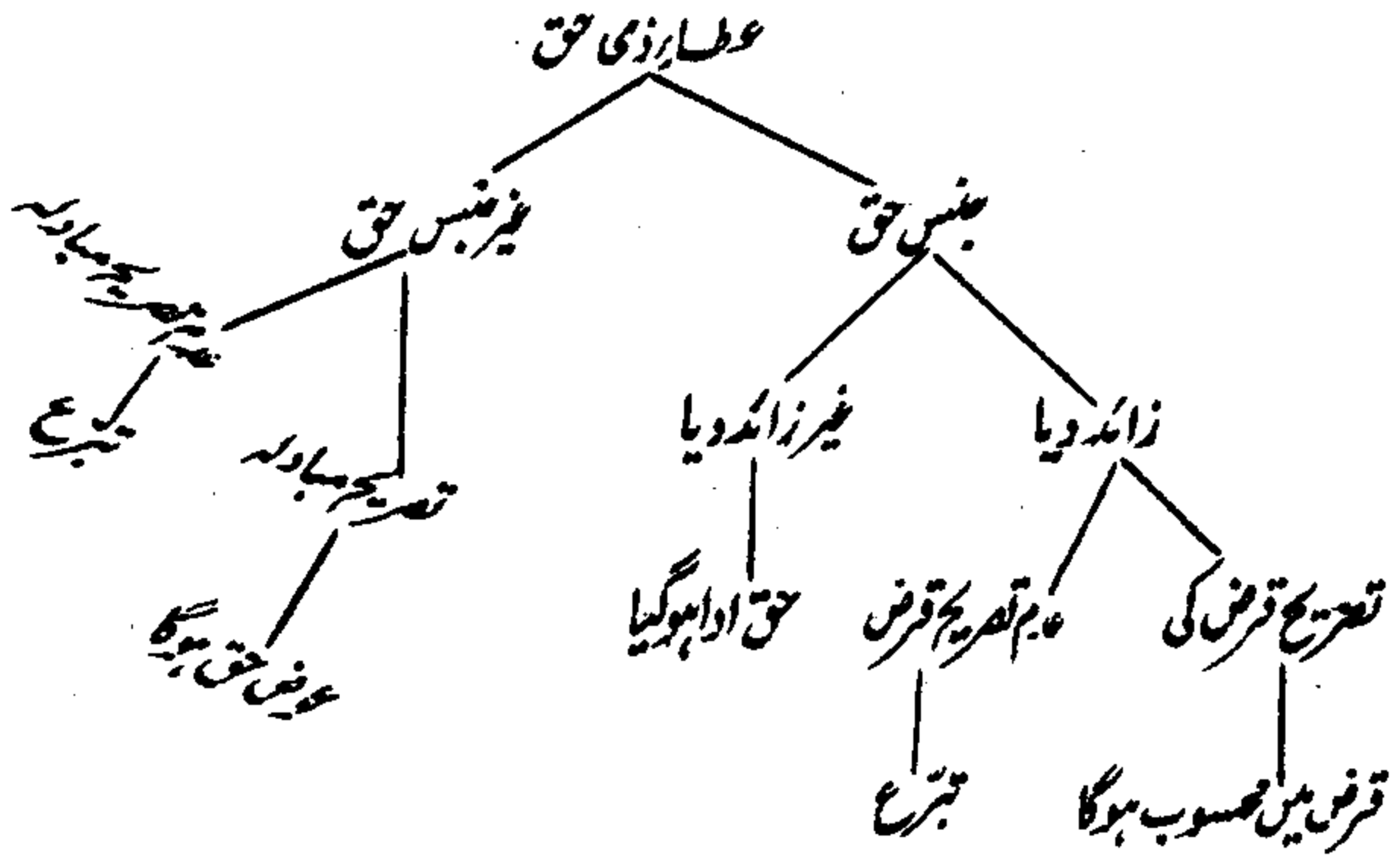
الجواب، در تہی الارب است مولیٰ خداوند و بندہ آزاد کنندہ و آزاد کردہ و منشی و قریب
و نزدیک و دوست و ہمسایہ و ہم سوگند و پسر برادر و بہیمان فردا آئندہ و ابنایز و پسر خواہر و یادگار
و صاحب پیر و زندہ و نعمت دہندہ و نعمت دادہ شدہ و مہربان و پیر و داماد و شوئی خواہر مرد و خسر انتہی
مختصراً معنی اولیٰ بالتصرف از نظر نگذشتہ و معنی دوست از منتہی مذکور شدہ واللہ اعلم،

(امداد، ج ۳، ص ۱۳۷)

عہ اس وقت تک یہی معلوم تھا بعد میں مکتوبات حضرت مجدد دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سب کا اتفاق نہیں ہوا

صور متعده در ادائے حق | سوال (۶۰۶) | تہ کہ مرحوم کی آمدنی حاجی صاحب شوہر سماء دختر مرحوم ہی نے وصول کر کے اپنی رضامندی سے بلا کسی شرط کے مسماۃ کو سرکاری مالگزاری مسماۃ مذکورہ سے لے کر دی، آیا یہ اُس کے حق میں محسوب ہوگا یا مرحوم کا اس کے ذمہ قرض رہیگا، یا کیا صورت ہوگی؟

الجواب، کسی ذی حق کو کچھ دینے کی کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کا جنس حق دیا، اور حق زائد نہیں، اس میں اس کا حق ادا ہو گیا، دوسرے یہ کہ جنس حق دیا اور زائد دیا، اور تصریح کر دی کہ زائد قرض ہے، اس میں بقدر واجب حق ادا ہو گیا، اور زائد قرض رہا، تیسرے یہ کہ جنس حق دیا اور زائد دیا، اور تصریح قرضہ کی نہیں کی تو بقدر واجب حق ادا ہو گیا اور زائد احسان ہوا، چوتھے یہ کہ غیر جنس حق دیا، اور یہ تصریح کر دی کہ تمہارے حق واجب کے عوض میں دیا جاتا ہے تو اس میں اس کا حق ادا ہو گیا جس قدر مقدار حق کے عوض میں دینے کی تصریح ہوئی ہے، اور دونوں رضامند ہو گئے ہیں، پانچویں یہ کہ غیر جنس حق دیا اور یہ تصریح نہیں کی تو اس میں یہ دینے والے کا احسان ہوا، اصل حق باقی رہے گا، پس ان صورتوں میں سے جو واقع ہوئی ہو ویسا حکم ہوگا، استیعاب صورت کے لئے شجرہ مذکور ہے۔



(امداد، ج ۳ ص ۱۲۸)

تحقیق منے تبدیل ملک | سوال (۶۰۷) | یوں مشہور ہے کہ تبدیل ملک سے اور دام دینے سے حرمت زائل ہو جاتی ہے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب، تبدیل ملک سے تبدیل عین کا ہو جانا اسکے یہ معنی نہیں جو عوام سمجھتے ہیں، بلکہ

مطلب یہ ہو کہ ایک شخص کے پاس کسی خاص طریقہ سے کوئی چیز آئی جو اس شخص کے لئے وہ طریقہ حلال تھا لیکن اس طریقہ سے اگر دوسرے شخص کے پاس آتی تو اس کے لئے حلال نہ ہوتا، اب اس شخص نے اس دوسرے شخص کو کسی دوسرے طریق سے وہ چیز دی جو کہ اس دوسرے شخص کے لئے بھی حلال ہے، سو اس میں اس پہلے طریقہ پر لحاظ نہ کیا جائے گا، اور اس کا اثر اب باقی نہ رہیگا، مثلاً غنی کو صدقہ لینا حرام ہے، مگر کسی فقیر کو کوئی چیز صدقہ میں ملی اور اس نے ہدیہ اس غنی کو دی، اب اس کے لئے حلال ہوگی، گویا یہ دوسری چیز ہوگی، یہ مطلب ہے اس قاعدہ کا، اسی طرح سے جو مشہور ہو کہ دام دینے سے حرمت زائل ہو جاتی ہے، یہ تو بالکل ہی غلط ہے، فقط (امداد، ج ۳ ص ۱۲۹) تحقین محشور شدن حاملہ | سوال (۶۰۸) اگر زلے حاملہ انتقال نماید پس بوقت قیام قیامت حشر پر صورت خواہد شد، دریں امر اختلاف فضلاست بعضے می گویند کہ حشرش بلا تجرید حمل خواہد شد و وضعش عن الصراط خواہد شد و بعضے می گویند کہ از حملش تجرید گشتہ حشرش خواہد شد و وضعش در قبرش خواہد شد، ؟

الجواب، دریں باب دلیل صریح از کتاب و سنت بنظر نیامد، لیکن ظاہر آیت تضع کل ذات حمل حملها علی التفسیر الواح و ظاہر حدیث کما تموتون تحشرون مشربان ست کہ زنان حاملہ در قیامت حاملہ محشور خواہند شد و از مہول قیامت وضع خواہند نمود و اللہ اعلم باحوال عباد ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۸ھ (امداد، ج ۳ ص ۱۳۰)

توجیہ بعض مضامین منسوب | سوال (۶۰۹) ان دنوں ایک کتاب شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے بشیخ عبدالقادر جیلانیؒ حالات میں چھپ کر گورکھپور سے شائع ہوئی ہے، اس کی روایات دیکھ کر مجھے یہ کہنے کی جرات ہوتی ہے کہ یہ کتاب کسی پیر پرست جاہل کی تصنیف ہے، جس نے وقعت قائم کرنے کے لئے بڑے لوگوں کی طرف منسوب کر دیا ہے، یہ کتاب میں ارسال مذمت کرتا ہوں، اس کی پوری لغویت تو اس کے ملاحظہ سے ہی معلوم ہوگی، مگر بطور مشتبہ نمونہ از خردارے ایک روایت لکھتا ہوں، قطب یونینی نے مختصر المرأة میں شیخ ابوسعید قیلویؒ سے روایت کی ہے فرمایا کہ میں نے حضرت کی مجلس عالی میں انبیاء علیہم السلام کو ایک بار سے زیادہ دیکھا، پیغمبرؐ کی مبارک روتوں کو آسمان وزمین کے درمیان پھرتے ہوئے دیکھا، جس طرح فضاء کائنات میں ہوا چلتی ہے، مردان غیب کو دیکھا کہ دوڑ کر مجلس عالی میں حاضر ہوتے تھے، حضراء اکثر ماضی دیتے تھے، میں نے سبب پوچھا، تو کہا جس کو فلاح حاصل کرنا ہو حضرت کی ملازمت اختیار کرے

صفحہ ۲۹ میں دیکھتا ہوں کہ جہلاء و جہلا بعض سادہ مزاج علماء بھی اس کتاب کو بڑے لوگوں کی طرف منسوب دیکھ کے ان روایات کو صحیح جانتے ہیں، اس لئے بنظر خیر خواہی اسلام عرض بردار ہوں کہ جس طرح اصلاح ترجمہ دہلویہ اصلاح ترجمہ مرزا حیرت وغیرہ تحریر فرما کر جہلاء و علماء کے مذہب کی حفاظت فرمائی گئی ہے اس کی اصلاح تحریر فرما کر جہلاء و علماء کے مذہب کی حفاظت فرمائیے۔

اجواب، بجز احادیث کے اس میں بند کافی کا نہ ہوتا علم بالوضع ظنا کے لئے کافی ہے۔ دوسرے قصص و حکایات میں جب تک کہ امتناع عقلی یا امتناع شرعی پر دلیل قائم نہ ہو یقیناً تکذیب و انکار کرنا مشکل ہے، اور اس امتناع کا حکم بعد تجرد مہارت علوم شرعیہ و فنون عقلیہ کے ہو سکتا ہے ورنہ اکثر نظر ظاہری میں مستبعدات کو مستحیلات سمجھ کر انکار کر دیا جاتا ہے، یہ قاعدہ کلیہ معیار کافی ہے، باقی مجھ کو متن و حواشی کے مفصل دیکھنے کی فرصت نہیں، جہاں جہاں ایک آدھ جگہ دیکھا ہے وہاں میری نظر میں ایسا کوئی امر نہیں گذرا جس میں صحت کی توجہ نہ ہو سکے، اور شبہات ضعیف معلوم ہوئے۔ اور اگر کوئی مضمون ایسا بھی ہو تو مفصل مواخذہ اس پر کرنا محتاج فرصت ہے، اہد ترجمہ قرآن کی روایات تھی، اس پر مدلل ایمان ہے اور اگر ہر سال کی تحقیق کی جائے تو آدمی کسی کام ہی کا نہ رہے، طلب حق کے لئے قاعدہ معیار یہ کافی ہے۔

(امداد ۲ ص ۳۴)

شبہات مستفتی متعلقہ جواب مندرجہ بالا معہ جواب

نوازش نامہ میں جو قاعدہ کلیہ معیار یہ تحریر فرمایا گیا ہے اس کے عمدہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے لیکن یہ تقاضائے بشریت اس میں خدام کو جو شبہات واقع ہو گئے ہیں ان کو بعد میں لکھے گا، پہلے یہ عرض کرتا ہے کہ اس کتاب پر جو شبہات کئے گئے ان کا منشا کیا تھا، کسی سال ہوئے ہندوستان میں ایک اشتہار شائع ہوا تھا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ”شیخ عبداللہ شجاع اور روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اے عبداللہ اب کے سال میری امت میں سترہ لاکھ آدمی مرے، جن میں صرف ۷۰ ایمان باقی بے ایمان اس لئے امت کو آگاہ کر دے کہ اعمال صالحہ میں سعی کریں، اس اشتہار کے ساتھ دو باتیں اور بھی شائع ہوئی تھیں کہ شہر سورت کے بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے عالم ارواح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ نبی اللہ عنہا کا دودھ پیا ہے۔ اور انھوں نے حضرت ملک الموت سے زبیل ارواح چھین لی۔ انتہی مختصراً۔

ان تینوں باتوں کا جواب اسی زمانہ (زمانہ قیام کراچی) میں غالباً جناب والا نے ارقام فرمایا تھا، اور یہ جواب مولوی صادق الباقین صاحب کے نام سے اشتہار کی صورت میں شائع ہوا تھا پہلی بات کے جواب کا

خلاصہ یہ تھا کہ ۱۰ لاکھ آدمیوں میں بہت سنا بلوغت بچے بھی ہوں گے جو مکلف شرعی نہیں، ان کے بے ایمان مرنے کے کچھ معنی نہیں، دوسری بات کے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ روح کے منہ نہیں ہوتا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دودھ نہ تھا، تیسری بات کا خلاصہ یہ تھا کہ ملک الموت سے زمیل ارواح چھیننے کی کیا ضرورت تھی، اگر حضرت عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کو زمیل ارواح لینے اور ملک الموت کو دینے کا حکم ہوا تھا تو وہ خود ہی دیدیتے۔ چھیننے کی ضرورت نہ تھی، اور اگر دینے کا حکم نہیں ہوا تھا تو نہ ان کو لینے کا اختیار تھا نہ ان کو دینے کا۔

ان تینوں باتوں کے جواب سے جو نتیجہ احقر نے نکالا وہ یہ ہے کہ جو بات عقلاً یا شرعاً مستبعد ہو اس کو مستحیل سمجھ کے اس کو تکذیب کرنا صحیح ہے، اس میں توجیہ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں، اگر توجیہ کی ضرورت ہوتی تو خواب والا ہر ایک کی عمدہ سے عمدہ توجیہ کر سکتے تھے۔ اور اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ قصص و حکایات کا جب تک عقلاً یا شرعاً قوی دلائل سے ثبوت نہ ہو، اس وقت تک ان کا تکذیب کرنا صحیح ہے، ممکن ہے کہ پہلی بات کی یوں توجیہ کی جاتی کہ شیخ عبداللہ رحمہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خواب دیکھا وہ صحیح ہے کیونکہ اس کے امتناع پر کوئی دلیل عقلی یا شرعی قائم نہیں، رہی یہ بات کہ ۱۰ لاکھ میں بہت سے نابالغ بچے بھی ہوں گے، جو مکلف نہیں، ان کے بے ایمان مرنے کے کچھ معنی نہیں، اس کا جواب اس حدیث سے نکل سکتا ہے عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت دعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی جنازة صبی من الانصار فقلت یا رسول اللہ طوبی لہذا اعصم من عصا فی الجنة لہا وھو فی اصلا ب اباکم وخلق للنار اھلا خلقھم لہا وھو فی اصلا ب اباکم وداہ مسلح مشکوٰۃ باب الیمان بالقدر الفصل الاول، دوسری بات کی توجیہ یوں کی جائے کہ حضرت عبدالقادر نے عالم ارواح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا ہے، یہی بات کہ روح کے منہ نہیں ہوتا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دودھ نہ تھا، اس کا جواب اس تقریر سے نکل سکتا ہے کہ دودھ کو علم سے باطنی مناسبت ہے، جیسا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بیانا انا انما اتیت بقدر لبن فثبت حتی انی اری الی یخرج فی اظفاری ثم اعطیت فضلی عمر بن الخطاب قالوا فما اذلتہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال العلم متفق علیہ مشکوٰۃ باب مناقبہ الفصل الاول، اور روح سے فیض کا حاصل کرنا صوفیہ کے نزدیک مجرب ہے، مطلب یہ ہوا کہ حضرت عبدالقادر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روح سے فیوض علیہ حاصل کئے، تیسری بات کی توجیہ یوں کی جاتی ہے کہ حضرت عبدالقادر نے حضرت ملک الموت سے زمیل ارواح چھین لی، یہی بات کہ ان کو چھیننے کی کیا ضرورت

تھی اہل آخرہ اس کا جواب اس تقریر سے نکل سکتا ہے کہ بعض مومن الشریعہ کے نزدیک ملائکہ سے بھی زیادہ اکرم ہیں، جیسا حدیث میں آیا ہے، کبھی اس اکرمیت کو اللہ تعالیٰ اس ملائکہ پر اس عنوان سے ظاہر فرماتا ہے۔ چنانچہ اس کی تفسیر حدیث میں موجود ہے: "وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ فَقَالَ لَهُ: أَجِبْ رَبِّكَ قَالَ فَلَطَمَ مُوسَى عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ نَفَقًا هَا قَالَ فَوَجَعَ الْمَلَكُ إِلَى اللَّهِ فَقَالَ إِنَّتِ ارْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدِكَ لِأَيِّدَ الْمَوْتِ وَقَدْ قَتَلْتُ عَيْنِي إِلَى آخِرِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، مَشْكُوقٌ بِأَبِ بَدَأَ الْخَلْقَ وَذَكَرَ أَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْفَصْلُ الْأَوَّلُ، حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ نبی اولوالعزم تھے اس لئے انہوں نے طہانچہ مارا اور آئینہ پھوٹا ڈالا، حضرت عبدالقادر جو نہ ولی تھے نہ نبی کے برابر کرامت نہ رکھتے تھے اس لئے زبیل ارواح جبین لی، زیادہ کچھ نہ کر سکے۔ پہلے استقار میں اس کتاب کی ایک روایت لکھی تھی، جناب والا نے اس کی کوئی توجیہ فرمائی، گو قاعدہ کلیہ معیار یہ کہ تحریر فرمانے کے بعد جزئیات کی طرف توجہ فرمانے کی ضرورت نہ تھی، مگر توجیہ دیکھنے سے خادم کو اس کا موقع ملتا کہ اسی قسم کی توجیہیں اور روایات میں کرتا، پہلے استقار میں خادم نے صرف روایت نقل کر دی تھی۔ اس پر اپنے شبہات نہیں عرض کئے تھے، اب کے ایک پرچہ میں وہ روایت اور اپنے شبہات قلمبند کر دیئے ہیں۔

لفظ قال کے بعد روایت کے الفاظ ہیں اور لفظ اقول کے بعد خادم کا شبہ ہے۔ اگر جناب دہ نے توجیہ فرمائی تو خادم کو توجیہ کہنے کا عمدہ انداز معلوم ہو جائے گا،

اب قاعدہ کلیہ معیار یہ ہے جو شبہات ہیں اور جن کی وجہ سے دو مفتوں سے سخت غلبان میں گذرتی ہے، عرض کئے جاتے ہیں، قاعدہ کلیہ کے الفاظ یہ ہیں: "دوسرے قصص و حکایات میں جب تک کہ امتناع عقلی یا امتناع شرعی بر دلیل قائم نہ ہو یقیناً تکذیب و انکار کے ناممکن ہے"۔ شبہ یہ: "تمام قصص و حکایات بمنزلہ دعاوے ہیں، اور ہر دعویٰ کے اثبات پر دلیل عقلی یا شرعی قائم کرنے کی ضرورت ہے نہ اس کے امتناع پر پھر یقیناً تکذیب و انکار کرنے کی ضرورت نہیں، ظن کافی ہے، جیسا تمام دعویٰ میں ہوتا ہے، اگر امتناع ہی پر دلیل عقلی یا شرعی قائم کرنے کی ضرورت سمجھی جاوے گی تو صحیح بات کا دریافت ہونا قیامت ہی ہو جاوے گا، اور ہزاروں لاکھوں غلط باتوں کو صحیح مانتا پڑے گا۔ غلط خادم ایک غلط قصہ بیان کرے اور کہے کہ امام غزالی نے اپنی بعض تصانیف میں نہایت صحیح سند سے لکھا ہے کہ حضرت یوسف کے زمانہ حکومت میں مصر کے تمام شہروں میں یں اور تار برقی جاری ہو گیا تھا۔ یا کہ حضرت عبدالقادر اور امام ابو حنیفہ رحمہما عالم برزخ میں مناظرہ ہوا کہ قرأت فاتحہ خلف الامام میں مذہب حق کیا ہے، مناظرہ میں حضرت عبدالقادر کو غلبہ ہوا، اور انہوں نے ثابت کر دیا کہ اس باب میں امام احمد بن حنبل رحمہما مذہب حق ہے، اس طرح کے لاکھوں کرداروں قیصر تصنیف

ہو سکتے ہیں جو فی نفسہ غلط ہوں، مگر ان کے امتناع پر نہ کوئی دلیل عقلی قائم ہو سکتی ہے نہ دلیل شرعی، اس کے بعد قاعدہ کلیہ معیار یہ میں یہ الفاظ ہیں: "اور اس امتناع کا حکم بعد تخریج مہارت علوم شرقیہ و فنون عقلیہ کے ہو سکتا ہے،" اس پر یہ شبہ ہے کہ فی زمانہ تخریج تو عنقا صفت ہے، اور ایسے حضرات بھی قریب قریب سات ہی یا آٹھ کے ہیں جو علوم شرعیہ و فنون عقلیہ دونوں میں مہارت رکھتے ہیں، مثلاً جناب والا ہیں، جناب مولوی رشید احمد صاحب ہیں، جناب مولوی محمود حسن صاحب ہیں۔ جناب مولوی احمد حسن صاحب امر وہوی ہیں، جناب مولوی لطف اللہ صاحب علی گڑھ ہیں، جناب مولوی عبدالحق صاحب کابلی قاضی بھوپال ہیں، جناب مولوی عین القضاة ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ شاید دو چار حضرات اور بھی نکلیں، باقی حضرات علماء ایسے ہیں کہ کسی کو تو علوم شرعیہ میں مہارت ہے فنون عقلیہ میں نہیں، مثلاً جناب مولوی محمد کئی صاحب مفتی بھوپال، جناب مولوی جاقظ عبد العزیز صاحب نائب مفتی بھوپال وغیرہ کسی کو صرف فنون عقلیہ میں مہارت ہے علوم شرعیہ میں نہیں، مثلاً مولوی فاروق صاحب چریا کوٹی، جناب مولوی احمد حسن صاحب پنجابی کاپوری، وغیرہ، اور آج کل کے نادلوں کو جو بالکل عقل کے عادت کے موافق ہوتے ہیں، ان میں کوئی بات مستحیل کیا مستبعد بھی نہیں ہوتی، گل بکاولی کے قصہ کو امیر حمزہ کی داستان کو، طلسم ہو شر باکو، لورتن کی حکایتوں کو، گلفام کے قصہ کو، اور ان کے علاوہ بہت سے قصوں کو، یہ کل حضرات علماء کیا معمولی عربی فارسی جانتے والے شائستہ اشخاص اس حیثیت سے نہیں کہ وہ مخرب اخلاق ہیں، بلکہ غلط ہونے کی حیثیت سے منع کرتے ہیں، اور یہ نہیں سنا گیا کہ کسی شخص نے بھی اس منع کرنے کو انکار کی نگاہ سے دیکھا ہو، معمولی عربی فارسی جانتے والوں سے بھی قطع نظر کی جائے، جہلاً رکے گروہ مثلاً لکھنؤ کے ایفون ملک باز وغیرہ بھی ان سب قصوں کو غلط ہی خیال کرتے ہیں، مگر چونکہ دل بہلاؤ ہیں اس لئے سنتے ہیں، حالانکہ اس قاعدہ کلیہ معیار یہ کی رو سے ان کو کوئی شخص غلط نہیں کہہ سکتا یا صحیح سمجھے گا، یا ان کے صحیح ہونے سے سکوت کرے گا، کیونکہ ان قصص و حکایات میں رہاستغنائے بعض واقعات، تمام واقعات ایسے ہیں کہ ان کے امتناع پر نہ دلیل عقلی قائم ہو سکتی ہے نہ شرعی، خادم بھی اب تک اپنے گھر کی عورتوں مردوں کو ان قصص و حکایات سے منع کرتا آیا، اور اب بھی جو کوئی پوچھتا ہے کہ یہ قصص و حکایات کیسے ہیں، یہی کہہ دیا جاتا ہے کہ سب جھوٹے اور فرضی ہیں اگر واقعی قصص و حکایات جھوٹے اور فرضی نہیں ہیں تو ان کے جھوٹے اور فرضی کہنے میں یقیناً کذب و معصیت ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، اس بارہ میں اللہ خادم کی تشفی فرمائیے۔ جب سے جناب والا کا نوازش نامہ آیا ہے اپنی بے علمی و کم فہمی کی وجہ سے نہایت خلیان ہے۔

الجواب۔ اس قاعدہ کلیہ معیار یہ میں ایک قید بنا، علی الظہور و الشہرۃ متروک ہو گئی تھی اسی کے عدم

استحضار سے سب شبہات پیدا ہوئے، وہ قید یہ ہے کہ ان قصص و حکایات کے ناقل ایسے لوگ ہوں جن کا صدق اور تدین مشاہدہ یا شہادت ثقات اور ان کے مجروح حالات سے مظنون ہو تو چونکہ قرآن و حدیث سے سوزن اور مراسم اور تکذیب صادق سے ممانعت آئی ہے ان احکام کے واجب العمل ہونے سے ضرورت ہوتی ہے، کہ اگر ایسے لوگ کوئی امر خلاف ظاہر نقل کریں تو اس میں تاویل کی جاوے۔ خواہ قریب ہو یا بعید اور یہ ظاہر ہے کہ تاویل کی حقیقت یہی ہوتی ہے کہ ظاہر سے کلام کو متصرف کرنا مگر اس کا ارتکاب ضرورت کی وجہ سے کیا جاتا ہو اور یہاں ضرورت یہ ہے کہ نصوص شرعیہ واقع میں متعارض ہو نہیں سکتی، تو جہاں ان کی مقتضیات میں صورت تعارض کی ہو اس کا رفع کرنا واجب ہے، مثلاً یہ بھی ثابت ہالٹس ہے کہ کل ماجار بہ الرسول حق اور یہ بھی ثابت ہے کہ انتم فہمدا اللہ فی الارض، اور شہادت ثقات کی کسی کے صدق پر مشاہدہ سے ثابت، پس مقتضی نص کا اس کی تصدیق ہوئی۔ پس یہ صدق صادق ثابت بدلیل شرعی جب تک یقینی دلیل سے مرتفع نہ ہوگا اس حکم شرعی پر عمل کرنے کی ضرورت سے اس کی حفاظت کریں گے اور اس حفاظت کا یہی طریق ہے کہ اس کے اقوال کا دلیل شرعی سے معارض نہ ہوتا حق الویج ثابت کریں، اس کی تائید کے لئے قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کا کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرما کر تمنا فرمائی تو صبر موسیٰ الخ حالانکہ نیکو افعال خضر یہ معارض نصوص شرعیہ کے تھے، اور اسی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکار فرمایا تھا، مگر آخر میں ظاہر ہوا کہ معارض نہ تھے اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صبر فرمایا۔

پس حاصل یہ ہوا کہ جس شخص کا کمال فی الدین یقیناً یا ظناً ثابت ہو اس کو بدون یقین کامل کے ناقص الدین نہ کہیں گے، اور جس شخص کا ابھی کمال فی الدین ہی ثابت نہیں بلکہ یا ناقص الدین ہونا معلوم ہے یا مجہول محض ہے، وہاں چونکہ مدار اضطرار صرف عن الظاہر نہیں پایا جاتا، لہذا ایسے کی خبر جو موافق ظاہر و عادت کے ہوگی اس کی تصدیق کریں گے ورنہ تکذیب کریں گے، خواہ قطعاً یا ظناً جیسا کہ مقتضی مقام کا ہو، اس تقریر سے شیخ عبد اللہ محاور کی تکذیب اور مشائخ اہل کمال کی تصدیق کی وجہ معلوم ہوگئی، اور مجاویہ کے قول کی تاویل نہ کرنا اور ان حضرات کے قول کی تاویل کرنا بھی ثابت ہو گیا۔ پس کھد دودھ پینے کا اگر کسی معتبر راوی سے ہے تو بیشک تاویل کریں ورنہ رد کریں گے، اور زنبیل کی حکایت جس ہیئت سے منقول کے اول الشیام سے کہا جب انھوں نے نہ مانا، تب عزرائیل علیہ السلام سے حسین لیا، اس میں صریح معارضہ ہے قضا و قدر سے اس لئے یقیناً خلاف نصوص ہے، اور یہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ تاویل صورت عدم تعارض یقینی عین ہے، لہذا یہاں تاویل نہ کریں گے۔ اس سے شبہ اہل کذب و اہل باطل کے اخبار و حکایات فرضیہ کے محل الصدق کا بھی دفع ہو گیا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ایسے اقوال خلاف ظاہر کا اعتقاد واجب نہیں، کیونکہ حج شرعی میں سے نہیں،

لیکن اس کو کاذب و مفتری و مخالف سنت کہنا حرام ہے، یا یوں کہا جاوے کہ ان کی طرف نسبت ثابت نہیں یا یوں کہا جاوے کہ تصدیق و التکذیب اور جس شخص کو تخریص حاصل نہ ہو اس کے لئے یہی طریق اکمل ہے، اس تمام جزئیات کا فیصلہ آسان ہے۔

شبہات مشارالہیہا، قتال قطب یونینی نے مختصر المرأة میں شیخ ابوسعید قیلوی سے روایت کی ہے کہ فرمایا کہ میں نے حضرت م کی مجلس عالی میں انبیاء علیہم السلام کو ایک بار سے زیادہ دیکھا۔ اقول انبیاء علیہم السلام کی طرف اس وقت تک کوئی بات منسوب نہیں کی جاسکتی، جب تک اس کا ثبوت حدیث سے نہ ہو، جب تک حدیث سے یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ انبیاء علیہم السلام بعد وفات زندوں کی مجلس میں شریک ہوتے ہیں، اس وقت تک کسی شخص کے کشف و الہام کے بھروسہ پر کسی نکر اس بات کا یقین کیا جاسکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بعد وفات زندوں کی مجلس میں شریک ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے کسی کا کشف یا الہام شرعی ہے جس میں اس کے علاوہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس عالی شیخ عبدالفتاویٰ رحیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے کروڑوں درجہ عالی ہے، اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم شیخ ابوسعید قیلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کروڑوں درجہ عالی ہیں، اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہیں ثابت نہیں پاتے، وہ فرماتے ہوں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس عالی میں انبیاء علیہم السلام کو ایک بار یا ایک بار سے زیادہ دیکھا تو ہم کو یہ روایت موضوع معلوم ہوتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم حفظ مراتب کا زیادہ خیال رکھنا چاہتے ہیں۔

جواب جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں تشریف آوری کا منقول نہ ہونا مسئلہ نہیں نفی تشریف آوری مجلس اولیاء کو نہ شرعاً نہ عقلاً، اس لئے تکذیب مشکل ہے، اگرچہ تصدیق بھی واجب نہیں۔ جیسا قاعدہ معیار یہ کی تفصیل میں بیان ہوا، اور احتیاج ثبوت بالحدیث اس نسبت میں ہے جو عالم شہادت کے تعلق ہو، کیونکہ اس سے احتجاج ہوتا ہے، بخلاف واقعات عالم مثال کے چونکہ حجت شرعیہ نہیں لہذا اس میں توسع و تسامح ہے، قتال، پیغمبروں کی مبارک روحوں کو آسمان وزمین کے درمیان پھرتے ہوئے دیکھا جس طرح فضائے کائنات میں ہوا چلتی ہے، اقول پیغمبروں کی مبارک روحوں عام مسلمانوں کی روحوں کے مثل نہیں کہ ان کے متعلق کسی کے کشف یا الہام سے جو بات ثابت ہو کہدی جائے بلکہ ان کی روحوں سے کروڑوں درجہ عالی ہیں، اور شہیدوں کی روحوں کا یہ حال ہے کہ وہ سبز طائروں کے جوف میں رہتی ہیں، اور وہ سبز طائران قندیلوں میں رہتے ہیں جو عرش میں معلق ہیں، جیسا صحاح کی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے، فضائے کائنات میں ہوا کی طرح روحوں کا پھرتا روحوں کے لئے موجب ذلت یہ حالت تو عام

مسلمانوں کی روحوں کی بھی نہیں، جیسا امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے جو کہ مخرج مسلم میں ارواح شہداء و انبیاء و صلحاء کے متعلق ہے ظاہر ہے نہ کہ خاص انبیاء علیہم السلام کی روحوں کی ہو، جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل اکرام ہیں، اور مانا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس عالی میں پیغمبروں کی رو میں ہوا کی طرح پھرتی تھیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس عالی اس بات کی زیادہ مستحق تھی کہ اس میں بھی پیغمبروں کی رو میں پھرتی، مگر یہاں رو میں کیا ایک روح بھی کسی صحابی نے کبھی پھرتی نہ دیکھی، یہ عجب الشا معالہ ہے کہ پیغمبروں کی رو میں اپنے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس عالی کا تو کبھی یہ اکرام نہ کریں، اور ایک دلی کی مجلس عالی کا جو ان کے مرتبہ میں کروڑوں درجہ کم ہو یہ اکرام کریں، یہ حفظ مراتب بھی قابل دید ہے۔

جواب۔ تحت العرش مسکن ہے اور قوالب ملبس ہے، اور کسی مسکن و ملبس کا ثبوت مستلزم نہیں ہے نفی یہ بتلایا ملبس کو پس ممکن ہے کہ بطریق سیر نورانی لباس میں جو قوالب مذکورہ سے بھی افضل ہے تشریف لادیں اس میں مفضولیت ارواح شہداء سے لازم نہیں آتی اور مجلس عالی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شبہ کا جواب اوپر کے جواب میں گذر چکا۔

قال۔ خضر، اکثر حاضری دیتے تھے، میں نے سبب پوچھا تو کہا جس کو فلاح حاصل کرنا ہو تو حضرت کی ملازمت اختیار کرے۔ اقول اس قول کے انداز بیان سے ظاہر ہے کہ قائل حضرت خضر علیہ السلام کو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے کم سمجھتا ہے، یہ وہی خضر ہیں جن کے پاس حاضری دینے جن سے فلاح حاصل کرنے جن کی ملازمت اختیار کرنے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اولوالعزم پیغمبر کو حکم ہوا تھا اب وہ ایسے گئے گذرے ہوئے کہ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضری دیتے تھے، ان سے فلاح حاصل کرتے تھے، ان کی ملازمت اختیار کرتے تھے، پیغمبر کیسے ہی درجہ کا کم ہو پھر بھی ولی سے لاکھوں کروڑوں درجہ بڑھ کر ہے، اس کے علوم ولی سے کروڑوں درجہ زیادہ ہوں گے، اور پھر خضر علیہ السلام ان کے برابر حقائق و معارف و اسرار الہی کا جاننے والا شاید ہی کوئی پیغمبر ہو، اور کسی ولی کی تو کیا حقیقت ہے جو ان کا عشر عشیر بھی ہو، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ان کی ملازمت بشرط امکان اگر اختیار کرتے تو بجا تھا، ان کو ان کی ملازمت اختیار کرنے کی کیا ضرورت نہ تھی، ہاں اگر یہ کہا جاتا کہ حضرت خضر علیہ السلام شیخ عبدالقادر سے باذن الہی رہے، اور ان کو کچھ حقائق و معارف تعلیم فرمائے، اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فلاح حاصل کی تو ناریا نہ تھا، بزرگوں نے تو حفظ مراتب نہ کرنے کو زندہ کہا ہے، یہ کیا حفظ مراتب ہے کہ پیغمبر اولوالعزم کو ولی سے نیچے گرا دیں۔ رع دوستی بخرد الخ۔

جواب۔ حاضری دینا یہ تو ترجمہ کی خرابی ہے، ہم اس بھنکر کو بہ عنوان تشریف می آورند ترجمہ کر سکتے ہیں، رہا فلاح و ملازمت کا قصہ تو خود اس کی نسبت خضر علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ اس کی ترغیب کی نسبت ہے سو اس میں کوئی اشکال نہیں، ان کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ایسے مقبول ہیں کہ ہم باذن الہی اپنی تشریف آوری سے ان کو شرف دیتے ہیں، پس تم کو چاہئے کہ اس سے ان کی مقبولیت پر استدلال کر کے ملازمت اور فلاح حاصل کرو: اور حضرت خضر علیہ السلام کا نبی ہونا مختلف فیہ ہے، اور سب انبیاء علیہم السلام سے ان کا اہم بالا سرار ہونا بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے، اور قصہ مشہورہ میں اسرار کو نبیہ کا قبوت ہے، نہ اسرار الہیہ کا جوال مقصود ہے، مگر ان امور کو ہمارے جواب میں کوئی دخل نہیں، محض تیرا ذکر کر دیا ہے، واللہ اعلم۔

۱۸ رجب ۱۳۳۸ھ (امداد ج ۳ ص ۱۳۱)

تحقیق حق اللہ یا حق العبد بودن | سوال (۵۶۸) اگر کوئی شخص کسی خاوند والی عورت سے زنا کرے تو یہ گناہ صرف تو بہ کرنے سے معاف ہو جاوے گا یا کہ خاوند کے معاف کرانے سے معاف ہوگا۔ زنا حق العبد ہے یا حق اللہ ہے؟ ان دیار میں اس بارہ میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں شوہر سے معاف کرنا ضروری نہیں تو بہ سے معاف ہو جاوے گا اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ یہ حدیث اس باب میں قابل سند ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بغیر شوہر سے معاف کرانے سے معاف نہ ہوگا۔ اور دلیل میں حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام داوریہ کا قصہ پیش کرتے ہیں۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

الجواب۔ اخرج الستہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما، ان عرابیا اقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انشدک باللہ الا قضیت لی بکتاب اللہ الی ان قال ان ابنی کان عسیفا علی هذا فزنی بامرأتہ وفیہ قال صلی اللہ علیہ وسلم لا قضین بکتاب اللہ بکتاب اللہ تعالیٰ الولیدۃ والغلمہ وعلیک وعلى ابنک جلد مائتہ و تغریب عام الحدیث و اخرج مالک و ابو داؤد و عن ابن المسیب ان رجلا من اسلم یقال لہ ہذا لشی رجلا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی قولہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ہذا لشی رجلا لکان خیر لک کن الی التیسیر بغایۃ اولی دال است برآں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بجز حد شرعی جیسے نافرودہ پس اگر عفو کنانیدن از نفع ضروری بودے لا محالہ برآں تنبیہ فرمودے و روایت ثانیہ دلالت می کند بر اجابت سترامین چنین امر و ظاہر است کہ از عفو کنانیدن از نفع متلزم است انشا را پس غیر محبوب خواہد بود و واجب بودن شے با غیر محبوب بود نشی جمع نمیتوان شد پس مقتضائے ہر دو دلیل برآں برآمد کہ عفو کنانیدن بجز حق تعالیٰ از کسی ضروری نیست، بلکہ گونہ خلاف حیات و ستر افضل است و سروریں آنست کہ این امر شیع از حقوق اللہ است

زیرا کہ اگر از حقوق العباد بودے پس بائستی باذن مستحق جائز بودے و این باطل محض است و قصہ او را اولاً ثابت نیست ثانیاً آریا بمتنازع فیہ مسیت زیرا کہ بر تقدیر ثبوت حق او را آں بود کہ مقصود از فرستادن امرے بود کہ او را خبر نبود، ثالثاً شریح من قبلنا ہر گاہ خلاف قواعد شرع باشد حجت نیست و حق آنست کہ آں قصہ بے اصل محض است، و حدیث التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ دلیل کافی ست و دریں باب فقط، ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۳ ص ۱۳۸)

دفعل اجازت در خواندن دلائل الخیرات | سوال (۵۶۹) دلائل الخیرات کے پڑھنے پڑھانے کے واسطے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں، اور جو شخص بغیر اجازت اور بغیر سمع حاصل کئے ہوئے پڑھتا پڑھاتا ہو اس کے واسطے کیا ارشاد ہے؟

الجواب۔ جائز تو ہے مگر وہ فائدہ نہ ہو گا جو اجازت سے ہوتا ہے، اگر بلا اجازت کوئی شخص پڑھتا پڑھاتا ہو وہ بھی نفع سے محروم نہ ہو گا، فقط والہ اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی۔
تشریح جواب بالا، فائدہ کی دو قسمیں ہیں، ایک اجر و ثواب، دوسرے کیفیت باطنی، پس بلا اجازت پڑھنے سے اجر و ثواب میں فتنہ برابری نہیں ہوتی، البتہ کیفیت باطنی میں تفاوت ہوتا ہے۔ یہ تفصیل ہے حضرت مولانا کے جواب کی، والہ اعلم، کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔

۲۰ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد، ج ۳ ص ۱۴۰)

تحقیق ملک زمین کہ زمیندار است یا گورنمنٹ | سوال (۵۷۰) شرعاً ہم مالک زمین ہیں یا نہیں (حالانکہ گورنمنٹ نے قانون طے کر دیا ہے کہ اصل مالک زمین سرکار انگریزی ہے، ہم صرف ایک واسطہ ہیں کا شکار اور سرکار کے درمیان میں؟

جواب۔ صرف قانون طے کر دینا خروج عن الملك کے لئے کافی نہیں، تا وقتیکہ استیلاء نہ ہو، یعنی گورنمنٹ ان اراضی کو زمیندار سے چھین کر اپنی طرف سے کا شکاروں کو دیدے۔ پس ابھی تک زمیندار یقیناً مالک زمین ہیں، والہ اعلم، ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج ۳ ص ۱۴۰)

تحقیق تفاضل نبی علیہ السلام و قرآن مجید | سوال (۵۷۱) پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل و بہتر ہیں قرآن مجید کے یا قرآن شریف افضل و اشرف ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے، دوسرے یہ کہ فضیلت و شرافت جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی قرآن مجید مکتوب و متلو پر ہے، یا اس کلام قدیم پر ہے جو کلام نفسی ہے؟

الجواب۔ فی الدلائل الخیرات قبیل باب المیاء و عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام احب الی اللہ تعالیٰ من السموات والارض ومن فیہن فی رد المحتار قولہ ومن فیہن ظاہرہ لیم البنی صلی اللہ علیہ وسلم والمسئلۃ ذات خلاف والا حوط التوفیق

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس میں توقف بہتر ہے، میں کہتا ہوں کہ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ مسئلہ کوئی ضروریات دین سے نہیں ہے، اور لہٰذا اس کا کوئی فیصلہ نہیں کیا، قال اللہ تعالیٰ ولا تقف الیس اک۔ علم وقال اللہ تعالیٰ ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً۔ حدیث میں مشکلمین فی القدر پر غصہ فرماتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے فضول امور میں کلام کرنا ممنوع ہے، واللہ اعلم،

۲ شعبان ۱۳۲۳ھ (امداد الفقادی جلد ۳ ص ۱۴۰)

سوال (۵۷۲) بعد اوائے سلام مسنون عرض خدمت ہے، چند روز ہوئے اس موضع جسوی میں مرض وبا پھیلا ہوا ہے۔ اس کے دفعیہ کے واسطے کئی طریقے سنے گئے، اور کتابوں سے معلوم ہوئے، مگر پورے طور پر اطمینان نہیں ہوتا، نہ عمل کا پورا طریقہ معلوم ہو سکا، اس جگہ اکثر باشندگان نے اس کام کو جناب کی رائے پر منحصر رکھا ہے، جو کوئی طریقہ سہل اس آفت کے دفعیہ کا، اور حصول امن وامان کا جائز طور پر منع فرمایا جاوے۔ چندہ بھی اس کے انجام کے واسطے فراہم ہو رہا ہے، مگر اب تک کسی کام میں خرچ نہیں ہوا، اور دو روز سے اکثر باشندگان گاؤں کے صبح کے دس بجے گاؤں سے باہر عید گاہ میں جمع ہو کر تھوڑے عرصہ تک توبہ و استغفار پڑھ کر سات مرتبہ اذان پڑھتے ہیں، پھر دو رکعت نقل ادا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اس مرض و بانی کے دفعیہ کے واسطے دعا مانگتے ہیں، یہ عمل یا کوئی دوسرا طریقہ اور جس طرح مناسب رائے عالی ہووے براہِ انطاف بزرگانہ و بنظر رفاه خلق اللہ حامل عریفہ ہذا کو سمجھا دیا جاوے، اور مختصر طور پر تحریر بھی فرما دیا جاوے، کتاب شرح محمدی میں جو کتاب فقہ کی اردو میں منظوم ہے اس میں ایسا طریقہ لکھا ہے، اگر یہ جائز ہے، اور رائے عالی میں مناسب معلوم ہوتا ہے اس کو بھی پورے طور سے حامل عریفہ کو بتلا دیوں، خادموں پر احسان بے اندازہ ہوگا۔

نقل از کتاب شرح محمدی۔

اشعار

حق و با سے اس کو رکھتا ہے بچا	جو کرے ترتیب ایسی بر ملا
شہر کے چاروں طرف گائیں حلال	وہ کرے دل سے نیاز ذوالجلال
صاف کر بھیر اس کی بھونے بوٹیاں	کھاویں تکہ یک یک اس کاموناں
بعد اس کے لیویں پھر تیراں کو	جمع ہو کر مومناں پاکیزہ خو
نیچے سے اس کے وہ نکلیں سات بار	مُنہ طرف کعبہ کی رکھیں تہ شکار

پھر پڑھیں بعد اس کے دو رکعت نماز اور اذان دین سات باعجز و نیاز
کہتے ہیں دیو میں اذان سب سات رو سات بار ہر روز اسے گیتی فسرف
ہے یہ تاثیر اذان اسے مومناں اس سے ہوتے ہیں گریز ان جنیاں

الجواب، عنایت فرماتے بندہ سلیم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ، اللہ تعالیٰ اس مرض کو سب
جگہ سے دور فرما دیں، جو عمل آپ نے شرع محمدی سے نقل کیا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، اور نہ اذان کہنے
کی کوئی اصل ہے اور نہ جماعت کے ساتھ نفل ادا کرنا ثابت ہے، اس لئے ان سب اعمال کو موقوف کر دیا جاتا
اس کے لئے اصل دو امر ہیں، صدقہ کی کثرت اور گناہوں سے توبہ کرنا، اور صدقہ کے لئے چندہ جمع کرنا
نہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ دینے میں خلوص نہیں رہتا، بلکہ ہر شخص کو چاہئے کہ بطور خود جو توفیق ہو بطور خود
دیدیں، جو چندہ ہو گیا ہے سب دینے والوں سے اجازت حاصل کر کے ایسے لوگوں کو نقد یا غلہ خرید کر
خفیہ دیدیا جاوے جو بہت حاجت مند ہیں اور کسی سے سوال نہیں کرتے اور عید گاہ میں جمع ہو کر دعا کرتا مضاف
نہیں، لیکن نہ اذان کہیں نہ جماعت سے نفلیں پڑھیں بلکہ رو دیں اور نفلیں الگ الگ پڑھیں، اور بہتر ہے کہ
گھر آ کر نفلیں پڑھیں، اور نیز ضرور ہے کہ حق العباد جو کسی کے ذمہ ہوں ان سے سبکدوشی حاصل کریں، جس نے
کسی کا حق دیا رکھا ہو اس کو واپس کرے، ظلم کرنا، غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، بد نگاہ کرنا وغیرہ معاصی کو
چھوڑ دیں اور ہر وقت استغفار زبان اور دل سے جاری رکھیں اور جن لوگوں کو سورہ تغابن جو اٹھائیسویں
پارہ کے تین پاؤ پر ہے یاد ہو صبح و شام بعد نماز فجر و مغرب ایک ایک بار پڑھ کر اپنے اوپر اور سب گھر والوں
پر دم کر دیا کریں، اور جو چیز کھا دیں پیویں اول اس پر سورہ انا انزلناہ تین بار پڑھ کر دم کر لیا کریں، بلکہ جو
میتلا ہو گیا ہو اس کو بھی پانی پر دم کر کے ہی پلا دیں، اور یہ تعویذ لکھ کر سب کے بازو پر باندھ دیں۔
(تعویذ) بسم اللہ الرحمن الرحیم، الہی بخرمت حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت خواجہ
محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ از شر و آفت و با و طاعون نگاہ دار صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین
اور اس کو لکھ کر اور گھول کر کنویں میں پانی چھوڑ دیں، اور سب سے بڑی چیز گناہوں کا چھوڑنا ہے، اور ظاہری
علاج معالجہ بھی ضروری ہے۔ والسلام۔

۳۲۲ھ (امداد ج ۳ ص ۱۴۱)

تحقیق وصیت نامہ کہ چند بار سوال (۵، ۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
بنام مجاہد و شیوخ یافتہ ایک وصیت نامہ چھپا ہوا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شائع
ہوا ہے، جو شیخ عبداللہ خادم مجاہد و روضہ مطہرہ کو ارشاد ہوا ہے اس کی کیا اصل ہے مستفق نے تمام

وصیت نامہ کی نقل لکھی تھی، بوجہ اخقار اور بنا علی الشہرۃ چھوڑ دیا گیا۔

الجواب۔ ایسا وصیت نامہ بہت دفع شائع ہو چکا ہے، ہمیشہ اسی نام اہل لقب سے شائع ہوتا ہے اول تو یہ تعجب ہے کہ ایک شخص اتنی بڑی عمر پاوے، دوسرے یہ تعجب ہے کہ ایک شخص کے سوا اور کسی خادم کو یا اور ملکوں کے بزرگوں اور ولیوں کو یہ دولت زیارت اور ہیکلامی کی نصیب نہ ہو۔ تیسرے اگر ایسا ہی قصہ ہوتا تو خود مدینہ میں اس کی زیادہ شہرت ہونا چاہئے تھی، حالانکہ وہاں کے آنے جانے والوں باخطوط سے ان امور کا نام و نشان بھی نہیں معلوم ہوتا۔ پھر محض اس طرح بلا سند کوئی مضمون قابل اعتبار نہیں ہو سکتا اور نہ جو جس کے جی میں آوے مشہور کر دیا کرے، شرع میں حکم ہے کہ جو بات ہو خوب تحقیق کے بعد اس کو معتبر سمجھو، علاوہ اس کے اس میں بعض مضامین ایسے ہیں جو شرع اور عقل کے خلاف ہیں مثلاً سترہ لاکھ مسلمان کلمہ گو مریں، اور ان میں سترہ آدمی صرف مسلمان ہوں اول تو خدا تعالیٰ کی رحمت غالب ہے ان کے غضب پر، دوسرے ہم خود دیکھتے ہیں کہ زیادہ مسلمان تو یہ کر کے اور کلمہ پڑھتے ہوئے مرتے ہیں، جو علامت خاتمہ بالخیر کی ہے۔ پھر اس مضمون کی گتائش کہاں کی، اسی طرح اس میں لکھا ہے کہ تارک الصلوٰۃ کے جوازہ کی نماز نہ پڑھیں یہ حکم صاف حدیث کے خلاف ہے۔ صلوات علی کل برقاہ یہ بھی قرینہ ہے اس وصیت نامہ کے غلط ہونے کا اسی طرح جن چیزوں کا بدعت ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو چکا ہے، جیسے تخصیص مشیت کی شہداء کر بلا کے واسطے اور کبیر حضرت خاتونِ رز کے واسطے اور پلاؤ حضرت غوثِ اعظمؒ کے واسطے، اسی طرح آجکل سامولود شریف ان سب چیزوں کی اس میں ترغیب ہے، یہ سب باتیں اس میں عقل اور شرع کے خلاف ہیں۔ اس لئے یہ وصیت نامہ محض کسی کا تراشیدہ ہے، محدثین نے اس سے ہلکے قرینوں پر حدیث کو موشوع کہہ دیا ہے، اور موشوع کی اشاعت و روایت نہاً اور اجماعاً حرام ہے بلکہ بعض محدثین کے نزدیک کفر ہے، ہرگز اس کے تمام مضمون کو صحیح نہ سمجھیں، البتہ جو باتیں قرآن و حدیث اور دین کی کتابوں میں لکھی ہیں، اس کے موافق نیک راہ پر چلیں اور بری راہ سے بچیں، اور جھوٹی بات کا نسبت کرنا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑا بھاری گناہ ہے، اس لئے ایسے مضمون کے رواج دینے والا گنہگار ہوگا،

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۳، ص ۱۴۲)

سوال (۵۷۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مثلاً عبد اللہ نے بوجہ گردشِ سماوی و اسباب و وساوسِ شیطانی کے زید کے ایک بقرہ کے ساتھ زنا کیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ، مگر اس عبد اللہ نے اپنے فعل سے بہت تادم و پشیمان ہو کر توبہ خالص کر لی، بلکہ ایک عالم کے ہاتھ پر بھی بیعت و توبہ کر لی، اور اسی توبہ پر اب تک دائم و قائم ہے، اور اس عالم مذکور نے حکم کیا کہ بقرہ کو عبرۃ

آگ میں جلانا چاہئے، مگر عبد اللہ نے قیمت بقرہ یعنی مالک بقرہ کو قیمت دے کر خرید لی، پھر چند روز کے بعد وہ بقرہ مذکورہ کو راہ دور دراز لے جا کر فروخت کر دی، جس سے اب بالکل اس بقرہ کا پتہ و نشان معلوم نہیں کہ کہاں ہے، اور عبد اللہ مذکور نے بقرہ کو فروخت کر کے قیمت اپنے صرف میں کی اور بوجہ اس فروخت بقرہ مذکورہ کے اس عبد اللہ کو لوگ مسلمانوں کی مجالست و مواکلت و مشاورت سے یہاں تک کہ جمعہ و عیدین میں سب لوگوں کے پیچھے صف میں یعنی سب صبی و نابالغ کی صف کے پیچھے کر دیتے ہیں، جس سے بہت بدتر و ذلیل سب کے سامنے ہوتا ہے، اگرچہ عبد اللہ نے صد توہ کر لی تاہم کچھ اعتبار نہیں کرتے، یہ کیسا ہے، اور اگر شرع شریف کے اس بقرہ کو راہ دور دراز پر فروخت کرنا کیسا ہے، اور قیمت مذکورہ عبد اللہ صرف کر سکتا ہے یا نہیں، اور مشتری کے لئے اسی بقرہ سے نفع لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - فی الدار المختارہ ولا یحد بوطی بھیمۃ بل یعزروتذبح ثم تحرق ویکوہ الانتفاع بہا حیاتہ ومیتہ محبتی ای لقطع امتداد الحدیث بہ کلمہ رؤیت ولیس بواجب کما فی الہدایۃ، وھذا اذا کانت مبالا توکل فان کانت توکل جازا کھاعندہ وقال تحرق ایضاً فان کانت الدابة لغير الواطی یطالب صاحبہا ان یدفعہا الیہ بالقیمۃ ثوتذبح ھکذا قالوا وفیہ قولہ ھریطالب صاحبہا ان یدفعہا الی الواطی لیس علی طریق الجبر وعبارة النھر والظاہر انہ یطالب علی وجہ الندب -

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک تو اس گائے کا ذبح کر کے کھانا جائز تھا اور صاحبین کے نزدیک گو اس کا کھانا مناسب نہیں بلکہ جلانا مناسب ہے، لیکن اس حکم کی اصل علت یہ ہے کہ اس کو بار بار دیکھ کر اس کا چرچا نہ ہو، معلوم ہوا کہ اگر کسی اور طریق سے چرچا قطع ہو جاوے تو مقصود حاصل ہو گیا، جیسا کہ صورت سوال میں تصریح ہے کہ وہ دور چلی گئی، اب نظر ہی نہ آوے گی کہ چرچا کیا جاوے، پس مقصود حاصل ہو گیا، پھر جبکہ وہ بہیمہ غیر واطی کا ہو تو واطی کے ہاتھ اس کی بیچ کے جائز ہونے سے معلوم ہوا کہ قیمت اس کی حلال ہے، اور ان سب امور سے قطع نظر کر کے جب اس کا احراق ممکن نہیں، اور تکلیف مالا یطاق شرعاً مرفوع ہے تو اس شخص کو اس قدر تنگ کرنا کب درست ہے، نیز یہ حکم درجہ وجوب میں نہیں، پس غیر واجب کے ترک پر اس قدر تشدد یہ خود تعدی حدود شرعیہ سے ہے، اس لئے سب پر واجب ہے کہ جب وہ شخص تائب ہو گیا اس کو پریشان نہ کریں، ورنہ عاصی ہوں گے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اتم۔

۱۰ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۳ ص ۱۴۴)

تحقیق ایضاً درجہ خبیثہ | سوال (۵، ۵) ارواح خبیثہ انسان کو تکلیف پہنچا سکتی ہیں یا نہیں، ارواح خبیثہ

سے کیا مراد ہے؟

الجواب۔ نہیں پہنچا سکتیں۔ ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۳، ص ۱۴۷)۔

ایضاً السؤال الاول (۵۷۶) ایک عورت تقریباً عمر ۲۲ سال ہے، اور دو سال اس کو بیعت ہوئے ہوئے، بظاہر معالجہ میں اُن پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ حالت بیداری میں کچھ روشنی سبزی مائل یا سرخی مائل دکھائی دیتی ہے، جو بڑھتے بڑھتے تمام مکان کو محیط ہو جاتی ہے اور تعوذ پڑھنے یا ہزار وغیرہ کرنے سے زائل نہیں ہوتی اور یہ روشنی کبھی کبھی ایک گھنٹہ تک رہ جاتی ہے، اور روزانہ دکھائی دیتی ہے، تو یہ روشنی مضر ہے یا غیر مضر۔ اگر مضر ہے تو ازالہ کی کیا صورت ہے؟

الجواب۔ اس میں متعدد احتمالات ہیں کوئی دماغی مرض ہو، کسی شیطان کا تسلط ہو، کبھی روح طیبہ کا تصرف ہو، جس کی تحقیق دوسرے سوال کے جواب میں آتی ہے، اول صورت جسٹا مضر ہے، جس کے ازالہ کے لئے طبیب سے رجوع کرنا چاہئے، دوسری صورت نفساً اور بواسطہ نفس کے جسٹا بھی مضر ہے، اس کے ازالہ کے لئے عال سے رجوع کرنا چاہئے۔ تیسری صورت اصلاً مضر نہیں صرف اس حالت میں مضر ہے جبکہ صاحب واقعہ کو اس تلبس بالارواح سے عجب ہو اور اس صورت میں دیناً مضر ہے، جس کا علاج ازالہ عجب ہے، ان احتمالات میں سے ایک کی تعیین قرائن مقامیہ سے ہو سکتی ہے جو مشاہدہ موقوف ہے، اور یہ احتمالات اس وقت میں جب تلبیس وزور کا احتمال نہ ہو، ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، میں کسی شق کی تعیین نہیں کر سکتا۔ احوط یہ ہے کہ سب تدابیر کولی جائیں۔ ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (النور، شعبان ۱۳۲۵ھ ص ۷)۔

ایضاً السؤال ثانی۔ (۵۷۷) ارواح سلف صالحین ایک عورت پر مسلط ہوتی ہیں اور اپنا پتہ بھی بتاتی ہیں اور اگر خاندان میں کوئی مریض رہا تو اس کی صحت کے لئے پانی پر دم کرتی ہیں، یا تیل وغیرہ پر دم کرتی ہیں، جس سے مریض کو حتمی اور یقینی فائدہ پہنچتا ہے، اور صحت ہو جاتی ہے۔ میرے بعض عزیزوں کو کچھ وظائف بھی بتائے ہیں جن کا لوگ ورد کرتے ہیں، تو کیا رو میں ایسا تصرف کر سکتی ہیں، اگر نہیں کر سکتیں تو عرف شرع میں ایسا عقیدہ رکھنے والے کو کیا کہیں گے، امید کہ تشفی فرما کر غلبان رفع فرمائیں گے، مسائل بالا

الجواب، اس میں وہی اوپر والے سب احتمال ہیں، اور احتمال تصرف ارواح کا گونہایت اور نادرجہ مگر ممکن ہے۔ اگرچہ عوام کے غلو پر نظر کر کے اس کی بالکل نفی ان کے لئے اصلح ہے، اور یہ استقرار ارواح فی البرزخ کے منافی نہیں وہ استقرار اصل عادت ہے، اور کسی حکمت کے سبب بعد اذن الہی اس سے انفصال عرقی عادی ہے، اور اس کا وقوع احیاناً متواتر المعنی ہے، تفسیر مظہری میں بھی اس سے اجمالاً تعرض کیا ہے۔ حیث قال بل احياء يحيى ان الله تعالى يعطي ابدانهم قوة الاجساد فيقضيون من الارض والسماء والجنات حيث يشاؤون وينصرفون اوليا ثم ويدعون اعداءهم انشاء الله تعالى قوله وقد اتوا من كغير

من الاولیاء انھم یمنعون اولیاءہم ویدعون اعدائہم ھیدون اللہ تعالیٰ من یشاء اللہ تعالیٰ اھ
یہاں بھی تعین کے لئے قرآن کی حاجت ہے اور اقا داد مذکورہ فی السوال احتمال اخر روح کے مرجع نہیں،
حدیث میں شیطان کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیۃ الکرسی کا تلقین کرنا وارد ہے۔

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ النور، شعبان ۱۳۵۵ھ ص ۱۱۷

تحقیق دست غیب | سوال (۵۷۸) دست غیب کیا شے ہے، اور کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے، کیا اس پر اعتقاد رکھنا حلال دیگر اعتقاد دینی کے ہے۔ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ (امداد جلد ۳ ص ۱۲۷)
الجواب، بواسطہ جنات کے چوری ہے لہذا حرام ہے۔ (امداد، ج ۳ ص ۱۲۷)
تحقیق ہمزاد | سوال، ہمزاد کیا چیز ہے، کیا وہ قبضہ میں آ سکتا ہے؟
یہ لفظ تراشا ہوا ہے، البتہ جنات کو کسی عمل سے منحرف ہونا صحیح ہے۔

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ (امداد ج ۳ ص ۱۲۷)

فتح شہادت دینی و تفسیر آیت | سوال (۵۸۰) مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ یہ جو مولوی لوگ کہتے ہیں کہ نبوت جزی اور کلی طور پر ختم ہو چکی ہے، یہ بات غلط ہے، حالانکہ اس آیت کے لفظی ترجمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسالت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، وہ آیت سورۃ اعراف میں ہے، یا بقی ادم اما یتنکھر منسل منکھ یقصون علیکم ایاتی اس آیت سے ضرور یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے، اگر منقطع ہو چکا ہے تو اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ اس کا جواب تسلی بخش ارتام فرما دیں۔

الجواب۔ آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ آیت متصل ہے قصۃ آدم علیہ السلام کے ساتھ بعد خطاب اہبطوا کے، یہ بھی ارشاد ہوا کہ اما یتنکھر منسل الخ چنانچہ اس خطاب کے بعد بہت سے رسل آئے، گو بعد ختم نبوت پھر نہیں آئے۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ (امداد، ج ۳ ص ۱۲۷)

سوال متعلق تمدن آدم | سوال (۵۸۱) در کتاب ہدایۃ الاسرار منقول است کہ یکے از علمائے نصاریٰ نے جناب ولایت مآب حضرت علی علیہ السلام عرض نمود کہ پیش از آدم صلی اللہ علیہ وسلم بود حضرت فرمود کہ آدم باز تکرار کرد و باز ہماں جواب داد و بار سوم سوال کرد و ہماں جواب یافت و صاحب تاریخ خواجگی می نویسد کہ شخصے از امام برحق امام جعفر صادق علیہ السلام احوال پیدایش آدم پرید حضرت فرمود کہ از آدم صلی اللہ علیہ وسلم کہ جد من تست می پرسی یا از آدم دیگر آن شخص متعجب شد و عرض کرد کہ یا حضرت سوائے آدم صلی اللہ علیہ وسلم دیگر ہم بود آمدہ از جناب فرمود کہ آدم صلی اللہ علیہ وسلم صد و یکم است و قبل از اوے یک بعد آدم گذشتہ اند کہ اولاد و احفاد ہر یکے از انہا بدنیاماندند و ہم در تاریخ طبری مسطور است کہ روزے موسیٰ علیہ السلام از مدت خلقت آسمان

وزین بخت رب العالمین استدر اک نمود حکم شد کہ در فلاں وادی چاہے است کہ خود را بر سر آں چاہ بر سر آں
و سنگ ریزہ در آں بیند از نا حقیقت حال بر تو ہویدا شود موسیٰ علیہ السلام بر سر آں چاہ رخت و سنگ
ریزہ در آں انداخت از اندرون چاہ آوازے برآمد کہ کیست بر لب چاہ فرمود کہ منم موسیٰ بن فلاں بن
فلاں تا آن کہ سلسلہ سب خود تا آدم صلی اللہ علیہ السلام بشمر د و دیگر بار آواز آمد کہ در ہر زمانے شخصی یہ ہیں
تام و نسب بر سر آں چاہ آمد و سنگے دریں چاہ انداختہ تا آنکہ نصف چاہ پر شد و اللہ اعلم حاصل آن کہ
ایں ہمہ معنی مذکور سوائے کتب مسطورہ از کتبہائے معتبر سیر یا آثار وغیرہ یہ ثبوت می رسد یا چہ و خلاصہ
احوال آں بر چہ متوال؟

الجواب، ایں چنین مضمون اکثر بزرگان منقول شدہ است مگر تحقیق آنست کہ حضرت شیخ محمد
الف ثانی دہ مکتوب پنجاہ و ہشتم از جلد ثانی نوشتہ اند و ہو ہذا الوضوۃ بود کہ شیخ محی الدین عربی قدس سرہ در
فتوحات مکہ حدیثی نقل می کنند کہ آن سرور فرمودہ علیہ و علی آلہ و الصلوٰۃ والسلام ان اللہ تعالیٰ خلق مات
الف آدم و حکایتی می آرد در بعضی مشاہدات عالم در وقت طواف کعبہ معظمہ چنین ظاہر شد کہ ہمراہ جمعی طواف
می کنند کہ من ایساں را نمی شناسم و در اثنا طواف ایساں دو بیت عربی خواندند کہ یکے از اں دو بیت
این است ۵

لقد اظفنا کما طفلمہ سنینا بهذا البیت طرہا اجمعینا

چوں ایں بیت شنیدم در خاطر گذشت کہ اینہا ابدان عالم مثال اند و مقارن ایں خلور یکے ازینہا
بجانب من نگاہ کرو و فرمود کہ من از اجداد تو ام من پر سیدم کہ چند سال است از فوت تو فرمود کہ از فوت
من زیادہ از چہل ہزار سال ست من از دوائے تعجب گفتم کہ از ابتدائے خلقت آدم ابی البشر علی نبینا علیہ
الصلوٰۃ والسلام تا ایں دم ہفت ہزار سال تمام نشدہ است فرمود تو از کدام عالم میگوئی ایں آدم است
کہ در اول دورہ ہفت ہزار سال خلق شدہ است، شیخ فرمود دریں وقت آن حدیث نبوی علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ
والسلام کہ سابق تحریر یافتہ است بخاطر گذشت کہ موی ایں قول ست، مخدوم اکرمادری مسئلہ بغایت اللہ
سجاء آنچہ بریں فقیر ظاہر گزشتہ است کہ ایں ہمہ آدم کہ پیش از وجود حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام
گذشتہ اند وجود شاں در عالم مثال بودہ است نہ در عالم شہادت ہمیں حضرت آدم است کہ در عالم شہادت
ہمیں حضرت آدم است کہ در عالم شہادت موجود گشتہ است و در زمین خلافت یافتہ و موجود ملائکہ شدہ ،
صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیاتہ سبحانہ علی نبینا و علیہم اجمعین، غایہ مافی الہاب آدم چوں بر صنعت جامعیت مخلوق گشتہ
است و در حقیقت خود لطائف و اوصاف بسیار دارد و پیش از وجود او بقرون متطاوولہ در ہر وقت از اوقات

وصفتے از صفات یا لطیفہ از لطائف او بایجاد خداوندی جل سلطانہ در عالم مثال موجود گشتہ است و بصورت آدم ظاہر شدہ مثنیٰ باسم او گشتہ و کاروبار آدم منتظر ازوے بوقوع آمدہ حتیٰ کہ توالد و تناسل کہ مناسب عالم مثال است نیز بظہور پیوستہ و کمالات صوری و معنوی مناسب آن عالم نیز یافتہ و شایان عذاب و ثواب گشتہ بلکہ در حق اوستائم شدہ بچلتے یہ بہشت و دوزخی بدوزخ رفتہ بعد از ان در وقتے از اوقات بمشیت اللہ سبحانہ صفحتے یا لطیفہ دیگر از صفات و لطائف او علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام در ہاں عالم بمنصہ ظہور آمدہ و کاروبارے کہ از ظہور اول بوجہ آمدہ بود از ظہور ثانی نیز بوجہ آمدہ چون آن دورہ نیز تمام شدہ ظہور ثالث از ان صفات و لطائف او علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بحصول پیوستہ و چون آن ظہور نیز دورہ خود را تمام کردہ ظہور رابع بہ ثبوت پیوستہ الی ما شاء اللہ تعالیٰ و چون دو ائمہ ظہورات مثالیہ او کہ تعلقاً بہ صفات و لطائف او داشتہ تمام گشتہ آخر الامر آن نسخہ جامعہ در عالم شہادت بایجاد خداوندی جل سلطانہ بوجہ آمدہ معزز و مکرم گشتہ اگر صد ہزار آدم باشند ہم اجزاء ہمیں آدم اند و دست و پائے او بند و مہادی و مقدمات وجود او بند انتہی مختصراً،

و تمام او در مکتوب است من شاء، فلیرجع الیہ، واللہ اعلم،

۲۳ جمادی الثانیہ ۱۳۸۸ھ (امداد ج ۳ ص ۱۳۸)

مسئلہ باغیر مقلدان | سوال (۵۸۲) ایک اشتہار غیر مقلدون کا مقام چاند پو میں آیا وہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں، اس کا مضمون صحیح ہے یا نہیں، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

حاصل مضمون اشتہار: معنون بہ نقل معاہدہ علمائے اہل حدیث و فقہ مدخلہ عدالت کشنری دہلی چونکہ دہلی و دیگر اصناف میں اکثر نا فہم لوگوں نے مسائل فرعیہ میں تنازعات بے معنی برپا کیے طرح طرح کے اشتہار و رسائل مشہر کئے اور نوبت بعد از وہ پہنچائی، فساد و عناد بڑھتا گیا، نوبت بفوجداری پہنچی، حالانکہ یہ اختلاف سلف صلح سے چلا آتا ہے، لیکن ان حضرات میں بعض وعادہ نہ تھا، اور آج کل لوگ انھیں فروعی مسائل کے سبب اتفاقی حرمیتوں میں مبتلا ہو رہے ہیں، کیونکہ غیبت و عداوت بالاتفاق حرام ہے، جن مسائل میں اختلاف ہو وہ یہ ہیں نجاست آب، آمین بالجہر، رفع یدین، و دیگر مسائل اختلافیہ، بعض نے حرام سمجھا، بعض نے مثل موکدہ غرض جاوہ اعتدال سے گزر گئے، ایک فریق دوسرے فریق کے افعال میں طعن و توہین سے پیش نہ آوے اور نماز ایک فریق کی دوسرے کے پیچھے جائے، آپس میں محبت و اتحاد رکھیں، کوئی کسی کو بُرا اور بد مذہب نہ جانے نماز عمت اور تکرار نہ کرے، انتہی مختصراً، مواہیر فلال و فندان و دستخط فلال و فلال از علمائے مقلدین بغیر مقلدان مقام دہلی۔

الجواب، نقل معاہدہ اہل حدیث و فقہ مدخولہ عدالت کمشنری دہلی سے گذرا، مضمون معلوم ہوا ان جمعہوں میں بولنے کو لکھنے کو جی نہیں چاہا کرتا کیونکہ کچھ فائدہ نہیں بھلتا، ناحق وقت ضائع ہوتا ہے، مگر آپ نے دریافت فرمایا ہے، تا چار عرصہ کیا جاتا ہے کہ اس کا مضمون بظاہر صحیح ہے، مگر حقیقت میں دھوکہ دیا ہے، کیونکہ ہمارا نزاع غیر مقلدوں سے فقط بوجہ اختلاف مروج و جریات کے نہیں ہے اگر یہ وجہ ہوتی تو حقیقہ، شافعیہ کی کہیں نہ بنتی، لڑائی دنگ رہا کرتا، حالانکہ ہمیشہ صلح و اتحاد رہا، بلکہ نزاع ان لوگوں سے اصول میں ہو گیا ہے، کیونکہ سلف صلح کو خصوصاً امام اعظم علیہ الرحمۃ کو طعن تشنیع کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور چار صلح سے زیادہ جائز رکھتے ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دربارہ تراویح کے بدعتی بتلاتے ہیں اور مقلدوں کو مشک سمجھ کر مقابلہ میں اپنا لقب موقد رکھتے ہیں، اور تقلید ان کے کو مثل رسم جاپان عرب کی کہتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے وَجَدْنَا عَلَیْہِمْ آثِمًا مَعَاذَ اللّٰہِ اسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، خدا تعالیٰ کو عرض پر بیٹھا ہوا مانتے ہیں۔ فقہ کی کتابوں کو بنائے گمراہی سمجھتے ہیں، اور فقہاء کو مخالف سنت ٹھہراتے ہیں، اور ہمیشہ جو بے فساد و فتنہ انگیزی رہتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس بہت سے عقائد باطلہ رکھتے ہیں کہ تفصیل و شرح اس کی طویل ہے، اور محتاج بیان نہیں، بہت بندگان خدا بظاہر ہے، خاص کر جو صاحب ان کی تصنیفات کو ملاحظہ فرمادیں ان پر یہ امر اظہر من الشمس ہو گا پھر اس پر عادت تفسیر کی ہے موقع پر چھپ جاتے ہیں، اکثر باتوں سے مکر جاتے ہیں اور منکر ہو جاتے ہیں، پس بوجہ مذکورہ ان سے احتیاط سب امور دینی و دنیاوی میں بہتر معلوم ہوتی ہے، باقی لڑنا جھگڑنا کسی سے اچھا نہیں کہ انجام اس کا بجز خرابی کے کچھ نہیں ہوتا، اور مخالف مناصم جھگڑنے سے راہ پر نہیں آتا، تو پھر نکلا رہے فائدہ سے کیا حاصل۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا عَلَیْکُمْ اَنْفُسُکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مِّنْ ضَرٍّ اِذَا هَمَّتْ اَنْفُسُکُمْ الْاَیۡہ۔ وَالشُّرُوۡلِ التَّوْفِیۡقِ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَائِرِ الْاَہْلِ۔

۴۔ محرم ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۳ ص ۱۵۰)

سوال (۵۸۳) السلام علیکم کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں خواب دیدن کے حامل مردہ یا کہ فرزند یا عیدہ کہ جو ایک شخص کا ایام حل میں بتاریخ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ میں انتقال ہوا، اس کو بذریعہ خواب بوقت شب یوم شنبہ بتاریخ ۱۴ صفر سنہ مذکورہ کو قبل پانچ بجے کے تنہا دو گھنٹہ بات باقی تھی، اہلیہ مرحومہ کے تولد ہونا فرزند کا معلوم ہوا، بدریافت امر معروف نہ صدر نسبت چاک کرنے پر وقت ایام پورے کے حکم شرع شہادت کیا ہے؟

الجواب۔ قبر کھودنا شرعاً ناجائز ہے۔ اور خواب شرع کے نزدیک کوئی حجت نامنہیں، ورنہ کوئی

عبداللہ بن علی رضی اللہ عنہما، اور ان میں اس کا حکم مثل قاضی المذہب کی ہے ۱۴ ص

خواب کا سمجھنے والا معلوم ہو کہ اس کی تعبیر پر اعتماد ہو، پس یا تو یہ خواب از قہم خیالات ہے، کیونکہ مردہ کے پیٹ میں بچہ کا زندہ رہنا خلاف قاعدہ اور عاقل ناممکن ہے، کیونکہ ماں کی سانس سے بچہ سانس لیتا ہے جب ماں کا سانس موت سے منقطع ہو گیا، بچہ بھی مر جاوے گا، یا اگر قدرت خداوندی سے بطور خرق عادت یا مواقع بھی ہو جاوے تو بطور خرق عادت وہ بچہ بھی قبر سے نکل آوے گا، کیونکہ الشعل طائرہ حیم و کریم ہے۔ اگر اس بچہ کی عمر مگر فی ہرگی تو اس کو ضائع نہ کرے گا بلکہ ظاہر کر دے گا اور اگر اس کی عمر مقدّر نہیں تو کھلنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ غرض محض گمان اور خیال پر قبر کھولنا نہ چاہئے۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ النَّفْسَ لَا يُغْنِيْ مِنْ الْحَقِّ شَيْئًا۔

واللہ اعلم، فقط، ۱۹ صفر ۱۳۸۴ھ (امداد، ج ۲ ص ۱۵۱)

درمئے ولیمہ | سوال (۵۸۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس میں کہ زید کہتا ہے کہ طعام ولیمہ وہ کھاتا ہے جو دولہا کی طرف سے بعد فراغ نکاح تیسرے دن ارباب برادری وغیرہ کو تقسیم ہوتا ہے اور حدیث شریف اس کی مصدق ہے، عمر و کہتا ہے کہ جو کھانا تارکیم ختنہ وغیرہ کے بعد ارباب برادری کو کھلایا جاتا ہے وہ بھی بموجب حدیث شریف کے طعام ولیمہ کہلاتا ہے، زید اس قول کو غلط بتاتا ہے، اور طعام ولیمہ صرف طعام مذکورہ سطر بالا ٹھہراتا ہے، پس اس صورت میں قول صحیح کس کا ہے، اور حدیث شریف میں کون قول مستند ہے؟

الجواب بحسب لغت اور نیز اصطلاح شرع قول زید کا صحیح ہے۔ اما اللغة فلما فی منقحی الادب ولیمہ کسفینۃ مہمانی عروسی وقیل اسمہ الولیمۃ یقع علی کل دعوة یتقد بسرد حاکم لکن الاشعر استعمالہا عند الملاح فی النکاح و یقید فی غیرہ فیقال ولیمۃ الختان و نحو ذلک انتحی و اما الشرع فلما فی صحیح البخاری و مسلم من انس ابن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ علی عبد الرحمن بن عوف اثر صفورۃ فقال ما هذا قال انی تزوجت امرأۃ علی وزن نواة من ذهب قال بارک اللہ لکم اولہ و لولیسۃ متفق علیہ و عنہ قال اولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم حوین بنی ہزین بن جحش قاضیہ الناس بنیز اولہا و اداہ البخاری، اور طعام ختنہ کا نام اعدا ہے، اور بعض علماء نے اقسام طعام کو نظم کر دیا ہے، وہ ہوا ہے

ان الولائم عشرة مع واحد	من عدا قد عزّی السرات
قال نعمر عند نفاسها وعقبة	تطلق والا عدا عند حسانہ
ولحفظ قرآن واداب لغت	قالوا الخذاق لحذیمة و بیابہ
ثم الملاح لعقدہ و ولیمۃ	فی عرسہ فاحرم علی اعلانہ
وکنان مادبہ بلا سبیری	و کوثرہ ہینا ع لکا نسہ
ونقبة لعدا و مرد و عسبۃ	نصیبة و کون من حیرانہ

ولاول الشهر الاصح عتيرة بذبيحة جاءتنا لرفعة شانہ

محقولاً من ردالمحتار جلد ۵ ص ۱۵ اور کبھی توسعاً و مجازاً ان سب اقسام کو ولیمہ کہہ دیتے ہیں، چنانچہ نظم مذکور میں کہا ان الولا تم عشرة الخ و فی ردالمحتار دعی الی ولیمۃ ۷ طعام العرس قبل الولیمۃ اسو کل طعام ج ۵ ص ۲۲۱ ولما من عبارة منتقى الاسماء وقيل الخ پس قول عمرو کا بھی صحیح ہے، لیکن استعمال غالب حسب قول زید ہے، لہذا من لان الاظهر الخ باقی یہ کوئی مسئلہ شرعی نہیں ہے، محض نزاع لفظی ہے، اس پر کوئی ثواب و عقاب مرتب نہیں، واللہ اعلم۔ تحریر تاریخ ۱۸ جمادی الثانی روزہ پنجشنبہ سن ۱۳۳۷ (امداد ج ۳ ص ۱۵۲) وجوب تقلید | سوال (۵۸۵) ما جوابکم ایہا العلماء حکم اللہ اس صورت میں کہ بعض مواضع میں اکثر اشخاص حنفی المذہب ناخواندہ ہوتے ہیں، مگر ان کے عقائد موافق شریعت کے خوب مضبوط ہوتے ہیں۔ علماء و حفاظ کی خدمت میں تعظیم بجاں و دل کرتے ہیں ان کے وعظ و پند کی جہت سے ان کے عقائد کچے ہیں۔ اب وہاں پر بعض بعض غیر مقلدین ان کو جا کر درغلالتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مذہب محمدی کو چھوڑ کر مذہب حنفی اختیار کرتے ہو؟

الجواب۔ احکام شرعیہ دو قسم ہیں مضمون غیر منصوص منصوص دونوع ہیں متعارض و غیر متعارض، متعارض دو قسم ہیں۔ معلوم التقديم والتاخير، پس احکام منصوصہ غیر متعارضہ یا متعارضہ معلوم التقديم والتاخير میں قیاس جائز کسی کے قیاس کا اتباع جائز، لقوله تعالى وان هم الا يظنون ولقوله تعالى ان يتبعون الا الظن، اس ظن سے مراد وہی ظن ہے جو مقابل نص کے ہو، اور احکام غیر منصوصہ یا منصوصہ متعارضہ غیر معلومہ التقديم والتاخير میں یا تو کچھ عمل نہ کرے گا، یا کچھ کرے گا، اگر کچھ نہ کیا تو مخالفت نص، ایجاب الانسان ان يترك سدى او ان يثبت انما خلقنكم عبثاً کے لازم آئے۔ اگر کچھ کیا تو بدوین علم یا تعین کسی جانب کے عمل ممکن نہیں، پس علم یا تعین حکم نص سے تو ہو نہیں سکتا لعل النص في الاول والتاخير من غير علم بالتقديم والتاخير في الثاني، ضرور علم بالتبيين قیاس سے ہوگا، پس یا قیاس ہر شخص کا شرعاً معتبر ہے، کہ جو کسی کی سمجھ میں آئے، یا بعض کا معتبر ہے، بعض کا نہیں، کل کا تو معتبر ہو نہیں سکتا۔ لقوله تعالى ولوروده الى الرسول والى اولى الامر منہم لعلہم الذین یدعونہن منہم پس بعض کا معتبر ہوگا بعض کا نہ ہوگا، جس کا معتبر ہے اس کو مجتہد و مستنبط کہتے ہیں، جس کا سیر نہیں اس کو تقلید کہتے ہیں۔ پس مقدمہ پر ضرور ہوا کہ کسی مجتہد کی تقلید کرے۔ لقوله تعالى واتم سبیل من اناب الی۔ اب جانتا چاہئے کہ ائمہ اربعہ کے تاریخی حالات سے بالقطع معلوم ہے کہ تحت عموم من اناب الی کے داخل ہیں پس ان کا اتباع بھی ضروری ہوا، یہی بات کہ مجتہد تو بہت سے گذرے ہیں کسی دوسرے کی تقلید کیوں نہ کی جاوے، اس کا جواب یہ ہے کہ اتباع سبیل کے لئے علم سبیل ضروری ہے، اور ظاہر ہے کہ مجتہد ائمہ اربعہ کے کسی مجتہد کا سبیل تفصیل جزییات و فروع معلوم نہیں، پس کیونکر کسی اتباع ممکن ہے۔ پس انھیں مذہب

اربعہ میں ثابت ہوا کہ یہ بات کہ ان چاروں میں سے ایک ہی کی تقلید کیوں ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل دو قسم کے ہیں متفق علیہا، مختلف فیہا، مسائل متفق علیہا میں توسب کا اتباع ہوگا، مسائل مختلف فیہا میں سب کا تو ہو نہیں سکتا بعض کا ہوگا بعض کا نہیں ہوگا، پس ضرور ہے کہ کوئی وجہ ترجیح کی ہو، سو حق تعالیٰ نے اتباع کو انا بتہ الی اللہ متعلق فرمایا ہے، جس امام کی انا بتہ الی اللہ زائد معلوم ہوگی اس کا اتباع کیا جاوے گا اب تحقیق زیادہ انا بتہ کی یا تفصیلاً کی جاوے گی یا اجمالاً، تفصیلاً یہ کہ ہر فرع و جزئی مختلف فیہ دیکھا جاوے کہ حق کس کی جانب ہے۔ اجمالاً یہ کہ ہر امام کے مجموعہ حالات و کیفیت پر نظر کی جاوے کہ غالباً کون حق پر ہوگا، اور کس کی انا بتہ زائد ہے صورت اولیٰ میں علاوہ حرج اور تکلیف مالا یطاق کے مقلد مقلدہ رہا بلکہ اپنی تحقیق کا متبع ہوا۔ نہ دوسرے کی سبیل کا وہ خلاف المفروض۔ پس صورت ثانیہ متعین ہوئی، کسی کو امام ابو حنیفہ پر ان کے مجموعہ حالات سے یہ ظن غالب و اعتقاد رائج ہوا کہ یہ منیب و مصیب ہیں، کسی کو امام شافعی پر کسی کو امام مالک پر، کسی کو امام احمد بن حنبل پر، اس لئے ہر ایک نے ایک ایک کا اتباع اختیار کیا، اور جب ایک کے اتباع کا بوجھ علم بالا تا بتہ اجمالاً کے التزام کیا گیا، اب بعض جزئیات میں بلا کسی وجہ قوی یا ضوئہ شدید کے اس کی مخالفت میں شق اول عود کرے گی، و قد ثبت بطلانہ۔

پس بحمد اللہ تقریر بالا سے وجوب تقلید مطلقاً و تقلید انہم اربعہ خصوصاً و انحصار فی المذہب الاربعہ و وجوب تقلید شخصی و بطلان تظنیق کاشم فی کبد السار واضح ہو گیا و دونہ خرم الفتاویٰ و الکلام فیہ طویل و فیما ذکرنا کفایۃ لطالب الرشاد انشاء اللہ تعالیٰ و نعم ما قیل ۛ

ہر کہ سر بر خط فرمان ویلے نہ بند
کے میسر شودش روئے براہ آوردن
ہر کہ خواہد کہ سر بسنزل مقصود رسد
بایدش پیروی راہ نمایاں کردن
اور یہ کہنا کہ مذہب محمدی کو چھوڑ کر مذہب حنفی اختیار کیا یہ عجیب خطبیوں کا کلام ہے، اس کو یہ تو خبر ہی نہیں کہ مذہب کس کو کہتے ہیں جو دین محمدی کو مذہب محمدی کہتا ہے، دین و مذہب میں فرق بھی معلوم نہیں کہ دین مجموعہ اصول کا نام ہے، اور مذہب مجموعہ فروع کا اور ہر فروع کے لئے اصول ضروری ہیں، جب مذہب محمدی ہو تو دین کونسا ہوگا۔ یہ شخص اس نسبت سے حنفیہ کو منع کرتا ہے، اور اپنی خبر نہیں کہ کیا خاک پھانک رہا ہوں کہ دین محمدی ہاتھ سے نکلا جاتا ہے، اور حنفیہ کی نسبت تو نہایت صحیح ہے کیونکہ دین مثل بٹے ملک یا بٹے قبیلہ کے ہے اور مذہب مثل شہروں اور چھوٹے قبیلوں کے اطلاقات روزمرہ میں اپنے کو شہر اور چھوٹا قبیلے کی طرف نسبت کیا کرتے ہیں البتہ جب ملک یا بٹے قبیلہ سے سوال کیا جاتا ہو اس وقت اپنا ملک و بڑا قبیلہ بتلاتے ہیں اسی طرح اطلاقات روزمرہ میں اگر کوئی اپنے کو حنفی بتلائے اور جب دین سے سوال ہو اس وقت محمدی کہے فرمائیے

کونسا شرک و کفر لازم آگیا، اس پر اعتراض کرنا ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ تم اپنے کو حدیثی یا لکھنوی کیوں کہتے ہو، بلکہ آدمی یا ہندی یا بتلاؤ ایسے شخص کا مقابلہ بجز جواب جاہلان یا شد خموشی کے اور کیا ہوگا، ایہا الاخوان لا تسوا فی الارض بالفساد والظلمان فان الفتنة اشد من القتل بالسيف والسنان والله المستعان علی البلیات والاحزان رب توفنا علی الحق والایمان، فقط ۱۰ شعبان ۱۳۳۸ھ روز چہار شنبہ (امداد ج ۳ ص ۱۵۳)

رسالہ اعداد الحتمہ للتوقی عن الشبهة فی اعداد البدعة والشبهة

فرق در تقلید و بیعت شخصی | سوال (۵۸۶) حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ایضاح الحق الصریح کی ایک عبارت نظر سے گندی، اس سے ایک شبہ واقع ہوا لہذا اصل عبارت نقل کرنے کے بعد شبہ عرض کرتا ہوں، ازالہ فرما کر تشفی فرمادی جاوے۔

(عباسات) احسانات اکثر متاخرین از فقہاء و صوفیہ کہ بتا بر ظن حصول بعض منافع دینیہ و مصلحہ دینیہ بدون تمسک بدلیل از دلائل شرعیہ و اصلی از اصول عبادات یا معاملات اختراع می نمایند یا تحدید اصل از اصول دینیہ بحدوث خاصہ اعدائے کثرت یا ترویج امرے کہ شامل بد قرون سابقہ بود بر روی کار می آرند یا احتمال امر کہ در آن از منہ مروج بود فعل می آرند مثل نماز معکوس و وجوب تقلید شخص معین از ائمہ مجتہدین و مثل تحدید ذکر و کلمہ تہلیل با وضاع مخصوصہ از اعداد و ضربات و جلسات و تحدید ما اکثر بعشر فی العشر و ترجیح مسائل قیاسیہ و کشفیہ و استفراق بجمع ہمت خود راں و افعال ظاہر کتاب و سنت مگر بطریق تبرک و تمین ہمہ از قبیل بدعت حقیقہ است و پنجم در مقام عذر آن میگویند ہر چند کہ این امر محدث است اما مشتمل بر مصلحت از مصلح دینیہ است یا اصل آن در شرع ثابت است اگرچہ خصوصیت مذکورہ محدث باشد پس مجرد این عذر اموذ مذکورہ نا از حد بدعات خارج نمی گرداند

دوسری عبارت است: اما تحریجات متاخرین فقہاء مثل تحدید ما اکثر بعشر فی العشر بتا بر قیاس بر زمین تعلق چاہ و مثل حکم بوجوب تقلید مجتہد سے معین از مجتہدین سابقین و حکم بالتزام بیعت شخصی معین از شیوخ طریقت بتا بر قیاس بر اطاعت امام وقت و التزام بیعت او و احتمال آن از تحریجات غیر محصورہ کہ منقول از متاخرین فقہاء و صوفیہ است و کتب فقہ و سلوک بآں مملو و مشحون است و اکثر اتباع ایشان ہمیں تحریجات محدثہ و احکام شریعت و اسرار طریقت می انگارند ہمہ از قبیل بدعات است و دلائل ایشان ہمہ از قبیل لطائف شعریہ و کلمات مجملہ است کہ ہرگز احکام مذکورہ را از بدعت خارج نمی گرداند و در دائرہ شریعت ایمانیہ و طریقہ احسانیہ داخل نمی کنند انہ۔

(تقریر شبہ) وجوب تقلید شخصی التزام بیعت شخص معین، تحدید اعداد و تردد وظائف با وضاع مخصوصہ

و غیرہ ایسے امور جن کی نافییت فی الدین عند المحققین مجرب ہے تو ظاہر ہے کہ یہ امور فی ذاتہا مقاصد میں سے نہیں بلکہ دیگر مقاصد دینیہ ضروریہ کے لئے مقدمات ہیں اور خود فی ذاتہا ایسے دنیاوی محض بھی نہیں کہ جن پر ترتب اجر کی توقع نہ ہو اور یہ امور پہلے آتھا لکذا یرثہ زمانہ تیرہ القرون میں بھی پاسے نہ جاتے تھے، گو ان کا اطلاق عمومات نصوص کے ماتحت داخل ہے، مگر تخصیصات کذا یرثہ ضرور محدث ہیں، تو پھر ان میں اور دیگر بدعات میں جن کا اطلاق نصوص سے ثابت اور ہیئت کذا فی محدث میں کیا فرق ہوگا۔ اگر محض دنیاوی ہیں تو دلائل شرعیہ سے ان کا ثابت کرنا کیونکر درست ہوگا، اور منکرین پر تکلیف کرنا شرعاً کس طرح جائز ہوگا،

الفرض اصل مسئلہ کی حقیقت اور حضرت فہیدہ کی عبارات کا صحیح مطلب یا تحقیقی جواب تحریر فرما کر تشفی فرمادی جاوے، اپنی اصلاح کے لئے مخصوص دعا کا طالب ہوں، والسلام

الجواب، فی رد المحتار سنن الوضوء ان کان معاً واظب علیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والاختلاف الراشدون من بعدہ سنة والا فمندیوب ونقل الامم ما جاز فی الدر المختار بحذف النیة والتلفظ عند الاسراة بما مستحب هو المختار وقیل یسنن یعنی احبا التلف اوسعة علمائنا اولہ یقول عن المصنف ولا الصحابة ولا التابعین بل قیل بدعة فی رد المحتار قوله قیل سنة عزاء فی التحفة والاختیار الی محمد وصرح فی البدائع بانہ لم یذکرہ محمد فی الصلاة بل فی الحج فحملوا الصلاة علی الحج قوله انما اشار بہ للاعتراض علی المصنف بان معنی القولین واحد معنی مستحباً باعتبار انہ احبہ علماء ثلاث سنة باعتبار طريقة حسنة لہم اہل لا طريقة فسنی علی اللہ علیہ وسلم كما حورہ فی البحر قوله بل قیل بدعة نقلہ فی الفتح وقال فی المحلۃ داسل الاشبه انہ بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة لان الانسان قد یغلب علیہ تفوق خاطرة وقد استفاد من ظهور العمل بہ فی کثیر من الاعصار فی عامة الامصار فلا جرم انہ ذهب فی المبسوط والہدایۃ والکافی الی انہ ان فعلہ لیجمع عزيمة قلبہ فی حسن فیستند فمما قیل انہ یکبر الخ فی رد المحتار احکام الامامة ومبتدع ای صاحب بدعة وہی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا المعاندۃ بل بنوع شبہتہ فی رد المحتار قوله ای صاحب بدعة ای محرومة والا فقد تكون واجبة كنصب الادلة علی اهل الفرق الضالة وتعلیہا النوا المفسر للکتاب والسنة ومندوبة کاحداث فحور باط ومندوبة و کل احسان لہ یکن فی الصدر الاول ومکروهة کزخرفة للماجد ومباحة کالتوسع بلذیذ الماکل والشارب والشباب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تہذیب النووی ومثلہ فی الطريقة المحمدیۃ للبرکوی، ان عبارات سے امور قبل مستفاد ہوئے (اول) سنت کے کئی معنی ہیں، منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کما کہ فی عبارة لا طريقة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والاختلاف

الراشدین کما لا کفری عبارۃ واظہر علیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور المخلفاء الراشدون۔ منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور الصحابة اذ التابعین کما فی عبارۃ ازلم یُنقل عن المصطفیٰ ولا الصحابة ولا التابعین۔ منقول عن العلماء کما فی عبارۃ او سنة علماء نافی تفسیر السنة و فی عبارۃ انہ طریقۃ حسنة لہم ای العلماء، اور چونکہ بدعت مقابل سنت کے ہے کما ہو ظاہر۔ اس لئے اسی طرح بدعت کے بھی کئی معنی ہوں گے۔ یعنی سنت کے ہر معنی کے مقابل، بلا غیر منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یا غیر منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور الصحابة اذ التابعین بلا غیر منقول عن العلماء۔ اور یہ تعدد محض ظاہری ہے۔ ورنہ حقیقت میں سنت کے معنی ہیں۔ ہی الطریقة المسلوكة فی الدین کما ہو مذکور بعد العبارة الاولى باسطر اور یہ سب معانی سنت کو شامل ہے اور بدعت کے معنی ہیں اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا لمعاندة بل بنوع شہرت یا بعنوان دیگر ما احدث علی خلاف الحق المتلقى عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علماء وعمل او حال الخ کذا فی الدر المختار و رد المحتار فی بحث الإمامة قلت و هذا التلقى عام کان بلا واسطة او بواسطة الادلة الشرعية کما ہو معلوم من القواعد و هذا المعنى الحقیقی للبدعة مراد فی قوله صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ الحدیث اى ادخل فی الدین ما ہو خارج من الدین والثالث بالادلة داخل فی الدین لا خارج منہ،

پس سنت حقیقیہ و بدعت حقیقیہ جمع نہیں ہو سکتیں، لیکن بدعت صورتیہ سنت حقیقیہ کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے جتنا پختہ تلفظ بہ نیت الصلوٰۃ کو سنت کہا گیا ہے، بعض معانی کے اعتبار سے کہ وہ معنی ایک قسم ہے سنت حقیقیہ کی، اور بدعت بھی کہا گیا ہے بعض معانی سنت کے مقابلہ کے اعتبار سے اسی لئے علیہ کی عبارت مذکورہ میں اس کو بدعت مان کر حسن کہا گیا ہے، جو صریح ہے جو ازاجتمع بعض اقسام بدعت مع السنة الحقیقیہ میں اور یہ اجتماع حضرت عمرؓ کے قول نعمت البدعة سے بھی مؤید ہوتا ہے جیسا جزئی حقیقی تو کلی کے ساتھ جمع نہیں ہوتی اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بدعت حسنہ کی جو بعض اکابر نے نفی کی ہے اور مشہور اثبات ہے یہ نزاع نقلی ہے، نافی نے اپنی اصطلاح میں بدعت کو حقیقی کے ساتھ خاص کیا ہے، اور مثبت نے بدعت کو عام لے لیا ہے، اور یہی راز ہے کہ صحابہ کو تو کسی امر کے منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہونے سے اس کے سنت ہونے میں تردد نہ ہوتا تھا، اور بعد کے حضرات کہ صحابہ یا تابعین سے منقول نہ ہونے سے تردد ہوتا تھا، و لکن احنیٰ کہ ہمارے لئے وہ چیز بھی سنت ہوگی، جو علماء راہبین نے اصول شرع سے سمجھا ہے۔ اس سے بھی تعدد معانی سنت کی تقویت ہوگی، جب یہ مقدمہ مہذب ہو چکا، اب مولانا کے کلام کی طرف متوجہ ہوتا ہوں ان دونوں عبارتوں میں جن چیزوں کو بدعت قرار دیا ہے، ان کا بالمعنی الاعم بدعت ہوتا تو منافی سنت نہیں، لیکن

بدعت بدعت حقیقیہ ہونا اس صورت میں صحیح ہے جب ان کو احکام مقصودہ فی الشرع سمجھا جاوے، اس وقت ان پر بدعت حقیقیہ کا حکم کرنا صحیح ہوگا چنانچہ دوسری عبارت میں یہ قول اس کا قرینہ ہے۔ یہیں تخریجات محدثہ را احکام شریعت و اسرار طریقت می انگارند۔ اور عبارت اول کو اسی پر محمول کیا جاوے گا۔ کیونکہ محکوم علیہ دونوں عبارات میں ایک ہی چیز میں ہیں بتفاوت سیر لا یعتبر ولا یوثر فی الحکم، پس مولانا کے کلام کی تو توجیہ سے فراغت ہوئی، لیکن اگر کوئی شخص ان کو احکام مقصودہ فی الشرع نہ سمجھے، اور ان کے بدعت وغیر بدعت ہونے کی تحقیق کا طالب ہو تو اس کے لئے ایک ایک جزئی کی تفصیل کرتا ہوں، اسی سے قواعد کلیہ بھی سمجھ میں آجاوے گے جن سے دوسرے امور غیر مذکورہ فی المقام کا بھی حکم ہو جاوے گا۔ پس معروض ہے۔

نماز معکوس کا دین سے کوئی تعلق نہیں وہ ایک قسم کا مجاہدہ ہے۔ اور مثل معالجات طبیہ کے نفس کی تادیب کے لئے ایک معالجہ ہے، اس درجہ میں اس کو سمجھنا بدعت نہیں، البتہ اگر اس سے کوئی بدنی ضرر کا اندیشہ ہو تو معصیت ہے، ورنہ مباح، مثل دیگر ریاضات بدنیہ کے، اور اگر اس کو کوئی قربت سمجھے تو بدعت ہے۔

تقلید شخصی اس کو حکم مقصود بالذات سمجھنا بیفک بدعت ہے، لیکن مقصود بالغیہ سمجھنا یعنی مقصود بالذات کا مقدمہ سمجھنا بدعت نہیں بلکہ طاعت ہے۔

تحدید کلمہ تسہیل الخ ذکر کو مقصود سمجھنا اور مطلق زیادت عدد کو زیادت اجزاء کا سبب سمجھنا او ضلع و فترات و جلسات کو از قبیل مصالح طبیہ سمجھنا بدعت نہیں، اور خود ان کو قربات سمجھنا بدعت ہے۔

تحدید یا اکثر اس کو مقصود سمجھنا بدعت ہے اور عوام کے انتظام کے لئے بلاشبہ مطلوب بالغیر ہے۔

ترویج مسائل قیاسیہ و کشفیہ و استغراق جمیع ہمت خود درآں الخ اس میں ظہور مراد کافرینہ خود اس کے بعد موجود ہے۔ یعنی احتمال ظاہر کتاب سنت مگر بطریق تبرک و تین، اس طریق پر بدعت ہونے میں کیا شبہ ہے، لیکن اگر ہر چیز اپنے درجہ میں رہے تو وہ بدعت نہیں اور جو درجہ اعمال میں بدعت ہے اس میں یہ عند بعد میں مذکور ہے، ظاہر ہے کہ نافع و مقبول نہیں جیسا مورخان نے فرمایا۔

حکم بالترام بیعت میں پرہیز کیا گیا ہے اس اعتبار سے بیشک بدعت و زیادت فی الدین ہے اھا اگر دوسری بنا صحیح ہو اور وہ بنا وہ ہے جس کے اعتبار سے طبیہ کے اتباع شخصی کا التزام کیا جاتا ہے اور اسی کے لوازم میں اس کا قائل ہونا بھی ہے کہ اس کے التزام کو ترک کر دینا یا دوسرے کے اتباع سے بدل دینا جائز ہے تو اس مسئلہ میں کوئی وجہ نہیں بدعت ہونے کی اس کے بعد تخریجات کی نسبت جو فرمایا ہے محل اس کا وہی صورت ہے جب حدیث کے بڑھا دیا جاوے اعتقاد یا عملاً آگے ان کے دلائل کے متعلق فرمایا ہے، مراد ان سے وہ دلائل ہیں جو اکثر جہلاء و علما نے ان مقاصد پر اختراع کئے ہیں نہ کہ دلائل صحیحہ جو بفضلہ تعالیٰ احقر کی تالیفات میں مذکور ہیں، اس کے بعد تقریر شبہ میں سوال کیا

گیا ہے کہ ان میں اور دیگر بدعات میں کیا فرق ہے، اگر اہل بدعت اُن کو حدود سے نہ بڑھاتے تو یہ سوال سب امور میں تو نہیں بعض امور میں صحیح تھا، لیکن مظاہرہ ہے کہ وہ ان بدعات کو داخل دین بلکہ عبادت متصوہ سے بدرجہا زیادہ اور مؤکد خواہ اعتقاداً یا عملاً سمجھتے ہیں، اور مخاطبین سے اس قدر بغض رکھتے ہیں جتنا کفار سے بھی نہیں، اور امور مذکورہ بالا کے اختیار کرنے والے ایسے غلو سے منزہ ہیں، پس اسی دونوں قسم کے اعمال میں فرق ظاہر ہے۔

الکلام علی سبیل التفریل فی المقام۔ جو توجیہ حضرت مولانا فہید کے کلام کی ہو کر گئی ہے مگر اس کو کوئی قبول نہ کرے تو اخیر جواب یہ ہے کہ مولانا مجتہد تھے نہ اپنے سے سابق علماء سے قائل تھے مگر یہ پلانا کا ادب تو ملحوظ رکھیں اور ان کے ارشاد کو جمعہ ذہبیں تو ہمارے کسی التزام کے خلاف نہیں، خاصاً فی الباب ان کے اس ارشاد سے یہ مسائل بھی مختلف فیہ ہو جا دیں گے جس میں نہ قائل نہ ملامت و قائل کا اجتماع واجب، والشرائع، ولقبہ بذه العجالة یا امداد الجہۃ للتو فی البیہ فی امداد الہدۃ والسمۃ، کتبہ سابع رمضان ۱۲۸۵، النور، محرم ۱۲۸۵، ص ۱۰

سوال (۵۴۰) حضرت ابن ہمام، کو مجتہد مقید کہتا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب۔ حضرت ابن ہمام، کو مرتبہ اجتہاد کا حاصل ہے اور ان کو مجتہد مقید کہتا صحیح و سابق ہے قال الشافعی فی جواب اعتراض علی ابن الہمام فی مسئلۃ واجب العلمۃ المقدسی بان ما یحتلکھال (ای ابن الہمام) هو القیاس کما صرح بہ الامام الحنفی فی شرح الجامع الکبیر و اذا کان هو القیاس لا یقال فی شأنہ انہ غلط و سوء ادب علی ان الشخص الذی یلم بقیۃ الاجتہاد و اذا قال مقتضی النظر کذلک الشیء هو القیاس لا یرد علیہ بان هذا منقول لانہ انما اتبع الدلیل المقبول وان کان البحت لا یقضى علی المنہب انتہاء، شافعی ج ۳ ص ۳۴۸، اللہ اعلم فقط

(امداد ج ۳ ص ۱۵۶)

فرق رسم و صورت رسم | سوال (۵۴۱) حقر نے بندہ زادہ کی تقریب عقد میں کوئی رسم وغیرہ نہیں کی، البتہ بلا تکلف جو اطعمہ اور احباب جمع ہو گئے ان کو کھانا کھلا دیا گیا، مگر صورت دعوت اور اجتماع وغیرہ کی شکل رسم والوں ہی کے ہو گئی، اس پر لوگ معترض ہیں، میرے ذہن میں تو ماہ الفرق موجود ہے، لیکن ظاہراً ان کا جواب نہیں بن پڑتا اگر حضور تفصلاً یا مختصراً معیار فرق ارشاد فرما دیں تو اطمینان ہو جائے۔

جواب۔ اصل تو یہی ہے کہ کچھ بھی نہ ہو، وہ اعتراضات کا مسکت جواب مشکل ہے، اگرچہ اپنے ذہن میں فرق کا بھٹنا آسان ہے، وہ فرق یہی ہے کہ جب نہ رسم کی نیت ہو، نہ رسم والوں کے طریق پر کریں

تو وہ رحم نہیں، حقیقتاً نہ صورتاً، یہی معیار حق ہے، اس سے زیادہ لکھنے کی کیا حاجت ہے۔ والسلام۔

(النور ص ۲۷، ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ)

دجال کا ذکر قرآن میں ہے یا نہیں | سوال (۵۸۹) اس کی کیا حکمت کہ دجال جس کا فتنہ تمام فتنوں سے بڑھ کر ہے، قرآن مجید میں اس کا کہیں ذکر نہیں، نہ صراحۃً نہ ضمناً یا جوج ماجوج کے فتنہ سے اس کا فتنہ کہیں بڑھ کر ہے اگر اس سے مطلع فرمایا جاؤں تو اطمینان ہو۔

الجواب۔ میرے مذاق کے موافق تو یہ جواب ہے کہ حکمت غیر منصوصہ کی تفتیش کی حاجت ہی نہیں

حدیث مطرب و می گو در اند ہر کستہ جو کہ کس نکشود و نکشاید حکمت این معمارا

اور عام مذاق کے موافق جواب یہ ہے کہ اولاً یہ مسلم نہیں کہ مذکور نہیں بلکہ نزولِ عیسوی کے ضمن میں اس طرح مذکور ہے کہ عادیۃ الشریعت الشریعہ ہے کہ ہر نبی کو کسی بڑے فتنہ کے دفع کے لئے بھیجا جاتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری بھی کسی فتنہ عظیمہ کے دفع کے لئے ہونا چاہئے، آگے اس فتنہ کی تعیین یہ حدیثوں سے معلوم ہو گئی، نیز یہ فتنہ ایک یہودی کا ہوگا، کیونکہ دجال یہودی ہے۔ جیسے آپ کی بعثت اول بھی یہودی کے دفع فتنہ کے لئے ہوئی تھی، سوا دل تو اس طرح سے مذکور ہے، لیکن اگر اس ذکر کو ذکر نہ مانا جائے تو پھر دوسری حکمت یہ ہو سکتی ہے (اور ہو سکتی اس لئے کہا گیا کہ ایسی حکمتیں ملتی ہوتی ہیں) کہ حوادث و قسم کے ہیں، ایک وہ جن کے اثر و ضرر سے محفوظ رہنا یا اس کا دفع کرنا با اختیار عباد نہ ہو۔ دوسری قسم وہ جس میں اختیار عباد کو دخل ہو۔ قرآن مجید میں قسم اول مذکور ہیں، اس اعتبار خاص سے ان کو عظیم قرار دیا گیا، قسم ثانی مذکور نہیں، فتنہ دجال دوسری قسم میں ہے، کہ اس کے اضلال سے بچنا ہر شخص کے اختیار میں ہے، نیز اس کا اہلاک ایک عہد ہی کے ہاتھ سے ہوگا، اس کو عظیم نہیں سمجھا گیا۔ والشر اعلم۔

(النور ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ ص ۹)

قواعد شرعیہ برائے جماعت تبلیغ و تنظیم | اما بعد الحمد والصلوة فمن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف وفي کل خیر الحدیث رواہ مسلم، آج کل مسلمانان ہند جن پر شیطانوں میں مبتلا ہیں، ان میں دو طریق مشروع ہیں، ایک ضعیفانہ کے لئے کہ سکوت محض سے کام لیں، حفاظت کا کوئی سامان کریں نہ مدافعت کا اہتمام کریں دوسرا اقویاء کے لئے کہ حفاظت و مدافعت کی تدبیر کریں اپنے لئے بھی اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی، اور حدیث بالا سے جس طرح دونوں طریق کا جواز معلوم ہوتا ہے اسی طرح دوسرے طریق کی ترجیح بھی معلوم ہوتی ہے، اور حفاظت کا محل دو چیزیں ہیں، ایک دین اور اصل یہی ہے، دوسری دنیا اس کی حفاظت کی فضیلت بھی مع فضیلت حفاظت دین کے اس حدیث سے ثابت

ہے، من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون اھله فهو شهيد رجمع الفوائد عن اصحاب السنن اور یہ امر تجربہ سے ثابت ہے کہ اکثر افراد حفاظت کے خصوص دوسروں کی مطلقاً حفاظت اور اپنی دنیا کی حفاظت کے افراد عادتاً موقوف ہیں، قوت اجتماعیہ اور اتفاق متظم پر اس لئے حفاظت کی ضرورت داعی ہوگی اجتماع و اتفاق و تنظیم مذکور کی طرف اور ہمارے بھائیوں میں یہ قریب قریب مفقود ہے، اسی لئے ہر مسلمان بجائے خود اپنے کو تہادیکھ کر اپنے ضعف سے پریشان ہے، ورنہ اہل باطل کے مقابلہ میں اہل حق کی پریشانی کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا اور اگر کہیں برائے نام تنظیم ہے تو اس سے محض اغراض دنیویہ مقصود ہیں، بلکہ اکثر تو دین کو ان اغراض میں مغل سمجھ کر قصداً اس سے اعراض کرتے ہیں، ایسی بیچارگی کے وقت میں رحمت الہیہ نے دستگیری فرمائی کہ بعض بندوں کے قلوب میں ایسی تنظیم کی ضرورت اور عملی صورت القا فرمائی جس سے دین اصالۃً اور دنیا تبعاً محفوظ رہ سکے، اس لئے ہم چند خدام اسلام نے اس تنظیم کی غرض سے ایک مجلس قائم کی اور چونکہ ہر عمل میں تحقیق حکم شرعی کی ضرورت ہے، اس لئے اس کی دفعات کے متعلق فتویٰ شرعی بھی حضرت مولانا مولوی محمد اختر علی صاحب مدظلہم العالی سے حاصل کیا جو ذیل میں منقول ہے، اور چونکہ اس کی ضرورت ہر مقام پر عام ہے اس لئے دیگر اہل اسلام کے نفع کی غرض سے اس کو شائع بھی کیا جاتا ہے، اگر مقامی مصلحت سے اس میں کہیں جائز کمی بیشی کر لی جاوے اس کا مضائقہ نہیں۔

سوال (۵۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بات میں کہ آج کل مسلمانان ہند جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور آئندہ اس سے زیادہ مبتلا ہونے کا خطرہ ان سے خود محفوظ رہنے اور دوسرے بھائیوں کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک جماعت نے ایک مجلس قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے جس کی دفعات حسب ذیل ہیں، اب سوال یہ ہے کہ یہ دفعات شریعت مطہرہ کے خلاف تو نہیں، تاکہ ایسی دفعات کو بدل کر شریعت کے موافق کر لیا جاوے وہ دفعات یہ ہیں :-

نمبر ۱۔ احکام شرعیہ پر پورے اہتمام سے عمل کرنا اور جن اعمال پر قدرت نہ ہو ان میں معذوری ہے۔

نمبر ۲۔ دوسروں کو ان احکام کی اور ان کی پابندی کی تبلیغ کرنا۔

نمبر ۳۔ خصوص احکام ذیل جن کو خاص ذقل ہے حفاظت مقصودہ میں وہ احکام یہ ہیں، اسلام پر و تائم رہنا، علم دین سیکھنا اور سکھانا، اور قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا، اللہ و رسول سے محبت درجہ عشق میں رکھنا تقدیر پر ایمان لانا، اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا، دعا مانگنا، نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا اور جو ان میں گزر گئے ہیں ان کے اچھے حالات کی کتابیں پڑھنا یا سننا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات

پڑھنا یا سنا، مسلمانوں کے حقوق کا خاص خیال رکھ کر ادا کرنا، اپنی جان کے حقوق ادا کرنا، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ حکام کا مقابلہ نہ کریں، بلکہ تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کریں، لگے حسب مرضی انتظام نہ ہو صبر کریں۔ اور اگر کسی مخالف کی طرف سے کوئی شورش ہو تو حکام ہی کے ذریعہ اس کی مداخلت کریں پھر خواہ وہ خود انتظام کر دیں خواہ تم کو انتقام کی اجازت دیدیں، نیز جان کے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ ورزش کریں، حدود و قانون کے اندر فن سپہ گری سیکھیں، نماز کی پابندی رکھنا، ضرورت کے مقام پر مسجد بنانا کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، زکوٰۃ دینا۔ نیز دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنا، روزے رکھنا، حج کرنا اور اگر وسعت یا ہمت ہو ورنہ شریف کی زیارت بھی کرنا، قربانی کرنا، اور اگر اس میں کوئی روک ٹوک کرے تو اس دستور العمل کو اختیار کریں جو ابھی اپنی جان کے حقوق میں مذکور ہوا۔ آمدنی اور خرچ کا انتظام رکھنا، نکاح سے نسل بڑھانا، دنیا سے دل نہ لگانا، گناہوں سے بچنا، صبر و شکر کرنا، صبر میں یہ بھی داخل ہے کہ جہاں شریعت کا حکم ہو وہاں مالی یا جانی کیسی ہی تکلیف ہو اس کو برداشت کرنا۔ مشورہ کے قابل امور میں مشورہ لینا، باہم محبت و ہمدردی و اتفاق رکھنا، امتیاز قومی یعنی اپنا لباس اپنی وضع، اپنی بول چال، اپنا یر تار و غیرہ وغیرہ مذہب والوں سے الگ رکھنا ان اعمال کی تفصیل رسالہ جیۃ المسلمین میں کی گئی ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔

نمبر ۴۔ طریق عمل احقر کے ذہن میں یہ ہے کہ جس جگہ جس جماعت کو گو وہ قلیل ہی ہو تو فقیہ ہو ایک مجلس بنا کر ان احکام پر عمل کرنے اور کرانے کی کوشش شروع کر دیں۔

نمبر ۵۔ یہ بولت نظم کے لئے اس مجلس کا کوئی لقب بھی تجویز کر لیا جاوے، مثلاً صیۃ المسلمین یا اور کچھ، اور بات عدہ اس کے کچھ عناصر بھی مقرر کر دیئے جاویں جن کی خدمت کا کوئی معاوضہ نہ ہوگا۔

نمبر ۶۔ یہ عناصر تین قسم کے ہوں گے، ایک ارکان یہ وہ لوگ ہیں جن کا مشورہ مجلس کے ہر کام کے لئے شرط ہوگا، اور کئی کا چندہ گزار ہونا شرط نہیں، دوسرے معین، یہ چندہ گزاروں کا لقب ہوگا۔ تیسرے عامل یہ ان لوگوں کا لقب ہوگا جو نہ مشیر ہیں نہ چندہ گزار، بلکہ محض بلا معاوضہ اپنی خدمات مجلس کے لئے وقف کرتے ہیں، اور مجلس کی طرف سے جو خدمت ان کے سپرد کی جاوے وہ اس کو حسبہ اللہ سمجھاتے ہیں، ان میں سے عناصر کا تعلق باضابطہ ہے۔ چوتھے محبتیں جو خیر خواہی اور دعا میں مشغول ہیں، اور کوئی مناسب رائے خیال میں آتی ہے اس کی اطلاع مجلس کو کرتے ہیں اس طبقہ کا تعلق باضابطہ نہیں۔

نمبر ۷۔ طبقہ ارکان میں سے ایک شخص کو اس مجلس کا صدر تجویز کیا جاوے جس کا انتخاب ارکان کے اتفاق سے ہوگا۔

نمبر ۸۔ ارکان کا عدد بہت زیادہ نہ ہوتا چاہئے، بلکہ ہر مقام پر ایسا عدد ہو جن کا اجتماع مشورہ کے لئے سہل ہو، خواہ وہ مقامی ہوں یا بیرونی ہوں، مگر ضرورت کے وقت بہولت جمع ہو سکتے ہوں اور بقیہ تین طبقوں کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔

نمبر ۹۔ جدید رکنیت کے لئے قدیم ارکان کی متفقہ منظوری شرط ہے جس میں وہ مختار ہیں اور بقیہ تین عناصر کی خدمات کا قبول کر لینا ارکان کے ذمہ لازم ہے۔ *إلا لما لم شرعی مفوض الی رأیہ*۔
نمبر ۱۰۔ ایک شخص دو قدمیں لے کر دو طبقوں میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

نمبر ۱۱۔ کوئی شخص خود رکنیت کی درخواست نہ کر سکے گا، بلکہ ارکان سابق خود اس سے رکنیت کی درخواست کریں گے، اور معین اور عامل خود درخواست کر سکتے ہیں، ان کی درخواست پر ان کو ایک فارم دیا جائیگا جن میں ان کو اپنا نام و نشان اور وعدہ خدمت لکھنا ہوگا، جس کا نقشہ ارکان تجویز کر سکتے ہیں، اور یہ سب فارم مجلس میں محفوظ رہیں گے، اور مجتہدین خود بھی درخواست کر سکیں گے، اور ان سے بھی درخواست کی جاسکتی ہے۔ مگر یہ سب زبانی ہوگی، اور اگر کسی جانب سے بھی خاص درخواست نہ ہو تب بھی ہر مسلمان سے عام درخواست اس وقت کی جاتی ہے کہ نیک مشوروں سے اور وعار سے اس مجلس کی مدد فرماتے ہیں۔

نمبر ۱۲۔ صدر اور رکن کا تقریر جیسے اتفاق ارکان سے ہوا تھا اسی طرح ان کا عزل بھی اتفاق ارکان سے ہوگا۔

نمبر ۱۳۔ اور صدر اور رکن کا استعفا کسی کی منظوری پر موقوف نہیں، لیکن ان کا احسان ہوگا، اگر دو ہفتہ قبل اطلاع دیدیں۔

نمبر ۱۴۔ باستثناء وقتی کاموں کے کوئی کام بدون مشورہ نہ کیا جاوے۔

نمبر ۱۵۔ مشورہ کے لئے صدر اور تین مشیروں کا اجتماع کافی ہے، اگر صدر کو کچھ عذر ہو وہ وقتی مشورہ کے لئے کسی رکن کو اپنا قائم مقام بناوے۔ اور اگر صدر سفر میں ہو خود ارکان کسی کو صدر کا قائم مقام بنالیں۔
نمبر ۱۶۔ اگر اہل شوریٰ میں اختلاف ہو جاوے تو جس جانب صدر کی رائے ہو قطع نظر اقلیت یا اکثریت سے اس کو ترجیح ہوگی، اگر اہل شوریٰ اور صدر میں اختلاف ہو جاوے تو احتیاط کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی، یعنی اگر مستحاضہ علیہ ایک رائے میں نافع محض غیر محتمل الضرر ہو اور دوسری رائے میں نہ نافع ہو نہ مضر تو نافع والی رائے کو ترجیح ہوگی، اور اس کام کو کر لیا جاوے گا۔ اور اگر ایک رائے میں مضر ہو اور دوسری رائے میں نافع مگر ضروری تو مضر والی کو ترجیح ہوگی اور اس کام کو ترک کر دیا جائے گا، اور اگر ایک رائے میں مضر ہو اور دوسری رائے میں نافع اور ضروری اور صرف یہ اختلاف اہم و اشد ہے تو مضر کی

رائے کو ترجیح ہوگی۔

نمبر ۱۔ کوئی کام خلاف شرع نہ کیا جائے گا۔ نہ کوئی رائے خلاف شرع قبول کی جاوے گی اگر جواز و عدم جواز میں تردد ہو علماء سے استفتاء کیا جاوے گا اگر انتخاب مفتی میں اختلاف ہو جاوے یا علماء کے فتاویٰ میں اختلاف ہو جاوے تو صدر کے تجویز شدہ مفتی کا فتویٰ معمول یہ ہوگا، لیکن جس رکن کو اس میں شرح صدر نہ ہو وہ عمل پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس کو سکوت کی اور اس کام میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیا جائے گی مگر مناقشہ کی اجازت نہ ہوگی، اسی طرح کوئی کام خلاف قانون بھی نہ کیا جاوے گا۔

نمبر ۲۔ اس مجلس میں شریک ہونے کے لئے کسی پر اصرار نہ کیا جاوے، بہتر تو یہ ہے کہ ترغیب بھی نہ دی جاوے لیکن اگر کسی مقام پر اس میں مصلحت ہو تو ترغیب میں مخاطب کی طیب خاطر و انشراح قلب سے تجاویز نہ کیا جاوے، صرف مجلس کے اغراض و مقاصد کی خصوصی یا عمومی اطلاع دیدی جائے جو شخص خود یا جائز تر سے شرکت کرے اس کو شریک کر لیا جاوے۔

نمبر ۱۹۔ اس مجلس کی طرف سے کچھ مخلص و اہل مبلغ بھی مقرر کئے جائیں، کہ وہ احکام شرعیہ کی عموماً اور احکام مذکورہ ۳ کی خصوصاً اشاعت کریں اور یہ تبلیغ بہ خطاب عام ہوگی، اور اس تبلیغ میں غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی بھی ترغیب دیا کریں، اور مناظرہ وغیرہ کسی سے نہ کریں، اگر کوئی خود درخواست کرے اس کے مناظرین کا پتہ بتلا دیں۔

نمبر ۲۰۔ اس مجلس کی طرف سے کچھ فہیم و سلیم رضا کار بھی مقرر کئے جائیں، کہ ان کا کام تبلیغ بہ خطاب خاص ہوگا، مثلاً نمازوں کے وقت مشغولین غافلین کو نرمی اور محبت سے نماز کا یاد دلانا، کوئی شخص خلاف شرع کام کرتا ہو یا اس کا ارادہ کرتا ہو اذکیھا جاوے، جیسے بدکاری یا شراب خواری یا قمار بازی اس کو نرمی سے متروک و عیدوں یا دولا کر سمجھا دینا، لیکن اگر اس سے کوئی نہ مانے تو پھر اس پر مسلط ہو جانا یا کسی طرح سے زور دینا خواہ سختی سے خواہ ہاتھ جوڑ کر یا رستہ میں لیٹ کر یہ مناسب نہیں، بلکہ جب صبح کی باضابطہ حکومت نہ ہو ایسا کرنا اکثر مضر ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر یہ رضا کار کسی پر ظلم ہوتا ہو اذکیھیں، مثلاً کوئی شخص ایک مباح معاملہ کر رہا ہے، جیسے کپڑا خریدنا یا بیچنا اور دوسرا اس کو معاملہ نہ کرنے پر مجبور کر رہا ہے تو یہ رضا کار اس مظلوم کی مدد کریں، لیکن صرف مدافعت کی حد تک رہیں، ظالم سے انتقام نہ لینے لگیں، اسی طرح راستہ میں کسی حاجت مند کا لوجہ اٹھوا دینا کسی کو سوار ہونے میں مدد دینا کسی پیاسے کو پانی پلا دینا، کسی انجان کو راستہ بتلا دینا، دو شخص لڑتے ہوں ان میں صلح کرادینا، یہ سب رضا کاروں کی خدمات ہیں اور اس مظلوم یا مظلومہ میں یہ نہ دیکھا جائے کہ یہ اپنے مذہب کا ہے، یا دوسرے مذہب کا، سب کی مدد کرتا چاہئے۔

رضا کاری کی یہ شرائط ہیں۔۔ اسلام، عقل، بلوغ، ذکوریت، طالب علمی میں مشغول نہ ہونا، خواہ علم معاش ہو خواہ علم معاد ہو، کسی کا ماتحت یا ملازم نہ ہونا۔

نمبر ۲۱۔ ان مبلغین اور رضا کاروں کی کوئی امتیازی علامت بھی ہو تو قرین مصلحت ہے۔

نمبر ۲۲۔ یہ مبلغین اور رضا کار سب صدر مجلس کے ماتحت ہوں گے، کوئی کام بدون اس کی اجازت کے نہ کر سکیں گے۔

نمبر ۲۳۔ یہ رضا کار روزانہ اور مبلغین ماہانہ صدر کے پاس یا صدر جس کو اپنی نیابت میں اس کام کے لئے منتخب کر دے اس کے پاس جمع ہو کر اپنی کارگزاری کی اطلاع دیا کریں، اور آئندہ کے لئے مناسب احکام حاصل کیا کریں، اور ارکان مجلس کا جلسہ کم از کم ماہانہ ہوا کرے جس میں ضروری مشورے طے ہوا کریں۔

نمبر ۲۴۔ ان مبلغین اور رضا کاروں کی مالی خدمت کے لئے کچھ چندہ کا انتظام بھی کیا جاوے مگر اس میں شرعی حدود کا اہتمام واجب ہے، اگر چندہ کم ہو کام مختصر پیمانہ پر کیا جاوے، اور جن رضا کاروں کو دلچسپی ہو ان کو ورزش وغیرہ بھی سکھلائی جاوے۔

نمبر ۲۵۔ اگر مجلس میں ایسے حضرات شریک ہو جائیں جو مسلمانوں کی دکان کھلوانے کا انتظام کر سکیں، تو مجلس اس خدمت کو بھی اپنے فرائض میں داخل کرے۔

نمبر ۲۶۔ اور اگر مجلس میں ایسے حضرات شریک ہو جائیں جو مسلمانوں کی تکالیف کا چارہ کار یا ان کے حقوق آئین اور تہذیب کی حدود میں رہ کر گورنمنٹ سے طلب کر سکیں تو مجلس اس خدمت کو بھی اپنے فرائض میں داخل کرے۔

نمبر ۲۷۔ وقتاً فوقتاً مجلس کی کارگزاری مع حساب چندہ شائع ہونا چاہئے۔

نمبر ۲۸۔ اس کارگزاری کی عام روئداد بھی اور اس کی جزئیات و قیہ خاص طور پر زبانہی بھی حکام رس حضرات کے توسط سے حکام کو پیش کرتے ہیں، تاکہ کسی مخالف کو بدگمانی پیدا کرنے کی گنجائش نہ ہو۔

نمبر ۲۹۔ اس مجلس کا مرکزی مقام دہلی ہوگا، اور دوسرے مقامات پر اہل مقام کو اختیار ہے خواہ مستقل طور پر اپنے یہاں ایسی مجالس قائم کریں، خواہ اس مرکزی مجالس کی شاخیں بنادیں، اور شاخ بنانے کی صورت میں مرکز اور شاخوں کے باہمی تعلقات و حقوق و شرائط کے متعلق زبانہی مشورہ کر لیا جاوے۔

نمبر ۳۰۔ شعبہ تبلیغ کے تحت میں مفید رسالے بھی حسب ضرورت و حسب وسعت وقتاً فوقتاً خرید کر مجلس میں محفوظ رہیں گے، اور ایک خاص وقت میں عام مسلمانوں کو وہاں آکر مطالعہ کی اجازت ہوگی اور اگر وسعت ہو تو ایسے رسائل چھپوا کر یا خرید کر عام مسلمانوں میں شائع بھی ہو جایا کریں گے، مگر مجلس کے

سرمایہ سے کوئی اخبار نہ خریدا جائے گا، اگر کوئی مالک اخبار بلا معاوضہ بھیج دے یا کھسے یا ارکان یا غیر ارکان بطور خود خرید کر خواہ مجلس میں داخل کر دیں خواہ بطور خود مطالعہ کر کے استحضار واقعات سے مشورہ میں کام لیں، اس کی اجازت ہے، مگر ہر حالت میں یہ وصیت کی جاتی ہے کہ محض اخبار میں کسی واقعہ کے درج ہونے سے بدون افن شرعی کوئی اثر نہ لیں۔

نمبر ۳۱۔ چونکہ مذکورہ بالا کارگزاریوں کے لئے ضبط کی بھی ضرورت ہوگی، اس لئے مجلس میں ایک فہم مستعد محرر کا مقرر کرنا بھی ضروری ہے جس کی خدمت کی نگرانی صدر کے یا جس کو صدر تجویز کر دیں اس کے ذمہ ہوگی۔ اسی طرح دفتر کے لئے ایک مکان کی بھی ضرورت ہوگی اور یہی مکان انعقاد مجلس کے بھی کام آوے گی۔ نوٹ: یہ مجلس خالص مذہبی ہے، سیاسیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں، نہ کسی کی مدافعت میں نہ مخالفت میں، اور محکومین کا حکام سے اپنا جائز حق حدود و تالوق میں مانگنا سیاست نہیں جیسا جائز ملازمت کی درخواست۔ کو کوئی شخص سیاست نہیں کہہ سکتا۔

الجواب:۔ یہ سب وفوات بالکل شریعت کے ایسے موافق ہیں کہ دلائل کی بھی حاجت نہیں لیکن چونکہ اس مجموعہ کی ضرورت اجتہاد ہی ہے اس لئے اگر یا وجود اعتقاد استحسان کے ان کو عمل میں لانے سے کسی کو دلچسپی نہ ہو اور وہ اپنے لئے ذوقاً یکسوئی کو اہم سمجھے، اور اس مسلک کو پسند کرے جس کو احقر نے سالہ معاملہ المسلمین کے نوٹ ۷۲ میں اپنے لئے طریق عمل تجویز کیا ہے اس پر اس مجلس کی شہرت کے لئے اصرار نہ کیا جاوے۔ چنانچہ خود مجلس مسئول غنہ کی دفعہ ۷۲ میں بھی اس کی تصریح کی ہے، اب اس جواب کو اس دعا، پر ختم کرتا ہوں۔ اللہم اجعل هذه الجماعة هنيئة وحماية للمسلمين عن كل خيانة و تكايد من غير المسلمين۔

کتبہ اشرف علی

(النور ص ۳، جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ) ۲۴ ربیع الاول، الاغرا لا بجل ۱۳۲۹ھ

علامت قبول توبہ مع رفع اشکال | سوال (۵۹) فتوحات میں حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں، قبول توبہ کی علامت ہے کہ اس گناہ کا نقش بالکل ذہن سے محو ہو جائے، کہ کبھی عمر بھر وہ یاد آئے۔ اس مسئلہ کا نام قاصدۃ النظر رکھا ہے اور شعرانی نے اپنی کتابوں میں اس طرح نقل کیا ہے گویا ان کو بھی یہی مسلم ہے، اور عام کتب طریقت میں مذکور ہے کہ میں کہ ساکب کو لازم ہے کہ ہمیشہ ہر وقت اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھے کبھی نہ بھولے، امام شعرانی رحمہ اللہ علیہ ان خصوص اس مسئلہ پر بہت زور دیا کرتے ہیں، بظاہر دونوں میں تضاد محسوس ہوتا ہے، حقیقت کیا ہے اور تطبیق تطبیق | الجواب۔ محو ہو جانے سے مراد نہیں کہ یاد نہ رہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کا اثر خاص یعنی نقل قلبی

نہ ہوتا تو ظاہر ہے، اور یہ معیت عام کہلاتی ہے۔

دوسری معیت خاص ہے یعنی معیت بالرحمة، معیت بالنصرة ہے، پھر رحمت کی صورتیں بھی مختلف ہیں، اسی طرح نصرت کی بھی یہ نہجیج اقسام ہا عام ہے۔ اور اس کے ایسے عموم کا اعتقاد واجب ہے جس کے ساتھ وعدہ ہے۔ حسب وعدہ اس کا اعتقاد اس پر واجب ہے۔ اور اسی اعتقاد کے موافق عمل لازم ہے کاطین خصوص انبیاء علیہم السلام میں نہ اس اعتقاد کی کمی کا احتمال ہے، پس جب تک حق تعالیٰ کی طرف سے وعدہ نہ ہو کہ یہ اژدہا تم کو ضرر نہ پہنچائے گا، اس وقت تک نہ اس کا اعتقاد موسیٰ علیہ السلام پر واجب ہے اور عدم فرار واجب ہے، کیونکہ جس مثبت کا وعدہ نہیں اس کا اعتقاد یا اس پر عمل بھی واجب نہیں۔ اصل وجہ احتمال ضرر کے اس سے فرار بھی جائز بلکہ واجب ہے، اور یہی خوف ضرر ہوا تھا موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہ کے پاس جانے میں، مگر جب وعدہ ہو گیا، اننی معکما السمسم وادی تو پھر بے دھرمی گفتگو فرمائی اسی تقریر سے معیت کی حقیقت مع اقسام بھی معلوم ہو گئی، اور سب امکالات کا جواب یہی ہو گیا، ج ۲۰، ص ۵۹ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

معنی حدیث نفع و رد نہ ابراہیم علیہ السلام را | سوال (۵۹۳) بلا تقصیر گرگٹ کا مارنا جائز ہے کہ نہیں، مشارق الانوار میں ایک حدیث اس مضمون کی ہے کہ گرگٹ کا مارنا ثواب ہے، پہلی ضرب میں مار ڈالے تو زیادہ ثواب ہے۔ دوسری ضرب میں اس سے کم، تیسری میں اس سے کم اور اس ثواب کی علت یہ بتلائی گئی ہے کہ جس وقت غزو نے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا تھا اور پرندے اور اکثر جانور آگ کو فرو کرنے کی کوشش کرتے تھے، مگر گرگٹ اس کو اور زیادہ مشتعل کرتا تھا، یہ بات بخوبی سمجھ میں نہ آئی کیونکہ ایک گرگٹ کے فعل سے باقیوں پر ظلم کیا جائے، مفصل جواب سے تشفی فرمائیں۔

الجواب۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ایک فرد کے فعل کا تمام نوع سے بدلہ لیا جاتا ہے بلکہ اصل علت اس نوع کا خبیث الطبع و موزی ہونا ہے، اور آگ کا مشتعل کرنا یہ اس کے خبیث کی ملامت سے پس تقریر حدیث کی یہ ہے کہ اس جانور کو قتل کرو کیونکہ طبعاً ضرر رساں ہے، اور اس کی طبعی ضرر رسائی کا یہ ایک اثر تھا کہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو مشتعل کرتا تھا، پس جو اصل علت ہے وہ نوع کے تمام افراد میں مشترک ہے اس لئے ہر فرد کو اسی کے طبعی خبیث سے مارا جاتا ہے، نہ کہ دوسرے کے فعل سے،

۱۱ جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷۵)

شرائط امیر | سوال (۵۹۴) موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی غیر متعلم حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے ضرورت اسلام کی مقتضی ہے کہ امارت الاسلام کی کوئی صورت نکالی جائے۔ کیا آپ بیان فرمائیں گے کہ یہ مسئلہ شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

یا کہ یا ہم کو کل ہندوستان کے لئے یا کسی خاص علاقہ کے لئے اپنا امیر مقرر کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں،
مٹا اگر حق حاصل ہے تو کیا شرائط ہیں۔ مٹا اور آپ کی رائے عالی میں اس کے حصول کے لئے کیا ذرائع
اور صفات ہیں؟

الجواب مٹا حاصل ہے بشرط قدرت اور شاہد ہے کہ حالت موجودہ میں امارت ارادیہ پر قدرت
ہے امارت قہریہ پر قدرت نہیں، مٹا تدبیر اور عقل، مٹا یہ حکم شرعی کا سوال نہیں جس کا جواب
اہل علم سے لیا جاوے، تدبیر کا سوال ہے جس کا جواب اہل تجربہ سے لینا چاہئے۔

۲ صفر ۱۳۳۵ھ (النور ص ۶، رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ)

سوال (۵۹۵) کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
گورنمنٹ انگریزی میں یہ قانون ہے کہ جو ملازمان بعد ختم ملازمت پنشن پا جاتے ہیں ان ملازمان کی پنشن،
ان کی خواہش پر گورنمنٹ انگریزی پھر قیمت دے کر واپس خرید لیتی ہے، کہ جن کی صورت یہ ہوتی ہے۔ کہ
مٹا کوئی ملازم دو سو روپے ماہوار کا ملازم تھا اور اس کی پنشن سو روپے ماہوار مقرر ہو گئی ہے تو اس
کو دو سو روپے سے نصف حصہ پنشن کا یعنی پچاس روپے تک گورنمنٹ خرید لیتی ہے، یعنی بجائے ماہ ۱۰۰ روپے
کے دس سال کا روپیہ یکمشت صاحب پنشن کو دیدیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ ملازم پنشن یافتہ کو
اکثر سول سرجن بعد ملا حظہ یہ تحریر کر دے کہ اس ملازم کی تندرستی اس وقت ایسی ہے کہ بظاہر کوئی کسی قسم کا مرض
وغیرہ نہیں ہے، اور فوری اس کی ہلاکت واضح ہونے کا احتمال بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں شرعیاً یہ فرد جنگی پنشن
جائز ہو سکتی ہے یا نہیں، بینوا تو جروا۔

الجواب۔ یہ صورت بیح ہے، ورنہ حقیقت میں گورنمنٹ کی طرف سے تبرع مستقل ہے اس لئے گورنمنٹ
کی رضامندی سے جائز ہے۔ ۲۰ شوال ۱۳۳۵ھ (النور ص ۱۰، ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ)

مسجد اقصیٰ سراج کے سوال (۵۹۶) تنویر السراج عمداً تنبیہ نہم میں حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے۔
وقت یہ ختم قی نہیں یہاں مسجد اقصیٰ سے مراد صرت اس مسجد کی زمین ہے الی قولہ اس کی عمارت نہ ختم کر دی گئی الخ
اصد بیان القرآن تفسیر سورہ بنی اسرائیل میں بھی یہی ارشاد ہوا ہے، بندہ نے اس کے متعلق بعض وجوہات سے
تاریخ کی مختلف کتابوں کو دیکھا، سب سے زیادہ معتبر تاریخ محمد بن جریر الطبری کو دیکھا، اس میں خلافت فاروقی
۳۵ھ کے وقائع میں جلد چہارم میں یہ عبارت درج ہے۔ بعینہ نظر انور میں گذارتا ہوں، قال لما شمعصر
من انجاب بیتہ الاولیاء قد نامن باب المسجد مال ارقیولانی کعبا فلما انفوتی بہ الباب قال لبیک
اللہ لبیک نماہوا حب الیک ثم قصد الحواب محراب داؤد علیہ السلام وذلك امیلا فصلى فیہ دلویلیث

نظلم الفجرنا المومون بالاقامة فتقدم وصلى بالناس وقرأ بهم في الثانية صدر بني اسرائيل ثم
ركع ثم انصرف فقال علي بكعب فاتي به فقال اين ترى ان نجعل المصلی فقال الى الصخرة فقال
ضاهيت والله اليهودية يا كعب وقد رايتك وخلعتك نعليك فقال احببت ان اباشر بقدمي
فقال قد رايتك بل نجعل قبلته صدره كما جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم قبلته مساجدا ناصرا
اذهب اليك فانالهم ثم مر بالصخرة ولكننا امرنا بالكعب فجعل قبلته صدره ثم قام من مصلاة
الى كنيسة قد كانت الروم قد دفنت بها بيت المقدس في زمان بني اسرائيل فلما صار اليهم
ابروروا بعضها وتركوا ما اثرها وقال يا ايها الناس اسنة واكما اصنع وحقا في اصلها وحقا في فروع من
فروع فباثه وسمع التكبير من خلفه وكان يكره سوء في كل شئ فقال ما هذا فقالوا كبر كعب وكبر
الناس بتكبيره فقال علي به فاتي به فقال يا امير المؤمنين انه حدثنا علي ما صنعت اليوم بني منه
خمسائة سنة فقال وكيف فقال ان الروم افادوا علي بني اسرائيل فاديلوا عليهم فد فبوه
ثم اديلوا فلم يغروا له حتى افارت عليهم فارس فيغوا علي بني اسرائيل ثم ادبيلت الروم
عليهم الى ان وليت فبعث الله نبيا علي الكنيسة فقال ابشرى ادرى شئ عليك الفارق ينقيك
مما فيك الخ

اس سے فاروق اعظم ؓ کے زمانہ تک باب المسجد کا باقی رہنا، محراب داؤد علیہ السلام کا موجود ہونا،
صحفہ کا اپنے موقع پر رہنا، اور مسجد کو مزید بنانا اور اس کو پاٹ دینا اور اس میں سے بعض کا ابراہیم اور بقیہ کا کناسہ
رکھ چھوڑنا ثابت ہوتا ہے، اور بالکل منہدم ہونا ثابت نہیں، اور پھر فاروق کا متقیہ مذکور ہے نہ منہدم
کی تعمیر

موسوی شبلی صاحب نے الفاروق حصہ نہرا صفحہ ۹۶ میں لکھا ہے، سب سے پہلے مسجد میں گئے محراب داؤد
کے پاس پہنچ کر مسجد داؤد کی آیت پڑھی، اور مسجد کیا، اور طبری کے جستہ جستہ موقع کا اخذ کیا ہے، اور تفسیر
عزیزی میں ہے ومن اظلم من منعم کی تفسیر میں کناسہ بنانا اور غنیر وغیرہ ڈلوانے کا ذکر کیا ہے، بہر حال
مسجد بیت المقدس کی عمارت باقی رہنا لیکن زیر ان حالت پر کہ چھوڑنا اور کناسہ و مزید بنانا ثابت ہوتا ہے
نہ کہ منہدم ہونا، اس سے معراج کی حدیث تمام و کمال اپنے ظاہر پر رہتی ہے، اور تنویر صفحہ ۵۹ میں حضور نے
حضرت ام ہانی کی جو حدیث نقل فرمائی ہے وہ بالکل سالم رہتی ہے، کیونکہ اس میں دروازوں کا وجود ثابت
ہوتا ہے، اور اگر وہ دروازے کفار کو معلوم نہ ہوتے، تو حضرت کا ایک ایک شہرہ کر کے بتلانا اور ان کا باور کرنا
حیرت خفا میں آجاتا ہے اس میں حضور کی جو رائے ہو اس سے مشرف فرمایا جاؤں

الجواب۔ جزاکم اللہ تعالیٰ علیٰ ہذا التحقیق، محمد کو خود تاریخ پر نظر نہیں، تفسیر حقانی سے لکھا تھا چنانچہ تفسیر بیان القرآن میں آئندہ کے جس مقام کا حوالہ دیا ہے وہاں تفسیر حقانی سے اخذ کرنے کی تصریح کر دی ہے۔
اشرف علی ۱۳ محرم ۱۳۳۸ھ (النور ص ۳، جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ)

غیث کیپ | الاستقفا (۵۹۷) حکما کا ایک گروہ اس پر قائم ہے کہ معدنیات کی اصلیت سونا ہے باقی جس قدر اجساد و اجناس ہیں چند ایک نقائص کی وجہ سے ہیں، ورنہ حقیقتاً وہ بھی سونا ہی ہیں، پس اس رائے پر اگر کیا میں کامیابی ہو جائے تو وہ مصنوعی سونا معدنی سونے سے ذرا بھی متفاوت نہ ہوگا، غایت مافی الباب یہ ہوگا کہ مصنوعی کی صفائی ذرا کم ہوگی، اس کی قیمت کم ہوگی اور دوسرے کی زیادہ، شرعاً اس کام کو کرنا کیسے ہے، انہماک سنی کیا سازی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اول تو حکما کا اس کے امکان عادی ہی میں اختلاف ہے اور جو دلیل امکان عادی کے سوال میں بیان کی گئی ہے وہ منتج مدعا نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل اس کے ساتھ نہیں بیان کی گئی ہے کہ تنہا قاص سے وہ نقائص واقع میں زائل ہو جائیں، یا اس سے معض تمویہ ہو جاتی ہے، یہ جو کہا گیا ہے کہ اصلی سے متفاوت نہیں ہوتا۔ اس میں دو سوال ہیں۔ ایک یہ کہ آیا واقع میں متفاوت نہیں ہوتا یا دیکھنے میں متفاوت نہیں ہوتا، کیا کوئی ایسا امتحان ہے جو صحیح بھی ہو، اور اس کے اعتبار سے اصلی اور مصنوعی سونا یکساں ثابت ہو، دوسرا سوال یہ ہے کہ فی الحال متفاوت نہیں ہوتا یا آئندہ بھی تفاوت واقع نہیں ہوتا۔ میں نے بعض تجربہ کاروں سے سنا ہے کہ چند روز کے بعد وہ خود بخود اصلی دھات کی طرف منقلب ہو جاتا ہے، ان سوال کے قابل اطمینان جوابات کے بعد تحقیق کا وقت ہے۔ اور اسی امکان و عدم امکان میں تردد کی بنا پر فقہاء نے اس کے حکم میں ہریم نہیں کیا چنانچہ مشامی میں ابن حجر سے نقل کیا گیا ہے۔ کنیروا ما یسأل عن علم الکیمیا وتعلمہ هل یحل اولادہ منہ کلاماً فی ذلک والذی یظہر انہ یدعی علیٰ هذا الخلاف فعلى الاول رای انقلاب الحقائق من علم العلم الموصول لذلک القلب علماً یقیناً جازلاً علماً وتعلیمہ اذ لا محذور فیہ بوجه من الوجوه وان قلنا بالشانی (رای عدم انقلاب الحقائق) اولم یعلم الانسان ذلک العلم الیقینی وكان ذلک وسیلة الی الفش فالوجه المحمۃ اھ قلت المواد الانقلاب العادی فی هذه المادة خاصة لا الامکان العقلی فانه لا دلیل علی نفیہ ولا مطلق الامکان العادی فانه کثیر کا انقلاب بعض العناصر الی بعض وکان انقلاب الخمر الی الخل وقد اعتبرہ الشرع اور یہ سب کلام جواز فی نفسہ میں صحیح۔ اور اگر اس اشتغال میں وقت اور مال کی غالب ہو، اور کامیابی سے زیادہ ناکامی ہو یا ضیاع کی مقدار حصول سے زائد ہو تو باوجود جواز فی نفسہ کے اس عارض کے سبب حرمت کا

کیا حکم کیا جائے گا اور اسی بنا پر اشتغال یا کمی کو فقہائے اسباب عزل متولی سے فرمایا ہے۔ کہ احتمال تھا کہ مال وقف کو بھی ضائع کر دے گا، اور قواعد شرعیہ کا تو مقتضایہ ہے کہ اگر کسی امر میں مصالح کثیر ہوں اور مفید و قلیل اس سے بھی منع کر دیا جاتا ہے، چہ جائیکہ معاملہ بالعکس ہو کہ مفاسد کثیر ہوں اور مصالح قلیل، واللہ اعلم

۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (النور، ص ۷، ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ)

سوال (۵۹۸) ایک انگریزی خواں نوجوان نے سوال کیا ہے کہ حدیث میں یہ ہے جو کفار کے جواز کی دلیل جو ذکر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کفار کی بھوکھلائی، یہ کسی کی بھوکھلانا اخلاق پیغمبری سے بہت فروتر معلوم ہوتا ہے۔ میں یہ جواب لکھنے والا ہوں کہ بھوکھلائی الاطلاق معیوب و مذموم نہیں۔ اگر کسی غرض صیح کے لئے ہو تو دفاع کے لئے جب قتال تک جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب و فرض ہے تو بھوکھلائی اس سے بہت ہلکی چیز ہے خصوصاً جب کہ بھوکھلائی مقصد اپنے ذاتی دشمنوں سے نہیں بلکہ دشمنانِ دین سے انتقام لینا ہو، اور تجربہ سے اس حربہ کا موثر و کارگر ہونا ثابت ہو چکا ہو اس جواب میں اگر اضافہ (زیادت) کی ضرورت ہو تو اس سے ایما فرمایا جاوے۔

الزیادة فی الجواب، قولہ ثابت ہو چکا ہو، چنانچہ اس حکمت کی طرف خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ قریب بصراحت فرمایا ہے۔ حیث قال اھجوا قریشا فانت اشد علیہا من رشق النبل وقال صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس یؤیدک ما نافعک من اللہ ورسولہ وقال صلی اللہ علیہ وسلم ھجوا حسان فثقی واشتقوا (مسلم فرائد حاشیہ) وقال النووی فیہ جواز الانتصار من الکفار وقال وفیہ جواز ھجوا الکفار مالہم یکن امان واما امرہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجاہدہم انی قولہ المقصود منہ النکایۃ فی الکفار وقد امرہ اللہ تعالیٰ بالجهاد فی الکفار والاعلاظ علیہم وكان هذا ھجوا شد علیہم من رشق النبل فكان مندوباً لذلك مع ما فیہ من کف اذا ھم و بیان نقص ھم والانتصار علیہم کما قال العلماء وینبغی ان لا یبداء المشرکون بالسب والھجاء مخافتاً من سبھم الاسلام و اھلہ قال اللہ تعالیٰ ولا تستبوا الذین یلحدون من دون اللہ فیسبوا اللہ عن و ابغضو علموا والتزیم الستہ المسلمین عن الفحش الا ان تدعو الی ذلک ضرورۃ لا یبتداء ھربہ فکیف اذا ھم ونحوہ کما فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھ

اس عبارت میں اس حکمت کی شرح اور آداب و شرائط بھی جمع کر دیئے گئے، اور ایک حکمت زائد بھی بتلائی، فی قولہ مع ما فیہ من کف اذا ھم و فی قولہ فکیف اذا ھم، یعنی کفار کی جرات اور زیادتی کا روکنا بھی مقصود تھا، کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ ہم کہیں گے تو اس سے زیادہ سنیں گے، تو ان کی ہمت ٹوٹ جاوے گی، تو اس میں

مسلمانوں کی حفاظت ہے، اور اہل حق کی حفاظت شر و ایذا سے یہ اعظم اخلاق مطلوب ہے، اور یہ سب حکمتیں فلسفیانہ ہیں، اور ایک حکمت صوفیانہ بھی نہایت لطیف ہے، وہ یہ کہ خود بدلہ نہ لینے سے ان پر غضب خداوندی شدید ہوتا اور انتقام لینے سے اس میں تخفیف ہو جاتی ہے تو اس میں عین ان کی خیر خواہی ہے بلکہ اس شدت و خفت کی ایک حدیث ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جوڑی کی، انھوں نے بددعا کی، آپ نے فرمایا بددعا کرنے سے اس کی عقوبت میں تخفیف ہو جاوے گی، اور آپ کی اسی حکمت کی نظر دوسری حدیث میں ہے کہ آپ کے مرض و فوات میں گھر والوں نے آپ کے منہ مبارک میں دوا ڈالی اور منع کرنے پر بھی ایسا کیا آپ نے اپنے سلمے سب کے منہ میں دوا ڈالنے کا حکم دیا، رواہ البخاری فی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و فوات وہاں محققین نے یہی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اگر آپ انتقام نہ لیتے تو ان پر کوئی وبال نازل ہوتا، آپ نے ان کو بچا دیا۔ غرض یہ ہے کہ آپ کا اصلی مذاق تو یہ تھا کہ حدیثوں میں وارد ہے کہ آپ سے کفار کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کی گئی، آپ نے انکار فرمادیا اور اصل مذاق کے خلاف جہاں ہوگا کسی قوی عارض کی وجہ سے ہوگا، فقط۔

۲۲ رجب ۱۲۸۵ھ (النور ص ۷، ربيع الاول ۱۲۸۵ھ)

رفع شہادت برکتیغیر شیعہ | السؤال (۵۹۹) (از مولوی عبدالمجید صاحب دریا بادی)

ایک فتویٰ کی نقل مرسل خدمت ہے (یہ فتوے جواب خط کے بعد منقول ہوگا) اس پر علاوہ دوسرے معتبر و مستند علماء کے حضرت مولانا تک کے دستخط ثبت ہیں (غالب مولانا حسین احمد صاحب مراد ہیں) لیکن میں کیا عرض کروں کہ مجھے شرح صدر اب بھی نہیں، شیعوں کو مبتدع، فاسق فاسد العقیدہ وغیرہ اور جو کچھ کہہ لیا جاوے اس کا میں بھی پوری طرح متائل، لیکن کافر اور خارج از اسلام کہنے سے جی لرز اٹھتا ہے۔

الجواب۔ یہ علامت ہے آپ کی قوت ایمانیہ کی، مگر جنھوں نے یہ فتوے دیا ہے اس کا منشا بھی ہی قوت ایمان ہے کہ جس کو ایمانیات کا منکر دیکھ لے ایمان کہہ دیا۔

تتمتہ السؤال۔ اگر یہ گمراہ فرقہ یوں ہی خارج از اسلام ہوتا رہا تو مسلمان رہ ہی کتنے جائیں گے۔

تتمتہ الجواب، اس کا کون ذمہ دار ہے، کیا خدا نہ کرے اگر کسی مقام میں کثرت سے لوگ مرتد ہو جاوے اور تھوڑے ہی مسلمان رہ جائیں تو کیا اس مصلحت سے ان کو بھی کافر نہ کہا جاوے گا۔

تتمتہ السؤال، شیعوں سے مناکحت اگر تجربہ سے مضر ثابت ہوئی ہے تو بس تہدیداً اس کا روک دینا کافی ہے۔

تتمتہ الجواب، اس تہدید کا عنوان بجز اس کے کوئی ہے ہی نہیں، غور فرمایا جاوے،

تتمتہ السؤال، میرا دل تو فتادیا نیوں کی طرف سے ہمیشہ تاویل ہی تلاش کرتا رہتا ہے۔

تمتہ الجواب، یہ غایت شفقت ہے، لیکن اس شفقت کا انجام سیدھے سادے مسلمانوں کے حق میں عدم شفقت ہے، کہ وہ اچھی طرح ان کا شکار ہو کر یں گے۔

تمتہ السؤال۔ جو بنا تکفیر قرار دی گئی ہے، یعنی عقیدہ تحریف قرآن مجھے اس میں تامل ہے، اگر یہ عقیدہ ان کے مذہب کا جزو ہوتا تو حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ وغیرہ سے مخفی نہ رہتا۔

تمتہ الجواب۔ جب ان کی مسلم کتابوں سے جزیئت ثابت ہے پھر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا اگر سکوت ثابت ہو جس کی مجھ کو تحقیق نہیں، تو ان کے سکوت میں کچھ تاویل ہوگی نہ کہ جزیئت میں،

تمتہ السؤال۔ بہت زائد غلط مجھے اس امر سے ہو رہی ہے کہ اب تک ہم آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں کلام مجید کے غیر محرف ہونے پر بطور ایک بالکل مسلم اور غیر مختلف فیہ عقیدہ کے پیش کرتے رہے ہیں، اب ان لوگوں کے ہاتھ میں ایک نیا حربہ آجائے گا، کہ دیکھو خود تمہارا ہی کلمہ پڑھنے والے اور تمہارا قبلہ کو ماننے والے لاکھوں کروڑوں افراد قرآن کو ناقص اور محرف مان رہے ہیں۔

تمتہ الجواب۔ اس سے تو اور زیادہ ضرورت ثابت ہوگئی ان کی تکفیر کی، پھر ہمارے پاس صاف جواب ہوگا کہ وہ مسلمان ہی نہیں۔

تمتہ السؤال۔ حضرت حاجی صاحب کا جو مکتوب سر سید احمد کے نام تھا مجھے اس قدر پسند آیا تھا کہ میں نے اہتمام کے ساتھ اسے سچ میں شائع کیا تھا پس میری فہم ناقص میں اسی کو معیار بنالینا چاہئے۔ اور اسی کے مطابق معاملہ تمام گمراہ فرقوں سے رکھنا چاہئے یعنی نہ مداخلت نہ اتنی مخالفت کہ ان میں اور آریوں، عیسائیوں وغیرہ میں کوئی فرق ہی نہ رکھا جائے۔

تمتہ الجواب۔ لیکن اگر وہ خود ہی اپنے کو کافر بتائیں (بالنوں) تو کیا ہم اس وقت بھی ان کو کافر بتائیں (بالتاء) دنیا میں اپنے کو آج تک کسی نے کافر نہیں کہا، بلکہ کوئی عیسائی کہتا ہے کوئی یہودی، مگر چونکہ ان فرقوں کے عقائد کفریہ دلائل سے ثابت ہیں، اس لئے ان کو کافر ہی کہا جاوے گا، تو مدار اس حکم کا عقائد کفریہ پر ٹھہرا، تو اگر ایک شخص اپنے کو فرقہ شیعہ سے کہتا ہے اور کوئی عقیدہ کفریہ اس مذہب کے اجزاء یا لوازم سے ہے تو اپنے کو اس فرقہ میں بتلانا بدالالت التزامی اس عقیدہ کو اپنا عقیدہ بتلانا ہے، پھر عدم

تکفیر کی کیا وجہ، اور اگر ان کے یہاں یہ عقیدہ مختلف فیہ بھی ہوتا تب بھی کسی کی تکفیر میں تردد ہوتا لیکن یہ بھی نہیں اور جو اختلاف ہے وہ غیر معتد بہ ہے جن کو خود ان کے جہور رد کر رہے ہیں، اس حالت میں اصل تو کفر ہوگا

البتہ کوئی صراحت کہے کہ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے یا کوئی فرقہ اپنا لقب جدا رکھ لے، مثلاً جو علماء ان کی تحریف کے نافی ہیں ان کی طرف اپنے کو منسوب کیا کریں، مثلاً اپنے کو صدوقی یا قحطی یا رضوی یا طبری کہا کریں مطلق شیعہ نہ کہیں تو خاص اس شخص کو یا اس فرقہ کو اس عموم سے مستثنیٰ کہہ دیں گے لیکن ایسے استثنائوں سے قانونی حکم نہیں بدلتا ہے

حرمت نکاح و حرمت ذبیحہ احکام قانونی ہیں یہ اس پر بھی جاری ہوں گے جب تک وہ فرقہ متمیز و مشہور نہ ہو جاوے۔ خصوصاً جبکہ تقیہ کا بھی شبہ ہے تو خواہ سورتوں نہ کریں مگر احتیاطاً عمل تو سورتوں ہی جیسا ہوگا۔ البتہ الشرعائے کے ساتھ اس کا معاملہ وہ اس کے عقیدہ کے موافق ہوگا، اگر کوئی ہندو توحید کا بھی قائل ہو اور رسالت کا بھی، لیکن اپنے کو ہندو ہی کہتا ہو، گو کچھ تاویل ہی کرتا ہو، تو اس کے ساتھ آخر کیا معاملہ ہوگا، یہی حالت یہاں کی ہے، ضلع فچیوریس ہندوؤں کی ایک جماعت ہے جو قرآن و حدیث پڑھتے ہیں، اور نماز روزہ کرتے ہیں مگر اپنے کو ہندو کہتے ہیں، لباس اور نام سب ہندوؤں جیسا رکھتے ہیں، اگر وہ اپنے کو ہندو کہیں اور اپنا مشرب ظاہر نہ کریں تو کیا سامع کے ذمہ تفصیل واجب ہوگی کہ اگر ایسے عقیدہ کا ہے تو کافر اور اگر ایسے عقیدہ کا ہے تو مسلمان۔

تمتہ السؤال۔ آپ کو ہر معاملہ میں اپنا کچا چٹھا لکھ بھیجتا ہوں، خدا کی اس باب میں بھی آپ کا جواب با صواب میرے حق میں ذریعہ تشفی ہو۔

تمتہ الجواب۔ تشفی کا ذمہ تو مشکل ہے خصوصاً اسی خشیہ کا غلبہ خود مجھ پر ہے، مگر حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرماتے ہیں ہاتھ سے حسین بن منصور کے خلاف فتویٰ لکھا تھا، محض حفاظت شرع کے لئے ہم لوگ بھی ان ہی کے متبع ہیں اور راز اس کا وہی ہے کہ اس رعایت میں سادہ لوح مسلمانوں کی ہلاکت ہے، مولوی محمد شفیع صاحب نے اصول تکفیر میں ایک مختصر اور جامع دافع اور نافع رسالہ لکھا ہے، بعض اجزاء میں بھی الجھاتا مگر ان کی تقریر و تحریر سے قریب قریب مسئلہ صاف ہو گیا، وہ عنقریب چھپ جاوے گا، میں نے اس کا نام رکھا ہے ”وصول الافکار الی اصول الکفاس“، شعبان ۱۴۱۸ھ

نقل فتویٰ موعود آغاز خط بالا

بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامداً و معیلاً۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شیعہ اثنا عشری مسلمان ہیں یا خارج از اسلام، اور ان کے ساتھ مناکحت اور ان کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں، ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا اپنے جنازہ میں شریک کرنا درست ہے یا نہیں، نیز اگر وہ کسی مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ دیتا چاہیں تو لیا جائے یا نہیں؟

الجواب الشرع الموفق للصواب

شیعہ اثنا عشری قطعاً خارج از اسلام ہیں، ہمارے علمائے سابقین کو چونکہ ان کے مذہب کی حقیقت

کما بینہ معلوم نہ تھی، بلکہ اس کے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں، اور کتابیں بھی ان کی نایاب تھیں، لہذا بعض محققین نے بنا بر احوط ان کی تکفیر نہیں کی تھی، مگر آج ان کی کتابیں نایاب نہیں رہیں اور ان کے مذہب کی کیفیت منکشف ہو گئی، اس لئے تمام محققین ان کی تکفیر پر متفق ہو گئے ہیں، ضروریات کا انکار قطعاً کفر ہے اور قرآن شریف ضروریات میں سب سے اعلیٰ و ارفع چیز ہے۔ اور شیعہ بظاہر اختلاف کیا ان کے متقدمین اور کیا متاخرین سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں۔

ان کی معتبر کتابوں میں زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی موجود ہیں، جن میں پانچ قسم کی تحریف قرآن شریف میں بیان کی گئی ہے، کٹی، بیٹی، تبدل الفاظ، تبدل حروف، خرابی ترتیب سورتوں میں بھی اور آیتوں میں بھی، اور کلمات میں بھی، ان پانچ قسم کی تحریف کی روایات کے ساتھ ان کے علماء کا اقرار ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں۔ تحریف قرآن پر صریح الدلالتہ ہیں، اور انہی کے مطابق اعتقاد ہے، علماء شیعہ میں گنتی کے چار آدمی تحریف قرآن کے منکر ہیں، شیخ صدوق، ابن بابویہ قمی، شریف مرتضیٰ، ابو علی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان۔ تو ان چار شخصوں کے اقوال چونکہ محض بے دلیل اور روایات متواترہ کے خلاف ہیں، اس لئے خود علمائے شیعہ نے ان کو رد کر دیا ہے، پوری تحقیق اس بحث کی میری کتاب تنبیہ الحائرین میں ہے، من خاف فلیطامہ، علامہ بحر العلوم فرنگی محل پہلے شیعوں کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ مگر تفسیر مجمع البیان کے دیکھنے سے ان کو معلوم ہوا کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں، لہذا انھوں نے فوائج الرموت شرح مسلم الثبوت میں شیعوں کے کفر کا فتویٰ دیا ہے، اور لکھا ہے کہ قرآن شریف کی تحریف کا جو قائل ہو وہ قطعاً کافر ہے۔

المختصر شیعوں کا کفر بر بنائے عقیدہ تحریف قرآن محل تردید نہیں، علاوہ اس کے دوسرے وجوہ کفر بھی ہیں مثلاً بداد قذف ام المؤمنین وغیرہ کے گران میں کچھ تاویل کی گنجائش ہے، لہذا شیعوں کے ساتھ مناکحت قطعاً ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام، ان کا چند مسجد میں لیٹنا ناروا ہے، ان کا جنازہ پڑھنا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا جائز نہیں، ان کی مذہبی تعلیم کی کتابوں میں یہ ہے کہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہو کر یہ دعا کرنا چاہئے، کہ یا اللہ ان کی ان کی قبر کو آگ سے بھر دے اور ان پر عذاب نازل کر۔ فقط واللہ اعلم، جواب خط مع نقل فتویٰ تمام ہوا۔

تنقیح الجواب علی اصول الفقہ، تکفیر کے دو درجے ہیں، ایک فیما بینہ و بین الشرائع یعنی جو معاملات عبد اور حق تعالیٰ کے درمیان ہیں ان کا مدار تو کفر باطنی پر ہے جس کا بالیقین کسی حکم نہیں لگایا جاسکتا اور دوسرا درجہ احکام ظاہری کے اعتبار سے ہے، اس کا مدار قوانین خاصہ پر ہے، جو علماء کے کلام میں مدون ہیں، اس درجہ میں احتمالات غیر ناشی عن دلیل ملحوظ نہیں، ورنہ کسی کافر پر جہاد تک بھی جائز نہ رہے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ

یہ دل میں مومن ہو، اور اظہار کفر میں اس کے پاس کوئی واقعی عذر ہو، اور ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر غلط لازم آتا ہے
توضیح الجواب علی اصول الکلام، ایمان جس طرح ایک اجمالی ہے ایک تفصیلی، اور دونوں مدار احکام
 ہیں، اسی طرح کفر بھی ایک اجمالی ہے ایک تفصیلی اور دونوں مدار احکام ہیں، پس جیسا کسی فرقہ اسلامیہ کی
 طرف اپنے کو نسبت کر دیتا موجب حکم بالایمان ہے گویا ایک عقیدہ اسلامیہ کی تفصیل نہ کرے، اسی
 طرح کسی فرقہ کفریہ کی طرف اپنے کو نسبت کر دیتا موجب حکم بالکفر ہے، گویا ایک عقیدہ کفریہ کی
 تفصیل نہ کرے، آگے ایک ضعیف سوال رہ جاتا ہے، کہ اگر ایسے فرقہ کی طرف اپنے کو منسوب کرے
 جس کے کچھ عقائد اسلامیہ ہوں کچھ کفریہ، اس کا کیا حکم ہوگا، سو قواعد سمعیہ و عقلیہ اس پر متفق ہیں، کہ مجبوم
 ایمان و کفر کا کفر ہی ہے، وقد صرح بہ فی قولہ تعالیٰ ویقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض یریدن
 ان یتخذوا بین ذلک سبیلاً اولئک ہم الکفرون حقاً، ورنہ دنیا میں ایسا کوئی کافر نہ نکلے گا جس کا
 ہر عقیدہ کفریہ ہی ہو۔ کثرت سے کافر صانع کے قائل ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر نہ تالوے و جب کفر کی ہوں
 اور ایک ایمان کی، تو ایمان کا حکم کیا جاوے گا، اس سے مراد وہ وجوہ ہیں جن میں دونوں احتمال ہوں
 جیسے ایک کلام کے کئی معنی ہو سکتے ہوں، ۴۴ ارشاد ۱۱۳۷

تشریح الجواب علی اصول التصوف۔ جواب بالامع اپنے کل اجزاء کے درجہ منع میں ہے، یعنی فتویٰ
 مذکورہ پر جو شبہات تھے ان کا جواب ہے۔ جواب بالا خود فتویٰ نہیں ہے، چونکہ سرسری نظریں اس کو فتویٰ
 سمجھا جاسکتا تھا، اس لئے تسہیل امر کے لئے اپنی تحقیق خاص اس باب میں معروض ہے، اور یہ تحقیق باعتبار
 اپنی حقیقت کے فقہ اور کلام ہی میں داخل ہے، مگر باعتبار صورت کے اس کو تصوف سے خاص قرب و
 مناسبت ہے، اس لئے عنوان میں اس کا لحاظ رکھا گیا، وہ تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی
 خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو، خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض
 ہو، یا اصول کا غموض ہو، تو اس میں یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا حکم اول میں تو خود اس کے معاملات
 کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے
 پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔ یعنی نہ اس سے عقد مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی
 اقتلا کریں گے نہ اس کی ذبیحہ کھائیں گے اور نہ اس کی سیاست کا فراء جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی
 تفتیش کریں گے، اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے احکام جاری کریں گے، اور اگر تحقیق کی قدرت
 نہ ہو تو سکوت کریں گے۔ اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے، اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب
 کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔ لا تصدقوا اہل الکتاب و تکن بوہم و قولوا امنا

باللہ وما انزل الیہنا الآیۃ رواہ البخاری و دوسری فقہی نظیر احکام غنٹی کے ہیں، یوخذ فیہ بالاحوط والذوق فی امور الدین وان لا یمکر بمشیت حکم وقم الشک فی ثبوتہ واذا وقف خلف الامام قام بدین صف الرجال والنساء ویصل بقناع ویجلس فی صلاتہ جلوس المرأة ویکوہ لہ فی حیاتہ لبس الحلی والخیرو ان یخلوبہ غیر محرم من رجل او امرأة او یافرمع غیر معلوم من الرجال والانات ولہ یغسلہ رجل وہ امرأة وتیممہ بالمعید ویکفن کما یکن المجادیۃ وامثالہا ما فصلہ الفقہاء،

۱۰ شعبان ۱۳۵۸ھ (النور ص ۹، ربيع الاول ۱۳۵۷ھ)

احکام الايقان لا قسام الاطمینان

(مشتل بر چند خطوط واجوبہ آنہا)

خط اول

معنی اطمینان | سوال (۶۰۰) مولانا الا شرف الاکرم متقنا الشریفیکم وطول بقاکم، شکایت ہے کہ ہجوم افکار و اختلا و کثرت مشاغل و مکارہ دنیاوی سے دل مغموم اور پریشان رہتا ہے اور طمانیت و سکینت قلب بہت کم میسر ہوتی ہے۔ ذرا سی ناکامی پریشان اور بد دل کر دیتی ہے، اور تھوڑی سی کامیابی تسلی و تشفی بخش ہو جاتی ہے، جوصلوں، امیدوں اور آرزوؤں کی بہتات رہتی ہے، اور جب ان کی تکمیل نہیں ہوتی تو سخت افسردگی اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے، جو چیزیں اسباب راحت معلوم ہوتی تھیں اور جن کی آرزو کرتا تھا وہ بوجہ حصول سامان راحت کے مہیا کرنے میں بہت جلد بیکار ہو جاتی ہیں، احساس اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ان متناظر و متاوی اشیا کے حدوث سے بعض اوقات غیر معمولی اذیت اور تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے، یاس اور قنوط کا پہلو غالب رہتا ہے۔

جواب۔ کیا یہ چیزیں دین کے لئے مغربیں، اگر مغربیں تو مطلقاً یا بعض حالات میں۔

تمتہ سوال۔ غور کر لے کے بعد خیال آیا کہ دنیا اسی کا نام ہے اور دنیا کا یہی حال ہے۔

یہ سچ کچھ بے دوا بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست۔

ساتھ ہی اس کے آیہ کریمہ الذین امنوا و تطمئن قلوبہم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب پیش نظر ہوئی۔

جواب۔ کیا اطمینان سے یہ مراد ہے جو طبعی پریشانی کا مقابل ہے۔

تمتہ سوال، ارادہ کیا کہ اکثر ذل میں یا زبان سے ذکر خدا کیا کروں، پھر خیال آیا کہ اذکار بے شمار ہیں

میرے مخصوص حالات کے لحاظ سے معلوم نہیں کس ذکر کی مداومت زیادہ موافق اور بہتر ہو، اس لئے جناب والا سے اس باب میں رجوع کرنا مناسب معلوم ہوا۔

جواب۔ ابھی بنا رہی ثابت نہیں۔

خط دوم

سوال۔ قدوة الانام و مرجع الحاجی و العمام ادام اللہ تلوکم، السلام علیکم
گرامی نامہ موصول ہو کر باعث غور و مسرت ہوا، جن چیزوں کی خاکسار نے نیا زنامہ میں شکایت
کی ہے ان کے متعلق خیال یہ ہے کہ وہ چیزیں دین کے واسطے مضر نہیں ہیں، اور اگر ہیں تو بالواسطہ
یا خاص حالات میں۔

جواب۔ پھر اب کیا سوال رہا۔

تمہ سوال، بلکہ بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ دنیاوی مشاغل اور تفکرات سے جو بے چینی اور
پریشانی قلب میں پیدا ہوتی ہے، اور دنیاوی کاروبار میں جو ناکامیاں پیش آتی ہیں وہ رجوع الی
الشر والی دینہ کا سبب بن جاتی ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ و اذا من الانسان الضرد عانا لجنبہ اوقات
اوقات ثلثا، اور اس کے برعکس دنیاوی ترقیاں اور کامیابیاں اکثر اوقات خدا اور اس کے دین سے
غفلت کا موجب ہو جاتی ہیں، اور اسی مصلحت کی بنا پر کبھی خدا اپنے نیک بندوں کو دنیا کو تنگ کر دیتا ہے
و لو بسط اللہ الرزق لعباده لبغوا فی الارض۔

آیہ کریمہ الذین امنوا و تطمئن قلوبہم انہم فی میرے نزدیک الطینان عام و کفی مراد ہے
اور سچے مومن کے لئے خدا کو یاد کرنا، اس کی ہر ہر پریشانی کا علاج ہے۔ الان اولیاء اللہ لا خوف
علیہم ولا هم یحزنون (صاحب تفسیر جلالین نے ای فی الآخرة لکھا ہے، مگر میرے نزدیک اولیاء اللہ
کو دنیا و آخرت دونوں میں خوف و حزن سے نجات ہے، اب رہا حزن طبعی وہ ضرور کبھی کبھی پایا جاتا ہے، اور
تقاضائے بشریت ہے، لیکن وہ بھی ان کے لئے سر لے الزوال ہے) لہذا آیہ سابقہ اس طینان کو بھی شامل
ہے جو طبعی پریشانی کے مقابل ہے، جو اگرچہ ذاکرین صادق الایمان میں پائی جاتی ہے، لیکن خدا کی یاد اس کو
بھی دل سے دفع کر دیتی ہے، صاحب تفسیر جلالین نے ذکر اللہ کی تفسیر وعد اللہ سے کی ہے، جو میری سمجھ میں
نہیں آئی اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ذکر کبھی مشہور کیوں نہ مراد لیا جاوے۔

جواب، جب آپ خود محقق ہیں پھر اب دوسرے سے تحقیق کی کیا ضرورت رہی۔

تمہ سوال۔ مدعا یہ ہے کہ وہ کیا صورت ہے کہ دنیا کے کاموں اور جھگڑوں میں مصروف و مشغول

رہ کر بھی قلب کو اطمینان حاصل ہو سکے۔

جواب، تفسیر تو کریں آپ، اور اس سے جو سوال ناشی ہو اس کا ذمہ دار ہو دوسرا عجیب،

خط سوم

سوال، والا حضرت مولانا اکرام دامت فیوضہم۔ السلام علیکم، جواب باصواب سے مطلع ہوا، امور شرعیہ و مسائل دینیہ میں اس پیچہ زہیچدان کو بجالا دعوئے تحقیق کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ بیس اکیس سال سے ان علوم عقلیہ و نقلیہ کی جانب متوجہ ہونے کا موقع نہیں مل سکا جو اس کے قبل حاصل کئے تھے، کمترین نے سوالوں کے جواب میں جو اظہار رائے کیا، وہ محض امثال امر تھا۔

جواب۔ وہ امر بھی ظاہر کرنا چاہئے تھا، اور کیا وہ امر یہ تھا کہ بلا دلیل دعوئے جازمہ کیا جاوے اس امر کا امثال تو یوں بھی ہو سکتا تھا کہ میں نے تیرے کہنے سے لکھ دیا ہے، لیکن اس کا صحیح غیر صحیح ہونا معلوم نہیں، اگر صحیح نہ ہو اصلاح کر دی جاوے، نہ کہ محققین کے اقوال نقل کیے ان کے مقابلہ میں اپنی رائے کو رائج بتایا جاوے، کیا یہ تاویل فاسد نہیں۔

تمتہ سوال، اور اس توقع کے ساتھ تھا کہ حضرت غلطی کی اصلاح فرمادیں گے۔

جواب، کیا اس میں اس کی درخواست تھی،

تمتہ سوال، رہنماریہ مدعا اور مقصد تھا کہ قابلیت تحقیق و بصیرت نظر کا اظہار کیا جائے جو خلاف واقعہ ہونے کے ساتھ سوادنی میں داخل ہو و لعود بالشرعہ،

جواب، مقصد مہم کی کیا خبر، فوراً ہجرت بل ملاحظہ ہو کہ دعوئے ہے اور دعوئے بھی نہایت بلند آہنگی کے ساتھ۔

تمتہ سوال۔ اس قدر عرض کرنے کے بعد اصل غرض کی طرف رجوع کرنے کی اجازت چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ دنیاوی مشاغل سے جو اضطراب اور بے چینی قلب کو رہتی ہے، وہ دین کے لئے باقذات اور ہر حال میں مضرت نہیں، لیکن وہ مشاغل اس نوعیت کے ہیں کہ ان میں دنیا کے ساتھ دین کا بھی پہلو موجود ہے، تو ضرور ہے کہ دین کو مضرت پہنچے، پس اگر اس قسم کے مشاغل کی انجام دہی میں سکون و طمانیت قلب موجود نہ ہو تو دین و دنیا دونوں کا نقصان ہوگا، اور وہ مشاغل بحسن و خوبی پورے نہ ہو سکیں گے۔

جواب، اول تو اسی میں کلام ہے، حسن و خوبی کا رکے لئے علم و قدرت کافی ہے، اطمینان طبعی پر موقوف نہیں، لیکن اگر اس سے قطع نظر بھی کر لی جاوے تو ایسے سکون و طمانیت کے فوت کے لئے تو بخار و درد سر بھی کافی ہے کیا مصلح باطن کے ذمہ اس کی تدبیر بھی بتلانا ہے

تمتہ سوال۔ میں نے عریفہ اول میں لکھا تھا کہ میرا قلب طفولیت سے مورد امراض و آلام رہا ہے، اور اس میں استعداد تابی اضطراب و بے چینی اور میلان الی القنوط کی زائد ہے، تاہم میں نے بار بار دیکھا ہے کہ کسی قسم کے اضطراب و پریشانی قلب کی حالت میں ذکر خدا کرتا ہوں تو قلب کو گونہ راحت و سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یا اس قنوط فی المال کا حال بدل جاتا ہے اور اسی بنا پر اللہ تبارک و تعالیٰ تطمئن القلوب کی طرف ذہن منتقل ہوا، اور خیال ہوا کہ کثرتِ ورد کے لئے اگر کوئی ذکر خاص معین ہو جاوے تو شاید زیادہ نافع ہو۔

جواب۔ سب بنا الفاسد علی الفاسد ہے۔

تمتہ سوال۔ میں خوب جانتا ہوں کہ میری مثال اس مریض کی سی ہے جو طبیب سے اپنا سب حال کہہ دیتا ہے، اور ملتس ہوتا ہے کہ تشخیص مرض کر کے علاج تجویز کر دے۔ مریض کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنے مرض کی آپ تشخیص کرے، اور اس کا علاج تجویز کرے، میری اصل خواہش یہ ہے کہ مشاغل یومیہ میں مصروف رہ کر زائد سے زائد جو سکون و طمانیت خاطر ممکن ہو سکتی ہے وہ مجھے حاصل ہو، اور وہ حضرت جیسے بزرگوں کے پر تو فیض و کرم سے حاصل ہونا دشوار نہیں، ۵

نہیں از شاہ عجب گز نبود از درویش

جواب۔ اول تو سب مقدمات متکلم فیہ ہیں، فاین المدعی، لیکن میں اس میں قنیل و قال پسند نہیں کرتا، اگر آپ کے ذوق میں سب دعاوی صحیح ہیں، اور ایسا اطمینان مطلوب فی الدین ہے تو اخیر جواب یہ ہے کہ مجھ کو اس کا نسخہ معلوم نہیں، کسی اور طبیب سے رجوع کیجئے۔

خط چہارم

سوال۔ حضرت اکرم نفثنا اللہ بطول بقا لکم و ادام لسانہ کا تکم۔ السلام علیکم، گرامی نامہ موصول ہو کر موجب شرف و برکت ہوا، جسے سابق خطوط کے ساتھ مکرر بخود میں نے پڑھا، اور مجھے اپنی غلطی و فکر و رائے پر تنبیہ ہو کر حقیقتہً حال منکشف ہوئی اور یہ حضرت کی توجہ کی برکت ہے، واقعی جن کا اطمینان طبعی پر موقوف نہیں، اور اس کے لئے علم و قدرت کی ضرورت ہے، اور نالیسا اطمینان مطلوب فی الدین ہو سکتا ہے۔

جواب، ہنیثا لکم العلم۔

تمتہ سوال، حضرت نے میرے خطوط کے جواب میں جو مختصر مگر لطیف انتباہات و ہدایات فرمائے ہیں وہ میرے واسطے نافع ہوئے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی نفع مند ہوں گے۔

جواب - سزفتک اللہ العلیٰ -

تمتہ سوال - اب میری حسب ذیل درخواستیں حضرت سے ہیں (۱) یہ کہ میری اصلاح باطن - مغفرتِ ذنوب اور قلاح داریں کے لئے حق سبحانہ و تعالیٰ سے دعا فرمائیں -

جواب - دل سے دعا کرتا ہوں ،

تمتہ سوال - (۲) یہ کہ ایسی کتابوں کے اسماء سے مطلع فرمائیں جن کے مطالع سے اصلاح نفس ہو اور فہم مستقیم دین میں حاصل ہو -

جواب - ایک دم سے تو یاد نہیں آتیں بتدریج عرض کرتا رہوں گا، اس وقت بعض نام لکھتا ہوں، قصد السبیل، تبلیغ دین، تربیۃ السالک، مواظع احقر، جتنے میسر ہوں، ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (النور ص ۲۶، شعبان ۱۳۵۲ھ)

تحت رسالہ احکام الايقان

سوال (۶۰۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ملا زید بوجہ خورد و نوش (پیسہ روپیہ) ایسے روپ بدلتا ہے جس سے اس کے ہندو ہونے کا یقین ہوتا ہے، مثلاً کبھی ہندو کہار، کبھی ہندو فقیر، کبھی ہندو سیٹھ مہاجن بنتا ہے۔ ماتھے پر قشقہ لگاتا ہے، گلے میں مالا ڈالتا ہے، یہ تو محض اس کے افعال ہوتے ہیں جس سے عوام اس کو ہندو جانتے ہیں۔ بعض اوقات خود کو وہ ہندو ہونا بیان کرتا ہے، مثلاً ہندو کا بھیس بدل کر آتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں، گویا خود کو ہندو بیان کر کے دھوکا دیتا ہے، اور انعام حاصل کرتا ہے، ایسی حالت میں اس کے مسلمان رہنے اور نکاح قائم رہنے کے متعلق کیا حکم ہے۔ اگر نکاح ساقط ہوتا ہے تو بغیر حلالہ نکاح ثانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

محلہ بکریو جہ ملازمت سرکاری سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) کسی مفروضہ ملزم کی تلاش یا کسی معلومات واقعہ کے لئے اپنا فرض منصبی ادا کرنے کی غرض سے ایسا روپ بدلتا ہے کہ کوئی استبحان آدمی اس کو دیکھ کر شبہ کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مسلمان ہے بلکہ ہندو ہونے کا یقین ہوتا ہے، اگرچہ وہ اپنی زبان سے ہندو ہونیکا اقرار کرتا ہو تو ایسی حالت میں اس کے اسلام اور نکاح کا کیا حکم ہے۔

۳۔ بعض قسائی وغیرہ بھی ہندوؤں کا بھیس بدل کر ہندوؤں سے جانور خریدتے ہیں اور پھر بلا توبہ ذبح کر کے بیچتے ہیں، اور تجدید نکاح بھی نہیں کرتے، ان کے اسلام اور ذبیحہ اور نکاح کا کیا حکم ہے، بینوا لوجہا الجواب، فی الجہرا احکام المرتدین و دریکھو، بوضع قلنسوة المجوسی علی راسہ علی الصحیح

الاضطرار و دفع المحر والبرد، و بشد الزنار فی وسطہ الا اذا فعل ذلك خديعة في حرب و طليعة للمسلمين، وفيه وريقت بقول المعتز لغيره كنت كافرا فاسلمت عند بعضهم و قيل لا وفيه عن السامرة ولا اعتبار التعظيم المنا في الاستخفاف كقرا الحنفية بالفاظ كثيرة و افعال تصدر من المتهتكين لدلائلها على الاستخفاف بالدين كالصلوة بلا وضوء عمداً الخ وفيه عن الفتاوى الصغرى الكفر شئ عظيم فلا جعل المؤمن كافرا متى وجدت روايته انه لا يكفر و قال قبله في الجامع الاصغر اذا اطلق الرجل كلمة الكفر لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض اصحابنا لا يكفر لان الكفر يتعلق بالضمير ولم يعتقد الضمير على الكفر قال بعضهم يكفر وهو الصحيح عندنا استخفاف بدينه الخ الى قوله ومن يكلع بها اختيارا جاهلا بانها كفر ففيه اختلاف والذي تحررنا لا يفتي بتكفير مسلم ما كان حمل كلامه على محمل حسن او كان في كفره اختلاف ولورداية ضعيفتنا الخ في العالم الغربية الباب التاسع من كتابنا لير من الجلد الثالث ۳ ما كان في كونه كفر اختلاف فان قائله يوم يرتجد يد الذكاح وبالتيه والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط الخ۔ ان روايات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

اول۔ کفار کی وضع بلا ضرورت قویہ حسیہ کدفع المحر والبرد یا شرعیہ کخروج اہل الحرب والتجسس للمسلمین افعال کفر سے ہے۔

ثانی۔ ایسے افعال بالذات کفر نہیں بلکہ ان کے کفر ہونے کی علت استخفاف بالدين ہے اور جب استخفاف بالدين یقیناً منفي ہو مثلاً قائل کے علم و قصد میں اس کا معنی ضروریات یا مصلحت ہو، اور واقع میں ضرورت قویہ نہ ہو اور اس کے کفر ہونے کا علم بھی نہ ہو وہاں ارتقاع علت سے حکم بالکفر بھی منفي ہوگا، مگر مستقل دلائل سے معصیت کا حکم کیا جاوے گا، علی اختلاف درجۃ الافعال مثلاً شد زنا و نحوہ میں اشدیت کا حکم ہوگا۔ اور دوسرے اوضاع غیر مذہبی میں جیسا عام طور پر عوام جہلا خصوصاً یہاں لوگ اس میں مبتلا ہیں، ایسی اشدیت نہ ہوگی، اور ہر حال میں توبہ واجب ہوگی۔

ثالث، وضع مذکور کے کفر ہونے میں اختلاف بھی ہے، کما يدل عليه قوله على الصحيح گو معصیت شدیدہ ہے۔

رابع، زبان سے کفر کا اقرار جبکہ ساتھ ہی اسلام کا بھی اقرار ہو کفر اختلافی ہے۔
خامس، کفر اختلافی میں کفر کا یا بینونہ زوہر کا فتویٰ نہ دیا جاوے گا، البتہ احتیاطاً تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم کیا جاوے گا، اور اس تجدید کے لئے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

فی الدر المختار وارتداد احد ہذا ای الزوجین فسنم فلا ینقص عدا دا عاجل بلا قضاء
رمع الشافعی ص ۶۴۳، ۱۶۱) وفي الشافعی تحت قولہ فلا ینقص عدا فلوارتداد مرارا وجدد الاسلام
فی کل مرة وجدد النکاح علی قول ابی حنیفہ کل امرأتین من غیر اصابۃ زوج ثان بحرم عن الخانیۃ
نیز چونکہ تجدید نکاح کا حکم احتیاط کے سبب ہے، اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تب بھی اس کی زوجہ کو دوسرے
سے نکاح جائز نہ ہوگا، البتہ معصیت ہونے کی صورت میں توبہ واجب ہوگی کما سبق۔

اب سمجھنا چاہئے کہ ان تینوں سوالوں میں نہ کفر اتفاقی کا کوئی فعل پایا گیا نہ کفر اتفاقی کا کوئی قول
پایا گیا جو فعل محتمل کفر کا تھا اس میں استحقاق یقیناً منتفی ہے۔ اگر بعض میں تلعب ہے تو تلعب بالبدین
نہیں تلعب بالخاصہ ہے، ایسی حالت میں یہ افعال اتفاقاً کفر نہیں، اسی طرح قول کفر کے ساتھ قول اسلام
بھی مقترن ہے۔ پس وہ کفر بھی اختلافی ہے اس لئے کسی صورت میں نہ کفر کا فتویٰ دیا جائے گا نہ بینونہ زوجہ
نہ حرمت فیہ کا، البتہ معصیت کا صدور ہوا، لہذا توبہ کا حکم جزم کے ساتھ اور کفر اختلافی ہونے کے سبب
تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم احتیاط کے لئے دیا جائے گا، اس سے زائد فتویٰ دینا حدود احتیاط سے
تجاوز ہے، ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ

تصدیق جواب بالا از مدرس دیوبند

جواب حضرت محی السنۃ حکیم الامت دامت برکاتہم کا بالکل حق و صواب اور حقیقت اور احتیاط کا
جامع ہے اس سے تجاوز کرنا بلاشبہ حدود احتیاط سے تجاوز ہے، اصول مسلمہ دربارہ تکفیر مسلم بھی اسی کے مقتضی
ہیں، اور جزئیات مندرجہ جواب بھی اس پر فاطق ہیں۔ کیونکہ بلاشبہ مسئلہ زیر بحث میں دربارہ تکفیر علماء کا اختلاف
ہے، اور کفر اختلافی کا وہی حکم ہے جو جواب میں مذکور ہے، اور اختلاف فقہاء کی تفصیل شرح فقہ اکبر نمبر ۲۲۸
میں موجود ہے، کہ وضع قلنوسہ المجوس کے متعلق بحوالہ خلاصہ نقل کیا ہے، قال فی الخلاصۃ من وضع قلنوسہ
المجوس علی راسہ قال بعضهم ینکفرون قال بعض المتأخرین ان کان لضرورۃ البوداوان البقرۃ
لا تعطیہ اللین حتی یلبسہا لایکفر رشحہ قال وفي الخلاصۃ لو شد الزنار قال ابو جعفر الاستودشی
ان فعل لتخلیص الاساری لا ینکفرون الا کفر (شرح فقہ اکبر ص ۲۲۸)

۱۰ رجب ۱۳۵۲ھ (النور ص ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ)

السوال، وہ والاتامہ جس میں تلقیب سید الشہداء و احکام کے متعلق یہ ارشاد گرامی
حضرت حسینؑ و کورید الشہداء کا لقب جائز ہے یا نہیں

جائے، اور یہ ظاہر کر دیا جائے کہ ہمیں صرف عقائد شیعہ کی رو سے ان امور سے اختلاف ہے ورنہ نہ ابام کہنے میں کوئی حرج ہے، اور نہ سید الشہداء کہنے میں، میں نے مولانا عبدالشکور صاحب کی خدمت میں بھیج دیا، مولانا نے اسے رکھ لیا اور مجھے اتنا جواب عنایت فرما دیا کہ یہ مضمون کسی مناسب مقام پر بڑھا دیا جاوے گا۔

لیکن مجھے اس میں تردد ہے کہ ایک کی تلقیب دوسرے کی تلقیب سے نالغ نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لقب اپنے کسی ایک صحابی کو عطا فرمایا، آپ نے خود بھی وہ کسی دوسرے کو نہیں عطا فرمایا۔ پھر آپ کے صحابہ و تابعین نے بھی کسی کو وہ لقب نہیں دیا اس لئے معلوم ہوا کہ جس کسی کو جو لقب دیا گیا ہے وہ ایسے امور کی وجہ سے دیا گیا ہے جو انہی کے ساتھ خاص ہیں، بالخصوص سیادت جنت کے لقب ہیں تو صاف صاف یہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ مختلف جنتیں مختلف اعمال کے لوگوں کے لئے بنائی گئی ہیں، مثلاً انبیاء کے لئے اور شہداء کے لئے اور صالحین کے لئے اور سید الشہداء کے لئے اور، اس لئے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کسی کو سید الشہداء کا لقب ملنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ انھیں ایک خاص جاگیر کی سند دی گئی ہے، اور ایسی سند دینے کا اختیار اسی کو ہے جس کے اختیار میں جاگیر ہے۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ فرمایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی خلیفہ رسول اللہ کہلائے، اور کسی کو اس لقب کا شرف نہیں حاصل ہوا، اگرچہ اور حضرات بھی خلیفہ کہلائے مگر یہ سب باعتبار لغت یا باعتبار اصطلاح شرعی کے خلفاء کہلائے، لقب کے طور پر نہیں کہلائے، اور نہ یہاں ان معنی کا لحاظ ہوا جو خلیفہ رسول اللہ میں ہے، جیسا کہ رسول اللہ میں لفظ رسول سے جو شرف مفہوم ہوتا ہے وہ مثلاً جانی رسول عامل خراساں میں نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو مختلف القاب عطا فرمائے، جن میں بعض القاب کے آثار کا دنیا میں ظہور ہوا، اور بعض کا آخرت میں ہوگا، مثلاً حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق، اور حضرت خالد کو سیف اللہ، حضرت ابوجبیرہ رضی اللہ عنہ کو امین ہذہ الامۃ، حضرت حمزہ کو اسد اللہ و اسد رسول و سید الشہداء، حضرات حسنین کو سید اشباب اہل بچۃ، حضرات شیخین کو سید اکہول اہل الحجۃ، حضرت علیؑ کو اقصا، ہم، حضرت ابی ابن کعبؓ کو اقراء ہم فرمایا گیا، مگر کوئی ضعیف سے ضعیف روایت ایسی نہیں ملتی کہ صحابہ کرام یا تابعین سے حالات کے تشابہ کے لحاظ سے ان القاب سے کسی کو یاد فرمایا ہو جو صاف صاف اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ لقب وہ حضرات کسی اور کے لئے استعمال کرنا جائز نہ سمجھتے تھے

دنیا میں شاہی خطابات کا بھی اصول یہی ہے، کہ خان بہادر، شمس العلماء، یا جنگ بہادر وغیرہ خطابات کسی غیر شاہی خطاب یافتہ کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے، نہ قانوناً نہ رواجاً، اور اگر کسی کو غیر بادشاہ

یہ خطابات دے بھی دے تو اس سے ذرا بھی اس کی عزت افزائی نہ ہوگی، اور نہ وہ آثار مرتب ہوں گے جو شاہی خطاب یافتہ کے لئے ہیں، مثلاً وہ بار میں مدعو ہوتا، عدالت میں کرسی ملتا، اس کی شہادت کی خاص وقعت ہونا، وغیر ذلک، اسی طرح القاب نبوی کے متعلق بھی یہی سمجھ میں آتا ہے۔

میں اپنے خیالات پریشان حضور والا کی خدمت میں پیش کئے دیتا ہوں تاکہ اصلاح ہو جاوے ورنہ میں کیا اور میری ہستی کیا۔

الجواب یہی حکم کرنا مشکل ہے کہ یہ ارشادات توصیف ہیں یا تلقیب، اس کے لئے قرائن خارجیہ کی حاجت ہے، جب تک احتمال توصیف کا ہے تخصیص کا حکم نہیں کیا جاسکتا، حتیٰ کہ حق تعالیٰ کے بعض اوصاف کا اطلاق مخلوق کے لئے جائز ہے، جیسے رحیم، ملک، عزیز و امثالہا تا بہ وصف دیگران چہ رسد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زلزلہ جیل میں حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب اور بعض صحابہ کو شہید کا لقب دیا، پھر بھی قرآن مجید سے صدیق اور شہید کا تعدد معلوم ہوتا ہے۔ اولئك هم الصديقون والشهداء عند ربهم، قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام فرمایا گیا اور خود امت نے ہزاروں کو امام کے لقب سے نام زد کیا، نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کی نسبت فرمایا ان ابنی ہذا اسید، پھر بلا نیکر سید کا اطلاق ہزاروں پر کیا گیا، اور آخر بات تو یہ ہے کہ یہ حکم شرعی ہے، اس کا استفتاء علماء سے کر لیا جاوے، کم از کم یہی فائدہ ہوگا کہ تحقیق مشترک ہو جاوے گی تفرد تو نہ ہوگا۔ اگر استفتاء ہو دو نوں۔ پہلوؤں کے دلائل سوالوں میں لکھ دیئے جاویں،

بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق تلقیب بھی مستلزم تخصیص نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ تلقیب کبھی نفس مفہوم لقب کے اعتبار ہوتی ہے، وہ تو مقتضی تخصیص کی ہوتی ہے، جیسے رسول کا لقب صحابی کا لقب مثلاً اور کبھی مفہوم لقب کے درجہ کمال کے اعتبار سے ہوتی ہے وہ نفس مفہوم کی تخصیص کو مقتضی نہیں ہوتی، بخاری کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب میں حدیث قدسی ہے سمیتك المتوکل، اور پھر غیر رسول پر اطلاق متوکل کا بلا نیکر شائع ہے، البتہ قرآن مجید میں ارشاد ہے، ھو سبھاکم المسلمین اس کا اطلاق غیر مسلم پر جائز نہیں، فرق یہاں ہے کہ مسلمین کا لقب باعتبار نفس مفہوم کے ہے، ام متوکل کا لقب باعتبار کمال کے ہے اور تعین اس کی قرائن خارجیہ سے ہوتی ہے، جس میں ذوق اجتہادی کی ضرورت ہے، ماد شاکا حکم معتبر نہیں، اس کے بعد ایک حدیث نظر سے گزری، آخر زاد میں روم اور اہل مدینہ کے قتال کے واقعہ میں ارشاد ہے۔ ویقتل ثلاث ھو افضل الشهداء عند اللہ (جسم الفوائد کتاب الملاحم عن مسلم) افضل الشهداء مراد ہے سید الشهداء کا، اس سے اطلاق کا

غیر حمزہ کے لئے جائز ہونا ثابت ہوا، اور اگر دعویٰ تخصیص کا الفاظ ہی کے ساتھ خاص ہے تو اس اطلاق کو کمال کے ساتھ خاص کیا جاوے گا کماذکر، اور حضرت امام حسینؑ کو بعد کے درجہ میں سید الشہداء کہا جاسکے گا، مثلاً الشہداء میں لام عہد کا ہوا اور مراد اس سے شہداء کہلا ہوں، حضرت امام رضاؑ کے ان کے سید اور رئیس ہونے میں کوئی کلام نہیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حسن و حسین سید شباب اہل بختہ اور ظاہر ہے کہ شباب میں شہداء بھی ہیں، تو ان کے بھی سردار ہوتے تو سید الشہداء ہونا بے تکلف نص سے ثابت ہو گیا، نیز جس حدیث میں حضرت حمزہؑ کو سید الشہداء فرمایا ہے، اس میں یوم القيمة کی بھی قید ہے، تو اگر تخصیص پر دلالت مستلزم بھی ہو تو حضرت امام حسینؑ پر اس قید کے ساتھ اطلاق نہ کیا جاوے گا ممکن ہے ان کو خاص شان کے شہیدوں کا سردار کہا جاوے، جو دنیا میں واقع ہوئی، کہ ارض غربت میں ہونا، اہل و عیال کا لاوارث رہ جانا، قاتلوں کا مدعی محبت جدمقتول ہونا، اعزاء کا سامنے مقتول ہو جانا کسی صاحب شوکت جماعت کا معرکہ میں حاضر نہ ہونا، اور یہ سب سبب ہے کہ حدیث سنداً صحیح ہو ورنہ ثبوت ہی متکلم فیہ ہوگا، مگر جمع الفوائد میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

جواب تصدیقی علماء مظاہر العوام سہارنپور مفتی دارالعلوم کو بند

جواب بالا کے بعد سائل کی طرف سے پھر کچھ سوالات آئے۔ فقہر مسافت و قطع شعب کے لئے ان کو مشورہ دیا گیا کہ دونوں طرف کے دلائل زید و عمرو کے نام سے دوسرے علماء کی خدمت میں پیش کر کے فیصلہ کرا لیا جاوے، چنانچہ سائل نے کئی جگہ استفتاء بھیجے، دو جگہ کے تصدیقی جواب جو نظر سے گزرے، نقل کئے جاتے ہیں،

جواب سہارنپور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لفظ سید الشہداء کے اطلاق کے جواز و عدم جواز پر فریقین کے فاضلانہ دلائل کو بندہ نے مکرر مکرر بغور ملاحظہ کیا طرفین کے دلائل معارضات پر بحیثیت قوت و ضعف تنقید کرتا، اور ایک رائج اور دوسرے کو مرجوح قرار دینا اور اپنی رائے فیصلہ لکھنا یہ ایسے شخص کا کام ہے کہ جس کے علم و فضل اور فہم و دانش پر فریقین کا اعتماد ہو لیکن چونکہ آپ نے استفتاء فرمایا ہے اس لئے محض استفتاء کا جواب اپنی تحقیق و تتبع کے موافق لکھا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ زید کے موافق یا عمرو کے مخالف ہے،

استفتاء کے اجزاء میں اہم اجزاء یہ ہیں :-

- ۱۔ سید الشہداء کا اطلاق حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر جائز ہے یا نہیں۔
- ۲۔ حدیث سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے اعتبار سے کس درجہ کی ہے۔
- ۳۔ اور حدیث سید اشباب اہل الجنة سند کے اعتبار سے کس درجہ کی ہے۔
- ۴۔ اور ان دونوں روایتوں میں سے کس کو ترجیح ہے۔

(۱) حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سید الشہداء کا اطلاق گواحدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، لیکن اگر کیا جائے تو اس کے لئے کوئی مانع نہیں، حضرات حسنین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ سید کا اطلاق کیا ہے جو روایات میں مصرح ہے، اور علماء نے جو اس کے معنی بیان کیے ہیں وہ اپنے عموم سے سیادة مطلقہ ثابت کرتے ہیں جس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہؓ علاوہ انبیاء اور خلفائے راشدین کے سب داخل ہیں، چنانچہ مرفوعہ میں حدیث سید اشباب اہل الجنة کے تحت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں، قال المظهر یعنی ہما افضل من مات شایبا فی سبیل اللہ من اصحاب الجنة اولو بر و دین حق الشباب لانہما ماتا وقد کھلا بل ما یفعله الشباب من المروءۃ کما یقال فلان فنی وان کان شیخا یسیر الی مروتہ وفتوتہ او انہما سیدا اہل الجنة سوی الانبیاء و الخلفاء الراشدین و ذلک لان اہل الجنة کلہم فی سن واحد و ہوا الشباب و لیس فیہم شیخ و لا کھل اھ و مثله فی مجسم البھار و غیرہما، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی اطلاع بھی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اور اس میں اہل حق و انصاف کو کوئی تا مل نہیں، کہ حضرت امامؓ اور ان کے ساتھی شہید ہیں، دونوں قسم کی احادیث کو اگر بلایا جائے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر سید الشہداء کا اطلاق کرنا درست ہے۔

جواب شبہات

شبہ اول :- رہا یہ شبہ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء کے لقب کو خاص کر دیا ہے، اس وجہ سے دوسرے پر اطلاق نہیں کیا جاسکتا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سیادت مسلم ہے، لیکن یہ دعویٰ کہ آپ نے مخصوص کر دیا ہے بلا دلیل ہے، روایات کے سرسری تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لقب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے مخصوص نہیں گوا آپ کے لئے سب لوگوں لسان نبوت سے صادر ہوا، جو ایک انتہائی شرف ہے اور باعث امتیاز ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ حدیث سید الشہداء حمزہ پوری اس طرح ہے۔ ابن عباس رفعہ سید الشہداء یوم القیمة حمزۃ ابن عبدالمطلب ورجل قام الی امام جائز فامرہ و غاہ فقتلہ فلا وسط بضعف، جمع الفوائد، ص ۲۸۲

خود اسی روایت میں تصریح ہے کہ سید الشہداء کا اطلاق ایسے شخص پر بھی کیا جاسکتا ہے جو امام جائز کے مقابلہ میں مارا جائے۔ اب کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رجل کے عموم میں داخل نہیں یقیناً داخل ہیں، اور جب آپ اس عموم میں داخل ہو گئے تو حضرت امام رضا کے اوپر سید الشہداء کا اطلاق حضور ہی کی زبان مبارک سے ثابت ہو جائے گا، اور حضرت امام رضا کا مقابلہ بلاشبہ امام جائز سے تھا۔

دوسری روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، عن علی ان افضل الشہداء

حمزة بن عبد المطلب وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم سيد الشهداء جعفر بن ابی طالب مع الملائكة لم يدخل ذلك احد ممن مضى من الامم غيرة شي اكرم به، وعطى الله عليه وسلم ابو بكر والبقاسم الحرق في اماليه، كنز العمال ص ۳۲۱،

اس روایت میں بھی تصریح ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ پر سید الشہداء کا اطلاق کیا گیا، اس وقت سرسری تتبع سے یہ روایت سامنے آگئی ہیں، ممکن ہے کہ تلاش کرنے پر اور روایات بھی ایسی ملیں کہ جن میں دوسرے صحابہ پر خاص اس لفظ کا یا دوسرے ان القاب کا جو حضور نے صحابہ کو دیئے اطلاق کیا گیا ہو، لہذا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ان القاب کا دوسرے لوگوں پر اطلاق نہیں کیا گیا، بالخصوص سید الشہداء کا،

شبہ دوم، دوسرا شبہ یہ ہو سکتا ہے (یہ مانع کی طرف سے کیا گیا ہے) کہ سید الشہداء میں اہل صفات سید کی جمع کی طرف ہے، جو مفید عموم ہے، یہ بھی دعویٰ محض ہے، اس پر کوئی دلیل قوی قائم نہیں کی گئی، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اصناف اور الف لام دونوں عہد کے لئے ہیں، استغراق کے لئے نہیں، اور اگر استغراق بھی تسلیم کر لیا جائے تو استغراق حقیقی پر کیا دلیل ہے، ظاہر یہ ہے کہ استغراق عرفی ہے، چنانچہ علامہ حنفی حاشیہ شرح جامع صغیر حدیث سید الشہداء حمزہ کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں قوله سيد الشهداء اهل صفات المعركة فلا يرد ان نحو سيدنا عمر من الشهداء وهو افضل منه لكنه ليس من شهداء المعركة

فليس داخل فيه وكذا يقال في رجل قام الى الامام (حاشیہ شرح جامع صغیر ص ۳۲۱)

شبہ سوم، تیسرا شبہ اس میں تشبہ بالزوافض ہے، یہ اس قدر ضعیف ہے کہ ایک فاضل اور فہیم شخص کو تو کیا معمولی آدمی کو بھی اس سے دھوکہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ نفس محبت حسین رضا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ اہل سنت کے نزدیک جو کچھ ہے وہ معلوم ہے، باقی ان کو شیعہ کا اپنے اعتقاد کے موافق اور حضرات سے افضل سمجھنا افراط ہے، لہذا محض اس وجہ سے اس کے عدم اطلاق کو معطل کرنا درست نہیں جبکہ اس کے عدم جواز پر کوئی نص موجود نہیں، اور روایات کے عموم سے حوازم مفہوم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ وجہ عدم جواز کی یہی ہو سکتی ہے کہ یہ لقب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے

لئے مخصوص ہے، سو اس کا عام ہونا تقریر مذکورہ سے ثابت ہو گیا، اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے اور حضرت عموؓ کے لئے اس خصوصی شرف کو مخصوص کر دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو اطلاق کیا ہے وہ اس کے اس وصف خاص کے لحاظ سے فرد اعلیٰ تھے، اور دوسرے افراد کو چونکہ زبان نبوت سے یہ لقب نہیں ملا تو اس درجہ میں نہ ہی لیکن اطلاق کے لئے کوئی مانع نہیں جبکہ حضورؐ کے کلام سے عموم ثابت ہے، چند پنج علامہ حنفی سید الشہداء جعفر میں بھی باوجودیکہ خود حضورؐ نے ان کو سید الشہداء فرمایا یہ توجیہ فرماتے ہیں ای بعد حمزة ویوجد فی المفضول ص ۳۲۱ ج ۲،

۲۔ حدیث سید الشہداء الخ کو جمع الفوائد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بحوالہ اوسط نقل کیا ہے اور بضعب لکھا ہے، لیکن جامع صغیر میں طبرانی کبیر کے حوالہ سے اور بحوالہ حاکم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور شرح میں ہے قال الشیخ حدیث صحیح ص ۳۲۱ ج ۲۔

۳۔ سید اشباب اہل الجنة، ترمذی ص ۲۱۸ ج ۲ پر ہے، ترمذی نے اس کو حسن اور صحیح کہا ہے۔
۴۔ دونوں روایتوں میں چونکہ کوئی تعارض و تخالف نہیں، اس لئے کسی کو راجح مرجوح کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے محل پر محمول ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سعید اسماعیل ابراہیم ڈیوئی مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۶ جب ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح

عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

جواب دیوبند

استقار متعلقہ لقب سید الشہداء مع دلائل فریقین دیکھا، جواب کے لئے فرصت کا انتظار تھا اسی درمیان میں جواب محررہ مظاہر العلوم سہارنپور نظر سے گذرا، بالکل صحیح اور کافی و دوائی معلوم ہوا۔ اس لئے جگہ آگاہ جواب کی حاجت نہ رہی، اس لئے اسی جواب کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور شبہ سوم کے متعلق اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ شبہ تشبہ اور تشابہ میں فرق نہ کرنے پر مبنی ہے، حالانکہ دونوں میں یون بعید ہے، اگر خبیث آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم روافض میں پائی جائے، یا کسی درجہ میں ان کے ساتھ مخصوص سمجھی جانے لگے تو کیا اہل سنت والجماعت کو یہ رائے دی جاوے گی کہ وہ اس کو چھوڑ دیں۔ کلاشور کلا ولنعمہ ما قال الشافعی

ان کان رفا صاحب ال محمد

فلیشہد الثقلان فی سرافضی

والله سبحانه وتعالى اعلم۔

کتابہ احقر محمد شفیع غفرلہ خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۲۹ شعبان ۱۳۵۲ھ

(النور، ص ۹، بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ)

تحقیق السعد والنس | (۶۰۳) اعلم انہ ان كان المراد بالسعادة والخوسنة ما يزعمه الجهلاء من خاصية طبيعية في شئ باسباب غير مشاهدة فهي شعبية من النجوم التي نقاها الشرع فقد روى احمد وابوداؤد وابن ماجه عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اقتبس علماً من النجوم اقتبس شعبية من النور زاد وروى بن حزم عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اقتبس باياً من علم النجوم بغير ما ذكر الله فقد اقتبس شعبية من السحر المنجوكا من الكاهن ساحر والساحر كافر وعن قتادة قال خلق الله تعالى هذه النجوم لثلاث جعلها ذينة للسماء رجوها للشياطين وعلامات لنهتدي بها فمن تأول فيها بغير ذلك اخطأ واضلغ نصيبه وتكلف ما لا يعلم رواه البخاري تعليقا وفي رواية رزين وتكلف ما لا يعنيه وما لا علم له به وما عجز من علمه والانبياء والملائكة وعن الربيع مثله وزاد ما جعل الله في نجر حياة احد ولا زرقه ولا موته وانما يفترون على الله الكذب ويتعللون بالنجوم (مشكوة باب الكهانت)

وان كان المراد بالسعادة بركة وفضيلة ثبت بالنقل الصحيح وبالخوسنة مضرة ومعة ثبتت كذلك فالسعادة واقعة بما ورد من النصوص في ايام مباركة كالجمعة ومضان وغيرها والخوسنة منفية بالنصوص كذلك كقوله عليه السلام لا عدوى ولا طيرة الحديث رواه البخاري وكقوله عليه السلام لا عدوى ولا هامة ولا نوع ولا صفر رواه مسلم وكقوله صلى الله عليه وسلم الطيرة شرك وكقوله عليه السلام الطيرة من الجبت رواها ابوداؤد (مشكوة باب الفأل والطيرة) وما ورد من قوله عليه السلام الشوم في المرأة والدار والفرس متفق عليه (مشكوة كتاب النكاح يفسره الحديث الآخر الذي رواه ابوداؤد من قوله عليه السلام ان تكن الطيرة في شئ ففي الدار والفرس والمرأة (مشكوة باب الفأل) وفي المرقاة المعنى ان فرض وجودها يكون في هذه الثلاثة والمقصود منه نفى صحته الطيرة على وجه المبالغة اهم قلت فكلية ان هذه هي في قوله تعالى قل ان كان للرحمن ولدانا اول العابدين يعني انها بمعنى لو تكون للنفي كما قال النبي صلى الله عليه وسلم العين حق ولو كان شيئاً سابق القدر سبقته العين رواه مسلم (مشكوة كتاب الطب) واما قول

اللہ تعالیٰ فارسلنا علیہم ریحاً صرصاً فی ایام نوحات الایۃ فلیس المراد بہ النحوسۃ المتعارفۃ بدلیل تفسیر ہذہ الایام بایام التسبیح فی قولہ تعالیٰ واما عاد فاہلکوا بریح صرصۃ عاتیتۃ ہوذا علیہم سبع لیل وثمانیتۃ ایام حسوما الایۃ فلو کان المراد النحوسۃ المتعارفۃ لکانت الایام کلہا نوحۃ وھو خلاف ما ادعوه فعملوا ان المراد بالنحسات نوحات علیہم لنزول لعنۃ علی معاصیہم وفاقاً تضح سبیل الرشاد واندحق قول اهل الفساد۔

کتبہ اشرف علی، تاسع رمضان

(النور ص ۷، ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

دگر کتب ساریہ کا حرف حرف منزل ہے یا نہیں [السوال (۶۰۳) مسلمانوں میں یہ جو عام عقیدہ شائع ہے کہ تورات و انجیل وغیرہ بھی قرآن مجید ہی کی طرح کلام الہی ہیں، اس کی شرعی بنیاد کیا ہے، اُن کے نفس منزل من اللہ ہونے میں کلام نہیں، گفتگو صرف اس میں ہے کہ مثل قرآن کے ان کے لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف منزل ہونے کا دعویٰ قرآن یا حدیث میں کہاں کیا گیا ہے، مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ ان کتابوں کا نزول صرف اجمالی حیثیت سے ہوا، ایسی لحاظ معافی، مطالبہ بجز تورات کے اُن احکام کے جن کے یہ صورت الواح نازل ہونے کی صراحت قرآن مجید میں ہے تفصیلی یعنی نفلی، حرفی تنزیل صرف قرآن مجید ہی کی ہوئی ہے۔

میں نے رائے قائم نہیں کی ہے، محض سرسری یہ خیال پیدا ہوا ہے ان کتب سابقہ کی شدید ترین کج فہمی دیکھ دیکھ کر محض استفادۃ اسے پیش کر رہا ہوں، تورات، زبور، ایں غنیمت ہیں، سب سے زیادہ کمزور بے سند تو مجھے انجیل نظر آتی ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد اب یہ بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یورپ میں دہریت مادیت کا دور اتنا کیوں بڑھتا جاتا ہے، ایسے بودے اور کمزور مذہب سے بغاوت لازمی تھی، اور افسوس ان بیچاروں پر یہ ہوتا ہے کہ یہ عیسائیت کو نفس مذہب کا نمائندہ سمجھ رہے ہیں، اور اسلام کو اسی پر قیاس کر کے تحقیق اسلام کی طرف سے بے فکر ہو گئے ہیں۔

الجواب

اسی سوچ میں جواب میں بھی کئی روز کی تاخیر ہو گئی، آیات کو بہت سوچا کوئی آیت ذہن میں نہیں آئی جو اس باب میں اثباتاً یا نفیاً نص ہو تو جس طرح اثبات کا دعویٰ نہیں ہو سکتا اسی طرح نفی کا دعویٰ بھی نہیں ہو سکتا، دونوں احتمال برابر ہیں، ممکن ہے کہ الفاظ نازل ہوئے ہوں اور ممکن ہے کہ معانی نازل ہوئے ہوں اور الفاظ موسیٰ علیہ السلام وعلی علیہ السلام کے ہوں گو وہ محفوظ نہ رہے ہوں تو اس باب میں ان کا درجہ حدیث کا

سا ہوگا، اور اس کی بھی کہیں تصریح نہیں کہ الواح غیر ہیں تو ریت کے بلکہ ظاہر الواح میں توراة ہی اگر اس ظاہر کو کافی سمجھا جاوے تو توراة کی لفظی تنزیل ایک درجہ میں ثابت ہو جائے گی، اگر کسی وقت اس سے زیادہ کوئی بات ذہن میں آئے گی عرض کر دوں گا۔

۲ جمادی الثانی ۱۲۵۵ھ (النور ص ۷، رجب ۱۲۵۵ھ)

السوال (۶۰۵) احقر نے ایک تقریر میں یہ عرض کیا تھا کہ حضرت کے گھر کے برابر کسی ولی کا رتبہ نہیں کسی وعظ میں یہ مثال دیکھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کے نتھنوں میں جو خاک اڑ کر پڑی ہوگی اس کے برابر بھی کسی ولی کا رتبہ نہیں ہو سکتا، تقریر ختم ہونے پر ایک صاحب نے اصل مضمون کا حوالہ دریافت کیا، اگر مجھ کو سہو نہ ہوا ہو تو حضرت اس واقعہ کی سند کا حوالہ تحریر فرمادیں، اور سہو ہوا تو جو صحیح ہو تحریر فرمادیں۔

الجواب، فی ارشاد الطالبین لمولانا شہار اللہ الپالی ہتی ص ۱۹، عبد اللہ بن مبارک از تابعین ست میگوید الغبار الذی دخل انف فرس معاویہ رضی اللہ عنہ من اویس القرنی و عمر بن عبد العزیز المروانی، ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۲۵۳ھ (النور ص ۸، رجب ۱۲۵۳ھ)

السوال (۶۰۶) یہ عقیدہ کہ صحابہ غیر صحابہ سے افضل ہیں اس عقیدہ کی دلیل کتاب و سنت سے بھی ہے یا صرف اجماع ہے؟

الجواب، آیت تو کوئی ذہن میں نہیں آئی، البتہ حدیث سے صاف استدلال ہو سکتا ہے عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكرموا اصحابي فانهم خياركم الحدیث رواه (كذا في المشکوٰۃ باب مناقب الصحابة) وفي الحاشية عن مرقاة واللمعات مانصه في اصل المصنف ههنا بياض والحق به النسائي واصله صحيح ورجال رجال الصحيح (البرهان ابن الحسن الخثعمي قاتله لم يخرج له الشيخان وهو ثقة ثبت ذكره الجزري ام)

مع وجہ الظہور سیاق الروایات التي اوردها في الدر المنثور باسناد مختلف في تفسير قوله تعالى وكتبنا في الاواح من كل شيء موعظة وتفسير لكل شيء يفهم منها اتحاد التوراة والاواح اصرحها ما اخرج عن ابن عاتم عن ابن عباس قال اخطى موسى التوراة في ستة الواح من ريد فيها تبليان لكل شيء وموعظة ثم نیز اس کی تائید ایک آیت سے بھی ہوئی قال تعالى وكتبنا عليهم فيها لآي في التوراة ان النفس بالنفس الخ یہاں سے توریت کا مکتوب ہونا ثابت ہوتا ہے، اور پہلی آیت سے الواح کا مکتوب ہونا ظاہر بھی ہے کہ دونوں متحد ہیں واللہ اعلم ۱۲

استدلال کی تقریر یہ ہے کہ عیار جمع غیر کی ہے، اور غیر معنی افعال تفضیل ہے تو صحابہ کو مخاطبین پر تفضیل مدلول حدیث ہے، اور اس میں اطلاق ہے، تو تفضیل مطلق مراد ہوئی اور عیار کم میں خطاب یقیناً غیر اصحاب کو ہے، کیونکہ مفضل و مفضل علیہ متغایر ہوتے ہیں تو مدلول حدیث کا یہ ہو کہ اصحاب کو مطلقاً غیر اصحاب پر فضیلت ہوگی، پس مدعا ثابت ہو گیا، اور گو یہ خبر واحد ہے جو ظنی ہوتی ہے لیکن انضمام اجماع کے بعد ایسی قطعی ہو گئی کہ جس قطعیت کی عقائد میں ضرورت ہے، اب اس مقام پر ایک دوسری حدیث سے ایک شبہ ہو سکتا ہے، اس کو بھی مع جواب عرض کرتا ہوں۔

وہ حدیث یہ ہے: عن ابی سعید کان بین خالد بن الولید رحمہ و بین عبد الرحمن بن عوف ثقیف فسیط خالد رحمہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فان احدکم انفق مثل احد ذهباً ما بلغ مد احدهم ونصیفہ للشیخن وابی داؤد والترمذی (کذا فی جمع الفوائد من فضائل الصحابة المشتركة)

شبہ یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک صحابی ہی کو دوسرے صحابہ کے ترک احترام سے منع فرمایا گیا ہے تو یقیناً یہاں اصحاب سے مراد اکابر اصحاب ہیں تو صحابہ کی افضلیت ثابت نہ ہوئی۔

جواب یہ ہے کہ یہاں بھی مدار نہی و تفضیل کا صفت صحبت ہی کو فرمایا ہے، تو جس طرح اکابر صحابہ اصغر صحابہ سے طول صحبت کے سبب افضل ہیں، اسی طرح اسی علت سے مطلق صحابہ غیر صحابہ سے افضل ہوں گے، پس مدعا بحال ثابت رہا، واللہ اعلم۔ ۳۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ (النور ص ۲۱۳)

ختم خراجگان کے احکام | سوال (۶۰۴) ختم خراجگان کا رجوع صوفیوں کا ایک طریقہ ہے فقہائے حاجات دینی و جائز حاجات دنیاوی کے لئے، پڑھنا مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: باجرت ناجائز ہے، اور بلاجرت اتفاقاً جائز، اور اعتیاداً ناجائز، یہ تفصیل حاجات دنیویہ کے متعلق ہے، اور حاجات دینیہ میں مثال کی ضرورت ہے۔

سوال ۲ کسی شخص واحد کی دعا کے لئے اس عمل کو یعنی ختم خراجگان کو مسجد میں پڑھنا دنیاوی حاجات کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: وہی بالائی تفصیل ہے۔

سوال ۳: جائز دنیاوی ضروریات کے لئے مسجد میں دعا کرنا کیسا ہے، جائز یا ناجائز؟

الجواب: جائز، کیونکہ دعا عبادت ہے اگرچہ دنیا کے مہارج ہی کے لئے ہو۔

سوال ۴: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے

ہر کسی خاص انتظام و اوقات متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اپنے دوست و احباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

الجواب ہن : یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے۔

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ (ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ)

تقلید و اتباع میں فرق ہے یا نہیں | سوال (۶۰۸) علمائے اہل حدیث..... لفظ اتباع و تقلید کے مفہوم میں فرق کرتے ہیں۔ مجھ کو اس میں عرصہ سے ذوق و اتباع کا لاکھیر کلام ہے (اس کے بعد اس فرق اور اتحاد کو ایک طویل تقریر میں نقل کیا ہے)

الجواب۔ اتباع و تقلید میں جو فرق بدرجہ تباین یا اتحاد بدرجہ تساوی دونوں قولوں میں نقل کیا گیا ہے، وہ سمجھ میں نہیں آیا، جو میرے ذہن میں آج ہے وہ عرض کرتا ہوں۔

اول ایک مقدمہ مہد کرتا ہوں، پھر اپنا خیال لکھوں گا،

مقدمہ یہ ہے کہ لفظ تقلید فقہون شرعیہ میں بوجہ اصطلاح کے لغوی معنی میں متعل نہیں، اور اتباع میں کوئی اصطلاح منقول نہیں، اس لئے وہ اپنے لغوی معنی میں متعل ہے، اور اس کے لغوی معنی ظاہر ہے کہ تقلید سے عام ہیں، اب سوال کا جواب ظاہر ہے کہ ان دونوں کے معنی میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی اتباع عام ہے ہر موافقت کو خواہ وہ تقلید ہو یا غیر تقلید حتیٰ کہ اگر متبع کے پاس مستقلاً بھی دلیل ہو یعنی وحی جیسے ارشاد ہے۔ ثم ادھینا الیہ ان اتبع ملتہ ابراہیم حنیفا۔ یا جیسا ارشاد ہے فہذا اھد اقتدہ یا دلیل مستقل بالمعنی المذكور کا اتباع ہو جیسے ارشاد ہے اتبعوا ما انزل الیک من ربکم ما انزل خود دلیل شرعی ہے یا صاحب دلیل مستقل بالمعنی المذكور کا اتباع ہو جیسے ارشاد ہے لنعلم من یتبع الرسول یا متبع دلیل کا اتباع ہو جیسے ارشاد ہے واتبع سبیل من انا اب الی من انا اب الی خود دلیل واضح ہے، اس کے اتباع کو اتباع کہا گیا، اور ان سب اتباعوں پر تقلید مصطلح صادق نہیں آتی، حتیٰ کہ مجتہد کے لئے تقلید مجتہد کی اجازت نہیں دی جاتی، اور اتباع سے منع کی کوئی وجہ نہیں، اور تقلید کی اصطلاحی تفسیر میں گو کچھ اختلاف بھی ہو مگر ہر تفسیر پر وہ خاص ہے، اتباع مجتہد کے ساتھ محض دلیل اجمالی کی بنا پر بلا انتظار دلائل تفصیلیہ کے گو دلائل معلوم بھی ہو جائیں مگر ان کا انتظار نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر دلیل معلوم نہ ہوتی یا معلوم ہونے کے بعد اس میں کوئی شبہ غیر قطعیہ عارض ہو جاوے، تب بھی اتباع کا التزام باقی ہے اور کسی جگہ دونوں کا جمع ہو جائے خواہ حق میں یا باطل میں، یہ تباین کے تو مٹائی ہے مگر تساوی کو مستلزم نہیں، اصل مفہوم دونوں کا متبع موارد استعمال سے یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن تجوزات

بالقرآن کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اور حاصل اختلاف قائلین بالاستحاد اور بالتباین کا نزاع لفظی ہے جو تالیف ہے تفسیر الفاظ کا جس سے احکام واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، حق حق ہے خواہ اس کا کچھ نام رکھ لیا جاوے اور باطل باطل ہے خواہ اس کا کچھ نام رکھ لیا جاوے، واللہ اعلم۔

۳ شعبان ۱۳۵۵ھ (النور، ص ۲، رمضان ۱۳۵۵ھ)

خودکشی کرنے والے کے لئے دعا جاؤ ہے | سوال (۶۰۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین صحت مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عدا اپنے نفس کو بذریعہ بندوق ضائع کر دیا، اور مرحوم مرگیا، جس کا پوسٹ مارٹم ہونے کے بعد دفن ہوا، چونکہ آیت کریمہ **وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ**، خدائے تعالیٰ نارضا مندی کے عذاب میں وارد ہے، جس کو دوسری جگہ آیہ کریمہ میں فرمایا **وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا** فجزاءہ جہنم خالد فیہا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعدلہ عذابا عظیما۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عذاب میں مبتلا ہوگا، جس کی تلافی کے لئے بقیہ پس ماندگان کو کوئی شکل بتلائی جاوے کہ اس کو اختیار کرنے سے اس کے عذاب میں تخفیف ہو۔ **بینوا لوجہوا۔**

الجواب۔ بیشک ان آیات میں اس فعل کا معصیت شدیدہ اور موجب وعید ہونا منصوص ہے، لیکن دوسری نصوص میں جمیع مومنین کے لئے (جن میں باطلاق الفاظ تمام اہل معاصی و مستحقین وعید بھی داخل ہیں) دعائے مغفرت کی ترغیب بھی (جو کہ عقلاً و سمعاً مستلزم ہے اس کی نافییت کو وارد ہے، کما فی قولہ تعالیٰ **وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ** الیہ اور احادیث معتقدہ باجماع الامت فی ہذا الباب شاملہ للدعاء و سایر اعمال الثواب کا تواحصار ممکن نہیں، بہر حال جس طرح جمیع اموات مسلمین کے لئے ایصال ثواب کے طریق مثل دعا و استغفار و تہلیل و تسبیح و صدقات و خیرات و نواقل و تلاوت وغیرہا تخفیف عذاب بلکہ رفع عذاب میں نافع ہوتے ہیں، اسی طرح قاتل نفس کے لئے بھی، اور ان سب میں زیادہ نافع بلا کسی قسم کے اختلاف کے دو عمل ہیں، ایک دعائے مغفرت دوسرا صدقہ مالیہ، واللہ اعلم اور اگر اس کے ساتھ خود اس عاصی کی توبہ بھی منضم ہوگئی ہو (خواہ قلب ہی میں ندامت ہو جو حقیقت ہے توبہ کی الفاظ سے ظاہر ہونا شرط نہیں، جس کا مسلمان سے غالب احتمال ہے، اور کثرت سے ایسے واقعات سننے بھی گئے ہیں) تو پھر عفو اور مغفرت کی امید اور قوی ہوتی ہے،

یہ تو سوال کا جواب ہو گیا، اب تبرعاً اتنا اور لکھتا ہوں کہ اگر سوال کی دوسری آیت سے اس باب میں کسی کو ایک خاص علمی مشبہ ہو تو میری تفسیر بیان القرآن میں اس آیت کی پوری تفسیر مع فوائد و حواشی دیکھ لیں واللہ اعلم، ۴ صفر ۱۳۵۵ھ (النور، ص ۲۵، ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ)

رسالہ الجعل المسمیٰ علیٰ حل المعنی

سوال (۶۱۰) اخبارات و رسالہ جات ماہانہ میں معنی حل طلب شائع ہوتے رہتے ہیں جن کی مندرجہ مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ (الف) جو اشخاص اس معنی کا حل روانہ کریں گے، اگر ایک ہی حل صحیح ہوگا تو اسی ایک کو اور متعدد صحیح ہوئے تو بذریعہ قرعہ اندازی ایک کو فلاں انعام دیا جائے گا۔

(ب) اس معنی کے صحیح حل بھیجنے والے کو اس قدر انعام دیا جاوے گا۔ اور متعدد صحیح حل بھیجنے والوں میں مساویانہ تقسیم کر دی جائے گی۔ موجودہ رقوم انعام فلاں بنک یا فلاں شخص کی تحویل میں دیدی گئی ہے، مگر ہر معنی حل شدہ کے ساتھ فیس داخلہ مثلاً ایک روپیہ آنا چاہئے،

(ج) معنی حل کرنے والوں میں (اگر وہ حل صحیح ہووے) تو ایک بھی غلطی نہ کرنے والے کو اتنی اور ایک غلطی کرنے والے کو اتنی وغیرہ وغیرہ رقوم بطور انعام دی جا دیں گی۔ اور ہر درجہ میں متعدد اشخاص کو مساویاً اس درجہ کا انعام تقسیم ہوگا، لیکن ہر حل کے ہمراہ اتنی رقم مثلاً ۸ (جس کو فیس داخلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) آنا ضروری ہے۔ اگر فیس داخلہ کم جمع ہوئی تو رقوم انعام کم اور زیادہ جمع ہوئی تو رقوم انعام زیادہ کر دی جائے۔

تشریح نمبر ۱۔ صورت الف و ب و ج میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر میں کوئی رقم حل کے ساتھ طلب نہیں کی جاتی، اور دونوں موخر الذکر میں رقم طلب کی جاتی ہے۔ پھر ب و ج میں یہ فرق ہے کہ ب میں تو طالب حل موجودہ رقوم العامات کو پہلے علیحدہ جمع کر دیتا ہے، اور فیس داخلہ کی کمی بیشی سے ان موجودہ رقوم پر کوئی اثر نہیں، اور ج میں ایسا نہیں ہے بلکہ فیس کی زیادتی کمی رقوم موجودہ پر اثر انداز بھی ہوگی، اور پہلے سے علیحدہ جمع بھی نہیں ہیں۔ یعنی معنی شائع کنندہ فیس داخلہ جمع شدہ میں سے جس قدر چاہے کار کھ لے گا اور جس قدر چاہے گا بانٹ دے گا، اس لئے رقوم انعام جو مشترک کی جاتی ہیں وہ صرف جذب نظر کے لئے ہیں۔

تشریح نمبر ۲ ب و ج میں ناکام حل کنندوں کی فیس داخلہ کا نہ واپس کرنا مشترک ہے۔

تشریح نمبر ۳۔ بعض معنی مختلف اشکال میں یکساں طور پر قطعی صحیح ہو سکتے ہیں اور کئے جاتے ہیں، لیکن معنی شائع کنندہ نے صحت کی جو شکل متعین کر لی ہوگی جب تک اس کے مطابق حل نہ ہوگا تا بل انعام نہ ہوگا، اس طرح بہت واقعی صحیح حل کنندے انعام سے محروم ہو جاتے ہیں، اور فیس داخلہ بھی ضبط، مثلاً نو خانوں میں پندرہ کا عدد بھردینے کا معنی شائع کیا گیا اور شائع کنندہ نے اس کے حل کی

یہ شکل

متعین کر لی ہے جواب

۲	۹	۴
۷	۵	۳
۶	۱	۸

۶	۱	۸
۷	۵	۳
۲	۹	۴

۸	۱	۶
۳	۵	۷
۷	۹	۲

۸	۳	۴
۱	۵	۹
۶	۷	۲

۶	۷	۲
۱	۵	۹
۸	۳	۴

۴	۳	۸
۹	۵	۱
۲	۷	۶

۲	۷	۶
۹	۵	۱
۴	۳	۸

۲	۹	۴
۳	۵	۷
۸	۱	۶

نکام ہو جاویں گے، اور یہ قصہ الف و ب و ج تینوں صورتوں میں ہوا کرتا ہے۔

تشریح ۴۔ صورت جیم میں عموماً حد سے زیادہ آسان معمہ ہوا کرتا ہے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقصود مستعمل کرا کے اذہان میں ترقی کا معاون بنتا نہیں ہے، بلکہ محض روپیہ بٹور کر ایک قسم کا نفع حاصل کرنا ہے، اور الف و ب میں اکثر نہایت سخت معتے ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان صورتوں میں سے کونسی صورت جائز اور کون نا جائز اور کس کو حل کر کے انعام حاصل کرنے کی کوشش کرنا داخل قمار اور کس میں قمار نہیں ہے، یا شرعاً دیکر اور کیا کیا قبائح اس میں ہیں۔

الجواب۔ ب و ج میں چونکہ فیس داخلہ کا واپس نہ کرنا محض حرام ہے، اس لئے ان کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ محذور تو طالبان حل کی طرف عائد ہے پھر حل کرنے والے کو جو ملتا ہے اگر اس کو فیس کا عوض کہا جاوے تو قمار ریلوے سے مرکب ہونے کے سبب حرام ہے اور اگر اس کا عوض نہ کہا جاوے بلکہ مشقت کا عوض کہا جاوے تو غالباً بلکہ یقیناً وہ فیس ہی کے ذخیرہ سے دیا جاتا ہے، اس لئے حرام ہے کہ مال منصوب سے لیتا ہے، اور اول کا جواب اس پر موقوف ہے کہ وہ انعام کی رقم کہاں سے آئی۔

(النور ص ۸، ربيع الثاني ۱۳۵۷ھ)

رسالہ النہر للمؤمن بالدرہر

استفتا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ :- آیا اللہ ہی دہر ہے (یعنی اللہ اور دہر ایک واحد ذات ہے) یا نہیں، نیز اللہ ہی کو دہر کہنا الحاد، کفر و شرک اور زندہ لقی ہر نہیں (۱) اور حالیکہ عربی میں دہر صرف نظام فسمی کا نام ہے، جیسا کہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

هل الدھر الالبلة ونھارھا والا طلوع الشمس وغیارھا

اور یہ وہی دہر (نظام شمسی) ہے جسے قبل از نزول قرآن تمام آفتاب پرست ہر جگہ اپنا آلہ معبود، قدیم، قادر مانتے تھے، اور یہی دہری بھی کہلاتے تھے (بقول شخصے، دہری نے کیا دہر سے تعبیر تھے)

(۲) لیکن قرآن مجید میں دہر کو (آلہ، معبود، قدیم، قادر) ماننے والوں کی تردید فرماتے ہوئے انہیں کافر اور مجرم قرار دیا گیا ہے، اور ان سے مومنین کو تمیز فرمایا ہے، کیونکہ دہر (نظام شمسی) مخلوق ہے، حادث ہے اور خالق، آلہ، قدیم، قادر نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ ایسے شرک فی الذات سے قطعاً بیزار ہے۔ اور اس لئے کلام الہی میں عامہ مسلمین کو بتا کر تمام متنبہ کیا گیا ہے کہ دہر کو آلہ، قدیم و قادر ماننے والوں کی باطل گمراہ کن مجوسی تعلیم کو ہرگز ہرگز قبول نہ کرنا چاہئے اور خالص اسلامی شریعت پر قائم رہنا ہی زیبا ہے۔

(۳) سورۃ الباقیہ شعْرُ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ إِنَّهُمْ لَنُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَبَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِكَ بِغَضِ اللَّهِ وَلِ الْمُتَّقِينَ هَذَا ابْعَازُكَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْقَوْمِ الْيُوقِنُونَ، أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا الشَّيْءَ أَن نَّجْعَلَهُم كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، سَوَاءٌ مَّخْيَأُهُمْ وَمِمَّا تَحْتُمُّ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ، وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔

(۴) أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا هُوَ وَآهْلُهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَلَقَ عَلَىٰ سَنَعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غَشَاةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَسْأَلُونَ۔

(۵) وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ۔ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ يُجْتَهُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْأَلُوهُ بِآيَاتِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

(۶) قُلِ اللَّهُ يُخَيِّكُم مِّمَّنْ يُبَيِّنُكُمْ لَكُمْ تُجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَبَيْنَ أَكْثَرِ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُؤْمِرُ بِحَسْرِ الْمُظْلَمُونَ وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَارِثَةً كُلِّ أُمَّةٍ شَدَعَىٰ إِلَىٰ كُتُبِهَا۔ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ هَذَا كِتَابُنَا يُطِيقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ۔ إِنْ كُنْتُمْ لَتَّسِيبُهُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔

(۷) فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ۔ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ۔

(۸) وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَفَرُوا بِكُمُ الْيَقِينُ تَسْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرُوا وَكُنتُمْ قَوْمًا

مُجْرِبُونَ۔

(۹) بروئے کلام الہی کسی مخلوق اور خالق اکبر اللہ تعالیٰ جل شانہ کو ایک ہی ذات قرار دینا قطعاً مستلزم کفر ہے لہذا۔

دہر (نظام شمسی) ایک مخلوق کو ہی بالذات خالق اکبر اللہ تعالیٰ جل شانہ کہنے، ماننے لکھنے والوں کے کفر پر بعض صریح حسب ذیل آیات قرآن مجید دلالت فرماتی ہیں، اور کوئی وجہ مانع نہیں رہی کہ قَاتِلَ اللّٰهُ هُوَ الْاَکْثَرُ کہنے والوں کو کافر نہ کہا جائے۔

المائدہ (۱) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔

۲ (۲) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ ثَلَاثَةٌ۔

لہذا (۱۰) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ۔

(۱۰) دہر (نظام شمسی) چونکہ مخلوق ہے، خالق نہیں، حادث اور فانی ہے قدیم نہیں إلہ نہیں، تا دہر نہیں اس لئے انہی وجوہ پر دہر کو بنیاد اسماء الحسنیٰ باری تعالیٰ بھی شمار نہیں کیا گیا، اور نہ ہی شرع اسلام سے ایسا الحاد اور شرک و کفر جائز ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور دہر (نظام شمسی) مخلوق کو ایک واحد ذات مان لیا جائے۔

(۱۱) سورہ اعراف میں ایسے ہی اشخاص کو ملحد قرار دیا گیا ہے، جو تبلیغاً غیر اسماء الحسنیٰ ناموں سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کردہ کے شیاطین مجوس کی متابعت کر رہے ہیں۔

(۱۲) سورہ الاعراف (۱۲) دَاٰتِلٌ عَلَيْهِمْ نَبَا الَّذِي اٰتَيْنَاهُ اٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۔ وَكَوَيْدُنَا لَوْ فَعَلْنَا اَرْحٰمًا وَّلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلٰى الْاَرْضِمْ وَاَتَّبَعْهُ هُوَ، فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحَبَّلَ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرَكْهُ يَلْهَثْ، ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا فَاقْصِصْ الْقَمَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ، سَاءَ مَثَلًا لِّلْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَاَنْفُسُهُمْ كَالْوَاقِلُوْنَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدٰى۔ وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَا تِلْكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ، وَلَقَدْ ذَرٰنَا لْجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْبَٰحِثِ وَارِثِيْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا، وَلَهُمْ اُذُنٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰقِلُوْنَ۔

(۱۳) وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ وَذُرُوْا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اَسْمَائِهِمْ سَيُّوْۤوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

(۱۴) پس کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے دہری (دہریہ) کے بارے میں جو قَاتِلَ اللّٰهُ هُوَ الدَّهْرُ،

بہ الزمان ۱۰۰ فی القاموس الدہر قد يعد من الاسماء الحسنی والزمان الطویل الدہر
الممدود والف سنة ۱۰۰

اب جواب عرض کرتا ہوں، ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(اَوَّل) دہر کی لغوی تحقیق، جس کا باوجود اختلاف عنوانات تعبیر یہ کے حاصل مشترک یہ ہے کہ نازہ
طویل کو کہتے ہیں، اسی لئے صاحب روح نے کہا ہے فالدہر احسن من الزمان،
(ثانی) جس حدیث میں ان اللہ ہوا الدہر آیا ہے کما سبق عن الجمع والمفردات یا انا الدہر
آیا ہے کافی کتاب الایمان من مشکوٰۃ برواہ الشیخین عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ یوذینی ابن آدم یسب الدہر وانا الدہر بیذا الامر قلب
اللیل والنہار وہ حدیثیں ماوّل ہیں جیسا عبارات بالا میں وہ تاویل باختلاف الفاظ واتحاد معنی مذکور
ہے، اور بعض نے اسما حسنی سے شمار کر کے حاجت تاویل نہیں سمجھی، مگر وہ قول صحیح نہیں، چنانچہ اس پر کوئی
دلیل نہیں، بلکہ آیات مایہلکنا الا الدہر اور حدیث بالا کے الفاظ و سیاق و سباق میں خود کرنے سے
خلاف دلیل معلوم ہوتا ہے۔

(ثالثی) جملہ ان اللہ ہوا الدہر مجمل مجازی صحیح ہے، کما قرره العلماء، البتہ محل حقیقی باطل اور کفر ہے، یہ
حاصل ہے امور مستفادہ عن عبارات کا پس اس کی بنا پر تقریر جواب یہ ہوئی کہ جس اعتقاد کے متعلق
سوال کیا گیا ہے اور ضمناً سوال ہی کے ساتھ جواب بھی دیدیا گیا، وہ اعتقاد بھی اس اعتقاد کے ساتھ اس
جملہ کا تکلم بھی بے شک حسب بیان سائل کفر اور شرک اور الحاد و زندقہ ہے۔ اور اگر باعتبار معنی مجازی
کے ساتھ اطلاق کیا جاوے تو جائز ہے، اور جواز میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے جبکہ حدیث صحیح میں آگیا ہے
اور مدار اس کا قرآن پر ہے، جیسا اصول میں متقرر ہے، کہ معنی مجازی کے لئے قرینہ کی حاجت ہے، خواہ
قرینہ مقالہ ہو جیسا حدیث میں ہے، اور خواہ قرینہ حالہ ہو جیسا علمائے کتب بلاغت میں جملہ انیس
الربیع البقل کے مشکلم کی توحید و دہرہ کو اسناد کے حقیقی یا مجازی ہونے کا قرینہ قرار دیا ہے، اور راز اس کا
یہ ہے کہ دہری کا مقصود ایسے قول سے صالح اور اس کی فاعلیت کی نفی اور دہر کی فاعلیت کا اثبات ہوگا
اور موصد کا مقصود اس کا عکس یعنی دہر کی فاعلیت کی نفی اور صالح کی فاعلیت کا اثبات ہوگا، اس کی نظر
جعل کے دو معنی میں سے نصوص میں ایک کا ابطال دوسرے کا احقاق ہے۔ کافی رسالتی مسائل السو
قول تعالیٰ اَجْعَلْ الْاِلَٰهَةَ الْاِلٰهًا وَاَجْعَلْ اِنْفِی الرُّوحِ نَفِی الْاِلٰهِیۃِ عَنْہَا وَتَقْضِہَا عَلٰی وَاَحْدًا لِّجَعْلِ
بالمعنی التصییر و لیس تصییر فی الخارج بل فی القول والتسمیۃ کما فی قولہ تعالیٰ وجعلوا لللائلۃ

الذین هم عباد الرحمن انا فا قلت فهذا جعل كما في قوله عليه السلام من جعل له مومهما
واحدا هم الاخرة الحديث وظاهر ان المراد ليس اتحاد الهمين بل تقي لهو الدنيا والاقتصاد
على هو الاخرة فافهم انه لو فرق بين دهرى اور موعده کے قول میں باقی مشرکین کا یہ کہنا مایہلکنا
الا الدھر اس کا منشاء گو اسناد حقیقی دہریت و انکار صالح نہیں، اور اس کا ابطال اس بنا پر نہیں
کما دل علیہ قولہ تعالیٰ ولئن سألتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله، لیکن ایک دو سر امتنا
ہے یعنی انکار معاد اور وہ منشاء بھی باطل ہے، اس لئے اس کا ابطال کیا گیا، کما بیعتہ فی تفسیری بیان القرآن
وسانقلہ ملخصا،

نقل اقوال منکرین معاوم جواب

وقالوا ما هي الا حياتنا الدنيا الى قوله تعالى ان هم الا يظنون اور یہ (سب کا انکار کرنے والے)
لوگ یوں کہتے ہیں کہ بجز ہاری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات (آخرت میں) نہیں ہے، ہم یہی ایک مرتا
موتے ہیں، اور یہی ایک جینا جیتے ہیں (مقصود تو حصر کرنا حیات کا ہے حیات دنیویہ میں اور موت کا حصر
تبعا نظیر کے طور پر بیان کر دیا کہ دیکھو موت تو بالاتفاق ایک ہی ہے، اسی طرح حیات بھی ایک ہی ہے
اور ہم کو صرف زمانہ (کی گردش) سے موت آجاتی ہے۔ (مطلب یہ کہ مرور زمان سے قویٰ بذریعہ تحلیل ہوتے
ہیں، اور ان اسباب طبعیہ سے موت آجاتی ہے، اور اسی طرح حیات طبعیہ کا سبب بھی امور طبعیہ ہیں
پس جب موت و حیات مقتضا اسباب طبعیہ کا ہے، اور حیات ثانیہ کو اسباب طبعیہ مقتضی ہیں نہیں
تو حیات ثانیہ دہوگی تو یہ قول مایہلکنا الخ بمنزلہ دلیل کے ہے، قول ما ہی الا حیاتنا پر، اور اس سے یہ
لازم نہیں آتا کہ وہ خدا کے مستکر ہوں اور آگے اس کا ابطال ہے، آخر رکوع بلکہ آخر سورت تک
پس بعد گذشتہ سوال کے سب اجزاء کا جواب ہو گیا، ولقبت الجواب بالنعم (بحسبى الزجر)
للمؤمن بالذہر۔

کتابہ اشرف علی الخس وعشرین من جماعہ الاخری مشہور

(النور ص ۶ جمادی الاول ۱۲۵۵ھ)

سوال جواب ملقب بتنبیہ المسلمین علی تمویہ العالم الخابط بالمشرکین،

رسالہ متعلق بائمیں سوال (۶۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔

۱) کیا ایک مذہبی عالم اور پیشوائے دین ہے، وہ ایک ایسی جماعت میں شریک ہوتا ہے اور

عام مسلمانوں کو شریک کرنا چاہتا ہے۔ (الف) جس کے مسلم اور غیر مسلم (مشرک یا دھرمی) شرکا، میں چنگ
مجموعہ بقاعدہ عقلیہ جماعت غیر مسلم ہے، ایک بڑی تعداد ایسے اشخاص کی ہے جو اشتراکیت (سوشلیزم)
کی حامی اور بلا لحاظ احکام شریعت ملک پر اقتصادی مساوات قائم کرنے کے حامی اور عملاً گوشاں ہیں۔
(ب) وہ جماعت اپنے سیاسی اقتدار اور آئینی قوت سے ایسے احکام و قوانین نافذ کرتی ہے، جن کے ذریعہ
سے وراثت، ملکیت، اوقاف اور ذاتی حقوق ملکیت کے متعلق شریعت اسلامی کے احکام کی خلاف ورزی
ہو۔ (ج) جس زمین کا حق ملکیت بروئے قانون شریعت و مقامی رواج ایک مسلمان کو حاصل ہے، یہ
جماعت اس کی پیداوار کے منافع کو اس مسلمان کی مرضی کے خلاف غیر مسلم کا شتکار کے حق میں کلاً یا جزئاً
چھوڑنا چاہتی ہے، اور زمیندار اور کاشتکار کے درمیان اس پیداوار یا اس کی قیمت کی تقسیم کے متعلق
جو معاہدہ ہے یا ہو سکتا ہے اس کے نفاذ کو اپنے آئینی احکام سے وہ جماعت روکتی ہے (د) اس جماعت
کے احکام اور طرز عمل سے وقفی اراضیات یا ان کی پیداوار و آمدنی منشاء، اوقاف اور بلا مرضی متولی کلاً یا جزئاً
کاشتکاروں کے حق میں چھوڑ دی جاوے بغیر کسی ایسے قدرتی نقصان کے جو پیداوار میں کسی غیر معمولی کمی
کا باعث ہوا ہو۔ اور اسی طرح اس جماعت کے فعل یا ترک فعل سے اوقاف اسلامی کا کاروبار کلاً یا جزئاً
بند ہوتا ہو بجا لیکہ کاشتکار ایک مقررہ یا قرار یافتہ منسی یا نقدی لگان اس اراضی کا سالہا سال سے
دیتے رہے ہوں اور اس جماعت کی رخنہ اندازی نہ ہونے کی صورت میں آئندہ بھی دیتے رہنے کے لئے تیار
ہوں (ه) اس جماعت کا صدر اور قائد جس کے اشاروں اور احکام پر یہ جماعت اپنا کام چلاتی ہے،
صاف الفاظ میں اس کا اعلان کر چکا ہو کہ اراضیات کا حق ملکیت کاشتکاروں کی طرف بغیر کسی معاوضہ
کے منتقل ہوتا چاہئے۔

ایسی جماعت کے ساتھ جو عالم اشتراک عمل کرے یا دوسرے مسلمانوں کو اس کے ساتھ اشتراک
عمل پر آمادہ کرے، وہ گنہگار اور احکام شریعت کے خلاف درزی کے جرم میں شریک سمجھا جائے گا یا نہیں
(۲) شرکت کے بعد اگر ان مفاسد کے روکنے پر ایسا عالم اس جماعت کو مجبور نہ کر سکے، تو اس کے
لئے کیا حکم ہے، اور مسلمانوں کو اس کا اتباع کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۳) یہ جماعت اگر سود، منشیات، زنا کاری اور دیگر مذہبی جرائم کے فوری انسداد کے لئے احکام
نافذ کر دینے کا قانونی حق رکھتی ہو اور نہ کرے تو ایک لمحہ کے لئے بھی اس جماعت کی شرکت اور اس کے
ساتھ اشتراک عمل کسی مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں اور جو عالم اس میں شریک ہو کر ایسے انسداد کا
فوری حکم جاری نہ کر سکے، وہ اس جماعت کی شرکت پر شرعی مجرم ہوگا یا نہیں؟

(۳) وہ جماعت مسلمانوں کے مذہبی معاملات و نزاعات کے تصفیہ کے لئے جیسے کہ تہبہ، شفعہ، طلاق، تہر وغیرہ) اسلامی قوانین کا نفاذ اور اسلامی عدالتوں کا تقرر کر سکتی ہے لیکن نہیں کرتی، اس کی شرکت یا اس میں شریک ہو کر فوراً ان چیزوں کے لئے اس جماعت کو مجبور نہ کرنا اور پھر بھی نہ کرے تو اس کو نہ چھوڑنا شرعاً کیسا ہے، اور ایسے عالم کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں جو دانستہ ان خلاف و مذہبیوں کا مرتکب ہوتا رہے

الجواب، ان سوالوں کا جواب اس قدر ظاہر ہے کہ لکھنا تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے لیکن محض ایقان نامین کے درجہ میں نہایت مختصر لکھتا ہوں، اس جماعت کے جو اغراض و مقاصد و اعمال سوال میں مذکور ہیں، ان کا خلاف دین اور ضلالت محض ہونا ظاہر ہے، جیسے مساواة بمطلہ احکام شریعت اور ابطال احکام وراثت و تملیک و اوقاف و حقوق ملک خاص و حقوق شرعیہ زبیدار اور حقوق وقف یا حتیٰ کا حق غیر مستحق کے لئے ثابت کرنا یا جن منکرات کے اتسار پر قدرت ہو ان کا السداد نہ کرنا، یا جن احکام شرعیہ کے انفاذ پر قدرت ہو ان کو نافذ نہ کرنا ظاہر ہے کہ یہ سب ضلال محض ہیں، جس کی کسی مسلمان کو اجازت نہیں، نہ ارتکاب کی، نہ مرتکب کے ساتھ شرکت اور اعانت کی، نہ قدرت ہوتے ہوئے سکوت و تسامح کی اور نہ عجز کے وقت رضا کی، نہ دوسروں کو ان افعال کی طرف یا ان کے فاعلین کے ساتھ تعلق رکھنے کی طرف دعوت دینے کی اور اگر کوئی شخص ایسی جماعت کے ساتھ شرکت کی دعوت دے، خواہ جاہل ہو وہ خواہ عالم صریح ان نصوص کے خلاف کر رہا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (البوسید) رفعہ من رای منکم متکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فلیسأته فان لم یستطع فلیقلبه وذلك اضعف الايمان، المسلم واصحاب السنن (ابن مسعود) رفعہ ان اول ما دخل النقص علی بنی اسرائیل کان الرجل یلقی الرجل فیقول یا هذا اتق اللہ ودرع ما تصنع فانہ لا یحل لك ثم یلقاه من الغد وهو علی حالہ فلا یمنعه ذلك ان یکون اکیلہ وشریبہ وفعیدہ فلما فعلوا ذلك ضرب اللہ قلوب بعضہم علی بعض ثم قال لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل الی قاسقون الحدیث، لابی داؤد والترمذی (جریون عبد اللہ) رفعہ ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیہم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیہ ولا یغیرون الا اصابہم اللہ بعقاب قبل ان یموتوا۔ لابی داؤد وعریس بن عمیرہ الکندی) رفعہ اما عملت الخطیئة فی الارض کان من شہدائها فانکرها کن غاب عنها، ومن غاب عنها فرضیہا کان من شہدائها، لابی داؤد (جابر) رفعہ اوحی اللہ الی ملک من الملائکة ان اقلب مدینة کذا علی اهلها قال ان فیہا عبدک فلان لم یعصک طرفة عین قال اقلبها علیہ فان وجهہ لم یمقر فی ساعة قطہ للاوسط بلین یعنی لم یغضب اللہ (الروایات کلها فی جمع الفوائد)

وعن ابی ہریرۃ مرفوعاً ومن دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من تبعه لا ينقص ذلك من آثامهم شيئاً، رواه مسلم، عن انس مرفوعاً العلماء امناء الرسل على عباد الله ما لم يخالفوا السلاطين فاذا فعلوا ذلك فقد خانوا المرسل فاحذروهم واعتزلوهم وتخربهم العراقي لاحاد في الاحياء عن العقيلي في الضعفاء كتاب العلم الباب السادس واوردہ السيوطی عن الحاكم عن انس مرفوعاً وزاد فيه بعد ما لم يخالفوا السلاطين ويدخلوا في الدنيا قال السيوطی الحديث ليس بموضوع الى قوله ولما شهدا هذه المعاناة كثيرة صحيحة وحسنة فوق الاربعين ويحكم له بالحسن واللا في المصنوع كتاب العلم قلت انظر الى قوله عليه السلام فاحذروهم واعتزلوهم اور ایسے غیر ممتاز عالم کے متعلق اسلامی قانون یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت ہو تو فتویٰ دینے سے مانعت کر دی جاتی ہے، کما فی الدر المختار وغیرہ کتاب البحر ما جن يعلم المحلی الباطلة كتعليم الردة لتبين من زوجها وتسقط عنها الزكاة في رد المختار قوله كتعليم الردة الخ وكالذي يفتي عن جهل شغلالية عن الخاتمية، بلکہ یہ عالم مذکور فی السؤال اس مفتی ماجن مذکور فی الكتاب سے بھی احق بال منع ہے، کیونکہ اس ماجن کا فتویٰ حدود قانون کے اندر تو ہے کسی تاویل سے ہے یا ناواقفی ہے، اور اس مسؤل عنہ کا تو صریح گمراہی و مخالفت نصوص کی دعوت ہے، اور یہ منع خاص انہی غلط مسائل کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مطلق ہے، کما ہو ظاہر، پس ایسے عالم سے تمام مسائل میں فتویٰ لینے سے قطع تعلق ہی کر دینا چاہئے، اور بقدر شدیدہ، کہ کسی مقام پر کوئی ثقہ مفتی نہ ہو کما فی رد المختار ایضاً تحت قوله يمنع لان المفتي لو افتى بعد الجور اصاب جازا، اور ایسے عالم کے پیچھے نماز پڑھنا بلا ضرورت مکروہ ہے، کیونکہ اگر ان امور کا ارتکاب کسی شبہ و تاویل باطل سے ہے تو بدعت ہے، ورنہ فسق اور دونوں کی امامت مکروہ ہے، صریحاً فی کتب الفقہ اور ضرورت یہ ہے کہ اور کوئی امام اہل نہ ہو، لیکن یہ سب احکام مذکورہ فتویٰ قادری کے لئے ہیں، اور عاجز معتزل کے لئے صبر کا حکم ہے، کما بن عمر سمعت الحجاج یخطب فذكر، کلاماً، انکرتہ فاددت ان اغیره فذکرت قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبی للمومن ان یدل نفسه قال یتعرض من البلاء لما لا یطیق للیزاردا کبیر والامط رابو امامہ) رفعہ اذا رايتهم امرالا تستطیعون غیرہ قاصداً حق یكون الله هو الذي يغیره، للکبیر یضعف (لکن الحکم ثابت بالقطعیات) کذا فی جہم الفوائد ولنعم ما قيل في الصبر والتفویع فی مثل هذه الرزايا والبلايا وقد خرم حين تقاؤل من الصلحاء

صبراً باحق قرب کردائے فلاں آخر العصر را آگہہ بخوان

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید کیمیا نے، پھو صبر آدم ندید
 (الی قولہ) قوم دیگر مرثنام ز اولیا کہ وہاں شاں بستہ باشد از دعا
 (یعنی بنفس) حسن ظنی بر دل ایشان کشود کہ بنو سغند از عمر جامہ کبود
 ہرچہ آید پیش ایشان خوش بود آب حیواں گردد از آتش بود
 (ثوقال) پس چرا گوید دعا الا مگر درد عا بستد رننائے دادگر
 (دفتر سوم) مثنوی قمع لقمان و بہلول) - کتبہ اشرف علی ۲۰ ج ۲ ص ۶۷
 (النور، ص ۳۱، رجب ۱۳۷۷ھ)

الطریق الائم فی شرائط اتحاد الائم

رسالہ متعلق کانگریس | (۱۱۳۳) بعد الحمد والصلوة، آجکل کانگریس کے ساتھ بعض مسلمانوں کا اتحاد مسئلہ زیر بحث ہو رہا ہے، حالانکہ جس ہیئت سے یہ اتحاد ہو رہا ہے وہ محل بحث ہونا چاہئے، کیونکہ اس کے مفاسد بین اور مشاہد ہیں جن کا اقتضاء شرعی قواعد سے ظاہر ہے، کہ اگر یہ اتحاد فی نفسہ جائز بھی ہوتا تب بھی بوجہ لزوم مفاسد کے ناجائز ہوتا، جیسا کہ بہت سے فروع اسی اصل پر مرتب ہیں حتیٰ کہ مباح سے بڑھ کر مستحبات تک پر اس عارض لزوم مفاسد بلکہ ایہام مفاسد کے سبب بھی عدم جواز کا حکم کر دیا جاتا ہے لیکن یہاں تو اس عارض کے علاوہ بعض ضروری شرائط کے فقدان کے سبب یہ اتحاد فی نفسہ بھی ناجائز ہے، اور ان شرائط میں شرط اعظم یہ ہے کہ اس میں اسلام کا حکم غالب ہو، اور غیر مسلم قوم حکم اسلام کے تابع رہیں، جیسا کہ سر کبیر وغیرہ کتب مذہب میں یہ شرط مصرح ہے، مگر اس میں بعض اہل علم نے جو اس اتحاد کے حامی ہیں، ایک نئی ایجاد کی کہ جب احکام فقہ میں اس کی گنجائش نہیں پائی تو بعض روایات حدیث سے استدلال کرنا شروع کیا، اور اس کو نئی ایجاد کی وجہ سے کہا گیا۔ ایک اس لئے کہ یہ ایک قسم کا اجتہاد ہے جس کا بوجہ فقدان اوصاف اجتہاد ہم کو حق نہیں، دوسرے اس لئے کہ وہ روایات ہنوز محتاج توثیق ہیں، جس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ تیسرے اس لئے کہ ان روایات میں خود ایسے قیود ہیں جو مانع استدلال ہیں، چونکہ دو امر سابق کا بار اراجات مستدللین کے ذمہ ہے اس لئے ہم اس کے تو منتظر ہیں البتہ امر ثالث میں قیود کے ہم مدعی ہیں، اس لئے وہ روایت مع القیود جس کو ایک ثقہ عالم نے سیرت ابن ہشام سے اور اس روایت کے متعلق ایک درایت روض الف سے نقل کر کے مہرے پاس بھیجی، بعینہ ان کی عبارت میں ذکر کرتا ہوں۔ وہی ہذا۔

بالتحیال وسط کذا فی القاموس ای المستقیم

یہاں آکر میں نے سیرت ابن ہشام کی مراجعت کی، اس میں یہ عبارت ہے۔

وان علی اليهود نفقة یهود علی المسلمین نفقتهم وان یدفعوا النصر علی من حارب اهل هذه
الصحیفة الی ان قال وانه ما كان بین اهل هذه الصحیفة من حدث او اشتیاء یخاف فساد
فان مودة الی الله عز وجل والی محمد رسول الله ﷺ علیه وسلم رسالة ابن هشام علی
ها مش الروض الانف، مکتبہ ۲۰ -

عہد نامہ کے شروع میں یہ الفاظ ہیں۔ ہذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
بین المومنین والمسلمین من قریش و یثرب ومن تبعہم فلاح یجوز جاهد معہم انہم
امة واحدة من دون الناس الخ (مکتبہ)

درمیان میں ہے۔ وان المومنین بغضہم مؤالی بعض دول الناس وانه من تبعنا من اليهود
فان لنا النصر والاسوة غیر منطلومین ولا متناصرین علیہم (ص ۱۴)

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ معاہدہ کے دو فریق مسلمین اور یہود ہیں، لیکن اول متبوع ثانی
بطور تابع (کما دل علیہ من تبعنا من الیہود) اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور ایک حاکم مسلمہ
فریقین کے ہیں گویا یہ معاہدہ اس نوع کا ہے جو اہل اسلام اور اوردزمین میں ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت کے
احوال خصوصی کی وجہ سے زمین کے ساتھ بالکل ویسا معاملہ نہیں ہو سکتا تھا جو اس کے بعد ان کے حق میں
قرار پایا، اس لئے سہیلی نے اس جگہ ابو عبیدہ کا یہ جملہ نقل کیا ہے قال ابو عبیدہ فی کتاب الاحوال
انما کتب رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم ہذا الکتاب قبل ان تفرق الحزبۃ اذا کان
الاسلام ضعیفا قال وكان لليهود اذا ذاك نصيب في المغنم اذا قاتلوا مع المسلمين كما شرط
عليهم في هذا الكتاب النفقة معهم في الحروب (الروض ص ۱۴)

اب ملاحظہ فرمایا جاوے کہ یہ قیود اس اتحاد حاضر میں کہاں ہیں، اس لئے اس اتحاد کا جواز بھی اس
روایت سے ثابت نہیں، یہاں تک مقصود کی تقریر تو ہو گئی، اس کے بعد ضمیمہ کے طور پر مینا بدست
مقام مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد کا حکم بھی لکھتا ہوں، خصوص اس وجہ سے بھی کہ بعض حضرات کانگریس
کے مفاسد کے جواب میں اکثر اہل مسلم لیگ کے بعض اعمال دینیہ کی کوتاہیاں پیش کر کے بطور الزام کے
ان کوتاہیوں کو اس کے ساتھ اتحاد کرنے کے جواز سے مائع قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ کہاں اصل ایمان
کا فقدان کہاں فروع اعمال کا نقصان۔ تو ایک کا قیاس دوسرے پر محض فاسد اور قیاس مع الفاقی
ہے، خصوص جبکہ اس دوسرے نقصان کی اصلاح کی توقع بھی قریب ہو، چنانچہ اس کی کوشش شروع بھی ہو گئی

ہے (اللہ تعالیٰ سے میں بھی دعا کرتا ہوں اور دوسرے مسلمان بھائیوں سے بھی دعا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو کامیاب فرماوے) پس اس قیاس کے جواب کے لئے اول تو اس کے قضا کا ظہور ہی کافی ہے، کما ذکر، مگر تیرا اس کے متعلق ایک مذہبی روایت بھی شرح میر سے نقل کرتا ہوں۔ وہی ہذہ بدوی شرح السیر والایاس بان یقاتل المسلمون من اهل العدل مع الخوارج، المشرکین من اهل الحوب لا ینہم یقاتلون الان لدفع فتنة الکفر فہذا قتال علی الوجه المامور بہ، وهو علاء کلمۃ اللہ تعالیٰ، بخلاف ما سبق فالقتال ہذا لا ظہار ما ہو ما مثل عن طرق الحق وھہنا لاثبات اصل الطريق ۱ ص ۲۴۱ ج ۳

اور ظاہر ہے کہ اہل مسلم لیگ کی کوتاہیاں خوارج کی بددینی کے درجہ تک تو نہیں، پھر جب کفار کے مقابلہ کے لئے خوارج کے ساتھ اشتراک عمل جائز ہے تو مسلم لیگ کے ساتھ بددینہ اولیٰ جائز ہوگا۔ پس اس تحریر سے کانگریس اور مسلم لیگ کی حقیقت اور حکم میں صاف فرق ظاہر ہو گیا، اگر اس پر بھی کوئی شخص اپنے قیاس فاسد پر اصرار کرے تو تفریحاً و تبراؑ اس کے سامنے مولانا رومی کا ارشاد ملخصاً پیش کر دیا جائے ۵

خوش نوا و سبز و گویا طوطے	بود بقالے مرا و را طوطے
برو کاں طوطی نگہبانی نمود	خواہ روزے سوئے خانہ رختہ بود
بہر موشے طوطیک از بیم جاں	گر بہ برجست ناگہ از دکان
شیشہ ہائے روغن بادام رنجیت	جست از صدر دکان سکو گرجیت
برو کاں نشست فارغ شاد و خوش	از سوئے خانہ بیامد خواہ اش
بر سرش زد گشت طوطی کل ضرب	دید پر روغن دکان و جاش چرب
مرد بقال از ندامت آہ کرد	روز کے چندے سخن کوتاہ کرد
برو کاں نشست بد نومید و ار	بعدہ روز و نہ شب حیران و زار
کاسے عجب این مرغ کے آید بگفت	باہزاران غصہ و غم گشت جفت
با سر بے موبساں طاؤس طشت	ناگہانے جو بقیے میگذشت
بانگ برغئے زد بگفتش در عیاں	طوطی اندر گشت آمد در زماں
تو گرا از شیشہ روغن رنجیتی	گز چلے کل باکلاں آیمختی
کو چو خود پنداشت متاقل را	از قیاسش خندہ آمد خلق را

حروف مادہ ہیں دوسرے کلام مقدس کے، نیز علاوہ خطوط کے تمام کتب شرعیہ دینیہ بلا تکیہ ڈاک میں روانہ کی جاتی ہیں، حالانکہ بے ادبی ان کی بھی ناجائز ہے، یہ سب مجموعی دلائل اس باب میں کافی سے زیادہ ہیں کیا تمام امت کے علماء، حضرت عمرؓ کے مذاق سے ناواقف تھے، یا نعوذ باللہ اس مذاق کے مخالف تھے یا حضرت عمرؓ کا مذاق نعوذ باللہ نص ارسال کتب نبویہ کے خلاف ہو سکتا ہے، اور راز اس کا دو امر ہیں، ایک یہ کہ مدار ادب کا عرف پر ہے، چنانچہ اصولیین کی تحقیق کا نقل لہما اُف کے متعلق اس کی دلیل ہے، اور ظاہر ہے کہ ڈاک میں اس طرح سے روانہ کرنا عرف خلاف ادب نہیں سمجھا جاتا، دوسرا امر یہ کہ شریعت میں ضرورت کو خصوص ضرورت دینیہ کو احکام کی تسہیل و تخفیف میں خاص طور پر مؤثر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ علماء و شراح حدیث نے حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا میں تصریح فرمایا ہے کہ اشد المفسدین کے دفع کے لئے اخف المفسدین کا تحمل کر لیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اگر ایسی روانگی ڈاک میں مفسدہ بھی ہو تب بھی اشاعت قرآن مجید و کتب دینیہ کے بندیا کم ہو جانے کے مفسدہ سے بہت اہون و اخف ہے، اس لئے اس کو گوارا کیا جائے گا ورنہ اس وقت اشاعت مذکورہ مقصودہ فی الدین کا کوئی ذریعہ ہی نہیں اور مفسدہ کا اعظم ہونا ظاہر ہے، واللہ اعلم۔

نوٹ: البتہ ان نمونوں پر اگر یہ بھی چھاپ دیا جائے کہ ان کو ادب سے رکھیں تو بہتر ہے۔ تاکہ پہنچنے کے بعد بلا ضرورت بے ادبی نہ ہونے پائے۔ (النور ص ۹، شعبان ۱۴۳۵ھ)

رسالہ تسویۃ اسطیٰ — تصفیۃ بعض اسطیٰ

کیا جلوہ الہی پر کیٹل میں ہوگا | سوال (۶۱۵) کتاب اقتباس الانوار تصنیف محمد اکرم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاشی کی دیکھی جس کے صفحہ ۲۹ پر شیخ محمد صادق گنگوہی کے تذکرہ میں یہ عبارت دیکھی کہ ”از شیخ فرید گنج شکر منقول است کہ فرمودہ اگر اللہ تعالیٰ مراد روز قیامت جمال باکمال خود بصورت پیر من خواہد نمود خواہم دید والا نہ چشم بدان سو نخواہم کشود و ہم چنین حضرت شیخ المشائخ فرمودہ کہ اگر فردا روز بانبیرس جمال حق نہ نظرم بصورت پیر من جلوہ نماید خواہم دید والا نہ روسے از اینجا خواہم گردانید مخفی نمائند کہ از اینجا معلوم می شود کہ رویت حق تعالیٰ و روز قیامت مریدان صادق را بصورت پیرایشان خواہد بود بلکہ الحال ہم مریدان صادق را جمال حضرت رسالت پناہ و حضرت حق تعالیٰ در آئینہ صورت پیر جلوہ گراست، و نیز زیں بیان معلوم شد کہ کسانیکہ نسبت دیندگی شیخ کامل و کمل پیدا نکردہ یا بعد پیدا کردن این نسبت باعتبار شیخ خود ثابت کنندہ اند در ہر دو جہاں از رویت محروم اند (من کان فی ہذہ اعمیٰ) در شان این چنین مردم نازل گشتہ“

امید کہ باوجود مختصر ہونے کے یہ تحریر انشاء اللہ تعالیٰ طالب منصف کے لئے کافی ہو جاوے گی،
والعلم بالمحیط عند اللہ، ونسئلہ توفیقہ و ہدایہ۔

مکتبہ

اشرف علی ٹیلٹے شہر شوال ۱۳۵۳ھ (النورین) شوال ۱۳۵۳ھ

الصَّحَافُ فِي اللَّفَائِفِ

قرآن مجید کا ڈاک میں ڈالنے ابی نہیں سوال (۶۱۳) رسالہ صوفی اور آب حیات دو پرچے میرے ہاں سے شائع ہوتے ہیں قرآن مجید کی اشاعت کی غرض سے ان میں قرآن مجید کا اشتہار اور نمونہ ہر ماہ شائع ہوتا ہے، ڈاک میں کیا حق ادب نہیں ہو سکتا، بعض لوگوں نے اعتراض بھی کیا ہے، آج کی ڈاک میں ایک صاحب نے لکھا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کا زمانہ ہوتا تو اس بے ادبی کی سزایہ دی جاتی کہ تم کو تختہ پر لٹکایا جاتا، میرے بدل میں بھی کچھ وہم پڑ گیا ہے، اس لئے یہ نمونہ عام طور پر پیش کیا جاوے یا اس کی اشاعت کو بوجہ بے ادبی بند کیا جائے اور پھلی اشاعت کے متعلق اگر یہ گناہ ہے تو توبہ کی جاوے۔

الجواب: ولقبته بالمصحات في اللفائف بعموم المصاحف للمصاحف والكتب الدينية
آپ کی خشیت و تعظیم احکام شرعیہ سے جی خوش ہوا، اور بطور مانعہ الخلود کما فی تفسیری) وعدہ ومن تيق اللہ
یجعل له خيرا الاية، ظاہر ہوا، چنانچہ جواب سے واضح ہے، دھو ہذا، فی العالم کیونکہ الباب الخامس من
كتاب الكراهية و اذا حمل المصحف او هوى من كتب الشريعة على دابة في جوالق و دكب صاحب
الجوالق على الجوالق لا يكره كذا فی المحيط، کیا یہ صورت بے ادبی کی ڈاک میں بھیجنے کی صورت سے اشد
نہیں ہے پھر جائز رکھی گئی، نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض مبارک فرمالوں میں جو بنام شاہ
عجم تھے قرآن مجید کی یہ آیت لکھوائی فتل یا اهل الكتاب تعالوا الى كلمتنا سواء بيئتنا الحرة، اور معلوم
تھا کہ یہ فرمان مع آیت مقدسہ کفار کے ہاتھ میں پہنچنے کا، جن بے کسی آداب سلامی کی بھی توقع نہیں، کیا یہ
صورت کہ مسوس ظاہر اور ماس غیر ظاہر میں کوئی حامل بھی نہیں ڈاک میں بھیجنے کی صورت سے کہ یہاں حامل کے
سبب مس بھی نہیں اشد نہیں پھر جائز رکھی گئی۔

نیز تمام امت کا تعامل خطوط کے اندر بسم اللہ یا دیگر کلمات مقدسہ لکھنے کا شائع ہے، جو بوجہ جزو قرآن
یا حدیث یا دیگر وجوہ سے محل ادب ہیں، چنانچہ یہ فتویٰ جو کہ فقہ کا ایک جزو ہے ڈاک میں جا رہا ہے، حالانکہ
مثل قرآن مجید کے بے ادبی ان کی بھی جائز نہیں، کما ہو ظاہر و صرح بہ الفقہاء، اور فقہاء نے تو خود حروف
مکرمہ و مفردہ تک کی بے ادبی کو ناجائز فرمایا ہے، گو اب وہ جہل ہی کے نام کے حروف ہوں محض اس بنا پر کہ یہ

اس عبارت کا کیا حاصل ہے، سوال تجلی کی بابت ہے کہ کیا باری تعالیٰ کی زیارت بموجب عبارت مذکورہ ہر ایک ایک کو اپنے مرشد کی صورت میں ہوگی، کیا باری تعالیٰ کی صورت انسانی نظر آئے گی، دوسرے جبکہ مرشد فقط وسیلہ باری تعالیٰ تک پہنچانے کا ہے اور مقصود طالب کا زیارت باری تعالیٰ ہے، اور محبت بھی اصل میں باری تعالیٰ کی ہے، اور پیر جبکہ باری تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اس وجہ سے اس کی محبت اور اطاعت بھی مقصود ہے، مگر اصل مقصود باری تعالیٰ ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے باری تعالیٰ کی زیارت بھی پیر کی صورت میں طلب کی ہے، اور بغیر اس کے دیکھنے کو ناپسند کیا ہے، بلکہ نظری نہ کرنے کو لکھا ہے، اور آخر عبارت میں یہ لکھا ہے کہ زیارت باری تعالیٰ ہوگی بھی پیر کی شکل میں، اس سے شبہ ہوا کہ جب مقصود باری تعالیٰ ہے تو زیارت بھی باری تعالیٰ کی ایسی ہو جس سے باری تعالیٰ ہی سمجھ یا نظر میں آئے اگر مرشد کی صورت میں زیارت باری تعالیٰ کی ہوئی تو فقط مرشد ہی نظر آئے گا۔

الجواب۔ اول چند مقدمات مہد کرتا ہوں :- اول شیخ اکبر رح کا قول ہے جو مجھ کو خوب یاد ہے، مگر اس وقت حوالہ کا مقام مجھ کو نہیں ملا کہ جب سے انسان پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی رویت جس کو ہوئی ہے انسان کی صورت میں ہوئی ہے، اور اصل دلیل تو اس قول کی کشف ہے، لیکن ایک درجہ میں نصوص سے بھی اس کی تائید بدرجہ استیناس ہو سکتی ہے، حدیث میں ہے دأیت ربی فی احسن صوۃ اور قرآن میں ہے قوله تعالیٰ صور کو فاحسن صور کوہ و قوله تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقوید و دونوں کے ملائے سے وہ دعویٰ قریب بصوت ہو جاتا ہے۔ ثانی، انسان عام ہے خواہ معین و معروف ہو جیسے کسی خاص شناسا کی صورت خواہ غیر معین و غیر معروف ہو جیسے ناآشنا کی صورت، مگر صاحب صورت مومن ہو، شالغ معروف میں جو صورت سب سے احسن ہوگی وہ احق ہوگی، کہ اس میں رویت ہو۔ رابع مرید کی نظر میں سب سے احسن اپنے شیخ کی صورت ہوگی، جس کی وجہ محبت ہے، اگرچہ حسن ظاہری کے اعتبار سے وہ اکمل نہ ہو، چنانچہ مشاہد ہے اور عشاق کی شہادت بھی ہے، کماتال قالہم سے

آں دل کہ رم نمودے از خویرے جاناں دیرینہ سال پیرے بروش بیک نگاہے
اور چونکہ مرید کو فیض باطنی اسی صورت کے واسطے سے ہوا ہے، اس لئے احسنت اس کی نظر میں دوبالا ہو جاتی ہے، اس سے بالاضام مقدمات سابقہ اقرب و اغلب یہ ہے کہ اس کو شیخ کی صورت میں رویت ہوا کرے، الا عارض حکمہ یقتضی ضدہ، خامس، اگر غیر صورت شیخ میں رویت ہو اور مرید اس سے اعراض کرے تو اس اعراض کی بنا، یہ نہیں کہ وہ اس کے اعتقاد میں رویت حق ہے اور یہ محض اس بنا پر کہ غیر صواب شیخ میں ہے، پھر اس سے اعراض کرتا ہے، بلکہ بتا رہے کہ وہ اس کے اعتقاد میں رویت حق

ہی نہیں، چنانچہ اقتباس کی یہ عبارت اس پر دال ہے "ازینجا معلوم می شود کہ رویت حق تعالیٰ سبحانہ در روز قیامت مریدان صادق بصورت پیرایشان خواهد بود بلکہ الحال ہم مریدان صادق را جمال حضرت رسالت پناہ و حضرت حق تعالیٰ در آئینہ صورت پیر جلوه گراست" اہ جب ان حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ جب کبھی رویت حق ہوگی شیخ ہی کی صورت میں ہوگی، تو ظاہر ہے کہ جب غیر صورت میں ہوگی تو وہ رویت حق نہ ہوگی، پھر اس سے اعراض محل اعتراض و اشکال کیا ہو سکتا ہے، اس کی نظیر ایک طویل حدیث میں وارد ہے، اس کا ضروری اقتباس نقل کیا جاتا ہے، ردی مسند عن ابی سعید الخدری عن مرفوعاً حتی اذ لم یبق الا من کان یعبد اللہ تعالیٰ من بعد فاجأناہم رب العالمین فی ادنی صلیۃ من التی رأوہ فیہا رای عوفہ بھا کما فی لفظ ابی ہریرۃ و بقی ہذہ الامۃ فیہا منافقون فیا تھم اللہ تعالیٰ فی صورۃ غیر صورۃ التی یعرفون الحدیث ای قبل ذلک فی الدنیا و یکون ہذا تجلیا مثالیاً کما ہو ظاہر مدلول لفظ الصورۃ قال فماذا انتظرون یتبع کل امة ما کانت تصدق الوایارینا فارقتنا الناس افقر ما کنا الیہم ولم یلما جہہم فیقول انا ربکم فیقولون نعوذ باللہ منک لا نشک باللہ شیئاً مرتین او ثلثاً وغیرہ فیقول هل بینکم او بینہ ایہ فتعارفونہ فیقولون نعم فیکشف عن ساقی فلا یبقی من کان یسجد اللہ من تلقاء نفسه الا اذن لہ بالسجود و فیہ ثم یرفعون رؤسہم و قد تھول فی صور التی رأوہ فیہا اول مرۃ فقال انا ربکم فیقولون اللہ ربنا۔ اس میں تصریح ہے کہ مومنین نے ایک تجلی کے وقت اس لئے انکار کیا کہ وہ ان کی صورت ذہنیہ حاصل فی الدنیا کے خلاف تھی، اور اس پر تکبر نہیں کیا گیا، بلکہ ان کو معذور قرار دے کر دوسری بار صورت معروفہ حاصل فی الدنیا میں تجلی فرمائی گئی، اور یہ تجلی مثالی جنت کی نہیں، وہاں تو رویت ذات کی ہوگی جس کی کنہ معلوم نہیں، بلکہ یہ تجلی میدا و قیامت کی ہے، اور یہی محل ہو سکتا ہے ان بزرگوں کے اقوال مذکورہ فی السؤال کا، چنانچہ حضرت گنج شکر کے قول میں تصریح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ مراد روز قیامت جمال باکمال خود بصورت پیر من خواہد نمود خواہم دید والا نہ چشم بدار سو نخواہم کشود، اور اسی طرح حضرت سلطان المشائخ کے قول میں ہے اگر فردا روز باز پیرس جمال حق در نظرم بصورت پیر من جلوه خواہد نمود خواہم دید والا نہ روئے از اں جانب خواہم گردانید اور جن بزرگوں کے کلام میں یہ قید نہیں ہے وہ مطلق اسی مقید پر محمول ہوگا، جیسے حضرت شیخ محمد صادق کے قول میں بلکہ رویت حق تعالیٰ ہم اگر بصورت حضرت پیر دستگیر خواہد نمود خواہم دید والا نہ آن را نیز نمی خواہم پس ان مقدمات کے بعد جواب ظاہر ہے حاجت تقریر نہیں، البتہ بعض مقدمات غیر یقینیہ ہیں، اس کے حکم جازم کا اعتقاد جائز نہیں، بلکہ بالکل اس حکم کا انکار بھی جائز بلکہ دلائل سے نفی و انکار راجح ہے، لیکن

تالیفین پر بھی طعن و تشنیع جائز نہیں، بلکہ ان کو مقدمات مذکورہ کی بنا پر معذور سمجھا جائے گا اور اس تقریر سے اس کا بھی جواب ہو گیا کہ ان اقوال سے شیخ کی مقصودیت کا ایہام ہوتا ہے، حالانکہ مقصود ذات حق ہے، جواب کی تقریر ظاہر ہے کہ وہ اس رویت متکلم فیہا کو خود حق تعالیٰ کی رویت ہی نہیں کہتے کہ اس سے اعراض مستلزم مقصودیت ذات شیخ ہو، بلکہ حق کی رویت اسی کہتے ہیں جو صورت شیخ میں ہوا اور اس صورت کے غیر میں جو رویت ہو اس کو رویت حق ہی نہیں کہتے، تو مقصودیت شیخ کا شبہ کیسے ہو سکتا؟ اس کی نظیر وہ ہے جو عارفین محققین نے جن میں غالباً شیخ اکبرؒ بھی ہیں فرمایا ہے کہ جو علوم بلا واسطہ حق و ناقض ہوں وہ مقصود نہیں اور جو بواسطہ رسل کے عطا ہوں وہ مقصود ہیں، تو اس سے رسل کا مقصود ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ جو علوم بلا واسطہ ہوں ان کا من الحق ہی ہونا مشتبہ ہے، اس لئے ان کو مقصود نہیں سمجھا گیا اور جن بزرگوں کے کلام میں علم بے واسطہ کو مقصود بتایا گیا ہے، جیسے عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

علم کاں نبود ز حق بے واسطہ در نیاید بچو رنگب ماشطہ

یہاں واسطہ سے مراد وحی رسل نہیں بلکہ دلائل فلسفہ جو کہ سفسطہ ہوں مراد ہیں، اب بھلا شرم مقام صاف ہو گیا، یہ تو توجیہ کی تقریر تھی، لیکن اگر کسی کے دل کو یہ توجیہات نہ لگیں اس کے لئے اسلم یہ ہے کہ ان بزرگوں کے غلبہ حال پر ان اقوال کو محمول کر لے جس کو اصطلاح تصوف میں شطح کہتے ہیں اور معذور سمجھے، نہ ان کا اتباع کرے نہ ان کے ساتھ گستاخی کرے حتیٰ کہ مولانا اسماعیل شہید رحمہ نے صراط مستقیم میں باب اول رکہ مثل باب چہارم کے حضرت شہید رحمہ کا ترتیب دیا ہوا ہے جیسا کہ دیباچہ میں تصریح ہے) فصل اول کی دوسری ہدایت حب عشقی کے آثار کے تیسرے افادہ میں یہ قول نقل فرما کر اپنی کوئی رائے شدید ظاہر نہیں فرمائی، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو معذور سمجھتے ہیں، اور میں نے اس تحریر کے لقب میں اسی جانب کی زیادہ رعایت کی ہے کہ "نسویۃ الشطح فی تصنیۃ بعض الشطح" لقب تجویز کیا ہے، واللہ اعلم بالسرائر و اسرار عبادہ،

۱۰ شعبان ۱۳۵۵ھ، النور، ص، ثوال ۳۵

رسالہ تنظیم المسلمین

سوال متعلق کانگریس مسلم لیگ | سوال (۶۱۶) سیدی و مولائی دام محمد کم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج کل ہندوستان میں دو سیاسی جماعتیں ہیں۔ ایک کانگریس اور دوسری مسلم لیگ۔ کانگریس کا یہ دعویٰ کردہ ملک کی واحد نمائندہ جماعت ہے، اور ہر شخص کو بلا تفریق مذہب و ملت اس جماعت کا ممبر ہونا

چاہئے، اور اس جماعت کے ہوتے ہوئے کسی دوسری سیاسی جماعت میں شریک نہیں ہونا چاہئے اور سب ایک جا ہو کر ملک کو آزاد کرائیں، مسلم لیگ خالص مسلمانوں کی جماعت ہے، اور اس کا نصب العین بھی ملک کو آزاد کرانا ہے، مگر اس کا یہ دعوئے ہے کہ مسلمانوں کے کچھ خاص ایسے حقوق ہیں کہ جن کے تحفظ کے لئے اس جماعت کا علیحدہ نظام و قیام ضروری ہے اور واقعہ یہ ہے کہ دونوں جماعتیں سیاسی ترقی میں تو ایک دوسرے کی شرکت میں کام کر سکتی ہیں مگر کانگریس میں مدغم ہو کر وہ خاص حقوق محفوظ نہیں رہ سکتے، کانگریس کا شروع سے مسلمانوں کے ساتھ کیا رویہ رہا، اس کے متعلق تو مفصل بحث کتاب موسومہ آزادی کی مولفہ عبدالوحید خاں صاحب میں درج ہے جو غالباً حضرت والا کی نظر سے بھی گزری ہے، بعد کے بھی کچھ واقعات یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ کانگریس میں چونکہ ہندو کی کثرت ہے، وہ رام راج قائم کرنا چاہتے ہیں، اور کانگریس کی اصل غرض یہ ہے کہ ہندوستان کا محافظ انگریز رہے، اور زیر سایہ برطانیہ دفتری حکومت ہندو کے ہاتھ میں آجائے اور ان کو یہ خوف ہے کہ ایضاً کی اسلامی سلطنت حملہ آور ہو کر اسلامی حکومت قائم کر لے گی، اس کے متعلق مسلمان کتاہی الطینان ولادیں، مگر ان کا یہ خوف دور نہیں ہو سکتا، چنانچہ ہندی زبان میں اس کے رواج دینے پر بے حد کوشاں ہیں اور اپنا ہی اقتدار حاصل کرنے کی فکر میں ہیں، منک میں اس وقت آئینی لڑائی ہے، جس میں جملہ معاملات کثرت رائے پڑے ہوئے ہیں اور اس وقت کانگریس کی مرکزی جماعت و مجلس انتظامیہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی قلیل ہے، ان کانگریسی مسلمانوں کی یہ کیفیت ہے کہ مسلمانوں کے خاص حقوق کے تحفظ کے سوال کو فرقہ پرستی سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے احتجاج پر یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ اگر مسلمان کثرت کے ساتھ کانگریس میں شریک ہو جائیں تو ہندو کی ذہنیت میں تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں، اور دوسری چیز جو پیش کرتے ہیں وہ مخلوط انتخاب ہے، ان کی یہ حجت سنہ کہ جب تک جداگانہ انتخاب ہے ایک مذہب والا دوسرے مذہب والے سے بے نیاز ہے، جس میں احتجاج کی امید نہیں، اگر انتخاب مخلوط ہو جائے تو ہندو و مسلمان ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنے پر مجبور ہوں گے، لیکن اس کی تردید میں چند واقعات ہیں ہندو مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ایسا ہے کہ مسلمان تو مجبور ہو سکتا ہے مگر ہندو کو ضرورت نہیں ہے چنانچہ دو چار بگڑے ٹرکٹ بورڈ و نیو نیٹ کے انتخابات مخلوط ہوئے، اور مسلمان ان نشستوں سے کہ جن پر پہلے سے منتخب ہوتے تھے محروم ہوئے بعض جگہ تو اس خیال سے کہ کہیں مسلمان ہو جاوے سرکاری آدمی کو منتخب کیا، علاوہ ازیں خود کانگریس میں مسلمان انتخاب میں نہیں آسکے، اور سب اس وجہ

کہ ہندو کی کثرت ہے، اور مخلوط انتخاب میں مسلمانوں کا صحیح نمائندہ بھی منتخب نہیں ہو سکتا، اور کثرت کی بناء پر ایسے قوانین بھی پاس ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں کے حقوق کے منافی ہوں مگر موجودہ شکل میں گورنر و گورنر جنرل کو ایسا قانون مسترد کرنے کا حق ہے۔

مسلم لیگ کی قیادت اس وقت مسٹر محمد علی جناح کے ہاتھ میں ہے، گو مسٹر محمد علی جناح آبائی طبعی ہیں مگر غیر متعصب ہیں۔ اور گو کوئی متعلق نہیں لیکن سیاست میں بہترین شخص سمجھے جاتے ہیں، اس کے کانگریس والے بھی معترف ہیں، اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ سرکاری آدمی نہیں ہیں، ملک اور قوم کی آزادی کے لئے ان کے دل میں درد ہے۔ اسی لئے گورنمنٹ کے مقابلہ میں بھی اور کانگریس میں بھی انھوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے لئے آواز بلند کی، مسٹر محمد علی جناح موصوف کے خلاف یہ بھی غلط پروپیگنڈہ ہے کہ وہ جاہ پسندی کے لئے یہ سب کام کر رہے ہیں، اگر وہ جاہ پسند ہوتے تو کبھی کسی خطاب یا کسی عہدہ کی اپنے لئے کوشش کرتے جس کا بلتا بہت سہل تھا، مگر انھوں نے کبھی بھی اس کی کوشش نہیں کی، بہر حال کلمہ گو ہیں، برعکس اس کے جو مسلمان کانگریسی یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ وہ شیعہ ہیں تو کانگریس کا صدر تو غیر مسلم ہے، نیز صدارت مسٹر محمد علی جناح کی ہلک نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس بات پر آمادہ ہیں کہ عامۃ المسلمین اپنا دوسرا صدر منتخب کر لیں، اہم سوال اس وقت علماء کی رائے کا ہے، بعض حضرات کانگریس کی شرکت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور دوسرے حضرات مسلم لیگ میں شریک ہونے پر زور دیتے ہیں اور جو حضرات کانگریس کو ترجیح دیتے ہیں بجز ایک دو صاحب کے وہ سب بھی اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے نظام کی ضرورت یقینی ہے، مگر کچھ شرائط کے ماتحت کانگریس میں شریک ہونا چاہئے، مسٹر محمد علی موصوف بھی کانگریس سے تصفیہ کرنے پر آمادہ ہیں، ان کی صرف اس قدر خواہش ہے کہ مسلمان اپنی جگہ پر متمم رہیں۔ اور حکومت و آزادی کے لئے کانگریس کے دوش بدوش کام کریں، اور یہ اس وجہ سے کہ اگر حسب سابق آئندہ کانگریس کی کثیر جماعت مسلمانوں سے بدعہدی کرے تو مسلمانوں کو اس وقت دوبارہ تنظیم کی ضرورت نہ پیش آوے، حضرات علماء کی اس اختلاف رائے کی وجہ سے عوام کو رائے قائم کرنا مشکل ہے، اس لئے دریافت طلب ہے کہ حضرت اقدس کے نزدیک دونوں مذکورہ بالا جماعتوں میں سے مسلمانوں کو کس جماعت میں شرکت اختیار کرنا چاہئے۔

یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مسلم لیگ میں گونڈہ ہی حالت کے اعتبار سے کچھ کمی ہے، مگر اصلاح کی بہت قریب توقع ہے اور یہ اصلاح عوام کے ہاتھ میں ہے، اور عوام کی اصلاح حضرات علماء کی جدوجہد پر منحصر ہے، تو اس ترتیب سے مسلم لیگ کی اصلاح گویا علماء کے

ہاتھ میں ہے،

خادم منفعت علی ممبر مسلم لیگ سہارنپور، معروضہ ۵، فروری ۱۹۳۸ء
الجواب۔ مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، چونکہ اس کے متعلق دوسرے مقامات سے بھی
سوالات آتے ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ یہ جواب بعنوان کلی لکھ دیا جاوے تاکہ دوسرے
جزئی سوالات پر بھی منطبق ہو سکے، اور تمام سوالات کا جامع جواب ہو جاوے، اور اسی لئے اس
جواب کا ایک مستقل و مناسب لقب بھی تجویز کر دیا گیا، اب وہ جواب عرض کرتا ہوں۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب لقبہ بتنظیم المسالین

فتال اللہ تعالیٰ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ الایۃ

بعد الحمد والصلوة، احقر اشرف علی مدعا، نگار ہے کہ سب کو معلوم ہے کہ آج کل ہندوستان میں
مفاد ملی کے نام سے ایسی سیاسی جماعتیں جو تنظیم و قیوم کی جامع ہوں دو ہیں، ایک کانگریس دوسری
مسلم لیگ اور دونوں اپنی اپنی طرف شرکت کی دعوت دیتی ہیں، اور نا فہیت میں ایک کو دوسرے پر
ترجیح دینے میں اہل الرائے اختلاف رکھتے ہیں، اور اسی کی تحقیق کے لئے مدت سے مترددین کی طرف
سے شرکت کے متعلق مختلف عنوانات سے سوالات کا سلسلہ جاری ہے، اب تک چونکہ دونوں کے
واقعات کا کافی علم نہ تھا، اس لئے جواب کی بنا زیادہ تر سائیلین کے بیان پر ہوتی تھی، اور اھیاناً
جواب کے کچھ حصہ میں ثقات کی روایات کا بھی کچھ دخل ہوتا تھا اور بعض اوقات بغرض مزید تحقیق خود
سائل سے بھی واقعات کی تنقیح کی جاتی تھی اور ان بناؤں کے اختلاف سے مختتم جواب نہ ہو سکتا تھا
جس سے ممکن ہے کہ سائل کو شفا کئے نام نہ ہوتی ہو، اور اس صورت میں یقیناً ایسے جوابوں سے طریق
عمل کا اخذ کرنا جو سوال سے اصل مقصود تھا، دشواری سے خالی نہ تھا، اس لئے سخت ضرورت تھی کہ
واقعات کی مزید تعین و تبیین کی جاوے جس کے لئے مختلف ذرائع اختیار کئے گئے، جس میں خاص
اہتمام کے بعد مجدد لٹر تعالیٰ اتنی ضروری کامیابی ہو گئی، جس سے انشاء اللہ تعالیٰ شافی جواب پیش کرنا
ممکن ہو گیا، اور آج آپ کا خط اس جواب کے پیش کرنے کا محرک ہو گیا۔ یہ چند سطر ہیں اسی جواب کی
حکایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں تو کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ فضاء حاضر میں مسلمانوں
کو شدید استحکام کے ساتھ منظم ہونے کی سخت ضرورت ہے، اور ان کے تمام منافع و مصالح کی حفاظت
اور تمام مضارہ سفاک سے صیانت اسی تنظیم پر موقوف ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان پر یہ بھی واجب

التسلیم والعمل ہے کہ وہ تنظیم حسب قدر سے بالکل احکام شرعیہ کی موافق ہو جو آیت پیشانی میں اعتصام بحیل کی لائق قرار پر تقدیم سے بھی ظاہر ہے) سو اگر اس وقت ملک میں اس صفت کی کوئی تنظیم جماعت موجود ہوتی یا اس کا ہونا متوقع قریب ہوتا تو جواب واضح تھا لیکن موجودہ حالت میں افسوس اور نہایت افسوس ہے کہ ایسی جماعت کا نہ تحقق ہے نہ قریب توقع اس لئے بجز اس کے چارہ کار نہیں کہ موجودہ جماعتوں میں کسی جماعت میں داخل ہوں اور اس میں قواعد شرعیہ کی رو سے جو نقص ہو اس کی اصلاح کریں، اور اگر ان میں ایک کی اصلاح آسان اور دوسری کی دشوار ہو تو بقاعدہ عقلیہ و نقلیہ من ابتلیٰ ببلتیین قلبی خذوا حذرا ہو گنا جس کی ماخذ کثیرہ میں سے ایک ماخذ حدیث بریہ میں یہ ارشاد نبوی ہے اعتقبا واشتد علی لہم الولاء علی ما قرع النودی فی شرحہ لصحیح مسلم) اس میں داخل ہو جائیں جس کی اصلاح آسان ہو، سو اس کے متعلق جہاں تک تفصیل بلوغ کے ساتھ تحقیق کیا گیا، مذکورہ و مسولہ دونوں جماعتوں میں ان کی موجودہ حالت پر نظر کر کے مسلم لیگ کے تقاضوں کا رفع کرنا سہل ہے، اور کانگریس کی اصلاح متعسر بلکہ متعذر ہے جس کے وجوہ کا خلاصہ وہی ہے جو آپ نے لکھا ہے کہ مسلم لیگ خالص کلمہ گو یوں کی جماعت ہے اور کانگریس میں عصر غالب غیر مسلمین کا ہے اور جو شخص اسلام کو حق جانتا ہو اس کو شریعت کے قریب لانا بہ نسبت اس شخص کے جو اسلام کو حق نہیں جانتا ظاہر ہے کہ سہل ہے، نیز مسلم لیگ کے اعلانات جیسے لیگ کا مینوفسٹو وغیرہ اور کانگریس کے معاملات اس کے شاہد ہیں، رسالہ آزادی کی جنگ کو جس کا آپ نے سوال میں حوالہ دیا ہے میں نے بھی دیکھا ہے، واقعی اس میں ان معاملات کی تفصیل اچھی طرح کی گئی ہے، منصف مزاج کے لئے اس کا مطالعہ میرے خیال میں کافی ہے، پس اس اہل کی بناء پر شرح صدر کے ساتھ میری رائے قائم ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اطمینان و توکل کے ساتھ مسلم لیگ میں داخل ہو جانا چاہئے، پھر ان میں جو اہل قوت و اہل اثر ہیں ان کو اپنی قوت و اثر سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے، اور جو اہل قوت نہیں وہ اہل قوت کو وقتاً فوقتاً یاد دہانی کر کے تقاضے کے ساتھ ان سے اصلاح مطلوب کی درخواست کرتے رہیں، اور اصلاح کے طریقوں میں علماء محققین سے مدد لیتے رہیں، جو علماء اس میں شریک ہوں ان کو تو علمی و علمی دونوں قسم کی امداد حاصل کریں اور جو اس میں کسی مصلحت یا عذر سے باضابطہ شریک نہ ہوں ان کے صرف علمی مددیں یعنی ان سے واقعات ظاہر کر کے احکام شریعہ معلوم کرتے رہیں، اور ان کے موافق مسلم لیگ کی حالت کو درست کرتے رہیں اور مسلم لیگ میں جو معاملات پیش آویں ان کے متعلق اگر علماء میں اختلاف ہو تو جو علماء کسی جماعت میں باضابطہ شریک نہ ہوں ان سے استفتاء کیا جائے اور ان میں بھی اگر اختلاف ہو تو شرعاً دونوں شعبوں میں گنجائش بھی جاوے اور دونوں شعبوں میں سے مدد کے نزدیک جو مصلحت ہو اس پر عمل کیا جاوے اور جو علماء باضابطہ کسی جماعت میں

شریک نہ ہوں وہ بھی بیکار نہ رہیں بلکہ وہ اس سے اہم خدمت میں مشغول رہیں۔ اور وہ خدمت بندگانِ عظام کا شرعی کی تعلیم و ترغیب دینے کی ہے جو مشترک طریقہ ہے حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا، بلکہ پہلی قسم کے علماء کو بھی جتنا وقت مسلم لیگ کی خدمت سے بچے اس اشاعتِ احکام میں حصہ لیتا ضروری ہے پس اس تفصیل سے بقاعدہ تقسیمِ عمل (جو اہمیت دماکان المؤمنون لینفروا کافۃ فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقہوا فی الدین سے بھی ماخوذ ہے) سب کو اپنے کام میں مشغول ہو جانا چاہئے، پھر اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ وعدہ الہیہ ان اللہ لا ینزع اجر المؤمنین (سورہ ہود) وانا لانضیع اجر المصلحین (سورہ اعراف) کا ظہور ہو گا۔ اور اس کی بھی ضرورت ہے کہ ہیئت مذکور اس تنظیم کو ہمیشہ ہمیشہ مستقلاً جاری و بانی رکھیں کیونکہ اس کے ثمرہ کی تو ہمیشہ ہی حاجت ہے، یہ تو خلاصہ ہے ہمارے انتظام کا باقی دوسروں کے ساتھ معاملہ سواں انتظام کے بعد اگر کانگریس مسلم لیگ سے صلح کی طرف مائل ہو تو حسب ارشاد وہ ان جھوٹا سلسلہ فاجعہ لہا اس تو اصول شرعیہ کے موافق تیقظ و تدبیر کے ساتھ اہل تجربہ و اہل علم و اہل فہم کے مشورہ سے صلح رکھیں، مگر اپنی تنظیم مذکور کو اس وقت بھی قوت و استقلال کے ساتھ قائم رکھیں اس کو کمزور نہ کریں اور نہ کانگریس میں مدغم کریں کہ یہ شرع اور تجربہ دونوں کے اعتبار سے نہایت مضربے اور بالفرض اگر مسلم لیگ کی اصلاح کے قبل یا بعد اور کوئی جماعت مسلمہ مسئلہ صاحب قوت صاحب اثر تیار ہو جاوے اس صورت میں مسلم لیگ اور وہ جماعت دونوں اتحاد و اشتراک کے ساتھ کام کریں، تاکہ مسلمانوں میں افتراق و تشتت نہ ہو، اور ان سب حالات میں قولاً و فعلاً و حالاً و تقریراً و تحریراً موافق و مخالف ہر ایک کے ساتھ اخلاق اسلامی کو اپنا شعار رکھیں، جیسا ارشاد ہے و قتل لعیبادی یقولوا للہی احسن و غیرہا من الآیات۔

خلاصہ دستور العمل یہ ہے کہ ان خود نہ کسی سے آویزش کی ضرورت نہ آمیزش کی ضرورت، رمضان کے حق کو ملح نظر رکھ کر اپنے کام میں لگے رہیں، اور اس رمضان کی شرط یہ ہے کہ ہر کام میں اس کا پورا الحاظ رکھیں کہ کوئی امر خلاف شرع نہ ہونے پاوے یہی عہدیت کی روح اور حیات مسلم کی اصل لہجہ ہے، اور اس استقلال و استقامت کے ساتھ ہی دعا و ابہتال کو اصل وظیفہ و تدبیر سمجھیں اور پھر نصرت حق کے منتظر رہیں، اب اس تحریر کو بزرگوں کی ایک تافع و صیت اور دو جامع دعاؤں پر ختم کرتا ہوں۔ یہ دعائیں بھی ورد رکھنے کے قابل ہیں خصوصاً بعد نماز،

وصیت

کارکن کاربگنڈر از گفتار کاندہیں راہ کار باید کار

وَعَاوَل۔ اللہ وادنا الحق حقا وادمن قنا اتباعہ و الباطل باطلا وادقنا اجتنابہ۔

وَعَاوَل۔ اللہ وادنا الحق حقا وادمن قنا اتباعہ و الباطل باطلا وادقنا اجتنابہ۔ نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم و اجعلنا منہم و اخلل من خذل دین

محمد ﷺ اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منہم

نوٹ نمبر ۱، اس جواب میں میں نے اپنے مزید اطمینان کے واسطے احتیاطاً اپنی جامعہ کے متعدد و محقق علماء سے بھی مشورہ کر لیا ہے، ان سب نے بھی اس سے اپنی موافقت کا اظہار فرمایا،

نمبر ۲، یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدا نخواستہ حالات بدل جائیں تو حکم بھی بدل جائیگا۔
نمبر ۳، جو صاحب اس مضمون کو شائع کرنا چاہیں وہ اس کا خلاصہ شائع نہ کریں بلکہ مجنسہ پورا مضمون شائع کریں، خلاصہ کرنے میں بہت سی فروگزاشتیں اور غیر غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں اور اگر کسی کو کسی کے شائع کردہ مضمون میں کچھ کمی بیشی کا شبہ ہو تو تنہا نہ بھون کے ماہوار رسالہ النور یا بت ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ سے مقابلہ کر لیں کہ اس رسالہ میں میرا یہ مضمون بعینہ پورا چھپا ہے، والسلام غیر ختام مقام تنہا نہ بھون
۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۳۵۳ھ (النور ص ۳۱ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ)

رسالہ تعلیم المسلمین

(۶۱۷) بعد الحمد والصلوة، احقر اشرف علی عفی عنہ مدعا درگاہ ہے کہ اس کے قبل متصل احقر کا ایک مضمون ملقب بہ تنظیم المسلمین متضمن احکام تنظیم المسلمین کے شائع ہو چکا ہے، اس کے اخیر میں مصوت کے ساتھ یہ بھی مشورہ دیا گیا ہے کہ بندگان خدا کو احکام دین کی تعلیم کرنے کا التزام جاری رکھیں، مگر وہاں یہ مضمون اجمالاً و ضمناً و تبعاً تھا، اب اسی کو تفصیلاً و مقصوداً و مستقلاً عرض کیا جاتا ہے۔
تفصیل اس کی یہ ہے کہ نصوص کثیرہ میں صلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی تاکید بھی باجاء و اہمہ اور سورہ والعصر میں تو بلا شرکت کسی اور مضمون کے خاص اسی موضوع کے لئے نازل ہوئی ہے، چنانچہ اس میں جہاں امنوا کو جس کا مفہوم صحیح عقائد ہے اور عملوا بالصلحت کو جس کا مفہوم اصلاح اعمال ہے شرط نجات فرمایا ہے، جو حاصل ہے خسران سے استثناء کا وہاں ہی اس کے متصل تو اصوا بالحق میں دوسروں کی تعلیم عقائد کو اور تو اصوا بالصبر میں دوسروں کی تعلیم اعمال کو بوجہ واسطہ عطف کے شرط نجات فرمایا ہے۔ اور بے شمار نصوص قرآنیہ و حدیثیہ میں بھی مضمون بعنوان امر بالمعروف و نہی عن المنکر و عطا تذکیر نہایت تاکید و اہتمام کے ساتھ مذکور ہے، اور بہت نصوص میں خاص حالات میں اس میں سستی یا ترک پر شدید وعیدیں بھی وارد ہیں اور حضرات انبیاء اکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اصل فریضہ یہی رہا ہے باقی جتنے شعبے دین کے ہیں مثلاً اقتداء، درس، تصنیف و متاظرہ سب اسی کے آلات و مقدمات ہیں اور خود تنظیم بھی جس کی ضرورت عام طور سے مسلم ہے وہ بھی اسی کا تابع اور مقدمہ ہے اور یہ مکتوب مقصود ہے

چنانچہ آیت الذین ان مکناھم فی الارض میں جہاں تکسین کے مقاصد نہ کر فرماتے ہیں ان ہی میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو بھی جزو مقصود فرمایا گیا ہے تو اس بنا پر سب مسلمانوں کو اس طرف توجہ فرمانا الیس ضروری ہوا سخت تعجب ہوا کہ ادنیٰ ادنیٰ امراض جسمانیہ کا جس کا انجام محض معمولی کلفت ہے، علاج تو ضروری سمجھا جاتا ہے، اور جہل عن الاحکام الشرعیہ کا کہ اشد مرض نفسانی و روحانی ہے، اور جو اساس ہے بدعل کی اور بواسطہ بدعلی کے مسلمان کے لئے سبب ہے تمام مضار دنیا و آخرت کا، چنانچہ اخلال فی الطاعات و ارتکاب معاصی کا تمام آفات و معائب دنیا و آخرت کے لئے سبب ہونا قرآن و حدیث میں مصرح ہے اور خادمانِ ملت نے اس باب میں مستقل تالیفات بھی لکھی ہیں (چنانچہ ایک مختصر رسالہ جزو الاعمال بطور نمونہ کے اس حقیر کا لکھا ہوا بھی شائع ہو چکا ہے، اور حیوۃ المسلمین کے خطبہ میں بھی ایک، لنشین عنوان سے اس کی تقریم کی گئی ہے، اس سے اس قدسے فکری ہے تو اس کے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ضروری ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اور اس کے ذرائع میں سب سے زیادہ سہل اور نفع کے اعتبار سے تمام اور عام ذریعہ و عطا ہے تو ان سہولیات پر نظر کر کے واعظین مخلصین کے ذریعہ سے تمام مکلفین مخصوص مسلمانوں کو احکام سے مطلع کرنے کی ضرورت بدایتہ ثابت ہو گئی، یہ ذیل کی چند سطریں اسی کے انتظام کی ترغیب و تحریک کے لئے عرض کی جاتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ کوئی انتظام بطور استقلال عادیہ مخصوص آج کل کی فضا میں بدون آئینی ہیئت کے مکمل نہیں ہوتا، پس اس ہیئت کے متعلق خود سوچنے سے نیز ایک جماعت علماء و صلحا کے مشورہ سے اس کا جو نظام رہنمائی یا اس کو قلمبند کر کے شائع کرتا ہوں، جمہور اہل اسلام عموماً اور علماء کرام و رؤسا، عظام و مہتممان مدارس و کالجوں اسلامیہ خصوصاً نظام کو جاری فرمائیں، یا اگر اس سے اچھا کوئی نظام کسی کے ذہن میں ہو اس کا اجرا فرمائیں۔ بہر حال کام مقصود ہے، خاص کوئی صورتِ نظام مقصود نہیں، بس یہاں کا تجویز کردہ نظام پیش کرتا ہوں جو مرکب ہے چند اجزاء سے اور وہ یہ ہے۔

جزء اول۔ ہر مدرسہ اسلامیہ کم از کم ایک واعظ مقرر کرے، اور یہ سمجھے کہ ضرورتِ تعلیم کے لئے ایک مدرس کا اضافہ کیا گیا، کیونکہ جس طرح مدرسہ کے معلمین طلبہ کے مدرس ہیں یہ واعظین عوام کے مدرس ہیں اسی طرح اہل انجمن یہ بھی کہ تعلیم عوام کے لئے یہ ایک مکسب ہے جو مثلاً ہے انجمن کی۔

جزء ثانی، جہاں ایسا مدرسہ یا انجمن نہ ہو، یا وہ حضرات کسی وجہ سے ایسا انتظام نہ کریں وہاں کے رؤسا انفرادیاً اختیار کیا اپنے پاس سے تنخواہ لے کر ایسا واعظ مقرر کریں مگر اس واعظ کا انتخاب متعین علماء کی رائے سے کریں خود منتخب نہ کریں، لیکن تنخواہ کا تعلق اپنے سے رکھیں۔

جزء ثالث، جہاں ایسا کوئی مہمت نہیں نہ ہو وہاں عام اہل رستی ایسے واعظ کا انتظام کریں اور

باہمی چندہ کر کے اس کو تنخواہ دیں اور مثل جز و ثانی کے تنخواہ کا تعلق اپنے سے رکھیں، مگر چندہ میں کسی کے اوپر جبر نہ کریں۔

جز و رابع، یہ واعظ خواہ متبرع عالم نہ ہو، مگر دینیات پر اس کی کافی نظر ہو کہ اپنی تقریر میں یا کسی کے سوال کے جواب میں غلط روایت یا غلط مسئلہ بیان نہ کرے۔

جز و خامس۔ بلا ضرورت مسائل اختلافیہ بیان نہ کرے۔ اور جہاں ضرورت ہو یا کوئی اس کے متعلق سوال کر بیٹھے تو تقریر میں یا جواب میں اس کا لحاظ رکھے کہ عزائم تین اور نرم اور مخاطب کے قریب الفہم ہو، خوش یا موخ نہ ہو، اگر مسائل کسی خاص شخص کا نام لے کر جواب کا معارضہ کرے تو اس شخص کی نسبت کوئی کلمہ ثقیل نہ کہے، متانت کے ساتھ شبہ کا حل کر دیا جائے خواہ کوئی ماننے یا نہ مانے۔

جز و سادس۔ اگر خرچ میں گنجائش ہو تو واعظ کو ایک خادم بھی دیا جائے جو کھانا وغیرہ بھی پکاسکے۔ اور جہاں سواری نہ ملے وہاں سامان و بستر وغیرہ اٹھا کر لے جاوے۔

جز و سابع۔ عام طور پر واعظ کسی کی دعوت قبول نہ کرے، البتہ اگر داعی پہلے سے شناسا اور مخلص ہو مضائقہ نہیں، یا اگر شناسا نہ ہو مگر قرآن سے مخلص ہو نادل کو لگتا ہو تو قبول کر لینے کا مضائقہ نہیں مگر اور کوئی چیز از قسم بدیہ نقد یا غیر نقد ہرگز قبول نہ کرے۔

جز و ثامن۔ واعظ کسی مدرسہ یا انجمن کے لئے یا اسی مدد عظم کے لئے چندہ کی ہرگز ترغیب نہ دے بلکہ اگر کوئی بلا ترغیب بھی دے تب بھی انکار کر دے، اگر کوئی اصرار کرے اس سے کہہ دے کہ میں نہیں لیتا خود مرکز میں بھیج دو۔

جز و ناسع۔ جو مدد عظم کا ناظم ہو وہ واعظ کے دورہ کے مقامات معین کر دے۔ البتہ اتنی اجازت دیدے کہ اگر کسی جگہ خود واعظ سخت ضرورت سمجھے، یا رغبت کے ساتھ اس کو بلایا جائے، اور دونوں صورتوں میں وہ جگہ مقامات اذن سے پانچ کوس سے زیادہ فاصلہ پر نہ ہو تو وہاں بھی جاسکتا ہے، اس سے زیادہ فاصلہ پر عند کر دے کہ ناظم مدد عظم سے درخواست کرے۔

جز و عاشر۔ ناظم مدد عظم گاہ گاہ کسی شخص کو تفتیش کے لئے مقامات دورہ پر بھیج دے کہ بتی و دلیل سے واعظ کی حالت اور کارگزاری کی کیفیت تحقیق کر کے ناظم کو اطلاع دے اور بار بار کی کوتاہی یا کسی گراں بار کوتاہی کے ثابت ہونے پر اولاً تفہیم اور دوسرے اس کے نافع نہ ہونے کے معرولی کو عمل میں لایا جاوے۔

جز و حادی عشر۔ اگر اتفاق سے کسی مقام پر دو واعظ جمع ہو جاویں تو جو بعد میں پہنچے اس کو وہاں ٹھہرنا چاہئے، اور اگر اتفاق سے دونوں بالکل ایک ہی وقت میں پہنچیں، گویا ایسی صورت بہت نادر ہے

تو مصلحت یہ ہے کہ باہم مشورہ کیے یا تو دونوں باری باری سے وعظ کہیں۔ یا ایک وہاں ٹھہرائے دوسرا آگے چلا جاوے۔

جزء وثانی عشر۔ واعظ کی رخصت یا غیر حاضری پر وضع تنخواہ وغیرہ امور میں مناسب حال قواعد تجویز کیے واعظ کو اطلاع کر دی جائے۔

جزء وثالث عشر، واعظ سیاسی امور یا کسی شخص کے ذاتی معاملات کے فیصلہ میں دخل نہ دے اگر اس کی درخواست بھی کی جائے صاف انکار کر دے۔

جزء ورابع عشر۔ احقر کے مواظط مطبوعہ اور حیات المسلمین اور جزء الارال اعمال اور فروع الامان اور تعلیم الدین اگر میسر ہوں وعظ میں مدد لینے کے لئے واعظ کو عاریۃ سپرد کر دیئے جائیں۔

جزء وخامس عشر کسی کو تعویذ گنڈہ دینے یا بیعت لینے سے تاکید منع کر دیا جائے، اگر چہ وہ اس کا اہل بھی ہو۔

جزء وسادس عشر، واعظ صرف وعظ ہی پر اکتفاء کیے، کیونکہ وعظ میں سب نہیں آتے وہی لوگ آتے ہیں جو پہلے سے کچھ دیندار ہیں۔ اور ضرورت ہے سب کو دیندار بنانے کی، اس لئے واعظ کو حسب ذیل طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

(الف) جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے مسجد میں نہیں آتے ان کے مکان پر چند واقف مخلص احباب کو ساتھ لے کر جائے اور صاحب خانہ کو بلا کر نرمی کے ساتھ اول اس کا کلمہ سنے، پھر اس کے واسطے اس کے گھر والوں کا کلمہ ٹھیک کیا جائے، پھر سب کو نماز کی تاکید کی جاوے، اسی طرح سب بے نمازیوں کے مکالوں پر جایا جائے، اور ہر ہفتی کے اندر ایک یا متعدد جماعتیں چند مخلص مستعد دینداروں کی ماتحتی میں قائم کر دی جائیں جو دوام کے ساتھ اس طرح لوگوں کے مکالوں پر جا کر ان کو کلمہ سکھاتے رہیں، اور بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی کوشش کرتے رہیں، اور اس خطاب خاص میں بجز تلقین کلمہ اور تاکید نماز کے کچھ نہ کہا جاوے بقیہ احکام کے لئے وعظ عام کو کافی سمجھا جاوے۔

(ب) وعظ کو دیہات میں بھی اسی طرح کام کرنا چاہئے۔ اور وہاں بھی اسی طرح جماعتیں قائم کر دینا چاہئیں۔

(ج) وعظ میں مسلسل تقریروں کے ساتھ مسائل ضروریہ بھی مسلمانوں کو مطلع کرنا چاہئے اور ان سب کاموں میں تحمل اور لطف و نرمی سے کام لیا جائے۔

(نوٹ) نہرا بھگت شہیاں اسی اعلان کے موافق کام شروع کر دیا گیا ہے، خدا وہ دن بھی کرے

کہ میں سب جگہ سے اس کے مطابق کام شروع ہو جانے کی خبر سن کر دل ٹھنڈا کروں۔

نمبر ۲۔ چونکہ اس کام کے لئے ابھی کوئی مرکز متعین نہیں ہوا اس لئے اس کا انتظار نہ کیا جائے کہ جب کسی کی طرف سے تحریک ہوگی تو کام شروع کیا جائے گا۔ بلکہ ہر جگہ کے علماء اور عوام کو اس اعلان کے موافق اس کام کی اہمیت پر نظر کر کے بطور خود کام شروع کر دینا چاہئے، پھر اگر چاہیں تو مشورہ کر کے کسی جگہ جمع ہو کر کوئی مرکز مقرر کر لیں، والسلام

اشرفعی مقام تھانہ بھون ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ مطابق
۱۵ فروری ۱۹۳۸ء (النور ص ۱۹، ذیقعد ۱۳۵۷ھ)

رسالہ تفہیم المسلمین

(۶۱۸) بعد الحمد والصلوة، انہی ایام قریبہ میں ایک مضمون بہ عنوان تنظیم المسلمین اور دوسرا بہ عنوان تعلیم المسلمین شائع ہو چکا ہے، پہلے مضمون میں مسلمانوں کی تنظیم کا طریقہ بتلایا گیا تھا، دوسرے مضمون میں علماء کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ خطاب خاص و نیز وعظ عام کے ذریعہ بندگان خدا کو احکام اسلام پہنچائیں، اور اس لئے ایک خاص نظام بھی بتلادیا گیا تھا۔ پھر غور کرنے سے یہ بات ذہن میں آئی کہ اس وقت فصحاء زمانہ کا مقتضایہ ہے کہ احکام الہیہ کے پہنچانے کا کام ہر مسلمان اپنے ذمہ لازم سمجھے، اور ہر شخص اسی دھن میں لگ جائے جیسا ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا کہ علماء و صوفیہ، امراء و رؤساء، امیر و غریب، خواندہ و ناخواندہ سب کو یہی دھن تھی کہ جتنا جس کو احکام اسلام کا علم ہے اس کو دوسروں تک پہنچایا جائے، علماء و وعظ و تذکیر کرتے تھے، صوفیہ اپنی مجلسوں میں نور باطن سے اور اپنی پاکیزہ باتوں سے بندگان خدا کو اللہ کی طرف متوجہ کرتے تھے، تاجر اپنے معاملات اور باہمی ملاقات میں اس کام کو نہ بھولتے تھے۔

اس عام توجہ کا یہ اثر تھا کہ بہت جلد لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کو حق کی طرف ہدایت ہو گئی مگر یہ کام تنہا علماء کے ذمہ ڈال دیا جاتا تو حق کی روشنی ان مقامات میں نہ پہنچ سکتی جہاں کسی عالم یا فاضل کا قدم بھی نہیں پہنچا۔ پس ضرورت ہے کہ تمام اہل اسلام غلو یا اور میرے ساتھ تعلق رکھنے والے خصوصاً آج ہی سے اس دھن میں لگ جائیں کہ جتنا جس کو اسلام کے متعلق علم ہے اس کو دوسروں تک پہنچائے اور اس فریضہ کے ادا کرنے میں سرگرم ہو جائے اور غیب سے نصرت الہی کا امیدوار رہے، کہ اللہ تعالیٰ دین کی خدمت کرنے والوں کی ضرورت مند فرماتے ہیں، ان تنصر وان الله ينصر، کھرویشیت، اقدامکم۔

اب اس کے متعلق بھی ایک دستور العمل اور نظام مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کے متعلق عملدرآمد کیا جائے۔

(۱) ہر شخص کو اولاً خود دین میں متصحب پختہ اور مضبوط ہونا چاہئے۔ احکام الہی پرعمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے میں کسی سے مرعوب نہ ہونا چاہئے اور نہ دینی کام میں کسی کی مروت و تعلقات کی پرواہ کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑا اور لائق محبت و تعلق کون ہے، جس کے لئے احکام الہیہ کو ترک کیا جائے۔

(۲) ہر شخص کو اس کا خیال کرنا چاہئے کہ کسی جلسہ اور کسی مجلس کو احکام الہیہ کے پہنچانے سے خالی نہ رکھے مگر باریک اور اختلافی مسائل میں دخل نہ دیں کہ یہ کام علماء کا ہے اور اگر کوئی رد کرے یا سخت جواب دے تو صبر و تحمل سے کام لیں، سختی کا جواب سختی سے نہ دیں، جب کسی سے دنیاوی غرض کے لئے بھی ملاقات ہو یا تجارت و ملازمت کے سلسلہ میں کسی سے ملنا ہو، تو حسب موقع باتوں باتوں میں کلمہ الحق ضرور پہنچا دیا جائے، دین کے معاملہ میں مسلمان کی وہی شان ہونا چاہئے جو کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان ابو سلمہ بن عبد الرحمنؓ نے بتلائی تھی جب ان سے پوچھا گیا کہ حضرات صحابہ کیسے تھے تو انھوں نے فرمایا کہ دین کے معاملہ میں تو وہ گویا مجنون تھے (فاذا ابیلا حد منہم علی شی من امر اللہ دارت حمالیق عینہ کا نہ مجنون۔

ملا و ملا الادب المفرد للبغدادی)

(۳) رات دن میں کوئی وقت خاص اس کام کے لئے بھی نکالا جائے کہ اس میں بندگان خدا کو خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، احکام اسلام پہنچائے جائیں اور برے کاموں سے روکا جائے۔

(۴) احکام اسلام پہنچانے میں لہجہ ہمیشہ نرم ہونا چاہئے گفتگو تہذیب اور متانت سے کرنا چاہئے البتہ جن پر اپنی حکومت ہے جیسے بیوی، اولاد، نوکر، شاگرد وغیرہ ان کو اول نرمی سے نصیحت کی جائے پھر بتدریج سختی سے سمجھایا جائے۔

(۵) احکام اسلام پہنچانے میں اس ترتیب کو ملحوظ رکھا جاوے۔

(الف) جن کو کلمہ اسلام معلوم نہیں ان کو لا اِلهَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ سکھایا جاوے اور اس کے معنی سمجھا دیئے جاویں۔

(ب) جن کو کلمہ اسلام معلوم ہے ان کو اس کے معنی بتلائے جائیں اور کہا جائے کہ رات دن میں کم از کم سو مرتبہ لا اِلهَ اِلَّا اللہ اور اس کے ساتھ کبھی کبھی محمد رسول اللہ کا ذکر ضرور پڑھ لیا کریں، فقہی الحدیث جلد دو ایسا نکتہ بقول لا اِلهَ اِلَّا اللہ۔

(ج) جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ان کو پابندی نماز کی تاکید کی جائے، مردوں کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی تاکید کی جاوے، جن کو نماز کا طریقہ معلوم نہیں ان کو نماز سکھلائی جائے، اور ممکن ہو تو چار نمازی کو پوری نماز کا ترجمہ بھی یاد کرایا جاوے یعنی سبحانک اللہم سے التحیات اور شریف تک ہر چیز کا

ترجمہ یاد کریں، کہ اس سے نماز میں لمبھی زیادہ ہوتی ہے، یہ ہوا اور پاکی و ناپاکی کے مسائل سے وقتاً فوقتاً آگاہ کیا جاوے۔

(۵) جن پر زکوٰۃ فرض ہے ان کو زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی جائے جن پر قربانی واجب ہو ان کو قربانی کی ترغیب دی جائے۔
(۶) رمضان شریف کے روزہ کی سب مسلمانوں کو تاکید کی جائے۔
(۷) جن پر حج فرض ہو ان کو حج کی تاکید کی جاوے۔

(۸) ہستی میں تعلیم قرآن شریف کے مکاتیب ضرور ہونا چاہئیں، جن میں تعلیم قرآن کے ساتھ اردو رسائل، بہشتی زیور، بہشتی شمع، راہ نجات وغیرہ بھی پڑھائے جائیں، تاکہ بچوں کو ضروری احکام کی اطلاع ہو جائے۔

(۹) سب مسلمانوں کو باہم اتفاق و اتحاد سے رہنے کی اور گالم گلوچ، لڑائی جھگڑا بند کرنے کی تاکید کی جاوے۔

(۱۰) ہستی کے کسی ایک با اثر دیندار کو یا چند با اثر دینداروں کی جماعت کو اپنا بڑا بنایا جائے، جن کا کام یہ ہو کہ لوگوں میں اتحاد و اتفاق قائم رکھیں، اور امور مذکورہ بالا کو رواج دیں، اور جب کسی معاملہ میں نزاع ہو اس کا شریعت کے موافق علماء سے پوچھ کر فیصلہ کر دیں، اور سب اس فیصلہ کی تائید کریں۔

(۱۱) جھوٹ، غیبت، حسد و کینہ، دشمنی، کسی کی بے جا طر لداری، چغل خوری، زنا، بدنگاہی، بیہوشی، شراب نوشی، لڑکوں سے ناجائز تعلقات، سودی لین دین، بیکاری، آوارہ گردی کا انسداد کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔

حک بولنے، باہم تواضع اور محبت کا برتاؤ کرنے، انصاف و عدل پر مضبوطی کے ساتھ جیسے رہنے، اور جائز ذرائع معاش میں لگے رہنے، کفایت شعاری اور آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرنے کی بہت تاکید کریں۔ تنگی برداشت کریں، مگر حتی المقدور زیادہ خرچ نہ کریں۔

تقریبات اور روزمرہ کے خرچ میں کفایت شعاری کرنے والے پر طعن و تشنیع نہ کریں، بلکہ اس کی ترغیب دیتے رہیں، اور عائیل کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں، کسی جائز پیشہ کو عار نہ سمجھیں، گھاس کھونے تک کو بیکاری اور ذلت سوال پر ترجیح دیں، اور نیک اعمال اختیار کرنے کی خود بھی کوشش کریں اور دوسروں کو

جس بی بی مسلم لیگ کا دفتر موجود ہو اور مقامی مسلم لیگ دیندار اور با اثر ہو تو اس کو سب بی بی والے اپنا بڑا سمجھیں اور اگر وہ دیندار ہو تو اس سے کہا جائے کہ اگر آپ پابندی احکام اسلام کا وعدہ کریں تو ہم آپ کو اپنا بڑا بناتے ہیں ورنہ دوسرے کو اپنا بڑا بنالیں۔
یعنی، ہے کہ اس کے بعد وہ دیندار بن جائے گا، تو اسی کو بڑا بنالیں۔ ۱۲

بھی تاکید کرتے رہیں۔

(۶) حیا المسلمین، تبلیغ دین، تعلیم الدین، محاسن الاسلام، بہشتی زیور کو مطالعہ میں رکھیں اور وقتاً فوقتاً ان کے مضامین اپنے دوستوں، ملنے والوں اور سب بندگان خدا کو پہنچاتے رہیں۔

(۷) جو علماء کسی دینی خدمت میں مشغول ہوں جیسے درس و تدریس، تصنیف و تالیف وغیرہ وہ بھی اپنی نشست و برخاست میں اور اوقات ملاقات میں بندگان خدا کو احکام الہیہ پہنچانے میں سستی نہ کریں اور فرصت کے اوقات میں جیسے جمعہ کی تعطیل ہے یا رخصت طویلہ کا زمانہ ہے، وعظ و نصیحت کے ذریعہ بندگان خدا کو احکام اسلام پہنچانا اپنا فریضہ سمجھیں، میں اپنے ساتھ خاص تعلق رکھنے والوں کو خاص طور پر کمرہ تاکید کرتا ہوں کہ امور مذکورہ بالا کی پوری پابندی کریں۔ اس میں ہرگز کوتاہی نہ کریں، اور تمام اہل اسلام سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں کہ اس دستور العمل کو حرز جان بنا کر ہر شخص دین الہی کی خدمت کے لئے آمادہ اور مستعد ہو جائے، مجھے اللہ کے بھروسہ پر یقین ہے کہ اگر سب مسلمان اسی طرح کام میں لگ جائیں گے تو تمام مصائب اور پریشانیوں کا جو اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہیں بہت جلد خاتمہ ہو جائے گا، اور نصرت الہی ان کے ساتھ ہوگی۔ اور اس دستور العمل کو چند روز کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے قائم اور جاری رکھیں، اب اس مضمون کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں :- ربنا اغفر لنا ذلنا و ذل آبائنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدارنا و انعمنا علی القوم الکافرین۔

اشرف علی عفی عنہ مقام نقابھون

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۴ فروری ۱۹۳۸ء (النور ۲۳، ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ)

حیات علی پر شبہ کا جواب (السوال ۶۱۹) علمائے کرام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے پر آیت فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم پیش کر کے عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ ہونا ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ مفسرین نے بھی لکھا ہے کہ توفی کے معنی رفع الی السماء ہے، اب مرزائی اعتراض کرتے ہیں کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوں اور قریب قیامت کے نزول فرماویں اور اپنی امت کے عقائد تثلیث پرستی سے واقف ہوں تو قیامت کے دن کس طرح اپنی لاعلمی اور بے خبری ظاہر کریں گے، اس سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کذب لازم آتا ہے، ہدایت بخشا مرزائی کے جواب سے عاجز کو سر فرازی فرماویں، فقط الجواب صحیح تفسیر معلوم ہونے کے بعد اگر کوئی سوال ہے تو لکھو۔ وہ تفسیر یہ ہے کہ میں ان کی حالت سے مطلع رہا، جب تک ان میں موجود رہا سو اس وقت تک کمال تو میں نے مشاہدہ کیا ہے، اس کے متعلق بیان کر سکتا ہوں) پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھالیا (یعنی اول بار میں تو زندہ آسمان کی طرف اور دوسری بار میں قاف

کے طور پر ومن ہنا لم یقل رفعتنی ولا امتنی والتوفی عام لہما کما فی قولہ تعالیٰ یتوفی الا نفس حین موفا والتی لہ تمت فی منامہا تو اس وقت صرف آپ ان کے احوال پر مطلع رہے الخ وقد تقریر فی محلہ ان عدم دلیل لا یتلزم عدم الدعا خصوصاً مع وجود دلیل اخر۔ مرموم ۱۳۲۷ھ (النور ص ۹، ربیع ثانی ۱۳۵۸ھ)

ایضاً السؤال (۶۲۰) عرض یہ ہے کہ قادیانی مرزائیوں نے مندرجہ ذیل سوال کئے، ان کے جوابات تحریر فرمائیے۔

۱۔ حاجب حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کی رو سے زندہ جسم عنبری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے تھے) قیامت سے پہلے دجال ملعون کو قتل کرنے کے لئے نازل ہوں گے تو آدنیائی میں وہ نبی الشرہوں گے یا صرف امتی ہوں گے۔

۲۔ اگر محض امتی ہوں گے نہ کہ نبی الشر، تو ان سے نبوت کیوں چھینی جائے گی، ان کا کیا قصور ہے؟
۳۔ اگر نازل ہوں گے اور اس وقت بھی نبی الشر ہوں گے تو کیا ان کا نبی ہونا آیت قرآنی خاتم النبیین اور حدیث نبویؐ انا خاتم النبیین (لا نبی بعدی کے خلاف نہ ہوگا؟

۴۔ صحیح مسلم شریف جلد ۴ ص ۴۰۰ و ۴۰۱ اور مشکوٰۃ شریف باب العلامات یدعی الساعة و ذکر الدجال، فصل اول میں ہے (اذا دعی اللہ الی عیسیٰ) کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی و نبوت ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ کو وحی الہی کا ہونا آیت خاتم النبیین، و حدیث (لا نبی بعدی کے خلاف نہیں ہے؟

۵۔ سورہ آل عمران پارہ سوم رکوع ۱۳ میں ہے (دیعلمہ الكتاب والحکمۃ والتورۃ والانجیل) معلوم ہوا کہ خدا نے ان کو توریت خریف اور انجیل شریف سکھا دی ہے، نازل ہونے کے بعد وہ انجیل شریف پر عمل کریں گے یا قرآن مجید کی شریعت پر عمل کریں گے؟

۶۔ کیا خدا نے آسمان میں ان کو قرآن مجید بھی سکھا دیا ہے، یا نازل ہونے کے بعد کسی مولوی صاحب سے فرقان حمید اور سنت و حدیث شریف سیکھیں گے، ان سوالوں کے جواب قرآن مجید کی آیت مبارکہ اما یشا نبویہ، اقوال صحابہ، اور اقوال تابعین کی رو سے فرمائیے۔

الجواب ہے۔ اول و ثانی و ثالث و رابع کا حاصل ایک سوال ہے اور خامس و سادس کا حاصل ایک سوال ہے، کل دو سوال ہیں۔ پہلے سوال میں نبوت عیسوی پر اشکال کیا گیا ہے۔ اور دوسرے سوال میں آپ کے قرآن و حدیث پر اشکال کیا گیا ہے اور اشکال دعویٰ ہے، اس کے جواب میں منہ کافی ہے دلیل

کی حاجت نہیں، پس سائل مدعی ہے، اور مدعی مطالب باللیل ہوتا ہے اور مجیب مانع ہے اور مانع مطالب باللیل نہیں ہوتا، پس سوال کے اخیر میں جو قرآن و حدیث و اقوال صحابہ و تابعین سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے محض بے اصول ہے جس شخص کے ذہن میں یہ کلیہ نہ آیا ہو ماہران فن مناظرہ سے سمجھ لے، اب جواب عرض کرتا ہوں۔

اشکال اول کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام بوقت نزول نبی ہوں گے، اور آپ کی وحی بھی وحی نبوت ہوگی، مگر شریعت محمدیہ کے متبع ہوں گے، اور وہ وحی بھی خلافت شریعت محمدیہ نہ ہوگی۔ اور آپ کی نبوت ختم نبوت کے منافی اس لئے نہیں کہ ختم نبوت سد باب عطاء نبوت لاحق ہے نہ کہ ستر باب بقائے نبوت سابقہ مع اتباع خاتم نبوت۔

اور اشکال ثانی کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آپ شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے، اس لئے آپ کا عمل قرآن و حدیث پر ہوگا، اور اس کی ضرورت نہیں کہ انھوں نے آسمان پر بڑھا ہوا یا نزول کے بعد کسی استاد سے پڑھیں، موہوب طور پر آپ کو قرآن و حدیث کا علم عطا ہوگا۔ جیسا بعض اولیاء امت کو بھی اس طریق پر علم دیا گیا ہے، اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا۔

اشرف علی ۲ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ (النور ص ۱۰، رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ)

رجوع موتی پر شبہ کا جواب | السؤال (۶۲) گفتارش یہ ہے کہ مرزا غلام احمدؒ دیا فی اور اس کے مرئیوں

نے عدم رجوع موتی فی الدنیا پر سورة الانبیاء پارہ ۱ کا رکوع ۱ کی آیت (و حرام علی قریبہ اھلکناھا انھم کلابرجعون) اور مشکوٰۃ باب جامع المناقب فصل ثانی کی حدیث (عن جابر عن قال لقی بنی سبط اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا جابر مدی الی اداک منکم اقلت استشهد ابی و ترک عیالاً و دیناً قال افلا یسرك بما لقی اللہ بہ اباک قلت بلی یا رسول اللہ، قال ما کل اللہ احد اقط الامن وراء حجاب و اخی اباک فکلمہ کن، حاکم یا عبدی تمن علی اعطک قال یا رب تحیننی و اقتل فیک ثانیة قال الرب تبارک و تعالیٰ انه قد سبق منی انھم کلابرجعون فذلک ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ موثق الایت رواہ القومذی پیش کہ ہے اور فرقان حمید کی آیات مبارکہ (جن میں احیاء موتی کا ذکر ہے) سے مراد بے ہوشی سے ہوش میں آنا نیز کشف وغیرہ لیا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے معجزات رواہی الموتی باذن اللہ) کے معنی یہ کرتے ہیں کہ کافروں کو مسلمان و مؤمن کرنا برائے مہربانی اس آیت مبارکہ اور حدیث شریف کا صحیح مناسب تحریر فرمائیے۔

الجواب: اول چند مقامات ضروریہ مہم کرتا ہوں۔ پھر آیت کے متعلق عرض کر دوں گا۔

مقدمہ اولیٰ، کسی نص کی تفسیر میں ضرورت ہے اس کے سیاق و سباق میں بھی نظر کرنے کی اور سیاق و سباق کے خلاف محض ایک دو کلمہ سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ مقدمہ ثانیہ، تعارض کے وقت عبارة النص کو اشارۃ النص پر مقدم کہا جائے گا۔ مقدمہ ثالثہ، خاص کے انتقار سے عام کا انتقار لازم نہیں آتا، مقدمہ رابعہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ مقدمہ خامسہ مستدل مدعی ہوتا ہے اس کو احتمال مفریہ، اور مانع طالب دلیل ہوتا ہے اس کو احتمال مفید ہے۔

اب اس آیت کا صحیح مطلب سیاق و سباق پر نظر کر کے بیان کرتا ہوں۔ قال تعالیٰ ان هذا امتکم امة واحدة وانا بکم فاعبدون ہ الی قولہ تعالیٰ بل کنا ظالمین۔ تفسیر از بیان القرآن اسے لوگوں کو اور جو انبیاء علیہم السلام کا طریقہ توحید کا معلوم ہوا۔ الی قولہ اس وقت منکرین رجوع بھی رجوع کے قائل ہو جائیں گے (ج، ص ۵۰، س ۱۴ تا ۱۵) اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آیت میں مطلق رجوع کی نفی نہیں بلکہ رجوع خاص للحساب والکتاب کی نفی ہے، جیسا سیاق و سباق سے معلوم ہوا۔ پس اس سے مطلق رجوع کی نفی پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ للمقدمة الثالثة اور صرف پنج کا ایک حصہ لے کر استدلال کرنا صحیح نہیں للمقدمة الاولى، اور اگر بالفرض اگر اس خاص حصہ کی دلالت کو مان بھی لیا جاوے تو وہ اشارۃ النص کا مدلول ہوگا۔ اور مدلول مذکور بالا جو کہ سیاق و سباق سے مسوق نہ الکلام ہے عبارة النص کا مدلول سے اور وہ اشارۃ النص پر مقدم ہے۔ للمقدمة الثانية، اور بالفرض تقدیم بھی نہ ہو تو دونوں مدلول محتمل ہو جائیں گے اور احتمال ہوتے ہوئے استدلال نہیں ہو سکتا للمقدمة الرابعة اور یہ احتمال ہم کو مفر نہیں، کیونکہ ہم مستدل نہیں بلکہ مائع ہیں۔ للمقدمة الخامسة اور یہ آیت اگر اس مدعا میں قطعی الدلالة ہو تو کیا جمہور قائلین برجوع المسح کی تکفیر کا التزام کیا جاسکتا ہے جو آیت پر مطلق ہو کو بھی رجوع مذکور کے قائل ہیں۔ باقی حدیث سوا اس میں عادت کی نفی ہے یعنی خاص وقوع معتاد مستمر کی نفی ہے نہ کہ مطلق وقوع کی پس خرق عادت کے طور پر کسی مادہ میں اس کا واقع ہو جانا اس کے معارض نہیں، جیسے ان حزب الله هم الغالبون میں اشکال مشہور کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ مقصود اس سے عادت کا بیان کہنا ہے ام یا جیسے یہود کی مغلوبیت لیم القیامہ تک ارشاد فرمائی گئی ہے اور درمیان میں چالیس روزہ قبال کا غلبہ ہوگا، جو کہ یہودی ہے اس کو بھی عادت اکثر یہ پر مجبور کیا گیا ہے۔ یعنی مغلوبیت کو عادت غالبہ اور غالبیت کو عارض کہا جاوے گا، اور آیات میں جو احیاء کی تاویل ہے ہم کو اس لئے مفر نہیں کہ ہم امکان رجوع پر ان سے استدلال نہیں کرتے، بلکہ امکان عقلی کے ساتھ خاص مستقل دلیل نقلی سے وقوع کا اثبات کرتے ہیں، کما ہو مبسوط فی کلام العلماء ردا علی اہل البوار، واللہ اعلم۔ اشرف علی، ۱ صفر ۱۳۵۳ھ (النور ص ۹، بیع الثانی ۳۵۳ھ)

حیات عیسیٰ و ادریس علیہما السلام | سوال (۶۴۲) مندرجہ ذیل مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) پارہ ۱۷ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا ہے ”ورفعناہ

مکاناً عنیتا“

(۲) گزارش یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارہ میں سورہ النسا پارہ ۱۷ کے رکوع دوم میں اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے ”بل رفعنا اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً حکیماً“

(۳) عرض یہ ہے کہ کیا حضرت ادریس علیہ السلام بھی حضرت مسیح بن مریم کی طرح زندہ اپنے جسد عفوری

مبارک کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔

(۴) الفاظ ”ورفعناہ مکاناً علیہا“ کے معنی بعض لوگ (یعنی مرزائی فرقہ کے لوگ) یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے ان کے درجات بلند کئے، وہ زندہ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے، کیا یہ معنی صحیح ہیں۔

(۵) بعض لوگ الفاظ ”ورفعناہ مکاناً علیہا“ کے یہ معنی کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو وفات

دیدہ، کیا یہ معنی صحیح ہیں۔

(۶) اگر حضرت ادریس علیہ السلام اپنے جسد مبارک کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں تو

آیا حضرت عیسیٰ بن مریم کی طرح وہ بھی کبھی نازل ہوں گے۔ اور نزول کے بعد وفات پائیں گے۔

(۷) کسی صحیح حدیث نبوی میں یا کسی صحابی یا تابعی کے قول میں حضرت ادریس علیہ السلام کے نازل ہونے

اور پھر وفات پانے کی خبر آئی ہے یا نہیں۔

(۸) آیا قرآن شریف میں یا صحیح حدیثوں میں لفظ رفع جسمانی اور درجات کے بلند ہونے کے سوا کسی اور

معنی (مثلاً اپنی طبعی موت سے مرنا) میں بھی استعمال ہوا ہے۔

(۹) بعض کہتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہیں کیا یہ صحیح ہے۔

(۱۰) شیخ اکبر بن عربی نے فتوحات مکیہ جلد سوم صفحہ ۲۴۱ باب ۳۰ میں شب اسراء کا ذکر فرماتے ہوئے

حضرت عیسیٰ بن مریم کا دوسرے آسمان میں اور حضرت ادریس علیہ السلام کا چوتھے آسمان میں زندہ موجود ہونا

تحریر فرمایا ہے۔ کیا اہل سنت مفسرین نے حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ایسا ہی لکھا ہے۔

الجواب۔ بعض سوالات کا تو اصل مجتہد سے کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوا۔ ان کے جواب کی حاجت

نہیں، اور باقی سوالوں کا منشاء ایک مقدمہ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں، اسی کے ظہور فساد سے سب کا

جواب ہو جاوے گا۔ اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی لفظ رفع آیا ہے اور

حضرت ادریس علیہ السلام کے قصہ میں بھی، سو دونوں مقام پر ایک ہی معنی ہونا ضروری ہے، پس اگر رفع عیسوی کو

حتیٰ کہا جاوے تو رفع اور لسی کو بھی، اور اگر رفع اور لسی کو رتی کہا جاوے تو رفع عیسوی کو بھی ایسی مقدمہ پر سب سوالات مبنی ہیں، سو یہ مقدمہ ہی خود قاسد ہے، کیونکہ لفظ رفع مثل دوسرے بے شمار الفاظ کے اپنے اشتراک معنوی کے سبب سباق عام رفع کو عام ہے۔ اب جس مقام پر جس قسم کی ترجیح کو کوئی دلیل مقتضی ہوگی مراد میں اسی کی تعیین ہو جاوے گی، اور جس جگہ ترجیح کی کوئی دلیل نہ ہوگی دونوں کو محتمل کہا جاوے گا، چنانچہ رفع السماء میں مشاہدہ مرجع ہے اور رفع حتیٰ کو، اور دفعتاً بعضہ فوق بعض دجاً لفظ درجات مرجع ہے ارادہ رفع رتی کو و علیٰ ہذا تمام موارد استعمال میں تعیین مراد کی حسب ذیل ہوگی۔ پس رفع عیسوی میں دلائل مرجع ہیں رفع حتیٰ کو، پس وہاں رفع حتیٰ مراد ہوگا، اور وہ دلائل کتب تفسیر و حدیث و کلام میں مشبہاً مذکور ہیں، اور سب میں اقویٰ و اسلم اجماع ہے اس رفع حتیٰ پر خواہ یہ رفع بعد وفات بساعۃ قلیلۃ ہو خواہ بدوں وفات۔ پس یہ اختلاف اصل مقصود کو مضر نہیں، اور جن سلف سے وفات کا دعویٰ منقول ہے، اس کا محمل یہی ہے، رفع حتیٰ کا انکار وہ بھی نہیں کہتے پس اس رفع پر اجماع ہو گیا، اس لئے آیت میں یہی مراد ہوگا۔ اور اس کی نفی میں علاوہ انکار دلائل نقلیہ کے ایک بڑا شیعہ مخدور عقلی لازم آتا ہے، وہ یہ کہ سورۃ آل عمران کی آیت و مکروا و مکراطہ جس کی تفصیل اسی کے متصل آیت اذ قال اللہ یا عیسیٰ الخ میں مذکور ہے، مثل نص کے ہے ابطال مکر یہود میں جنہوں نے آپ کے ہلاک کی تدبیر کر رکھی تھی، پس اگر رفع و توفی کو موت عربی مقرون بالدفن پر محمول کیا جاوے تو اس سے مکر یہود کا ابطال کیا ہوا، بلکہ ان کی تدبیر کی توتائید و تقویت و تقریر ہو گئی کہ انہوں نے ہلاک کرنا چاہا تھا، اللہ تعالیٰ ہی نے ہلاک کر دیا تو اس میں اعداد کا فذلان کیا ہوا۔ ان کی مسرت و مقصود کی تکمیل ہو گئی اور اس کا شاعت عظمیٰ و قباحت کبریٰ ہونا ظاہر ہے اور آیت و مکروا و مکراطہ معنی سے خالی ہوئی جاتی ہے، مومن تو مومن کوئی عاقل بھی اس کو جائز نہیں رکھ سکتا، اس لئے یہاں رفع حتیٰ متیقن ہوگا۔ اور فی بیوت اذن اللہ ان ترفع میں دلیل مرجع ہے رفع رتی کو اور وہ دلیل امر ہے تعظیم مساجد کا اور عدم وجوب ہے رفع حتیٰ کا اور رفع اور لسی میں کسی قسم کی ترجیح یقینی کی کوئی دلیل نہیں، اس لئے وہ محتمل ہوگا دونوں کا، چنانچہ سلف کے اقوال دونوں طرف ہیں، اس تقریر سے سب سوالات متعلقہ مقام کا جواب ہو گیا، جو ادنیٰ تامل سے سب پر منطبق ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کی تطبیق میں خفا ہو مگر پوچھ لیا جاوے، واللہ اعلم۔

کتبہ اشرف علی، یکم جب ۱۳۵۴ھ (النور حامدی الشانی ۱۳۵۴ھ)

جولاء بہ ہفت جائز ہے | السؤال (۶۲۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلم اور مومن کی شان میں کسی ایسے لفظ یا الفاظ کا استعمال کرتا جس سے اس کی تضحیک و تذلیل ہوتی ہو شرعاً جائز ہے یا

ناجائز اور ایسے معاملہ میں مسلمانوں کو کس طرح کی احتیاط لازم ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو کہ ایک کثیر مسلم خاندان جس میں علماء اور مشائخ صالحین و مدبرین کثرت سے موجود ہیں، لیکن ان کے آبائی پیشہ بافنگی کی بنا پر اس پورے قبیلہ کا نام جولاہہ رکھ دیا گیا ہے، اور اس لفظ جولاہہ کو تمام بافندگان ہندوستانی خوا مسلم ہوں یا غیر مسلم، عرف و حقیقت دونوں میں اتنا معیوب و مذموم سمجھتے ہیں کہ مسلم خاندان تو درکنار اگر ڈوم و چار کو بھی لفظ جولاہہ سے تعبیر کیا جاوے تو چراغ پا ہو جاتا ہے، اور اپنے لئے نہایت تذلیل و تضحیک کا سبب سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی دوسرا لفظ اس سے بدتر کسی خاندان کی تضحیک و تذلیل کے لئے مشہور نہیں، تو اب ایسی صورت میں اس خاندان کے متعلق جن کے آباؤ اجداد بافندہ تھے یا اس کے اکثر افراد اب بھی اسی پیشہ کو کہتے ہیں تو اس پیشہ کی بنا پر ایسے ذلت آمیز لفظ جولاہہ کا استعمال کہنے والا کسی شرعی سزا کا مستحق ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کے ساتھ مسلمانوں کا کیا برتاؤ ہونا چاہئے، قرآن مجید و حدیث شریف، وفقہ حنیف کی رو سے حکم صادر فرما کر اس شر و فتن کے زمانہ میں صحیح طریق عمل بتلا کر عند الشریعہ جور ہوں، والسلام

الجواب، جب تکلم کی نیت صحیح ہو تو ایسے عرف جاہلانہ کا اعتبار نہیں، کیونکہ معتبر عرف عام ہے نہ کہ عرف عوام، جیسے اشمش و اعوج بعض محدثین کا لقب ہے، کسی نے بھی ان کے اطلاق کو ناجائز نہیں کہا، گو عرف میں تحقیر کے لئے بولا جاتا ہو۔ جو کفار مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی وجہ سے ذلیل و حقیر حتیٰ کہ ملچھ کا مرادف سمجھتے ہوں کیا ان کے مجمع میں کسی مسلمان کو مسلمان کہنا ناجائز ہوگا۔ کیا کوئی متدین یا عاقل اس کا قائل ہو سکتا ہے، و هذا ظاہر ای ظہور، واللہ اعلم،

کتبہ اشرف علی، ۱۱ رجب ۱۳۵۶ھ (النور ص ۱۸، جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ)

عجالت کشف الحجاب عن مسئلہ تعظیم بعض الانصاب

جھنڈے کی پراختیا حرام ہے | تمہرید، ڈسٹرکٹ بورڈ بلند شہر سے وہاں کے سکریٹری کی طرف سے ذیل کا سوال مع دو مطبوعہ کاغذات ایک عنوان بہ ضروری ہدایات، دو سرارہ شری جھنڈا آیا، جو مع جواب منقول ہے۔

سوال۔ (۶۲۳) کرم فرمائے بندہ جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، تسلیم جلسہ بورڈ مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۳۵۷ء میں چند ممبر صاحبان بورڈ نے یہ تحریک پیش کی کہ جملہ مدارس زیر اہتمام بورڈ میں منسلک پیرار تھنا متعلق قومی ترنگا جھنڈا روزانہ مدارس کے شروع ہونے پر کی جایا کرے، اس پر

جملہ مسلم ممبر صاحبان بورڈ نے یہ اعتراض کیا کہ ہمارا مذہب اس قسم کی اجازت ہرگز نہیں دیتا ہے کہ سوائے خداوند کرم کے دوسرے کسی شخص کے رو برو پرارتھنا کی جاوے، اور اگر بورڈ کثرت رائے سے پرارتھنا کا کرنا منظور کرتی ہے، تو مسلمان طلباء کو اس سے مستثنیٰ رکھا جاوے اور اسلامی مکاتب قطعی مستثنیٰ رکھے جاویں، اسپر بورڈ نے بذریعہ اپنے ریزولیشن ۲۱۲۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۵ء یہ طے کیا ہے کہ اس مسئلہ پر جناب کی رائے لی جاوے لہذا آپ براہ کرم اپنی رائے سے اس مسئلہ پر جلد مطلع فرما دیں کہ آیا جھنڈے کے سامنے پرارتھنا کرنا مشروعیت میں جائز ہے یا نہیں، موجب مشکوری ہوگا۔ نیازمند

دستخط سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ بلند شہر

ضروری ہدایات

- دربارہ نصب کرنے قومی جھنڈا حسب ریزولیشن بورڈ ۲۰ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۵ء
- (۱) شدھ کھادی کا بتا ہوا قومی ترنگا جھنڈا ۱۹ جولائی ۱۹۳۵ء بروز برسرپست جملہ عمارات زیر انتظام ڈسٹرکٹ بورڈ بلند شہر پر نصب کیا جاوے۔
- (۲) جھنڈا عمارت کے موردوں مقام پر نصب ہوگا۔ جھنڈا سرشتہ ڈسٹرکٹ بورڈ سے لیا جائے گا۔ اور پول درسی وغیرہ کا انتظام ہیڈ یا منتظم عمارت خود کریں گے۔
- (۳) رسم سلامی جھنڈا ٹھیک دس بجے دن ادا کی جاوے گی۔ اس وقت بورڈ کے جملہ ملازمین و طلباء موجود رہیں گے، جو بقاعدہ قطار میں کھڑے ہو کر قومی جھنڈے کا گیت گائیں گے۔
- (۴) رسم کوکا میاب بنانے کے لئے ہیڈ مدرس یا دیگر منتظم کو لازم ہوگا کہ مقامی سرکردہ معزز اشخاص و نیز ممبران اسکول کیٹی کی شراکت حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور رسم سلامی اگر ہو سکے تو کسی دیگر خاص ہستی کے ذریعہ ادا کرائی جاوے۔
- (۵) جملہ کارروائی کی اطلاع سرشتہ ڈسٹرکٹ بورڈ کو ۲۹ جولائی ۱۹۳۵ء کو ہی روانہ کر دی جاوے (سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ بلند شہر)

راشتری جھنڈا

وجی وشو ترنگا پیارا

جھنڈا اد پچار ہم سارا

سدا شکتی سر سامنے والا پریم سدھا بر سامنے والا

- دیروں کو ہر شانے والا مائتہ بھومی کاتن من سارا جھنڈا اونچا (۱)
- سو تنتر تا کے بھیشن دن میں لکھ کر جوش بڑھے چمن چمن ہیں
- کانپے شتر و دیکھ کر من میں مٹ جاتے ہیں سنکٹ سارا جھنڈا اونچا (۲)
- اس جھنڈے کے نیچے تر ہے لیں سوراجیہ ہم اچل لٹھے
- بولو بھارت مائتا کی ہے سو تنتر تا ہو دھیمہ ہمارا جھنڈا اونچا (۳)
- آؤ پیارے دیرو آؤ دیش دھرم پر بلی بلی جاؤ
- ایک ساتھ سب مل کر گاؤ پیارا بھارت دیش ہمارا جھنڈا اونچا (۴)
- اس کی شان نہ جانے پائے چاہے جان بھلے ہی ملے
- وٹو وٹو کر کے دکھائے تب ہووے پرک پورک ہمارا جھنڈا اونچا (۵)

الجواب

غایت فرماتے بندہ، بعد از وجب عرض آنکہ مسلم صاحبان بورڈ کا اعتراض صحیح ہے، واقعی مذہب اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، ضابطہ کا جواب تو ہو گیا، باقی اس حکم کی دلیل صرف اہل علم کے لئے دوسرے کاغذ پر مرقوم ہے، فقط۔

اشرف علی ازتھان، نمونہ، ۱۷ شوال ۱۳۵۸ھ

تقریر دسل جو دوسرے کاغذ پر لکھی گئی،

دلیل المسئلۃ

مقدمہ اولیٰ، قال اللہ تعالیٰ انہما الخمر والمیسر والانصاب الی قولہما جتنبوا الصواب کے عموم میں نفع بھی اور نقلاً عن المفسرین بھی ایسے نشانات بھی داخل ہیں۔

مقدمہ ثانیہ، کسی کی تعظیم کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ معظم اس کا مستحق ہو، کما فی الدر المختار۔

یحوزیل ینداب القیام تعظیماً للقدام ای ان کان ممن یتستحق التعظیم،

مقدمہ ثالثہ، کسی کا مستحق تعظیم ہونا موقوف ہے دلیل صحیح پر، اور اس جھنڈے کے مستحق تعظیم ہونے پر کوئی دلیل نہیں، کما ہوتا ہے۔

مقدمہ رابعہ، خصوص جبکہ وہ اسلامی جھنڈا بھی نہ ہو، اور اگر ایک رنگ کو اسلامی کہا جائے تو محض اس اختراع سے اس کو اسلام کی طرف منسوب کرنا خلاف دلیل ہے، کیوں کہ جب اس میں

ایک رنگ غیر اسلامی بھی ہے تو دونوں سے مرکب ہو کر وہ غیر اسلامی ہو گیا، جیسا کہ قاعدہ عقلیہ بھی ہے کہ اسلام اور غیر اسلام کا مجموعہ غیر اسلام ہو گا۔ اور احکام نقلیہ میں بھی اس کا اعتبار کیا گیا ہی، چنانچہ نمونہ کے طور پر ایک چیز یہ نقل کرتا ہوں فی الدر المختار فی احکام الذبايح وان عطف حرمت نحو باسم الله واسم فلان او فلان رای بدون تکرار لفظ اسمہ لانہ اهل به، لغير الله کذا فی الہدایۃ لان الالہلال لله تعالیٰ لا یکون الا بذکر اسمہ معجوداً لا شریک لہ۔ اھ

دیکھئے اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام بھی لیا گیا مگر اس مجموعہ کو غیر اللہ کیا گیا اور اہلال اللہ کو منحصر کیا گیا غیر کا نام نہ لینے پر اس سے اس قاعدہ کی صریح تائید ہو گئی۔

مقدمہ خامسہ، سوال کے ساتھ جو ترانہ نقل کیا گیا ہے اول تو اس میں بہت سے الفاظ غیر معلوم معنی ہیں اور یہ خود مسئلہ مستقل ہے کہ ایسے الفاظ کا تکلم شرعاً جائز ہے اور بعض الفاظ جو معلوم المعنی ہیں وہ غیر اسلامی شعار ہیں، اور غیر اسلامی شعار کا استعمال قولاً وفعلاً معصیت کبیرہ قریب بضر اسلام ہے، خلاصہ یہ ہوا کہ نہ اس جھنڈے کی تعظیم شرعاً جائز ہے، اور نہ اس ترانہ کا گانا جائز ہے، اور ایسے جلسہ میں شریک ہونا جائز ہے بلقولہ علیہ السلام من کثر سواد قوم فہو مفسد لیس اہل اسلام کو اس سے بالکل علیحدہ رہنا واجب ہے، اور دوسرے مذہب والوں کو بھی اہل اسلام سے ایسی درخواست کرنا ناجائز ہے، بلکہ ان کو مستثنیٰ رکھنا ضروری ہے، خصوصاً جب اتحاد قومی کے بھی مدعی ہیں تو یہ امر دعویٰ محبت سے کس قدر بعید ہے کہ ان کے مذہب کے خلاف ان سے درخواست کی جاوے

نوٹ: احقر نے اس جواب کے عنوانات میں لا تسبوا الذین یدعون من دون الله پر نظر رکھی ہے ورنہ یہ اشد عنوانات کا مستحق تھا، ۱۷ سوال ۱۷۵۵ (النور ص ۴۴، شوال ۱۳۵۵) امام عظمہ کی والدہ کے سوال (۶۲۵) اما بعد دست بستہ گزارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ آنحضرت نکاح پر اشکال کا خواجہ کے رسالہ الاقتصاد فی بحث التقليد والاجتہاد کے عقب میں ایک مضمون دلائل عقل و اہدایۃ ہے جس میں حضور تحریر فرماتے ہیں۔

۱ امام صاحب کے والد ماجد ثابیت رضا اپنے صغر سنی میں حضرت علی رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے
۲ امام صاحب کے والد کی وفات کے بعد آپ کی والدہ صاحبہ سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے عقد کر لیا، اور آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی گود میں پرورش پائی، اسما الرجال میں صاحب مشکوٰۃ نے امام جعفر صادق اور امام ابوحنیفہ کا سن ولادت ۸۰ھ اسی ہجری لکھا ہے، ہر دو بزرگ ایک سال میں پیدا ہوئے۔
امید ہے کہ حضور اس موضوع پر روشنی ڈال کر احقر کو جواب با صواب سے ممنون و مشکور فرمائیں گے۔

الجواب، آپ نے شبہ کی تقریر نہیں کی، ورنہ اس کے لحاظ سے کچھ لکھا جاتا، میں شبہ کی یہ تقریر سمجھا ہوں کہ جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام جعفر صادق رحمہما علیہ ہیں، اور والد کا ولد سے بڑا ہونا لازم ہے، تو امام صاحب کی والدہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے بھی اتنی ہی بڑی ہوں گی، پھر نکاح کیسے کیا گیا، اگر یہی تقریر مراد ہے تو اس میں کوئی وجہ اشکال کی سمجھ میں نہیں آتی، کیا اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے نکاح معتاد نہیں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت حضرت خدیجہ رحمہا سے نکاح کیا ہے حضور کی عمر پچیس برس کی تھی، اور حضرت خدیجہ رحمہا کی چالیس برس کی، اگر امام صاحب اپنی والدہ کی پندرہ یا بیس سال کی عمر میں بھی پیدا ہوئے ہیں تو وہ حضرت جعفر صادق رحمہما سے بھی پندرہ بیس سال بڑی ہوں گی، تو منکوہہ کا نکاح سے اتنا بڑا ہونا بکثرت شائع و واقع ہے، البتہ اس صورت میں لفظ گود پر شبہ ہو سکتا ہے۔ سوچاں سے یہ روایت نقل کی گئی ہے، اس کی عبارت سربا ہے، اور اس میں لفظ حجر ہے جس کا مشہور ترجمہ گود ہے، نقل کے وقت دونوں حضرات کا ہم سن ہونا ذہن میں رہتا اس لئے یہ ترجمہ کر دیا گیا۔ اب یہ کہا جاوے گا کہ یہاں حجر کے معنی مجازی ہیں، یعنی رعایت و رعایت جیسے بزرگوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ اپنے آغوش رحمت میں لیجئے، اور اگر شبہ کی کچھ اور تقریر ہے تو واضح کلمہ جاوے، اس مجموعہ مضمون کے نقل کے وقت جو کتابیں سامنے تھیں ان میں بعض اس وقت نہیں ملیں، ورنہ شاید کچھ اس سے زیادہ لکھ سکتا۔

النور، ص ۱۰، سوال ۵۵۵

جنت آدم | سوال (۶۲۶) سورة البقرہ کی آیت مبارکہ یا آدم اسکن انت و زوجک الجنة میں جس جنت کا ذکر خیر ہے وہ آسمان پر بہشت تھی یا اسی زمین پر کوئی باغ تھا، آسمانی بہشت نہ تھا کیونکہ دلیل اوّل، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واذ قال ربك للملائكة اني جاعل في الارض خليفة عدلنے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں زمین پر خلیفہ بناؤں گا۔

دلیل دوم، سورة النہار، پارہ ۳ میں بہشت کے لئے آیا ہے لا یسمعین فیہا لغوا ولا کذابا، لیکن جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام تھے اس میں شیطان گیا، اور اس نے جھوٹی قسم کھائی اور اس نے جھوٹ بولا۔

دلیل سوم، بہشت میں جو مومن داخل ہوگا اس کے لئے وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا خالون فیہا ابدًا۔ مگر حضرت آدم اور ہواۓ تو اس جنم سے نکالے گئے تھے جب انہوں نے اس درخت کو چکھا جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو منع فرمایا تھا۔

الجواب۔ اس مجتہد میں دو مقام ہیں، ایک علمائے حق پر صحیح استدلال، دوسرا اس کے خلاف کے دلائل کا ابطال، مقام اول کی تقریر یہ ہے کہ آیات و ارادہ فی الباب سے حسب محاورات قرآنیتہا و یقیناً جنت سماویہ ہے، اور تبار علامت ہے حقیقت کی، اور بدون تعذر حقیقت کے مصیر الیٰ المجاز جائز نہیں، اور تعذر کی کوئی دلیل نہیں، کما یتضح من المقام الثانی، پس لا محالہ جنت سماویہ پر محمول کیا جائے گا۔ یہ تو دلیل عقلی ہے اور دلیل نقلیٰ اجماع ہے صحابہ و تابعین کا اس معنی پر، چنانچہ کسی سے اس کے خلاف منقول نہیں، اور اجماع کا خلاف باطل ہے، پس جنت ارضیہ مراد لینا جائز نہ ہوگا، اور یہ قول معتزلہ کا ہے، اور اجماع کے بعد اہل حق کا قول بھی مقبول نہیں، نہ معتزلہ اہل باطل کا پس اس کے خلاف کا قائل ہونا اصول شرعیہ سے ناجائز ہوگا۔

اصل دلیل تو یہ تھی جو مذکور ہوئی، اب اس کی تعیین کے کچھ قرائن خود قرآن مجید سے بھی ذکر کئے جاتے ہیں، ایک آیت میں ارشاد ہے قلنا اھبطوا بعضکم لبعض عدو و لکم فی الارض مستقر، اس میں صاف دلالت ہے کہ یہ بیہبوط غیر ارض سے ارض کی طرف ہوا، اگر وہ جنت ارضیہ ہوتی تو اس کے کوئی معنی نہ تھے، دوسری آیت میں ارشاد ہے ان لا یجمع فیہا ولا تعوی و انک لا تطعم فیہا ولا تظف، ظاہر ہے کہ ارض کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں بھوک پیاس وغیرہ نہ لگتی ہو۔ یہ خاصیت صرف جنت سماویہ میں ہے، تیسری آیت میں ارشاد ہے قال فاھبط منها فاما یكون لکم ان تتکبر فیہا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت البلیس آسمان میں تھا، کیونکہ اگر زمین میں ہوتا تو قاحلہ ط منہا کے کیا معنی ہوتے، پھر فیہا کی قید کا کیا نفع ہوتا، کیونکہ زمین تو محل معصیت کا ہے ہی، البتہ آسمان میں نافرمانی عجیب ہے، نیز صحیح مسلم کی حدیث میں مجاہد آدم و موسیٰ علیہما السلام کا مذکور ہے، اس میں موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے امکنک فی جنتہ ثم اھبطت الناس بخطیئتك الی الارض، اس میں بھی مثل آیۃ اولیٰ کے تقریر ہے۔ اور ان آیات و روایات صحیحہ میں تاویلات کرنا قریب قریب تحریف ہوگی اسی واسطے علمائے کلام نے تصریح کی ہے النصوص تحمل علیٰ ظواہرہا، یعنی مالم یضطر الیٰ ترکہا ولا اضطرار ھنا ومن ادعاہ فلیأت بالبرھان،

اب مقام ثانی کے متعلق عرض ہے۔

دلیل نمبر ۱ کا جواب :- خلافت فی الارض و اسکان فی الجنۃ السماویہ میں کوئی تنافی نہیں، جیسے کسی عہدہ کا وطن تو ایک مقام میں ہو اور تقریر فرض منصبی کے لئے دوسرے مقام میں ہو، اگر حضرت آدم علیہ السلام سے اکل شجرہ کا صدور نہ ہوتا تو عارضی طور پر ارض میں خلافت کی خدمت بجا لا کر پھر جنت سماویہ میں آجایا کرتے

جیسے حضرت جبریل علیہ السلام کا مسکن سدرة المنتہی ہے مگر تنزیل وحی وغیرہ کے لئے زمین پر تشریف لاکر پھر اپنے مسکن میں چلے جاتے تھے۔

جواب دلیل نمبر دوم: مقصود آیت کا اہل جنت سے لغو و کذب کی نفی ہے یعنی اہل جنت ان لغویا سے منزہ ہوں گے، اگر کوئی غیر جنتی آدمی غیر مستنابہ میں سے ایک لمحہ کے لئے وہاں داخل ہو کر ایسے عمل کا ارتکاب کرے اور فوراً نکال دیا جاوے تو اس حکم میں مغل نہیں جیسے قرآن شریف میں اہل مساجد کی صحت میں ارشاد ہے فی بیوت اذن اللہ ان توفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والاضل رجال انہ یعنی مساجد مقام ایسے حضرات کا ہے لیکن اگر کوئی بد معاش مسجد میں آکر کوئی بد معاشی کی بات کرنے لگے اور اسی وقت وہاں سے نکال دیا جاوے تو اس حکم میں کوئی قدرح نہیں ہو سکتا۔

جواب دلیل نمبر سوم: یہ ہمیشہ رہتا اس وقت ہوگا جب اعمال کی جزا کے لئے مستقل طور پر داخل کئے جاویں گے، وصرح بہ فی قولہ تعالیٰ فی سورۃ الاحقاف اولئک اصحاب الجنة خالدین فیہا جزاء بما کانوا یعملون، آدم علیہ السلام کی سکونت نہ جزا تھی نہ استقلالاً دلیل اس کی خود احادیث میں ہے، مسلم کی حدیث میں شہدار کے باب میں آیا ہے، ارداحصر فی اجواف طیار خضر رہا قنادیل حلقۃ بالرش تسرہ من الجنة حیث شاءت ثم قادی الی ثلاث القنادیل الحدیث، اگر یہ قنادیل جنت سے باہر ہیں تب تو روزمرہ جنت کے اندر جانا اور باہر آنا ثابت ہوتا ہے، اور اگر باہر نہیں تو قیامت کے روز تو شہدار بھی میدان حشر میں حاضر کئے جاویں گے، جو جنت سے خارج ہے، البتہ پھر جزا کے طور پر جب مستقل داخل ہوں گے پھر خارج نہ ہوں گے، اور یہاں سے اس کا بھی جواب ہو گیا، کہ شیطان سے یہ کہاں مل گئے جو اس نے ان سے مکالمات و مقاسمت کی، جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت یہ جنت سے باہر کسی مصلحت سے تشریف لائے ہوں جیسے کوئی عارف عمدہ باغ سے دیرانہ کے دیکھنے کو اس لئے جاوے کہ حق تعالیٰ کے عطیہ کی قدر بڑھے، اور شکر کی مزید توفیق ہو، جس کی اصل قرآن مجید میں ہے فلینظر الانسان خلق من ماء دافق کما اوردہ العارف الرومی فی مثنوی اور جیسے بخاری میں سوال نکیرین کے بعد وارد ہے فیقال لہ انظر الی مہ صدک من النار قد ابدلت اللہ بہ مقعداً من الجنة فیراہما جمیعاً الحدیث وفی حدیث ابن ماجہ ابسط من هذا والاتحادیث کلہا فی مشکوٰۃ والشرائع تنبیہ ضروری۔ اس جواب کے اکثر حصہ میں بھی اس قاعدہ کے استحضار کی ضرورت ہے جس کو اس کے قبل کسی جواب میں نقل کر چکا ہوں، کہ مانع طالب دلیل ہوتا ہے، نہ کہ مطالب بالدلیل فقط،

۵۱۳۵۶ (النور ص ۷، ذیقعدہ ۱۲۵۵ھ)

الاختلاف للاعتراف

بمعنی طاعتین میری کذا فی الصراح ۱۲

۱۱

تبدیل قوم کا حکم (۶۲۷) بعد الحمد والصلوة مجھ سے مختلف مسلمان اقوام کے متعلق جن میں بعض قومیں دوسری قوموں کی تنقیص و تحقیر کرتی ہیں، اور بعض قومیں اپنے کو بلا دلیل دوسری قوموں میں داخل کرتی ہیں۔ پوچھا گیا کہ یہ دونوں فعل شرعی قاعدہ سے کیسے ہیں، اس کا جواب عرصہ کرتا ہوں۔ کہ یہ دونوں فعل شرعاً قبیح ہیں، پہلا تفریط ہے اور دوسرا افراط، تفصیل اس کی یہ ہے کہ نصوص شرعیہ اس باب میں ظاہراً دو قسم کے ہیں، ایک مثبت مساوات و تماثل، ایک مثبت تفاوت و تفاضل، چنانچہ حدیث جاننے والوں کو معلوم ہے، اور ظاہر ہے کہ نصوص میں تعارض نہیں ہو سکتا، لہذا دونوں کے لئے جدا جدا محل قرار دیا جائے گا، پس نصوص مساوات تو احکام متعلقہ آخرت کے باب میں ہیں یعنی آخرت کی نجات کے لئے ایمان و اعمال صالحہ کے مدار ہونے میں سب برابر ہیں، اسی طرح اسلامی حقوق میں اللہ دینی کمال حاصل کرنے کے بعد تقدم میں سب برابر ہیں، مثلاً سلام و تسمیۃ عا طس، و عیادت و شہود جنازہ، میں کہ حقوق اسلامیہ ہیں، یا تحصیل اوصاف استحقاق امامت کے بعد یا تحصیل علوم دینیہ کے بعد یا تحصیل کمالات باطنیہ کے بعد امام یا استاد یا شیخ بنانے کے استحقاق میں سب برابر ہیں، چنانچہ مدعیان شرافت عرفیہ بھی سب قوموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، ان سے علوم حاصل کرتے ہیں، ان سے بیعت ہوتے ہیں، ان کو بطور خلافت طریق بیعت و تلقین کی اجازت دیتے ہیں۔ چنانچہ خود احقر ایسے حضرات کا شاگرد بھی ہے اور بعض میری طرف سے مجاز طریقت بھی ہیں پس نصوص مساوات کا تو یہ محل ہے اور نصوص تفاوت احکام راجعہ الی المصلح الدنیویہ کے باب میں ہیں، جیسے شرف نسب یا تلکح میں کفایت، حتیٰ کہ جہاں اقوام عرفاً اعلیٰ طبقہ کے مشہور ہیں، خود ان میں بھی باہم گراں تفاوت کا شرعاً اعتبار کیا گیا ہے، قریش میں بنی ہاشم کا شرف نسبی بقیہ قریش پر نص میں وارد ہے، کفایت میں قریش کا شرف غیر قریش پر گودہ بھی مری ہوں، دلائل شرعیہ سے ثابت ہے، اب نصوص میں کوئی تعارض نہیں۔ پس اس تفاضل کے یہ معنی نہیں کہ کوئی قوم اپنے کو بڑا سمجھ کر دوسرے کو حقیر سمجھے، بلکہ صرف بعض احکام میں جن کا بیان اوپر گذر چکا اس تفاضل پر عمل کی اجازت ہے، پس جو لوگ اپنے کو بڑا اور دوسروں کو اعتقاداً یا عملاً حقیر سمجھتے ہیں یا بلا دلیل شرعی بڑی قوموں میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں، یہ دونوں افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، پہلی جماعت کا تکبر تو کھلا ہوا ہے کہ دوسروں کو اعلانیہ حقیر سمجھا، مگر دوسری جماعت والے بھی عند التامل تکبر کا ارتکاب کر رہے ہیں، کیونکہ ایک قوم سے نکل کر جب بلا دلیل

بہ ما خود من قول تعالیٰ اَحْمِلْنِکُمْ شُغُوکَآ وَ قَاتِلَا لَکُمَا ذُوکَآ۔ ۱۱۲

شرعی دوسری قوم میں داخل ہونے کی کوشش کی تو جس قوم سے نکلنا چاہا ہے اس کو حقیر سمجھا، ورنہ اس سے نکلنے کی کوشش کیوں کرتے، اور علاوہ تکبر کے نسب کے بدلنے کے گناہ کا بھی ارتکاب کرتے ہیں، جس پر بعد میں سخت وعید وارد ہے، بہر حال ان احکام کے علم کے بعد دونوں جماعتوں پر واجب ہے کہ افراط و تفریط سے تو بہ کیے اتباع نصوص کے تحت میں حدود شرعیہ کے اندر رہیں، اور باہم ایک دوسرے کا لحاظ رکھیں، اور کمالات دینیہ حاصل کریں، کہ اصلی شرف یہی ہے، ورنہ دوسرے اسباب شرف آخرت میں نافع نہ ہوں گے، جو کہ مسلمان کا اصل مقصود ہے، واللہ الموفق، اور یہ سب مضمون مع اجزاء آیت یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی (لا قولہ) ان اکرمکم عند اللہ اتقوا میں مذکور ہے۔ احکام آخرت میں مساوات تو صراحتہ (فی قولہ تعالیٰ) ان اکرمکم عند اللہ اتقوا پس تقویٰ کے مدارا کر میت ہونے میں سب مساوی ہیں، اور احکام دنیویہ میں تفاوت قریب بصراحہ (فی قولہ تعالیٰ) وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا تقریر دلالت یہ ہے کہ اختلاف شعوب و قبائل کی غایت تعارف و تمايز کو فرمایا اور ظاہر ہے کہ تعارف و تمايز احکام دنیویہ میں سے ہے، اور خود مقصود بالذات نہیں، بلکہ ادائے حقوق خاصہ کے لئے مقصود ہے، اور جو حقوق تعارف و تمايز پر متفرع ہوتے ہیں وہ سب احکام متعلقہ بالمصلح الدنیویہ ہیں، پس اس طرح یہ دلالت حاصل ہو گئی، واللہ الحمد علی ما علم وفہم و ہذا انا الی طریق الامم۔ کتبہ بقلم اشرف علی عفی عنہ فی کانپور یوم الغد من العقد مومن کانفرنس، ۱۶ رجب ۱۳۵۶ھ

(الغود ص ۹، ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ)

زبان اردو مع تنقید و طبع | بعد الحمد والصلوة، آج کل ہمارے ملک ہندوستان میں اردو زبان کے مسئلے ایک خاص اہمیت حاصل کر لی ہے، چونکہ بفضلہ تعالیٰ کام کرنے والے اپنی فکر کی رسائی تک اس میں حصہ لے رہے ہیں اس کو کافی سمجھ کر لپٹنے لئے اس کی کسی خاص خدمت کی ضرورت ذہن میں نہیں آئی، اتفاقاً آج ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ کو ایک مقام سے چھپا ہوا ایک خط مع ایک اشتہار کے آیا جس سے معلوم ہوا کہ وہاں اس کے لئے ایک کانفرنس منعقد ہونے والی ہے، اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر کسی دھڑ کو کانفرنس میں شرکت نہ ہو سکے تو کچھ مشورہ ہی دیا جاوے، اہم بمعناہ، اس خط اور اشتہار کو پڑھ کر قلب میں ایک حرکت پیدا ہوئی، کہ اس خدمت میں کسی قسم کا حصہ لیا جاوے، چونکہ متعارف خدمتوں کی صلاحیت نہ قوت اور غالباً ایک خاص خدمت کی طرف کسی نے توجہ بھی نہیں کی، اور وہ خدمت اس کی تحقیق ہے کہ اس تحریک کا شرعی حیثیت سے کیا درجہ ہے، اور اس کی ضرورت بھی اس لئے محسوس ہوئی کہ اس وقت اس مسئلے نے تمدن و قومیت سے اگے بڑھ کر مذہبیت کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لئے خیال ہوا

کہ اس کے متعلق ایک مختصر تحریر منضبط کر کے دفتر میں بھیج دی جاوے۔ تاکہ اگر وہ حضرات چاہیں مجلس عام یا خاص میں پیش کر سکیں، اور اگر چاہیں شائع بھی کر سکیں، واللہ الہادی الی الصواب فی کل باب۔

اشرف علی

الآیات، الادلی، قال اللہ تعالیٰ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ الایۃ الثانیۃ
قال اللہ تعالیٰ ومن آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنک والواکمر الایۃ للمثالۃ
الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان۔ الایۃ۔

الروایات الحدیثیۃ والفقیہیۃ، الادلی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجبوا العربیۃ
لثلاث لا فی عربی والقوان عربی وکلام اهل البیت عربی، اخرجہ الطبرانی فی الکبیر والمحاکم
فی المستدرک والبیہقی فی الشعب کذا فی کثر العمال۔ ج ۶ ص ۲۰۴

الثالثۃ، عن ابی ہریرۃ قال کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ نزلت سورۃ
الجمعة فلما نزلت واخرین منهم لما یلحقوا بهم، قالوا من هؤلاء یا رسول اللہ قال وقینا
سلمان الفارسی قال فوضع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ علی سلمان ثم قال لو کان الایمان
عند الذیالنالہ رجال من هؤلاء متفق علیہ قال فی اللغات والمقصود ان المراد بالذین
لویحقوا بهم اهل العجم من التابعین لحقوا بالصحابیۃ، واكثر التابعین من اهل البجم
والصحابیۃ من العرب ولقد ظہر بسطۃ العلم والاجتہاد فی التابعین ما لیرظہر فی غیرہم امر،
الرابعۃ، فی الد والمختار فصل تالیف الصلوۃ کما صم لومشر بغير عربیۃ ای لسان کان
وخصہ البردعی بالفارسیۃ لمزیتہا فی رد المختار قوله البردعی الی قوله وفارس اسم قلعة نسب
الیہا قوم والمراد بها الفتہم وہی اشرف اللغات واشہر ہا بعد العربیۃ واقربہا الیہا ابو اسود
الخامسۃ، فی التوضیح حق لوقرأ آیۃ من القرآن بالفارسیۃ، يجوز الی قوله لکن الامح
انہ رجع عن ہذا القول فی التلویم قوله بغير العربیۃ اشارۃ الی ان الفارسیۃ و غیرہا سواء
فی ذلک الحکم وقیل الخلاف فی الفارسیۃ لا غیر فی الحاشیۃ لعبد الحکیم لمزیتہا علی غیرہا
لقربہا من العربیۃ فی الفصاحۃ الم۔

آیات وروایات بالا سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

نمبر ۱، تمام السنۃ اپنی ذات میں قطع نظر عوامہ سے نعم الہیہ ودلائل قدرت ہونے میں اور اس
بنابہر اباحت استعمال میں مساوی لا تہام ہیں، کما دکت علیہ الآیات،

نمبر ۲۔ بعض خصوصیات کی وجہ سے کہ وہ خصوصیات اسباب عادیہ سے بمنزلہ لوازم کے ہو گئی ہیں باہم السنہ میں تفاضل ثابت ہے، چنانچہ عربی زبان کی فضیلت بیان کی گئی کما فی الروایۃ الاولیٰ۔ اور محاورات اعراب کے استعمال سے نہیں فرمائی گئی، خواہ وہ نہی کسی درجہ کی ہو، مگر ناپسندیدگی کے مدلول ہونے میں شبہ نہیں، کما فی الروایۃ الثانیۃ، اور ان دونوں روایتوں میں غور کرنے سے صاف مفہوم ہے کہ فضل و مدح یا ذم قبح کا مبنی اس لسان کا تلبس کسی فضیلت کی چیز سے یا اس کا تلبس کسی مذموم چیز سے ہے، خواہ وہ چیز کوئی عین ہو، یا معنی ہو،

نمبر ۳۔ بعد عربی کے فارسی زبان میں اسی تلبس مذکور کے سبب چند وجوہ سے فضیلت ثابت ہے، ایک اس کا تعلق جماعت مقبولین سے کما فی الروایۃ الثالثۃ مع الحاشیۃ الدالین علی کوہم مرضیین عند اللہ تعالیٰ و کوہم اہل علم و اجتہاد اور دوسری وجوہ آگے آتی ہیں۔

نمبر ۴۔ اسی فضیلت کی بنا پر جیسا بعض محققین نے فارسی کی تخصیص کی تصریح کی ہے، امام حجتؒ نے ایک وقت میں فارسی میں قرأت کو جائز فرمایا تھا، گو بعد میں اس سے رجوع فرمایا۔ لیکن رجوع فرمانے سے بنا کا اعدام لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ رجوع کسی معارض اقویٰ کے سبب ہے نہ کہ ضعف بنا سے، تو اس معارض کی قوت ایک خاص محل میں ظہور اثر بنا کی مانع ہو گئی، نہ کہ مبطل، چنانچہ علاوہ فضیلت مذکور نمبر ۳ کے دوسری وجہ فضیلت کی اس کا اشرف اللغات ہوتا ہے، کما فی الروایۃ الرابعۃ، اور اس ثمر کا مبنی قریب یہ ہو سکتا ہے کہ عباد مقبولین نے اس کے ساتھ تکلم کیا ہے، جیسا روایات ذیل میں آئی ہیں

الف، روی البخاری فی حدیث طویل من کتاب الجہاد فصاح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اہل الخندق ان جاہوا قد صتم سورۃ الخ قال الحافظ فی الفتح عن الاسماعیلی السور کلمۃ بالفارسیۃ الخ وقال اللزما فی لغۃ فارسیۃ کلمۃ الخ الحدیث۔

(ج) روی البخاری ایضاً فی باب اذ قالوا صبا من کتاب الجہاد وقال عمر بن الخطاب اذا قال مترس فقد امنہ (د) روی ابوداؤد ان ابامیمونۃ قال بیئنا اناجالس مع ابی ہریرۃ جاءہ امرأۃ فارسیۃ الی قولہ فقالت یا اباہریرۃ رطنت بالفارسیۃ وفیہ فقال ابوہریرۃ استہما علیہ و رطن لہا بذلک الحدیث باب الحدیث من احق بالولد۔

(ه) و ذکر ابن تیمیہ فی کتابہ اقتضاء الصراط المستقیم عن ابی العالیۃ و محمد بن الحنفیہ تکلمہما بالفارسیۃ، اور بعض روایات میں جو اس کی کراہت آئی ہے، حافظ نے فتح میں اس کا یہ جواب دیا ہے، و اشار المصنف (ای البخاری) الی ضعف ما ورد من الاحادیث الواردة فی کراہتہ

الکلام بالفن الادبی الی قولہ ونسندہ واہ ایضاً، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کراہت اس کے لئے ہے جو اس کو عربی پر ترجیح دے، اور تیسری وجہ فضیلت کی اس کا فصاحت میں عربی سے قریب ہونے ہے، بخلاف بعض السنہ کے کہ ان کے کلمات میں ثقل و تناقض کثرت ہے، کما فی الروایۃ الخارصہ الحاشیۃ، اب ان مقدمات پر تفریع کے عرض کرتا ہوں کہ جس طرح فارسی زبان کے لئے عربی زبان کے ساتھ مناسبت ہونے سے فضیلت حاصل ہے، اور چونکہ اس فضیلت کا اثر احکام دینیہ میں بھی ظاہر ہو چکا ہے، اس لئے وہ فضیلت دینیہ ہے، اسی طرح بلاشبہ عربی اور فارسی کے ساتھ ایسے ہی قوی مناسبت ہونے سے اردو کو بھی فضیلت دینیہ حاصل ہے بلکہ فارسی کو تو عربی سے صرف مشابہت ہی کی مناسبت ہے، اور اردو کو فارسی اور عربی سے جوئیت کی مناسبت ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ اردو میں کثرت سے فارسی اور عربی کے الفاظ مفردہ ہوتے ہیں کہ کسی زبان میں بھی نہیں، بلکہ اس کے بہت جملے تو ایسے ہوتے ہیں کہ بجز روابط کا اور کسی اور نہیں کے پورا مادہ فارسی اور عربی ہی ہوتا ہے، یہ تو فضیلت کی زبانوں سے اس کا تلبس ہے، دوسری فضیلت اس میں یہ ہے کہ علوم دینیہ کا خصوص تصوف صحیح و مقبول کا اس میں غیر محدود و غیر محصور ذخیرہ ہے، جس کو علماء و مشائخ نے صدیوں کی مشقت اور اہتمام سے جمع فرمایا ہے۔ چنانچہ روایت رابعہ میں اشرہ کہنے سے اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، خدا نخواستہ اگر یہ زبان ضائع ہو گئی تو یہ تمام ذخیرہ ضائع ہو جاتا۔ بالخصوص عوام مسلمین کے لئے تو علم دین کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہے گا، کیونکہ ان کا استفادہ بوجہ عربی نہ جاننے کے اسی پر موقوف ہے، کیا کوئی مسلمان اس کو گوارا کر سکتا ہے، اور کیا اس طرح ضائع ہوتے دیکھنا اور اس کا انسداد نہ کرنا شرعاً جائز ہے، تیسری خصوصیت کہ اس کو بھی فضیلت میں دخل عظیم ہے اس کا سلیس اور آسان ہونا ہے، اسی تیسیر کو آیات قرآنیہ میں موضع امتنان میں ارشاد فرمایا گیا، کما قال تعالیٰ فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وقال تعالیٰ فانما یسرناہ بلسانک لعلہم یتذکرون، واشہا ہما من الایات،

تفریع علی التفریع، اس انتاج کے بعد معلوم ہو گیا کہ اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے، اس بنا پر یہ حفاظت حسب استطاعت طاعت اور واجب ہوگی، اور باوجود قدر کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذہ آخرت ہوگا، واللہ اعلم و هذا اما حضرتی الان ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً، رسالہ درجہ اردو تمام شد (النور ص ۱۰، شعبان ۱۳۵۵ھ)

الحکم اظہار معاصی | سوال (۶۲۹) ایک مسئلہ عرصہ سے دریافت کرنا چاہتا تھا، آج نوبت آرہی ہے خیال یہ رہ کر آتا ہے کہ اپنے قلم سے اپنے حالات زندگی بالکل پورست کندہ من وعن لکھ ڈالوں، پھر اگر ہمت ہو تو

زندگی ہی میں چھاپ دوں، ورنہ بعد والوں کے لئے چھوڑ جاؤں، اس میں اپنی بد عقیدگی، بد عملی، معاصی سب ہی کی تصریح ہوگی، گو مقصود اس سے دوسروں کی اصلاح اور عبرت ہے، لیکن پھر بھی جی ڈرتا ہے کہ کہیں اس حدیث کی خلاف ورزی نہ ہو، جس میں اظہار فسق و اعلان معصیت کی ممانعت ہے، اب جیسا جناب والا کا ارشاد ہو،

الجواب، غور کرنے سے اس کے متعلق یہ اجزاء ذہن میں آئے۔

نمبر ۱، جن معاصی کے اظہار سے ممانعت ہے مراد اس سے وہ ہیں جن کو مرتکب بھی معصیت سمجھتا ہو، اس کا اظہار صورتہ جسارت و وقاحت ہے، اس لئے ممنوع ہے۔

نمبر ۲، عقائد فاسدہ کا اظہار اس میں داخل نہیں، کیوں کہ اس کا ارتکاب دین اور حق سمجھ کر کیا تھا، اس لئے وہ علت اس میں نہیں،

نمبر ۳، پھر معاصی مذکورہ کا اظہار بھی اگر ضرورت دینیہ سے ہو جیسے مصلح کے سامنے بغرض اصلاح اس میں وہ علت نہیں پائی جاتی، اس لئے وہ ممنوع نہیں، جیسے بدن مستور کا کشف مصلح کے سامنے جائز ہے، اور دل کے سامنے جائز نہیں ہے۔

نمبر ۴، اور جہاں یہ ضرورت نہ ہو محض اپنے نقص کے اظہار یا دوسروں کی تحذیر کی مصلحت ہو، چونکہ یہ مصلحت عنوانات کلیہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے، مثلاً مجھ سے بہت سے معاصی سرزد ہوئے اللہ تعالیٰ معاف فرماوے، دوسرے حضرات بھی میرے لئے استغفار کریں، اس لئے جزئیات کا اظہار جائز نہیں، امید ہے کہ جواب کافی ہو گیا ہوگا، اگر کوئی ضروری چیز رہ گئی ہو پھر سوال کر لیا جاوے

فقط، ۱۹ رجب ۱۳۵۶ھ (النور، ص ۱۰، ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ)

توحید الحق

رسالہ توحید الحق و عدم نجات غیر مسلم | بسم اللہ الرحمن الرحیم، بعد الحمد والصلوة،

احقر اشرف علی مدنا، نگار ہے کہ ہماری شامت اعمال سے ہم کو ایسا روز بدو کیسنا پڑا کہ ایک خاص داعی کی بنا پر ایک ایسے مسئلہ پر بصورت تصنیف تحقیق مستقل لکھنے کی ضرورت ہوئی جس کی ضرورت کا بدو ثبوت محمدیہ علی صاحبہا الف الف سلام و تحیہ سے آج تک کبھی خواب میں بھی کسی کو یہ وسوسہ نہ ہوا تھا، وہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا اہل اسلام کے علاوہ اور اہل ادیان و مل بھی ناجی ہیں، جس کا صاف حاصل دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ کیا اسلام کی طرح کفر بھی موجب نجات آخرت ہے؟ اور اس تحقیق کا وہ داعی یہ ہے کہ اس

وقت بعض مدعیان اسلام نے اس کا دعویٰ کیا، اور بصورت تصنیف اس کو شائع بھی کر دیا، اور باوجود مسئلہ کے قطعی اور ضروریات دین میں سے ہونے اور آج تک کسی مدعی اسلام کے اختلاف نہ کرنے کے اس کا دعویٰ کر کے آیات میں تلبیس و تدلیس سے کام لیا، ان الله وانا الیہ راجعون، عوائق و غلط فہمی ہو جاوے، اس لئے چونکہ اندیشہ تھا کہ آئندہ نسلوں میں علم و فہم کی یوٹا فیوٹا کمی سے کسی کو غلط فہمی ہو جاوے، اس لئے ضرورت ہوئی کہ جن آیات کا اس مسئلہ سے تعلق ہے، استدلالاً یا جدالاً اور جدال کا خواہ وقوع ہوا ہو یا اس کا احتمال ہوا ہو ان کا ایک معتد بہ حصہ مع اس کی صحیح تفسیر کے بطور نمونہ کے جمع کر دیا جائے، اور بعض مقام پر محض تبرعاً و تائیداً علاوہ اخبار و آثار مذکورہ فی ضمن التفسیر کے دوسرے بعض اخبار و آثار بھی وارد کئے گئے ہیں، تاکہ حقیقت و واقعہ کا احیاء و البقا اور وسائل و وساوس اختراعیہ کا محو و افناء ہو جائے اور بقیہ آیات کا حل اس نمونہ کی اعانت سے یوٹا مشترک اصول کے سہل ہو جاوے گا اور نام اس تحریر کا توحید الحق رکھا گیا، یعنی دین حق کے واحد غیر متعدد ہونے کا اثبات اور آیات مندرجہ کے خدود پر نظر کر کے جست آیت لقب تجویز کیا گیا، اور کسی آیت کی تفسیر میں اگر توجہات متعدد ہوں تو اس سے نفیس مقصود میں شبہ نہ کیا جاوے، کیونکہ وہ متعدد اس امر میں متوحد ہیں کہ ان میں سے کسی توجہ میں اس مخترع مبتدع کی موافقت نہیں کی گئی، پس اس مخترع کا بطلان یقیناً مجمع علیہ ہے پھر قطع نظر اجتماع کے اس تدلیس توجیہ کو خود واجب تدلیس بھی درجہ احتمال سے متجاوز نہیں کہہ سکتا، گویا احتمال بھی باطل ہے، لیکن اس فرض پر بھی اس میں قابل استدلال ہونے کی صلاحیت تو نہ ہوگی کیونکہ وہ تائید عقلی ہے، اذ اجاء الاحتمال بطل الاستدلال، نیز قالون عقلی ہے کہ مشتبہ و محتمل کو محکم و مقسّر کی طرف راجع کرنا ضروری ہے، تاکہ کلام صادق میں تعارض نہ ہو، اور اس کا عکس قطعاً باطل ہے اور مسئلہ کا محکم ہونا ظاہر ہے، جس کے دلائل محکمہ آیات آئندہ میں تو نظر سے گزریں گی، مگر تبرعاً و تقویٰ بعض حدیثیں بھی بخاری اور مسلم سے نقل کی جاتی ہیں، کیونکہ حدیث میں وجوہ مختلفہ کی بہت کم گنجائش ہوتی ہے، تو ان کی دلالت عام نظریں واضح ہوگی، اور شیخین کے روایت کرنے سے ان کی صحت بھی مسلم ہوگی اور ثبوت اور دلالت بھی یہی دو روح ہیں دلیل کی، کہا ہو معلوم وہ حدیثیں یہ ہیں۔

روی البخاری عن ابی ہریرۃ رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی (مشکوۃ) وروی مسلم فی با وجوب الایمان برسالتہ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی جمیع الناس ونسخ الممل بملئہ عن ابی ہریرۃ رضی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال والذی نفس محمد بیداء لا یجمع

بی احد من هذه الامة يهودى ولا نصرانى ثم يموت وله يؤمن بالذى ارسلت به الاكان
من اصحاب النار، قال النووى وانما ذكر اليه يهود والنصارى تنبيهاً على من سواهما لان اليهود
والنصارى لهم كتاب فاذا كان هذا انشاؤه مع ان لهم كتاباً فغيرهم ممن لا كتاب لهم
اولى والله اعلم، وروى مسلم ايضاً فى باب الدليل على ان من مات على الكفر لا ينفعه عمل
عن عائشة قلت يا رسول الله ان رجلاً مات فى الجاهلية يصل الرحم ويطعم المسكين
فهل ذاك نافعة قال صلى الله عليه وسلم لا ينفعه انه لم يقل يوماً رب اغفر لي خطيئتي
يوم الدين قال النووى اى لم يكن مصداقاً بالبعث ومن لم يصدق به كافراً لا ينفعه
عمل، وقال القاضى عياض وقد انعقد الاجماع على ان الكفار لا ينفعهم اعداءهم ولا ثبات
عليها الخ،

یہ سب تمہید تھی، اب آگے مقصود شروع ہوتا ہے، یعنی آیات موعودہ مع تفسیر نقل کرتا ہوں،
واللہ الہدی الی سواء السبیل، دھو حبی فی کل مرام ونعم الوکیل۔

الآیۃ الاولی، والذین کفروا، وکنوا بایاتنا اولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون، سورۃ
بقرہ، اور جو لوگ کفر کریں گے، اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی، یہ لوگ ہوں گے فوزخ
والے وہ اس میں ہمیشہ کو رہیں گے (بیان القرآن ص ۲۵ ج ۱)

توضیح، جس مذہب والا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتا ہو اس کا کافر کذب
آیات ہونا یقینی، اور آیت میں اس کا غیر ناجی ہونا صریح، پس اس آیت سے اہل حق کا استدلال ظاہر ہے
الآیۃ الثانیۃ، ان الذین امنوا والذین ہادوا والنصارى والصائبین من امن بالله والیوم
الآخر وعمل صالحاً فلہم اجر ہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا هم یحزنون (سورۃ بقرہ) یہ تحقیقی
بات ہے کہ مسلمان اور یہود اور نصاریٰ اور فرقہ صائبین (ان سب میں) جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ
کی ذات و صفات پر اور روز قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے (موافقت الزن شریعت کے) ایسوں
کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے، ان کے پروردگار کے پاس (پہنچ کر) اور وہاں جا کر کسی
طرح کا اندیشہ بھی نہیں ان پر اور نہ وہ منہموم ہوں گے۔

(ف) حاصل قانون کا ظاہر ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں، جو شخص پوری اطاعت اعتقاداً
اور اعمال میں اختیار کرے گا، خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو، ہمارے یہاں مقبول اور اس کی خدمت
مشکور ہے، اور ظاہر ہے کہ بعد نزول و تشرآن کے پوری اطاعت اطاعت محمدی یعنی مسلمان ہونے

میں منحصر ہے، مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان ہو جاوے گا مستحق اجر و نجات آخروی ہوگا، اس میں س خیال کا جواب ہو گیا، یعنی ان شرارتوں کے بعد بھی اگر مسلمان ہو جاوے تو ہم سب معاف کر دیں گے، اور صائبین ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات و طرز عمل کے باب میں س وجہ سے کہ کسی کو پورا پورا پتہ نہیں لگا مختلف اقوال ہیں، واللہ اعلم، اور اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی ظاہر میں ضرورت نہیں، کیونکہ وہ تو مسلمان ہیں ہی، لیکن اس کلام میں ایک خاص بلاغت اور مضمون میں ایک خاص وقعت پیدا ہو گئی، اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقعہ پر یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو شخص اطاعت کرے گا وہ مورد عنایت ہوگا،

اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے، سنا ہے اصل میں مخالف کو، لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کو جو موافقین پر عنایت ہے اس کی علت اُن سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ ان کی صفت موافقت مدار ہے ہماری عنایت کا، سو مخالف بھی اگر اختیار کرے وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جائے گا اس لئے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا (بیان القرآن ص ۳۶ ج ۱)

توضیح، اس تقریر کے بعد اس آیت سے اہل باطل کے استدلال کا اضمحلال ظاہر ہے اور ایک ایسی ہی آیت لایجب اللہ کے ختم کے قریب رکوع یا یاہا الرسول بلغ میں آئی ہے، اس کی بھی یہی تقریر ہے، اور اس مقام پر تمہید کی اس عبارت میں یعنی من قولہ کسی آیت کی تفسیر میں الی قولہ مسئلہ کا حکم ہونا ظاہر ہے، اسے نظر کا اعادہ کر لیا جاوے، اور آئندہ کے مطالعہ میں بھی کبھی کبھی اس کا اعادہ مفید ہوگا۔

بعض الاخبار روى ابن جرير بسندة عن مجاهد عن سلمان و ذكر للنبي صلى الله عليه وسلم افعال النصارى واجتهادهم فنزلت هذه الآية فدا سلمان فقال نزلت هذه الآية في اصحابك، ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم من مات على دين عيسى ومات على الاسلام قبل ان يسمع بي فهو على خير ومن سمع بي اليوم ولحقه من فقد هلك و روى ابن جرير بسندة عن ابن عباس رضي الله عنهما ان الذين امنوا الى قوله تعالى ولا هم يحزنون، فانزل الله تعالى بعد هذا ومن يمتن غير الاسلام ديناً قلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين ام قال ابن كثير بعد نقل قول مجاهد مانعه قال ابن ابى حاتم و روى عن سعيد بن جبير نحو هذا قلت هذا الايتا في ما روى عن ابن عباس رضي الله عنهما (قوله فانزل الله بعد هذا) قال هذا الذي قاله ابن عباس اخباره ان لا يقبل من احد طريقت ولا عملاً الا ما كان موافقاً لشرع محمد صلى الله عليه وسلم ولا بعد ان

بعثہ فاما قبل ذلک کل من اتبع الرسول فی زمانہ فهو علی ہدی وسبیل ونجاة قال یہود ایتنا
موسیٰ علیہ السلام والذین یتحاکمون الی التوراة فی زمانہم

الآیۃ الثالثہ۔ بلی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئۃ فاولئک اصحاب النار
ہم فیہا خالدون۔ والذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک اصحاب الجنة ہم فیہا خالدون
(سورہ بقرہ) جو شخص قصد اُتری باتیں کرتا رہے اور اس کو اس کی خطا (و قصور اس طرح) احاطہ کر لے
(کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے
اور جو لوگ اللہ و رسول پر ایمان لاویں اور نیک کام کریں، ایسے لوگ اہل بہشت ہوتے ہیں،
(اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے،

ف، غطاؤں کے احاطہ کرنے کے یہ معنی احقر نے ترجمہ میں ظاہر کر دیئے ہیں، احاطہ ہا میں معنی
کفار کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ کفر کی وجہ سے کوئی عمل صالح مقبول نہیں ہوتا، بلکہ اگر کچھ کفر کے
قبل کے اعمال ہوں وہ بھی جسط اور ضبط ہو جاتے ہیں، اس وجہ سے کفار میں سب ہدی ہی ہدی ہوگی
بمخلاف اہل ایمان کے کہ اولاً ان کا ایمان خود ایک اعظم اعمال صالحہ ہے، ثانیاً اور اعمال فرعیہ بھی ان کے
نامہ اعمال میں درج ہوتے ہیں، اس لئے وہ نیکی کے اثر سے خالی نہیں۔

توضیح، اس آیت سے اہل حق کا استدلال ظاہر ہے، کیونکہ احاطہ خطیہ کی جو تفسیر کی گئی ہے کافر
یقیناً اس کا مصداق ہے، اور کافر کا غیر ناجی ہونا آیت میں مصرح ہے، اور حضور اقدس کی رسالت کا
منکر یقیناً کافر ہے، پس وہ غیر ناجی ہوا، اور معتزلہ کا وہی کہنے آیت کو عام کہنا اس مقصود میں مضمر
نہیں، کیونکہ اس صورت میں کافر بدرجہ اولیٰ غیر ناجی ہوگا، اور معتزلہ کے قول کا بطلان ایک
مستقل بحث ہے،

الآیۃ الرابعہ، فلما جاء ہم کتاب من عند اللہ مصدیٰ لہما معہم وکانوا من قبل
یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ہم ماعز فوا کفروا بہ فلنعتہ اللہ علی الکفرین سورہ
بقرہ) اور جب ان کو ایسی کتاب پہونچی (یعنی قرآن) جو بجانب اللہ ہے (اور) اس کتاب کی (بھی) تقدیر
کرنے والی ہے (پہلے سے) ان کے پاس ہے (یعنی توراة) حالانکہ اس کے قبل خود بیان کرتے تھے اور
کفار سے (یعنی مشرکین عرب سے) کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور ایک کتاب لانے والے ہیں، مگر
بمحریب وہ چیز اپہونچی، جس کو وہ (خوب جانتے ہیں) پہچانتے ہیں، تو اس کا (صاف) انکار کر بیٹھے
سو اس (خدا کی) مار ہو ایسے منکروں پر کہ جان بوجہ کر محض تعصب کے سبب انکار کریں۔

ف، اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب حق کو جانتے تھے تو ان کو مومن کہنا چاہئے، پھر ان کو کافر کیسے کہا گیا، جواب یہ ہے کہ جس طرح حق کو باطل جانتا کفر ہے، اسی طرح باوجود حق جاننے کے انکار کرنا بھی کفر ہے، بلکہ بشہادۃ عقل و شرع یہ اول سے بھی قبیح تر ہے، دوسرے یہ جانتا اضطراری تھا۔ جس سے وہ کارہ تھے، اور ایمان تصدیق اختیاری کا نام ہے، جس میں طوع و تسلیم ہو، کیونکہ مامور ہے اور مامور کا اختیاری ہونا ضروری ہے۔ (بیان القرآن ص ۴۸ ج ۱)

توضیح، آیت اہل حق کے مقصود میں صریح ہے، کیونکہ رسول اور قرآن کے انکار کو گودل میں یقین بھی ہو کفر فرمایا، اور کفار کا غیر ناجی ہونا ظاہر ہے،

الآیۃ الخامسة۔ ان الذین کفروا وما تواواہم کفاراً اولئک علیہم لعنتہ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین خالدین فیہا لا یخفف عنهم العذاب ولا ہم ینتظرون (سورہ بقرہ)

البتہ جو لوگ (ان میں سے) اسلام نہ لائیں، اور اسی حالت غیر اسلام پر رہیں، ایسے لوگوں پر (وہ) لعنت (مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں اور آدمیوں کی بھی سب کی (ایسے طور پر برسا کرے گی کہ) وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اسی لعنت میں رہیں گے (حاصل یہ کہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوں گے اور ہمیشہ کا جہنم میں رہنے والا ہمیشہ ہی خدا کی خاص رحمت سے دور بھی رہے گا، اور ہمیشہ ملعون رہنا ہی ہے اور ہمیشگی لعنت کے ساتھ یہ بھی ہے کہ داخل ہونے کے بعد کسی وقت، ان پر) سے (جہنم کا) عذاب ہٹا (بھی) نہ ہونے پاوے گا، اور نہ داخل ہونے کے قبل) ان کو کسی میعاد تک (مہلت دی جاوے گی) (بیان القرآن ص ۹۰ و ۹۱ ج ۱)

توضیح، یہ بھی اہل حق کے مدعا میں صریح ہے، کیونکہ جو مسلمان نہ ہو وہ کافر ہے، اور کافر کا غیر ناجی ہونا صاف مذکور ہے،

الآیۃ السادسة۔ ومن یرتد منکم عن دینہ فیموت وہو کافر فاولئک حبطت اعمالہم فی الدنیا والآخرۃ۔ واولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون، اور جو شخص تم میں سے اپنے دین (اسلام) سے پھر جاوے، پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جاوے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال نیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں، اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں، اور یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے (بیان القرآن، ص ۱۲۳ ج ۱)

توضیح، مثل آیت بالا ہے، کیونکہ مدار حکم کفر ہے،

الآیۃ السادسة، اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمت الی النور واللہ ینزل الذین کفروا

اولیاءہم الطاغوت یخرجونہم من النور الی الظلمات، اولئک اصحاب النار ہوں فیہا خلدون (سورۃ البقرہ) اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو (کفر کی) تار کیوں سے نکال کر یا بچا کر نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں (انسی یا جنی) وہ ان کو نور (اسلام) سے نکال کر یا بچا کر (کفر کی) تار کیوں کی طرف لے جاتے ہیں، ایسے لوگ (جو اسلام کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کریں) دوزخ میں رہنے والے ہیں (اور) یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے (بیان القرآن ج ۱، ص ۱۵۳)

یہاں بھی توضیح مثل آیت بالا ہے،

اطللع، آیات مثبتہ عدم نجات غیر مسلم تمام قرآن مجید میں صراحتاً بھی متجاوز ہیں، مثلاً اول ہی منزل میں بدین نتیج کے سرسری نظریں یہ آیتیں خیال میں آگئیں۔

(۱) ان الدین عند اللہ الاسلام (آل عمران) جو حسب تصریح روح المعانی کے کہ تعریف جزین مفید ہے صحر کو مراد ہے آیت (۲) ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه (آل عمران) کے جو مقصود میں صریح سے بھی زیادہ ہے، اور آیت اولیٰ کے سلسلہ میں بہت ہی قریب دقل للذین اتوا الکتاب والامین ااسلمتم فان اسلموا فقد اهتدوا الخ میں جس طرح اس کی تصریح ہے کہ اسلام ہی شرط ہے ہتدوا کی، اسی طرح اس کی بھی تصریح ہے کہ اہل کتاب بھی مثل مشرکین عرب کے جس حالت میں تھے کہ شریعت محمدیہ کو قبول نہ کیا تھا، اپنے پہلے طریق یہودیت و نصرا نیت پر تھے وہ اسلام نہیں ہے، پس ان احکام میں اسلام بالمعنی الاعظم کا احتمال محض منفی و باطل ہے، اور جب اسلام نہیں تو اس لئے ہتدوا بھی نہیں ہے، جو شرط نجات ہے، پس ثابت ہو گیا کہ دورہ شریعت محمدیہ میں دوسری کسی شریعت پر عمل کرنے سے نجات نہ ہوگی۔ اور دوسری آیت سے بہت تھوڑے فاصلہ سے ارشاد ہے ولا تمون الا دینکم مسلمون، پس اس میں بھی تصریح ہے کہ جس اسلام کا اوپر ذکر ہے کہ اس کا غیر غیر مقبول ہے، اسی پر موت تک ثبات مامور ہے، پھر اس کے بہت قریب امت محمدیہ کی غیریت اور بنا غیریت امر وہی و ایمان بیان فرما کر ارشاد ہے و لو امن اهل الکتاب لکان خیر الھدۃ جس میں تصریح ہے کہ نزول آیہ کے وقت اہل کتاب اہل ایمان نہیں، وہ مومن جب ہوں گے جب امت محمدیہ میں داخل ہو جائیں، پس یہ سب اجزاء جدا جدا بھی اور مل کر مقصود میں اس قدر صاف ہیں کہ ان میں کسی تحریف کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔

(۳) کیف ھدی اللہ قومًا کفروا بعد ایسانہم و شھدوا ان الرسول حق و جاءہم البینات

واللہ لا یہدی القوم الظالمین، اولئک جزاء ہم ان علیہم لعنتہ اللہ والما عکتہ والناس اجمعین خالدین فیہا لا یخفف عنہم العذاب ولا ہر یبظرون (آل عمران)۔

(۴) ومن یعص اللہ ورسولہ ویطع حد ویدخلہ ناراً خالداً فیہا ولہ عذاب عظیم (نساء)
(۵) ان الذین کفروا باایاتنا سوف نصلیہم ناراً ط کما نقصت جلودہم ید الناہر جلوداً غیر ہالید وقوا العذاب ان اللہ کان عزیزاً حکیم (نساء)
(۶) ان الذین یکفرون باللہ ورسولہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسولہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلاً اولئک ہم الکافرون حقار نساء)

(۷) ان الذین کفروا وظلموا لم یکن اللہ لیغفرلہم (نساء)
اس لئے آئندہ ایسی آیات ہوں کسی خاص مقتضی کے جس کی طرف کافی اشارہ بھی کر دیا جائے گا نقل نہ کی جاویں گی، صرف دوسری آیات جن سے اہل باطن کے تمسک کرنے کا جواب دیا جائے گا منقول ہوں گی،

الآیۃ الثامنۃ (اور بوجہ تناسب کے بعد کی چند آیات متقاربہ اس کے ساتھ جمع کر کے مجموعہ کی تفسیر اور مقصود کی تقریر کی جا کر دی گئی) وکیف یحکمونک وعدنا ہم التورۃ فیہا حکم اللہ ثم یتولون من بعد ذلک وما اولئک بالمؤمنین (ماثلہ) شاید کسی جاہل کو شبہ ہو تاکہ اس میں اہل تورات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرائے پر نگیرے اور اس سے اہل تورات کو اس وقت بھی قرآن پر عمل کرنے کے واجب نہ ہونے کا نتیجہ نکالے۔

الآیۃ التاسعۃ، انا انزلنا التورۃ فیہا ہدی ونور۔ یحکم بما النبیون الذین اسلموا للذین ہادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شہداء فلا تخشوا الناس واخشون ولا تشتروا بایاتی ثمناً قليلاً۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکافرون (ماثلہ) شاید اس سے کسی جاہل کو ویسا ہی مذکورہ شبہ ہو کہ اس میں توریت کے موافق انبیاء کے حکم کرنے کی بنا پر اہل توریت کو ترغیب دی ہے، اس وقت بھی حکم بالتورۃ کی اور اس کے خلاف پر وعید ہے،

الآیۃ العاشرة والحادیۃ عشر، وقفینا علی آثارہم بعیسی بن مریم مصداقاً لما بین یدایہ من التورۃ، واتیناہ الانجیل فیہ ہدی ونور مصداقاً لما بین یدایہ من التورۃ وھدی

وموعظة للمتقين، وليحكم اهل الانجيل بما انزل الله فيه ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الفاسقون (ماثلہ) اس سے بھی جاہل کو ویسا ہی دوسرہ ہو سکتا ہے کہ توریت کے بعد انجیل کا ذکر فرمانا شاید اس زمانہ میں بھی اس پر عمل کرنے کی ترغیب کے لئے ہو، اور ولیحکم اهل الانجيل سے یہی مراد ہو۔

الآية الثانية عشر والثالثة عشر والرابعة عشر، وانزلنا اليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه من الكتاب ومهيئنا عليه فاحكم بينهم بما انزل الله ولا تتبع اهواءهم عما جاءك من الحق، لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا، ولو شاء الله لجعلكم امة واحدة ولكن يبلوكم فيما اتاكم فاستبقوا الخيرات الى الله مرجعكم جميعا فينبئكم بما كنتم تختلفون، وان احكم بينهم بما انزل الله ولا تتبع اهواءهم واحذرهم ان يفتنوك عن بعض ما انزل الله اليك، فان تولوا فاعلم ان يدبر الله ان يضلهم ببعض ذنوبهم وان كثيرا من الناس لفاسقون، افحكم الجاهلية يبغون، ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون (ماثلہ)

ان آیتوں میں سے ایک خاص جزو یعنی لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا ولو شاء الله لجعلكم امة واحدة سے جاہل کو دوسرہ مذکور ہو سکتا ہے، کہ ہر جماعت کے لئے جو عبادت اور طریق تجویز فرمایا ہے شاید اس سے یہی مقصود ہو کہ سب کو اپنے اپنے طریق پر رب کو دین و احادیث پر کمر بستہ نہ بن جائے اور نہ بن جائے۔

یہ سات آیتیں ہیں اب ان کی تفسیر لکھی جاتی ہے، اور تفسیر سے پہلے ایک تقریر ربط کی بطور تہید کے مع اس کے ایک حاشیہ کے لکھی جاتی ہے،

حاشیہ، وكيف يحكمونك، پر بظاہر یہ شبہ ہوتا تھا کہ دین اسلام تو ناسخ و ادریان ہے، اس کے آنے کے بعد توریت و انجیل وغیرہ سب منسوخ ہو چکی ہیں، پس اس بنا پر ان لوگوں نے یہ حکم کی یہ تو ان پر لازم ہی تھی، یعنی یہ کہ وہ آپ سے فیصلہ کراتے، پھر اس پر تعجب کیوں فرمایا گیا، لیکن تقریر ربط اور تفسیر سے (جو عنقریب مرقوم ہے) یہ شبہ بالکل زائل ہو گیا، فافهموا شكر الله ففسرنا (تبیان حاشیہ بیان القرآن ج ۳، ص ۳۳ حاشیہ اخیرہ)

ربط، اور مذکور ہوا کہ آپ کے پاس ان کا کوئی مسئلہ یا فیصلہ لے کر آنا معرفت حق کی غرض سے نہیں، بلکہ کوئی آسان بات اپنے مطلب کے موافق تلاش کرنا مقصود ہے، آگے اس پر

استدلال ہے صیغہ تعجب سے کہ ظاہر ہے کہ کسی شخص کا اپنی ایسی کتاب کو جس پر وہ ایمان رکھنے کا اقرار رکھتا ہو چھوڑ کر ایسے شخص کے پاس جس پر ایمان لانے سے ان کو الکار ہو کوئی مسئلہ و فیصلہ لانا نہایت عجیب اور بعید ہے، کہ کوئی شخص بے مطلب پتے دل سے ایسا نہیں کر سکتا، اس سے وہی بات ثابت ہو گئی، کہ تحقیق حق کے لئے نہیں آتے بلکہ اپنا مطلب لکانے کو پھرتے ہیں، جس کا کھلا قرینہ مطلب نہ نکلنے کی صورت میں اس شخص کے فتوے پر عمل نہ کرنا ہے (بیان القرآن ج ۳، ص ۳۳) اب تفسیر لکھی جاتی ہے۔

تقریر و تاکید مضمون سابق، اول تعجب کی بات ہے کہ وہ (دین کے معاملہ میں) آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس توراۃ (موجود) ہے، جس میں اللہ کا حکم (لکھا) ہے (جس کے ماننے کا ان کو دعویٰ ہے اول تو یہی بات بعید ہے) پھر یہ تعجب اس سے اور بچتا ہو گیا کہ اس (فیصلہ لانے) کے بعد جب آپ کا فیصلہ سنتے ہیں تو اس فیصلہ سے بھی ہٹ جاتے ہیں (یعنی اول تو اس حالت میں فیصلہ لانے ہی سے تعجب ہوتا تھا، لیکن اس احتمال سے رفع ہو سکتا تھا کہ شاید آپ کا حق پر ہونا ان پر واضح ہو گیا ہو اس لئے آگئے ہوں، لیکن جب اس فیصلہ کو نہ مانا تو وہ تعجب پھر تازہ ہو گیا کہ اب تو وہ احتمال بھی نہ رہا، پھر کیا بات ہو گی، جس کے واسطے یہ فیصلہ لائے ہیں) اور اسی سے ہر عاقل کو اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں (یہاں اعتقاد سے نہیں آئے اپنے مطلب کے واسطے آئے تھے، اور جب نہ ماننا عدم اعتقاد کی دلیل ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو اعتقاد نہیں، اسی طرح اپنی کتاب کے ساتھ بھی پورا اعتقاد نہیں، ورنہ اس کو چھوڑ کر کیوں آتے، غرض دونوں طرف سے گئے، کہ جس سے انکار ہے اس سے بھی اعتقاد نہیں اور جس سے دعویٰ اعتقاد ہے اس سے بھی نہیں)

(ف) حکم اللہ کی توضیح میں جو یہ کہا گیا کہ جس کے ماننے کا ان کو دعویٰ ہے، اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ توراۃ محرف نہ ہوئی تھی، کیونکہ بنا بران کے زعم کے یہ گفتگو ہے یا یہ کہ ان واقعات خاصہ مذکورہ کے احکام توراۃ میں محفوظ ہیں۔

رابطہ، اوپر بہت سی آیتوں میں یہود کی نسبت اور بعض آیتوں میں نصاریٰ کی نسبت ان کا احکام و مواثیق الہیہ کو چھوڑ دینا اور توڑ دینا اور اس کی مذمت مذکور ہے، آگے پورے رکوع میں ان احکام الہیہ کا ہر زمانہ میں واجب العمل رہنا اور اس کے ترک کا حرام اور مورد وعید ہونا جن کا ظہور کبھی توراۃ کے واسطے ہوا اور کبھی انجیل کے واسطے ہوا اور اب قرآن مجید کے واسطے بیان پاتے

ہیں جس سے ان ناقضین کی مذمت زیادہ ظاہر ہو، ونیز عمل بالتوراة والانجیل سبب ہو جاوے تصدیق رسالہ محمدیہ کا، جو کہ دونوں میں مبشر بہ ہے، چنانچہ فلا تحتوا الناس میں اس کی تصریح بھی ہے، اور بعض قرأت و تفاسیر پر ولحکم اہل الانجیل میں بھی یہ مضمون ہے، ونیز ذکر انجیل میں بھی یہ مضمون ہے، ونیز ذکر انجیل میں یہود پر تعریض ہے، کہ وہ اس کی تکذیب کرتے تھے، اور ذکر قرآن میں یہود و نصاریٰ دونوں پر تعریض ہے، کہ دونوں اس کی تکذیب کرتے تھے۔ اور ذکر توراة کے ضمن میں بعض احکام قصاص کے شاید اس لئے فرما دیئے ہوں کہ آیت سابقہ یا ایہا الرسول لا یھزئک کا ایک سبب نزول واقعہ قصاص بھی تھا، جس کو یہود نے ایک رسم مخترع سے بدل لیا تھا، اور گورجم کو بھی بدلاتھا، لیکن شاید اس کی تخصیص ذکر میں اس لئے ہو کہ اس کے اخلاص میں عباد پر ظلم ہوتا تھا، اور وہ اخلاص فی الرجم سے جو کہ حق ہے اشد تھا، واللہ اعلم۔

ذکر وجوب عمل بتوریت در زمان او، انا انزلنا التوراة فیما ہدنی ونورانی قولہ
 فاولئك هم الكافرون، ہم نے (موسیٰ علیہ السلام پر) توریت نازل فرمائی تھی جس میں عقائد
 صحیحہ کی بھی (ہدایت تھی، اور (احکام عملیہ کا بھی) وضوح تھا، انبیاء بنی اسرائیل) جو کہ ربا و جود لاکھوں
 آدمیوں کے مقتدا و مطلع ہونے کے، اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے، اس (توراة) کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے
 تھے، اور اسی طرح ان میں کے، اہل الشرا و علماء بھی (اسی کے موافق) کو ہی اس وقت کی شریعت تھی
 حکم دیتے تھے، بوجہ اس کے کہ ان (اہل الشرا و علماء) کو اس کتاب الشرا پر عمل کرنے اور کرانے کی نگہداشت
 کا حکم (حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعے) دیا گیا تھا اور وہ اس کے (یعنی اس پر عمل کرنے کے لئے
 کے) اقراری ہو گئے تھے (یعنی) چونکہ ان کو اس کا حکم ہوا تھا، اور انھوں نے اس حکم کو قبول کر لیا تھا
 اس لئے ہمیشہ اس کے پابند رہے) سو اسے اس زمانہ کے رؤساء و علماء یہود جب ہمیشہ سے تمہارے
 سب مقتدا و تورات کو مانتے آئے ہیں تو تم بھی (تصدیق رسالت محمدیہ کے باب میں جس کا حکم توریت
 میں ہے) لوگوں سے (یہ) اندیشہ مت کرو کہ ہم تصدیق کر لیں گے تو عام لوگوں کی نظر میں ہماری جاہ
 میں فرق آئے گا، اور (صرف) مجھ سے ڈرو، کہ تصدیق نہ کرنے پر سزا دوں گا) اور میرے احکام کے
 بدلہ میں (دنیا کی) متاع قلیل (جو کہ تم کو اپنے عوام سے وصول ہوتی ہے) مت لو کہ یہی حبت جاہ
 و حبت مال تم کو باعث ہوتی ہیں تصدیق نہ کرنے پر) اور (یاد رکھو کہ) جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے
 ہوئے کے موافق حکم نہ کرے (بلکہ غیر حکم شرعی کو قصداً حکم شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم کرے) سو
 ایسے لوگ بالکل کافر ہیں (جیسا اے یہود تم کر رہے ہو، کہ عقائد میں بھی مثل عقیدہ رسالت محمدیہ اور

اعمال میں بھی جیسے حکم رجم وغیرہ اپنے مخترعات کو حکم الہی بتلا کر ضلال و اضلال میں مبتلا ہو رہے ہو) (بیان القرآن، ج ۳، ص ۳۳ سے ص ۳۵، س ۱۰، تک)

رابطہ، اوپر تورات کا اپنے زمانہ میں حجت ہونا مذکور تھا، آگے انجیل کی یہی صفت مذکور ہے، جیسا تمہید آیت انا انزلنا التوراة میں مفصل تقریر اس کی گزرتی ہے،

ذکر وجوب عمل بانجیل در زمان او، وقفینا علی آثارہم بعینی بن مریم الی قولہ فاولئک ہم الفاسقون اور ہم نے ان (نبیوں) کے پیچھے (جن کا ذکر حکم بہا النبیین میں آیا ہے) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو اس حالت میں (پیغمبر بنا کر) بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق فرماتے تھے کہ لوازم رسالت سے ہے کہ تمام کتب الہیہ کی تصدیق کرے، اور ہم نے ان کو انجیل دی، جس میں (توریت ہی کی طرح عقائد صحیحہ کی بھی) ہدایت تھی اور (احکام عملیہ کا بھی) وضوح تھا اور وہ (انجیل) اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق (بھی) کرتی تھی کہ یہ بھی لوازم کتاب الہی سے ہے، اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے، اور ہم نے انجیل دیکر حکم کیا تھا کہ انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے، اس کے موافق حکم کیا کریں اور (اے اس زمانہ کے نصاریٰ یاد رکھو کہ) جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے (اور اس کے معنی اوپر گزر چکے ہیں) تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں، اور انجیل رسالت محمدیہ کی خبر دے رہی ہے، تم اس کے خلاف کیوں چل رہے ہو۔

رابطہ، اوپر تورات و انجیل کا اپنے اپنے دور میں واجب العمل ہونا بیان فرمایا تھا۔ آگے قرآن مجید کا اپنے دورہ میں جو کہ زمان نزول سے قیام قیامت تک ہے، واجب العمل ہونا بیان فرماتے ہیں، اور ان آیات کے ضمن میں اشارۃً ایک قصہ سے بھی تعرض ہو، جس کو ابن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، کہ چند علماء دروسار یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر ملتس ہوئے کہ ہماری قوم سے ہمارا کچھ مقدمہ ہے، اگر آپ ہمارے موافق فیصلہ فرمادیں تو ہم آپ کا اتباع اختیار کریں جس سے بقیہ یہود بھی متبع ہو جائیں گے، اور آپ نے صاف انکار کر دیا، جس پر آپ کی تصویب کے لئے وان احکمت اذل ہوا، کذا فی الباب و اخراج نحوہ کما فی الروح ابن ابی حاتم والبیہقی فی الدلائل۔

ذکر وجوب عمل بالقرآن علی التابید، وانزلنا الیہ کتاب بالحق الی قولہ ومن احسن من اللہ حکما القوم یؤمنون، اور (توراة و انجیل کے بعد) ہم نے یہ کتاب (مسمیٰ بالقرآن) آپ کے پاس

بھیجی ہے، جو خود بھی صدق (درستی) کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو (آسمانی) کتب ہیں (آجکی) ہیں جیسے توراۃ و انجیل و زبور، ان کی بھی تصدیق کرتی ہے (کہ وہ نازل من اللہ ہیں) اور چونکہ وہ کتاب ششٹی یہ قرآن قیامت تک محفوظ و معمول رہے، اور اس میں ان کتب سماویہ کی تصدیق ہو چکی ہے، اس لئے وہ کتاب ان کتابوں (کے صادق ہونے کے مضمون) کی ہمیشہ کے لئے محافظ ہے، (کیونکہ قرآن میں ہمیشہ یہ محفوظ رہے گا کہ وہ کتب نازل من اللہ ہیں جب قرآن ایسی کتاب ہے، تو ان (اہل کتاب) کے باہمی معاملات میں (جب کہ آپ کے اجلاس میں پیش ہوں) اسی بھی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے، اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی (خلاف شرع) خواہشوں اور (فرمائشوں) پر (آئندہ بھی) عمل درآمد نہ کیجئے (جیسا اب تک باوجود ان کی درخواست و التماس کے آپ نے صاف انکار فرمادیا یعنی یہ آپ کی رائے نہایت ہی درست ہے، اسی پر ہمیشہ قائم رہئے اور اہل کتاب تم کو اس قرآن کے حق جاننے سے اور اس کے فیصلہ ماننے سے کیوں انکار ہے کیا دین جدید کا آنا کچھ تعجب کی بات ہے، آخر تم میں سے ہر ایک (امت) کے لئے اس کے قبل ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی (مثلاً یہود کی شریعت و طریقت توراۃ تھی اور نصاریٰ کی شریعت اور طریقت انجیل تھی، پھر اگر امت محمدیہ کے لئے شریعت و طریقت قرآن مقرر کیا گیا، جس کا حق ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے، تو وجہ انکار کیا، اور اگر اللہ تعالیٰ کو (سب کا ایک ہی طریقہ پر رکھنا) منظور ہوتا تو (وہ اس پر بھی قدرت رکھتے تھے کہ) تم سب (یہود و نصاریٰ و اہل اسلام) کو (ایک ہی شریعت دے کر) ایک ہی امت میں کر دیتے (اور شرع جدید نہ آتا جس سے تم کو توحش ہوتا ہے) لیکن (اپنی حکمت سے) ایسا نہیں کیا (بلکہ ہر امت کو جدا جدا طریقہ دیا) تاکہ جو جو دین تم کو (ہر زمانہ میں نیا نیا) دیا ہے، اس میں تم سب کا (تمہارے اظہار طاعت کے لئے) امتحان فرمادیں (کیونکہ اکثر طبعی امر ہے کہ نئے طریقہ سے وحشت اور مخالفت کی طرف حرکت ہوتی ہے، لیکن جو شخص عقل صحیح و انصاف سے کام لیتا ہے تو اس کی ظہور حقیقت کے بعد اپنی طبیعت کو موافقت پر مجبور کر دیتا ہے، اور یہ ایک امتحان عظیم ہے بس اگر سب کی ایک ہی شریعت ہوتی تو اس شریعت کے ابتداء کے وقت جو لوگ ہوتے ان کا امتحان تو ہو جاتا لیکن وہ سرگردان کے مقلد اور اس طریق سے مآلوف ہوتے ان کا امتحان نہ ہوتا اور اب ہر امت کا امتحان ہو گیا ہے امتحان کی ایک یہ صورت ہوتی ہے کہ انسان کو جس چیز سے روکا جاتا، خواہ معمول ہو یا متروک اس پر حزم ہوتی ہے اور یہ امتحان شرائع کے تعدد میں اقویٰ ہے کہ منسوخ سے روکا جاتا ہے اور شریعت اتحاد میں کو معاصی سے روکتی ہے لیکن ان میں حقیقت کا تو شبہ نہیں ہوتا، اس لئے امتحان اس درجہ کا نہیں، ان دونوں امتحانوں کا مجموعہ ہر امت کے سلف

اور خلف سب کو عام ہو گیا، جیسا کہ صورتِ اولیٰ کو صرف سلف سے خصوصیت ہے، پس جب شرع جدید میں یہ حکمت ہو تو تعصب کو چھوڑ کر مفید باتوں کی طرف (یعنی ان عقائد و اعمال و احکام کی طرف جن پر قرآن شتمل ہے) دوڑو (یعنی قرآن پر ایمان لا کر اس پر چلو، ایک روز تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہی، پھر وہ تم سب کو جلائے گا جس میں تم (باوجود وضوح حق کے دنیا میں خواہ مخواہ) اختلاف کیا کرتے تھے) اس لئے اس اختلاف کے باوجود چھوڑ کر حق کو جو کہ اب منحصر ہے قرآن میں قبول کرلو) اور چونکہ ان اہل کتاب نے ایسی بلند برافازی کی کہ آپ کو درخواست اپنے موافق مقدمے کر دینے کی کرتے ہیں، جہاں کہ اس کا احتمال ہی نہیں اس لئے اُن کے حوصلے پست کرنے کو اور اس کو سنا کر ہمیشہ ہمیشہ اُن کے ناامید کر دینے کو ہم (مکرر) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان (اہل کتاب) کے باہمی معاملات میں (جب کہ آپ کے ابلاس میں پیش ہوں) اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی (خلاف شرع) خواہشوں (اور فرمائشوں) پر راندہ بھی (عملدرآمد نہ کیجئے، جیسا اب تک بھی نہیں کیا) اور ان سے (یعنی ان کی اس بات سے آئندہ بھی مثل سابق) احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچلاویں، (یعنی گو اس کا احتمال نہیں لیکن اس کا قصد بھی رہے تو موجب ثواب بھی ہے) پھر باوجود وضوح قرآن اور اس کے فیصلہ کے حق ہونے کے بھی) اگر یہ لوگ (قرآن سے اور آپ کے فیصلہ سے جو موافق تفسیر ان کے ہوگا)

اس واقعہ کریں تو یہ یقین کر لیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعض جرموں پر (دنیا ہی میں) ان کو سزا دیں (اور وہ بعضاً جرم فیصلہ کو نہ مانتا ہے اور حقانیت قرآن کے نہ ماننے کی سزا بھی آخرت میں ملے گی، کیونکہ پہلا جرم ذمی ہونے کے خلاف ہے اور دوسرا جرم ایمان کے خلاف ہے، حیویت کی سزا دنیا ہی میں ہوتی ہے اور کفر کی سزا آخرت میں، چنانچہ یہود کی سرکشی اور عہد شکنی جب حد تسلیم سے متجاوز ہوئی تو ان کو سزائے قتل اور قید اور اخراج وطن کی دی گئی) اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے یہ حالات سن کر آپ کو رنج ضرور ہو گا، لیکن آپ زیادہ غم نہ کیجئے، کیوں کہ (زیادہ آدمی تو دنیا میں ہمیشہ سے بے حکم ہی ہوتے آئے ہیں، یہ لوگ (فیصلہ قرآنی سے جو کہ عین عدل ہے اعراض کر کے) پھر کیا زمانہ جاہلیت کا فیصلہ جانتے ہیں، جن کو انھوں نے یہ خلاف شرائع سادہ کے خود مخترع کر لیا تھا، جس کا ذکر دو واقعوں کے ضمن میں اس رکوع سے پہلے رکوع آیت یا ایہا الرسول لا یحرکک کی تمہید میں گزر چکا ہے، حالانکہ وہ سراسر عدل اور دلیل کے خلاف ہے یعنی اہل علم ہو کر علم سے اعراض کرنا اور جہل کا طالب ہونا عجیب در عجیب ہے) اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا (فیصلہ کرنے والا) ہو گا، بلکہ کوئی مساوی بھی نہیں) پس خدائی فیصلہ کو چھوڑ کر دوسرے کے فیصلہ کا طالب ہونا عین جہل نہیں تو کیا؟

لیکن یہ بات بھی یقین (وایمان) رکھنے والوں (ہی) کے نزدیک رہے، کیونکہ اس کا سمجھنا موقوف ہے قوت عقلیہ کی صحت پر، اور وہ کفار اس سے بے نصیب ہیں)

(ف) اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہر امت کا طریقہ دین جدا ہے اور دوسری آیات سے واحد ہونا معلوم ہوتا ہے، جیسے سورہ شوریٰ میں ہے *لکم من الدین الخ* جواب یہ ہے کہ جدا باعتبار فروع و اعمال کہے اور واحد ہونا باعتبار اصول و عقائد کے بیان القرآن صفحہ ۶ سے صفحہ ۳۹ تک جلد ۳)

توضیح، مجموعی تقریر سے شبہات باطلہ کا زوال و اضحیٰ بالصرح وجوہ معلوم ہو گیا، بالخصوص جب انہر کی دو آیتوں میں اور ان کی تقریر میں غور کیا جاوے یعنی ان احکم مینہم سے یوقنون تک جن میں قرآن کے موافق فیصلہ کی تاکید اور قرآن کے خلاف فیصلہ چاہنے پر وعید مصرح ہے، اور بعض آیات انہی آیات مذکورہ کے مقارب المعنی جن میں توریت و انجیل اور قرآن سب پر عمل کرنے کے متعلق مضمون ہے، اس رکوع سے تیسرے جو تھے رکوع میں آئی ہیں، جس سے کسی جاہل کو وسوسہ ہو سکتا ہے کہ ان سب کتابوں پر عمل کرنے والے ناجی ہیں، اس لئے ان کا مختصر حاصل بھی نقل کئے دیتا ہوں۔

ایک آیت یہ ہے *ولوانہم اقاموا التوراة والانبیل وما انزل الیہم من ربہم لا کلوا من فوقہم ومن تحت ارجلہم۔*

دوسری آیت یہ ہے *قل یا اہل الکتاب لستم علی شیء حتی تقیموا التوراة والانبیل* (وما انزل الیکم من ربکم،

سوان دونوں کا حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب کو جو کہ توریت و انجیل کی تصدیق اور قرآن کی تکذیب کرتے تھے خطاب ہے کہ ان سب کتابوں کی پابندی کی اسی طرح ضرورت ہے کہ ان میں جس جس کتاب پر عمل کرنے کو لکھا ہے سب پر عمل کرو جس میں تصدیق رسالت بھی آگئی، اور اس سے احکام محرفہ و منسوخہ خارج ہیں، کیونکہ ان کتب کا مجموعہ ان پر عمل کرنے کو نہیں بتلاتا بلکہ منع کرتا ہے تو آیت بالا اور ان آیتوں میں سب میں توریت و انجیل پر عمل کرنے کی حقیقت یہ بتلائی گئی کہ قرآن کی بھی تصدیق کریں، اور اس پر عمل بھی کریں، بدون اس کے ان پر عمل کرنے کو کہاں کافی فرمایا گیا،

بعض الاخبار، روی ابن جریر عن السدی *ولوانہم اقاموا التوراة والآیۃ، یقول لوعملوا بہا انزل الیہم ما جاءہم ربہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعن مجاہد ولوانہم اقاموا التوراة الخ اما اقامتہم التوراة فالعمل بہا واما ما انزل الیہم من ربہم فبما حکم اللہ*

عليه وسلم وما انزل اليه قال ابن جويرقان قال قائل وكيف يقيمون التوراة والإنجيل وما انزل الى محمد صلى الله عليه وسلم مع اختلاف هذه الكتب ونسخ بعضها بعضا قيل (اي في الجواب) انه لو ان كانت كتب الله في بعض احكامها وشرائعها فهي متفقة في الايمان برسول الله التصديق بما جاءت به من عند الله فمعنى اقامتهم التوراة وما انزل الى محمد صلى الله عليه وسلم تصديقهم بما فيها والعمل بما هي متفقة فيه وكل واحد منها في الخبر الذي فرض العمل به،

اسی طرح بعض آیات میں توحیدیت و انجیل پر عمل کیے والوں یعنی اہل کتاب کی مدح آئی ہے، شاید اس سے کسی کو مذکورہ دوسو سو ہو، سو اکثر آیات تو ان اہل کتاب کے حق میں ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، اگر کسی آیت میں اس قید سے قطع نظر کر لی جاوے تو اس میں محض بعض اعمال کی مدح مقصود ہے، ان کے موجب سجاوٹ ہونے کی کوئی دلیل نہیں، مثلاً آیت بالاولیاءم اقاموا التوراة والانجیل الخ کے اخیر میں ارشاد ہے ہم امة مقتصدہ یہ اسلام لائے والوں کے حق میں ہے چنانچہ سورہ آل عمران میں من اہل کتاب امة قانتہ کے بعد جو ان کے اوصاف بیان فرمائے ہیں یقولون آیات اللہ سے من الصالحین تک وہ بہتر تفسیر کے ہے، مقتصدہ اور قانتہ کی، اسی طرح سورہ بقرہ میں الذین آتیناہم الکتاب یتلوا حق تلاۃ میں اسی کے ساتھ اولئک یؤمنون بہ اس کی تفسیر مذکور ہے، اور مثلاً آل عمران میں ہے ومن اہل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک، اگر ان روایات سے بھی قطع نظر کر لی جاوے جن میں اس آیت کا نزول خاص ان اہل کتاب کے باب میں مذکور ہے جو ایمان لے آئے تھے، جیسا عالم میں بروایت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے تب بھی یہ مدح باعتبار قبول عہد اللہ کے نہیں، بلکہ بنا برانصاف وہ بے تعصبی کے ہے کہ مخالف کے ہنر کی بھی بقدر واقعی داد دی جاتی ہے، بس اس اصل کلی پر ایسی سب آیتوں کا محل متعین ہو گیا، اور دوسو سو مذکورہ محض مضحک و زائل ہو گیا، خوب سمجھ لو۔

بعض الاخبار، ردی ابن جریر بسندہ عن مجاہد منہم امة مقتصدہ و ہم مسلمۃ اہل الکتاب وعن السدی منہم امة مقتصدہ یقول موحدة۔

الآیۃ الخامسة عشر مع ما یلیہا، یہ کئی آیتیں متقارب اور متناسق ہونے کی وجہ سے بحکم آیت واحدہ قرار دی گئیں، لتجدن اشد الناس عداوة للذین امنوا الیہود والذین اشركوا، ولتجدن اقہم مودة للذین امنوا الذین قالوا اننا نصاریٰ ذلک بان منہم قسیسین و رهبانا و انہم لا یتکبرون۔ و اذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعیہم تفیض من الدامع معارفوا من الحق یتقولون ربنا امتا

فَاكْتَسَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ طَوْلًا لَّنَا لَا نُوْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يَدْخُلَنَا دِينُنَا
مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ، فَاثَابَ بَعْدَ ذَلِكَ بِمَا قَالُوا جَنَّتْ بِجُورِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمِنْهُمْ
جُزْءٌ الْمَحْسَنِينَ، وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اُولَٰئِكَ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ (ماثلہ)

(غیر مومنین میں) تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور مشرکین کو
پاویں گے اور ان (غیر مومنین آدمیوں) میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر (بہ نسبت
اور بڑے) ان لوگوں کو پائے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، (قریب تر کا یہ مطلب کہ دوست تو وہ
بھی نہیں مگر دوسرے مذکورین سے غنیمت ہیں) یہ (دوستی سے قریب تر ہونا اور عداوت میں کم ہونا)
اس سبب سے ہے کہ ان (نصاریٰ) میں بہت سے علم دوست عالم ہیں، اور بہت سے تارک دنیا
درویش ہیں (اور جب کسی قوم میں ایسے لوگ بکثرت ہوتے ہیں تو عوام میں بھی حق کے ساتھ زیادہ عناد
نہیں رہتا، اگرچہ خواص و عوام حق کو قبول بھی نہ کریں) اور اس سبب سے ہے کہ یہ (نصاریٰ) لوگ متکبر
نہیں ہیں (قسیمین و رہبان سے جلدی متاثر ہو جاتے ہیں، اور نیز تواضع کا خاصہ ہے امر حق کے سامنے
نرم ہو جانا اس لئے ان کو عداوت زیادہ نہیں، پس جو قسیمین و رہبان اشارہ ہے علت
فاعل کی طرف اور عدم استکبار قابلیت کی طرف بخلاف یہود و مشرکین کے کہ محب دنیا اور متکبر
ہیں، اور گو یہود میں بھی بعض علما حقانی تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، لیکن بوجہ ان کی قلت کے
عوام میں اثر نہیں پہنچا، اس لئے ان میں عناد ہے جو سبب ہو جاتا ہے شدت عداوت کا، اسی لئے
یہود تو مومن ہی کم ہوئے، اور مشرکین میں سے جب عناد نکل گیا تب مومن ہونا شروع ہوئے)
(ف) آیت کی تفسیر معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ تمام ازمہ و امکانہ کے نصاریٰ کے باب میں نہیں ہے
اور اس پر بعض دلائل اور بعض قرائن ہیں۔

دلیل اول، اس قرب مودت کا سبب ایک یہ فرمایا کہ ان میں سے ایسے ایسے اوصاف
کے عالم اور درویش ہیں، اور ہم اس سبب کو عام نہیں پاتے، دلیل دوم اس کا دوسرا سبب
یہ فرمایا کہ ان میں تکبر نہیں، ہم اس کو بھی عام نہیں پاتے، دلیل سوم، یہاں قرب مودت
للمومنین کی خبر دی ہے، خود اس کا وقوع بھی عام نہیں پایا جاتا اور صدق لوازیم کلام الہی سے معلوم
ہو کہ جو نصاریٰ ان اوصاف سے جو کہ سبب اور مسبب میں مذکور ہیں موصوف ہوں وہی مراویں
پس بعض اہل تعلق کا دنیوی غرض سے اس میں عموم مطلق کا دعویٰ کرنا محض ہوا پرستی ہے،
قرینہ اول، سبب نزول خاص ہے جیسا تمہید میں مذکور ہوا (یعنی اصل تفسیر میں)۔

قالوا ماضی کا صیغہ ہے، پس جو لوگ ان نصاریٰ کہنے والے (بعد میں) پائے جاویں، وہ آیت میں مذکور و داخل نہیں بلکہ وہ مسکوت عنہ ہیں، دوسرے دلائل سے ان کا حکم ڈھونڈا جائے گا، ان غیر آفخر وان شہراً فشر۔ قرینہ ثالث، لہٰذا میں اصل یہی ہے کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو، پس دوسرے انصار کو شامل نہیں، اب ہم کو جواب میں اس کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں رہی کہ آیت کو خاص تو مسلم نصاریٰ کے ساتھ مخصوص کہا جاوے، گو بہت مفسرین اس کے قائل ہیں، اور دو شاہد اس کی تائید بھی کرتے ہیں۔

شاہد اول سبب نزول، شاہد دوم۔ واذا سمعوا کا یقیناً خاص اسلام لانے والوں کی شان میں ہونا اور اس میں ضمیر کا ماقبل کی طرف راجع ہونا اور راجع اور مرجع کا متحد ہونا لیکن ظاہراً قرآن سے اتنا مخصوص بھی معلوم نہیں ہوتا اور صاحب روح المعانی نے بھی خصوص نہیں کیا۔

قرینہ اول، ان کو مودت میں اقرب فرمایا ہے، اور جو مسلمان ہو گئے تھے وہ تو قرب مودت سے مجاور ہو کر خود مودت، بلکہ شدت مودت کے ساتھ موصوف ہو گئے تھے، قرینہ دوم، ان کو دوستی کی اصل علت ایمان ہے نہ کہ اخلاق، ترک دنیا و حب علم و تواضع، پھر ترک دنیا کو عنوان نبوت سے تعبیر فرمایا، جو کہ شریعت محمدیہ میں غیر محمود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم بقاء نصرا نیت ہی کی حالت میں فرمایا گیا ہے، پس آیت میں نہ مطلقاً عموم ہے اور نہ مطلقاً خصوص اور شان نزول عموم من وجہ کو مضر نہیں، کیونکہ ایک جزو اس کا یعنی ذلک بان منہم الخ باعتبار حالت نصرا نیت کے ہو سکتا ہے، اور دوسرا جزو یعنی واذا سمعوا الخ باعتبار حالت اسلام کے اور واذا سمعوا کی ضمیر ماقبل کی طرف باعتبار بعض کے راجع ہو سکتی ہے جیسا کہ کبیر میں ہے، پس اس سے شاہدین مذکورین کا جواب ہو گیا،

اور یہاں سے مفسرین نے دو فوائد لکھے ہیں۔

فائدہ اول، اخلاق حمیدہ کسی قوم میں ہوں حمیدہ ہیں۔ فائدہ دوم، نصاریٰ کا کفر ذات و صفات میں ہے کہ تثلیث کے قائل ہیں، اور اکثر یہود کا نبوت کے ساتھ صرف بعض نے البتہ عربیہ علیہ السلام کو بھی ابن اللہ کہا تھا، اور پہلا کفر اشد ہے دوسرے کفر ہے، لیکن اخلاق کے تفاوت سے ثانی پر زیادہ ملامت کی گئی، یہاں سے فرق مبتدعہ اہل اسلام میں اس تفاوت کا حال سمجھنا چاہئے اور یہاں دو تنبیہ ہیں۔

تنبیہ اول، یہاں کفار نصاریٰ کی مدح نہیں، بلکہ انصاف ہے، اور اخلاق کی فی نفسہا مدح،

تنبیہ دوم اخلاق میں رہبانیت کی مدح باعتبار اس کی مبیح خصوصیت کے نہیں بلکہ صرف اس کے ایک جزو یعنی ترکِ حُب و نیا کے اعتبار سے ہے اور احقر نے جو آیت کی تقریر ربط میں (یعنی اصل تفسیر میں) لفظ عدل و انصاف اور اقرب کے ترجمہ میں لفظ نسبت ظاہر کر دیا ہے اس سے دو امر رفع اشکال حاصل ہو گئے۔ امر اول مقصود آیت میں مدح نصاریٰ کی نہیں بلکہ تقریر میں انصاف ہے جیسا ابھی تبیل اول میں ذکر کیا گیا۔ امر دوم مقصود آیت میں مودت کا قرب کامل نہیں بلکہ قرب اخصائی ہے اور یہاں دو نکتے دو تحقیقوں کو مفید میں نکتہ اول الذین انشروا کو ماضی لائے اس سے یہ فائدہ ہے کہ تمام ازمہ و اکمنہ کے مشرکین پر یہ حکم جاری ہونا ضروری نہیں۔ نکتہ دوم الذین قالوا کو ماضی لائے قرینہ ثانیہ میں اس کا بھی یہی فائدہ گند چکا، پس اگر کسی جگہ ٹرانے طرح کے ہندو بہ نسبت متعصب عیسائیوں کے مسلمانوں سے زیادہ اُلفت رکھنے والے پائے جاویں تو قرآن اس کی نفی نہ کرے، اور یہود اول تو اب تک اُلفت کرنے والے پائے جاویں تو اگر کہیں پائے جاویں تو الیہود میں الف لام عہد کا ہو سکتا ہے، چنانچہ ترجمہ میں لفظ ان اس طرف مشیر ہے اور یالیوں کہا جاسکتا ہے کہ کسی قوم پر کوئی حکم باعتبار اکثر کے ہوتا ہے، محدود ہے خدا کا اس حکم سے خارج ہونا موجب تخلف حکم نہیں، اور دو تحقیقیں قرب مودت کے متعلق اور ہیں۔ تحقیق اول، یہ حکم مذکور قرب مودت کا نصاریٰ کے حق میں ہے، اور جو قوم واقع میں نصاریٰ نہ ہو گو عام لوگ بعض اوضاع و مشابہت کی وجہ سے ان کو نصاریٰ کہتے ہیں، آیت میں ان کے لئے یہ حکم مذکور نہیں، تحقیق دوم، یہاں نصاریٰ کے لئے مسلمانوں سے قرب مودت کی خبر دی ہے، یہ نہیں کہ مسلمانوں کے لئے نصاریٰ سے مودت کی اجازت دی ہو، وقد تمہدہنا بحمد اللہ تعالیٰ تفسیر هذه الآية مع فوائد تتعلق بہا تہلک عشرین باجمع تقریر و امنع و احسن بیان و اتقن تبیین و سمیتہ بخیر المودۃ فی تفسیر آیۃ المودۃ،

ربط او پر نصاریٰ کے ایک خاص صفات کی جماعت کا ذکر تھا، آگے ان کا ذکر ہے جو ان میں مسلمان ہو گئے تھے۔

مدح نو مسلمان نصاریٰ و اذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعیانہم تفیض من الدمع الی قولہ اصحاب المجید اور بعضے ان میں جو کہ آخر میں مسلمان ہو گئے تھے ایسے ہیں کہ جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بھیجا گیا ہے (یعنی قرآن) تو آپ ان کی آنکھیں نم ہو کر بہنے لگتی ہیں۔ اس سے سب سے کہ انھوں نے (یعنی حق یعنی اسلام) کو پہچان لیا (مطلب یہ کہ حق کو سنکر متاثر ہوئے ہیں اور) یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سہماں ہوئے۔

ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ کھ لیجئے (یعنی ان میں شمار کر لیجئے) جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے حق ہونے کی تصدیق کرتے ہیں، اور ہمارے پاس کوئی نسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر حسب تعلیم طریقت محمدیہ (اور جو دین) حق ہم کو (اب) پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لاویں، اور (پھر) اس بات کی امید بھی رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک (مقبول) لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا بلکہ یہ امید موقوف اسلام پر ہے۔ اس لئے مسلمان ہونا ضرور ہے) سوان (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ ان کے (اس) قول (مع الاعتقاد) کی پاداش میں ایسے باغ (بہشت کے) دیں گے، جن کے (محلات کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، (اور) یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کورہیں گے، اور نیکو کاروں کی یہی پاداش ہے، اور برفلاں ان کے جو لوگ کافر ہے، اور ہماری آیات (واحکام) کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ (میں رہیں) والے ہیں۔

توضیح، شاید اس سے کوئی تمسک کرتا کہ اگر نصاریٰ حق پر نہ ہوتے تو وہاں سمعوا میں ان کی مدح کیوں کی جاتی، معلوم ہوا کہ حق اسلام میں منحصر نہیں، تفسیر مذکور سے اس کا جواب صاف ہو گیا، کہ یہ مطلق نصاریٰ کے باب میں نہیں، بلکہ ان میں جو مسلمان ہو گئے تھے چنانچہ خود قرآن مجید کے الفاظ بتلا ہے ہیں، اور اس کے قبل جو بعض ملکات و اخلاق کا ذکر ہے وہ انصاف ہے حکم نجات نہیں، اور اخیر کی آیت میں تو تصریح ہے کہ جو کافر اور مکذب ہو گو نصرائی ہی ہو، کما ہومدلول العموم وہ دوزخی ہے اور کافر اور مکذب کا غلو فی النار دوسری آیات میں مصرح ہے تو ایسے نصرائی کا غیر ناجی ہونا ثابت ہو گیا بعض الاخبار، روی ابن جریر عن ابن جریر قال قال عطاء فی قولہ ولتجدن اقوہو مودة الایۃ ہر ناس من الحبشة امنوا اذا جاء تہم معاجرة المؤمنین وعن قتادة قولہ ولتجدن الایۃ اناس من اهل الکتاب کانوا علی شریعة من الحق مما جاء بہ عیسیٰ یومنون وینتھون الیہ فلما بعث اللہ نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صدقوا بہ وامنوا بہ الخ وفی الباب اشار کثیرۃ تتفق فی هذا المعنی،

الایۃ السادسة عشر، ولکل امة جعلنا منسکالین ذکرہا اسم اللہ علی ما رزقہم من بھیمۃ الانعام فالہکم الم واحد فلما اسلموا ولبشر المخبئین (سودہ حبہ)

اور اوپر جو قربانی کا حرم میں ذبح کرنے کا حکم ہے، اس سے کوئی یوں نہ سمجھے کہ اہل تعظیم حرم کی ہے، بلکہ اصل مقصود الشہی کی تعظیم اور اس کے ساتھ تقرب ہے، اور مذہب یوح اور مذہب اس کا ایک آلہ اور ذریعہ ہے، اور تخصیص بعض حکمتوں کی وجہ سے ہے، اور اگر یہ تخصیصات مقصود اعلیٰ ہوتیں تو کسی

شریعت میں نہ بدلتی، مگر اس کا بدلتا رہنا ظاہر ہے، البتہ تقرب الی اللہ جو اصل مقصود تھا وہ سب شرائع میں محفوظ رہا چنانچہ ہم نے جتنے اہل شریعت گذرے ہیں ان میں سے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقدر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چیزوں پر اللہ کا نام لیں جو اس لئے ان کو عطا فرمایا تھا پس اصل مقصود یہ نام لینا تھا (سو اس سے یہ بات نکل آتی کہ تمہارا معبود حقیقی) ایک ہی خدا ہے (جس کے ساتھ اس کا ذکر کر کے سب کو تقرب کا حکم ہوتا رہا) تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو، یعنی موجد خالص رہو کسی مکان وغیرہ کو معظّم بالذات سمجھنے سے ذرہ برابر شرک کا شائبہ اپنے عمل میں نہ ہونے دو) اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ ہماری اس تعلیم پر عمل کریں) آپ (ایسے احکام ہائے کہ سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو (جنت وغیرہ کی) خوش بختی سنا دیجئے۔

(بیان القرآن صفحہ ۳۰، ۳۱، جلد ۷)

توضیح، شاید کوئی شخص منسک کے معنی مطلق عبادت کے لئے کر لینے دعوتے باطل پر استدلال کرتا اس کا جواب تو ترجمہ ہی سے ہو گیا، دوسرے ان مناسک کی بقاء مشروعیت تو اس سے لازم نہیں آتی جبکہ ان کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا، ایک ایسی ہی آیت اس سے کچھ بعد ہے، جو لفظ مستقیم پر ختم ہوتی ہے وہاں بھی یہی کلام ہے۔

لَا يَتَّبِعُ السَّابِقَ عَشَرَ، اذْ نَالِ الَّذِينَ يَفْقَهُونَ بَانَهِمْ ظَلَمُوا وَاذْ نَالِ اللَّهُ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدْ ابْلَا الَّذِينَ اٰخَرُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْ كَادَ فَعَلَ اللَّهُ النَّاسَ بِبَعْضِهِمْ مُبْعِضٌ لَهْدَمْتُ صَوَامِعَ وَبِيْعَ وَصَلَوَاتٍ وَمَسْجِدَ يَثْرُوفِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيْرًا، وَلِيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ اِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (سورہ حج)

اس مقام پر اس آیت کا ایک ذرا من جزیہ و مقدسہ بالذکر ہے، یعنی ولولادفع اللہ الی قولہ تعالیٰ یدکر فیہا اسم اللہ کثیرا) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا، (یعنی اہل حق کو اہل باطل پر وقتاً فوقتاً غالب نہ کرتا رہتا) تو اپنے زمانوں میں نصاریٰ کے خلوت خالے اور عبادت خالے اور یہود کے عبادت خالے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم (اور معدوم) ہوتے۔

ف، اور لہدمت صوامع الخ سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ سب متعبدات اب بھی حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں (صل)۔ یہ اپنے اپنے زمانہ مشروعیت و مقصودیت ملت میں ان کی مثلاً مقصود ہے جیسا ترجمہ سے ظاہر ہے (بیان القرآن جلد ۷، صفحہ ۷۵، ۷۶)

توضیح، شبہ اور حل دونوں تفسیر کے ذیل میں مذکور ہیں، تاہم کے لئے فیسا پوری کا قول منقول
 لولا دفع اللہ لہدم فی شرع کل بنی المکان المعہود لہم فہم فی زمن موسیٰ علیہ السلام
 الکائنات فی زمن عیسیٰ الصوامع والبیع فی زمن محمد صلی اللہ علیہ وسلم المساجد
 وعلى هذا الوجه انما دفع عنهم حين كانوا على الحق قبل التحريف والتسخر

الآیۃ الثمانۃ عشر والثلاثۃ عشر، شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما
 وصینا بہ ابراہیم وموسىٰ وعیسیٰ ان اقموا الدین ولا تتفرقا فیہ (شوریٰ) قل یا اہل کتاب
 تعالوا الی کلمۃ سوائے بی تنلوبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرف بہ شیئا ولا یتخذ بہ ذنبا
 بعضا دینا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا باننا مسلمون، (سورہ آل عمران)

دوسری آیت کو ترتیب قرآنی میں مقدم ہے، مگر تناسب کے سبب پہلی آیت کے ساتھ ذہن میں آئی اس
 لئے اس کی ساتھ نقل کی گئی۔

تفسیر آیت اولیٰ: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح
 علیہ السلام کو حکم دیا تھا، اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے، اور جس کا ہم نے
 ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو (مع ان سب کے اتباع کے) حکم دیا تھا (اور ان کی اہم کو
 یہ کہا تھا) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (مراد اس دین سے اصول دین ہیں جو
 مشترک ہیں تمام شرائع میں مثل توحید و رسالت و بعث و نحوہ اور قائم رکھنا یہ کہ اس کو تبدیل مت
 کرنا اس کو ترک مت کرنا اور تفرق یہ کہ کسی بات پر ایمان لادیں کسی پر نہ لادیں، یا کوئی ایمان لائے
 اور کوئی نہ لادے (بیان القرآن، ص ۶۷، ج ۱۰)

تفسیر آیت ثانیہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات
 کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان رسم ہونے میں برابر ہے، (وہ یہ ہے) کہ بجز اللہ کے
 ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی
 کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے، خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر (اس کے بعد بھی) وہ لوگ (حق سے
 اعراض کریں تو تم (مسلمان) لوگ کہہ دو کہ تم (ہمارے) اس (اقرار) کے گواہ رہو کہ ہم تو (اس بات
 کے) ماننے والے ہیں (اگر تم نہ مانو تو تم جالو)

(ف) اس مضمون کو مسلم اس لئے کہا گیا کہ سب شرائع میں اس کی تعلیم ہوئی ہے۔ اور اجماعاً اور
 کلیاً اہل کتاب بھی اس کو مانتے ہیں کہ توحید فرض ہے اور شرک کفر ہے، اور کسی مخلوق کو رب قرار دینا شرک

ہے لیکن باوجود اس کے وہ لوگ شرک میں اس لئے مبتلا تھے کہ وہ اس کو شرک اور خلافت توحید نہ سمجھتے تھے، پس اس تقریر میں لطف یہ ہوا کہ ان کو کلیات مسلمہ یاد دلانے کے بعد جزئیات مختلف فیہا کا ان کلیات میں داخل ہونے کا اثبات سہل رہ گیا۔

توضیح، شاید کسی کو ایسی آیتوں سے شبہ ہو کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شرائع اصول میں سب متحد ہیں اور وہی اصول مقصود ہیں پس فروع میں اختلاف کچھ مضر نہیں، اہل باطل نے اصول و فروع کے اسی تفاوت کو مختلف عنوان سے ذکر کیا ہے، لیکن ان آیتوں میں اس مقصود کا کہیں پتر بھی نہیں، مقصود تو مخا طبین سے محاجہ ہے کہ تم ایسے اصول کے بھی خلاف کر رہے ہو جو اشتراک شرائع کے سبب واجب التسلیم ہیں (جو آیت اولیٰ کا حاصل ہے) جو تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے (جو حاصل ہے دوسری آیت کا) اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فروع اپنے درجہ میں بھی مقصود نہیں یا شریعت موخرہ سے شریعت سابقہ کے فروع منسوخ نہیں ہو سکے، البتہ مقصودیت کے درجات ہیں، نفس نجات کے لئے تو تصدیق و تسلیم کا درجہ اور نجات اولیہ کے لئے مع انضمام عمل، پھر اصول کے ذکر کرنے کا نکتہ تسہیل ہے فروع کی طرف لانے میں جیسا دوسری آیت میں اس طرف اشارہ بھی ہے فی قولہ اس تقریر میں لطف یہ ہوا الخ پس جب فروع میں مقصودیت بھی ہے اور ان میں نسخ ہو جاتا ہے، پھر آیتوں کو اس مدعلے باطل سے کیا تعلق ہوا،

بعض الاخبار، روی ابن جریر عن الربیع قال ذکر لنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا الیہ ہودالی کلمۃ سواء وعن السدی قال ثعلبہ عا ہمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعفی الود من نصاریٰ نجوان -

الآیۃ العشرین، ان الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین فی نار جہنم خالدین فیہا اولئک ہدشرا لبریت (سورہ بینہ) بیشک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین ہیں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں جاویں گے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔

(بیان القرآن، ص ۱۲، ج ۱۲)

توضیح، ان اہل باطل میں سے بعض کے ساتھ میری گفتگو ہوئی وہ عام مذاہب والوں کو تو ناجی دیکھتے تھے، لیکن اہل کتاب کو ناجی کہتے تھے، اس آیت میں تصریح ہے ان کے بھی غیر ناجی ہونے کی۔

عرض مولف، میں خطبہ میں تصریح کر چکا ہوں کہ آیات کا استیعاب مقصود نہیں صرف ایک معتد، صحت مع کرنا مقصود ہے سو بحمد اللہ یہ مقصود حاصل ہو گیا، اس لئے اب اس عجا لہ کو ختم کرتا ہوں، ادا اس

نافع و مقبول ہونے کی دعا کرتا ہوں، وقد فرغت منها بفضل الله الكبير المتعال، في مدة ثلاث ليال، من اخذ شوال سنة من هجرة سيد الرسل و اكمل اهل الكمال صلّ عليه وعلى آله واصحابه خيرا مصحبا وال

ضمیمہ رسالہ توحید الحق

اس رسالہ کے طرز کا حاصل اثبات مقصود بالجزئیات المنقولہ ہے، اس باب میں بعض فضلا کی تحریر دستیاب ہوئی جس کے طرز کا حاصل اثبات مقصود بالکلیات المعقولہ ہے، تاہم اشد تشیّداً رسالہ کے ساتھ اس کا الحاق بھی انفع معلوم ہوا، اور اس تحریر میں بعض ایسے ہی مدعیان باطل کے اقوال نقل کر کے ان پر بہت مفصل کلام کیا گیا ہے چونکہ یہ مختصر اس تفصیل کا متحمل نہیں، لہذا اس کا ایک کافی حصہ بقدر ضرورت جو خود صاحب تحریر ہی کا ملخص کیا ہوا ہے نقل کیا جاتا ہے، اصل تحریر مدرسہ امداد العلوم کے دفتر میں موجود ہے، اور وہ ملخص حصہ یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

چونکہ مصنف کے تمام ہدیات پر کلام کرنا ایک تہایت دشوار امر ہے، اس لئے اس کے باقی ہدیات کو چھوڑ کر اس کے اس مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کو اس نے بطور خلاصہ بحث کے بیان کیلئے چنا، وہ کہتا ہے کہ مذکورہ صدر تفصیلات کا حاصل حسب ذیل دفعات میں بیان کیا جاسکتا ہے، اس کے بعد اس نے ان دفعات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

(۱) نزول قرآن کے قبل دنیا کا مذہبی تخیل اس سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا تھا کہ نسلوں خاندانوں اور قبیلوں کی معاشرتی حد بندیوں کی طرح مذہب کی بھی ایک خاص گروہ بندی کر لی گئی تھی، ہر گروہ بندی کا آدمی سمجھتا تھا کہ دین کی سچائی صرف اسی کے حصہ میں آئی ہے جو انسان اس کی مذہبی حد بندی میں داخل ہے بجات یافتہ ہے، جو داخل نہیں ہے بجات سے محروم ہے، (۲) ہر گروہ کے نزدیک مذہب کی اصل و حقیقت محض اس کے ظاہری اعمال و رسوم تھے جو نہی ایک انسان انہیں اختیار کر لیتا یقین کیا جاتا کہ بجات و سعادت اسے حاصل ہو گئی، مثلاً عبادت کی شکل و طریقہ، قربانیوں کی رسوم و عوائد کسی خاص طعام کا کھانا یا نہ کھانا، کسی خاص وضع و قطع کا اختیار کرنا یا نہ کرنا، چونکہ یہ اعمال و رسوم ہر مذہب میں الگ الگ تھے، اس لئے ہر مذہب کا پیرو یقین کرتا تھا کہ دوسرا مذہب مذہبی صداقت سے خالی ہے، کیونکہ اس کے اعمال و رسوم ایسے نہیں ہیں جیسے خود اس نے اختیار

کر رکھے ہیں (۴۴) ہر مذہب کا گروہ کا دعویٰ صرف یہی نہ تھا کہ وہ سچا ہے، بلکہ یہ بھی تھا کہ دوسرا جھوٹا ہے نتیجہ یہ تھا کہ ہر گروہ صرف اتنی ہی پر قانع نہیں رہتا کہ اپنی سچائی کا اعلان کرے بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا کہ دوسروں کے خلاف تعصب و نفرت پھیلائے۔ اس صورت حال نے نوع انسان کو ایک دائمی جنگ و جدال کی حالت میں مبتلا کر رکھا تھا، مذہب اور خدا کے نام پر ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرتا اور اس کا خون بہانا جائز سمجھتا (۴۵) لیکن قرآن نے نوع انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول پیش کیا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قرآن نے حق و باطل کا امتیاز اٹھا دیا، اگر اس کو آج یہ ہے کہ ہاں، تو یہ صریح کفر و الحاد و زندہ قہ ہے اور شاید مصنف بھی اس کو تسلیم نہ کرے اور اگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے، اور وہ حق و باطل کے امتیاز کو باقی رکھتے ہوئے لوگوں کو حق کے قبول کرنے اور باطل کو چھوڑنے کی دعوت دیتا ہے تو پھر اس نے مذہب کی عالمگیر سچائی کی وضاحت کہاں دی بلکہ اس صورت میں اس نے لوگوں کو دو فرقوں میں منقسم کر کے خود بھی اسی گروہ بندی اور فرقہ بندی کا ارتکاب کیا، جس کا الزام وہ دوسروں پر عائد کرتا تھا، اور جبکہ یہ صورت ہے تو اس کو کیسے کہا جاسکتا ہے، پس ثابت ہوا کہ قرآن کے مقصود کی جو تشریح مصنف نے کی ہے وہ سراسر بہتان ہے، اور اسی طرح جو غلطیاں اس نے دوسرے مذاہب کی بیان کی ہیں وہ بھی سراسر باطل ہیں، کیونکہ حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کے امتیاز کے بعد فرقہ بندی اور جنگ و جدال لازم ہے، اس سے کوئی مذہب محفوظ نہیں نہ اسلام اور نہ غیر اسلام، اس لئے اس کو غلطی قرار دینا خود اسلام کو جھوٹا ماننا ہے، اور یہ دعویٰ کہ اسلام ہدایت و گمراہی اور حق و باطل کا فرقہ نہیں کرتا اور سب کو اہل حق بتلاتا ہے خود کفر بواج اور نزول قرآن کو لغو قرار دینا ہے، کیونکہ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے ہٹا کر ہدایت کی طرف لایا جاوے، اور اگر گمراہی کوئی چیز ہی نہیں تو پھر قرآن کا نزول ہی بے معنی ہے۔

اس کے بعد مصنف نے مقصد کی توضیح کرتے ہوئے چند دفعات قائم کی ہیں اور کہا ہے۔

(الف) اس نے نہ صرف یہ ہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں، اس نے کہا کہ دین خدا کی عام بخشش ہے، اس لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم اور جماعت ہی کو دیا گیا ہو اور دوسروں کو اس میں حصہ نہ ہوا لیکن یہ قرآن پر کھلا ہوا بہتان ہے، اور قرآن کسی جگہ بھی تمام مذاہب کی سچائی کا دعویٰ نہیں کرتا، اتنی بات صحیح کہ قرآن پہلے تمام آسمانی کتابوں اور پہلے تمام نبیوں کی تصدیق کرتا اور اپنے اپنے اوقات میں ان کو صحیح بتلاتا ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ بعد نزول قرآن نسخ ادیان بھی ان کو سچے مذاہب اور قابل عمل بتلاتا ہے۔

پس مصنف کا یہ دعویٰ قرآن پر سراسر بہتان ہے۔ پہلے یہ ہے کہ دین خدا کی عام بخشش ہے، اور اس لئے وہ کسی خاص قوم یا کسی خاص گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لیکن یہ دعویٰ قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام مذاہب کا یہی دعویٰ ہے، اسی لئے تمام اہل مذاہب اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے، اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیتے ہیں، اس لئے مصنف کا دوسرے مذاہب پر گروہ بندی کا الزام سراسر ان مذاہب پر بہتان ہے، اور جس قسم کی گروہ بندی دوسرے مذاہب میں ہو سکتی ہے، یعنی اہل حق کا ایک گروہ اور اہل باطل کا دوسرا گروہ،

. اس قسم کی گروہ بندی خود اسلام میں بھی موجود ہے اور وہ بھی لوگوں کو دو فریق ٹھیراتا ہے، ایک گروہ اہل حق، اور دوسرا گروہ اہل باطل، دونوں میں اگر فرق ہے تو وہ صرف اتنا ہی ہے کہ دوسرے مذاہب حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتے ہیں، اور اسلام حق کو حق اور باطل کو باطل کہتا ہے، پس ثابت ہوا کہ مصنف نے نہ دوسرے مذاہب کو سمجھا اور نہ خود اسلام کو اس لئے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے، اس کے بعد دفعہ (ب) قائم کی ہے اور کہا ہے کہ خدا کے تمام قوانین فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے، اور رب کے لئے ہے، پس پیروان مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انھوں نے دین الہی کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بندیاں کر لی ہیں، اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے، لیکن مصنف کا یہ بیان بھی سراسر جہالت ہے، کیونکہ وحدت دین کا اعتقاد ہی گروہ بندیوں کا منشاء ہے، کیوں کہ ہر مذہب والا یہ سمجھتا ہے کہ خدا کا دین ایک ہے، اور وہ وہی دین ہے جس پر قائم ہے، اس لئے اس کے خلاف جتنے ادیان ہیں سب باطل ہیں، پس جب کہ ہر مذہب والے نے اپنے کو حق پر اور دوسروں کو باطل پر سمجھا، اس کا نتیجہ مختلف گروہ بندیاں ہو گئیں، اور ایسی حالت میں مصنف کا یہ بیان کہ اہل مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انھوں نے دین کی وحدت کو فراموش کر دیا، اور قرآن نے ان کو یہ فراموش کردہ حقیقت یاد دلائی قرآن پر بھی بہتان اور دوسرے پیروان مذاہب پر بھی، اور اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ نہ مصنف اسلام کو سمجھتا ہے، نہ دوسرے مذاہب کو، اور نہ اسے عقل و فہم کا کوئی حصہ ملا ہے، اس کے بعد اس نے نمبر (ج) قائم کیا ہے اور کہا ہے، اس نے بتلایا کہ خدا کا دین اس لئے تھا کہ نوع انسانی کا تفرقہ اور اختلاف دور ہو اس لئے نہ تھا کہ تفرقہ و نزاع کی ایک علت بن جاوے، پس اس سے بڑھ کر اور گمراہی کیا ہو سکتی ہے کہ جو حیرت فرقہ دور کرنے کے لئے آئی تھی اس کا تفرقہ کی بنیاد بنالیا جاوے، اور لیکن یہ بھی مصنف کی سراسر جہالت ہے، کیونکہ کسی مذہب کا پیرو

بھی اس کا مدعی نہیں ہے، کہ دین الہی تفرقہ کی بنیاد ہے، بلکہ ہر مذہب کا یہی دعویٰ ہے کہ دنیا سو اختلاف کو مٹاتا ہے، چنانچہ عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی ہو جاؤ اور تفرقہ کو مٹا دو، یہودی کہتا ہے کہ سب یہودی ہو جاؤ اور تفرقہ کو مٹا دو، مسلمان کہتا ہے کہ سب مسلمان ہو جاؤ اور تفرقہ کو مٹا دو، اسی طرح ہر فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ تفرقہ کو مٹانا چاہتا ہے، اور یہ تفرقہ جو پیدا ہوا ہے اس کا منشاء اپنے دعوے پر اصرار اور مخالف کے دعوے کی تکذیب ہے، اور اس سے اسلام بھی خالی نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی اپنے کو حق اور دوسرے مذاہب کو باطل قرار دیتا ہے، جس کا دوسرے مذاہب انکار کرتے ہیں جس سے تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوتا ہے، پس مصنف کا دوسرے مذاہب پر یہ الزام کہ وہ تفرقہ چاہتے ہیں اور اسلام کی نسبت یہ دعویٰ کہ وہ تفرقہ کو مٹاتا ہے، دونوں بہتان ہیں، پس اسلام اور دوسرے مذاہب میں، یہ اختلاف نہیں ہے کہ اسلام لوگوں کو تفرقہ سے روکتا ہے، اور دوسرے مذاہب تفرقہ کی دعوت دیتے ہیں، بلکہ اسلام میں اور ان میں صرف یہ فرق ہے کہ اسلام لوگوں کو حق پر متفق ہونے کی دعوت دیتا ہے، اور دوسرے مذاہب ان کو باطل پر متفق ہونے کی دعوت دیتے ہیں، اور جبکہ پیروان اسلام دوسروں کی دعوت قبول نہیں کرتے، اور دوسرے اس کی دعوت منظور نہیں کرتے، اس کا نتیجہ فرقہ بندی اور تفرقہ و اختلاف ہوتا ہے، پس ثابت ہوا کہ مصنف کا یہ بیان بھی سراسر جہالت ہے اور نہ وہ اسلام کو سمجھتا ہے، اور نہ دوسرے مذاہب کو اس کے بعد اس نے نمبر (۵) قائم کیا ہے اور کہا ہے، اس نے بتلایا کہ ایک چیز دین ہے ایک شرع و منہاج ہے۔ دین ایک ہی ہے اور ایک ہی طرح پر سب کو دیا گیا، البتہ شرع و منہاج میں اختلاف ہوا اور یہ اختلاف ناگزیر تھا، کیونکہ ہر عہد و ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو ویسے ہی احکام و اعمال اس کے لئے اختیار کئے جائیں، پس شرع و منہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو جاسکتے، تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کر دی ہے، محض شرع و منہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو اور لیکن مصنف کا یہ بیان بھی سراسر جہالت اور قرآن پر افتراء ہے، کیونکہ قرآن نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ دین کوئی اور چیز ہے اور شرع و منہاج کوئی اور شے بلکہ خود وہ شرع و منہاج ہی دین ہے، اور اس کے علاوہ دین کوئی چیز نہیں، کیونکہ دین نام ہے قانون الہی کا پس جس زمانہ میں جو قانون الہی ہو گا اس زمانہ میں وہی دین ہو گا، اور جب وہ قانون منسوخ ہو جاوے گا دین بھی درہے گا، پس دوسرے مذاہب کی غلطی یہ نہیں ہے کہ انھوں نے شرع و منہاج کو دین سمجھ لیا بلکہ ان کی غلطی یہ ہے کہ غیر دین کو دین بنالیا، یا دین منسوخ کو غیر منسوخ قرار دیا، اور دین حق کو جھٹلایا۔ اس کے بعد مصنف نے نمبر (۶) قائم کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس نے بتلایا کہ مذہب ہی گروہ بندیوں اور ان کے

ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں، یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں ورنہ خدا کا ٹھیرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے وہ دین حقیقی کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی، جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کرے گا اس کے لئے نجات ہے، خواہ وہ تمہاری گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔ لیکن یہ بھی مصنف کی ایک مجنونانہ بڑے جس کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ ایک طرف وہ شرع و منہاج کے اختلاف کو تسلیم کرتا ہے، اور دوسری طرف وہ کہتا ہے کہ یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں، پھر ایک طرف وہ اس کو شرع و منہاج قرار دے کر اس کو نجات و سعادت انسانی میں مؤثر تسلیم کرتا ہے، اور دوسری طرف اس کو انسانی گروہ بندیاں قرار دے کر نجات و سعادت انسانی میں غیر مؤثر مانتا ہے، پھر وہ کہتا ہے کہ دین حقیقی ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی بتلاتا ہے، لیکن وہ نہیں بتلاتا کہ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی کا مطلب کیا ہے اگر وہ اس کی کوئی صورت متعین کرتا ہے تو پھر وہ اس کی تعریف سے خارج ہو کر شرع و منہاج کی حد میں آجاتا ہے، اور وہ اس کو دین سے خارج کہتا ہے، پھر وہ نہیں سمجھتے کہ وہ دین حقیقی کیا چیز ہے، اور اس پر انسان کیونکر قائم ہو سکتا ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ کلام سراسر مجنونانہ ہے، اور اس کے کوئی معنی ہی نہیں۔

اس کے بعد اس نے نمبر (د) قائم کیا ہے اور کہتا ہے اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب اپنی مشترک اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں، وہ کہتا ہے تمام مذاہب سچے ہیں، لیکن پیران مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں، اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کر لیں، تو میرا کام پورا ہو گیا، اور انھوں نے مجھے قبول کر لیا، تمام مذاہب کی یہی مشترک و متفقہ سچائی ہے، جسے وہ الدین اور الاسلام کے نام سے پکارتا ہے، ام

لیکن یہ بھی اس کا قرآن پر افتراء ہے، قرآن نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں، اور الدین اور الاسلام اس مشترک سچائی کا نام ہے، ہاں وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ اپنے اپنے وقت میں ہر مذہب سچا تھا، اور اس وقت میں وہ ہی الدین اور الاسلام کا مصداق تھا، لیکن اب جبکہ تمام مذاہب منسوخ ہو چکے، اور ان کی جگہ ایک نیا آگیا، تو اب وہی الدین اور الاسلام کا مصداق ہے، نہ کہ دوسرا کوئی مذہب، اور اس بیان میں اور مصنف کے بیان میں وہ ہی اختلاف ہے جو ایمان اور کفر میں ہے۔

اس کے بعد مصنف نمبر (سن) قائم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا کا دین اس لئے نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے، بلکہ اس لئے ہے کہ ہر انسان دوسرے سے محبت کرے، اور سب ایک ہی پروردگار کے مسخّر و عبادت میں بندہ کر ایک ہو جائیں، وہ کہتا ہے کہ جب سب کا پروردگار ایک ہے، جب سب کا مقصود اسی کی بندگی ہے، جب ہر انسان کے لئے وہ ہی ہے جیسا اس کا عمل ہے تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ تمام جنگ و تباہ کیوں ہے اس -

لیکن یہ بھی قرآن پر اقرار اور کھلا ہوا بہتان ہے، قرآن کہیں ان کفر یا سب کی تبلیغ نہیں کرتا، قرآن سالوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک کو وہ مسلمین کہتا ہے دوسرے کو کفار، مسلمین کو آپس میں محبت کی تعلیم کرتا ہے۔ اور کفار سے نفرت دلاتا ہے، ان سے جنگ کا حکم دیتا ہے، ان کو شیطان کا پرستار قرار دیتا ہے، کہ خدا کا، اور یہ مضمون قرآن میں ناقابل انکار طریق پر موجود ہے تو اس کی نسبت جو دعویٰ مصنف نے کئے ہیں سراسر بہتان ہوں گے۔

تَمَّتِ الْعَمِيَّةُ وَبِتَمَامِهَا اخْتَمَتِ رِسَالَتِي تَوْحِيدِ الْحَقِّ وَتِلْكَ الْحَمْدُ

(النور ص ۷، ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ)

جلد چہارم تمام شد

ضمیمہ امداد الفتاویٰ مہربان جلد چہارم

فائدہ ثالثہ واربعین

از مواہد العوائد فی زرد اند الفوائد من رجب الثور ۱۳۴۶ھ

در تہ تیغ الرابع حصہ ششم فصل دوم

اس کا موقع مضمون متفقین تو صنیع بعض جسراء اصل واقعہ از

صاحب واقعہ کے بالکل ختم پر یعنی انت ارحم الراحمین

کے بعد ہے۔ یعنی اس کے بعد عبارت ذیل کا اضافہ کیا جائے

وہذا

تذنیب ثانی

نیز تفسیر مزید توضیح بعض جسراء اصل واقعہ از صاحب واقعہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں صاحب واقعہ بار دیگر میرے پاس بغرض تربیت باطن آئے اور ضروری حالات کی روزانہ اطلاع کے ضمن میں ایک خالص حالت متعلق واقعہ کی تحریر ری اطلاع حسب ذیل دی۔ جس کے شروع ہی کے سطور سے جو ان کے ماثثر من الجذب ہونے پر دال ہیں ان کی مزید مسندوری کی صریح تو ضیح ہوتی ہے نیز احقر کی تعبیر کا ان کی اور اس کی اجابت کے مناسب ہونا بھی مفہوم ہوتا ہے اس تحریر کی بعینہ نقل کرتا ہوں۔ وہو ہذا

علاوہ اس کے ایک اور بات ہے کہ جس کو میں اب تک آپ کی خدمت بابرکت میں عرض نہیں کر سکا۔ میں نے اس کے اخفاء میں دیدہ و دانستہ اغماض نہیں کیا بلکہ اتفاق سے نہیں عرض نہیں کر سکا۔ وہ یہ کہ خواب کا واقعہ جو ریاست رامپور میں میرے ساتھ ہوا جس میں کلمہ شریعت کا ذکر تھا اس کے متعلق بعض نے توجہ نہ لکھا اور بعض نے فرط محبت وغیرہ۔ لیکن اس میں جو اصل راز تھا اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے یا مجھے۔ راز اس میں یہ تھا کہ ان دنوں میں مجھ پر جذب کے آثار نمایاں تھے اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ تھا اس غلبہ محبت میں مجھے شیخ کی تلاش ہوئی لیکن میں اپنی عقل کو جانتا تھا اور ڈرتا تھا کہ کسی نااہل کی صحبت میں نہ پھنس جاؤں اور پھر جو اہل ہیں ان میں بھی مرتبہ کی حیثیت سے ایک دوسرے پر ایک دوسرے کو فضل ہے

اور طبیعت اس امر کی مقتضی تھی کہ شیخ وہ انتخاب کر دے جس کی نظیر آج تمام دنیا میں موجود نہ ہو تو میری عقل اس کے امتیاز سے عاری تھی۔ یہ امکان تھا کہ میں اپنی عقل سے خود شیخ کا انتخاب کرتا اور عند اللہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی اور ہوتا۔ اس لئے میں نے اپنی عقل پر عدم اہتمام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا۔ میں نے جنگل میں بیٹھ کر رات کے وقت نہایت زاری اور اضطراب سے نہایت پستی اور تذلل سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ اے اللہ میں نہیں جانتا کہ اس وقت دنیا کے اندر سب سے زیادہ مرتبہ والا کتیرا ولی کونسا ہے : اور میری عقل اس بات کے پہچاننے سے عاری ہے۔ اے اللہ! تو میری امداد فرما اور مجھے بتلا دے تاکہ میں اس کی طرف رجوع کر دوں اور اے اللہ میں صرف خواب پر اعتماد نہ کر دوں گا کونکہ ممکن ہے کہ شیطان متمثل ہو کر کوئی شکل پیش کر دیوے اور میں دھوکہ میں آ جاؤں۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ کسی بدعتی پر میرا اعتماد نہ رہے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور یہ واقعہ گذرا۔



فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

جدید فقہی ترتیب پیشہ منافوں کے ساتھ

از مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب و مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم دیوبند کی خداداد شہرت اور اس کے فتاویٰ پر تمام ممالک اسلامیہ اور مسلمانوں کی پنجائیتوں اور عدالتوں کا اعتماد محتاج بیان نہیں دور حاضر کے یہ وہ فتاویٰ ہیں جو اکابر علماء کے لکھے اور دیکھے ہوئے ہیں اور جن کو مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مستند اور معتبر تسلیم کیا گیا ہے

جدید ایڈیشن کی خصوصیات :-

- اس دفعہ ترتیب بالکل جدید کی کہ تمام مسائل کو فقہی ابواب اور فصول کے تحت کر دیا گیا ہے۔
- حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے قیام پاکستان کے بعد کے لکھے ہوئے بے شمار فتوے جو موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق تھے اور اب تک شائع نہیں ہوئے تھے۔ ان کا شاندار اضافہ کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص باسانی شریعت کا ہر حکم معلوم کر سکتا ہے۔
- کتابت دوبارہ کرائی گئی اور اسکی تصحیح نہایت اہتمام سے کرائی گئی ہے۔ ان خصوصیات کی وجہ سے یہ مجموعہ فتاویٰ اس دور کے تمام فتاویٰ پر سبقت لے گیا ہے۔ عکسی عمدہ طباعت سفید کاغذ مضبوط اور صین جلدیں قیمت جلد اول ۸۰۰ صفحات ۱۰ روپے جلد دوم ۱۲۰۰ صفحات ۱۰ روپے

کامل سیٹ ۱۲۰ روپے

مکتبہ دارالعلوم دیوبند

امداد الاحکام مکمل

تالیف :- حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

زیرنگرانی :- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی و علمی مشاغل کی کثرت کے پیش نظر ۱۳۲۰ھ میں مولانا ظفر احمد عثمانی رکو فتاویٰ لکھنے پر مامور فرمایا۔ زیر نظر کتاب درحقیقت امداد الفتاویٰ کا ضخیم حصہ تہتمہ ہے۔ ان فتاویٰ میں سے اکثر حکیم الامت رکو کے نظر ثانی شدہ ہیں۔

● اس کی ترویج و ترتیب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نگرانی میں کروائی۔

● ہر جلد کے فتاویٰ پر ترتیبی نمبر اور مسئلہ کا عنوان لکھا گیا ہے۔

● اہم مسائل کو جداگانہ مستقل عنوان کے تحت ضبط کیا گیا ہے۔

● مبہم مسائل پر مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے خود حاشی تحریر فرمائی ہیں۔

● ایک مسئلہ کے متعلق جب قدر فتاویٰ یا تحقیقی مقالے مختلف جلدوں میں تھے ان سب کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

امداد الاحکام چار جلدوں پر مشتمل و مکمل ہے۔ علماء و مفتیان کرام کیلئے سید ضروری اور مفید کتاب ہے۔ انسٹ کی بہترین کتابت و طباعت۔

قیمت مجلد جلد اول جلد دوم جلد سوم جلد چہارم

مکتبہ ارا العلوم کراچی ۱۲